حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

کی

سیاسی ڈائری

اخبار و افکار کی روشنی میں

جلد سوم

۱۹۴۰ء تا ۱۹۴۵ء

تالیف و تدوین

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری

شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا

سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

کی

سیاسی ڈائری

اخبار وافکار کی روشنی میں

جلد سوم

۱۹۴۰ء تا اختتام ۱۹۴۵ء

عطا فرمودہ

جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ العالی

(استاذ الحدیث دار العلوم دیوبند و صدر جمعیت علماء ہند)

تالیف وتدوین

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری

باہتمام: محمد ناصر خان

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

New Delhi - 110002

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی

سیاسی ڈائری

(جلد سوم)

تالیف وتدوین .... ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری

باہتمام .... محمد ناصر خان

صفحات 972

اشاعت 2018ء

Maulana Sayyad Hussain Ahmad Madani (R.A.) Ki

Siyasi Diary

Akhbâr wa Afkâr Ki Roshni Mein

(Vol. 3)

Compiled by : Dr. Abu Salman Shahjahanpuri

Edition : 2018

Pages : 972

ناشر

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FBD FARID BOOK DEPOT(Pvt.)Ltd.

2158, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2

Ph.: 011-23289786, 23289159 Fax: 011-23279998

E-mail: faridexport@gmail.com | Website: faridexport.com

Printed at : Farid Enterprises, Delhi-2

عرضِ ناشر

بحمد اللہ، ادارہ فرید بک ڈپو (پرائیویٹ لمیٹڈ) قرآن حکیم، احادیثِ مقدسہ، اسلامی تاریخ، فقہ، تبلیغی، اصلاحی، ادبی اور دیگر علوم وفنون پر اہم کتابوں کی طباعت واشاعت کے لیے پورے عالم اسلام میں مشہور ومقبول ہے۔ ادارہ کی اس نمایاں کامیابی میں اللہ رب العزت کی بے پایاں رحمت ونصرت اور بانی ادارہ خادم قرآن الحاج محمد فرید خاں مرحوم کا دینی وملی خلوص اور دعائیں شامل ہیں جنھوں نے قرآن مجید اور دینی لٹریچر کی اشاعت کو غیر منفعتی تبلیغی مشن کے طور پر جاری کیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ بانی ادارہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہم مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں۔

ہندوستان کی تاریخِ آزادی علمائے دیوبند کے بے مثال جذبہ حریت اور جہدِ مسلسل سے روشن ہے۔ حضرت مولانا امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہم اللہ کے جانشین عظیم مجاہد آزادی شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی کی ذاتِ گرامی اسلامی ہند کی تاریخ کا درخشاں باب ہے۔ زیرِ نظر کتاب **"حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کی سیاسی ڈائری: اخبار وافکار کی روشنی میں"** شیخ الاسلامؒ کی حیات، علمی، دینی وملی خدمات اور وطن کی آزادی میں عدیم المثال قیادت کی مستند و معتبر دستاویز ہے جسے نامور اسلامی دانشور حضرت مولانا ابوسلمان شاہجہانپوریؒ نے مدون کیا ہے۔

ادارہ فرید بک ڈپو کو بجا طور پر فخر ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کی سوسالہ تقریبات کے سلسلے میں اکابرینِ جمعیۃ علماء ہند کی یاد میں ان شاہکار کتابوں کو شائع کرنے کی سعادت ہمیں حاصل ہوئی ہے۔

اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ 'چراغِ مدنی' اسی آب وتاب سے روشن رہے اور دار العلوم دیوبند و جمعیۃ علماء ہند ملتِ اسلامیہ کی خدمت، حفاظت اور قیادت کی شاہراہ پر پیش رفت کرتے رہیں۔ آمین۔

خادم قرآن

(الحاج) محمد ناصر خان

بسم الله الرحمن الرحیم

اللهم صل على محمد النبي
الأمي وعلى آله وسلم تسليما

کلماتِ اسعد

از: امیر الہند، فدائے ملت حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم

محترم المقام جناب ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری............زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

امید کہ بہ خیر و عافیت ہوں گے۔

چند دن ہوئے سیاسی ڈائری اور والا نامہ ملا۔ نعمتِ حج سے مسرت ہوئی اللہ قبول فرمائے۔ افسوس کہ اس سفر میں آپ کے ملاقات سے محرومی رہی، آپ نے کتاب کے سلسلے میں بڑی جاں فشانی فرمائی، اللہ قبول فرمائے، ہم سب صمیم قلب سے شکر گزار ہیں، دوسری جلدوں کا انتظار رہے گا۔ تنویر صاحب، قاری رشید صاحب، اور پرسان احوال حضرات سے سلام مسنون فرمادیں۔

دعوات صالحہ اور کار لائقہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام

اسعد مدنی

صدر: جمعیتِ علماے ہند

۲۵/ اپریل ۲۰۰۳ء

پیش لفظ

شیخ الاسلامؒ کی سیاسی ڈائری
تیسری جلد
ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری

الحمدللہ! حضرت شیخ الاسلام کی سیاسی ڈائری کی تیسری جلد نہ صرف ترتیب و تدوین کے مراحل سے گزری بلکہ کمپوزنگ اور کریکشن کے مراحل سے بھی گزر گئی۔ اب جب کہ طباعت کے لیے پریس کے حوالے کی جارہی ہے، مناسب ہوگا کہ اس سلسلے میں چند گذارشات پیش کردی جائیں۔

تیسری جلد کا دورانیہ (۱۹۴۰ء تا ۱۹۴۵ء) چھ سال پر محیط ہے، براعظم ہند پاکستان کی تحریکِ آزادی کا آخری مرحلہ ۱۹۴۰ء سے شروع ہوکر ۳/جون ۱۹۴۷ء کے اعلان پر ختم ہوتا ہے۔ چوں کہ اس پورے دور کو ایک جلد میں نہیں سمیٹا جاسکتا تھا، اس لیے اسے دو حصوں میں تقسیم کردیا ہے۔ پہلا حصہ ۱۹۴۵ء کے ساتھ ختم ہوا ہے اور اس کا دوسرا حصہ ۱۹۴۶ء سے شروع ہوکر ۳/جون کی تاریخی منزل سے آگے حضرت شیخ الاسلامؒ کی وفات کے حادثۂ فاجعہ دسمبر ۱۹۵۷ء تک دراز کردیا ہے۔ اسی چوتھی جلد میں حضرت کی وفات پر عالمی ردِعمل خصوصاً براعظم ہندو پاکستان میں ردِعمل کو بھی سمیٹ لیا گیا ہے۔ اس دور کا دوسرا حصہ (۱۹۴۶ء تا ۱۹۵۷ء) ڈائری کی چوتھی جلد ہے۔

۱۹۴۰ء۔ کے شروع ہونے میں ابھی پورے چار ماہ باقی تھے کہ یکم ستمبر (۱۹۳۹ء) کو دوسری عالمی جنگ کا شعلہ بھڑکا تھا اور بہت تھوڑے عرصے میں یورپ اور ایشیا کے متعدد ممالک کو اس نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور رفتہ رفتہ جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک تک پھیلتا چلا گیا۔ دنیا کے جو ممالک اس کی لپیٹ میں آنے سے بچ گئے تھے

جنگ کے اثرات سے وہ بھی محفوظ نہ رہے۔ اور ۱۹۴۴ء میں جب یہ جنگ ختم ہوئی تو برطانیہ عظمیٰ، جس کی شہنشاہی میں سورج غروب نہ ہوتا تھا، عالمی قوتوں میں تیسرے درجے کی قوت رہ گئی تھی۔ اس کے لیے اس کا اپنا وجود بھاری تھا۔ نوآبادیات پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی تھی۔ اسے خود احساس ہو چکا تھا کہ ہندوستان پر اس کا استبداد تاریخ کی ایک کہانی بننے والی ہے۔ برطانوی انتخابات میں چرچل کی شکست اور ایٹلی کی فتح نے اس کی قسمت کے فیصلے پر مہر لگادی تھی۔ مغربی ہواؤں کے کارواں نے خوش خبری کی اس سوغات کو جنوب مشرقی ایشیا میں دور تک پہنچا دیا تھا، یہ تاریخ کا ایک عجیب وغریب انقلاب تھا۔ ۱۹۴۰ء میں برطانوی رعونت کا یہ حال تھا کہ جنگ میں ہندوستان سے پوچھے بغیر اسے فریق بنادیا تھا۔ اور ۱۹۴۵ء میں اپنے کانگریسی دشمنوں کی بیڑیاں کاٹی جارہی تھی، انھیں غیر مشروط طور پر رہا کیا جارہا تھا۔ ان سے گفتگو کی راہ ہم وار کی جارہی تھی۔ ان کے ضعف وناتوانی کا اس درجہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ انھیں وایسریگل لاج شملہ میں اپنا مہمان بنایا جاتا اور خاطر مدارات کی اخلاقیات کی ایک نئی روایت قایم کی جاتی ہے۔

گفتگو کی مجلسوں میں رعایتوں کی فراوانی اور تجویزوں کی پذیرائی کا عالم نرالا تھا، لیکن جنھیں شکار کرنے کے لیے یہ دام بچھایا گیا تھا وہ تقریباً تین سال کی قید سخت کے بعد قلعۂ احمد نگر اور ملک کی دوسری جیلوں سے چھوٹے تھے۔ پچھلے تین برسوں میں ان کی قید کے مقام کو ان کے عزیزوں سے پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ ان کے کسی عزیز اور دوست کو ان سے ملنے نہیں دیا گیا تھا۔ مراسلت کو محدود، بہ واسطۂ حکومت اور سنسر کا پابند بنادیا گیا تھا۔ کتنے ہی عزیزوں کا انتقال ہوگیا تھا اور ان کے آخری رسوم میں شرکت کی اجازت نہ دی گئی تھی۔ اکثر کے گھروں کے نظام تہ وبالا اور ذرایع معاش تباہ ہوگئے تھے۔ وہ ان مدارات کے پس منظر اور اغراض سے واقف اور مصالحِ وقت کو خوب سمجھتے تھے۔ ان دانش مندانِ وقت اور رہنمایانِ قوم کا دام میں پھنسنا تو کبھی تصور میں نہ آتا تھا۔ فریق شاطر نے بہت داؤں کھیلے لیکن اس کی ایک نہ چلی، استعمار اپنے مقاصد

میں کامیاب نہ ہو سکا اور شملہ کانفرنس کی بساطِ سیاست لپیٹ دی گئی۔

شملہ کانفرنس کے بعد ملک کے انتخابات کا ہنگامہ شروع ہو گیا۔ ۱۹۳۵ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت ۱۹۳۷ء میں جو انتخابات ہوئے تھے وہ صرف صوبوں کی سطح پر مکمل ہوئے تھے، ان کے نتایج نے مسلم لیگ کو خوف زدہ کر دیا تھا اور کانگریس کے عزایم نے حکومت کو بدحواس کر دیا تھا۔ دوسری طرف بین الاقوامی حالات کی خرابی اور عالمی جنگ کے روز بہ روز بڑھتے ہوئے امکانات نے حکومت کی توجہ کو ملک کے اندرونی مسایل سے ہٹا کر بیرونی حالات اور خطرات کی طرف موڑ دیا تھا۔

مسلم لیگ کو اس کے جس مشاہدے اور تجربے نے خوف زدہ کر دیا تھا وہ یہ تھا کہ ۱۹۳۷ء کے الیکشن میں انتہائی کوشش کے بعد بھی وہ مسلم اکثریت کے صوبوں — پنجاب، سرحد، سندھ اور بنگال میں سے کسی ایک صوبے میں بھی مسلم ووٹروں کی اتنی تعداد حاصل نہ کر سکی تھی کہ حکومت بنا لیتی! صورتِ حال یہ تھی:

(۱) پنجاب میں لیگ کے ٹکٹ پر راجہ غضنفر علی اور ملک برکت علی کامیاب ہوئے تھے۔ راجہ صاحب تو جس روز الیکشن کا نتیجہ نکلا تھا اسی روز مسلم لیگ کو چھوڑ کر یونینسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے۔ ملک صاحب نے آخر تک رسمِ وفا کو نبھایا۔ حکومت یونینسٹ پارٹی کے ملک سکندر حیات ٹوانہ نے بنائی۔ یونینسٹ پارٹی پنجاب کے مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں کی مشترکہ سب سے بڑی جماعت تھی۔

(۲) صوبہ سرحد میں شروع سے آخر تک خدائی خدمت گاروں کی پارٹی جیتی تھی۔ اس نے نہ صرف ۱۹۳۷ء میں اکثریت حاصل کی تھی بلکہ ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں بھی..... جسے مسلم لیگ نے کفر و اسلام کا مسئلہ بنا دیا تھا، لیگ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکی تھی۔ دونوں مرتبہ اس نے کانگریس کے تعاون سے حکومت بنائی تھی جو ریفرنڈم کے انعقاد تک قایم رہی تھی، اسے بھی توڑنے کے لیے آرڈینس کا سہارا لینا پڑا تھا۔ اس لیے کہ حکومت کا قیام عوام کی نمایندگی کے سادہ اصول پر ہوا تھا۔ ریفرنڈم پاکستان میں

شمولیت یا عدم شمولیت کے اصول پر ہوا تھا۔ اب اگر سرحد کے عوام نے پاکستان میں شمولیت کے حق میں رائے دے دی تھی تو ضابطے کے مطابق حکومت کی تبدیلی ضروری نہ تھی۔

(۳) سندھ میں لیگ کے ٹکٹ پر کوئی امیدوار ہی کھڑا نہیں ہوا تھا۔ اللہ بخش سومرو نے کانگریس کے تعاون سے حکومت بنائی تھی۔ جب لیگ کو سرگرم عمل کیا گیا اس نے اللہ بخش کے خلاف سازش کا جال بچھایا۔ چھوٹی پارٹیوں اور آزاد امیدواروں کو توڑا، پھر بھی حکومت بنانے کے لیے مطلوبہ تعداد بہم نہ ہوئی تو ہندو مہا سبھا کے گٹھ جوڑ سے حکومت بنائی، وہ بھی نہ چل سکی۔ اللہ بخش سومرو نے دوبارہ حکومت بنائی، لیکن جب انھوں نے ۱۹۴۰ء میں سول نافرمانی کی تحریک میں اپنا خان بہادری کا خطاب واپس کر دیا اور لیگ کے اجلاس لاہور (مارچ ۱۹۴۰ء) کے فیصلوں کے خلاف آزاد مسلم کانفرنس۔ دہلی (اپریل ۱۹۴۰ء) کی صدارت کی اور اپنا آزاد اور حریت پسندانہ مسلک واضح کیا تو ان کی حکومت کو توڑ دیا گیا اور کچھ عرصے کے بعد انھیں دن دہاڑے قتل کرا دیا گیا۔

(۴) بنگال میں بھی مسلم لیگ اتنے ووٹ حاصل نہ کر سکی تھی۔ نہ اس کے رہنماؤں پر دوسری چھوٹی پارٹیوں اور آزاد ممبران نے اعتماد کیا۔ ووٹوں کی اکثریت اے۔ کے فضل الحق کریشک پرجا پارٹی کے لیڈر نے حاصل کی تھی، اسی نے کانگریس کے تعاون سے حکومت بنائی تھی۔

کانگریس نے نہ صرف غیر مسلم اکثریت کے علاقوں میں اپنی پوزیشن کو مستحکم بنا لیا تھا، بلکہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں بھی رسوخ حاصل کر لیا تھا۔ مسلم لیگ جو مسلمانوں کی واحد نمایندگی کی مدعی تھی، اسے کانگریس کی یہ برتری اور اثر و رسوخ ہرگز گوارا نہ تھا۔ اس کے لیے یہ بات بڑی شرم ناک تھی کہ وہ مسلم اکثریت کے کسی ایک صوبے میں بھی اپنی اکثریت، اپنے اثر و رسوخ، اپنی مقبولیت اور اپنے بل بوتے پر حکومت قایم نہ کر سکی تھی۔ اس صورت حال نے لیگ کو سخت مشتعل کر دیا تھا۔ اس کے

صدر نے ۶ر فروری ۱۹۴۰ء کو وایسرائے سے گذارش کی کہ وہ صوبہ سرحد میں لیگ کی حکومت بنوا دے۔ لیکن یہ بھی ممکن نہ ہوا، اور صوبہ سرحد کے دوسرے الیکشن ۱۹۴۶ء میں بھی الیکشن خدائی خدمت گاروں نے جیتا تھا اور انھی کی حکومت قایم ہوئی تھی۔

اب جب کہ ۴۶-۱۹۴۵ء کے انتخابات کا مرحلہ درپیش تھا تو مسلم لیگ نے ایک نئی تاریخ رقم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، اس مقصد میں انگریزی حکومت اس کی شریک اور پشت پناہ تھی۔ ۱۹۳۷ء میں صوبائی حکومتوں کی باگ ڈور کانگریس نے اس وقت اپنے ہاتھ میں لی تھی جب یہ بات طے پائی گئی تھی کہ گورنر اس کے فیصلوں کو منسوخ نہیں کر سکیں گے۔ وایسرائے کو صوبوں کے گورنروں سے حق تنسیخ واپس لے کر گویا اپنی شکست کا علی الاعلان اعتراف کرنا پڑا تھا۔ لیگ اور حکومت کے غموں اور مقاصد کی یک جائی نے الیکشن کے متوقع نتایج کو بدلنے کے لیے وہ سب کچھ کیا جس کا اخلاق و قانون کی رو سے ہرگز کوئی جواز نہ تھا۔ الیکشن کیسے جیتے گئے تھے؟ اس کا اندازہ مولانا ابوالکلام آزادؒ، جی ایم سید (سندھ) اور بعض دوسرے حضرات کے بیانات سے لگایا جا سکتا ہے۔

۴۶-۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ نے مرکزی اور صوبائی — دونوں سطحوں کے الیکشن جیت لیے، لیکن جس طرح جیتے تھے اور اس کے لیے جو ہتھکنڈے استعمال کیے تھے، وہ ایک الم ناک داستان ہے، اس کی جھلکیاں قارئینِ کرام اس ڈایری کے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ مسلمانوں کو مسلم لیگ کی اس جیت کی بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑی تھی۔

تاریخ کا یہ دور جو یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو جنگ عظیم دوم کے آغاز کے ساتھ شروع ہوا تھا اور ۷ر مئی ۱۹۴۴ء کو جنگ کے خاتمے کی دستاویز پر دستخط کے ساتھ ختم ہو گیا تھا، بہت اہم دور تھا۔ جنگ نے دنیا کا نقشہ بدل دیا تھا، عالم تہ و بالا ہو گیا تھا، کتنی ہی عظمتوں کے محل ڈھے چکے تھے، برٹش استعمار کا کس بل نکل گیا تھا اور کمر ٹوٹ گئی تھی، غلام قوموں کی زنجیریں ٹوٹنی شروع ہو گئیں تھی، نو آبادیات کی آزادی کے دروازے کھلنے

لگے تھے، جبر کا دور ختم ہو گیا تھا اور ناانصافیوں کی جو فصل بوئی گئی تھی اس کے کاٹنے کا وقت آ گیا تھا۔ برطانیہ جنگ کے فاتحین کی صف میں شامل تھا لیکن ایشیا اس کے ہاتھ سے نکل رہا تھا، ہندوستان میں اس کے استبداد کے دن گنے جا چکے تھے۔ اس دور میں جو واقعات پیش آئے تھے ان پر ایک نظر ڈال لینی چاہیے۔ یہ واقعات ڈایری کی تیسری جلد کے اہم مضامین ہیں۔

۱۹۴۰ء کے آغاز میں حضرت شیخ الاسلامؒ کو جمعیتِ علماے ہند کا صدر منتخب کیا گیا تھا، عام الفاظ میں تو یہ ایک جماعت کے ضابطے کی کارروائی تھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریکِ آزادی کا ایک تاریخ ساز واقعہ تھا۔ پچھلے بیس برس میں ایک سال کے استثنا کے سوا جب جمعیتِ علماے ہند کی تاریخ نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نور اللہ مرقدہٗ و اعلی اللہ مقامہ کی صدارت سے شرف پایا تھا، حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ شاہ جہان پوری ثم دہلویؒ اس کے صدر رہے تھے۔ انھوں نے جمعیت کے نظام کو مستحکم اور اس کے وقار کو بلند کیا تھا۔ ملک کی سیاسی تاریخ میں اس کا بھرم قایم کیا تھا اور عزت بنائی تھی۔ اب تحریکِ آزادی تاریخ کے جس دور میں داخل ہو رہی تھی اس کا بھی ایک تقاضا تھا، اس میں علم و بصیرت کے ساتھ عزیمت و استقامت میں درجۂ کمال کی ضرورت تھی۔ خدانہ خواستہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت مفتی اعظمؒ صاحبِ عزیمت نہ تھے یا ان میں استقامت کی کمی تھی۔ دونوں ایک ہی استاذ کے شاگرد، ایک ہی صاحبِ مقام کی تربیت کے شاہ کار، ایک ہی صاحبِ نظر سے فیض یاب اور ایک ہی مرشدِ حق کے دونوں مسترشد تھے۔ یک ساں صلاحیتوں کے مالک اور علم و عمل کی خوبیوں کے جامع تھے۔ فضیلتیں دونوں میں تھی لیکن ان کے اظہار میں امتیازات اور شان جدا جدا تھی۔ حضرت شیخ الاسلامؒ مقابلہ و مقاومت میں خاص شان کے مالک اور معرکے میں چوکھی کے ماہر تھے۔ جب انھیں مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا تو ان کی سیرت کے عام خصایص کو کرامات کی حد تک اور مافوق الفطرت محسوس کیا گیا۔ حضرتؒ نے اپنی سیرت اور ذوقِ استقامت سے ایک تاریخ رقم کی اور عظیم

الشان کارنامے انجام دیے۔ وہ غلام آباد ہند کے قلعے کو فتح کرنے والے اور صدیوں سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی قوم کو آزاد کرانے والے سورماؤں میں صفِ اول کی شخصیت تھے۔ وہ براعظم ہند پاکستان کے صرف نو کروڑ مسلمانوں کے پیش امام نہ تھے بلکہ سینتیس کروڑ عوام کو غلامی سے نجات دلانے اور ملک کو آزاد کرانے والے صفِ اول کے رہنماؤں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ وہ سیاست و مذہب میں ہندوستان کے سب سے بڑے رہنما ''شیخ الہند'' کے جانشینِ صادق اور حضرت (مولانا محمود حسنؒ) کے قایم مقام تھے۔ انھیں شیخ الہندِ ثانی کہا جاتا تھا۔ دنیا کبھی اصحابِ عزایم کے وجود سے خالی نہیں ہوتی، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے دور میں ان جیسا کوئی نہ تھا۔

۱۹۴۰ء کے آغاز ہی میں سبھاش چندر بوس ہندوستان سے فرار ہوئے تھے اور ۱۹۴۵ء کے اختتام کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی کا چراغ ہمیشہ کے لیے بجھ گیا تھا۔ وطن کی آزادی کے لیے ان کی زندگی، ان کے کارنامے اور ان کی موت ایک سے ایک بڑھ کر شان دار ہوئی۔ ہندوستان سے ان کا نکلنا ایک عجوبہ تھا۔ ہندوستان سے باہر ان کا ہندوستان کی آزاد حکومت کا قیام، اس کے تمام اہم شعبہ جات، بہ شمول ''آزاد ہند فوج'' اور ''قومی بنک کا قیام''، دنیا کے آزاد ممالک سے اس کا منظور کروانا اور روابط پیدا کرنا، دنیا کے سامنے ہندوستان کے مقدمے کو پیش کرنا اور اس کی پیروی کرنا، جنوب مشرقی ایشیا میں آزادیٔ ہند کی تمام تحریکوں اور تنظیموں کو متحد کر دینا، آزاد قوموں کو ہندوستان کے مسئلے کی اہمیت کا احساس دلانا ان کا بڑا کارنامہ تھا۔ ان کی تگ و دو کا میدان جنوب مشرقی ایشیا سے لے کر جرمنی اور فرانس اور یورپ کے قلب تک پھیلا ہوا تھا۔ ان کی زندگی ہی نہیں، موت بھی شان دار اور ان کی عظمت کے شایانِ شان تھی۔ ان کی زندگی کے آخری پانچ برسوں کی پوری تاریخ ڈایری کی تیسری جلد میں سمٹ آئی ہے۔

۱۹۴۰ء کے نصف اول میں ہندوستان کے اندر آزادی کی جو تاریخ رقم کی گئی،

وہ نہایت شان دار ہے۔ یہ چند مہینے مختلف جماعتوں کی کارگزاریوں کی ایسی کسوٹی بن گئے ہیں کہ انھوں نے استعمار پرستوں کو اور حریت پسندوں کو ان کی اپنی تقریروں، تجویزوں اور کاموں کی روشنی میں الگ الگ کر دیا ہے۔

(۱) ۲۲ر، ۲۳ر مارچ کو مسلم لیگ کا جلسہ لاہور جو مسٹر محمد علی جناح کی صدارت میں منعقد ہوا، اس جلسے کی تقاریر و تجاویز غیر واضح تھیں۔ بعض مخالف اخبارات نے جب اس کا مطلب پاکستان لیا تو اس کی تردید کی گئی، لیکن پھر اسی کو مسلم لیگ کا کریڈ بنایا گیا، جس کی وضاحت سے ہمیشہ گریز کیا تھا۔ مطالبہ مان لیا گیا اور پاکستان بن گیا تو اس کے قیام کا مقصد پورا نہیں ہوا۔

(۲) ۲۷ر مارچ کو مولانا ابوالکلام آزادؒ کی زیرِ صدارت کانگریس کا جلسہ رام گڑھ میں ہوا۔ مولاناؒ کا خطبۂ صدارت تاریخ تحریکِ آزادی ہند میں مسلمانوں کے واقعی کردار کی دستاویز، مطالب کی صداقت اور اسلوبِ تحریر کی مثال ہے۔ نیز مسلمانوں کے لیے مثبت اندازِ فکر اختیار کرنے کی سب سے بڑی تنبیہ ہے۔

(۳) ۲۷ر تا ۲۹ر اپریل کو دہلی میں قوم پرور اور حریت پسند مسلمان جماعتوں اور افراد کی کل ہند کانفرنس ان کے حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر کی سب سے مدلل آواز اور مثبت اقدام تھا جو لیگ کے جلسۂ لاہور کے فیصلے اور اعلان کے ردِ عمل میں کیا گیا تھا۔ یہ جلسہ آزاد مسلم کانفرنس کے عنوان سے سندھ کے وزیرِ اعظم اللہ بخش سومرو کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ اس جلسے کا خطبۂ صدارت اور اس کے فیصلے ہندوستان کے سیاسی مسئلے کا واقعی حل اور آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی، سماجی، معاشی، تعلیمی، تہذیبی اور دینی حقوق کے تحفظ کی سب سے بڑی ضمانت تھے۔

(۴) سلسلے کا آخری جلسہ جمعیتِ علمائے ہند کا تھا جو اولین جلسۂ مسلم لیگ لاہور کے دو ماہ دس روز کے بعد حضرت شیخ الاسلامؒ کی صدارت میں بہ مقامِ جون پور منعقد ہوا تھا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کا خطبۂ صدارت تقریباً پچاس صفحات پر مشتمل ہے جس میں انگریزی استبداد کے ابتدائی دور سے زمانۂ حال تک لوٹ مار کی تفصیلات اور

تحریکِ آزادی میں مسلمانوں کو حصہ لینے اور اپنی وطنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی ترغیب کے پراثر مضامین، تاریخی حوالہ جات و معلومات اور فکر انگیز خیالات سے معمور ہے۔ حضرت کا خطبۂ صدارت، اس کے مشورے، ہندوستان میں مسلمانوں کی آبرومندانہ زندگی کی سب سے مضبوط بنیاد ہیں۔ جلسے کی تجاویز مسلمانوں کی اسلامی تہذیبی، سیاسی، معاشی زندگی کی ضامن اور وقت کی تاریکیوں میں سفرِ منزل کے لیے مشعلِ راہ تھیں۔

ماضی کی جن چار چار جماعتوں اور مختلف مکاتبِ فکر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ان کے افکار و سیرت ڈایری کی اس جلد میں اس حد تک کسی نہ کسی انداز میں آ گئے ہیں کہ ذہن و فکر کی تھوڑی سی جنبش اور فکر و تدبر کا ایک چھوٹا سا غیر محسوس عمل بھی تاریخ کی عبرتوں اور بصیرتوں سے آشنا کر سکتا ہے!

مذکورہ چاروں جلسوں کے خطباتِ صدارت اور کل تجاویز کو ڈایری کے صفحات میں مرتب نہیں کر دیا تھا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے افکار کی جلوہ سامانیوں اور عبرت خیزیوں کا دایرہ بہت وسیع ہے۔ اگر انھیں کسی تنقید و تبصرے کے بغیر بھی مرتب کر دیا جائے تو ان کا فیضان دیدۂ بصیرت کھولنے کے لیے اس سے زیادہ ثابت ہوگا جس کا ہم تصور کر سکتے ہیں اور یہ بصیرت ہم پر بہت سے پوشیدہ حقایق اور در پردہ عزایم آشکار کر دے گی۔

۱۹۴۰ء کے مارچ کی آخری تاریخ کو جب کہ جلیاں والہ باغ کے حادثے پر پورے بائیس برس گزر چکے تھے، ایک قوم پرور اور غیرت مند انقلابی نوجوان سردار اودھم سنگھ نے جس نے جذبۂ قومیت اور جوشِ اتحاد میں سرشار ہو کر اپنا نام محمد رام سنگھ رکھ لیا تھا، ۱۳ اپریل ۱۹۱۸ء کے حادثۂ امرتسر کے بانی مبانی پنجاب کے سابق گورنر سر مائیکل اڈوایر کو اس کے اپنے وطن کی سرزمین میں گولی مار کر ختم کر دیا تھا۔

۱۹۴۱ء میں مولانا ابوالکلام آزادؔ کو تاریخ کی سب سے بڑی گالی دی گئی تھی۔ اس خبر سے ہندوستان میں کہرام مچ گیا تھا۔ اس کی سنگینی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا

ہے کہ اسی مکتبِ فکر کے ایک سنجیدہ مؤرخ کو نصف صدی کے بعد اس کی کسک نے مجبور کیا کہ وہ اس کی تردید کریں کہ ایسا نہیں ہوا تھا۔ کاش! ایسا ہی ہوا ہوتا اور یہ واقعہ ہرگز پیش نہ آیا ہوتا۔

۱۹۴۲ء میں کرپس مشن ہندوستان آیا کہ ملک کے حریت پرستوں کو راہ پر لایا جائے، لیکن اس کی کوششیں کام یاب نہ ہوسکیں۔ اسی سال جون کے مہینے میں حضرت شیخ الاسلامؒ کو گرفتار کرلیا گیا۔ مرادآباد کا تاریخی مقدمہ چلا اور تقریباً تین سال کے لیے انھیں جیل بھیج دیا گیا۔ اسی قید کے زمانے میں یہ سازش کی گئی کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کو دارالعلوم دیوبند میں ان کے منصب سے الگ کردیا جائے۔ اس محضر پر کس کس کی مہر لگی ہوئی تھی؟ سازش کا جال کہاں اور کس موقع پر بُنا گیا تھا؟ اور اس کے نتائج دارالعلوم دیوبند، دیوبندی مکتبِ فکر اور ملک کی تحریکِ آزادی اور مستقبل میں مسلمانوں کی زندگی کے لیے کتنے بھیانک نکلتے؟ افسوس کہ اس کا کوئی اندازہ شناس نہ تھا۔ ۱۹۲۷ء میں دارالعلوم دیوبند کے خلاف سازش کے بعد یہ دوسری سازش تھی۔ اس سازش کے تذکرے نے ڈائری کے اسی حصے میں جگہ پائی ہے۔

اس دور (۱۹۴۳-۴۴ء) کا نہایت الم ناک حادثہ بنگال کا قحط تھا۔ یہ انسانوں کا پیدا کردہ تھا، اس کے تمام اسباب سرمایہ داروں نے فراہم کیے تھے، حکومت کی بد انتظامیوں نے اس کے لیے راہ ہم وار کردی تھی اور ہوس پرستوں کی انسانی ہم دردی سے تہی مایگی نے عوام کے حالات کو نظر انداز کر کے ملک میں قیامت برپا کردی تھی۔ نہایت شرم ناک بات یہ تھی کہ اسباب معلوم ہوجانے اور مجرمین کا پتا چل جانے کے باوجود حکومت نے ان سے کوئی باز پرس نہیں کی تھی۔ ڈائری کی زیرِ نظر جلد میں اس قحط کے اسباب، اس کے پس منظر، حکومت کی غیر ذمہ داری و بدانتظامی، مجرمین کی نشان دہی، انگریزی حکومت کے اغراض، سرکاری اور غیر سرکاری رپورٹوں، انسانیت کی بے حرمتی، قحط کی ہلاکت خیزی، جانوں کے ضیاع کے اعداد و شمار تک سمیٹ لیے گئے ہیں۔ قحط کے اسباب کے تدارک کے انسداد اور مجرمین سے باز پرس سے اغماض کے

وجوہ میں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ چوں کہ کانگریس، اس کی حلیف جماعتوں، حریت پرستوں اور استعمار کے دشمنوں نے جنگ میں کسی قسم کی مدد نہیں کی تھی۔ اس کے برعکس مسلم لیگ نے حکومت کی نہ صرف ہر طرح کی مدد کی تھی بلکہ سیاسی میدان میں بھی اس نے گورنمنٹ کی معاون جماعت کی حیثیت سے کانگریس اور حریت پرور جماعتوں کا مقابلہ کیا تھا، ان کے رہنماؤں کے خلاف پروپیگنڈا کیا تھا اور ان کے کاموں میں رکاوٹ پیدا کی تھی۔ اس لیے حکومت کی طرف سے یہ تحفظ اس کی خدمات کے اعتراف میں تحفہ اور وفاداری کا صلہ تھا! انھیں حالات سے فایدہ اٹھانے اور نفع کمانے کا پورموقع دیا گیا تھا۔

اس جلد کے دورانیے (۴۵-۱۹۴۰ء) کے آخری حصے کا ایک اہم واقعہ حضرت شیخ الاسلامؒ کے زیرِ صدارت جمعیتِ علماے ہند کا چودھواں اجلاس منعقدہ سہارن پور (جون ۱۹۴۵ء) تھا۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد ہندوستان کی تحریکِ آزادی جس مقام تک پہنچ چکی تھی اور افکار و مسایل کے ہجوم نے ملک کو جس انتشار میں مبتلا کر دیا تھا، برٹش استعمار کے فتنہ انگیز پروپیگنڈے نے سیاسی فضا کو جس طرح مسموم کر دیا تھا اور ملک کو جوش و جذبات کے حوالے کر کے جس طرح غلط اندازِ فکر اور گم راہیوں میں مبتلا کر دیا تھا، اس کی مثال تحریکِ آزادیٔ وطن کے شاید کسی دور میں نہ مل سکے! بہت کم حضرات ہوں گے جو ان حالات اور اس فضا کے اثرات سے محفوظ رہے ہوں۔ کوئی جماعت اور وقت کا کوئی مدبر شاید ایسا نہ ہو، جو کسی نہ کسی درجے میں متاثر نہ ہوا ہو!

الحمدللہ! ہمارے اکابر کی صفِ اول میں، جو ملکی اور کل جماعتی و قومی سیاسیات میں بھی صفِ اول ہی تھی..... نہ صرف شیخ الاسلامؒ، امام الہندؒ، مفتی اعظمؒ، اور ان کے بعد سحبان الہندؒ، مجاہدِ ملتؒ وغیرہم وقت کے انھی مستثنیات میں سے تھے، جن کے ذہن ودماغ ان اثرات سے ہر طرح محفوظ رہے تھے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کا زیرِ نظر خطبۂ صدارت اس کا ثبوت ہے۔ اس کے مطالعے سے صاف پتا چلتا ہے کہ ان کے جذبات میں ٹھہراؤ ہے، ان کی فکر پختہ، عزم

راسخ اور ذہن متوازن ہے۔ اندازِ فکر راست، رویے میں اعتدال، نظر گہری اور دور رس ہے۔ وقت کے افکار و مسایل پر عبور، اپنی رائے پر پورا اعتماد اور فکر و عمل دونوں میں یمین و یسار کے تذبذب کا کوئی شائبہ نہیں۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے اپنے خطبے میں ماضی و حال کے واقعات پر جو تبصرہ کیا ہے اور حالات کا جس طرح تجزیہ کیا ہے، اس کا تعلق حضرت کے امتیازات سے ہے۔ انھوں نے جس طرح جنگ سے پہلے اور جنگ کے دور کے حالات و واقعات اور حالیہ دور میں برٹش حکومت کے رویے، اعلانات اور عزایم پر روشنی ڈالی ہے۔ اُس وقت کے سیاسی لٹریچر میں اس کی کوئی مثال نہیں! حضرت شیخ الاسلامؒ نے ماضی بعید میں برٹش حکومت کی پالیسی اور اس کے استحصال کے بیان کے بعد اپنے خطبے کا ایک خاص حصہ زمانۂ جنگ میں اس کی لوٹ مار، سازشوں اور فتنہ انگیزیوں کے تذکرے کی نذر کر دیا ہے اور نہایت منطقی انداز میں ان امور کا بیان فرمایا ہے۔ ان میں سے چند امور یہ ہیں؛

۱۔ عوام کی رضامندی کے بغیر جنگ میں شرکت کا اعلان کر دیا۔

۲۔ ملک کا آئین اور دستور جیسا بھی تھا، اسے بالائے طاق رکھ کر ملک کو آرڈی ننسوں کی بنیاد پر چلایا۔

۳۔ جنگ کی مخالفت میں تحریر و تقریر کی پابندی۔

۴۔ ڈیفنس آف انڈیا کا نفاذ اور اس کا غیر محدود ظالمانہ اطلاق۔

۵۔ آرمی ایکٹ کا نفاذ اور اس کی قیامت خیزیاں۔

۶۔ ڈاک و تار پر سنسر۔

۷۔ پریس کی آزادی کا اغوا۔

۸۔ ملوں اور کارخانوں پر فوجی ضرورتوں سے قبضہ۔

۹۔ غلے کے گوداموں اور دیگر ضروریات کے اسٹاکس پر قبضہ۔

۱۰۔ فصلوں کے پکتے ہی انھیں اپنی تحویل میں لے لینا۔

۱۱۔ ریلوں اور انجنوں کو ملکی ضروریات کی پروا کے بغیر اتحادی ملکوں میں بھیج دینا۔

۱۲۔ مٹی کا تیل اور پٹرول پر کنٹرول اور ضرورت کی حد سے کم ان کا کوٹا۔
۱۳۔ حریت پرور جماعتوں کی سرگرمیوں پر پابندی اور رہنماؤں کی گرفتاری۔
۱۴۔ خاص جیلوں کا قیام اور اندھا دھند گرفتاریاں۔
۱۵۔ احکام اور پولیس کے لامحدود اختیارات اور انھیں ان کے خلاف عدم کارروائی کی یقین دہانی۔
۱۶۔ کاشت کاروں کے گھروں پر چھاپے اور گھریلو ضروریات کی اشیا پر قبضہ۔
۱۷۔ ملکی غلے کا جبریہ چھیننا اور بیرونِ ملک غیر ضروری سپلائی۔
۱۸۔ حکومت کی بدانتظامی، غفلت اور اس کے نتیجے میں ملک میں قحط پڑنا۔
۱۹۔ گندم، چاول وغیرہ کی مقدار جو زمانۂ جنگ میں ملک سے باہر بھیجی گئی۔
۲۰۔ غلہ سستے داموں زبردستی خریدا اور مہنگے داموں بیچا گیا۔
۲۱۔ ایک وقت میں ملک میں ۵ کروڑ ۳۵ لاکھ ۶۷ ہزار ٹن غلہ موجود تھا، جو بدنظمی کی وجہ سے سپلائی نہ کیا جا سکا۔ نیویارک ٹائمز کے مطابق:

> ''کلکتہ کی سڑکوں پر ہزاروں آدمی بھوک سے دم توڑ رہے تھے اور حکام اسی وقت موٹروں اور ریلوں میں کلکتہ ریس کے گھوڑے لے جانے کی اجازت دے رہے تھے۔''

۲۲۔ بنگال کے قحط میں مرنے والوں کی تعداد وزیرِ ہند نے ۱۸ لاکھ ۳۷ ہزار ۷ سو ۴۹ بتائی ہے۔ جب کہ ڈاکٹر بی سی راے صدر میڈیکل ریلیف ۳۰ لاکھ بتائی ہے۔
۲۳۔ جنگ کے دنوں میں کاشت کاری میں کوئی منصوبہ بندی نہ کی گئی۔ اناج کم پیدا ہوا اور وہ بھی ملک کی ضرورت کو نظر انداز کر کے باہر بھیج دیا گیا۔
۲۴۔ ہندوستانی برآمدات کی قیمت وصول کر کے برطانیہ نے اپنا امریکی قرضہ ادا کر دیا اور ہندوستان کو اسی قیمت کے ''قرض کے چیک'' (ضمانتی تمسکات) پکڑا دیے۔
۲۵۔ ہندوستان سے اصل زر سونا، چاندی، اور ان کے سکے لے لیے اور رعایا کو

اس کے بدلے کاغذ کے نوٹ دے دیے گئے۔

۲۶۔ضمانتی تمسکات کی ادائیگی میں غفلت اور صریح بددیانتی۔

۲۷۔حقیقی زر کی قلت اور مصنوعی زر کی افزائش کی ستم رانیاں۔

۲۸۔ ہندوستانی کاٹن کی برآمدات اور برطانوی ٹیکسٹایل مصنوعات کی در آمدات کا ظلم۔

۲۹۔ ہندوستان جنگ میں فریق نہیں تھا، لیکن انگلستان سے دوگناہ زیادہ بار اخراجات کا ہندوستان نے اٹھایا تھا۔

۳۰۔ہندوستان کے بجٹ میں ساڑھے باسٹھ فیصد ڈیفنس پر خرچ ہوئے تھے۔

۳۱۔عوام پر ٹیکسوں کی گراں باری!

۳۲۔ ہندوستانیوں کے ہزاروں دیہات، لاکھوں مکانات، ہزاروں مربع میل زمین پر فصلوں، باغوں کو فوجی چھاؤنیوں، ہوائی اڈوں اور دیگر فوجی ضروریات کے لیے قبضے میں لے لیا گیا تھا۔

۳۳۔لاکھوں لاریوں، ٹرکوں، دوسری گاڑیوں، کشتیوں کا جابرانہ طور پر قبضے میں لے لیا گیا تھا اور ان کے مالکان کو ذرایع معیشت سے محروم کر دیا گیا تھا۔

۳۴۔فوجیوں کے ہاتھوں عورتوں کے بے عزتی اور آبروریزی کے اندوہ ناک واقعات کا ظہور۔

۳۵۔صوبۂ سرحد کے بعض آزاد قبایل پر پانچ مہینے تک وحشیانہ بم باری۔

۳۶۔ ملک کی آزادی کی تحریک اور حریت پرستوں کے خلاف ملک میں اور بیرونِ ملک پروپیگنڈا۔

۳۷۔ جنگ کے مقصد کے بارے میں پروپیگنڈا کہ یہ جنگ حریت اور آزادی کے لیے ہے اور ہندوستان میں اسی آزادی پر بندش اور اس کے مطالبے کے صلے میں قید و بند کی سزائیں اور تحریک آزادی کے خلاف سازشیں!

اس سے آگے خطبے میں ملک کی آزادی کی اشد ضرورت اور اس کے لیے انتہائی

جدو جہد کی فرضیت پر روشنی ڈالی ہے۔ مسلمان ہندوستان میں صدیوں سے رہتے آئے ہیں۔ یہ ملک مسلمانوں کا بھی اسی طرح ہے جس طرح دوسری قوموں کا! اس لیے دوسری قوموں ہی کی طرح اس کو آزاد کرانے کی تحریک اور اس کی فلاح و بہبود کے تمام کاموں میں حصہ لینا ان پر بھی فرض ہے۔ اب اگر کانگریس یا کوئی جماعت آزادی کی تحریک چلاتی ہے تو اس سے اشتراک تو لازم آئے گا۔ ایک مقصد میں دو شریک ایک دوسرے سے الگ اور بے تعلق کیوں کر رہ سکتے ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ جمعیت ایک الگ اور مستقل جماعت ہے۔ وہ کسی کی ذیلی اور طفیلی نہیں۔ اس کا نظام الگ ہے۔ وہ حالات پر الگ سوچتی ہے۔ وہ اپنے طے شدہ طریقۂ کار کے مطابق سعی وعمل کا قدم اٹھاتی ہے۔ وہ اپنے حالات و مسایل اور افرادی اور ہر طرح کی قوت کے مطابق اپنی صواب دید پر کوئی تحریک چلاتی یا اس میں حصہ لیتی ہے۔ سعی وعمل کے اس سفر میں ایک دوسرے سے اشتراک و تعاون کے بیسیوں مرحلے آتے ہیں اور کتنی ہی باران سے اختلاف کی نوبت آتی ہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے اپنے اسلوب میں اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے اور جمعیت علماے ہند کے کارکنوں کے متعلق جھوٹے پروپیگنڈے کا تار پور بکھیر دیا ہے۔

اس امر پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ کانگریس کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کے اغراض و مقاصد کے کن عناصر نے اس کی صورت گری میں حصہ لیا ہے؟ اس کی تعمیر میں صرف غیر مسلموں ہی نے حصہ نہیں لیا بلکہ مسلمانوں کی رہنمائی، ان کے افکار اور ایثار کا بھی اس کے قومی جماعت بنانے میں اور اس کے تاریخی کردار کے قصرِ عظمت کی تعمیر میں بہت بڑا حصہ لیا ہے اور آخر میں یہ حقیقت بیان کی ہے کہ

> ''انڈین نیشنل کانگریس تمام ہندوستانیوں کی بلاتفریق مذہب ونسل جماعت ہے۔ اس کا مقصد تمام ہندوستانیوں کی بھلائی ہے۔ کسی فرقے اور مذہب کی اس میں خصوصیت نہیں ہے۔''

(خطبات صدارت، ص ۶۱-۳۶۰)

خطبے کے آخری حصے میں علماے کرام کے نصب العین اور اصولِ فکری کی خصوصیت پر روشنی ڈالی ہے، جمعیتِ علماے ہند کی مذہبی و سیاسی خدمات کا تعارف کرایا ہے، رجعت پسندانہ افکار کی تنظیم، مسلم لیگ کے سرچشمۂ فکر کی نشان دہی کی ہے، اس کی پالیسی اور مذہبی مسایل میں اس کے رویے کی وضاحت کی ہے اور خاتمۂ کلام میں ''مسلمانوں کے لیے واحد راہِ عمل'' اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔ یہ راہِ عمل جمعیتِ علماے ہند میں شرکت اور اس کی پیروی کے سوا کوئی اور نہیں!

حضرت شیخ الاسلامؒ کا یہ خطبہ حیرت انگیز واقعات، نادر معلومات، بلند افکار، لاجواب افادات اور فکر انگیز خیالات اور وقت کے بے شمار مسایل و مباحث کی تفصیلات و تذکار سے بھرا ہوا ہے۔

یہ مضامین اور مباحث حضرت شیخ الاسلامؒ کے خطبے کا ایک حصہ ہیں، لیکن یہ محض دعاوی نہیں، ہر دعوے کے ساتھ ایک سند اور اس کا حوالہ ہے۔ حضرتؒ کے تمام دعاوی پر تو تبصرہ نہیں کیا جا سکتا البتہ افادات کے اس بے مثال ذخیرے میں سے مشتے نمونہ از خروارے، صرف دو اندراجات میں دعوے اور ثبوت کو قارئینِ کرام کی ضیافتِ طبع کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ انھی سے اس مجموعۂ افکار کے رنگ و بو کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اسٹرلنگ قرضہ جات کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''ہندوستان کی برآمد پر کنٹرول کیا گیا۔ جو مال ہندوستان سے امریکا وغیرہ کو گیا اس کی قیمت وصول کر کے برطانیہ نے اپنے قرضے میں دے دی اور اس قیمت کے بدلے میں گورنمنٹ انگلستان نے ہندوستان کو قرض کے چیک (ضمانتی تمسکات) دے دیے۔ جس کو اسٹرلنگ قرضہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح انگلستان میں جو اور دوسرا زرِ پیہ موجود تھا اس سب کو لے لیا گیا اور سب کو قومی قرضے اور اسٹرلنگ قرضے میں محسوب کر لیا گیا۔
>
> ہندوستان سے زاید برآمد ہر سال کروڑوں کی مقدار میں ہوتی رہی ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

۱۹۳۸-۳۹ء	۱۷کروڑ رُپے
۱۹۳۹-۴۰ء	۴۸کروڑ رُپے
۱۹۴۰-۴۱ء	۴۲کروڑ رُپے
۱۹۴۱-۴۲ء	۸۰کروڑ رُپے
۱۹۴۲-۴۳ء	۸۴کروڑ رُپے

اس مقدار اور ۴۴-۱۹۴۳ء اور ۴۵-۱۹۴۴ء کی مقدار کے جملہ قرضوں کو اسٹرلنگ قرضے میں شمار کیا گیا ہے۔ اس میں سے ہندوستان کو ایک حبہ نقد نہیں ملا۔ بلکہ یہ وعدہ کیا گیا کہ جنگ کے بعد اس کے مقابلے میں تم کو سامان اس وقت کی قیمت سے دیا جائے گا۔ اسی کے متعلق جناب وائسرائے نے اپنی کلکتہ والی تقریر میں دسمبر میں فرمایا ہے کہ اسٹرلنگ قرضے کا پورا احترام کیا جائے گا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ

(الف) رُپیہ نقد نہیں دیا جاتا۔ حال آں کہ مال لے لیا گیا ہے سب کا سب قرض شمار کیا جاتا ہے۔

(ب) اس کی ادائیگی بعد از جنگ ہوگی، جس کی مدت کچھ معلوم نہیں ہے۔ آج ہی آج کرتے چھ برس گزر چکے ہیں۔ اگر وہ نقد ہندوستانی ارباب اموال کو مل جاتا تو وہ دوسرے وجوہ تجارت میں خرید وفروخت کر کے ترقی حاصل کرتے۔

(ج) قرضہ بھی نقد کی صورت میں ادا نہیں کیا جائے گا، بلکہ سامان کی صورت میں ہوگا جس میں برطانوی سرمایہ دار کی منفعت ہی منفعت ہے۔ برطانیہ نے یہ مقدار روک کر بھی نفع اٹھایا اور ادا کر کے بھی نفع حاصل کیا۔

(د) اس مال کی قیمت بھی برطانیہ اور اس کا سرمایہ دار تشخیص کرے گا۔ ہندوستان اور اس کے تاجروں کو تشخیصِ قیمت میں کوئی دخل نہ ہوگا۔ اس لیے منہ مانگے منافع وصول کیے جائیں گے۔ اگر نقد ہندوستان کو دے دیا

جاتا تو جہاں سے اس کو مال سستا ملتا خرید لیتا۔

(ہ) یہ مال چوں کہ ایام جنگ کا بنا ہوا ہوگا اس لیے نہایت گراں ہوگا، کیوں کہ مزدوری اور جملہ اشیا اس زمانے میں نہایت گراں ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ ایک ایسی عجیب وغریب تجارت قایم کی گئی ہے، جس کی نظیر تمام دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ برطانیہ کو اس میں سراسر نفع ہی نفع ہے اور ہندوستان کو سراسر نقصان ہی نقصان۔" (خطباتِ صدارت: ص ۳۲۸-۳۲۹)

مصنوعی زر کی کثرت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ہندوستان سے اصلی زر سونا اور چاندی اور اس کے سکے مختلف طریقوں سے لے لیے گئے اور ان کے بدلے میں عموماً کرنسی نوٹ اور نہایت کم چاندی والا تھوڑا سا رُپیہ دے دیا گیا۔ کرنسی نوٹ (مصنوعی زر) کی نہایت کثرت کردی گئی۔ ماہوار اضافہ ہوتا رہا، تا آں کہ ایک ارب پچھتر کروڑ سے بڑھ کر دس ارب سے زیادہ ہوگئی (بلکہ گیارہ ارب رُپے تک پہنچ گئی)۔ تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو:

۱۹۳۹-۴۰ء	۴۹٫۴۵ کروڑ	ستمبر ۱۹۴۲ء	۱۱۱٫۳۴
۱۹۴۰-۴۱ء	۱۱۹٫۱۱ کروڑ	اکتوبر ۱۹۴۲ء	۱۳۲٫۴۴ کروڑ
۱۹۴۱-۴۲ء	۱۵۲٫۴۰ کروڑ	نومبر ۱۹۴۲ء	۱۵۹٫۱۱
اپریل ۱۹۴۲ء	۳۲٫۵۵	دسمبر ۱۹۴۲ء	۱۸۹٫۱۱
مئی ۱۹۴۲ء	۵۰٫۵۹	جنوری ۱۹۴۳ء	۲۱۲٫۰۰
جون ۱۹۴۲ء	۶۱٫۹۴	فروری ۱۹۴۳ء	۲۳۸٫۰۰
جولائی ۱۹۴۲ء	۶۹٫۷۵	مارچ ۱۹۴۳	۲۶۷٫۰۰
اگست ۱۹۴۲ء	۹۳٫۰۱	اپریل ۱۹۴۳ء	۳۰۲٫۰۰

(مدینہ بجنور ۲۵ر اکتوبر ۱۹۴۳ء)

اس زور شور سے اضافہ ہوتے ہوتے اب اس کی مقدار مارچ ۱۹۴۵ء تک

دس ارب اکانوے کروڑ اسّی لاکھ رُپے تک پہنچ چکی ہے۔"

(خطباتِ صدارت: ص ۳۴۹، بہ حوالہ اجمل (بمبئی) مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۴۵ء)

ان دفعہ وار احوال بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"محترم بزرگو! ناپاک غلامی اور کالی محکومیت کے زہرہ گداز واقعات اس منحوس زمانے کے بہت زیادہ ہیں، مگر مشتے نمونہ از خروارے چیدہ چیدہ واقعات میں نے آپ کے سامنے پیش کیے ہیں جن سے آپ بہ خوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ اس ملعون غلامی کا ایسا کالا دور کبھی نہ ہندوستان میں گزرا ہے اور نہ دنیا بھر میں کوئی ملک اس کی نظیر رکھتا ہے۔"

(ایضا: ص ۵۰-۳۴۹)

، اس طرح حضرت شیخ الاسلامؒ نے جنگ عظیم دوم سے پیدا شدہ بیسیوں مسایل پر جنھوں نے ہندوستان کے حالات اور عوام کی زندگیوں کو متاثر کیا تھا، روشنی ڈالی ہے اور مستند حوالہ جات سے ان بیانات کو مدلل بنایا ہے۔ حضرتؒ کے دیگر بیانات اور تقاریر میں بھی ان حالات و مسایل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کیا مسلم لیگ کے کسی صغیر و کبیر رہنما کے کسی خطبے، کسی بیان یا مضمون میں حالات کے اتنے گہرے مطالعے، اتنے بلند فکر، مطالب کی فراوانی اور ملکی اور عوام کے فلاح و بہبود کے فکر کی ایسی کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ کانگریس کے چھوٹے بڑے رہنماؤں میں بھی اس فکر کی کوئی مثال موجود نہیں۔ البتہ بعض برادرانِ وطن جو تعلیم، تجارت، معاشیات اور سیاست کا علمی ذوق رکھتے تھے، وہ اس وقت بھی اس قسم کے اعداد و شمار کی جمع و ترتیب اور ان پر غور و تدبر میں مصروف تھے۔ لیگ کی سیاست سے متاثر دایرے میں تو کوئی ایسا مورخ و مبصر بھی نظر نہیں آتا۔ حال آں کہ اخبارات اور کتابیں کون نہ پڑھتا ہوگا! لیکن ان سے عبرت حاصل کرنا کسی کے نصیب کا حصہ نہ تھا۔ بلاشبہ تحریکِ آزادی میں کانگریس نے ملک کے عوام کی بہترین رہنمائی کی تھی لیکن جمعیتِ علماے ہند خدمت کے اس میدان میں نیز اس کی دوسری خصوصیات میں شریک تھی۔ لیکن جمعیت کے اس

رہنمائے اعظم شیخ الاسلامؒ کے خصایص فکر و ذوق میں کوئی اس کا شریک نہ تھا۔

غرضے کہ ڈاءری کی یہ جلد بھی براعظم ہند پاکستان کی تحریکِ آزادی کے اہم دور اور تاریخ عالم کے گوناگوں، حیرت افزا، فکر انگیز اور تاریخ کے بناؤ بگاڑ میں اہمیت کے حامل واقعات و حوادث سے بھری ہوئی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ تاریخ کا کوئی اہم واقعہ اپنی ضروری تفصیلات کے ساتھ نظر انداز نہ ہو۔ لیکن ڈاءری کا دامن خواہ کتنا ہی وسیع ہوتا، تاریخ کے ہر جزو کل کا احاطہ کرنا اور اس کے آخری درجۂ تفصیلات تک جانا ہرگز ممکن نہ ہو سکتا تھا اور یہ ایک تنہا شخص کے لیے بھی جس کے وسایل محدود، صلاحیت معمولی اور صحت کم زور ہو، ممکن نہ تھا۔ ان سب باتوں کے باوجود واقعات کی تفصیل، عمل اور ردِ عمل اور فروع کے بیان میں، جس حد تک بھی جایا جا سکتا تھا اور وسایل و ہمت نے مساعدت کی تھی اس میں کوتاہی نہیں کی گئی۔ واقعات کے ترک و اختیار، اندراجات کے انتخابات اور تفصیلات میں جانے میں احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ واقعات میں تسلسل اور فراوانی اور ساتھ ہی صحت کا بھی اس درجے اہتمام لازم رکھا ہے کہ اس کے مواد سے براعظم ہند پاکستان کی تاریخ تحریکِ آزادی کی بعض شخصیات کے مکمل سیاسی سوانح اور بعض تحریکات کی تاریخیں مرتب کی جا سکتی ہے۔

مجھے امید ہے کہ ڈاءری کی یہ جلد پہلی دونوں جلدوں کے مقابلے میں زیادہ شوق اور دل چسپی سے پڑھی جائے گی۔ اس کی وجہ پہلی جلدوں میں کسی قسم کی کمی نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ مؤلف کے نزدیک گزشتہ دور کی اہمیت ہرگز کم نہ تھی۔ لیکن اس کو کیا کیجیے کہ دور کے مقابلے میں ہمیں اپنے قریب کی چیزوں سے زیادہ دل چسپی ہوتی ہے۔ اس جلد کا تعلق چوں کہ زیادہ قریب کے زمانے سے ہے اس لیے زیادہ پسند بھی کی جائے گی۔

ابو سلمان

ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری

(۲۷؍اپریل ۲۰۰۵ء)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
کی سیاسی ڈائری (جلد سوم) ایک نظر میں

عنوانات	صفحہ

۱۹۴۰

کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس:

یکم جنوری ۱۹۴۰ء: باردولی میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہوا، اس میں ایک ریزو لیوشن گاندھی جی کے بارے میں پاس کیا گیا، اس میں کہا گیا ہے:

''کانگریس ورکنگ کمیٹی کو گاندھی جی کی طرف سے ایک خط موصول ہوا ہے۔ اور وہ ان کے نکتے کی معقولیت کو تسلیم کرتے ہوئے اُنھیں اس ذمہ داری سے سبک دوش کرتی ہے جو بمبئی کے اجلاس میں پاس شدہ تجویز کے مطابق ان پر ڈالی گئی تھی۔ لیکن کمیٹی انھیں یقین دلاتی ہے کہ ان کی رہنمائی میں سوراج حاصل کرنے کے لیے کانگریس نے اہنسا کی جو پالیسی اختیار کی تھی اور جو عوام میں بے داری پیدا کرنے میں اس قدر کامیاب رہی ہے، اس پر کانگریس بہ دستور عمل کرے گی۔ ورکنگ کمیٹی انھیں مزید یقین دلاتی ہے کہ وہ آزاد ہندوستان میں بھی جہاں تک ممکن ہو سکا عدم تشدد کے دایرے کو وسیع کرنا چاہتی ہے۔ کمیٹی کو امید ہے کہ کانگریس گاندھی جی کو اپنے مشن کو (جس میں سول نافرمانی بھی شامل ہے) پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں پوری پوری امداد دے گی۔ (زمزم، لاہور۔ ۷؍جنوری ۱۹۴۲ء)

گاندھی جی کی غلط فہمی:

تجویز میں گاندھی جی کے جس خط کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:

''ورکنگ کمیٹی کی میٹنگوں میں بحث و تمحیص کے دوران مجھے معلوم ہوا ہے کہ میں نے بمبئی ریزولیوشن کا مطلب سمجھنے میں بہت بڑی غلطی کی ہے۔ میں اس ریزولیوشن کا مطلب یہ لیتا تھا کہ کانگریس عدم تشدد کی بنا پر موجودہ لڑائی اور دوسری لڑائیوں میں شرکت کرنے سے انکار کر دے گی۔ لیکن یہ دیکھ کر مجھے حیرانی ہوئی ہے کہ بہت سے ممبر ریزولیوشن کے معنی لینے میں مجھ سے اختلاف رکھتے ہیں اور ان کی راے یہ ہے کہ جنگ میں شرکت نہ کرنے کی وجہ لازم طور پر عدم تشدد نہ ہونی چاہیے۔ بمبئی ریزولیوشن کو دوبارہ پڑھنے کے بعد

مجھے واضح ہو گیا کہ اختلاف رائے رکھنے والے ممبر درست تھے اور میں نے ریزولیوشن کے وہ معنی لیے جو الفاظ میں نہیں تھے۔

یہ میرا قطعی یقین ہے کہ صرف عدم تشدد ہی ہندوستان کو اور دنیا کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔ جب ایسی حالت ہو تو مجھے اپنا مشن جاری رکھنا چاہیے۔ چاہے میں اکیلا ہوں یا کوئی آرگنائزیشن یا انفرادی اشخاص میرے ساتھ ہوں۔ اس لیے مہربانی کر کے آپ مجھے اس ذمہ داری سے سبک دوش کر دیں جو بمبئی ریزولیوشن کے ذریعے مجھ پر پڑی ہوئی ہے۔ ......الخ (زمزم، لاہور، ۷ رجنوری ۱۹۴۲ء/ ج ۵ نمبر ۱)

عالمی جنگ اور جمعیت علماے ہند کی پالیسی:

۵، ۶ رجنوری ۱۹۴۰ء: جمعیت علماے ہند کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس ...... دہلی مورخہ ۵، ۶ رجنوری ۱۹۴۰ء میں حالیہ عالمی جنگ کے بارے میں ایک پالیسی بیان جاری کیا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے:

''جمعیت علماے ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ حقائق ذیل کا اظہار و اعلان کرتا ہے:

(۱) یورپ کی موجودہ جنگ تحصیل اقتدار و تسلط کی جنگ ہے۔ متحارب طاقتوں میں سے ہر طاقت اپنے حلقۂ سلطنت کو وسیع کرنے یا مغلوب و مقہور اقوام پر اپنا تسلط بحال رکھنے کے لیے بے دریغ دولت بہا رہی ہے اور بے شمار انسانی جانیں تلف کر رہی ہے اور ہر ایک کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ امن و آزادی قایم کرنے کے لیے لڑ رہی ہے یہ محض زبانی دعویٰ ہے جس کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی دلیل بھی کسی کے طرز عمل سے ظاہر نہیں ہوتی۔

(۲) اس جنگ سے کم زور اور مقہور اقوام کو کسی فائدے کی توقع نہیں۔ اس لیے قدرتی طور پر کسی مغلوب و مقہور قوم کو جنگ کے ساتھ ہمدردی اور دلچسپی نہ ہے اور نہ ہونی چاہیے۔

(۳) ہندوستان بھی اس جنگ میں اپنی مرضی سے شریک نہیں ہوا۔ کیوں کہ اس کے ساتھ وہ معاملہ جس کا یہ مستحق تھا نہیں کیا گیا۔

(۴) ہندوستان پر مسلط طاقت نے اپنے مفاد کے لیے یہ مشہور کر دیا ہے کہ ہندوستان رضا کارانہ طور پر جنگ میں شریک ہے حال آں کہ اس کے صحیح نمایندوں نے علی الاعلان ظاہر

کر دیا کہ ہندوستانیوں کو موجودہ جنگ یورپ سے کوئی دلچسپی اور ہمدردی نہیں ہے۔

(۵) اس امر کے ثبوت کے لیے یہ کافی ہے کہ مسلط حکومت ہندوستانیوں کے اس فطری حق کو بھی استعمال کرنے نہیں دیتی کہ وہ جنگ کے متعلق اپنا نقطۂ نظر اور دلی خیال ظاہر کریں۔ یا اس کی اشاعت و تبلیغ کریں۔ چناں چہ حکومت نے دار و گیر اور گرفتاریوں کا بے پناہ طوفان برپا کر دیا۔

(۶) موجودہ جنگ میں امداد و معاونت کا شرعی حکم جمعیت علماے ہند نے اپنی میرٹھ والی تجویز میں جو اکتوبر ۱۹۳۹ء میں پاس ہوئی اور اس مکتوب میں جمعیت علماے ہند کے ناظم اعلیٰ مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحب مرحوم نے جنوری ۱۹۴۰ء میں وائسراے ہند کو بھیجا تھا، واضح کر دیا ہے کہ موجودہ جنگ میں مسلمانوں کے لیے تعاون و معاونت کی کوئی وجۂ جواز نہیں ہے۔

(۷) محبانِ وطن اور طالبانِ آزادی نے حکومت کے غلط پروپیگنڈے کی حقیقت دنیا پر روشن کرنے اور اظہار خیال کی آزادی محفوظ رکھنے کے لیے جو ستیہ گرہ شروع کی ہے جمعیت علما ان کے اس اقدام کو حق بہ جانب سمجھتی ہے اور ان تمام محبان وطن اور ارکان جمعیت علما کو جو قید و بند کی مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں مبارک باد دیتی ہے اور ان کی قربانیوں کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتی ہے۔

(۸) ملک کی موجودہ حالت اور وقت و فضا کی نزاکت اس امر کی مقتضی ہے کہ تحریک سول نافرمانی کا نظم و ضبط پوری طرح قایم رکھا جائے اور دشمنانِ آزادی کو موقع نہ دیا جائے کہ وہ تحریک کی افادی حیثیت کو نقصان پہنچانے کی صورتیں پیدا کر سکیں۔

(۹) مجلس عاملہ اس امر کا خیال رکھے گی اور وقتاً فوقتاً ہدایات جاری کرتی رہے گی کہ اس سلسلے میں اس کے ارکان کے اقدامات ضبط و نظم کی حدود میں رہیں اور کوئی اخلاق کے خلاف واقع نہ ہو۔

(۱۰) یہ واضح رہے کہ ہندوستان کی موجودہ حالت اور ہندوستانیوں کی موجودہ پوزیشن کا تقاضہ یہ ہے کہ سول نافرمانی کرنے والا عدم تشدد کا پابند ہو اور یہ یقین رکھتا ہو کہ ہندوستانیوں کے لیے موجودہ حالت میں عدم تشدد کا راستہ ہی مفید ہے، تشدد کا راستہ خطرناک ہے۔

سرحد کی سیاست اور مسلم لیگ کی پریشانی:

۱۲ر جنوری ۱۹۴۰ء: ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں سرحد میں مسلم لیگ نے ایک بھی نشست حاصل نہیں کی تھی۔ ولی خان لکھتے ہیں کہ یہ صورت حال انگریز کے لیے سخت پریشان کن تھی۔ ۱۲ر جنوری ۱۹۴۰ء کو وایسرائے نے ایک خط میں لکھا کہ جناح ان سے ملنے کے لیے آئے۔ وایسرائے نے ڈاکٹر خان صاحب کے استعفا کا حوالہ دیتے ہوئے، ان سے دریافت کیا کہ آیا صوبۂ سرحد میں کسی اور پارٹی کے حکومت بنانے کے کوئی امکانات ہیں؟ جناح صاحب نے کہا کہ وہ اس سوال کا جواب اپنے رفقا سے مشورے کے بعد دیں گے جس کے لیے انھیں کچھ مہلت دی جائے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اس موقع پر گورنر سے یہ درخواست کی جائے کہ وہ بھی اس معاملے میں دلچسپی لیں، ایک عمدہ خیال ہوگا۔
ایک ماہ بعد جناح نے وایسرائے کو بتایا کہ انھوں نے مسلم لیگی رفقا سے بات چیت کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ وہ سرحد میں حکومت بنانے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ تاہم ان کو یقین تھا کہ اگر سرحد کا گورنر کننگھم ان سے تعاون کرے تو وہ کوشش کر سکتے ہیں۔ مسٹر جناح نے سرحد میں حکومت بنائے جانے کے فواید کا ذکر کیا، اگر مسلم لیگ سرحد میں حکومت بنانے میں کامیاب ہو جائے تو یہ کانگریس کے منہ پر تھپٹر کے مترادف ہوگا۔ اس کے علاوہ مسلم اکثریت کے صوبے میں مسلم لیگ کی حکومت کے قایم ہونے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل جائے گی۔ مسٹر جناح نے مزید کہا کہ اگر ممکن ہو سکے تو وہ یہ کام ہوتے دیکھنے کے شدید خواہش مند ہیں کیوں کہ ان کے خیال میں سرحد میں مسلم لیگی حکومت کے قیام سے بڑھ کر کانگریس کے لیے کوئی اور سبق نہیں ہو سکتا۔ مسٹر جناح کے خیال میں کانگریس کے لیے یہ ایک کاری ضرب ہوگی جس کے باعث صوبۂ سرحد کے بدلتے ہوئے سیاسی منظر میں کانگریسی رہ نما اپنے رویے میں لچک پیدا کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس منصوبے کی تکمیل میں گورنر سرحد اور پشاور کے ڈپٹی کمشنر اسکندر مرزا کو بڑا ہی اہم کردار ادا کرنا تھا۔ انھیں ملاؤں کو سرگرم کرنا تھا تا کہ کانگریس کے خلاف پروپیگنڈا مہم چلائی جا سکے۔

(انگریز راج اور پشتون سیاست: ص ۵۸، ۵۹)

۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کے خلاف مسٹر جناح کا بیان:

۲رفروری ۱۹۴۰ء: نئی دہلی۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ کے نمایندے کے اس سوال کے جواب میں کہ مسلم لیگ کے مطالبات کیا ہیں؟ مسٹر محمد علی جناح نے آج ایک پریس انٹرویو میں بتایا کہ اس سوال کا جواب مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے رزولیوشن میں جنگ چھڑنے کے فوراً بعد ہی دیا جاچکا ہے۔ اس میں مسلم لیگ کا بنیادی نکتہ جس کے لیے مسلم لیگ مصر ہے، یہ ہے کہ ۱۹۳۵ء کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ختم کیا جائے اور تمام دستوری مسائل کا از سرنو جائزہ لیا جانا چاہیے اور جس حد تک جلد ممکن ہو ان مسائل کو زیر غور لانا چاہیے یا...... مسلم لیگ کا مطالبہ یہ ہے کہ جوں ہی کوئی ایسا قابل قبول بیان سامنے آیا مسلم لیگ دستوری مسائل کے بارے میں ایک مفصل اسکیم گورنمنٹ کے سامنے پیش کردے گی اور اس مقصد کے لیے ایک مناسب انتظامیہ بنادی جائے گی جو اس اسکیم کو نافذ کرے گی۔

اس اسکیم کا خاص اصول جس پر مستقبل کے ہندوستانی دستور کی بنیاد ہوگی، ایک مشترکہ اجلاس میں اس کی وضاحت کی گئی ہے جو یہاں مسلم لیگ کی خارجہ امور کی کمیٹی کے ارکین اور متبادل دستوری اسکیمیں جو مسلم لیگ کو پیش کی گئی ہیں ان کے مصنفین کا ہوا تھا اور عبداللہ ہارون نے اس کی صدارت کی تھی۔ یہ نو اسکیمیں تھیں، جن پر ہندوستان کے حالات اور بین الاقوامی صورت احوالی کی روشنی میں مختلف اور متضاد خیالات وافکار نے پیدا کردی ہے، بحث کی گئی اور ان کا جائزہ لیا گیا۔ دریں حالات ایک قرارداد آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی میں پیش کی جائے گی۔ جس کا اجلاس کل سے شروع ہو رہا ہے۔ مشترکہ کمیٹی نے نو اراکین کی ایک کمیٹی قایم کردی ہے جو مسلم لیگ کو پیش کردہ نو اسکیموں کا جائزے لے گی اور غور وفکر کے بعد ایک دستور کا ڈرافٹ تیار کرے گی۔ یہ نو اسکیمیں ان لوگوں کی تیار کی ہوئی ہیں۔

نواب ممدوٹ، ڈاکٹر عبداللطیف، رضوان اللہ، ڈاکٹر افضال حسین قادری، خان بہادر کفایت اللہ، اسداللہ آف کلکتہ اور مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی تیار کردہ پاکستان اسکیم اور خلافت اسکیم۔

لیگ کی دستوری سب کمیٹی کا قیام:

۳رفروری ۱۹۴۰ء: ۳رفروری کو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس مسٹر لیاقت علی خان کی کوٹھی ''گل رعنا'' (دہلی) میں صدر مسلم لیگ مسٹر محمد علی جناح کی صدارت میں شروع ہوا۔ جو ۶رفروری تک جاری رہا۔ اس اجلاس میں مسلم لیگ کی خارجہ کمیٹی (Farcign Committc) کے چیرمین حاجی سر عبداللہ ہارون کی سربراہی میں ایک سب کمیٹی قایم کی گئی جس کے ارکان یہ حضرات مقرر ہوئے ہیں:

۱۔ مولانا غلام رسول مہر، ایڈیٹر انقلاب (لاہور)
۲۔ نواب سر شاہنواز خان ممدوٹ
۳۔ مسٹر رضوان اللہ ایم ایل اے (گورکھ پور۔ یوپی)
۴۔ ڈاکٹر افضال حسین قادری (علی گڑھ)
۵۔ ڈاکٹر سید عبداللطیف (حیدرآباد دکن)
۶۔ چودھری اختر حسین
۷۔ مسز اے پنجابی (میجر میاں کفایت علی (بٹالہ) پنجاب)
۸۔ سید علی محمد راشدی (سندھ) سیکریٹری

لیگ کی سب کمیٹی اور وایسرائے کی دل چسپی:

۴یا۵رفروری ۱۹۴۰ء: سر سکندر حیات خان اور اے کے فضل الحق نے جو پنجاب اور بنگال کے وزرائے اعظم ہیں، مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے اراکین میں شامل ہیں، وایسرائے لارڈ لن لتھگو سے ملاقات کی اور اسے بتایا کہ اس کی (وایسرائے کی) تجویز کے مطابق سب کمیٹی بنادی گئی ہے۔ وایسرائے نے اس پر خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ مجھے اس سے بے انتہا خوشی ہوئی۔ اب میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہوں کہ کمیٹی کیا تجویز کرتی ہے۔ وایسرائے کے الفاظ یہ ہیں:

That I should be interested to learn that the W.C of the M.L. has now instructed a

Sub-committee to draft a constructive program. I said was delighted to hear it and that I should await its terms with the greatest interest" (حقائق، حقائق ہیں: ص۵۲)

خان عبدالولی خان کی کتاب ''حقائق، حقائق ہیں'' کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سکندر حیات نے وایسرائے سے پہلے ہی وعدہ کرلیا تھا کہ وہ ۲رفروری کے اجلاس عاملہ کی کارروائی سے اسے (وایسرائے کو) رازداری کے ساتھ مطلع کریں گے۔ وایسرائے کے الفاظ یہ ہیں، جو اس نے وزیر ہند کی اپنی رپورٹ میں لکھے تھے:

"He would let me know confidentially how matters went in the meeting of the Muslim league working committee 3rd Feb." (ایضاً، ص۵۲)

مسٹر جناح کی وایسرائے سے ملاقات:

۶رفروری ۱۹۴۰ء: مسٹر محمد علی جناح نے وایسرائے سے ملاقات کی اور ۳رفروری کو مجلس عاملہ کی کارروائی سے مطلع کیا اور پھر دریافت کیا کہ اب ہمیں یعنی مسلم لیگ کو کیا کرنا چاہیے؟ وایسرائے کے مراسلے بہ نام وزیر ہند کے الفاظ یہ ہیں:

"After the usual Compliments he (jinnah) opened the proceedings By asking me what were we to do assuming that we meant Muslim league." (حقائق، حقائق ہیں: ص۵۳)

نمایندہ اسمبلی کی تجویز اور گاندھی جی:

۵رفروری ۱۹۴۰ء کو وایسرائے نے گاندھی جی سے ملاقات کی مگر یہ ملاقات بے سود رہی۔ گاندھی جی نے ملاقات کے بعد بیان دیا کہ کانگریس اور وایسرائے کے نظریے میں بنیادی فرق ہے۔ وایسرائے ہند پارلیمنٹ کی نظر التفات کا وعدہ کرتے ہیں اور کانگریس کا

نظریہ یہ ہے کہ ہندوستانیوں کو اپنی قسمت کا مالک تسلیم کیا جائے۔ اُن کی نمائندہ اسمبلی اپنے ملک کا دستور بنائے۔ اقلیتوں کے مسئلے کا اطمینان بخش حل اس نمائندہ اسمبلی کا پہلا کام ہوگا۔
(ملخصاً۔ مدینہ ۱۳ر فروری ۱۹۴۶)

گورنمنٹ کے ایک کمیونک نے ظاہر کیا کہ مسٹر جناح نے وائسرائے سے ملاقات کی۔ وہ اقلیتوں کے مفاد کے متعلق بہت متردد تھے۔ وائسرائے نے یقین دلایا کہ برطانیہ اقلیتوں کے مفاد کی ذمہ دار ہے۔ اقلیتوں کے تحفظات کے بغیر کوئی آئین ہندوستان میں نافذ نہیں کر سکتی۔ (مدینہ: ۱۳ر فروری ۱۹۴۶ء)

نمائندہ اسمبلی۔ سے مسٹر جناح کا اختلاف:

اس کے بعد مسٹر جناح نے ایک مفصل مضمون شائع کیا جس میں پوری قوتِ بیان کے ساتھ نمائندہ اسمبلی کی مخالفت کی اور اعلان کیا کہ جمہوریت ہندوستان کے لیے قطعاً ناموزوں ہے۔ ہندوستان پر جمہوریت کا عائد کرنا ہندوستان کے جسد سیاسی میں ایک بیماری پیدا کر دیتا ہے۔ وغیرہ۔ (مدینہ: ۲۵ر فروری ۱۹۴۰ء)

جمعیت علمائے ہند اور آزاد مسلم کانفرنس:

۳ر مارچ ۱۹۴۰ء: یوم شنبہ (ہفتہ) کو ساڑھے سات بجے شب سے دفتر جمعیت علمائے ہند (دہلی) میں مجلس عاملہ جمعیت علما کا اجلاس زیر صدارت حضرت العلامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب شروع ہوا۔ جس میں حسب ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

تجویز نمبر ۱: جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ آزاد خیال مسلمانوں کی کانفرنس کے انعقاد کو مناسب سمجھتے ہوئے قرار دیتا ہے کہ اگر سات مجوزہ آزاد خیال جماعتوں میں سے تین جماعتیں بھی دعوت دینے میں شریک ہونے کی منظوری دے دیں تو جمعیت علمائے ہند بھی داعیان میں شرکت منظور کرتی ہے۔ جمعیت علما کی طرف سے داعیان میں صدر و ناظم جمعیت علمائے ہند کے نام بہ حیثیت عہدہ کے دیے دئے جائیں اور مجلس استقبالیہ جس قدر نمائندے طلب کرے ان کے نام صوبوں کی جمعیتوں سے استصواب کرنے کے بعد صدر و ناظم کو اپنی صواب دید کے موافق جمعیت کی طرف سے عمل

درآمد کرنے کا اختیار ہے۔(۱)

سر ظفر اللہ خان (قادیانی) اور پاکستان اسکیم:

۱۲؍مارچ ۱۹۴۰ء: ٹھیک اسی زمانے میں جب کہ قرارداد لاہور، جو بعد میں قرارداد پاکستان کے نام سے مشہور ہوئی، ظفر اللہ (قادیانی) نے وائسرائے کو ملک کی تقسیم کی ایک تجویز پیش کی تھی۔ جسے خود انھوں نے ''علاحدگی کی اسکیم'' لکھا ہے۔ یہ اسکیم انڈیا آفس لائبریری (لندن) میں خان عبدالولی خان نے دریافت کی ہے اور اس کی نقل حاصل کرلی ہے۔ پہلے انھوں نے اپنے ایک انٹرویو (مطبوعہ ہفت روزہ چٹان، لاہور، مورخہ ۲۱؍دسمبر ۱۹۸۱ء) میں اس کا ذکر کیا تھا۔ بعدہٗ اپنی تالیف (Facts ar Facts) (مطبوعہ ۱۹۸۷ء، دہلی) میں اور اس کے اردو ترجمے ''حقائق، حقائق ہیں'' (۱۹۸۸ء، لاہور، ص ۶۰، ۶۱) میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ظفر اللہ خان کی اسکیم کے بارے میں وائسرائے نے ۱۲؍مارچ ۱۹۴۰ء کو جو رپورٹ بھیجی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل اسکیم پہلے بھیجی جاچکی تھی۔ ظفر اللہ خان نے وائسرائے کو اجازت دے دی تھی کہ اس اسکیم کو جس طرح چاہے استعمال کرے، لیکن اس کا نام ظاہر نہ کیا جائے۔ چناں چہ وائسرائے نے ایسا ہی کیا۔ عبدالولی خان لکھتے ہیں:

''ظفر اللہ نے برصغیر کی تقسیم کا قابل عمل فارمولا تیار کیا اور اس کا مسودہ وائسرائے لارڈ لن لتھگو کے سپرد کردیا۔ وائسرائے نے اس مسودے پر غور کیا اور اپنی سفارشات کے ہم راہ حکومت برطانیہ کے سیکریٹری آف اسٹیٹ برائے انڈیا کو روانہ کردیا۔ اس مسودے پر ان کے درمیان خط و کتابت ہوتی رہی۔

مسٹر ظفر اللہ نے حکومت برطانیہ سے درخواست کی کہ مسلم لیگ اور اس کے قائدین کو اس بات سے آگاہ نہ کیا جائے کہ اس مسودے کا خالق وہ ہے کیوں کہ وہ ایک اقلیتی فرقے سے تعلق رکھتا ہے، جسے مسلمان پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتے۔ اگر مسلمانوں کو اس

---

(۱) یہ ہرحال آزاد مسلم کانفرنس خان بہادر اللہ بخش صاحب وزیر اعظم سندھ مرحوم کی زیر صدارت حضرت مولانا احمد سعید صاحب اور ارکان جمیعت العلماء کے زیر اہتمام منعقد ہوئی اور اس نے ایک سوال نامہ مرتب کرکے اہل الرائے طبقے کو ان اہم ترین بنیادی امور کی طرف متوجہ کیا ہے کہ ملک وملت کی ترقی کے لیے بہترین ذرایع کیا ہوسکتے ہیں؟ (مولانا سید محمد میاںؒ)

بات کا علم ہو گیا کہ اس فارمولے کا خالق وہ ہے تو اس سے نہ صرف یہ کہ مطلوبہ مقاصد حاصل نہ ہوں گے۔ بلکہ مسلمانوں مین ایسا ردعمل پیدا ہوگا، جو اس فرقے کو نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔ جب کہ انگریز کو اپنے مقاصد کے علاوہ اس نمک خوار طبقے سے بھی دل چسپی ہے۔ بہ ہر حال لارڈ لن لتھگو نے اس منصوبے کی ایک نقل قائداعظم اور مسٹر حیدری کو بھیج دی۔ لیکن ان دونوں پر یہ ظاہر نہیں کیا اس منصوبے کا خالق کون ہے''۔

وایسرائے لارڈ لن لتھگو سیکریٹری آف اسٹیٹ برائے انڈیا لارڈ زٹ لینڈ کے نام اپنے مراسلے میں لکھتا ہے:

''میں نے پچھلی بار تھیلے میں ڈومینین اسٹینس'' سے متعلق ظفراللہ کے نوٹ کی نقل بھیجی تھی اور میں نے اس کے بارے میں لکھا تھا کہ یہ انتہا پسندانہ نقطۂ نظر ہے۔ میں نے اس امر کا ذکر اس لیے کیا تھا کہ اس وقت تک مجھے ان کے ساتھ اس نوٹ کی نوعیت کے بارے میں تبادلۂ خیال کا موقع نہیں ملا تھا اور اس میں جو تجاویز شامل کی گئی تھیں، وہ میری کونسل کے ایک رکن کے نام سے درج ہوئی تھیں۔ اس لیے ان کی صراحت کا جواز موجود تھا۔ میں نے کل ان سے یہ کہا کہ وہ اس میں میرے عمل دخل میں کچھ اضافہ کریں۔ انھوں نے بتایا کہ یہ ابھی پہلا مسودہ ہے اور اگر ان کو اس معاملے میں تحفظ دیا جائے اور اس کو عوام میں مشتہر نہ کیا جائے تو میں اس کو جس طرح چاہوں استعمال کروں اور اس کی نقل آپ کو بھی بھیج دوں۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ اس کی نقول مسٹر جناح کو بلکہ حیدری کو بھی مل چکی ہیں۔ انھوں نے چوتھی بات یہ کہی کہ وہ (ظفراللہ) اس دستاویز کے مصنف ہونے کا اعتراف نہیں کر سکتے۔ یہ دستاویز اس لیے تیار کی گئی ہے کہ مسلم لیگ اسے اختیار کرے اور اس کی زیادہ سے زیادہ تشہیر کی جائے''۔ مجھے ابھی تک اس کو پوری طرح سمجھنے کا موقع نہیں ملا۔ چناں چہ اس پر تبصرہ کسی دوسرے موقع پر اٹھا رکھتا ہوں۔ تاہم یہ خاص قابل قدر کام ہے اور میں اس کے بارے میں آپ کے ردعمل سے دل چسپی رکھتا ہوں''۔ (وایسرے لارڈ لن لتھگو کی طرف سے سیکریٹری آف اسٹیٹس لارڈ زٹ لینڈ کے نام، ۱۲ر مارچ ۱۹۴۰ء)

(ہفت روزہ چٹان، لاہور، ۲۱ر دسمبر ۱۹۸۱ء)

خان عبدالولی خان کے بیان اور سیکریٹری آف اسٹیٹس کے نام وایسرائے کے خط کے اس اقتباس سے ظفراللہ خان کی اسکیم کی تفصیل پر کوئی روشنی نہیں پڑتی تھی۔ اس کے لیے

ہمیں روزنامہ جنگ، لاہور کے نمایندۂ خصوصی کا شکر گذار ہونا چاہیے۔ جنگ کراچی میں یہ رپورٹ اسی طرح شائع ہوئی ہے۔

''لاہور۔١٢ر جنوری (نمایندہ خصوصی) محمد ظفر اللہ نے اپنے ایک طویل نوٹ میں حکومت برطانیہ کو ١٩٤٠ء میں صاف طور پر لکھا تھا کہ پاکستان کی اسکیم ناقابلِ عمل ہے اور اس کے پیش کرنے والے اگر خود بھی اس پر غور کریں تو اس کی ناعملی ان پر ظاہر ہو جائے گی۔ انھوں نے مزید کہا کہ ان کو پورا یقین ہے کہ اس اسکیم کے نتیجے میں سوائے مصیبت اور تکلیف کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ یہ ہندوستان کے مسائل کے حل میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتی۔

اس نوٹ کی کاپی جو کہ تقریباً ٣٢ صفحات پر مشتمل ہے، مسٹر گلبرٹ لیتھ ویٹ نے وائسرائے ہاؤس دہلی سے مارچ ١٩٤٠ء میں برطانیہ کے سیکریٹری آف اسٹیٹس برائے انڈیا کے ذاتی سیکریٹری کو بھیجی تھی۔ اس طویل نوٹ کا مکمل متن روزنامہ جنگ، لاہور نے اپنے خصوصی نمایندے کے ذریعے انڈیا آفس لائبریری (لندن) سے حاصل کیا ہے۔ تاکہ صحیح حقائق منظر عام پر آئیں۔ ظفر اللہ خان نے اپنے نوٹ میں لکھا ہے:

مشکل اور ناامیدی کی حالت میں ''مسلم لیڈروں نے کئی ترکیبیں سوچی ہیں اور ان میں سے کچھ کو اس انتہائی پیچیدہ اور مشکل صورتِ حال کے حل کے لیے پیش بھی کیا ہے، جس سے کہ وہ دو چار ہیں۔ مثال کے طور پر پاکستان کی اسکیم ہے جو کہ مختصراً ہندوستان کو مسلم اور غیر مسلم حصوں میں تقسیم کرنا چاہتی ہے اور مسلم حصے کا نام ''پاکستان'' بتایا گیا ہے۔ اس اسکیم کی لازمی خصوصیت آبادی کی ایک بڑی تعداد کا تبادلہ ہے۔ اس اسکیم کو فوری طور پر مسترد کرنے کے لیے یہ سوچنا ہی کافی ہے کہ اس کوشش کے نتیجے میں جو ہندوستان کے لیے ضروری ہوگی، کس قدر مصارف ہوں گے، کس قدر تکلیف اور مصیبت کا سامنا کرنا ہوگا اور کس قدر خوف و ہراس کا عالم ہوگا۔

ہمیں ان لوگوں پر مکمل اعتماد ہے جو کہ اس اسکیم کو پیش کرنے کے ذمے دار ہیں۔

لیکن ہم پورے احترام کے ساتھ کہیں گے کہ یہ اسکیم قطعی طور پر ناقابلِ عمل ہے، جس کا نتیجہ سوائے مصیبت اور تکلیف کے کچھ نہیں ہوگا۔ اس لیے یہ اسکیم (غیر منقسم) ہندوستان کے مسائل کے حل میں کوئی کردار ادا نہیں کرسکتی۔ جن افراد نے اس اسکیم کی حمایت کی ہے، انھوں نے تصویر کا صرف ایک رخ دیکھا ہے اور وہ اس خواہش سے متاثر ہوئے ہیں کہ صرف ان چیزوں کا تحفظ ہو جائے، جو کہ مسلمانوں کو عزیز ہیں۔ انھوں نے اس بات کی طرف توجہ نہیں دی ہے کہ یہ اسکیم قابل عمل اور معقول بھی ہے یا نہیں؟

اس اسکیم پر دوسرا سنگین اعتراض یہ ہے کہ اس اسکیم کا مقصد مسلم عقیدہ اور تمدن کو ہندوستان کی چند جغرافیائی حدود میں محدود کردینا ہے۔ جس سے زیادہ اسلام کو اور کوئی نقصان نہیں ہوسکتا۔

پاکستان کی اسکیم کو اس طرح مسترد کرنے کے بعد سر ظفر اللہ اپنے نوٹ میں پھر اپنی اسکیم کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی مسلمانوں میں مقبولیت بھی ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

جس اسکیم کے حق میں حال ہی میں مسلمانوں کی بڑے پیمانے پر حمایت حاصل ہوئی ہے، اس کو علاحدگی کی اسکیم' نہ کہ 'پاکستان اسکیم' کہا جاسکتا ہے۔ ان دونوں اسکیموں کے درمیان خاص فرق یہ ہے کہ 'پاکستان اسکیم' کا خاص جز آبادی کا تبادلہ ہے اور یہ کہ علاحدگی کی اسکیم میں اس قسم کی ناممکن اور ناقابل عمل کوئی بات نہیں ہے۔

مختصر طور پر 'علاحدگی کی اسکیم' یہ ہے کہ ایک شمال مشرقی فیڈریشن (وفاق) ہو، جس میں موجودہ بنگال اور آسام کے صوبے شامل ہوں۔ ایک شمال مغربی فیڈریشن (وفاق) ہو، جس میں پنجاب، سندھ، شمال مغربی سرحدی صوبہ، بلوچستان اور سرحدی قبائلی علاقے شامل ہوں۔ باقی ہندوستان میں ایک یا ایک سے زاید وفاق ہوسکتے ہیں، جیسا بھی مناسب سمجھا جائے۔

شمال مشرقی اور شمال مغربی وفاق تاج برطانیہ کے ساتھ براہِ راست تعلق رکھیں گے۔

اس اسکیم کے تحت مختلف مشترکہ معاملوں کے لیے سر ظفر اللہ نے تمام فیڈریٹنگ (وفاق تشکیل دینے والے) حصوں میں بہت سے معاہدوں کی تجویز کی ہے۔ مثلاً: کسٹم اور مواصلات کے معاملات کے لیے آپس میں کنونشن طے ہوں گے۔ دفاع کا مسئلہ ایک اور معاہدے کے تحت ہو۔ اسی طرح پوسٹ، ٹیلی گراف، نشریات اور شہری ہوابازی کے معاملات

کنوینشنوں کے تحت ہوں''۔ (روزنامہ جنگ، کراچی۔ ۱۳؍جنوری ۱۹۸۲ء، ص ۱ و ۱۶)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ظفراللہ خان نے ہندوستان کے سیاسی مسئلے کے حل کے لیے ایک فارمولا پیش کیا تھا، جو مسلم لیگ کی ''پاکستان اسکیم'' سے قطعی مختلف تھا۔ اس کی بنیاد ملک کی تقسیم پر نہیں برصغیر کی وحدت پر تھی۔ خان عبدالولی خان کے انٹرویو (مطبوعہ چٹان، لاہور۔ ۲۱؍دسمبر ۱۹۸۱ء کے جواب میں ظفراللہ خان نے ایک انٹرویو میں جب خوشنود علی خان نمایندہ جنگ کو بتایا تھا کہ انھوں نے وایسرائے کو تقسیم ہند کا کوئی فارمولا پیش نہیں کیا تھا، تو اس میں پوری سچائی موجود نہیں تھی۔ انھوں نے فارمولا ضرور پیش کیا تھا البتہ اس کی بنیاد تقسیم کے اصول پر نہیں تھی۔ ظفراللہ خان نے خوشنود علی خان سے کہا تھا کہ ان کی وایسرائے سے جو خط و کتابت ہوتی تھی وہ صیغۂ راز میں ہوتی تھی۔ بلاشبہ تمام خط و کتابت صیغۂ راز میں ہوتی تھی اور کسی کو پتا نہیں چل سکتا تھا لیکن اب جب کہ انڈیا آفس کے تمام ریکارڈ کے مطالعے کی عام اجازت دے دی گئی ہے، کوئی راز راز نہیں رہا۔

عبدالولی خان نے اسکیم سے متعلق فائل نمبر کا حوالہ بھی دے دیا ہے۔

(دیکھیے چٹان، لاہور، ۲۱؍دسمبر ۱۹۸۱ء ص ۱۲)

مفتیِ اعظم، جناح ملاقات:

۱۳؍مارچ ۱۹۴۰ء: ۱۳؍مارچ ۱۹۴۰ء/ ۳؍صفر المظفر ۱۳۵۹ھ: مدینہ بجنور ص ۱۸ پر لکھتا ہے کہ جب مولانا شبیر احمد عثمانی کے مجبور کرنے پر مفتیِ اعظم مولانا کفایت اللہ مسٹر جناح سے ملے تو جناح نے کہا کہ ارکان جمعیت علماے ہند کانگریس سے مستعفی ہو کر لیگ کے ممبر بن جائیں اور اس کے فیصلے پر عمل کریں۔ اس پر مفتیِ اعظم نے کہا کہ بہ شرطے کہ مسلم لیگ آزادیِ کامل پر مبنی ہو جائے اور حکومت اسے منظور نہ کرے تو لیگ جارحانہ اقدام شروع کر دے۔ مگر مسٹر جناح نے اس شرط کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

(مولانا آزاد، ایک سیاسی ڈائری، ص ۲۹۳)

مائیکل اوڈائر کا قتل:

۱۳؍مارچ ۱۹۴۰ء: سر مائیکل اوڈائر خیر و خوبی سے اپنے وطن واپس پہنچا، اگر

ہندوستان کے لوگ چاہتے تو اس ظالم سے اپنا بدلہ لے سکتے تھے لیکن وہ جانتے تھے کہ آزادی کسی فرد کے وجود کو ختم کر کے نہیں مل سکتی۔ آزادی کی لڑائی ہندوستان کے ہر شہر اور ہر گاؤں میں لڑی جاتی تھی اور وہ شروع ہو چکی تھی۔

لیکن پنجاب میں ایک ایسا شخص بھی تھا جس نے اس دل دوز اور ہول ناک واقعے کو دیکھا تھا اور سر مائیکل اوڈایر کی سرپرستی میں ہونے والے ان واقعات سے لرز اُٹھا تھا۔ جلیاں والہ باغ کے قتلِ عام کے دن وہ یتیم خانے کے بچوں کی ایک ٹولی لے کر آیا تھا تاکہ مرنے اور زخمی ہونے والوں کی مدد کر سکے۔ اپنے ہم وطنوں کی بے بسی دیکھ کر اس بیس سال کے نوجوان کے دل میں اس ظلم اور بے عزتی کا بدلہ لینے کی بے پناہ خواہش جاگ اُٹھی تھی۔ وہ غریب لڑکا تھا اور جب وہ اس قابل ہوا کہ ظلم کا بدلہ لے تو پنجاب کے المیے کے ذمے دار انگلستان واپس جا چکے تھے۔ اُس نے سخت محنت کر کے پیسے کمائے اور لندن گیا۔

دور دراز پنجاب میں واقع جلیاں والہ باغ کی گونج ۲۱ سال کے بعد لندن کی گلیوں میں سنائی دی۔

۱۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کا دن تھا، ہندوستانی ایسوسی ایشن کی میٹنگ تھی، ایک ہندوستانی نے وہاں جمع چند ''معززین'' پر گولی چلائی۔ دوسرے دن اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ پنجاب کے سابق گورنر سر مائیکل اوڈائر کو گولی ماردی گئی۔ لارڈ زٹ لینڈ وزیر ہند معمولی طور پر زخمی ہوئے ہیں۔ پنجاب کے ایک اور سابق گورنر سر لوئی ڈین زخمی ہوئے ہیں اور اُن کا بازو ٹوٹ گیا ہے۔ مجروحین میں بمبئی کے سابق گورنر لارڈ لنگٹن بھی ہیں۔

جس شخص نے یہ گولیاں چلائی تھیں وہ امرت سر کے یتیم خانے کا اُدھم سنگھ تھا، جس نے ۱۳ر اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیاں والہ باغ میں بدلہ لینے کا عہد کیا تھا۔

اس نے عدالت کو بتایا۔ ''وہ (سر مائیکل) اسی لائق تھا مجھے اپنے مرنے اور پھانسی پر چڑھانے جانے کی کوئی پروانہیں۔ میں اپنے ملک کے لیے جان دے رہا ہوں''۔

۱۰ر جون ۱۹۴۰ء کو اُسے موت کی سزا سنائی گئی اور دو دن کے بعد اُسے سولی پر لٹکا دیا گیا۔

کانگریس کا اجلاس رام گڑھ:

۱۷ تا ۱۹ / مارچ ۱۹۴۰ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا سالانہ ۵۳ واں اجلاس رام گڑھ میں منعقد ہوا۔ اس میں آیندہ کے صدر کے مسئلے پر مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر ایم۔ این رائے کے درمیان مقابلہ ہوا۔ مولانا بھاری اکثریت سے کانگریس کے صدر چنے گئے۔ انھیں ایک ہزار آٹھ سو چون ووٹ ملے جبکہ ان کے مدمقابل صرف ایک سو تراسی ووٹ حاصل کر سکے۔ اس موقع پر مولانا نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اسے تاریخ حریت میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ انھوں نے اس وقت کے درپیش مسائل پر بھرپور، وزنی، مدلل اور قابل عمل حل پیش کیے کوئی پہلو تشنہ نہ چھوڑا اور ساتھ ہی حالات کا حقیقت پسندانہ تجزیہ پیش کیا اور فرقہ وارانہ مسائل کھڑے کرنے کے برطانوی ہتھکنڈوں کو بے نقاب کیا۔ درپیش مسائل کے حل اور تجزیے کے اہم پہلو درج کیے جاتے ہیں۔ اس سے مولانا کے فہم و فراست، وسعت نظر، عمق نگاہ، حالت کی رفتار پر گرفت اور سیاسی بصیرت کا ثبوت ملتا ہے، انھوں نے مسائل کا اپنی دانست کے مطابق بہترین حل پیش کیا۔ جس کا اصل مقصد ہندوستان کو متحد رکھنا اور آزاد کرانا تھا اور مسلمانوں کی عددی اقلیت کے وسوسوں اور توہمات کو ختم کر کے آئینی تحفظات فراہم کر کے خود اعتمادی اور بھروسا دلانا تھا۔ فرقہ وارانہ اختلاف کی آفرینش کی نقاب کشائی کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا:

''اگرچہ پچھلے ڈیڑھ سو برس کے اندر ہندوستان میں برطانوی شہنشاہی کا یہ طرز عمل رہ چکا ہے کہ ملک کے باشندوں کے اندرونی اختلافات کو ابھار کر نئی نئی صفوں میں تقسیم کیا جائے اور پھر ان صفوں کو اپنی حکومت کے استحکام کے لیے کام میں لائے تو یہ ہندوستان کی سیاسی محکومیت کا ایک قدرتی نتیجہ تھا اور ہمارے لیے اب بے سود ہے کہ اس کی شکایت سے اپنے جذبات میں کرواہٹ پیدا کریں۔ ایک اجنبی حکومت یقیناً اس ملک کے اندرونی اتحاد کی خواہش مند نہیں ہو سکتی، جس کی اندرونی پھوٹ ہی اس کی موجودگی کے لیے سب سے بڑی ضمانت ہے، لیکن ایک ایسے زمانے میں جب کہ دنیا کو یہ باور کرانے کی کوششیں کی جارہی ہیں کہ برطانوی شہنشاہیت کی ہندوستانی تاریخ کا پچھلا دور ختم ہو چکا۔ یقیناً یہ کوئی بڑی توقع نہ تھی، اگرچہ ہم برطانوی مدبروں سے امید رکھتے تھے کہ کم از کم اس گوشے میں وہ اپنے طرز

عمل کو پچھلے عہد کی دماغی وراثت سے بچانے کی کوشش کریں گے لیکن پچھلے پانچ مہینوں کے اندر واقعات کی جو رفتار رہ چکی ہے اس نے ثابت کر دیا ہے کہ ابھی ایسی امیدوں کے رکھنے کا وقت نہیں آیا اور جس دور کی نسبت دنیا کو یقین دلایا جا رہا ہے، کہ ختم ہو گیا، اسے ابھی ختم ہونا باقی ہے''۔

فرقہ وارانہ مسئلہ:

''بہ ہر حال اسباب خواہ کچھ ہی کہہ رہے ہوں لیکن ہم تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا کے تمام ملکوں کی طرح ہندوستان بھی اپنے اندرونی مسائل رکھتا ہے اور ان مسئلوں میں ایک اہم مسئلہ فرقہ وارانہ مسئلہ ہے۔ ہم برطانوی حکومت سے یہ توقع نہیں رکھتے اور ہمیں رکھنی بھی نہیں چاہئے کہ وہ اس مسئلے کی موجودگی کا اعتراف نہیں کرے گی۔ یہ مسئلہ موجود ہے اور اگر ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ اس کی موجودگی مان کر قدم اٹھائیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہر وہ قدم جو اس کی موجودگی سے بے پروارہ کر اٹھے گا یقیناً ایک غلط قدم ہوگا، لیکن فرقہ وارانہ مسئلے کی موجودگی کے اعتراف کے معنی صرف یہی ہونے چاہییں کہ اس کی موجودگی کا اعتراف کیا جائے، یہ معنی نہیں ہونے چاہییں کہ اسے ہندوستان کے قومی حقوق کے خلاف بطور ایک آلے کے استعمال کیا جائے۔ برطانوی شہنشاہی ہمیشہ اس مسئلے کو اسی غرض سے کام میں لاتی رہی ہے۔ اگر اب وہ اپنی ہندوستانی تاریخ کا پچھلا دور ختم کرنے پر مائل ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ سب سے پہلا گوشہ جس میں ہم قدرتی طور پر اس تبدیلی کی جھلک دیکھنی چاہیں گے، وہ یہی گوشہ ہے''۔

''کانگریس نے فرقہ وارانہ مسئلے کے بارے میں اپنے لیے جو جگہ بنائی ہے وہ کیا ہے؟ کانگریس کا اول دن سے دعویٰ رہا ہے کہ وہ ہندوستان کو بہ حیثیت مجموعی اپنے سامنے رکھتی ہے اور جو قدم بھی اٹھانا چاہتی ہے ہندوستانی قوم کے لیے اٹھانا چاہتی ہے۔ ہمیں تسلیم کرنا چاہیے کہ کانگریس نے یہ دعویٰ کر کے دنیا کو اس بات کا حق دے دیا ہے کہ وہ جس قدر بے رحم نکتہ چینی کے ساتھ چاہے اس کے طرز عمل کا جائزہ لے۔ میں چاہتا ہوں کہ معاملے کا یہ پہلو سامنے رکھ کر ہم آج کانگریس کے طرز عمل پر نئے سرے سے ایک نگاہ ڈال لیں''۔

''جیسا کہ میں نے ابھی آپ سے کہا ہے کہ اس بارے میں قدرتی طور پر تین باتیں

ہی سامنے آسکتی ہیں؛ فرقہ وارانہ مسئلے کی موجودگی، اس کی اہمیت اور اس کے فیصلے کا طریقہ! کانگریس کی پوری تاریخ اس کی گواہی دیتی ہے کہ اس نے اس مسئلے کی موجودگی کا ہمیشہ اعتراف کیا ہے۔ اس نے اس کی اہمیت کو گھٹانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اس نے اس کے فیصلے کے لیے وہی طریقہ تسلیم کیا جس سے زیادہ قابل اطمینان طریقہ اس بارے میں کوئی نہیں بتلایا جا سکتا ہے اور اگر بتلایا جا سکتا ہے تو اس کی طلب میں اس کے دونوں ہاتھ ہمیشہ بڑھے رہے اور آج بھی بڑھے ہوئے ہیں''۔

''اس کی اہمیت کا اعتراف اس سے زیادہ ہمارے تخیل پر کیا اثر ڈال سکتا ہے کہ اسے ہندوستان کے قومی مقصد کی کامیابی کے لیے سب سے پہلی شرط یقین کریں۔ میں اس واقعے کو بہ طور ایک ناقابل انکار حقیقت کے پیش کروں گا کہ کانگریس کا ہمیشہ ایسا ہی یقین رہا''۔

''کانگریس نے ہمیشہ اس بارے میں دو بنیادی اصول اپنے سامنے رکھے اور جب کبھی کوئی قدم اٹھایا تو ان دونوں اصولوں کو صاف صاف اور قطعی شکل میں مان کر اٹھایا''۔

۱۔ ''ہندوستان کا جو دستور اساسی (کانسی ٹیوشن) بھی آیندہ بنایا جائے اس میں اقلیتوں کے حقوق اور مفاد کی پوری ضمانت ہونی چاہیے''۔

۲۔ ''اقلیتوں کے حقوق اور مفاد کے لیے کن کن تحفظات (سیف گارڈز) کی ضرورت ہے؟ اس کے لیے جج خود اقلیتیں ہیں، نہ کہ اکثریتیں! اس لیے تحفظات کا فیصلہ ان کی رضامندی سے ہونا چاہیے نہ کہ کثرت رائے سے''۔

''اقلیتوں کا مسئلہ صرف ہندوستان ہی کے حصے میں نہیں آیا ہے۔ دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی رہ چکا ہے۔ میں آج اس جگہ دنیا کو مخاطب کرنے کی جرات کرتا ہوں۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا اس سے بھی زیادہ کوئی صاف اور بے لاگ طرز عمل اس بارے میں اختیار کیا جا سکتا ہے، اگر کیا جا سکتا ہے تو وہ کیا ہے؟ اس طرز عمل میں کوئی بھی ایسی خامی رہ گئی ہے جس کی بنا پر کانگریس کو اس کا فرض یاد دلانے کی ضرورت ہو؟ کانگریس اپنے ادنی فرض کی خامیوں پر غور کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہی ہے اور آج بھی تیار ہے''۔

''میں انیس برس سے کانگریس میں ہوں۔ اس تمام عرصے میں کانگریس کا کوئی اہم فیصلہ ایسا نہیں ہوا جس کے ترتیب دینے میں مجھے شریک رہنے کی عزت حاصل نہ رہی ہو۔

میں کہہ سکتا ہوں کہ اس انیس برس میں ایک دن بھی ایسا کانگریس کے دماغ پر نہیں گزرا جب اس نے اس مسئلے کا فیصلہ اس کے سوا کسی طریقہ سے بھی کرنے کا خیال کیا ہو۔ یہ صرف اس کا اعلان ہی نہ تھا اس کا مضبوط اور طے کیا ہوا طرز عمل بھی تھا۔ پچھلے پندرہ برسوں کے اندر بار بار اس طرز عمل کے لیے سخت سے سخت آزمائشیں پیدا ہوئیں مگر یہ چٹان اپنی جگہ سے کبھی نہ ہل سکی''۔

''آج بھی اس نے دستور ساز مجلس (کانسی ٹیوٹ اسمبلی) کے سلسلے میں اس مسئلے کا جس طرح اعتراف کیا ہے، وہ اس کے لیے کافی ہے کہ ان دونوں اصولوں کو ان کی زیادہ سے زیادہ صاف شکل میں دیکھ لیا جائے۔ تسلیم شدہ اقلیتوں کو یہ حق حاصل ہے اگر وہ چاہیں تو خالص اپنے ووٹوں سے اپنے نمایندوں کو چن کر بھیجیں۔ ان کے نمایندوں کے کاندھوں پر اپنے فرقے کی رایوں کے سوا اور کسی کی رائے کا بوجھ نہ ہوگا۔ جہاں تک اقلیتوں کے حقوق اور مفاد کے مسائل کا تعلق ہے، فیصلے کا ذریعہ مجلس (اسمبلی) کی کثرت رائے نہیں ہوگی۔ خود اقلیتوں کی رضامندی ہوگی۔ اگر کسی مسئلے میں اتفاق نہ ہوسکے تو کسی غیر جانب دار پنچایت کے ذریعے فیصلہ کرایا جاسکتا ہے جسے اقلیتوں نے بھی تسلیم کرلیا ہو۔ آخری تجویز محض ایک احتیاطی پیش بندی ہے، ورنہ اس کا بہت کم امکان ہے کہ اس طرح کی صورتیں پیش آئیں گی۔ اگر اس تجویز کی جگہ کوئی دوسری قابل عمل تجویز ہوسکتی ہے تو اسے اختیار کیا جاسکتا ہے''۔

''اگر کانگریس نے اپنے طرز عمل کے لیے یہ اصول سامنے رکھ لیے ہیں اور پوری کوشش کرچکی ہے اور کر رہی ہے کہ ان پر قایم رہے تو پھر اس کے بعد اور کون سی بات رہ گئی ہے جو برطانوی مدبروں کو اس پر مجبور کرتی ہے کہ اقلیتوں کے حقوق کا مسئلہ بار بار ہمیں یاد دلائیں؟ اور دنیا کو اس غلط فہمی میں مبتلا کریں کہ ہندوستان کے مسئلے کی راہ میں اقلیتوں کا مسئلہ راستہ روکے کھڑا ہے؟ اگر فی الحقیقت اس مسئلے کی وجہ سے رکاوٹ پیش آرہی ہے تو کیوں برطانوی حکومت ہندوستان کی سیاسی قسمت کا صاف صاف اعلان کرکے ہمیں اس کا موقع نہیں دے دیتی کہ ہم سب مل کر بیٹھیں اور باہمی رضامندی سے اس مسئلے کا ہمیشہ کے لیے تصفیہ کرلیں''۔

''ہم میں فرقے پیدا کیے گئے اور ہمیں الزام دیا جاتا ہے کہ ہم میں تفرقے ہیں،

ہمیں تفرقوں کے مٹانے کا موقع نہیں دیا جاتا اور ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہمیں تفرقے مٹانے چاہییں۔ یہ صورت حال ہے جو ہمارے چاروں طرف پیدا کر دی گئی ہے۔ یہ بندھن ہیں جو ہمیں ہر طرف سے جکڑے ہوئے ہیں۔ تاہم اس حالت کی کوئی مجبوری بھی ہمیں اس سے باز نہیں رکھ سکتی کہ سعی اور ہمت کا قدم آگے بڑھائیں، کیوں کہ ہماری راہ تمام تر دشواریوں کی راہ ہے اور ہمیں ہر دشواری پر غالب آنا ہے''۔

کیا دس کروڑ انسان اقلیت ہوتے ہیں؟

''یہ ہندوستان کی اقلیتوں کا مسئلہ تھا۔ لیکن کیا ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت ایک ایسی اقلیت کی ہے جو اپنے مستقبل کو شک اور خوف کی نظر سے دیکھ سکتی ہے اور وہ تمام اندیشے اپنے سامنے لاسکتی ہے جو قدرتی طور پر ایک اقلیت کے دماغ کو مضطرب کر دیتے ہیں''۔

''مجھے نہیں معلوم آپ لوگوں میں کتنے آدمی ہیں جن کی نظر سے میری وہ تحریریں گزر چکی ہیں جو آج سے ۲۸ برس پہلے ''الہلال'' کے صفحوں پر لکھتا رہا ہوں۔ اگر چند اشخاص بھی ایسے موجود ہیں تو میں ان سے درخواست کروں گا کہ اپنا حافظہ تازہ کر لیں۔ میں نے اس زمانے میں بھی اپنے اس عقیدے کا اظہار کیا تھا اور اسی طرح آج بھی کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے سیاسی مسائل میں کوئی بات بھی اس درجے غلط نہیں سمجھی گئی ہے، جس درجے یہ بات کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی حیثیت ایک سیاسی اقلیت کی حیثیت ہے اور اس لیے انھیں ایک جمہوری ہندوستان میں اپنے حقوق و مفاد کی طرف سے اندیشہ ناک رہنا چاہیے۔ اس ایک بنیادی غلطی نے بے شمار غلط فہمیوں کی پیدائش کا دروازہ کھول دیا۔ غلط بنیادوں پر غلط دیواریں چنی جانے لگیں۔ اس نے ایک طرف تو خود مسلمانوں پر ان کی حقیقی حیثیت مشتبہ کر دی۔ دوسری طرف دنیا کو ایک ایسی غلط فہمی میں مبتلا کر دیا جس کے بعد وہ ہندوستان کو اس کی صحیح صورت حال میں نہیں دیکھ سکتی''۔

''اگر وقت ہوتا تو میں آپ کو تفصیل کے ساتھ بتلاتا کہ معاملہ کی یہ غلط اور بناوٹی شکل گزشتہ ساٹھ برس کے اندر کیوں کر ڈھالی گئی اور کن ہاتھوں سے ڈھلی؟ دراصل یہ بھی اسی پھوٹ ڈالنے والی پالیسی کی پیدوار ہے جس کا نقشہ انڈین نیشنل کانگریس کی تحریک کے

شروع ہونے کے بعد ہندوستان کے سرکاری دماغوں میں بننا شروع ہوگیا تھا اور جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو اس نئی سیاسی بے داری کے خلاف استعمال کرنے کے لیے تیار کیا جائے۔ اس نقشے میں وہ باتیں خاص طور پر ابھاری گئی تھیں، ایک یہ کہ ہندوستان میں دو مختلف قومیں آباد ہیں، ایک ہندو قوم ہے اور ایک مسلمان قوم ہے۔ اس لیے متحدہ قومیت کے نام پر یہاں کوئی مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ دوسری یہ کہ مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کے مقابلہ میں بہت کم ہے اس لیے یہاں جمہوری اداروں کے قیام کالازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہندو اکثریت کی حکومت قایم ہو جائے گی اور مسلمانوں کی ہستی خطرے میں پڑ جائے گی۔ میں اس وقت اور زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ میں صرف اتنی بات آپ کو یاد دلادوں گا کہ اگر اس معاملے کی ابتدائی تاریخ آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو ایک سابق وائسرائے ہند لارڈ ڈفرن اور سابق لیفٹننٹ گورنر مغربی وشمالی (اب یونائیٹڈ پراونسز) سر آکلینڈ کالون کے زمانے کی طرف لوٹنا چاہیے"۔

"برطانوی سامراج نے ہندوستان کی سرزمین میں وقتاً فوقتاً جو بیج ڈالے، ان میں سے ایک بیج یہ تھا، اس نے فوراً پھول پتے پیدا کیے اور گو پچاس برس گزر چکے ہیں مگر ابھی تک اس کی جڑوں میں نمی خشک نہیں ہوئی"۔

"سیاسی بول چال میں جب کبھی اقلیت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مقصود یہ نہیں ہوتا کہ ریاضی کے عام حسابی قاعدے کے مطابق انسانی افراد کی ہر ایسی تعداد جو ایک دوسری تعداد سے کم ہو، لازمی طور پر اقلیت ہوتی ہے اور اسے اپنی حفاظت کی طرف سے مضطرب ہونا چاہیے بلکہ اس سے مقصود ایک ایسی کم زور جماعت ہوتی ہے جو تعداد اور صلاحیت دونوں اعتباروں سے اپنے کو اس قابل نہیں پاتی کہ ایک بڑے اور طاقتور گروہ کے ساتھ رہ کر اپنی حفاظت کے لیے خود اپنے اوپر اعتماد کرسکے۔ اس حیثیت کے تصور کے لیے صرف یہی کافی نہیں کہ ایک گروہ کی تعداد کی نسبت دوسرے گروہ سے کم ہو، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ بجائے خود کم ہو اور اتنی کم ہو کہ اس سے اپنی حفاظت کی توقع نہ کی جاسکے۔ ساتھ ہی اس میں تعداد (Number) کے ساتھ نوعیت (Kind) کا سوال بھی کام کرتا ہے۔ فرض کیجیے ایک ملک میں دو گروہ موجود ہیں۔ ایک کی تعداد دو کروڑ ہے دوسرے کی زیادہ ہے۔ اب اگرچہ ایک کروڑ دو کروڑ کا نصف ہوگا اور اس لیے دو کروڑ سے کم ہوگا۔ سیاسی خیال سے ضروری

نہ ہوگا کہ صرف اس نسبتی فرق کی بنا پر ہم اسے ایک اقلیت فرض کر کے اس کی کم زور ہستی کا اعتراف کرلیں۔اس طرح کی اقلیت ہونے کے لیے تعداد کے نسبتی فرق کے ساتھ دوسرے عوامل (Factors) کی موجودگی بھی ضروری ہے"۔

"اب ذرا غور کیجیے کہ اس لحاظ سے ہندوستان میں مسلمانوں کی حقیقی حیثیت کیا ہے؟ آپ کو دیر تک غور کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔آپ صرف ایک ہی نگاہ میں معلوم کرلیں گے کہ آپ کے سامنے ایک عظیم گروہ اپنی اتنی بڑی اور پھیلی ہوئی تعداد کے ساتھ سر اٹھائے کھڑا ہے کہ اس کی نسبت اقلیت کی کم زوریوں کا گمان بھی کرنا اپنی نگاہ کو صریح دھوکا دینا ہے"۔

"اس کی مجموعی تعداد ملک میں آٹھ نو کروڑ کے اندر ہے۔ وہ ملک کی دوسری جماعتوں کی طرح معاشرتی اور نسلی تقسیموں میں بٹی ہوئی نہیں ہے۔ اسلامی زندگی کی مساوات اور برادرانہ یک جہتی کے مضبوط رشتے نے اسے معاشرتی تفرقوں کی کم زوریوں سے بہت حد تک محفوظ رکھا ہے۔ بلا شبہ یہ تعداد ملک کی پوری آبادی میں ایک چوتھائی سے زیادہ نسبت نہیں رکھتی۔لیکن سوال تعداد کی نسبت کا نہیں ہے۔خود تعداد اور اس کی نوعیت کا ہے۔کیا انسانی مواد کی اتنی عظیم مقدار کے لیے اس طرح کے اندیشوں کی کوئی جائز وجہ ہوسکتی ہے کہ وہ ایک آزاد اور جمہوری ہندوستان میں اپنے حقوق و مفاد کی خود نگہداشت نہیں کر سکے گی"۔

"یہ تعداد کسی ایک ہی رقبہ میں سمٹی ہوئی نہیں ہے بلکہ خاص تقسیم کے ساتھ ملک کے مختلف حصوں میں پھیل گئی ہے۔ ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے چار صوبے ایسے ہیں جہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے،اور دوسری مذہبی جماعتیں اقلیت کی حیثیت رکھتی ہیں۔اگر برٹش بلوچستان کا بھی اس میں اضافہ کر دیا جائے تو چار کی جگہ پانچ صوبے بن جاتے ہیں۔ مسلم اقلیت اور اکثریت کا تصور کرتے رہیں،تو بھی اس تصور میں مسلمانوں کی جگہ محض ایک اقلیت کی دکھائی نہیں دیتی۔ وہ اگر سات صوبوں میں اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں تو پانچ صوبوں میں انھیں اکثریت کی جگہ حاصل ہے۔ایسی حالت میں کوئی وجہ نہیں کہ انھیں کو ایک اقلیتی گروہ ہونے کا احساس مضطرب کر سکے"۔

توہمات کا ازالہ، وفاقی طرز کا دستورِ اساسی:

''ہندوستان کا آیندہ دستورِ اساسی (Constitution) اپنی تفصیلات میں خواہ کسی نوعیت کا ہو، مگر اس کی ایک بات ہم سب کو معلوم ہے وہ کامل معنوں میں ایک آل انڈیا وفاق (Federation) کا جمہوری دستور ہوگا جس کے کل حلقے اپنے اپنے اندرونی معاملات میں خود مختار ہوں گے اور فیڈرل مرکز کے حصے میں صرف وہی معاملات رہیں گے جن کا تعلق ملک کے عام اور مجموعی مسائل سے ہوگا۔ مثلاً: بیرونی تعلقات، دفاع، کسٹم وغیرہ ایسی حالت میں کیا ممکن ہے کہ کوئی دماغ، جو ایک جمہوری دستور کے پوری طرح عمل میں آنے اور دستوری شکل میں چلنے کا نقشہ تھوڑی دیر کے لیے بھی اپنے سامنے لا سکتا ہے، ان اندیشوں کے قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے جنھیں اکثریت اور اقلیت کے اس پرفریب سوال نے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، میں ایک لمحے کے لیے یہ باور نہیں کر سکتا کہ ہندوستان کے مستقبل کے نقشے میں ان اندیشوں کے لیے کوئی جگہ نکل سکتی ہے۔ دراصل یہ تمام اندیشے اس لیے پیدا ہو رہے ہیں کہ ایک برطانوی مدبر کے مشہور لفظوں میں جو اس نے آئرلینڈ کے بارے میں کہے تھے'' ہم ابھی تک دریا کے کنارے کھڑے ہیں اور گو تیرنا چاہتے ہیں مگر دریا میں اترتے نہیں۔ ان اندیشوں کا صرف ایک ہی علاج ہے، ہمیں دریا میں بے خوف و خطر کود نا چاہیے۔ جوں ہی ہم نے ایسا کیا، ہم معلوم کر لیں گے کہ ہمارے اندیشے بے بنیاد تھے''۔

''تقریباً ۳۰ برس ہوئے جب میں نے بہ حیثیت ایک ہندوستانی مسلمان کے اس مسئلے پر پہلی مرتبہ غور کرنے کی کوشش کی تھی، یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں کی اکثریت سیاسی جدوجہد کے میدان سے یک قلم کنارہ کش تھی اور عام طور پر وہی ذہنیت ہر طرف چھائی ہوئی تھی جو ۱۸۸۸ء میں کانگریس سے علاحدگی اور مخالفت کی صورت میں اختیار کر لی گئی تھی۔ وقت کی یہ آب و ہوا میرے غور و فکر کی راہ نہ روک سکی۔ میں بہت جلد ایک آخری نتیجے تک پہنچ گیا اور اس نے میرے سامنے یقین اور عمل کی راہ کھول دی، میں نے غور کیا کہ ہندوستان اپنے تمام حالات کے ساتھ ہمارے سامنے موجود ہے اور اپنے مستقبل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ہم بھی اس کشتی میں سوار ہیں اور اس کی رفتار سے بے پروا نہیں رہ سکتے۔ اس لیے

ضروری ہے کہ اپنے طرزِ عمل کا ایک صاف اور قطعی فیصلہ کرلیں۔ یہ فیصلہ ہم کیوں کر کر سکتے ہیں؟ صرف اس طرح کہ معاملے کی سطح پر نہ رہیں، اس کی بنیادوں تک اتریں اور پھر دیکھیں کہ ہم اپنے آپ کو کس حالت میں پاتے ہیں؟ میں نے ایسا کیا! ور دیکھا کہ سارے معاملے کا فیصلہ صرف ایک سوال کے جواب میں موقوف ہے ہم ہندوستانی مسلمان ہندوستان کے آزاد مستقبل کو شک اور بے اعتمادی کی نظر سے دیکھتے ہیں یا خود اعتمادی اور ہمت کی نظر سے؟ اگر پہلی صورت ہے تو بلاشبہ ہماری راہ دوسری ہو جاتی ہے۔ وقت کا کوئی اعلان، آیندہ کا کوئی وعدہ، دستور اساسی کا کوئی تحفظ ہمارے شک اور خوف کا اصلی علاج نہیں ہو سکتا۔ ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ تیسری طاقت کی موجودگی برداشت کریں۔ یہ تیسری طاقت موجود ہے۔ اور اپنی جگہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں اور ہمیں بھی یہ خواہش رکھنی چاہیے کہ وہ اپنی جگہ چھوڑ نہ سکے، لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے لیے شک اور خوف کی کوئی وجہ نہیں۔ ہمیں خود اعتمادی اور ہمت کی نظر سے مستقبل کو دیکھنا چاہیے۔ تو پھر ہماری راہِ عمل بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ ہم اپنے آپ کو بالکل ایک دوسرے عالم میں پانے لگتے ہیں۔ شک، تذبذب، بے عملی اور انتظار کی درماندگیوں کی یہاں پر چھائیاں بھی نہیں پڑ سکتیں یقین، جماوِ عمل اور سرگرمی کا سورج یہاں کبھی نہیں ڈوب سکتا، وقت کا کوئی الجھاؤ، حالات کا کوئی اتار چڑھاؤ، معاملوں کی کوئی چبھن ہمارے قدموں کا رخ نہیں بدل سکتی۔ ہمارا فرض ہو جاتا ہے کہ ہندوستان کے قومی مقصد کی راہ میں قدم اٹھائے بڑھتے جائیں''۔

''مجھے اس سوال کا جواب معلوم کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی۔ میرے دل کے ایک ایک ریشے نے پہلی حالت سے انکار کیا۔ میرے لیے ممکن نہ تھا کہ اس کا تصور بھی کر سکوں۔ میں کسی مسلمان کے لیے بہ شرطے کہ اس نے اسلام کی روح اپنے دل کے ایک ایک کونے سے ڈھونڈ کر نکال نہ پھینکی ہو، یہ ممکن نہیں سمجھتا کہ اپنے کو پہلی حالت میں دیکھنا برداشت کرے''۔ (ابوکلام آزاد اور قوم پرست .... :ص ۱۵۹-۶۶)

کانگریس کی صدارت:

۱۹۴۰ء میں کانگریس کے صدر کے انتخاب، سالانہ جلسے اور وقت کے سیاسی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا آزادؒ فرماتے ہیں:

''یورپ میں جنگ ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو شروع ہوئی۔ مہینہ ختم ہونے سے پہلے ہی پولینڈ جرمن ہتھیاروں کے نیچے بے سکت پڑا ہوا تھا۔ پولستانیوں کی مصیبت میں ایک اضافہ یہ ہوا کہ سوویٹ یونین نے ملک کے نصف مشرقی حصے پر قبضہ کرلیا۔ پولینڈ کی مدافعانہ طاقت ختم ہو جانے کے بعد ایک وقفہ ہوا جس میں یورپ پر بے چینی کی کیفیت طاری رہی۔ فرانس اور جرمنی اپنی اپنی سرحد پر مسلح ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ لیکن بڑے پیمانے پر فوجی کاروائیاں بند تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہر شخص محسوس کررہا تھا کہ کچھ ہوا ہی چاہتا ہے، مگر خوف اور اندیشوں نے ابھی کوئی شکل اختیار نہیں کی تھی۔ بلکہ بوجھل اور ناقابل بیان کیفیت طاری تھی۔

ہندوستان میں انتظار اور خوف کی ایک ملی جلی کیفیت محسوس ہو رہی تھی۔ اس حالت میں، جب یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کیا ہونے والا ہے اور نامعلوم خطرے گھیرے ہوئے تھے، کانگریس کی صدارت کے مسئلے کو ایک نئی اہمیت حاصل ہوگئی۔ اس سے ایک سال پہلے میرے اوپر زور ڈالا گیا تھا کہ اس عہدے کو قبول کرلوں، مگر بعض اسباب کی بنا پر میں نے معذرت کر دی تھی۔ مگر اس مرتبہ صورت کچھ اور تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ ایسے موقع پر انکار کرنا فرض کی انجام دہی سے گریز کرنا ہوگا۔ میں اس طرف اشارہ کرچکا ہوں کہ جنگ میں ہندوستان کی شرکت کے مسئلے میں گاندھی جی اور میرے درمیان اختلاف رائے تھا۔ اب جو لڑائی شروع ہوگئی تھی تو میرے نزدیک ہندوستان کو بغیر تکلف اور تساہل کے جمہوری طاقتوں کی گروہ بندی میں شامل ہو جانا چاہیے تھا۔ مگر سوال یہ تھا کہ خود غلام ہوتے ہوئے ہندوستان دوسروں کی آزادی کے لیے کیسے لڑسکتا تھا۔ اگر برطانوی حکومت فوراً ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دیتی تو تمام ہندوستانیوں کا فرض ہو جاتا کہ اس آزادی کے بدلے سب کچھ قربان کر دیں۔ اس لیے میں سمجھتا تھا کہ جنگ نے جو نازک حالات پیدا کر دیے ہیں، ان میں مجھے جس حیثیت سے بھی کہا جائے خدمت کرنے کو تیار ہونا چاہیے۔ جب گاندھی جی نے پھر مجھ سے صدر بن جانے کو کہا تو میں خوشی سے راضی ہوگیا۔

دراصل صدر کے انتخاب میں کوئی مقابلہ نہیں ہوا۔ مسٹر ایم۔ این۔ رائے، جو میرے خلاف کھڑے ہوئے تھے، بہت سے ووٹوں سے ہار گئے۔ (کانگریس کا) اجلاس رام گڑھ میں ہوا اور اس میں جو قرارداد منظور ہوئی اس میں بڑی حد تک ان خیالات کا عکس تھا جو میں

نے اپنے خطبۂ صدارت میں پیش کیے تھے۔قرارداد یہ تھی:

''اس پر خطر اور نازک صورت حال کو دیکھتے ہوئے، جو یورپی جنگ اور اس کے متعلق برطانیہ کی پالیسی کا نتیجہ ہے، کانگریس کا یہ جلسہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی اور ورکنگ کمیٹی کی ان تجویزوں کو منظور اور ان کارروائیوں کی تصدیق کرتا ہے جو انھوں نے جنگ کی پیدا کی ہوئی حالت کے سلسلے میں کی ہیں۔ کانگریس کے خیال میں یہ ہندوستانی قوم کی کھلی ہوئی توہین ہے کہ اس کا منشا معلوم کیے بغیر برطانوی حکومت نے اسے شریک جنگ قرار دے دیا اور اس کے وسائل کو جنگ کے لیے استعمال کیا۔ کوئی خود دار اور آزادی پسند قوم ایسے رویے کو برداشت نہیں کر سکتی۔ برطانوی حکومت کی طرف سے حال میں ہندوستان کے بارے میں جو اعلانات کیے گئے ہیں وہ ثابت کرتے ہیں کہ برطانیہ عظمٰی بنیادی طور پر امپیریلسٹ مقاصد کی خاطر اور اپنی حکومت کو، ہندوستان اور دوسرے ایشیائی اور افریقی ملکوں کے وسائل اور آبادی کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے طریقے پر تعمیر کی گئی ہے، محفوظ رکھنے اور مستحکم کرنے کے لیے یہ لڑائی لڑ رہا ہے۔ ان حالات میں یہ صاف ظاہر ہے کہ کانگریس براہ راست یا بالواسطہ (برطانیہ کی طرف سے) جنگ میں شریک نہیں ہو سکتی، کیوں کہ ایسی شرکت کا مطلب یہ ہوگا کہ برطانوی حکومت کے موجودہ طریقوں کو جاری رکھا جائے اور ان میں استقلال پیدا کیا جائے۔ اسی وجہ سے کانگریس اس کے سخت خلاف ہے کہ ہندوستانی سپاہیوں کو برطانیہ عظمٰی کی طرف سے لڑایا جائے اور جنگ کے مصرف کے لیے ہندوستان کو آدمیوں اور سامان سے خالی کیا جائے۔ وہ (کانگریس) یہ نہیں مان سکتی کہ ہندوستان میں آدمیوں کی بھرتی کی گئی ہے اور جو روپیہ جمع کیا گیا ہے وہ ہندوستان کا رضا کارانہ عطیہ ہے۔ کانگریس کے ممبر اور وہ لوگ جو کانگریس کے اثر میں ہیں آدمیوں، روپے اور سامان سے جنگ کو جاری رکھنے میں مدد نہیں کر سکتے''۔

''کانگریس اس ریزولیشن کے ذریعے اعلان کرنا چاہتی ہے کہ کامل آزادی سے کوئی کم حیثیت ہندوستانیوں کے لیے قابل قبول نہ ہوگی۔ امپیریلزم کے حلقے کے اندر ہندوستان کی آزادی کا وجود ناممکن ہے، اور ڈومینین اسٹیٹس یا برطانوی حکومت کے اندر کوئی اور حیثیت، ہندوستان کے لیے قطعی نامناسب ہوگی، کیوں کہ ایسی حیثیت ایک بڑی قوم کے شایان شان نہیں ہے، اور اس طرح ہندوستان کئی طریقوں سے برطانیہ کی سیاست اور

معاشی نظام سے وابستہ ہو جائے گا۔ دراصل ہندوستانی قوم ایک دستور ساز اسمبلی کے ذریعے، جس کا انتخاب بالغوں کے عام حق رائے دہندگی کی بنا پر کیا گیا ہو، اپنا دستور صحیح طور سے وضع کر سکتی ہے اور دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ تعلقات قایم کر سکتی ہے"۔

"کانگریس جس طرح پہلے تیار تھی، ہمیشہ اس کے لیے تیار رہے گی کہ ہندوستان کی مختلف قسم کی مذہبی اور تہذیبی جماعتوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے اور قایم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرے، لیکن اس کی رائے ہے کہ اس مسئلے کا مستقل فیصلہ صرف ایسی دستور ساز اسمبلی کر سکتی ہے جو تمام مسلمہ اقلیتوں کے حقوق کو پورے طور سے محفوظ کر دے۔ یہ تحفظ جہاں تک ممکن ہوگا مختلف اکثریتوں اور اقلیتوں کے منتخب شدہ نمایندوں کے اتفاق رائے سے ہوگا اور جن معاملوں میں اتفاق رائے نہ ہو سکا وہ ثالثوں کے فیصلے کے مطابق طے ہوگا۔ کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنے سے معاملات قطعی طور پر طے نہ ہو سکیں گے۔ ہندوستان کے دستور کی بنیاد خود مختاری جمہوریت اور قومی اتحاد پر ہونا چاہیے، اور کانگریس ہندوستان اور ہندوستانیوں کو تقسیم کرنے کی کوششوں کی تردید کرتی ہے۔ کانگریس کا ہمیشہ سے یہ مقصد رہا ہے کہ ایسا دستور وضع کیا جائے جس کی بدولت ہر گروپ اور ہر شخص سمجھے کہ اسے پوری آزادی اور ترقی کے موقعے دینے کی ضمانت دی گئی ہے۔ (موجودہ) سماجی بے انصافیوں کی جگہ ایسا سماجی نظام قایم کیا جائے جو عدل و انصاف کا بہتر نمونہ ہو"۔

"ڈاکٹر راجندر پرشاد سے صدارت کا چارج لینے کے بعد میرے اولین کاموں میں سے ایک یہ تھا کہ ورکنگ کمیٹی کو از سر نو مرتب کروں۔ پرانی اور نئی کمیٹی میں دس ممبر مشترک تھے، یعنی شریمتی سروجنی نایڈو، سردار ولبھ بھائی پٹیل، سیٹھ جمنا لال بجاج (خازن) شری جے۔ بی۔ کرپلانی (جنرل سکریٹری) خان عبدالغفار خان، شری بھولا بھائی ڈیسائی، شری شنکر راؤ دیو، ڈاکٹر پروفلا چند گھوش، ڈاکٹر راجندر پرشاد اور میں خود"۔

"ایک نمایاں شخص جنھیں ڈاکٹر راجندر پرشاد کی ورکنگ کمیٹی میں شامل نہیں کیا گیا تھا جواہر لال نہرو تھے۔ وہ اس وقت سے الگ الگ رہے تھے جب کہ سبھاش چندر بوس نے گاندھی جی سے اختلاف ہونے کی بنا پر کانگریس کی صدارت سے استعفا دے دیا تھا۔ میں نے جواہر لال کو کمیٹی میں شامل کر لیا۔ ان کے علاوہ شری سی۔ راج گوپال اچاری، ڈاکٹر سید محمود اور مسٹر آصف علی کو بھی شامل کیا گیا۔ پندرھویں ممبر کے بارے میں بعد کو اعلان کیا جانے

والا تھا، لیکن اجلاس کے بہت جلد بعد ہم گرفتار کر لیے گئے اور یہ جگہ خالی رہی۔ کانگریس کی زندگی میں یہ بہت نازک وقت تھا۔ دنیا کو متزلزل کرنے والے واقعات جو ملک کے باہر ہو رہے تھے، ان کا ہمارے اوپر اثر پڑ رہا تھا۔ اس سے زیادہ پریشان کن ہمارے اندرونی اختلافات تھے۔ میں کانگریس کا صدر تھا اور میری کوشش تھی کہ ہندوستان جمہوری ریاستوں کے گروہ میں شامل ہو جائے، اگر کسی طرح سے وہ آزاد ہو سکے۔ جمہوریت کو فروغ دینا ایسا مقصد تھا جس سے ہندوستانی شدید ہمدردی رکھتے تھے۔ ہندوستان کی غلامی ہی ہمارے راستے میں ایک رکاوٹ تھی۔ مگر گاندھی جی اس خیال کے نہیں تھے۔ ان کے لیے اصل معاملہ ہندوستان کی آزادی نہیں بلکہ پیس فزم یعنی عدم تشدد پر مبنی امن عالم تھا۔ میں کھلم کھلا کہتا تھا کہ کانگریس پیسی فسٹ ادارہ نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد ہندوستان کو آزاد کرانا ہے۔ اس لیے میرے نزدیک وہ سوال جو گاندھی جی نے بحث میں اٹھایا تھا آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ مگر گاندھی جی اپنی رائے بدلنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ ہندوستان کو ہر حالت میں جنگ سے الگ رہنا چاہیے، انھوں نے وائسرائے سے ملاقات کر کے اپنے خیالات بیان کیے۔ انھوں نے برطانوی قوم کے نام ایک کھلا خط لکھ کر اس سے التجا کی کہ ہٹلر سے لڑنے کے بجائے وہ اس کا روحانی طاقت سے مقابلے کرے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی کہ انگریزوں کے دلوں پر گاندھی جی کی التجا کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس لیے کہ اس وقت فرانس شکست کھا چکا تھا اور جرمنی کی طاقت انتہائی عروج پر تھی''۔

''گاندھی جی کے لیے یہ بڑا مشکل وقت تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ جنگ دنیا کو برباد کر رہی ہے اور وہ اس بربادی کو روکنے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن ان کی اندرونی کش مکش کی یہ کیفیت تھی کہ انھوں نے بعض موقعوں پر خودکشی کا ذکر کیا۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ان مصیبتوں اور تکلیفوں کا تدارک کروں جو جنگ کی بدولت لوگوں کو برداشت کرنی پڑ رہی ہیں تو کم از کم اپنی زندگی کا خاتمہ کر کے یہ سب کچھ دیکھنے سے تو انکار کر سکتا ہوں۔ انھوں نے بار بار مجھ پر دباؤ ڈالا کہ ان کے خیالات کی تائید کروں۔ میں نے اس مسئلے پر بہت غور کیا، مگر اپنے آپ کو ان سے اتفاق کرنے پر آمادہ نہ کر سکا۔ میرے لیے عدم تشدد مصلحت کی بات تھی، عقیدے کی نہیں۔ میری رائے تھی کہ اگر کوئی چارہ نہ ہوتا تو ہندوستانیوں کو اس کا حق تھا کہ تلوار سے کام لیں۔ لیکن پرامن

طریقوں سے آزادی حاصل کرنے میں عظمت اور شرافت زیادہ تھی، اور بہ ہر حال ملک کی جو حالت تھی اسے دیکھتے ہوئے گاندھی جی کا مسلک صحیح تھا۔

ہمارا یہ فیصلے کہ ہم آزادی کی جنگ عدم تشدد کے ذریعے لڑیں گے، حالات سے مجبور ہو کر کیا گیا تھا۔ میرے اور دوسرے بہت سے ہندوستانیوں کے لیے یہ کوئی عقیدے کا مسئلہ نہ تھا۔ اگر آزادی کا حصول لڑے بغیر ممکن نہ ہوتا تو ہم یقیناً جنگ کر کے ہی آزادی حاصل کرتے............"۔

جولائی ۱۹۴۰ء میں ورکنگ کمیٹی اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جو جلسے پونا میں ہوئے ان میں اس مسئلے کے بارے میں واضح فیصلہ کرنے کی ضرورت پیش آ گئی، کانگریس کے رام گڑھ کے اجلاس کے بعد آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا یہ پہلا جلسہ تھا۔ صدر کی حیثیت سے میں نے اپنے خیال کے مطابق جو حقیقی صورت حال تھی وہ بیان کی۔ کمیٹی نے میرے خیالات کی تصدیق کی۔ اس بنا پر ریزولیوشن منظور کیے گئے۔ ایک ریزولیوشن میں کانگریس کا یہ عقیدہ از سر نو بیان کیا گیا کہ عدم تشدد ہندوستان کو آزاد کرانے کا صحیح طریقہ ہے اور اسے قایم رکھنا لازمی ہے۔ دوسرے ریزولیوشن میں بیان کیا کہ نازی ازم اور جمہوریت کے درمیان جنگ ہو تو انصاف کی بات یہ ہے کہ ہندوستان جمہوری طاقتوں کا ساتھ دے، لیکن خود آزاد ہو جانے سے پہلے وہ جمہوری طاقتوں کی جنگ سے متعلق سرگرمیوں میں شریک نہیں ہو سکتا۔

یہ ریزولیوشن جس شکل میں بالآخر منظور ہوئے وہ میرے مسودے کے مطابق تھے۔

جب وہ ریزولیوشن منظور ہوا، جس میں یہ بات دہرائی گئی تھی کہ ہندوستان کی جنگ آزادی کی بنیاد عدم تشدد پر ہے تو گاندھی جی بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے مبارک باد کا مجھے ایک تار بھیجا جس میں انھوں نے لکھا کہ انھیں اس سے بہت مسرت اور تسلی ہوئی کہ میں نے ملک کی اندرونی جدوجہد میں عدم تشدد پر قایم رہنے کی استدعا کی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ ملک کی مزاجی کیفیت کو دیکھتے ہوئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی میری تجویز کو کہ اگر ہندوستان کی آزادی کو تسلیم کر لیا جائے تو اسے جنگ میں شرکت کرنا چاہیے، خوشی سے منظور کر لے گی۔ اس بنا پر انھیں شبہ تھا کہ میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو اندرونی جدوجہد میں عدم تشدد پر قایم رہنے کے متعلق ریزولیوشن منظور کرنے پر آمادہ نہ کر سکوں گا"۔............

"جولائی ۱۹۴۰ء میں ڈاکٹر راجندر پرشاد اور کانگریس کمیٹی کے کئی اور ممبروں نے مجھے

خط لکھا کہ جنگ کے بارے میں گاندھی جی کے جو خیالات ہیں، ان سے انھیں دلی اتفاق اور عقیدت ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ کانگریس ان کی پیروی کرتی رہے۔ اس کے بعد انھوں نے لکھا کہ چوں کہ میری رائے اس کے خلاف تھی اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے میری تائید کی تھی، اس لیے انھیں یہی مناسب معلوم ہوتا تھا کہ وہ ورکنگ کمیٹی کے ممبر نہ رہیں۔ وہ ورکنگ کمیٹی کے ممبر اس لیے بنائے گئے تھے کہ صدر کی امداد کریں لیکن چوں کہ ان کے اور صدر کے درمیان ایک بنیادی مسئلے میں اختلاف تھا، اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ انھیں استعفا دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ وہ اس معاملے میں ٹھنڈے دل سے غور کر چکے تھے مگر اس خیال سے کہ مجھے پریشانی نہ ہو، وہ اس بات پر تیار تھے کہ ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہیں، جب تک کہ اختلافات کے کسی عملی شکل میں ظاہر ہونے کا سوال نہ ہو، لیکن اگر برطانوی حکومت نے میری شرطوں کو منظور کر لیا اگر جنگ میں شرکت کا واقعی سوال پیدا ہوا تو وہ استعفا دینے پر مجبور ہوں گے۔ آخر میں انھوں نے لکھا کہ اگر مجھے یہ منظور ہو تو وہ ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہیں گے ورنہ ان کے اسی خط کو ان کا استعفا سمجھا جائے۔

اس خط سے، جس پر جواہر لال، راج گوپال اچاری، آصف علی اور سید محمود کے سوا ورکنگ کمیٹی کے تمام ممبروں نے دستخط کیے تھے، مجھے سخت تکلیف ہوئی۔ عبدالغفار خان اب تک میرے سب سے مخلص اور قابلِ اعتبار حامیوں میں سے تھے مگر اب انھوں نے بھی رائے بدل دی تھی۔ مجھے بالکل توقع نہیں تھی کہ میرے ساتھی مجھے اس طرح کا خط لکھیں گے۔ میں نے فوراً جواب دیا کہ میں ان کے نقطۂ نظر کو پوری طرح سمجھ گیا ہوں اور ان کی شرطیں مجھے منظور ہیں۔ برطانوی حکومت نے جو رویہ اس وقت اختیار کیا تھا اسے دیکھتے ہوئے اس کی امید نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ہندوستان کی آزادی کو تسلیم کرے گی۔ جب تک کہ انگریزوں کا رویہ نہ بدلے، جنگ میں شرکت محض ایک علمی مسئلہ رہے گی۔ اس لیے ان سے درخواست کروں گا کہ وہ ورکنگ کمیٹی کی رکنیت کو برقرار رکھیں۔ (انڈیا ونس فریڈم: ص ۱۵-۱۱۰)

مسلم لیگ کا اجلاسِ لاہور اور اس کی قرداد:

۲۳؍ مارچ ۱۹۴۰ء: مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ منعقدہ لاہور نے اپنے ۲۳؍ مارچ کے اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے:

''آئینی مسئلے پر آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل اور مجلس عاملہ نے اپنی قرار داد مورخہ ۲۷/اگست، ۱۷ اور ۱۸/ستمبر اور ۲۲/اکتوبر ۱۹۳۹ء اور ۳/فروری ۱۹۴۰ء کے ذریعے جو کارروائی کی ہے، اسے منظور اور اس کی توثیق کرتے ہوئے آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس عام اس امر کا پُرزور اعادہ کرتا ہے کہ وفاق کا جو منصوبہ آئینِ حکومتِ ہند مجریہ ۱۹۳۵ء میں دیا گیا ہے وہ اس ملک کے مخصوص حالات میں کلیتاً غیر موزوں اور ناقابلِ عمل ہے اور مسلم ہندوستان کے لیے قطعاً ناقابل قبول ہے۔

مزید برآں یہ اجلاس اپنی اِس پُرزور رائے کو ضبطِ تحریر میں لاتا ہے کہ وایسرائے نے ملک معظم کی حکومت کی طرف سے جو اعلان ۱۸/اکتوبر ۱۹۳۹ء کو کیا ہے وہ اگرچہ اس حد تک اطمینان بخش ہے کہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ اُس حکمت عملی اور منصوبہ پر جو آئینِ حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء کی بنیاد ہیں، ہندوستان کی مختلف جماعتوں، مفادات اور ملتوں کے مشورے سے دوبارہ غور کیا جائے گا، مسلم ہندوستان اس وقت تک مطمئن نہیں ہوگا جب تک کہ اس پورے آئینی منصوبے پر از سرِ نو غور نہیں کیا جائے گا اور یہ کہ کوئی نظرثانی شدہ منصوبہ اس وقت تک مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں ہوگا جب تک کہ وہ ان کی منظوری اور رضامندی سے نہ بنایا جائے۔

قرار پایا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اس سالانہ اجلاس کی یہ سوچی سمجھی ہوئی رائے ہے کہ کوئی دستوری منصوبہ بغیر اس صورت کے اس ملک میں قابلِ عمل یا مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں ہوگا کہ اِسے مندرجۂ ذیل بنیادی اصولوں پر وضع کیا گیا ہو:

''یہ کہ جغرافیائی طور پر متصل واحدوں کی از سرِ نو حد بندی ایسے منطقوں کی شکل میں کی جائے جو ملکی تقسیم میں ضروری ردوبدل کے بعد اس طرح ترکیب پائیں کہ جن رقبوں میں مسلمانوں کی عددی اکثریت ہے جیسے ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی منطقوں میں وہ گروہ بند ہو کر ایسی آزاد مملکتیں، بن جائیں کہ ان کے ترکیبی واحدے خود مختار اور مقتدر اعلیٰ ہوں۔

یہ اجلاس مجلس عاملہ کو مزید اختیار دیتا ہے کہ وہ اِن بنیادی اصولوں کے مطابق دستور کا ایک ایسا منصوبہ تیار کرے، جس میں اس کا بندوبست ہو کہ بالآخر یہ منطقے اپنی اپنی جگہ اس قسم کے تمام اختیارات جیسے دفاع، امور خارجہ، مواصلات، کروڑ گیری اور دوسرے ضروری

امور اپنے ہاتھ میں لے سکیں''۔

یہ وہی قرار داد ہے، جسے بعد میں ''قرار داد پاکستان'' کا نام دیا گیا۔ یہ قرار داد انگریزی میں ہے اور شریف الدین پیرزادہ نے ''فانڈیشن آف پاکستان'' (حصہ دوم) میں، چودھری خلیق الزماں نے ''پاتھ وے ٹو پاکستان'' میں اور تاریخ وسیاست کی دوسری بہت سی کتابوں میں ان کے مصنفین ومولفین نے مرتب کر دیا ہے۔ چودھری خلیق الزماں نے اس کا مکمل اردو ترجمہ ''شاہراہِ پاکستان'' میں کر دیا ہے۔ اس کے خاص حصے کا ترجمہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے نہایت صحت کے ساتھ اپنی کتاب ''جدو جہد پاکستان'' میں بہ طور ''ضمیمہ ح'' درج کیا ہے۔ قرارداد کا مذکورہ متن یہی ضمیمہ ہیں:

اس قرارداد میں چند باتیں غور طلب ہیں:

۱۔ یہ ہندوستان کے سیاسی مسئلے کا ایک خالص آئینی حل ہے۔ اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس قرارداد میں اسلام کا لفظ تک نہیں آیا ہے۔

۲۔ اس میں تقسیم کی بنیاد صوبائی حد بندی کو قرار نہیں دیا گیا ہے۔ بلکہ اکثریت و اقلیت کے رقبوں اور منطقوں کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور ان منطقوں کا تعین از سرِنو حد بندی کے بعد کیا جائے گا۔

۳۔ نئی حد بندی کے بعد جو علاقے شمال مغرب اور مشرق میں مسلمانوں کی عددی اکثریت کے قرار پائیں گے، وہاں مسلمانوں کی ایسی آزاد مملکتیں بن جائیں گی جو اپنے معاملات میں آزاد، خودمختار اور اقتدار اعلیٰ کی مالک ہوں گی اور

الف: ان میں غیر مسلم اقلیتیں اپنے مذہبی، ثقافتی، معاشی، سیاسی، انتظامی معاملات میں آزاد ہوں گی،

ب: دستور میں ان کے حقوق ومفادات کے تحفظ کی ضمانت دی جائے گی۔

ج: اقلیتوں کے ہر قسم کے معاملات میں ان سے مشورہ کیا جائے گا اور ان کی رضا مندی کے بغیر ان کے ہمہ قسم کے حقوق و مفادات کے متعلق کوئی قانون سازی نہیں کی جائے گی۔

۴۔ جو حقوق مسلم اکثریت کے علاقوں اور منطقوں میں غیر مسلموں کو حاصل ہوں گے، ٹھیک وہی حقوق غیر مسلم اکثریت کے علاقوں میں مسلمانوں اور اس علاقے کی

دوسری اقلیتوں کو حاصل ہوں گے، دستور میں ان کی ضمانت دی جائے گی، ان کے تحفظ کا موثر انتظام کیا جائے گا اور ان کی مرضی کے خلاف کسی قسم کی قانون سازی نہیں کی جائے گی۔

۵۔ اگر اس قرارداد کے نتیجے میں مسلم اکثریت کے علاقوں میں ''اسلامی حکومت'' کا قیام عمل میں آتا ہے تو قرارداد کی ٹھیک انھی دفعات وشرائط کے مطابق غیر مسلم اکثریت کے زیادہ منطقوں اور وسیع علاقوں میں ہندوؤں کو ''رام راج'' قایم کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور چار کروڑ مسلمانوں پر ہندو حکومت قایم ہو جانے کا جواز پیدا ہو جاتا ہے۔ چودھری خلیق الزماں نے قرارداد کی تائید میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

''مجھ سے لوگ دریافت کرتے ہیں کہ مسلم اقلیتوں کا تقسیم کے بعد کیا حشر ہوگا؟ میں ان کو بتلانا چاہتا ہوں کہ جو ہندو اقلیتوں کا حشر مسلم صوبوں میں ہوگا وہی ہمارا ہندو صوبوں میں ہوگا''۔

پھر کیا ہندوستان کے سیاسی مسئلے کا یہ واقعی صحیح اور ''اسلامی حل'' تھا؟

چودھری خلیق الزماں نے اس قرارداد کے بعض نقائص پر روشنی ڈالی ہے اور اس کی زبان، اس کے مضمون اور مآل پر ان الفاظ میں تنقید کی ہے:

یہ تجویز ایک سبجیکٹ کمیٹی سے پاس ہو کر کونسل میں آئی تھی، خدا معلوم اس کو سبجیکٹ کمیٹی میں سر سکندر حیات اور مسٹر جناح نے کیسے منظور کرلیا۔ اگر میں ان جلسوں میں موجود ہوتا تو میں اس تجویز کی بنیادی ساخت اور اس کے گنجلک الفاظ کے خلاف اپنی آواز ضرور اٹھاتا اور مجھے آج بھی یقین ہے کہ یہ ریزولیوشن شاید اس شکل میں پاس نہ ہوسکتا جس میں وہ پاس ہوگیا تھا۔

میرا سب سے پہلا اعتراض تو یہ ہوتا کہ اس تجویز کا افتتاحی حصہ جس میں مسلم لیگ کی تجاویز کا اگست ۱۹۳۹ء سے لے کر ۳رفروری ۱۹۴۰ء تک کے ہندوستان کے آیندہ دستور کے متعلق ذکر کیا گیا تھا، بالکل غلط ہے اور اس کو حذف ہو جانا چاہیے۔ کیوں کہ وہ تمام تجاویز اس وقت پاس کی گئی تھیں جب ہم متحدہ ہند کے تخیل سے چھٹکارا نہیں پاسکتے تھے۔ مگر اب

جب کہ ہم اپنی دو آزاد حکومتوں کا مشرقی اور مغربی ہند میں قیام کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس سے پہلے کی اپنی تمام کارروائیوں ہمیں کو مسترد کر دینا چاہیے۔ ہمارا یہ نعرہ کہ ہندوستان کے دستور پر نئے سرے سے غور کیا جائے، ماضی کی تاریخ ہو چکی تھی اور اس کا اعادہ کرنے سے یہ ترشح ہوتا ہے کہ ابھی تک ہم اپنے سیاسی ماضی سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں ہیں۔ ایک انقلابی تحریک کی ابتدا مستقبل میں سازگار فضا کے لیے ماضی سے کلیۃً انقطاع سے شروع ہونی چاہیے۔ لہٰذا میرے خیال میں اس تجویز کی ابتدا غلط نقطۂ نگاہ سے شروع ہوئی تھی۔

پھر میں یہ کہتا کہ صاف صاف الفاظ میں مدعا بیان کیا جائے کہ مسلم لیگ شمال مغربی ہند میں پنجاب، سندھ، سرحد، اور بلوچستان کے صوبوں کی ایک فیڈرل اسٹیٹ جو کلیۃً خود مختار اور آزاد ہوگی، بنانا چاہتی ہے اور اسی طرح یہ مطالبہ کرتی ہے کہ مشرقی ہند میں صوبۂ بنگال اور آسام کی ایک آزاد اور خود مختار فیڈرل اسٹیٹ قایم کی جائے۔ مگر مقام حیرت ہے کہ اس کل ریزولیوشن میں لفظ صوبے کے استعمال سے اس قدر احتراز کیا گیا ہے کہ کہیں ایک جگہ بھی یہ لفظ استعمال نہیں کیا گیا بلکہ اس کے برعکس ایسے ذو معنی اور غیر متعین الفاظ جیسے ریجن، یونٹ اور زون بار بار استعمال کیے گیے ہیں۔ شاید اس لیے کہ صوبے کے لفظ کے ساتھ بڑے بڑے اقطاع کے لین دین کے الفاظ کھپ نہیں سکتے تھے''۔

''...........اب آیئے غور کریں کہ یہ ''ٹیری ٹوریل ری ایڈجسٹ منٹ'' (Territorial Readgustment) شمال مغربی حصہ کے لیے کیا معنی رکھتا تھا۔ چاروں صوبے شمال مغربی زون کے مسلم صوبے تھے جن میں ہندو اور سکھ اقلیتیں تھیں۔ مگر کسی حصے میں ہندو صاحب اقتدار نہ تھے۔ بلکہ سب میں مسلم اکثریت تھی پھر ہم کو اس حصے میں ہندو کیا دے سکتے تھے۔ ہاں وہ یہ ضرور کہہ سکتے تھے کہ امرت سر سے لے کر دلی تک کی آبادی میں ہندو اور سکھ اکثریت ہے۔ اس لیے پنجاب کی تقسیم ہو جائے۔

ریزولیوشن بنانے والوں کا مقصد رہا ہو یا نہ رہا ہو مگر یہ ہندو انڈیا کو کھلی
دعوت تھی کہ وقت آنے پر تم پنجاب کے بٹوارے کا دعویٰ کرنا۔ اس کا
لازمی نتیجہ یہ ہونے والا تھا کہ چار کروڑ مسلم اقلیت ہندوستان میں کروڑہا
کروڑ ہندو اکثریت کے نرغے میں پھنس جائے اور اس کو بھاگ نکلنے کا
بھی موقع نہ ہو۔ کیوں کہ تقسیم کے بعد پنجاب میں اتنی وسعت ہی نہ رہ
جائے کہ وہ اتنی بڑی آبادی کو اپنے اندر سمو سکے۔ علاوہ ازیں جو مسلم
اقلیت رہ جائے اس کے اور پاکستان کی زمین کے درمیان تین سو میل کا
فصل ہو، جس کی وجہ سے وہ قفس کی چڑیوں کی طرح محبوس ہوکر رہ جائے۔
نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔
میں آج ۲۶ برس قبل کے اس ریزولیوشن کے الفاظ کو غور سے پڑھتا ہوں تو
میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہم چلے تھے کل صوبۂ پنجاب کا
دعویٰ کرنے اور ہم نے اپنے عرضی دعوے ہی میں اپنا پچاس فیصد دعویٰ قلم
زد کر دیا۔ میری وہ رات بڑی بے چینی سے گزری............''
''............میں نے بڑی کوشش کی کہ پتا لگا سکوں کہ تجویز کا مسودہ کس کا
ہے، مگر میں آج تک اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ عبدالرحمٰن صدیقی
نے مجھے یہ کہا کہ انھوں نے سر سکندر سے پوچھا تھا کہ یہ ڈرافٹ کس کا ہے
تو انھوں نے ان کو جواب دیا کہ یہ تم اپنے صدر اور سیکریٹری سے پوچھ لو۔
بہ ہر نوع رحمٰن کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ ڈرافٹ کسی ہندوستانی یا
مسلم کا نہیں ہے کیوں کہ سارے مسلم لیگ ریزولیوشن تو میں، رحمٰن اور
نواب اسمٰعیل خان تیار کرتے تھے اور مسلم لیگ میں اس وقت ہم لوگوں
سے بڑھ کر کوئی اور ڈرافٹ کرنے والے نظر نہ آتے تھے''۔

(شاہراہِ پاکستان، ص ۷۹۴ تا ۷۹۶)

ان اقتباسات میں چودھری خلیق الزماں نے صاف صاف بیان کر دیا ہے کہ یہ قرار
داد ناقص تھی، عبارت مبہم تھی، مطالب پیچیدگی پیدا کرنے والے تھے۔ اس سے لیگی قیادت
کی معمولی بصیرت اور تدبر کی بھی نفی ہوتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ یہ قرار داد کسی

ہندوستانی یا مسلم لیگی رہ نما کی تیار کی ہوئی تھی ہی نہیں۔ یہ رائے عبدالرحمٰن کی تھی اور چودھری صاحب نے اس رائے سے نہ صرف اتفاق کیا ہے بلکہ اس رائے کے حق میں ایک قوی دلیل بھی فراہم کر دی ہے!

مسلم لیگ کا اجلاس لاہور:

محمد فاروق قریشی (ایڈووکیٹ لاہور) لکھتے ہیں:

۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس لاہور کے منٹو پارک میں محمد علی جناح کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس میں وفاق سے گریز اختیار کرتے ہوئے ایک قرارداد منظور کی، جو بعد میں قرارداد پاکستان کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس میں مسلمانوں کی آبادی کی اکثریتی متصل علاقوں پر مشتمل ہندوستان کے شمال مغرب اور مشرق میں آزاد اور خودمختار ریاستوں کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

اس پر سب سے زیادہ خوشی برطانوی حکومت کو ہوئی۔ کیوں کہ اسے کانگریس کے مقابلے پر ایک موثر ہتھیار مسلم لیگ کی صورت میں ہاتھ لگ گیا تھا۔ چناں چہ گورنر پنجاب کریک (Craik) نے وائسرائے ہند لارڈ لن لتھگو کو قرارداد کی منظوری کے صرف پانچ ہفتے بعد ۳۰ر اپریل ۱۹۴۰ء کو جو مراسلہ ارسال کیا، اس میں لکھا تھا کہ:

”مجھے لاہور کے ایک اخبار کے مالک نے بتایا کہ ”ہر کوئی جانتا ہے کہ یہ بالکل ناقابل عمل اسکیم ہے، لیکن اس میں اتنی جان ہے کہ یہ کانگریس کی واحد نمایندگی کے دعوے کو بے نقاب کر سکے“۔ (ابوالکلام آزاد اور قوم پرست...... ص ۷۸-۱۷۷)

۲۷ر مارچ ۱۹۴۰ء: ۲۷ر مارچ کے ”لندن ٹائمز“ نے لاہور قرارداد کی تائید میں حسب ذیل افتتاحیہ لکھا:

> مسلم لیگ کے نظریے کو آسانی کے ساتھ رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت ہندوستان میں نو کروڑ کے قریب مسلمان ہیں، جو ایک مستقل قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ کہنا بھی مبالغہ نہ سمجھا جائے کہ ہندوستان میں کوئی واحد قوم نہیں ہے۔ جیسا کہ یورپ میں کہا جاتا ہے کہ یورپین ایک قوم نہیں ہیں، بالکل یہی مثال ہندوستان کے مسلمانوں کی ہے۔ کانگریسی

حلقوں کو اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے، کیوں کہ مسلمان اور والیانِ ریاست ڈومینین اسٹیٹس سے اس قدر متاثر نہیں ہو سکتے جس قدر کہ فیڈریشن سے۔ (روزنامہ انقلاب۔ لاہور، ۳۱ر مارچ ۱۹۴۰ء)

قرارداد لاہور پر تبصرہ:

۲۹ر مارچ ۱۹۴۰ء: ہم ذیل میں قرارداد پاکستان کے متعلق کاروان احرار (جلد۴) سے روزنامہ زمیندار کا ایک اداریہ جانباز مرزا کی تمہید اور ان کے شکریے کے ساتھ نقل کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں دو باتوں پر خاص طور پر نظر رہنی چاہیے:

ا۔ آج ہم جس قرارداد کو ''قرارداد پاکستان'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ محض ایک قرارداد تھی جو اولاً ''قرارداد لاہور'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ سب سے پہلے اسے غیر مسلم اخبارات نے ''قرارداد پاکستان'' لکھنا شروع کیا تھا۔ شروع شروع میں لیگ کے زعما اور لیگی خیالات کے اخبارات نے اس کی تردید کی تھی اور کہا تھا کہ پاکستان کی تجویز سے مسلم لیگ کی اس قرارداد کا کوئی تعلق نہیں۔ لیکن ایک وقت آیا کہ قرارداد لاہور کو واقعی ''قرارداد پاکستان'' کہا جانے لگا۔ اور اسی حیثیت سے اسے ''مینار پاکستان'' (لاہور) پر کندہ کر دیا گیا ہے۔

۲۔ زمیندار کے بہ قول مسلم لیگ کی یہ تجویز ہندوستان میں ہندو ریاستوں اور مسلم ریاستوں کی دو فیڈریشنوں کی تجویز تھی، نہ کہ پاکستان کے نام سے ایک آزاد مسلم ریاست کے قیام کی؟

جانباز مرزا لکھتے ہیں:

''۲۷ر مارچ (۱۹۴۰ء کے غیر مسلم اخبارات نے ۲۳ر مارچ کی لاہور قرارداد کو قرارداد پاکستان کے عنوان سے شائع کیا۔ حال آں کہ قرارداد میں اور صدر مسلم لیگ کی صدارتی تقریر میں لفظ پاکستان کہیں دکھائی نہیں دیتا اور نہ ہی اس تجویز کی تائید کرنے والے کسی مقرر نے اس لفظ کا استعمال کیا۔ روزنامہ زمیندار نے اپنی ۲۶ر اپریل کی اشاعت میں ہندو اخبارات کے جواب میں لکھا تھا:

آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنے اجلاس لاہور میں جو قرارداد منظور کی تھی۔

اس میں آزاد مسلم ریاستوں کے قیام کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ کانگریسی اور مہاسبھائی جرائد اس تجویز کی پرزور مخالفت کر رہے ہیں اور یہ غلط فہمی پیدا کر رہے ہیں کہ مسلم لیگ نے پاکستانی اسکیم کی حمایت کی ہے۔ ان کا یہ خیال غلط ہے۔ پاکستانی اسکیم کا مفاد یہ ہے کہ ہندوستان کے تمام شمال مغربی علاقوں کو ملا کر ایک آزاد مسلم ریاست ''پاکستان'' کے نام سے قایم کردی جائے لیکن مسلم لیگ کی تجویز یہ ہے کہ ہندوستان میں ایک کے بجائے دو فیڈریشن قایم کی جائیں۔ ایک ہندو آزاد ریاستوں کی فیڈریشن اور دوسری مسلم آزاد ریاستوں کی۔ (کاروان احرار/ ج ۴، ص ۳۲۷)

مسلم لیگی ڈاکٹر عبداللطیف پاکستان کے متعلق کہتے ہیں کہ اس قسم کا پاکستان جلد یا کچھ دنوں بعد اپنی آزادی کھودے گا اور اس کی حیثیت یا تو ایک باج گذار ریاست کی سی ہو جائے گی یا پھر ہندوستان سے اشتراکِ عمل کرنا ہی ہوگا۔ یہ کہاں کی اور کیسی جمہوریت ہے کہ لیگ مین اپنا آزادانہ راے قایم کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ مسلم لیگ ایک فسطائی جماعت ہے، اور اس کی رہ نمائی سے وہ دن دور نہیں جب متحدہ مسلمانوں کا شیرازہ بکھر جائے گا، جس کا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا اور وہ زمانے میں سے اتنی مہلت بھی نہ پاسکیں گے کہ اس کی تلافی کی کوشش ممکن ہو''۔ (حسرت موہانی۔ ایک سیاسی ڈایری)

۳۱ مارچ ۱۹۴۰ء: ۳۰ مارچ ۱۹۴۰ء کو متحدہ ہندوستان کی تقسیم کے متعلق گاندھی جی نے اپنے اخبار ہریجن میں لکھا کہ ''نمایندہ اسمبلی کا یہ مقصد نہیں کہ کسی پر سختی کی جائے، مگر فرقہ وارانہ مسائل کے متعلق یہ اسمبلی کوئی متفقہ حل تلاش نہ کر سکے تو یہ خود بہ خود ٹوٹ جائے گی اور میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مسلمان کیوں اس اسمبلی کی مخالفت کرتے ہیں؟ کیا انھیں خدشہ ہے کہ مسلمان ووٹر مسلم لیگ کو منتخب نہیں کریں گے؟ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کی اکثریت یہ محسوس کرتی ہے کہ وہ ہندو اور دیگر بھائیوں کے ساتھ مل کر ایک قوم نہیں ہیں تو کون ان کی مزاحمت کر سکے گا؟'' (حسرت موہانی۔ ایک سیاسی ڈایری)

مسٹر جناح کا وضاحتی بیان:

۳۱ مارچ ۱۹۴۰ء: ۳۱ مارچ کو مسٹر جناح نے لاہور قرارداد کے متعلق ایک وضاحتی

بیان میں کہا:

”تقسیم کی تجویز کا یہ مطلب نکالنا غلطی ہے کہ اقلیتوں کو ایک علاقہ چھوڑ کر دوسرے علاقے میں آباد ہونا پڑے گا۔ ممکن ہوا تو آبادیوں کے تبادلے پر غور کیا جائے گا۔ اصل پوزیشن یہ ہے کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور ہمیشہ اقلیت میں رہیں گے“۔

سکھوں کی پوزیشن کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

”شمال مغرب میں جو اسلامی علاقہ ہوگا۔ اس میں سکھوں کی حالت ان کی آل انڈیا جنتا سے اچھی رہے گی۔ اس کے برعکس مرکزی حکومت کے تحت ان کی آواز کی کوئی شنوائی نہ ہوگی“۔

ریاستوں کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

ان کی بیشتر تعداد مغربی حصے میں ہے۔ مثلاً کشمیر، بہاولپور۔ اگر یہ ریاستیں اسلامی فیڈریشن میں شامل ہونے پر آمادہ ہوں تو مسلم لیگ ان سے سمجھوتے کے لیے تیار ہے، لیکن انھیں کسی سمجھوتے کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا“۔ (روزنامہ ”انقلاب“ لاہور، ۲/اپریل ۱۹۴۰ء)

۶/اپریل ۱۹۴۰ء کو گاندھی جی نے ہریجن میں ”ایک پے چیدہ صورت حالات“ کے عنوان سے لکھا کہ

”جب تک باقی ہندوستان خانہ جنگی میں کودنے کو تیار نہ ہوا سے مسلمانوں کی شرائط کو اگر وہ کوئی پیش کریں، منظور کرنا ہوگا۔ میرے پاس کوئی ایسا پرامن طریقہ نہیں جس سے کہ میں آٹھ کروڑ مسلمانوں کو اس بات پر مجبور کرسکوں کہ وہ باقی ہندوستان کی اطاعت قبول کریں۔ مسلمانوں کو خود اختیاری حق ویسا ہی حاصل ہوگا جیسا کہ باقی ہندوستان کو! اس وقت ہم ایک خاندانِ مشترکہ ہیں، اس خاندان کا کوئی ممبر تقسیم کا مطالبہ کرسکتا ہے“۔

(حسرت موہانی۔ ایک سیاسی ڈائری)

۱۵/اپریل کو وردھا میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا اور گاندھی جی، مولانا آزاد اور سی راجگوپال اچاری کی تحریروں اور تقریروں پر غور ہوا۔ ملک کی بحرانی کیفیت کے پیش نظر گاندھی جی بہ ضد ہوئے کہ مولانا آزاد کانگریس کی صدارت قبول کرلیں۔ آخر کار

مولانا آزاد کو گاندھی جی کی بات رکھنی پڑی۔ (حسرت موہانی۔ ایک سیاسی ڈائری)

تحریک آزادیٔ وطن اور مسلمانوں کا فرض:

۱۸/اپریل ۱۹۴۰ء: انعام الٰہی صاحب (دہلی) کے ایک سوال کے جواب میں حضرت مفتیؒ صاحب نے فرمایا:

''ہندوستان پر سے انگریزوں کے تسلط کو اٹھانا اور آزادی حاصل کرنا ہر مسلمان اور ہندوستانی کا وطنی اور قومی فرض ہے۔ اگر ہندو اپنا وطنی اور قومی فرض ادا کریں اور مسلمان اپنا وطنی اور قومی فرض ادا کریں تو ظاہر ہے کہ دونوں میں اشتراک عمل ہوگا اور دونوں کے اجتماعی مطالبے اور مظاہرے کا جو اثر ہوگا، وہ تنہا ایک جماعت کے مطالبے اور مظاہرے کا نہیں ہوسکتا۔ اس لیے تحریک آزادی میں شرکت و موالات کفار وہ ''اتخاذ بطانۃ'' نہیں ہے۔ جس کی ممانعت قرآن مجید میں آئی ہے۔ جس طرح اسمبلی اور کونسل میں، میونسپلٹی میں، تجارت میں، کاروبار میں رات دن کی ہندو مسلمانوں کی شرکت اس موالات اور ''اتخاذ بطانۃ'' کے ماتحت نہیں آتی، جو ممنوع ہے تو تحریک آزادی جو سب سے زیادہ اہم ہے اس میں ہندو مسلمانوں کی شرکت کس طرح ممنوع ہوسکتی ہے؟ انگریزوں کے مقابلے میں ہندو ہم وطنوں کے ساتھ اشتراک عمل کرنا بھیدی بنانا نہیں ہے۔ بلکہ کسی محلے کے ہندو مسلمانوں کا مل کر چوروں کو مارنا یا پکڑنا ہے جس میں بھیدی بنانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

(کفایت المفتی (جلد نہم) کتاب السیاسیات)

کل ہند آزاد مسلم کانفرنس:

کل ہند آزاد مسلم کانفرنس کا اجلاس ۲۷/تا ۳۰/اپریل ۱۹۴۰ء، دہلی میں خان بہادر اللہ بخش سومرو کے زیر صدارت منعقد ہوا، ڈاکٹر شوکت اللہ انصاری کانفرنس کے سیکریٹری اور خان بہادر شیخ محمد جان ایم ایل سی (بنگال) مجلس استقبالیہ کے صدر تھے۔

یہ ایک نہایت اہم کانفرنس تھی اور تاریخ کے ایک اہم سیاسی موڑ پر منعقد کی گئی تھی۔ مسلم لیگ کے اجلاس لاہور (مارچ ۱۹۴۰ء) کے بعد اس امر کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی کہ

ہندوستان کی آزادی اور اس کے اتحاد کی خواہاں، ترقی پسند اور انقلابی جماعتیں اور افراد کے نقطۂ نظر کو بھی ملک اور قوم کے سامنے پیش کیا جائے اس کے انعقاد میں ملک کی تمام حریت پسند جماعتوں کا تعاون شامل تھا۔

یہ کانفرنس نہایت کامیاب رہی۔ ایک لاکھ سے زیادہ افراد نے اس میں شرکت کی۔ اجلاس کا ۲۷ر تا ۲۹ر تین دن کا پروگرام تھا، لیکن کاموں کو نمٹایا نہ جاسکا اور ایک دن ۳۰ر اپریل کا اضافہ کرنا پڑا۔ جان باز مرزا لکھتے ہیں:

آل پارٹیز آزاد مسلم کانفرنس:

۲۷، ۲۸، ۲۹ر اپریل کو دہلی میں آل پارٹیز آزاد مسلم کانفرنس خاں بہادر اللہ بخش سابق وزیراعظم سندھ کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کی داعی ہندوستان کی سات مسلم سیاسی جماعتیں تھیں (۱) مجلس احرار ہند، (۲) جمعیت علمائے ہند، (۳) انڈی پنڈنٹ پارٹی بہار، (۴) آل انڈیا مومن کانفرنس، (۵) کریشک پر جا پارٹی بنگال، (۶) انجمن وطن بلوچستان، (۷) آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل کانفرنس (۱)۔

مجوزہ کانفرنس سے پیشتر رام گڑھ میں آل انڈیا کانگریس اور لاہور میں مسلم لیگ کے اجلاس ہو چکے تھے۔ دونوں جماعتوں نے مسلم سیاسی جماعتوں کو کوئی اہمیت نہ دی:

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں!

کے مصداق دونوں بڑی جماعتوں نے جس بے اعتنائی کا ثبوت دیا، لازم اور ضروری سمجھا گیا کہ اس کے جواب میں نیشنلسٹ مسلمان جمع ہوں۔ دوسری وجہ اس کانفرنس کی یہ تھی کہ برطانیہ نے ہندوستان سے جنگ کے دوران امداد و تعاون کی خواہش کا اظہار کیا۔ دونوں بڑی سیاسی جماعتوں (مسلم لیگ اور کانگریس) نے اپنی حیثیت اور ضرورت کے حوالے سے انگریز سے چند مطالبات کیے، جسے حکومت نے مسترد کرتے ہوئے کہا، کہ ہندوستان کی

---

(۱) کانفرنس کی معاون جماعتوں میں (۸) خدائی خدمت گار اور (۹) میاں افتخار الدین کی پارٹی بھی شامل تھی۔

دونوں بڑی اکثریتی قومیں اگر متحدہ آواز سے کوئی بات کہیں تو حکومتِ ہند اس پر غور کرے گی۔ اس پر ہندوستان کی تمام مسلم سیاسی جماعتوں نے مسلم لیگ کے راستے میں اپنے وجود کو رکاوٹ سمجھتے ہوئے فرقہ وارانہ گفتگو کے دوران تمام ذمہ داری مسلم لیگ کے کندھوں پر ڈال دی۔ گذشتہ تاریخ گواہ ہے کہ جب کبھی کانگریس اور مسلم لیگ میں فرقہ وارانہ حقوق کی بات چلی تو کسی مسلم جماعت نے دخل دینا غیر مناسب سمجھا۔ لیکن مسلم لیگ نے کانگریس سے جب کبھی بات کی تو یہی کہا کہ پہلے مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کیا جائے۔

اس کش مکش میں قریباً تین برس گزر گئے۔ ان حالات کی موجودگی میں آزاد خیال مسلم جماعتوں کا یہ اجتماع تاریخی حیثیت کا حامل تھا۔

صدر کانفرنس کا جلوس:

۲۷ راپریل: کو نمازِ جمعہ کے بعد آل پارٹیز آزاد مسلم کانفرنس کے منتخب صدر خان بہادر اللہ بخش کا جلوس دہلی جامع مسجد سے روانہ ہوا۔ چاوڑی بازار، حوض قاضی، لال کنواں، نیا بانس اور چاندنی چوک سے ہوتا ہوا یہ جلوس نماز مغرب کے وقت جامع مسجد آ کر ختم ہوا۔ جلوس میں ہزاروں عوام کے علاوہ مجلس احرار کے ہزاروں سرخ پوش رضا کار جو تمام صوبوں سے اس کانفرنس کے لیے آئے ہوئے تھے، شریک تھے۔ تمام بازار خوب صورت دروازوں اور رنگا رنگ جھنڈیوں سے آراستہ تھے۔ جگہ جگہ پانی کی سبیلیں لگی ہوئی تھیں۔

صدرِ کانفرنس پھولوں سے آراستہ کار میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے ساتھ استقبالیہ کے صدر خان بہادر محمد جان ایم۔ ایل۔ سی بنگال بیٹھے تھے۔ آپ کے برابر والی کار میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری ”کیس کے سابق پولیس رپورٹر لدھارام جو سرکاری گواہی سے منحرف ہو چکے تھے، بیٹھے تھے۔ ان کے ساتھ یوپی مجلس احرار کے صدر نواب زادہ محمود علی خاں تھے۔ لدھارام پر پھولوں کی اس قدر بارش ہو رہی تھی کہ ہر موڑ پر کار کو پھولوں سے خالی کرنا پڑتا۔ اس کے بعد والی کار میں حافظ علی بہادر، ڈاکٹر شوکت اللہ انصاری تھے۔ اس طرح دوسرے ڈیلیگیٹ اور مہمانوں کی کاریں تھیں۔ مجلس احرار کے رضا کاروں کا مارچ اور فوجی بینڈ کی قومی دھنیں دلوں کو گرما رہے تھے۔

کانفرنس کا پہلا اجلاس کمپنی باغ میں نمازِ عشاء کے بعد شروع ہوا۔ حاضرین کا اندازہ ایک لاکھ سے زائد ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت کے بعد علامہ انور صابری اور راقم (جان باز مرزا) کی حریت پرور نظموں اور خطبۂ استقبالیہ کے بعد صدر کانفرنس نے صدارتی خطبہ دیا۔

اس تاریخی اجلاس کی تفصیلات کا اسکالرز اور شائقین کو بھی شاید کم علم ہوگا۔ ان خطبۂ استقبالیہ اور خطبۂ صدارت افکار و معلومات کا گنجینہ اور اس میں منظور شدہ قرار دادیں فراست و تدبر کا سر چشمہ اور اہم تاریخی سیاسی دستاویزات ہیں۔ ان نادر و نایاب دستاویزات کو ذیل میں مرتب کیا جاتا ہے۔

۱۔ خطبۂ استقبالیہ:

خان بہادر شیخ محمد جان ممبر لیجس لیٹو کونسل (بنگال) فرماتے ہیں:

برادرانِ اسلام!

اپنی اور مجلس استقبالیہ کی جانب سے میں ان تمام دوستوں کا پر جوش خیر مقدم کرتا ہوں جو ہندوستان کے مختلف گوشوں سے دور و دراز کا سفر کر کے یہاں جمع ہوئے ہیں اور ان کا مقصد اجتماع یہ ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے سکون و اطمینان اور حزم و احتیاط کے ساتھ اُس بین الاقوامی صورت حالات پر غور کریں جس سے نہایت دور رس نتائج و اثرات بر آمد ہونے والے ہیں۔ بالخصوص مسلمانانِ ہند کے مختلف نقطہ ہائے نگاہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس امر کا فیصلہ کیا جائے کہ اقوام عالم کی مجلس میں ہندوستان کے لیے ایک باوقار جگہ حاصل کرنے اور مادر وطن کی ترقی میں مسلمانان ہند کو واجب حصہ دلانے کے لیے ہمیں اس وقت کیا عمل کرنا ہے۔

میں آل انڈیا مسلم لیگ کا بہ حیثیت ایک جماعت کے زبردست حامی رہ چکا ہوں کیوں کہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ بہت سے صوبوں اور مرکز میں مسلمانوں کی اقلیت کے باعث اس امر کی ضرورت ہے کہ ان کا ایک مضبوط سیاسی نظام ہو جو عظیم الشان اسلامی کلچر اور دیرینہ اسلامی روایات کے بقا و قیام کا نگراں رہے۔ میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کا وجود بہ حیثیت ایک ممتاز ملت کے باقی نہ رہے اور وہ اکثریت والی قوم کے

ساتھ مدغم ہو کر اپنی جداگانہ حیثیت کو ضائع کر دیں جو ایک عظیم مذہب کے پیرو ہونے کی صورت میں انھیں حاصل ہے۔

۱۹۳۶ء میں جب مسٹر جناح نے بنگال میں آل انڈیا مسلم لیگ کی از سرِ نو تنظیم کی ہے میں نے بلا پس و پیش اُن کے ساتھ اشتراک عمل کیا اور تمام ممکن ذرائع سے بنگال میں مسلم لیگ کی امداد کی اور اس کے موافق زبردست رائے عامہ پیدا کرنے کے لیے جو کام کیا گیا، اس میں میں نے اپنا پورا حصہ ادا کیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے دوسرے تمام مخلص خیر خواہوں کی طرح ایمان داری کے ساتھ میرا عقیدہ ہندو مسلم اتحاد پر بھی راسخ ہے اور میں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انتہائی دشواریوں کے باوجود حتی الامکان زیادہ سے زیادہ سعی کی ہے، میری رائے یہ ہے کہ اگر ہم ہندوؤں کے ساتھ جہاں کہیں وہ اقلیت میں ہیں، مجالس مقننہ کی چند نشستوں کے متعلق مراعات کر دیں، بہ شرطے کہ اس سے ہماری اکثریت اقلیت میں تبدیل نہ ہو جائے، تو اس طریقے سے ہم اکثریت والی قوم کا اعتماد اور دوستی حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ اہم معاملات جن سے ہمارا خاص مفاد وابستہ ہے، اسی صورت میں بہ طریق احسن محفوظ رہ سکتے ہیں کہ جہاں کہیں ممکن ہو ہم ایک دوسرے کے ساتھ مراعات کی اسپرٹ پیدا کریں اور اسے ترقی دیں۔ اگر ہم ایسی فضا میں کام کریں جو ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ مراعات کی اسپرٹ سے پیدا ہوتی ہے تو ہم ایسے بہت سے مسائل حل کر سکتے ہیں جن کا نتیجہ آج تک سوائے غیر ضروری تیزی و تندی اور تباہ کن نفرت و مخالفت کے اور کچھ نہیں نکلا اور جن سے ملک کی ترقی کے راستے میں رکاوٹیں پیدا ہوتی رہیں۔ وہ ترقی جس میں ہمارا حصہ بھی ہماری ضروریات کے مطابق یقیناً شامل ہے۔ میری خواہش یہ ہے کہ جداگانہ انتخاب کا طریقہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے، کیوں کہ یہی وہ معیوب طریقہ ہے جس نے موجودہ زمانے میں ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات کشیدہ کرا دیے ہیں۔ اس طریقے سے مسلمانوں نے ماضی میں خواہ کتنا ہی بڑا فائدہ کیوں نہ حاصل کا ہو، یہ حقیقت ہے کہ آج اس طریقِ انتخاب کا مفید پہلو بالکل ختم ہو چکا ہے اور وہ کسی طرح مناسب حال نہیں ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس نے ہمارے بہت سے مخلص رہنماؤں کے اخلاق پست کر دیے ہیں اور ان میں کم ہمتی پیدا ہو گئی ہے۔ یہ جداگانہ انتخاب ہی کا کرشمہ ہے کہ انتخابات کے وقت اور دوسرے ایسے ہی مواقع پر ہندو اور

مسلمان ایک دوسرے کو خوب دل بھر کر گالیاں دیتے ہیں اور جس قدر ایک امیدوار گالیاں زیادہ دیتا ہے اسی قدر اس کو مونسپلٹیوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں، صوبہ جاتی مجالس مقننہ اور مرکزی مجلس مقننہ کے لیے منتخب ہونے کا موقع زیادہ ملتا ہے۔ خدانخواستہ اگر کسی وقت دونوں قومیں صرف اُن ہی امیدواروں کو منتخب کرانے میں کامیاب ہو جائیں، جن کی انتخابی بنیاد باہمی نفرت اور سب وشتم پر قایم ہو، تو اس وقت ہمارے لیے ہر لمحہ خانہ جنگی کا خطرہ یقینی ہو جائے گا اور یہ ایسی صورت حالات ہے، جس کا تصور مخلص ہندو اور مخلص مسلمان کسی طرح بھی سکون قلب کے ساتھ نہیں کر سکتے۔

دسمبر ۱۹۳۷ء میں جب مسٹر جناح کلکتہ ہی میں تشریف رکھتے تھے، میں نے موقع کو غنیمت سمجھ کر اُن سے یہ کہا کہ وہ ہر خیال اور ہر طبقے کے مسلمانوں کی ایک نمایندہ کانفرنس طلب کریں اور جہاں تک ممکن ہو معقول اور متفقہ مطالبات مسلمانان ہند کی طرف سے مرتب کر کے اُن کی بنیاد پر کانگریس سے سمجھوتے کی گفت وشنید کریں اور ان مطالبات کو ہندوستان کے آیندہ دستور اساسی میں داخل کرائیں۔ مگر اُنھوں نے مجھ سے کہا کہ ابھی اس قسم کی کانفرنس کا وقت نہیں آیا ہے اور جب وقت آئے گا تو میں ضرور ایسا ہی کروں گا۔ بد قسمتی سے گزشتہ دو سال کے دوران مسٹر جناح نے بہت سے مخلص اور ذمہ دار مسلمانوں کی انتہائی سعی کے باوجود اس کو مناسب خیال نہیں کیا کہ وہ کسی دوسرے مختلف الخیال مسلمان سے، خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو کسی قسم کا مشورہ کریں یا اسے اپنے اعتماد کا اہل سمجھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اُن تمام مخلص مسلم کارکنوں کو جو اُن کے ساتھ متفق الرائے نہیں ہیں قطعاً نظر انداز کر دیا ہے۔ اور نہ اُنھوں نے کبھی اس کی وضاحت کی ہے کہ مسلمانوں کے لیے تصفیۂ حقوق کی کون سی تعمیری اسکیم سب سے بہتر ہے اور وہ کون سی ٹھوس شرایط ایسی ہیں جو اُن کو مطمئن کر دیں گی اور جن سے مسلمانوں کے حقوق محفوظ ہو جائیں گے۔ اس لیے ایک طویل وشدید انتظار کے بعد دوسرے خیر خواہان اسلام اور آل انڈیا مسلم جماعتوں نے جن کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، یہ کانفرنس طلب کی ہے اور اب آپ حضرات ہی کا یہ کام ہے کہ آپ فیصلہ کریں اور بتائیں کہ ملکی ترقی کی رفتار کو تیز کرنے اور مشترکہ مادر وطن کے باعزت فرزند ہونے کی حیثیت سے زندگی کے ہر شعبے میں اپنی پوزیشن کو مضبوط بنانے کی غرض سے مسلمانان ہند کو کیا کرنا چاہیے؟

مجھے مجبوراً یہ عرض کرنا پڑتا ہے کہ گذشتہ تیس سال کے عرصے میں تعلیمی دایرے کے اندر بالخصوص ابتدائی اور ثانوی تعلیم میں مسلمانوں نے خواہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کی ہو، مگر یہ حقیقت ہے کہ اقتصادی حیثیت میں ہم نے اپنے آپ کو تباہ کرلیا ہے اور ہماری قوم کی مالی حالت اُس سطح سے بہت زیادہ پست ہوگئی ہے، جس پر ہم ایک نسل پہلے کھڑے ہوئے تھے۔ بہت سی جائیدادیں اور وسیع زمین داریاں جو کسی زمانے میں ہماری مملوکہ تھیں آج ہمارے ہاتھوں سے نکل چکی ہیں۔ ہم ابھی تک اپنے افلاس کے اسباب معلوم کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ ان اسباب میں سب سے نمایاں سبب میری حقیر رائے میں یہ ہے کہ ہماری معاشرت کا معیار بہت بلند ہے اور ہم بہت زیادہ اسراف میں مبتلا ہیں۔ نہایت افسوس کی بات ہے کہ ہماری زندگی کا معیار ہندوستان کی اُن دوسری قوموں کے مقابلے میں بہت زیادہ بلند ہے، جو ہم سے زیادہ متمول ہیں اور جنھیں ملک کی تجارت کا بڑا حصہ ملا ہوا ہے۔ ہم میں بہت سے ایسے غریب ہیں جو کھدر سے صرف اس لیے نفرت کرتے ہیں کہ کانگریس نے اسے اختیار کرلیا ہے۔ حال آں کہ ان کی اقتصادی حالت انھیں ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ ایک دن کے لیے بھی کھدر کے سوا کوئی کپڑا استعمال کریں۔ بعض مسلم رہنماؤں نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ہندوؤں کے خلاف نفرت وحقارت کے شعلے اس طرح بھڑکائے ہیں کہ محض معمولی واقعات کو جو روزانہ کی زندگی میں بہترین ماحول کے اندر بھی پیش آتے رہتے ہیں، مبالغے کے ساتھ خوف ناک بناکر سات صوبوں میں کانگریس کے مظالم کی فرضی داستانیں وضع کرلی ہیں اور انھیں شہرت دے رہے ہیں جس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ قوم کی تمام تعمیری سرگرمیوں میں ہمارا حصہ صفر کے برابر ہے اور ہم سب سے زیادہ نقصان برداشت کررہے ہیں۔ ذاکر حسین کمیٹی کی تعلیمی اسکیم کو اُن ہی لوگوں نے رد کردیا ہے جو سب سے زیادہ اس کے ضرورت مند ہیں اور وجہ یہ قرار دی ہے کہ اس میں مذہبی تعلیم کا بندوبست نہیں ہے۔ حال آں کہ اس اسکیم کے اندر عمداً یہ صورت رکھی گئی ہے کہ ہر شخص اپنی مذہبی تعلیم کے لیے خود آزاد رہے اور اس میں حکومت دخل نہ دے۔ ہم ''ہندوستانی'' کے متعلق نہایت زور شور کی بحثیں سنتے رہے ہیں۔ کیوں کہ ہندوستان کے بعض صوبوں میں جہاں اُردو بولی نہیں جاتی، ہندی کے الفاظ کا غلبہ ہے۔ بعض رجحانات مسلّمہ طور پر تکلیف دہ اور پریشان کن ہیں، مگر ان کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ آپس

میں فسادانگیز جھگڑے شروع کردیے جائیں۔ ہم نے دیہاتی اصلاح کے کام میں محض اس لیے حصہ نہیں لیا ہے کہ اس سے کانگریس کا پرسٹیج بڑھے گا۔ جس کا مقابلہ کرنا ہمارا فرض اولین ہے۔ مکمل نشہ بندی کی تجویز محدود رقبوں میں بھی ہمیں گوارا نہیں ہے۔ کیوں کہ مسلم لیگ کے ایک بہت بڑے لیڈر کے قول کے مطابق یہ تجویز ابھی قبل از وقت ہے اور ملک کے اقتصادی حالات اس کی اجازت نہیں دیتے۔

یہ صحیح ہے کہ بہت سے مسلمان فرقہ وارانہ مسئلے کے حل میں کانگریس کی ''لیت ولعل'' والی پالیسی سے پریشان ہو گئے ہیں اور اس اہم اور مشکل ترین مسئلے کو پوری توجہ اور سنجیدگی کے ساتھ ہاتھ میں لینے سے کانگریس کے سربرآوردہ رہ نماؤں کی پہلو تہی نے بے اطمینانی پیدا کردی ہے۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ گذشتہ دوسال کے عرصے میں گاندھی جی اور پنڈت جواہرلال نہرو کی طرف سے ہندو مسلم تعلقات کو خوش گوار بنانے اور دونوں قوموں کو ایک مشترک سطح پر لانے کے لیے سنجیدگی اور اخلاص مندی کے ساتھ مسلسل کوششیں کی گئی ہیں جن کی نظیر پہلے کبھی نہیں ملتی۔ اس مقصد کے لیے ان اصحاب نے مسٹر جناح سے براہ راست خط وکتابت بھی کی ہے اور خود اُن ہی کی شرائط پر ان سے خود جاکر ملے بھی ہیں۔ اگر مسٹر جناح نے اِن پُرخلوص اقدامات کا جواب صحیح اسپرٹ میں دیا ہوتا تو آج سے بہت قبل ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے دوش بہ دوش منزل آزادی کی طرف گامزن ہو چکے ہوتے، اور مکمل درجۂ نوآبادیات آج ہم سے بہت قریب تر ہوتا اور اس کی حیثیت محض ایک آرزو کی نہ ہوتی جس کی تکمیل کے لیے مستقبل کا کوئی زمانہ متعین ہی نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا ہم ہندوؤں کے ساتھ اپنے اختلافات کو باعزت طریقے پر ختم کرنے کے لیے اِس سنہری موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں؟ جب کہ خوش قسمتی سے کانگریس کو ہندوؤں کی اکثریت کا اعتماد حاصل ہے اور گاندھی جی جو عملاً کانگریس کے ڈکٹیٹر ہیں اس مسئلے کو ہمیشہ کے لیے حل کرنے کا تہیہ کرچکے ہیں، یا ہم نظرفریب الفاظ اور خالی خولی جملوں کے طلسم میں مبتلا ہوکر نہ صرف اپنے ملک کی ترقی کو روکنا بلکہ خود اپنے آپ کو انتہائی نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ ہم آیندہ نسلوں کو یہ کہنے کا موقع دینا نہیں چاہتے کہ ''اگر ہمارے آباؤاجداد نے غیردانش مندی سے کام نہ لیا ہوتا تو آج سے بہت قبل ہندوستان آزاد ہو چکا ہوتا اور ہندوستانی مسلمانوں کو آزاد ہندوستان میں باوقار جگہ حاصل ہوتی''۔

مجھے یقین کامل ہے کہ مستقبل قریب میں دنیا کے اندر زبردست انقلابات برپا ہونے والے ہیں، جن سے ہندوستان بھی ضرور متاثر ہوگا۔ آج کل کا ہندوستان ایک جامد ملک بن کر نہیں رہے گا۔ وہ اپنی محکومیت پر قانع نہیں رہ سکتا۔ کیا مسلمانوں کو آنے والے انقلاب میں اپنا واجب حصہ نہیں لینا چاہیے؟ کیا اُن کے لیے یہ طرزِ عمل باعزت ہوگا کہ وہ اس وقت تو کچھ نہ کریں اور جب دوسرے جنگ لڑ کر فتح یاب ہو جائیں تو وہ مالِ غنیمت میں برابر کا حصہ بٹانے کے لیے مستعد ہوں؟ مجھے اُمید ہے کہ یہ کانفرنس نہ صرف مسلمانانِ ہند کے جائز حقوق و مطالبات کا تحفظ کرنے کے لیے ایک مشترک فارمولا تلاش کرے گی، بلکہ مسلمانوں کے لیے ایک ایسا لائحہ عمل بھی تیار کرلے گی، جس کے ماتحت وہ اپنے ملک کو آزاد کرانے کے لیے اپنی عظیم الشان قومی خصوصیات کے لائق قربانیاں پیش کرسکیں۔

میں صرف ایک بات اور کہوں گا اور اس کے بعد ختم کردوں گا۔ ہندوستان کو ہندو انڈیا اور مسلم انڈیا میں تقسیم کرنے یا جداگانہ ہندو اور مسلم ریاستیں قایم کرنے کی تمام گفتگو نہ صرف نامعقول بلکہ ناقابلِ عمل بھی ہے کیوں کہ اس اسکیموں میں سے کوئی اسکیم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی اور کروڑوں مسلمان اور ہندو دور دراز کے صوبوں سے ہجرت کرکے ہندو یا مسلم آزاد علاقوں میں نہیں جاسکتے۔ ان تجاویز کو صرف وہی دماغ پیدا کرسکتا ہے جو غصے کی وجہ سے ماؤف ہو چکا ہو۔

جہاں تک کہ اس اُمیدِ موہوم کا تعلق ہے کہ مسلم اکثریت والے صوبوں کے جداگانہ فیڈرل مسلم حکومت کے ماتحت آجانے سے ہندوستان میں امن و امان قایم ہو جائے گا، میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ اس کے برعکس دو فیڈرل حکومتوں کے درمیان جن کی سرحدوں کو صرف نفرت و حقارت اور مذہبی تعصبات کے جذبات ایک دوسرے سے جدا کریں گے، سخت جنگ و جدال کا آغاز ہو جائے گا۔ ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہ کرنا چاہیے کہ جب دو اکثریت والے صوبوں میں مسلم لیگ ''اسلام'' کے نام پر اور ''اسلام خطرہ میں ہے'' کا نعرہ لگا کر انتھک پروپیگنڈا کرنے کے بعد بھی لیگی حکومتیں قایم نہ کرسکی تو ان ''اسلامی'' اور ''آزاد'' حکومتوں کی حقیقت جنھیں لیگ پیدا کرنا چاہتی ہے سوائے پانی کے خالی بلبلوں کے اور کیا ہوسکتی ہے۔ میری حقیر رائے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو ہمیشہ ہندوستان میں ساتھ رہنا ہے اور انھیں ایک ایسی نئی تہذیب کے بنانے

میں اپنا اپنا بہترین حصہ ادا کرنا ہے جو ترقی کرے گی اور پھلے پھولے گی اور شاید ایک دن تمام دنیا کی رہ نمائی کرے گی۔

اس سے قبل کہ میں ختم کروں آپ حضرات سے اُن کوتاہیوں کے لیے معافی چاہتا ہوں جو مجلس استقبالیہ کے انتظامات میں آپ کو محسوس ہوئی ہوں اور اس کے لیے میرے پاس صرف ایک ہی عذر ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ انتظامات جس مدت میں کیے گئے ہیں وہ چند یوم سے زاید کی مدت نہیں تھی۔

میں ایک مرتبہ پھر اس شہر میں آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں، جو قدیم عمارات کے اُن شاندار کھنڈروں سے بھرا ہوا ہے، جن کا سلسلہ ہمیں زمانہ ہائے ماقبل تاریخ تک لے جاتا ہے۔ اور دوبارہ امید کرتا ہوں کہ آپ نہایت فیاضی کے ساتھ ہماری کوتاہیوں کو معاف کر دیں گے۔

(خان بہادر شیخ) محمد جان

(ایم۔ ایل۔ سی بنگال)

۲۔ خطبۂ صدارت (چند ضروری اور اہم اقتباسات):

سندھ کے عظیم فرزند اور ملک کے نام ور مدبر خان بہادر اللہ بخش سومرو نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا:

معزز حضرات و خواتین!

میں آپ کی اس عزت افزائی کا نہایت سچے دل سے شکر گذار ہوں۔ یہ کانفرنس جس کی شرکت کے لیے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں، ہندوستان کی تاریخ کے اس نازک دور میں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ یہاں ہندوستانی مسلمانوں کی وہ تمام جماعتیں جمع ہیں، جن کے دلوں میں ایک طرف اگر اپنے مذہب کی محبت ہے تو دوسری طرف وطنِ عزیز سے بھی کچھ کم شیفتگی نہیں۔ ہم ایک ایسے مذہب کے پرستار ہیں جو تمام انسانیت کے لیے آزادی کا وہ مقام چاہتا ہے، جس کے بلند اور اعلیٰ مقاصد کا حاصل یہ ہے کہ کل بنی نوع انسان کا صحیح معنوں میں بھلا ہو۔

محترم بھائیو! ہم اس وقت بڑے نازک دور سے گزر رہے ہیں۔ معاملہ صرف ہمارا اور ہمارے وطن کا نہیں، بلکہ تمام دنیا ایک بپتا میں گرفتار ہے۔ انسانیت کی تاریخ میں کبھی کبھی

ایسا موقع بھی آتا ہے کہ زمانے کے تقاضوں اور وقت کی ضرورتوں کے ہاتھوں پرانا نظام بنیاد سے اکھڑتا نظر آتا ہے اور پرانے نظام کی جگہ نیا نظام جنم لیتا ہے۔ دنیا کروٹ بدلتی ہے۔ کچھ قومیں فنا کے گھاٹ اترتی ہیں اور کچھ بام ترقی پر جلوہ افروز نظر آتی ہیں۔ انسانوں کے جس گروہ میں دم خم ہوتا ہے، وہ اس خلفشار میں اپنے قدم مضبوط رکھتا ہے اور امتحان کی آگ میں پڑ کر اپنے کو جلنے سے بچالیتا ہے یہی وہ گروہ ہے جو نہ صرف زندہ رہتا ہے، بلکہ ترقی کی راہوں پر مردانہ وار آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم اصل مسئلے کی طرف آتے ہیں، جو اس وقت بے حد اہمیت رکھتا ہے اور جس کا فوری حل ڈھونڈنا سب سے زیادہ ضروری فرض ہے۔ لیکن ان مسائل کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ہمیں کئی سال پیچھے جانا پڑے گا۔

سچ تو یہ ہے کہ ۱۹۰۰ء سے پہلے ہندوستان میں صرف دو جماعتیں تھیں، مطلق العنان غیر ملکی حکومت اور بے زبان محکوم رعایا۔ لیکن ۱۸۸۶ء میں جب کانگریس نے ایک سیاسی جماعت کی حیثیت سے جنم لیا اور آہستہ آہستہ ہندوستان میں سیاسی شعور عام ہونے لگا، ہندوستانیوں کے دماغوں میں انگلستان اور برطانوی نو آبادیات کی طرز کی حکومتوں کے خیالات پرورش پانے لگے، انیسویں صدی کے آخر میں آسٹریلیا میں وفاقی حکومت کی داغ بیل پڑی اور اس زمانے میں ایشیا کی ایک گم نام جاپانی قوم نے روسی سلطنت کو، جس کا شمار یورپ کی زبردست سلطنتوں میں تھا، شکست دی۔ اس عمل میں سیاسی افکار تیز ہوتے گئے اور تقسیم بنگال کے بعد ہماری سیاسی زندگی نے نئی کروٹ لی اور سب سے پہلی بار سیاسی رہنماؤں کو جمہور کی قوت بر سرِ کار لانے کا خیال پیدا ہوا۔

۱۹۰۶ء میں کانگریس کا اثر بہت بڑھ گیا تو حکم رانوں کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کی روک تھام کی کوئی تدبیر کریں۔ چناں چہ مسلم لیگ کا وجود عمل مین آیا۔ شروع شروع میں تو یہ جماعت چند گنے ہوئے مسلمان سیاست دانوں کی ترجمان بنی رہی، لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا انتہا پسند نوجوان بھی لیگ میں شریک ہونے لگے اور لیگ عوام میں ہر دل عزیز ہونے لگی۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ اکثر جان بوجھ کر اور بعض دفعہ بغیر جانے ہوئے مسلم لیگ انگریزی اقتدار کے زیر اثر سرگرم عمل رہی۔ اس کے مقابلے میں کانگریس کو مسلمانوں کی خلاف تحریک سے بڑی تقویت پہنچی اور ۱۹۲۸ء کے بعد کانگریس نے اپنے

خاص نقطۂ خیال کا پرچار کر کے جمہور میں بڑی بیداری پیدا کرلی اور ساتھ ہی اپنا سیاسی مقصد اتنا واضح کر دیا کہ برطانیہ کو جو مہذب دنیا میں اپنے وقار کو کسی قیمت پر بھی کم ہوتے دیکھنے کی روادار نہیں تھی۔ اپنے آپ کو حق بہ جانب ثابت کرنا مشکل ہو گیا۔ مجبوراً حکومت کو بہ ظاہر معقول اور دراصل پرفریب کارروائی کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔

1919ء میں افریقہ کی نوآبادیات کو فیڈرل حکومت مل گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ بنگال کی تقسیم پر جو شورش ہو رہی تھی اس نے اور بھی نازک صورت اختیار کرلی۔ ان حالات میں انگریزوں نے منٹو مارلے اصلاحات دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ اس دوران ٹرکی پر یورپی سلطنتوں کی یورش اور طرابلس اور بلقان کی جنگوں کی وجہ سے مسلمانوں میں بے اطمینانی پھیلنے لگی۔ جنگ طرابلس کے ہنگامے نے اسلامی ہند میں جنگ وغیرہ کی ایک عالم گیر لہر دوڑا دی۔

۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوئی اور انگریزوں نے ترکوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ اس پر مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہوئی، جو جنگ کے زمانے تک تو دبی رہی لیکن ۱۹۱۸ء میں برسوں کی دبی ہوئی آگ بھڑک اٹھی۔ عوام اور خواص حکومت کے خلاف مقابلے کے لیے ڈٹ گئے۔ اس کے بعد رولٹ بل جلیان والہ باغ اور پنجاب پر مظالم کے واقعات رونما ہوئے۔ مہاتما گاندھی نے کانگریس کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

جنگ عظیم کے اتحادیوں نے بڑے زور شور سے اعلان کیا تھا کہ آیندہ قوموں کو اپنے اوپر خود حکومت کرنے کا حق دے دیا جائے گا، اس لیے ہر محکوم قوم کو اتحادیوں کی مدد کرنا چاہیے۔ لیکن معاہدہ وارسائی میں یہ سب وعدے بالائے طاق رکھے رہ گئے اور ہندوستان کو برطانیہ کی مدد کا صلہ جلیان والہ باغ اور رولٹ بل کی صورت میں ملا۔ دوسری طرف مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ پر برطانیہ نے اپنا اقتدار قایم کرلیا اور ترکی کے حصے بخرے کر کے اتحادیوں نے انھیں آپس میں بانٹ لیا۔ ان وعدہ خلافیوں اور ظالمانہ کارروائیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں میں حکومت کے خلاف نفرت کا عام جذبہ پھیل گیا۔ اسی طرح ہندو اور مسلمان دونوں مل گئے اور انگریزوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ قایم ہو گیا اور ترکِ تعاون کی تحریک چلی۔ ہندو اور مسلمان دونوں کا نصب العین آزادیٔ وطن قرار پایا۔ یہ تحریک بڑے زوروں پر تھی اور بمبئی کے ایک سابق گورنر کے قول کے مطابق منزلِ مقصود

سے ہم کنار ہوا ہی چاہتی تھی کہ ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۴ء تک کا زمانہ ہندوستان کے لیے بہت منحوس ثابت ہوا۔ فسادات کو روکنے کی بڑی تدبیریں ہوئیں۔ گاندھی جی نے اپنا تاریخی برت رکھا، لیکن حالات بد سے بدتر ہونے لگے۔ آخر طے پایا کہ متفقہ دستور اساسی بنا کر ہندوستان کے فرقہ وارانہ تنازعات کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں نہرو رپورٹ مرتب ہوئی لیکن اس وقت کے مسلمان زعما نے اس کی سخت مخالفت کی۔ ایک اعتراض تو ان کا یہ تھا کہ مجوزہ دستور میں مسلمانوں کے جداگانہ حقِ انتخاب کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ دوسرے مجالس مقننہ میں ان کی نشستیں محفوظ نہیں کی گئیں۔

بنا بریں سمجھوتے کی ہر کوشش ناکام رہی تا آں کہ ۱۹۲۹ء میں کانگریس نے آزادیِ کامل کی قرارداد منظور کی اور کچھ عرصے بعد اس مقصد کے حصول کے لیے سول نافرنی کی تحریک شروع کر دی۔ گول میز کانفرنس میں ہندو اور مسلمان آپس میں لڑتے رہے اور یہ لڑائی مجالس مقننہ کی ایک یا دو نشستوں کے لیے تھی، جو ایک فریق دوسرے فریق سے طلب کرتا تھا۔ برطانوی وزیر اعظم کے فرقہ وارانہ فیصلے کے بعد ۱۹۳۲ء میں الٰہ آباد میں نیشنل یونٹی کانفرنس منعقد ہوئی لیکن یہاں بھی چند ایک نشستوں کی وجہ سے ہندو اور مسلمانوں کی صلح نہ ہو سکی، الٰہ آباد میں مسلمانوں کے جن مطالبات کو ہندو اکثریت ماننے کے لیے تیار نہ تھی، زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ برطانوی حکومت نے ان تمام مطالبات پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

گول میز کانفرنس کی بحثوں کے بعد ۱۹۳۵ء کا دستور ہندوستان کو مرحمت ہوا، جس کی رو سے صوبوں میں ذمے دار حکومتوں کا وعدہ ہوا اور مرکزی وفاقی طرز کی امید دلائی گئی۔ اس دستور سے تو ہندوستان کو اتنے اختیارات بھی نہ ملے جو درجہ نو آبادیات کے مطابق اسے ملنا چاہیے تھے۔ چناں چہ ملک کی سب سیاسی جماعتوں نے اس دستور سے اپنی بے زاری ظاہر کی، گو اسباب بے زاری الگ الگ تھے۔ والیانِ ریاست وفاق سے ڈرتے تھے۔ وفاق کو بروے کار لانے کے لیے والیانِ ریاست کی جس قدر تعداد کی شرکت ضروری تھی، وہ بھی تیار نہ ہو سکی۔ دوسری طرف لیگ، کانگریس اور دوسری سیاسی جماعتوں نے کسی نہ کسی وجہ سے وفاق کی مخالفت کی۔ ان ناسازگار حالات میں وفاق کیا جائز ہوتا؟ چناں چہ ۱۹۳۵ء کے دستور کا یہ حصہ اب معرضِ التوا ہی میں ہے، یا دوسرے معنوں میں برطانیہ نے اسے

واپس لے لیا ہے اور اب برطانیہ کا کہنا ہے کہ ہندوستان کی سیاسی ترقی کا دوسرا قدم یہ ہوگا کہ اسے ویسٹ منسٹر کی طرز کا دستور عطا کیا جائے، جو دوسری برطانوی نوآبادیات کو مل چکا ہے۔ اس سلسلے میں حکومت کی طرف سے یہ آمادگی ظاہر کی گئی تھی کہ اگر کانگریس اور لیگ آپس میں سمجھوتا کرلیں تو ان دونوں کے دو دو، تین تین نمایندے گورنر جنرل کی مجلس عاملہ میں لے لیے جائیں گے۔

کانگریس نے حکومت کی اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ برطانوی حکومت نے ہندوستان کے معاملات میں اس وقت جو روش اختیار کی ہے، کانگریس اس پر ہاں کہنے کو تیار نہیں۔ اس کا مطالبہ ہے کہ ہندوستانیوں کے منتخب شدہ نمایندوں کی راے کے بغیر برطانیہ کو ہندوستان کے نام سے بولنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ دوسرے درجہ نوآبادیات، جو ہندوستان کی کامل آزادی کی پہلی منزل ہے، اب تک ہندوستان کو اس سے بھی محروم رکھا گیا ہے، اس بنا پر کانگریس نے آٹھ صوبوں کی حکومت سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور وہاں اس وقت صوبوں کے گورنر اپنے خصوصی اختیارات سے کام لیتے ہوئے حکومت چلا رہے ہیں۔

ہندوستان کا تو یہ حال ہے اور ادھر یورپ میں جنگ زوروں پر ہے اور اس کا دایرہ برابر بڑھتا جا رہا ہے۔ معلوم نہیں اس کا آگے چل کر کیا حشر ہونے والا ہے۔ اس وقت ہندوستان اور برطانیہ کے باہمی تعلقات نے جو عجیب و غریب شکل اختیار کی ہے، اس کی وجہ سے مہذب دنیا کی نظروں میں برطانیہ کا بھرم کھلتا جا رہا ہے اور وہ اس کی وجہ سے بے حد پریشان ہے۔ برطانیہ اور فرانس جرمنی سے اس بات پر برسرِ پیکار ہیں کہ جرمنی نے آزاد ریاستوں کی آزادی کو سلب کرلیا ہے۔ لیکن اگر برطانیہ اور فرانس اپنے اس الزام میں سچے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ جب ہندوستانی یہ مطالبہ کریں کہ انھیں اپنا دستور خود وضع کرنے کا حق دیا جائے تو برطانیہ اس کو ماننے سے انکار کردے۔

کانگریس کا یہ مطالبہ اتنا معقول اور واضح ہے کہ ایک دن برطانوی حکومت کو جو اس قسم کے مطالبات کی بنا پر اپنے لاکھوں نوجوانوں کو لڑائی کی آگ میں دھکیل رہی ہے، کانگریس کے سامنے ہار ماننا ہوگی۔ برطانیہ جرمنی کو شکست دینے کے لیے مہذب دنیا کی ہمدردی حاصل کرنا ضروری سمجھتا ہے اور اس سلسلے میں امریکہ جو جمہوریت کا بڑا حامل ہے

اور اب تک غیر جانب دار ہے، اس کی بہت بڑی آبادی برطانیہ کی موجودہ پالیسی کو جو ہندوستان کے متعلق اس نے اختیار کر رکھی ہے مشکوک نظروں سے دیکھ رہی ہے۔

ان حالات میں بہت جلد برطانیہ کو ہندوستان کے ساتھ اپنے وعدوں کو پورا کرنا پڑے گا۔ لیکن برطانیہ نے اپنے لیے ایک راہِ فرار ڈھونڈ لی ہے۔ اس نے مسلمانوں کا مسئلہ دنیا کو دکھانے کے لیے چھیڑ دیا ہے اور بدقسمتی سے لیگ اس معاملے میں برطانیہ کے لیے آلۂ کار بن گئی ہے۔ برطانیہ کا کہنا ہے: مانا کہ کانگریس ہندوستان کے گیارہ صوبوں سے آٹھ صوبوں کی صحیح طور پر نمائندگی کا حق رکھتی ہے لیکن چوں کہ وہ مسلم لیگ سے سمجھوتا نہیں کر سکی اور مسلم لیگ مسلمان اقلیت کی ترجمان اور نمایندہ ہے، اس لیے برطانیہ اقلیت کی حفاظت کرنے پر مجبور ہے اور کسی طرح بھی کانگریس کے مطالبات ماننے کے لیے تیار نہیں۔ چوں کہ انگلستان اپنے اقتدار سے دست بردار نہیں ہونا چاہتا، اس لیے اس نے اس بات کو چھپانے کے لیے اقلیت اور والیانِ ریاست کی تدبیر گھڑ لی ہے اور اس کے زور سے دنیا کو فریب دیا جا رہا ہے۔

حضرات! مسلم لیگ کے اس رویے سے ہندوستان کے مسلمان بہ حیثیت قوم تمام دنیا کی نظروں میں ہندوستان کی آزادی کی راہ میں سب سے بڑی روک قرار دیے جا رہے ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کی یہ پوزیشن کسی طرح بھی قابلِ رشک نہیں، بلکہ اس سے ہندو اور مسلمانوں کے آپس کے تعلقات کے اور خراب ہو جانے کا خطرہ ہے اور ہم نہ صرف اپنے اہلِ وطن کی نظروں میں گر جائیں گے، بلکہ تمام دنیا ہمیں نفرت سے دیکھے گی۔ اس لیے سخت ضرورت تھی کہ اس قسم کے نمایندہ اجتماع میں ہم برملا لیگ کے طرزِ عمل کی مذمت کریں۔ ایک مسلمان جو ذرا سی عقل اور سوجھ اپنے دماغ میں رکھتا ہے اور واقعات کی دنیا سے اندھا نہیں اور اسے اپنی عزت نفس کا کچھ بھی خیال ہے، اس بات کے لیے کبھی تیار نہیں ہوگا کہ وہ برطانیہ کی اغراض کو پورا کرنے کے لیے آلہ کار بنے اور اس وجہ سے اس کے ہم وطنوں کو آیندہ چل کر سیاسی اور اقتصادی نقصانات برداشت کرنا پڑیں، یہ وہ بھنور ہے، جس میں لیگ دانستہ یا نادانستہ پھنس چکی ہے۔

لیگ کے موجودہ طرزِ عمل اور لاہور کے اجلاس میں جو قرارداد منظور ہو چکی ہے اب اس کے بارے میں ہمیں کچھ کہنا ہے۔ تاہم لیگ کے آخری اجلاس لاہور پر تبصرہ کرنے سے

پہلے یہ ضروری ہے کہ لیگ اور کانگریس کی باہمی مفاہمت کی کوشش کے متعلق اشارہ کر دیا جائے۔

مسٹر جناح کے اس اصرار پر کہ کانگریس لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمایندہ جماعت مان لے۔ جب یہ جواب دیا گیا کہ مسٹر جناح لیگ کے لیے جو کچھ اور چاہیں منوالیں لیکن یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ کانگریس اپنے آپ کو ہندو جماعت ماننے پر آمادہ ہو جائے۔ اصل معاملہ تو صرف یہ ہے کہ لیگ اور کانگریس دو سیاسی جماعتیں آپس میں سر جوڑ کر بیٹھیں اور سمجھوتا کر لیں۔ ہر سمجھ دار آدمی کے لیے کانگریس کی یہ دلیل قابل قبول ہو سکتی تھی، لیکن مسٹر جناح نے نہ جانے ان بنیادوں پر کانگریس کے نمایندوں سے ملنے سے کیوں انکار کر دیا۔ مسٹر جناح کے اس طرز عمل نے ہر شخص پر واضح ہو گیا کہ انھوں نے صلح کا ایک نادر قیمتی موقع کھو دیا۔ اس کے بعد جب جناح نہرو خط و کتابت ہو رہی تھی، سب کو امید بندھ چلی تھی کہ کوئی سمجھوتا ضرور ہو جائے گا۔

ہماری مایوسیاں یہیں ختم نہ ہوئیں بلکہ دو قدم آگے بڑھ کر مسٹر جناح نے لاہور کے اجلاس میں لیگ سے یہ منظور کروالیا کہ ہندوستان کے مسلمان ہندوستانی ہونے سے ہی انکار کر دیں۔ تعجب ہے کہ مسٹر جناح کا یہ مطالبہ کہ برطانوی حکومت کانگریس مظالم کی تحقیقات کے لیے ایک رائل کمیشن بھیجے، مسترد ہو گیا۔ کبھی انھوں نے اس کے بعد یہ ضرورت نہ سمجھی کہ وہ لیگ سے برطانوی حکومت سے کنارہ کش ہونے کی قرارداد منظور کراتے۔ خواہ یہ معاملہ افراد کا ہو یا جماعتوں کا۔ مگر سوال یہ ہے کہ بعض حلقوں میں اگر دانش مندی اور تدبر کا فقدان نہ ہو تو اس کا خمیازہ ہندوستان کے غریب نو کروڑ مسلمانوں کو کیوں بھگتنا پڑے اور حکومت برطانیہ کو کیوں اس بات کا موقع دیا جائے کہ ہندوستانیوں نے پیدائشی حق آزادی کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ ایک سیاسی جماعت کی حیثیت سے کانگریس کی نمایندہ حیثیت تو سمجھ میں آتی ہے، اس لیے کہ سات صوبوں میں اس کی اکثریت ہے اور آٹھویں صوبے میں بھی اس کا اثر غالب ہے لیکن جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے، سوائے ہنگاموں اور جلسوں کے آخر کس بنیاد پر وہ ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت کی نمایندہ جماعت ہونے کا مطالبہ کر رہی ہے؟

لاہور کے جلسے سے پہلے مسلم اقلیت والے صوبوں میں مسلم لیگ کو خواہ کتنی ہی

ہمدردی اور حمایت حاصل رہی ہو۔ لیکن لاہور میں جدید پالیسی کا اعلان کرنے کے بعد اس ہمدردی اور حمایت کو یقیناً ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ اس لیے کہ لیگ نے مسلم اقلیتوں کو یک قلم نظر انداز کر کے دفعتاً ایک بالکل ہی ناقابلِ عمل اسکیم تجویز کر دی کہ شمال اور مغرب میں تقریباً دو کروڑ پنجابی، سندھی، پٹھان، بلوچ مسلمانوں کی ایک علاحدہ خود مختار ریاست بنائی جائے اور اسی قسم کی ایک دوسری ریاست سوا دو کروڑ آسامی اور بنگالی مسلمانوں کی شمالی اور مشرقی ہند میں بنائی جائے، جو ایک دوسرے سے ایک ہزار میل سے زیادہ فاصلے پر ہیں اور جب ان دو خود مختار اور آزاد ریاستوں کے قیام کا خواب عمل میں آ جائے گا اس کے بعد پھر مسلم اقلیتوں کے معاہدے کی گفتگو شروع کی جائے گی۔ یہی وہ صورت حال ہے، جس پر فارسی کی یہ مثال صادق آتی ہے کہ ''تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود''۔

اگر ہندو اکثریت والے صوبوں میں مسلم اقلیت اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے وقت کا انتظار کرے کہ جب تک بنگال اور پنجاب کی آزاد خود مختار ریاستیں قایم ہوں، تو اندیشہ ہے کہ قیامت تک انھیں انتظار ہی کرنا پڑے گا اور اس عرصے میں بہ ہر حال ان کو اپنے تحفظ کے لیے خود کوئی انتظام کرنا پڑے گا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا مسلم اقلیتوں کو اس بدلے سے کوئی تسکین حاصل ہو سکتی ہے؟ کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ مسلم اقلیتیں اپنے پڑوسیوں سے باعزت سمجھوتا کر کے ہندوستانی کی حیثیت سے جہاں ہیں وہیں رہیں؟ بجائے اس کے کہ وہ اپنے ہی ملک میں غیر ملکی بن جائیں، جن کا کوئی نہ محافظ ہو اور نہ ہی پرسانِ حال! ان ہی حقائق اور ناقابلِ تردید واقعات کا یہ منطقی نتیجہ ہے اور اس پر کوئی تعجب نہ کرنا چاہیے۔ اگر ہندو اکثریت والے صوبون میں مسلم اقلیتوں کو ان رہنماؤں کی دانش مندی پر کوئی اعتماد باقی نہیں جو دو قوموں والے نظریے کے قائل ہیں۔ اگر صوبہ جات سرحد، بلوچستان اور سندھ کے چھپن یا ساٹھ لاکھ مسلمانوں کو شمالی مغربی پاکستان سے نکال لیا جائے، اس لیے کہ ان میں حقیقت کا کوئی مادہ موجود نہیں کہ لیگ کے مجوزہ پاکستان میں شریک ہونے سے شکریے کے ساتھ انکار کر دیں گے تو پھر پنجاب کے کم و بیش سوا کروڑ مسلمان جو کیمبل پور سے لاہور تک آباد ہیں، اپنا ایک بہت چھوٹا پاکستان قایم کر سکیں گے۔

حضرات! ان واقعات پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا ہے کہ ہم بہ حیثیت ہندوستانی مسلمان کے مستقبل میں کیسے زندہ رہ سکتے ہیں؟

میں نے آپ کا بہت سا وقت لیا اور آپ نے بھی جس خاموشی اور سنجیدگی سے میرے خیالات کو سنا اس کے لیے بھی آپ کا ممنون ہوں"۔

یہ اجلاس رات ڈیڑھ بجے ختم ہوا۔ کانفرنس ۲۷ تا ۲۹/اپریل تک تھی لیکن کام کی زیادتی کے باعث ایک دن اور بڑھا دیا گیا۔

۳۔ اجلاس میں منظور شدہ قراردادیں:

کانفرنس کے اجلاسوں میں قومی و ملی اہمیت کی متعدد قراردادیں پاس کی گئیں، جنھیں کانفرنس کے سیکریٹری ڈاکٹر شوکت اللہ انصاری نے مرتب کر کے چھپوادیا تھا۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

الف: تعزیتی قراردادیں:

تجویز نمبر ۱: تمام ہندوستان کی آزاد مسلم موتمر جناب سیٹھ یعقوب حسن صاحب کی وفات پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتی ہے۔ مرحوم ہندوستان کے آزادی پسند محبانِ وطن میں ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے اور استخلاصِ وطن میں اُن کی خدمات اور قربانیاں احترام کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اور اُن کی آرام گاہ کو رحمت کی بارشوں سے سیراب کرے موتمر کا یہ اجلاس اُن کے اعزا سے عموماً اور اُن کے صاحب زادے اور اہلیہ کی خدمت میں خصوصاً اپنی دلی ہمدردی کا مخلصانہ اظہار کرتا ہے۔

(مِن جانب صدر)

تجویز نمبر ۲: تمام ہندوستان کی آزاد مسلم موتمر کا یہ اجلاس حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ کی وفات پر اپنے عمیق جذباتِ رنج والم کا اظہار کرتا ہے۔ مولانا ایک متبحر عالم تھے اور سبیل استخلاصِ وطن میں بیش بہا قربانیاں پیش کر چکے تھے۔ حق تعالیٰ اُن کی تربت مقدسہ کو رحمت کی بارش سے سیراب فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ یہ جلسہ حضرت مولانا کی اہلیہ محترمہ اور ان کے صاحب زادے اور تمام اعزا و اقارب کی خدمت میں تعزیتِ مسنونہ اور دلی ہمدردی پیش کرتا ہے۔ (مِن جانب صدر)

تجویز نمبر۳: آزاد مسلم مؤتمر کا یہ اجلاس جناب مجیب الرحمٰن صاحب کے انتقال پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم ایک پرانے خادم ملت و وطن تھے۔ جلسہ دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور اُن کے پس ماندگان اور اقربا کو صبر جمیل کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین (من جانب صدر)

ب: حریت پسند جماعتوں اور قوم پرور مسلمانوں کا نقطۂ نظر:

تجویز نمبر۴: مسلمانوں کا یہ اجتماع جس میں تمام آزادی خواہ مسلم جماعتوں کے مندوب اور ہر حصۂ ملک کے جان نثارانِ اسلام اور محبانِ وطن مسلمان موجود ہیں، پورے غور و خوض کے بعد ذمہ دارانہ طریق پر حسب ذیل اعلان کرتا ہے:

ہندوستان اپنی جغرافیائی اور سیاسی حدود کے ساتھ ایک متحدہ ملک ہے جو اپنے تمام باشندوں کی خواہ وہ کسی مذہب و ملت کے ہوں، مشترکہ ملکیت اور ہندو، مسلمانوں اور دوسری ملتوں کا مشترک وطن ہے۔ اس کے چپے چپے اور گوشے گوشے میں مسلمانوں کی ملکیت اور اُن کے مذہبی اور ملی شعائر اور جان سے زیادہ عزیز یادگاریں موجود ہیں۔ اس مشترک سرزمین میں تمام باشندوں کے حقوق اور ذمہ داریاں قومی اور شخصی زندگی کے تمام شعبوں میں یک ساں طور پر قایم ہیں۔

وطنیت کے لحاظ سے ہندوستان کا ہر مسلمان باشندہ ہندوستانی ہے اور وہ ہندوستان کے کونے کونے گوشے گوشے میں ملک کی حکومت، اقتدار، ملازمت، اقتصادیات اور ہر قسم کی عام زندگی میں ان تمام حقوق کا مستحق ہے جن کا کوئی دوسرا ہندوستانی مستحق ہو سکتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح وطن کی آزادی اور استقلال کے راستے میں جد و جہد اور قربانیوں کی ذمہ داری بھی مسلمانوں پر اسی طرح عاید ہوتی ہے، جس طرح ہندوستان کے دوسرے باشندوں پر! یہ مسئلہ ایک بدیہی مسئلہ ہے، جس میں صائب الرائے مسلمان کو ادنیٰ تامل نہیں ہو سکتا۔

یہ اجتماع پوری قوت کے ساتھ بہ بانگ دہل اعلان کرتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا نصب العین اپنے ملی اور مذہبی حقوق کی حفاظت کے ساتھ ہندوستان کی مکمل آزادی ہے، جسے وہ جلد از جلد حاصل کرنے کے متمنی ہیں اور اسی عقیدے اور جذبے کے

ماتحت انھوں نے تحصیل آزادی کی جدوجہد میں ہر قسم کی بیش بہا قربانیاں پیش کی ہیں اور ہر وقت پیش کرنے کو تیار ہیں۔

یہ اجتماع اس بے بنیاد الزام کی جو برطانوی اسپیریلزم اور بعض دوسرے حلقوں سے مسلمانوں پر لگایا جارہا ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے راستے میں مسلمان سنگ راہ ہیں، پوری بلند آہنگی سے تردید کرتا ہے اور صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ مسلمان اپنی ذمے داری کو کامل طور پر محسوس کرتے ہیں اور وہ کسی دوسرے سے تحصیلِ آزادی کی جدوجہد میں پیچھے رہنے کو اپنے ملی وقار اور اپنی دیرینہ روایات کے خلاف سمجھتا ہے۔

محرک: مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب، صدر جمعیت علماے ہند

مؤیدین: مسٹر یسین نوری (بمبئی)، خان عبدالصمد خان (بلوچستان)، مسٹر محمد جان خان (سرحد)، مسٹر ظہیر الدین، صدر آل انڈیا مومن کانفرنس، مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب۔

تجویز نمبر ۵: اس مؤتمر کی یہ قطعی رائے ہے کہ ہندوستان کی آیندہ حکومت کا دستور اساسی وہی قابل قبول ہوگا جو ہندوستانیوں کا ہی بنایا ہوا ہو۔ دستور ساز جماعت کے ارکان کا انتخاب ایسے اصول پر ہوگا جس میں ہر بالغ کو راے دینے کا حق حاصل ہو۔

دستور اساسی میں مسلمانوں کے حقوق و مفاد کا تحفظ اسی طریق پر ہوگا جسے اس مجلس کے مسلم نمایندے منظور کریں گے، دوسری ملت کے نمایندوں یا کسی بیرونی طاقت کو اس میں راے دینے یا مداخلت کرنے کا حق نہ ہوگا۔

محرک: مولانا حفظ الرحمٰن صاحب۔ مؤید: مسٹر محمد امین کھوسو (سندھ)

تجویز نمبر ۶: یہ مؤتمر کسی ایسی تجویز کو جو ہندوستان کو ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان میں تقسیم کردے ناقابل عمل اور وطنی مفاد کے لیے عموماً اور مسلمانوں کے ملی مفاد کے لیے خصوصاً مضر سمجھتی ہے اور اسے یقین ہے کہ اس تجویز کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے راستے میں مشکلات پیدا ہوں اور برطانوی شہنشاہیت اس سے فائدہ اٹھائے۔

محرک: مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مجلس احرار۔ مؤید: حافظ محمد ابراہیم صاحب، (سابق وزیر یوپی)

تجویز نمبر ۷: چوں کہ ہندوستان کا دستور اساسی بنانے والی مجلس میں جس کی تشکیل کے متعلق یہ مؤتمر تجویز منظور کر چکی ہے۔ مختلف ملتوں کے ملی حقوق کا استقرار ہوگا اور ان کی حفاظت کے ذرائع متعین ہوں گے، اس لیے یہ مؤتمر اس امر کا اعلان ضروری سمجھتی ہے کہ ہندوستان کی آیندہ دستور بنانے والی مجلس کے لیے مسلمان ارکان کا انتخاب صرف مسلمان کریں۔

محرک: خان بہادر اللہ بخش صاحب، صدر مؤتمر۔ مؤید: مسٹر آصف علی صاحب، دہلی

تجویز نمبر ۸: چوں کہ دستور اساسی پر جو ہندوستان کے لیے مرتب کیا جائے، ہر شہری اور ہر جماعت کو کامل اطمینان ہونا استحکام حکومت اور قیام امن کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ یہ مؤتمر مندرجۂ ذیل بنیادی اُمور کے ماتحت تحفظات کی تفصیل مرتب کرائے، جو مسلمانانِ ہند کے لیے باعث اطمینان ہو۔ بہ غرض مذکور ستائیس افراد کا ایک بورڈ قایم کیا جاتا ہے تا کہ وہ پورے غور و خوض اور وسیع تحقیقات اور مشورے کے بعد اپنی سفارشات مرتب کر کے اس مؤتمر کے دوسرے اجلاس میں پیش کر دے تا کہ مؤتمر فرقہ وارانہ مسائل کا ایک مستقل اور پایدار قومی حل بنانے کا موقع پیدا کرے۔ سفارشات زیادہ سے زیادہ دو مہینے میں مرتب ہو جائیں۔

محولۂ بالا بنیادی اُمور حسب ذیل ہیں:

(۱) مسلمانوں کے پرسنل لا اور اُن کے مذہب اور تہذیب کی حفاظت

(۲) مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور اُن کی حفاظت۔

(۳) آیندہ حکومت کی ایسی تشکیل، جس میں صوبہ وار کامل خود مختاری کے ساتھ لامرکزیت کے اصول پر وفاق کے لیے لابدی وفاقی اُمور کی تشریح کی گئی ہو۔

(۴) مسلمانوں کے اقتصادی، معاشرتی، تمدنی حقوق اور ملازمتوں میں تناسب کی تفصیل اور ان کے لیے تحفظات۔ اس بورڈ کو حق ہوگا کہ اگر کسی ممبر کی جگہ خالی ہو جائے تو اس کی جگہ دوسرا ممبر اس کی موجودہ پوزیشن کے لحاظ سے منتخب کر لے۔ بورڈ کو یہ بھی حق ہوگا کہ متفقہ رائے سے اپنی تعداد میں اضافہ کر لے اور یہ بھی حق ہوگا کہ مسلمانوں کی دوسری جماعتوں یا ماہر افراد سے مشورہ کرے اور ضرورت ہو تو ملک کی کسی دوسری ذمے دار جماعت

سے بھی مشورہ کرے۔

بورڈ کے ارکان کی تعداد ۲۷ ہوگی۔ جن کو جناب صدر مؤتمر نامزد کریں گے اور کورم ۹ کا ہوگا۔

محرک: حافظ محمد ابراہیم سابق وزیر یوپی۔ مؤید: سید عبداللہ بریلوی ایڈیٹر بمبئی کرانیکل

تجویز نمبر ۹: اس مؤتمر کو نہایت افسوس ہے کہ بلوچستان ابھی تک اس نظام حکومت سے بھی محروم ہے جو دوسرے صوبوں کو حاصل ہو چکا ہے۔ مؤتمر کی قطعی رائے ہے کہ بلوچستان بھی اُن تمام حقوق کا مستحق ہے جو دوسرے صوبوں کو حاصل ہوں۔ مؤتمر پورے زور کے ساتھ اس تحریک کی تائید کرتی ہے جو بلوچستان کو دوسرے صوبہ جات کے ساتھ مساوی درجے پر لانے کی غرض سے جاری ہوں اور بلوچستان کے حریت پسند باشندوں کو اپنی طرف سے ہر امکانی تائید کا یقین دلاتی ہے۔

محرک: مسٹر محمد امین کھوسو (سندھ) مؤید: مسٹر حیات اللہ انصاری

تجویز نمبر ۱۰: ہندوستانی پارچہ بافوں کی خستہ حالی کے پیش نظر اور صنعت پارچہ بافی کو مسلمانوں میں فروغ دینے کے لیے آل انڈیا آزاد مسلم کانفرنس کا یہ اجلاس مسلمانوں سے خصوصاً اور ہندستانیوں سے عموماً پُر زور اپیل کرتا ہے کہ وہ صرف دستی کرگھے کے بنے ہوئے کپڑے استعمال کریں۔

محرک: حکیم بشیر احمد کان پور موید: نواب زادہ امتیاز علی خاں

تجویز نمبر ۱۱: یہ مؤتمر اس صورت حال کو دیکھ کر سخت تکلیف محسوس کرتی ہے کہ گذشتہ ایک سال کے اندر وزیرستان کی سرحد پر حالات بد سے بدتر ہو گئے ہیں۔ اس مؤتمر کو یقین واثق ہے کہ وزیرستان کی موجودہ صورت حالات کی تمام تر ذمے داری حکومت کی فارورڈ پالیسی اور وزیرستان میں فوجی سڑکیں بنانے کی حکمت عملی پر عاید ہوتی ہے، جس کا نتیجہ جان و مال کی ہول ناک تباہی اور آزاد وزیریوں کی ناقابل برداشت تکالیف کی صورت میں برآمد ہوا ہے، لہٰذا یہ مؤتمر اس پالیسی کی پر زور مذمت کرتی ہے اور مطالبہ کرتی ہے کہ حکومت نے خدائی خدمت گاروں کے مصالحتی وفد کو خود فیصلہ کرنے کے حق کو تسلیم نہ کر کے اپنی استعماریت کا واضح ثبوت دیا ہے۔ اس قسم کی جنگ ظاہر ہے کہ محکوم اور غریب، نچلے اور مظلوم

طبقوں کے جائز حقوق کے بالکل خلاف ہے۔

اس کانفرنس کا خیال ہے کہ یورپ کی شہنشاہیاں اس وقت خاص طور پر اسلامی ممالک کے لوگوں کو اس جنگ میں اپنے ساتھ شریک کر کے اُن کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کر رہی ہیں، جیسا کہ مصر، مراکش، طرابلس، فلسطین اور شام وغیرہ ممالک کی کارروائیوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

ان حالات میں اس کانفرنس کی یہ صاف رائے ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اس جنگ سے بے تعلق اور استعماری طاقتوں کی امداد سے علاحدہ رہنا چاہیے اور نہ صرف اپنے ملک کی بلکہ تمام محکوم ملکوں کی امداد اور آزاد کرنے کی جدوجہد میں پوری طرح شریک ہو کر ہر قسم کی قربانی کے لیے آزاد رہنا چاہیے۔

محرک: ڈاکٹر محمد اشرف صاحب۔ موید: ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب (لکھنؤ)

تجویز نمبر ۱۲: اس کانفرنس کی یہ پختہ رائے ہے کہ یورپ کی موجودہ جنگ اقوام یورپ کے استعماری مزاج اور طریقۂ کار کا نتیجہ ہے۔ مزید برآں خود انگریزی اور فرانسیسی جمہوری ملکوں کے اس طرز عمل سے بھی جو انھوں نے اپنی ماتحت قوموں کے سلسلے میں جنگ کے بعد بھی جاری رکھا ہے۔ ہندوستان پر بالکل صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ ان جمہوری ممالک نے بھی باوجود اپنے برعکس اعلانات کے اس وقت تک ہندوستان کے حق آزادی اور وزیرستان جانے کی فوری اجازت ملنی چاہیے۔

محرک: سرحدی لیڈر (بادشاہ خان)۔ موید: مولانا محمد قاسم صاحب

ان قراردادوں کے تعارف کے بعد جان باز مرزا لکھتے ہیں:

''ہندوستان کی سیاست میں سالِ رواں کے گذشتہ مہینے اپنے اندر تاریخی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ کانگریس اور مسلم لیگ ایک مدت کی آئینی ہاتھا پائی اور تحریری جنگ کے نتیجے میں فیصلہ کن موڑ پر آن پہنچی ہیں۔ یہاں سے برصغیر کی سیاسی تاریخ دو مختلف راستوں پر چلنے لگی۔ تاریخ کا یہی وہ منحوس موڑ ہے جہاں سے ہندوستان کے مسلمان کی سوچ تین الگ الگ دھڑوں میں بٹ گئی۔ کانگریسی مسلمان اپنی فکر کی جولان گاہ پر سفر کرنے لگا، مسلم لیگ سے وابستہ ذہن کا مسلمان رجعت پسند گروہ کی جھولی میں پکے ہوئے پھل کی طرح گر کر اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے۔ نیشنلسٹ مسلمان حجازی لے میں

ہندی گیت الاپ رہا ہے اور انہی دنوں برطانیہ کی پروپیگنڈا مشینری کے ذرائع بعض مسلم ممالک میں برصغیر کے مسلمانوں کے متعلق یہ تاثر دے رہے تھے کہ

''برطانوی حکومت تو ہندوستانیوں کو آزادی دینا چاہتی ہے۔ لیکن وہاں کے مسلمان نہیں چاہتے ہیں کہ ہندوستان کو آزادی دی جائے۔ بلکہ وہ اس جماعت کے خلاف ہیں، جو آزادی مانگتی ہے اور چوں کہ مسلمان اقلیت میں ہیں، ان کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس لیے اگر ہندوستان کو آزادی دی گئی تو وہاں کشت و خون ہو جائے گا۔

اس کے مقابل غیر مسلم منتشر قوتیں مذہبی امتیاز کے باوجود سیاسی میدان میں ہم آہنگ ہو کر ایک ساتھ صف میں آن کھڑی ہوئیں۔ جس کے باعث متحدہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں (۱۹۴۷ء تک مسلمانوں کی یہی تعداد تھی) کا مستقبل مخدوش ہو گیا۔''

(کاروانِ احرار: جلد چہارم)

آزاد کانفرنس پر تبصرہ:

محمد فاروق قریشی (لاہور) نے اس کانفرنس کی کارروائی، اس کی قراردوں اور اس کے بارے میں برٹش حکومت کے رویے پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:

''جس اجلاس میں یہ قرارداد منظور کی گئی اس کی صدارت سندھ کے وزیر اعظم جناب اللہ بخش سومرو نے کی۔ گویا اگر قرارداد لاہور کو پیش کرنے والے بنگال کے وزیر اعظم مولوی ابوالقاسم فضل الحق تھے تو مندرجہ بالا قرارداد بھی وزیر اعظم سندھ کی صدارت میں پیش ہو کر منظور ہوئی اور اب مولوی فضل الحق بھی ہندوستان کو متحد رکھنے کے حامی ہو گئے تھے۔ قراردادِ لاہور کی تائید اگر چودھری خلیق الزماں ممبر یو۔ پی اسمبلی نے کی تو آل پارٹیز آزاد مسلم کانفرنس کی قرارداد کی تائید جناب یٰسین نوری سابق وزیر صوبۂ بمبئی نے کی۔ اس کانفرنس کی بنیاد حسب ذیل جماعتوں نے رکھی تھی:

(۱) مجلس احرار اسلام۔ ہند، (۲) جمعیت علمائے ہند، (۳) آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل کانفرنس، (۴) کرشک پرجا پارٹی بنگال، (۵) انڈی پنڈنٹ پارٹی بہار، (۶) آل انڈیا مومن کانفرنس اور انجمن وطن بلوچستان۔

حکومت پر اس قدر نمائندہ اور موثر اجتماع کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اپنے استعماری

مقاصد کی تکمیل کے لیے مسلم لیگ کی قرار داد کو اچھالتی رہی اور یہ ثابت کرتی رہی کہ ہندوستان کی آزادی صرف اس لیے معرض التوا میں پڑی ہوئی ہے کہ اقلیتیں بالعموم اور سب سے بڑی اقلیت بالخصوص مسلمان آئینی تحفظ کی ضمانت کے بغیر ہندوستان کو آزاد کر دینے کے مخالف ہیں۔ حکومت کا یہ عذر لنگ بد نیتی پر مبنی تھا اور محض اپنی حکم رانی کو طوالت دینے کے لیے یہ دلیل دی جاتی تھی ورنہ کانگریس نے تو یہ پیش کش متعدد مرتبہ کی تھی کہ اس کا مقصد اقتدار حاصل کرنا ہرگز نہیں بلکہ اقتدار ہندوستانی ہاتھوں کو منتقل کرنا ہے خواہ یہ مسلم لیگ کو دیا جائے۔ لیکن حکومت کے بہرے کانوں کو یہ آواز سنائی نہ دیتی تھی اور وہ مسلم لیگ اور دیگر اقلیتوں کے خوف و ہراس کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتی تھی۔ الغرض حکومت نے مسلم لیگ کے موقف سے بڑا فائدہ اٹھایا اور اسے ہندوستان کو غلام بنائے رکھنے کے لیے بڑی کارگر اور مؤثر تدبیر ہاتھ لگی ہوئی تھی۔

غیر مسلم لیگیوں کو مکمل یقین تھا کہ حکومت ان کے موقف، ہندوستان کو متحد رکھنے کو مسلسل نظر انداز کر رہی ہے اور مسلم لیگ کو واحد نمایندہ جماعت کا مقام و مرتبہ دے کر اس کے مطالبۂ تقسیم ہند کی زبردست طرف دار ہے اور مسلم لیگ اسی کھونٹے پر اترا رہی ہے۔ چناں چہ انھوں نے ایک مرتبہ پھر حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کرانے کے لیے آل پارٹیز آزاد مسلم کانفرنس منعقد کی تاکہ حکومت کے بہرے کانوں تک اپنی آواز پہنچا سکیں۔ وایسرائے لکھتا ہے کہ آزاد مسلم کانفرنس کے بورڈ کی میٹنگ میں ریزولیوشن منظور ہوا۔ بورڈ سے مراد ایگزیکٹو کی میٹنگ ہے۔ آل انڈیا آزاد مسلم کانفرنس کو وہ نام نہاد قرار دیتا ہے۔ جب کہ خود ہی آگے چل کر اس کے شرکا کے نام لکھتا ہے جن کی نمایندہ حیثیت مسلّم ہے اور لیگ کی طرف سرکاری سرپرستی کی وجہ سے معزز و معظم نہیں ہوئے، بلکہ انھیں عوام نے اعتماد بخشا۔ ہے وہ عوام کے منتخب نمایندہ تھے۔ اس کی اطلاع کے مطابق جن لوگوں نے شرکت کی ان میں سے چند کے نام لکھے ہیں۔ اجلاس کی صدارت خان بہادر اللہ بخش نے کی۔ دیگر شرکا میں مولوی ابوالقاسم فضل الحق، یٰسین نوری، حافظ محمد ابراہیم، مسٹر آصف علی، اور میاں محمد افتخار الدین ہیں۔ ریزولیوشن میں کہا گیا تھا کہ ہندوستان اب جنگ کا دور کھڑا تماشائی نہیں ہے بلکہ وہ خطرات میں گھر چکا ہے۔ جو لوگ جارحیت کا شکار ہو چکے ہیں ہندوستان کے مقدر کے فیصلے کو تبدیل کرنے کے لیے ملک کے تمام باشندوں کو اتحاد کی لڑی میں پرونے کی

ضرورت ہے۔ تاکہ ملک کی رائے عامہ میں اتفاق ہو اور اس کی بے پایاں قوت سے دفاع کا کام لیا جائے، ملک آزاد ہو اور دنیا میں جارحیت سے محفوظ آزاد قوموں کی صف میں کھڑا ہو۔

اجلاس میں مسلمانوں کی نو جماعتوں نے شرکت کی جو کہ کثیر تعداد میں ہندوستانیوں کی ترجمان ہیں۔ ریزولیشن میں ایگزیکٹو نے وزیر ہند کے درشتی موقف کو سختی سے مسترد کر دیا، جس میں اس نے مسلم لیگ کو مسلمانوں کا نمایندہ بنا کر ظاہر کیا تھا۔ قرارداد میں کہا گیا ہے کہ مسلم لیگ کا رویہ اور مطالبات ہندوستان کی آزادی کی راہ میں ناقابلِ عبور رکاوٹ ہیں، لیکن اب آزادی کو ٹالنا ممکن نہیں رہا۔ نہ ہی برطانوی حکومت قوت کے بل بوتے یا حیلوں بہانوں سے اس مطالبے سے دست کشی اختیار کر سکتی ہے۔ حالات کی شدید تشویش ناکی اور جارحیت کے اندیشے کے پیشِ نظر برطانوی حکومت ہندوستان کی آزادی کے مطالبے کو فوراً منظور کرے، اقتدار عوام کے حقیقی نمایندوں کو منتقل کرے تاکہ وہ ملک کا دفاع پوری ذمے داری کے ساتھ کر سکیں اور دنیا کی آزاد قوموں کے ساتھ مل کر جارحیت کا مقابلہ کریں۔

آزاد کانفرنس پر انٹیلی جنس کی رپورٹ:

اس کانفرنس کے بارے میں انٹیلی جنس بیورو نے جو رپورٹ تیار کی اور جسے ہفتہ واری رپورٹ میں شامل کیا گیا اس کے مطابق برطانوی حکومت کی نگاہ میں اس کی کوئی خاص توقیر نہ تھی رپورٹ میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کی جن نو جماعتوں نے کانفرنس میں شرکت کی وہ سب مشہور و معروف نہیں ہے۔ برطانوی سرکار کے نزدیک یہ غیر معروف کیوں ہیں؟ احرار اس لیے مطعون ہیں کہ یہ جنگ جو قوم پرست مسلمان ہیں۔ سول نافرمانی کے زبردست حامی کار ہیں اور ۱۹۴۰ء میں اس کے تقریباً پانچ ہزار افراد پر مشتمل رضا کاروں کا دستہ تھا۔ جمعیت علمائے ہند اس لیے درخورِ اعتنا نہیں کہ اس کے مولانا حسین احمد مدنی نے جمعیت کے تیرھویں سالانہ اجلاس ۱۹۴۲ء میں ہندوستان کے لیے فیڈرل آئین کا مطالبہ کیا تھا اور اسے ہی درپیش مسائل کا حل بتایا تھا۔ نیز دلائل سے ثابت کیا تھا کہ پاکستان کی اسکیم پر عمل درآمد سے سامراج کے ہاتھ مضبوط ہوں گے۔ شیعہ مسلمانوں کے اندر ایک اقلیت

ہیں اور وہ اکثریت سے خوف زدہ ہیں اور کئی معروف شیعہ مسلم لیگ میں شامل ہیں جیسا کہ محمد علی جناح، آل انڈیا مومن کانفرنس دستی کھڈیاں چلانے والوں کی تنظیم ہے جو کپڑا بننے والوں کی سماجی، سیاسی اور اقتصادی حالات بہتر بنانے کے لیے کوشاں ہے۔ رپورٹ میں ان تنظیموں کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی صرف فضل حق اور اللہ بخش کے اثرات کو تسلیم کیا ہے اور سرخ پوش تو ہر حال میں نظر انداز ہونے تھے حال آں کہ صوبۂ سرحد میں ان کی وزارت دو مرتبہ بن چکی تھی۔

یہ تھا انگریز کا طریقِ کار اپنے باغیوں اور سرکشوں کے ساتھ، انھیں حقیر اور بے توقیر بنا کر پیش کرتا تھا تاکہ وہ عوام کی ہمدردی اور تعاون سے محروم ہو جائیں۔ ان کے مقابل پر اپنے نیاز مندوں اور جی حضوریوں کی مدد کے لیے ہر آن کمر بستہ رہتا تھا، ان کی حوصلہ افزائی کرتا تھا اور انھیں اپنے ہی ہم وطنوں اور بھائی بندوں سے لڑنے کی ترغیب دیتا تھا، انھیں تحفظ فراہم کرتا تھا، ان کے پھلنے پھولنے اور نشو ونما کے لیے سامان فراہم کرتا تھا، اور انھیں مضبوط اور توانا بناتا تھا۔

آزاد مسلم کانفرنس پر حکومت کا ردِ عمل:

کرپس واپس چلا گیا۔ اب حکومت نے آزاد مسلم کانفرنس کے نام ور شرکا کو نشانہ ستم بنانے کی منصوبہ بندی کی۔ کیوں کہ انھوں نے برطانوی خواہشات کے برعکس کانفرنس منعقد کی اور ایسا ریزولیوشن منظور کیا جو برطانوی مفادات کے منافی تھا، کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمایندہ جماعت نہیں ہے، ہندوستان کو متحد رہنا چاہیے اور آزاد ہونا چاہیے۔ چناں چہ گورنر نے ایکٹ ۱۹۳۵ء کی دفعہ ۵۱ کا سہارا لے کر اللہ بخش کی وزارت کو غیر جمہوری طور پر برخاست کر دیا اور مسلم لیگ کے سر غلام حسین ہدایت اللہ کو صوبۂ سندھ پر اکتوبر ۱۹۴۲ء میں مسلط کر دیا۔ حال آں کہ ۱۹۳۷ء کے الیکشن میں مسلم لیگ کو یہاں کوئی سیٹ نہ ملی تھی۔

بنگال میں کرشک پرجا پارٹی کے رہنما مولوی ابوالقاسم فضل حق نے فارورڈ بلاک، آزاد ممبروں اور ہندو مہا سبھا کے تعاون سے مخلوط حکومت بنا رکھی تھی، اسے ۲۵۰ کے ایوان میں ۱۵۰ ممبروں کی اکثریت کی حمایت حاصل تھی۔ مسلم لیگ نے وزارت کے خلاف دو

مرتبہ تحریک پیش کی لیکن اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ تب گورنر نے مداخلت کی اور استعفیٰ نامہ لکھ کر فضل حق کے پاس بھیجا کہ اس پر دستخط کرو بہ صورت دیگر برخاستگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چناں چہ فضل حق کو نکال دیا گیا اور مسلم لیگ کے خواجہ سر ناظم الدین کے سر پر بنگال کی چیف منسٹری کی کلاہ ۲۴ر اپریل ۱۹۴۳ء کو سجادی گئی۔ یہاں ۲۵۰ کے ایوان میں مسلم لیگ کے پاس صرف چالیس سیٹیں تھیں اسے مسلمانوں کے لیے مخصوص ۱۱۷ سیٹوں پر بھی اکثریت حاصل نہ تھی۔

صوبۂ سرحد برطانوی سرکار کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکتا تھا۔ کانگریس کے فیصلے کے مطابق ڈاکٹر خان صاحب مستعفی ہو چکے تھے مسلم لیگ کا کوئی امیدوار ۱۹۳۷ء کا انتخاب نہ لڑا تھا۔ کانگریس نے اقتدار سے دست کشی اختیار کی تو اس کے باوجود کسی کو وزارت سازی کی ہمت نہیں ہوئی۔ ستمبر ۱۹۴۲ء میں سرحد میں سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی تو اسمبلی کے کئی کانگریسی اور خدائی خدمت گار ممبروں کو جیل جانا پڑا۔ گورنر نے اس موقع کو غنیمت جانا اور مسلم لیگ کے سردار اورنگ زیب خان کو صوبۂ سرحد کا چیف منسٹر بنا دیا۔

آسام کا قرعۂ فال سر سعد اللہ کے نام نکلا۔ یہاں ۱۰۸ کے ایوان میں مسلم لیگ کے صرف ۹ ممبر تھے۔ (ابوالکلام آزادؒ اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست: ص ۲۹۔۲۲۵)

جمعیت علماے ہند کی تائید:

۷ تا ۹ ر جون: آزاد مسلم کانفرنس کے کچھ عرصہ بعد جمعیت ۱۹۴۰ء کو جمعیت علماے ہند کا بارھواں سالانہ اجلاس حضرت شیخ الاسلامؒ کی صدارت میں بہ مقام جون پور منعقد ہوا۔ حضرت نے اس اجلاس کے لیے جو خطبۂ صدارت تحریر فرمایا، اس میں آزاد مسلم کانفرنس کے انعقاد اور اس مین پاس شدہ تجاویز پر اظہار خیال فرمایا۔ آزاد مسلم کانفرنس کے انعقاد میں جن ترقی پسند اور انقلابی سیاسی جماعتوں نے حصہ لیا تھا ان میں جمعیت علماے ہند سب سے اہم جماعت تھی۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا:

مسلمانوں پر آزادیٔ ہند کا فریضہ سب سے زیادہ ہے، اس لیے آزاد مسلم کانفرنس کا انعقاد اور اس کی مساعی مشکور ہیں۔

اگر چہ یہ فریضہ ہندوستان کے تمام باشندوں کا ہے مگر مسلمانوں پر یہ فریضہ سب سے

زیادہ ہے چند وجوہ سے:

(الف) ہندوستان مسلمانوں کا حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے وطن آبائی ہے۔

(ب) مسلمانوں کو مرنے کے بعد بھی اس سرزمین سے نفع اٹھانا ہے۔

(ج) ہمارے پیغمبر خاتم النبیین علیہ السلام سے پہلے یہاں بہت سے پیغمبر گزرے ہیں اور سب کا دین اسلام ہی تھا، اگرچہ لوگوں نے اس میں تحریف و تبدیلی کر دی۔

(د) انگریزی حکومت نے اس ملک کو مُسلمانوں سے چھینا ہے۔

(ہ) اس ملک کی آزادی میں قرب و جوار کے اسلامی ملک مثل یاغستان، افغانستان، ایران وغیرہ بہت سے مصائب اور خطرات سے محفوظ ہو جائیں گے۔

(و) مقاماتِ مقدسہ اور دیارِ عرب، مصر، شام، فلسطین، سوڈان، سمالی لینڈ وغیرہ جن میں اسلامی آبادی ہے اور ہندوستان کی غلامی کی وجہ سے یہ سب غلامی کی بیڑیوں میں جکڑے گئے ہیں، آزاد ہو سکیں گے۔

(ز) مسلمانوں کو موجودہ حکومت نے تمام باشندگانِ ہند سے زیادہ برباد کیا۔

(ح) یہ آزادی خواہ اسلام راج کی طرف ہو، یا اَهْوَنُ الْبَلِيَّتَيْنِ مشترک راج کی طرف، مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے۔

(ط) بغیر آزادی یہ ہلاک کرنے والا افلاس اور قحط اور گرانی زایل نہیں ہو سکتے اور بغیر ان کے زوال کے نہ دنیاوی زندگی بہتر ہو سکتی ہے اور نہ دینی فرائض و واجبات پوری طرح ادا ہو سکتے ہیں، بلکہ بسا اوقات دیانت کی حفاظت ہی نہیں ہو سکتی۔ كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا بہت سے مسلمان شدت فقر و افلاس کی وجہ سے مرتد ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں۔

(ی) بغیر آزادی بے کاری اور بے روزگاری کا ازالہ نہیں ہو سکتا اور بغیر اس کے ازالے کے ہر قسم کی دینی اور دینوی مصائب سے چھٹکارا غیر ممکن ہے۔

بہ ہر حال مسلمانوں کے لیے موجودہ غلامی سے آزاد ہونا اور اس کے لیے انتہائی جدوجہد عمل میں لانا تمام باشندگانِ ہند سے زیادہ ضروری اور لازم ہے"۔

آزاد مسلم کانفرنس کی تجاویز کی توثیق:

"مسلمانانِ ہندوستان کا کسی وقت میں آزادی کی جدوجہد سے گریز یا تکاسل کرنا

نہ شرعاً جائز ہے نہ سیاستاً، نہ عقلاً درست ہے نہ نقلاً، اور بحمد اللہ سمجھ دار اور غیرت مند مسلمان اسی عقیدے اور عمل کے پابند ہیں۔ مگر افسوس کہ ناعاقبت اندیش اور کم سمجھ مسلمانوں کے بعض اعمال اور اقدام سے دشمنانِ آزادی اور خود اغراض لوگوں کو موقع ملا کہ انھوں نے دنیا میں مشہور کر دیا کہ ہندوستانی مسلمان ہندوستان کی آزادی کے خواہاں نہیں ہیں بلکہ وہ آزاد خواہ قوموں کے لیے رکاوٹ بن رہے ہیں۔ یہ شہرت بالکل غلط اور افترا تھی بلکہ ہندوستان کے مُسلمانوں کا نبے دار طبقہ بلکہ اکثر افراد بالکل غلامی ہند کے مخالف اور آزادی پر جان دینے والے ہیں اور بارہا اس راہ میں تکالیف شاقہ برداشت کر چکے ہیں اور آیندہ کے لیے تیار ہیں۔ اس لیے نہایت ضروری تھا کہ ترقی پسند اور آزادی خواہ جماعتیں مجتمع ہو کر اعلان کریں کہ ہم کسی طرح برطانوی غلامی کو ایک منٹ کے لیے بھی پسند نہیں کرتے، ہم آزادی کے چاہنے والے اور اس کے لیے ہر ممکن قربانی پیش کرنے والے ہیں اور ہم پر یہ شرمناک افترا ہے کہ معاذ اللہ ہم غلامی کو پسند کرتے ہیں۔

اس لیے زعماے اسلام اور ذمہ داران قوم کو بروقت انتباہ ہوا اور ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰ر اپریل کو دہلی میں ترقی پسند جماعتوں اور آزاد مسلمانوں کا عظیم الشان اجتماع ہوا اور مناسب اور ضروری تجویزیں بحث و مباحثہ اور غور و خوض کے بعد پاس ہوئیں جو کہ سب کی سب قابلِ قبول اور مستحقِ عمل ہیں، مسلمانوں کو اُن پر عمل کرنا ازبس ضروری ہے۔

(خطباتِ صدارت: ص ۲۵۴-۲۵۲)

آزاد مسلم کانفرنس دہلی کی تجاویز:

جمعیت کے اس سالانہ اجلاس میں آزاد مسلم کانفرنس کی تجاویز کی توثیق میں ایک ریزولیوشن بھی پاس کیا گیا، جس میں کہا گیا تھا کہ

''جمعیت علماے ہند کا یہ اجلاس آزاد مسلم کانفرنس دہلی کی تجاویز کی تصدیق و توثیق کرتا ہے کہ یہ تجاویز وطن کی آزادی اور مسلم مفاد کے تحفظ کے لیے نہایت ضروری تھیں اور حصول مقصد کے لیے ان پر عمل کرنا لازم ہے۔ (جمعیت علما کیا ہے؟: حصہ دوم، ص ۲۱۷)

خفیہ مشن:

اوائل ۱۹۴۰ء

''جنگ کے پہلے دو سالوں (۴۰-۱۹۳۹ء) کے دوران خیبر ایجنسی کے پولیٹیکل ایجنٹ کی حیثیت میں اسکندر مرزا نے ایک خفیہ مشن پر بھی کام کیا۔ جنگ کے پورے زمانے میں برطانوی حکومت نے قبائل میں ملاؤں کے ذریعے محوری طاقتوں کے خلاف اسلامی نقطۂ نظر سے پروپیگنڈا جاری رکھا۔ ان ملاؤں کو حکومت کے خزانے سے باقاعدہ تنخواہ ادا کی جاتی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قبائلی ملا کے ذریعے محوری قوتوں کے خلاف پروپیگنڈا کا تصور ۱۹۳۹ء میں اسکندر مرزا اور کننگھم کے درمیان ایک ملاقات کے دوران سامنے آیا تھا۔ تاہم اس منصوبے پر عمل برآمد سر آرتھر پارسن کے دور میں ہوا جو گورنر کننگھم کی رخصت کے دوران صوبۂ سرحد کا قایم مقام گورنر مقرر ہوا تھا۔ کننگھم اگست ۱۹۳۹ء میں رخصت پر واپس برطانیہ گیا تھا۔ پارسن نے یہ کام حکومت ہند کے ایک ریٹائرڈ افسر خان بہادر قلی خان کے سپرد کیا جو اسلم خٹک اور کلثوم سیف اللہ کے والد تھے۔ انھیں قبائلی علاقہ میں محوری قوتوں کے خلاف پروپیگنڈا مہم منظم کرنے کو کہا گیا۔ اس منصوبے کو یقینی طور پر خفیہ رکھنے کے لیے کسی کاغذ پر کوئی یادداشت بھی مرتب نہ کی گئی۔ قلی خان کو گورنر نے زبانی احکامات دیے۔ کننگھم نے ملاؤں کے تین زمرے بنائے۔ عام ملا جو مبتدی تھے، انھیں مقامی خانوں کے سپرد کیا گیا، جو ان سے ذرا بہتر اور عہدے میں برتر تھے۔ وہ ڈپٹی کمشنر سے رابطہ رکھتے تھے اور جو سب سے سینئر تھے ان کا رابطہ گورنر سے رہتا تھا۔ نوشہرہ اور پشاور کے ملاؤں کی ایک فہرست تیار کی گئی اور اسکندر مرزا کے سپرد کر دی گئی۔ اسکندر مرزا پہلے ہی یہ کام بڑی خوبی سے انجام دے رہے تھے۔

قلی خان نے ملاؤں کا ایک بڑا سلسلہ قایم کیا جو محوری طاقتوں، روس اور جرمنی کے خلاف پروپیگنڈا کرتے اور قلی خان کی معرفت سرکاری خزانے سے تنخواہ پاتے تھے۔ قلی خان نے پروپیگنڈا کے لیے ملاؤں کو ''لائن'' دی، وہ یہ تھی کہ بالشوازم اسلام کے خلاف ہے اور کسی بھی مذہب کو نہیں مانتا۔ بالشویکی اسلام کے دشمن ہیں اور جرمن ان کے ساتھ تعاون

کررہے ہیں۔ لیکن جب روس اور برطانیہ کے درمیان مفاہمت ہوگئی اور وہ جنگ میں حلیف بن گئے تو اس پروپیگنڈے میں کچھ مسائل پیدا ہوگئے۔ اسکندر مرزا کے مطابق اس طرح ان لوگوں کے لیے جو ۴۱۔۱۹۳۹ء کے دوران بالشویکوں کے خلاف پروپیگنڈا میں مصروف تھے، بعض مشکلات پیدا ہوئیں۔ میں بھی اس کام میں لگا ہوا تھا۔ پولیٹیکل ایجنٹ کی حیثیت میں، میں روس اور جرمنی کے خلاف زبردست پروپیگنڈے میں مصروف تھا۔ جب میں نے نئی صورت حال پر چند آفریدی اور مہمند ملکوں سے بات کی تو وہ خوب ہنسے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ میں روس کے خلاف ان کے ساتھ جس طرح پروپیگنڈے کرتا رہا ہوں، انھوں نے میری باتوں کو کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا۔

کننگھم کی رائے میں اس پروپیگنڈے کا گہرا اثر ہوا۔ ۱۹۴۱ء میں جاسوس روانہ کیے گئے تاکہ وہ مساجد میں ملاؤں کی سرگرمیوں کی رپورٹ بھجوائیں۔ گورنر نے ان رپورٹوں سے اندازہ لگایا کہ ملاؤں نے جو کام کیا ہے، وہ بڑا ہی بارآور ثابت ہوا ہے۔ مثال کے طور پر عیدالاضحیٰ کے موقع پر ضلع پشاور کی کم از کم سترہ مساجد میں ایسی تقاریر کیے جانے کی رپورٹ ملی جن میں اسلام کے حوالے سے جاپان کے خلاف سخت زبان استعمال کی گئی تھی۔

۱۹۴۰ء کے اوائل میں اسکندر مرزا کو پشاور کا ڈپٹی کمشنر اور مہمند ایجنسی کا پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کیا گیا۔ وہ پہلے ہندوستانی تھے جو اس عہدے پر فائز ہوئے تھے۔

(انگریز راج اور پشتون سیاست، ص ۵۷۔۵۵)

مولانا حکیم عزیز الرحمٰن پھلتی کے نام حضرت شیخ الاسلامؒ کا ایک خط:

یکم جون ۱۹۴۱ء

محترم المقام زید مجدکم.................السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں آپ حضرات سے جدا ہوکر بہ خیروعافیت کل شب میں ایک بجے فرنٹیر میل سے سہارن پور پہنچا، اسٹیشن پر شیخ الحدیث صاحب اور دیگر حضرات ان کے حاشیہ نشین موجود تھے۔

اُجین سے روانہ ہوکر کار نے تقریباً سواچار بجے اسٹیشن پر پہنچادیا تھا، گاڑی کچھ لیٹ آئی تھی، تقریباً ساڑھے پانچ کے بعد وہاں سے روانگی ہوئی تھی اور سات بج کر دس منٹ پر

رتلام پہنچے، آٹھ بجے فرنٹیر میل آیا، راستے میں گرمی خوب رہی مگر میرٹھ سے بارش شروع ہوئی اور اس جگہ تک (جہاں کہ میں مغل سرائے اور بکسر ضلع آرا کے درمیان ہوں) بارش کے اثر سے کھیت بھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، ہوا ٹھنڈی ہے۔ (ولله الحمد والمنة)

میرے محترم! آپ نوجوان ہم عمر، دارالعلوم کے فرزند ہیں، سب پر اسلام اور مسلمانوں، امت محمدیہ (امت اجابت کی زیادہ اور امت دعوت کی اس سے کم) کی خدمت اہم فرائض میں سے ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض، ظاہر ہے آج ہمارے اور آپ کے سر سے وابستہ ہیں اور چوں کہ دشمنانِ اسلام کے زہریلے آثار امت کو بہت زیادہ برباد کر رہے ہیں، اس لیے ہمارے فرائض کی شدت اور بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ ایسے وقت میں اپنی نام آوری، اپنی راحت، اپنی شہرت، وجاہت طلبی، زرطلبی وغیرہ کو چھوڑ کر امت کی مخلصانہ اور سچی خدمات انجام دینا اور اس کو مہالک سے نکالنا اشد ضروری ہے۔

میرے بھائیو! فضل خداوندی سے آپ چند نوجوان اکٹھے ہوگئے ہیں۔ فرائض اجتماعی حالت میں جس طرح انجام پا سکتے ہیں۔ انفرادی صورت میں نہیں پا سکتے اگر میں تعلیمی خدمات دارالعلوم سے علیحدہ ہوکر انجام دینا چاہوں تو اس کا عشر عشیر بھی نہیں انجام دے سکتا، جو آپ دے سکتے ہیں اور اگر سیاسی خدمات جمعیت یا کانگریس سے علیحدہ ہوکر انجام دینا چاہوں تو بھی یہی حال ہے۔ میں سب سے علیحدہ ہوکر اپنی شخصی، اخلاقی، نفسانی خدمات بہت زیادہ انجام دے سکتا ہوں مگر عام خلق اور امت محمدیہ ﷺ کی خدمات یا بالکل نہیں ادا کرسکوں گا یا بہت ہی کم!

مورث اعلیٰ علیہ السلام کی میراث قسام ازل نے میرے نصیب میں لکھ کر کشاں کشاں ایسے ادارہ میں پہنچایا تھا جہاں پر اس مورث اعلیٰ سردار دو جہاں علیہ السلام کی میراث تقسیم کرنے والے تھے۔ ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما وانما ورثوا العلم فمن اخذ اخذ بحظ وافر۔ (الحدیث)

اگر خدانخواستہ آپ کو اور مجھ کو ایسے اداروں میں پہنچا دیا جاتا، جہاں پر دشمنانِ خدا اور دشمنانِ رسول کی میراث تقسیم کی جاتی ہے تو جو کچھ بدنصیبی کی حالت ہوتی وہ مخفی نہیں!

منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

میرے عزیزو! اجتماعی کام جس قدر ضروری اور جس قدر زیادہ تر مفید اور موثر ہیں اور تاثیر قومی میں وہ بے مثل بھی ہیں اسی قدر اُن میں نفس کشی اور طبیعت کے خلاف جفائیں جھیلنا بھی ہے۔ قدم قدم پر کانٹے ہیں، روڑے اور پتھر ہیں، گڑھے اور پہاڑ ہیں، اترنا اور چڑھنا ہے۔

بھونرا بولے پھول کا کلی کلی رس لے
کانٹا لاگے پریم کا تڑپ تڑپ جیو دے

انبیاء علیہم السلام کی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ اصلاحِ خلق اور ہدایتِ امت حلوائے تر نہیں ہے ٹیڑھی کھیر ہے:

ناز پروردہ تنعم نہ برد راہ بدوست
عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد

مجھ کو ہی دیکھیے میرے خلاف کیا کیا نہیں کیا گیا اور اب بھی ہو رہا ہے۔ مجھ کو اگر دنیا اور مال کی فریفتگی ہوتی یا اب ہوتو آج میں کم از کم سات آٹھ سو روپے ماہوار پاتا ہوتا اور ایک یا کئی کوٹھیوں کا مالک ہوتا۔ مجھ پر صدارتِ تدریس اور پرنسپلی کے عہدے مدارس عالیہ سلہٹ اور کلکتہ، ڈھاکہ وغیرہ میں پیش کیے گئے، اولین تنخواہ صمار (پانچ سو روپے) پیش کی گئی۔ ۲۵ (روپے) کا اضافہ سالانہ تجویز کیا گیا، مگر میں یہاں پڑا ہوا ہوں۔

مولانا مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں، اگر عمر کا لحاظ کروں تو جس طرح میں ان حضرات سے پیش آتا ہوں نہ پیش آؤں۔ میں ان حضرات اور دیگر مدرسین اور اساتذہ کا احترام مثل اپنے اساتذہ کے کرتا ہوں۔ بحمد اللہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے سادات حسینیہ میں پیدا کیا۔ میرا آبائی خاندان پیرزادوں کا خاندان ہے۔ میرے خاندان کے لوگ اب تک پیری مریدی کرتے ہیں۔ مگر میں اس شرف نسبی کو سراہنا غلط سمجھتا ہوں۔ دوسرے حضرات مدرسین و ملازمین کو حقارت سے دیکھنا یا ان کی برابری کا دعویٰ کرنا یا ان سے تعظیم چاہنا یا ان کی گرفتوں پر چین بجبیں ہونا رذالت اور سفاہت سمجھتا ہوں۔ مجھ کو بحمد اللہ حضرت قطبِ عالم حاجی امداد اللہ قدس اللہ سرہ العزیز کے یہاں کی گوشہ نشینی نصیب ہوئی۔ تعلیم و تلقین ان سے حاصل کی۔ قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کے در کی خاک روبی نصیب ہوئی۔ انھوں نے اپنے دستِ مبارک سے میرے سر پر عمامہ باندھ کر فرمایا یہ دستارِ خلافت

ہے۔ حضرت شیخ الہند مولائی محمود حسن قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت گذاری کی سعادت اور ان کی عنایات نصیب ہوئیں۔ یہ سب بفضل اللہ تھیں۔ ان کا جمع کرنے والا آج دارالعلوم میں کوئی شخص اوپر سے نیچے تک نہیں ہے۔ مگر میں کیا ان وجوہ کی بنا پر اپنی فوقیت دیکھ کر کارکنان دارالعلوم سے عدم مساوات کا دعویٰ کرنا درست سمجھ سکتا ہوں؟ اور کیا ایسی صورت میں خدمات اسلامیہ انجام دے سکتا ہوں؟ اور کیا یہ امر مجھ کو رضوان باری عزوجل کے لیے اہل بنا سکتا ہے؟ مجھ کو بفضلہٖ تعالیٰ بارگاہ نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی دریوزہ گری اور حاضری سالہا سال تک نصیب ہوئی، جس سے بہت سے بلکہ جملہ اراکین و خدام دارالعلوم بظاہر محروم ہیں۔ مگر کیا مجھ کو زیبا ہے کہ میں اپنے آپ کو کسی طالب علم دارالعلوم سے بھی افضل و اعلیٰ سمجھوں اور ایسے معاملے کا ان سے خواستگار ہوں؟

میں جانتا ہوں کہ یہ امور کیسے ہی عظیم الشان نظر خلق میں شمار کیے جاتے ہوں۔ مگر عنداللہ اعتبار محض اس کی رضا کا ہے اور وہ بے نیاز ہے اور میں ہر وقت اور ہر لمحے میں اس کے فضل و کرم، اس کی خوشنودی کا سخت محتاج ہوں:

ایمن مشو کہ مرکب مردان راہ را — در سنگلاخ بادیہ پیا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندانِ بادہ خوار — ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

پیا جس کو چاہیں سہاگن وہی

میرے عزیزو! محض خداوند جل وعلا شانہٗ کے راضی کرنے کی دھن آپ سبھوں میں ہونی چاہیے اور اس راہ میں اپنے آپ کو، اپنی خودی کو، اپنی بڑائی کو، اپنی راحتوں کو، اپنی نفسانیت کو، اپنی انانیت کو فنا کر دو۔ امت محمدیہ ﷺ کی سچی خدمتیں انجام دو۔ نفس کو جو کہ اعدی العدو ہے مار دو اللہ تعالیٰ سے غافل مت رہو، ان کے ذکر اور اس کی عبادت میں برابر لگے رہو:

یقین می داں کہ آں شاہ نکو نام
بدستِ سر بریدہ می دہد جام

مالوہ کے مسلمانوں کی اصلاح اور خدمات حقیقیہ کی صورتیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دی ہیں، ان کو خوش نصیبی سمجھو۔ یا علی لان یھدی اللہ بک رجلا خیر لک من حمر النعم (الحدیث)

لوگوں کو اللہ سے ملاؤ شیطان سے دور کرو۔ آپس میں اگر اتحاد اور اتفاق سے رہو گے، منافرت اور جاہ طلبی سے بچو گے، ہر ایک دوسرے کی مدد کرے گا اور ایک جان چند قالب بنے گا۔ جس طرح مولانا گنگوہی، مولانا نانوتوی، مولانا محمد یعقوب صاحب۔ مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی، مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی، مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم العالیہ تھے، تو خود بھی کامیاب ہو گے اور امت کو بھی کامیابی نصیب ہوگی۔ ورنہ محرومیت کا عظیم الشان خطرہ سامنے موجود ہے۔ سوچو اور سمجھو!

تم لوگ ہرگز امت محمدیہ کی خدمت انجام نہیں دے سکتے، جب تک کہ اپنے آپ کو شریعت کا پابند اور سنن نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کا شیدا، اپنے ظاہر و باطن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ نہ بناؤ گے۔ لوگ بغیر اس کے آپ کی تقلید کس طرح کریں گے۔

میرے پیارے بھائیو! مجھ کو یہ سن کر سخت صدمہ ہوا کہ اغیار نے شکایتیں کیں کہ مجامع عامہ میں بیٹھ کے پیچھے آپ لوگ آپس میں ایک دوسرے کی غیبت کرتے ہیں اور بُرا بھلا کہتے ہیں۔ یہ کس قدر عظیم الشان غلطی ہے اور آیا ایسی صورت مین آپ خدمت اُمت اور خدمت دین کر سکتے ہیں؟

مجھے اس کا بھی صدمہ ہے کہ جماعت پنجگانہ کی بھی پابندی نہیں ہوتی، شریعت اور سنت کی تابعداری میں کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ یہ ہرگز نہ ہونا چاہیے، ذکر کو بھی کبھی ناغہ نہ کیجیے، پاس انفاس چلتے پھرتے جاری رکھیے۔ یہ جوانی کی مبارک زندگی بہت غنیمت ہے۔ سب کے سب اس کو ذکر کی خوش رنگیوں سے آراستہ کرو۔

میرے عزیزو! مولانا..........صاحب تجربہ کار، ذی علم، پرہیز گار، وہاں کے نشیب و فراز سے واقف، تم سبھوں کے بڑے اور ہمارے خواجہ تاش ہیں، ہم میں اور ان میں قدرے سیاست میں اختلاف ہے مگر اور وجوہ سے وہ مجھ سے بالاتر ہیں۔ ان کی بات مانو، اور مشورہ سے، اتفاق و اتحاد سے کام کرو، میں ان کو کہہ آیا ہوں۔ انشاء اللہ وہ تم سبھوں کی مشفقانہ رہنمائی کریں گے۔ واللہ معکم اینما کنتم۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۶ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ۔ مطابق یکم جون ۱۹۴۱ء مکتوب شیخ الاسلام (جلد چہارم)، مکتوب نمبر ۱۳۷

۶ رجون ۱۹۴۰ء: ۷ تا ۹ رجون ۱۹۴۰ء کو جون پور میں جمعیت علماے ہند کا بارھواں سالانہ جلسہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی صدارت میں ہو رہا ہے۔ حضرت ۶ رجون کو تین بجے جون پور پہنچے اور اسٹیشن سے سیدھے پاپیادہ جلوس کی شکل میں جامع مسجد تشریف لے گئے۔ جنگ عظیم ثانی کی نیز مارچ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کے اجلاس لاہور اور اس میں قرار داد لاہور کی وجہ سے نیز اپریل میں آزاد کانفرنس، دہلی زیر صدارت اللہ بخش سومرو وزیر اعظم سندھ کی وجہ سے اس اجلاس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ مجلس استقبالیہ کے صدر علی حسن قدوائی مختار ہیں۔

۷ رجون ۱۹۴۰ء: مولانا مفتی کفایت اللہؒ ۱۹۱۹ء سے جمعیت علماے ہند کے مستقل صدر تھے اور انھوں نے گذشتہ بیس سال میں جمعیت علما کے پلیٹ فارم سے ملک اور قوم و ملت کی بہترین سیاسی اور دینی خدمات انجام دی تھیں۔ لیکن اب انھوں نے آیندہ جمعیت کی صدارت سے عذر پیش کر دیا تھا۔ چناں چہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو حضرت مفتی صاحبؒ کی جگہ اتفاق راے سے صدر منتخب کر لیا گیا۔ جمعیت علما کا بارھواں سالانہ اجلاس جو ۷ تا ۹ رجون ۱۹۴۰ء جون پور میں ہوا، اس میں حضرت شیخ الاسلامؒ جمعیت کے مستقل صدر کی حیثیت سے شریک ہوئے اور اجلاس کی صدارت فرمائی۔ اجلاس عام کے صدر بھی حضرت شیخ الاسلامؒ تھے۔ حضرت نے طویل نہایت فکر انگیز اور مدبرانہ خطبۂ صدارت پیش فرمایا۔ اس خطبے میں حضرت نے وقت کے اہم مسائل پر روشنی ڈالی اور اپنے بصیرت افروز خیالات سے قوم کی رہ نمائی فرمائی۔ خصوصاً ہندوستان کی آزادی کی اہمیت، مسلمانوں پر اس کی ذمے داری اور متحدہ قومیت کے بارے میں حضرت نے نہایت فکر انگیز اور حقیقت پسندانہ ارشادات سے نوازا۔ حضرت نے فرمایا:

''محترم بزرگو! حالات موجودہ اور زیادہ مجبور کرتے ہیں کہ آزادئ ہند کے لیے اپنی مساعی میں زیادہ سے زیادہ سرگرمی عمل میں لائی جائے اور تمام خلق خدا کو عموماً اور اہل ہند کو خصوصاً اسی ذریعے سے ہر قسم کے عذاب الیم سے نجات دلائی جائے۔ ہماری غلامی نہ صرف ہمارے لیے باعث مصائب و آفات ہے بلکہ بہت سی غیر ہندوستانی قومیں بھی اس کی وجہ سے انتہائی تکلیف میں مبتلا ہیں''۔

مسلمانوں پر آزادی کے حصول کی جدوجہد کی زیادہ ذمہ داری کے سلسلے میں حضرت نے فرمایا:

''اگر چہ یہ فریضہ ہندوستان کے تمام باشندوں کا ہے۔ مگر مسلمانوں پر یہ فریضہ سب سے زیادہ ہے۔ چند وجوہ سے:

(الف) ہندوستان مسلمانوں کا حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے وطن آبائی ہے:

(ب) مسلمانوں کو مرنے کے بعد بھی اسی سرزمین سے نفع اٹھانا ہے۔

(ج) ہمارے پیغمبر خاتم النبیین علیہ السلام سے پہلے یہاں بہت سے پیغمبر گزرے ہیں اور سب کا دین اسلام ہی تھا۔ اگر چہ لوگوں نے اس میں تحریف و تبدیلی کر دی۔

(د) انگریزی حکومت نے اس ملک کو مسلمانوں سے چھینا ہے۔

(ہ) اس ملک کی آزادی میں قرب و جوار کے اسلامی ملک مثل یاغستان، افغانستان، ایران وغیرہ بہت سے مصائب اور خطرات سے محفوظ ہو جائیں گے۔

(و) مقامات مقدسہ اور دیار عرب، مصر، شام، فلسطین، سوڈان، سالی لینڈ وغیرہ جن میں اسلامی آبادی ہے اور ہندوستان کی غلامی کی وجہ سے یہ سب غلامی کی بیڑیوں میں جکڑے گئے ہیں، آزاد ہو سکیں گے۔

(ز) مسلمانوں کو موجودہ حکومت نے تمام باشندگان ہند سے زیادہ برباد کیا ہے۔

(ح) آزادی خواہ اسلام راج کی طرف ہو یا اَهْوَنُ الْبَلِيَّتَيْنِ مشترک راج کی طرف، مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے۔

(ط) بغیر آزادی یہ ہلاک کرنے والا افلاس، قحط اور گرانی زائل نہیں ہو سکتے اور بغیر ان کے زوال کے نہ دنیاوی زندگی بہتر ہو سکتی ہے اور نہ دینی فرائض و واجبات پوری طرح ادا ہو سکتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات دیانت کی حفاظت ہی نہیں ہو سکتی۔ كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا۔ بہت سے مسلمان شدتِ فقر و افلاس کی وجہ سے مرتد ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں۔

(ی) بغیر آزادی بے کاری اور بے روزگاری کا ازالہ نہیں ہو سکتا اور بغیر اس کے ازالے کے ہر قسم کے دینی اور دنیوی مصائب سے چھٹکارا غیر ممکن ہے۔

بہ ہر حال مسلمانوں کے لیے موجودہ غلامی سے آزاد ہونا اور اس کے لیے انتہائی جد و جہد عمل میں لانا تمام باشندگانِ ہند سے زیادہ تر ضروری اور لازم ہے''۔

اس سے آگے حضرت شیخ الاسلامؒ نے متحدہ قومیت کے لزوم اور اس کے مفہوم پر ان

الفاظ کے ذریعے روشنی ڈالی ہے:

''ہم باشندگانِ ہندوستان بہ حیثیت ہندوستانی ہونے کے ایک اشتراک رکھتے ہیں، جو کہ اختلافِ مذہب اور اختلافِ تہذیب کے ساتھ ہر حال میں باقی رہتا ہے۔ جس طرح ہماری صورتوں کے اختلاف، ذاتوں اور صنفوں کے تبائین، رنگوں اور قامتوں کے افتراقات سے ہماری انسانیت میں فرق نہیں آتا اسی طرح ہمارے مذہبی اور تہذیبی اختلافات ہمارے وطنی اشتراک میں خلل انداز نہیں ہیں۔ ہم سب وطنی حیثیت سے ہندوستانی ہیں اور وطنی منافع کے حصول اور مضرات کے ازالے کا فکر اور اس کے لیے جدو جہد مسلمانوں کا بھی اسی طرح فریضہ ہے۔ جس طرح دوسری ملتوں اور غیر مسلم قوموں کا۔ اس کے لیے سب کو مل کر پوری طرح کوشش کرنی از بس ضروری ہے۔ اگر آگ لگنے کے وقت میں تمام گاؤں کے باشندے آگ نہ بجھائیں گے، سیلاب آنے کی وقت میں گاؤں کے تمام بسنے والے بند نہ باندھیں گے تو پورا گاؤں برباد ہو جائے گا اور سبھی کے لیے زندگی و بال ہو جائے گی۔ اسی طرح ایک ملک کے باشندوں کا فرض ہے۔ خواہ ہندو ہوں خواہ مسلمان، سکھ ہوں خواہ پارسی، ملک پر جب کوئی عام مصیبت پڑ جائے تو مشترکہ قوت سے اس کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ اس اشتراک وطنی کے فرایض سب پر یک ساں عاید ہوتے ہیں۔ مذہب کے اختلاف سے اس میں کوئی رکاوٹ یا کم زوری نہیں ہوتی۔ ہر ایک اپنے مذہب پر پوری طرح قایم رہ کر ایسے فرایض کو انجام دے سکتا ہے۔ یہی اشتراک میونسپل بورڈوں، دسٹرکٹ بورڈوں، کونسلوں اور اسمبلیوں میں پایا جاتا ہے۔ اور مختلف المذاہب ممبر فرایض شہر یا ضلع یا صوبہ یا ملک کو انجام دیتے اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی معنی اس جگہ، متحدہ قومیت کے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے معانی جو لوگ سمجھ رہے ہیں وہ غلط اور ناجائز ہیں۔ اسی معانی کی بنا پر کانگریس نے فنڈامنٹل میں ہر مذہب اور ہر تہذیب اور ہر زبان اور رسم ورواج کے تحفظ کا التزام کیا ہے۔ دھوکا نہ کھانا چاہیے اور بے وقوفوں کی بات پر نہ جانا چاہیے۔ اس کے خلاف یورپین لوگ قومیت متحدہ کے جو معنی مراد لیتے ہیں اور جو کانگریسی اشخاص انفرادی طور پر کانگریس کے فنڈامنٹل کے مفہوم کے خلاف معانی بیان کرتے ہوں ان سے یقیناً جمعیت علما بےزار اور تبرّا کرنے والی ہے''۔

جمعیت علما کے اس اجلاس سے قبل مارچ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لاہور

میں ہو چکا تھا، جس میں قرارداد لاہور میں دو قومی نظریے کی بنیاد پر ملک کی تقسیم کی بنیاد ڈالی جا چکی تھی۔ اس پس منظر میں حضرت شیخ الاسلامؒ کے ان افکار کی قدر و قیمت بہت بڑھ جاتی ہے۔

۷ تا ۹ ر جون ۱۹۴۰ء: جمعیت علمائے ہند کا بارھواں سالانہ اجلاس جون پور میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی صدارت میں ۷ تا ۹ ر جون ۱۹۴۰ء منعقد ہوا۔ اس کے اجلاسوں میں قومی وملی امور کے بارے میں متعدد اہم قراردادیں پاس ہوئیں۔ ان قراردادوں میں ایک قرارداد قانون طلاق کے بارے میں تھی۔ جمعیت علما نے بہت کوشش کی تھی کہ طلاق سے متعلق بل تمام نقائص سے پاک ہو اور کوئی غیر شرعی بات اس میں شامل نہ ہونے پائے۔ اس سلسلے میں جمعیت علما نے ایک مسودہ مرتب کیا اور غلام بھیک نیرنگ اور محمد احمد کاظمی کے مرتبہ مسودات میں ترامیم کی تھیں اور کاظمی صاحب کو اس کے ہر پہلو کے بارے میں پوری تیاری کرادی تھی۔ لیکن کونسل میں جو بل منظور ہوا اس میں بعض مسلمان ممبروں کی پیش کردہ تجاویز نے اس میں کئی غیر شرعی امور شامل کرادیے تھے۔ جمعیت کے اجلاس میں اس پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا گیا اور اس سلسلے میں ایک قرارداد پاس کی گئی جس میں کہا گیا:

''جمعیت علمائے ہند کا یہ اجلاس اسی امر پر اظہار افسوس کرتا ہے کہ ایکٹ نمبر ۸ ۱۹۳۹ء جو قانون طلاق یا کاظمی ایکٹ کے نام سے مشہور ہے، جس صورت میں پاس ہو کر شایع اور نافذ ہوا ہے، اس میں بعض دفعات اسلامی پرسنل لا کے خلاف ہو گئی ہیں، جن کی ترمیم کرانی ضروری ہے۔ جمعیت کا یہ اجلاس حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب سے درخواست کرتا ہے کہ وہ ترمیمی مسودہ تیار کر کے جمعیت کے سامنے پیش کریں اور جمعیت تمام مسلم ارکان اسمبلی کو اس کی ضرورت اور اہمیت بتا کر اس کو مرکزی اسمبلی میں پیش کرانے اور منظور کرانے کی سعی کرے۔

ایک قرارداد میں آزاد مسلم کانفرنس دہلی کی قراردادوں کی تصدیق وتوثیق کی گئی۔ ایک اور تجویز ہندوستان میں مسلمانوں کے نظام شرعی کے قیام اور انتخاب امیر کے تعلق سے تھی۔ اس پر تقریباً ساڑھے پانچ گھنٹے تک طویل بحث ہوتی رہی۔ جمعیت العلماء ہند کیا ہے؟ حصہ دوم میں اس پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی گئی ہے:

''اس تجویز پر تقریباً ۹ بجے سے بحث شروع ہوئی اور ڈھائی بجے تک ہوتی رہی۔ اس بحث میں دو خیال کے حضرات نے حصہ لیا۔ ایک وہ جو فی الفور بیعت امیر کے حق میں تھے اور ایک وہ جو ضرورت امیر کو تسلیم کر کے انتخاب امیر کا مسئلہ کسی دوسرے وقت پر رکھنا چاہتے تھے۔ بالآخر طویل بحث و تمحیص کے بعد حسب ذیل تجویز منظور ہوئی:

''جمعیت علماے ہند کا یہ اجلاس ہندوستان میں مسلمانوں کی مذہبی ترقی اور اقتصادی اصلاح اور ہر نوع کی فوز و فلاح کے لیے ضروری سمجھتا ہے کہ وہ اسلامی تعلیم کے ماتحت اپنا امیر منتخب کر کے اس کے ہاتھ پر سمع و طاعت کی بیعت کریں۔ یہ ایک اہم فریضہ ہے جس کی طرف جمعیت علماے ہند ۱۹۲۱ء سے مسلمانوں کو توجہ دلا رہی ہے اور اس کے ایک مخصوص اجلاس منعقدہ بدایوں میں تشکیل امارت شرعیہ کا ابتدائی خاکہ بھی مرتب کر کے شائع کیا گیا تھا۔

بہ ہر حال مسلمانوں پر اس فریضے کی ادائیگی لازم ہے۔ اس فریضے کی ادائیگی کے بعد ہندوستان میں اسلامی زندگی اور اعلا کلمۃ اللہ کا نیا دور شروع ہوگا اور یقین ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ پستی رفعت و ترقی کے ساتھ بدل جائے گی۔

البتہ امیر کا انتخاب ایسے شرعی اصول پر ہو جو زیادہ سے زیادہ ارباب حل و عقد کے نزدیک مقبول و مسلم ہوں۔ امیر ایسا شخص ہو جو علوم دینیہ (یعنی کتاب و سنت و سیرت خلفاے راشدین و فقہ اسلامی) کا ماہر، قومی ضرورتوں کا واقف اور سیاست حاضرہ کا اچھا جاننے والا ہو۔ اس کے اعمال و اخلاق پسندیدہ اور قابلِ اعتماد ہوں۔ وہ مستعد اور جری ہو اور اس کی عملی زندگی ممتاز درجہ رکھتی ہو۔

جمعیت علماے ہند ضروری سمجھتی ہے کہ اول مسلمانوں کو اس فریضے کی ضرورت و اہمیت سے روشناس کرایا جائے۔ پھر مناسب وقت پر انتخاب امیر کے لیے ایک مخصوص مؤتمر طلب کی جائے جس میں زیادہ سے زیادہ ارباب حل و عقد کو شرکت کی دعوت دی گئی ہو اور اس میں ''امیر الہند'' کا انتخاب کیا جائے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔ اور اسی روز ''بیت المال'' قایم کیا جائے۔

محرک: مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی۔ مؤید: مولانا زکریا صاحب محمودی۔

جون ۱۹۴۰ء: ۷ر سے ۹ جون تک جمعیت علماے ہند کی مجلس عاملہ کا اجلاس جون پور

میں زیرِ صدارت مولانا حسین احمد مدنیؒ منعقد ہوا۔ جس میں حسب ذیل قرارداد منظور ہوئی۔
جمعیت علمائے ہند کا یہ اجلاس مجلس عاملہ کے اس بیان کی تصدیق اور توثیق کرتا ہے، جو اس نے اپنے اجلاس میرٹھ مورخہ ۱۶، ۱۷، ۱۸ر ستمبر میں موجودہ جنگ یورپ کے متعلق شایع کیا تھا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانانِ ہند کے لیے اس جنگ میں برطانیہ کے ساتھ تعاون اور اس کی امداد کرنے کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔ نیز یہ اجلاس یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہے کہ ورکنگ کمیٹی نے اس بیان میں جو وجوہات ظاہر کیے تھے ان کی صداقت گزشتہ آٹھ نو ماہ کے واقعات اور ذمہ دارانِ حکومتِ برطانیہ کے طرزِ عمل نے روزِ روشن کی طرح واضح کر دی ہے، یعنی حکومت برطانیہ نے انتہائی مشکلات میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود اپنی ماتحت اقوام خصوصاً ہندوستان کے ساتھ جابرانہ اور تشدد آمیز طرزِ عمل میں کوئی تفاوت پیدا نہیں کیا اور محکوم اقوام کی آزادی تسلیم کرنے پر آج تک آمادہ نہیں ہوئی۔ ورنہ تدبر اور بصیرت سے کام لینے اور محکوم اقوام کے ساتھ انصاف کرنے اور اپنے اوپر آپ حکومت کرنے کے تسلیم شدہ حق کے ماتحت ان کی آزادی کا اعلان کرنے اور اپنے مواعید کو وفا کرنے کا یہ بہترین وقت تھا۔

ان حالات میں جمعیت علمائے ہند کے سامنے ایسی کوئی وجہ نہیں کہ ہندوستان اس موقع پر اپنی جدوجہد ملتوی کر دے''۔

محرک: مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ موید: مولانا مفتی نعیم لدھیانوی

کانگریس کی پیش کش مولانا آزادؒ کی قیادت میں عدم تشدد سے انکار:

۲۱ر جون ۱۹۴۰ء: سقوط فرانس کے بعد جرمنی کی طاقت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ امریکہ اور روس اس وقت تک میدان میں نہیں اترے تھے۔ صرف برطانیہ ہٹلر کے مقابلے پر باقی رہ گیا تھا۔ اس وقت کانگریس نے ان جدید حالات پر غور خوض کرنے کے لیے واردھا میں ۲۱ر جون ۱۹۴۰ء کو مجلس عاملہ کا اجلاس کیا اور ایک بیان مرتب کیا جس کے چند فقرے درج ذیل ہیں:

اب قومی آزادی کو حاصل کرنے کے مسئلے کے ساتھ ساتھ آزادی کو برقرار رکھنے، بیرونی حملے اور اندرونی بدنظمی سے ملک کو بچانے کے سوال پر بھی غور کرنا ہے۔

بلاشک وشبہ یہ ظاہر ہوگیا ہے کہ جنگ امن اور آزادی نہیں لاسکتی، اب دنیا کے سامنے دو چیزیں ہیں۔ یا تو وہ جنگ سے انتہائی ذلت اور تباہی مول لے لے یا تمام قوموں کی آزادی کی بنیاد پر امن اور اہنسا کا راستہ اختیار کرے۔ مہاتما گاندھی نے منظم اہنسا کی شکل میں مسلح حملہ سے عوام کے حقوق اور آزادی کو بچانے کے لیے ایک ہتھیار پیش کیا ہے، جسے جنگ کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔

ورکنگ کمیٹی قرار دیتی ہے کہ کانگریس کو جدوجہد آزادی میں عدم تشدد کے اصول سے سختی کے ساتھ وابستہ رہنا چاہیے۔

(مگر دور حاضر میں جو مسئلے پیدا ہوئے ہیں) کمیٹی نے ان پر غور کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ وہ گاندھی جی کے ساتھ پوری حد تک نہیں جاسکتی۔

اس لیے بیرونی حملے اور داخلی بدنظمی کے متعلق ہندوستان اور دنیا میں اس وقت جو حالات پائے جاتے ہیں، اُن کے ماتحت کانگریس جس پروگرام اور عمل کی پیروی کرتی ہے اُس سے کمیٹی گاندھی جی کو بری الذمہ قرار دیتی ہے۔

(مدینہ۔ ۲۸ر جون ۱۹۴۰ء بہ حوالہ ''علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے'' ص ۱۴۳-۱۴۲)

۲۴ر جون ۱۹۴۰ء: مولوی محمد فاروق صاحب (دہلی) کے ایک سوال کے جواب میں مفتی صاحبؒ نے فرمایا:

''حکومت کافرہ متسلطہ کی کامیابی کے لیے دعا کرنا درحقیقت غلبۂ کفر کے لیے دعا ہے، جو ظاہر ہے کہ مسلمان سے ناممکن ہے، کسی حکومت کافرہ کے لیے فتح کی دعا اسی وقت جائز ہوسکتی ہے کہ اس کی فتح سے اسلام و مسلمین کو کوئی ضرر نہ پہنچے اور اس کی شکست سے مسلمان کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہوجائیں۔ اگر یہ بات نہ ہو تو پھر کفر کی فتح کے لیے دعا جائز نہیں ہوسکتی یہ دلیل کہ کافر حکومت ہماری محسن ہے اور ہم اس کے ذمی ہیں، وہی لوگ بیان کرسکتے ہیں جو اسلام کی تعلیم سے ناواقف اور ایمانی ذوق سے محروم ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی''

(کفایت المفتی (جلد نہم)، کتاب السیاسات)

۸ر جولائی ۱۹۴۰ء: ۸ر جولائی ۱۹۴۰ء کو ورکنگ کمیٹی کا دوسرا اجلاس دہلی میں پانچ روز تک ہوتا رہا۔ اس اجلاس میں ایک مختصر ریزولیشن پاس کیا جس میں برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا کہ ہندوستان کی مکمل آزادی کے متعلق غیر مبہم طور سے اعلان کردے اور اس

جانب پہلے قدم کے طور پر مرکز میں ایسی عارضی نیشنل گورنمنٹ قایم کردے جسے مرکزی اسمبلی کے منتخب ممبروں کا اعتماد اور صوبوں کی ذمے دار حکومتوں کا پورا پورا تعاون حاصل ہو۔ کیوں کہ جب تک متذکرہ بالا توضیح نہیں کی جاتی اور بلا تاخیر مرکز میں قومی حکومت نہیں قایم ہوتی ملک کے مادی اور اخلاقی وسائل کو ڈیفنس کے لیے جمع کرنے کی تمام کوششیں کسی بھی لحاظ سے رضا کارانہ نہیں ہوسکتیں۔ اس لیے وہ غیر مؤثر ہوں گی۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی یہ اعلان کرتی ہے کہ اگر یہ طریقے اختیار کیے جائیں تو کانگریس ہندوستان کے ڈیفنس کی مؤثر تنظیم کے لیے تمام کوششوں میں اپنا پورا پورا ساتھ دے گی۔ (مدینہ بجنور۔ ۱۳ر جولائی ۱۹۴۰ء بہ حوالہ ''علماے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے''، ص ۱۴۴)

۱۳ر جولائی ۱۹۴۰ء: حکومت یوپی نے مولانا سید محمد میاں کی کتاب ''علماے ہند کا شاندار ماضی'' کو ضبط کرلیا ہے۔ جمعیت علماے ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس مورخہ ۱۳، ۱۴ر جولائی میں پہلی قرارداد حکومت کے اسی آڈر کے خلاف پاس کی گئی۔ قرارداد میں کہا گیا ہے کہ حکومت کا یہ فیصلہ صریح تشدد اور قانون کا بے جا استعمال ہے۔ کتاب خالص تاریخی ہے۔ اس کا وقت کی سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ حکومت کے اس فیصلے کا اثر علوم اور تصنیفات جدیدہ کی آزادانہ تدوین واشاعت پر سخت ناگوار پڑے گا۔ حکومت کے خلاف بھی عوام میں نفرت کے جذبات پیدا ہوں گے۔ اجلاس میں یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ کتاب پر سے پابندی فوراً ہٹالی جائے۔

۱۳، ۱۴ر جون ۱۹۴۰ء: حکومت کی اس پالیسی سے اختلاف کے نتیجے میں حکومت نے سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کرنا شروع کردیا ہے، مختلف حریت پسند جماعتوں کے سیکڑوں افراد کو گرفتار کیا جاچکا ہے۔ جمعیت علماے ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس دہلی مورخہ ۱۳، ۱۴ر جولائی میں حکومت کے اس رویے کے خلاف احتجاج کیا گیا اور ایک قرارداد میں کہا گیا ہے:

''جمعیت علماے ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ اس دارو گیر کو جو ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت صوبہ جات یوپی، پنجاب، بنگال وغیرہ میں ہورہی ہے اور بہت سے ملی وقومی کارکن گرفتار کیے جاچکے ہیں، جن میں جمعیت علما کے کئی مخلص کارکن بھی شامل ہیں (مثلاً مولانا محمد میاں صاحب، ناظم جمعیت علماے صوبہ آگرہ و مولانا احمد علی صاحب، صدر جمعیت

علمائے صوبۂ پنجاب و مولوی محمد قاسم صاحب شاہجہان پوری وغیرہ) بے جا تشدد اور مقتضیٔ وقت کے منافی خیال کرتا ہے۔ موجودہ زمانہ اس امر کا مقتضی تھا کہ حکومت آزادی خواہ محبان وطن کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل کرتی، مگر اس نے گرفتاریوں کی بھرمار کر کے مزید غم و غصے اور بداعتمادی کی فضا پیدا کر دی جو وطنی و قومی مفاد اور ہندوستان کے امن وامان کے لیے بھی مضر ہے''۔

۱۳، ۱۴ ر جولائی ۱۹۴۰ء: مجلسِ عاملہ جمعیت علمائے ہند کا اجلاس حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی صدارت میں بہ مقام دفتر جمعیت علمائے ہند گلی قاسم جان۔ دہلی میں منعقد ہوا۔ ایک قرارداد میں ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت صوبہ جات بنگال، یوپی اور پنجاب میں قومی و ملی رہنماؤں اور کارکنوں کی گرفتاریوں پر ناپسندیدگی اور غصے کا اظہار کیا گیا۔ اس وقت تک جمعیت کے ارکان میں سے مولانا محمد میاں، ناظم جمعیت علمائے ہند صوبۂ آگرہ، مولانا احمد علی، صدر جمعیت علمائے صوبہ پنجاب اور صوبہ یوپی کی جمعیت کے رہنماؤں میں مولانا محمد قاسم شاہجہان پوری اور متعدد دیگر کارکنان گرفتار کیے جا چکے تھے۔ ایک قرارداد میں مولانا محمد میاں کی تالیف ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' کی ضبطی کے بارے میں حکومت یوپی کے اقدام کو صریح تشدد اور قانون کا بے جا استعمال قرار دیا گیا ہے۔

اس اجلاس سے قبل چوں کہ مولانا احمد سعید دہلویؒ نے جمعیت کے عہدۂ نظامت سے استعفا دے دیا تھا، اس لیے ان کی سابقہ خدمات کا اعتراف کیا گیا اور ان کی جگہ مولانا ابو المحاسن محمد سجاد کو ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔

اس سے قبل مولانا ابوالکلام آزادؒ نے مسٹر محمد علی جناح کو ۱۲ ر جولائی کو ایک ٹیلی گرام دیا تھا اور ان سے توقع کی تھی کہ وہ ملک اور قوم کے بہترین مفاد میں کوئی مناسب لائحۂ عمل کی تلاش میں ان سے تعاون کریں گے۔ مولانا نے لکھا تھا:

> دہلی کانگریس کی قرارداد میں ''گورنمنٹ'' کا مطلب واضح طور پر ایک ایسی مشترک کابینہ ہے جو کسی ایک واحد جماعت تک محدود نہ ہو۔ کیا مسلم لیگ کسی ایسے صوبائی نظام پر متفق نہیں ہو سکتی جس کی بنیاد دو قومی نظریے پر نہ ہو؟ اگر ایسا ہو سکے تو براہِ کرم بہ ذریعۂ تار مطلع فرمائیے''۔

اس کا جواب مسٹر جناح نے یہ دیا تھا:

''میں آپ سے خط و کتابت یا کسی اور طریقے پر گفت و شنید سے انکار کرتا ہوں۔ کیوں کہ آپ مسلم ہندوستان کا قطعی طور پر اعتماد کھو چکے ہیں۔ آپ کانگریس کے محض مسلم ''شو بوائے'' صدر ہیں۔ تا کہ بیرونی دنیا کو کانگریس کے نیشنل جماعت ہونے کا دھوکا دیا جا سکے۔ کانگریس ایک ہندو جماعت ہے۔ آپ نہ مسلمانوں کی نمایندگی کرتے ہیں نہ ہندوؤں کی۔ اگر آپ میں عزتِ نفس ہے تو آپ فوراً مستعفی ہو جائیں......''

اس جواب میں مسٹر جناح نے جو زبان اور لہجہ استعمال کیا ہے اسے عام طور پر پسند نہیں کیا گیا۔ آزاد قومی صحافت نے اس پر اپنی سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ سنجیدہ لیگی حلقوں میں بھی اس جواب کو جناح صاحب کی شان کے خلاف اور اسلامی اخلاق سے بعید سمجھا گیا۔ جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ نے ایک قرارداد میں اس مسئلے پر اظہار رائے کیا تھا۔ قرارداد میں کہا گیا تھا:

جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ مولانا ابو الکلام آزاد نے مسٹر جناح صدر مسلم لیگ کو جس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ ہندوستان کے اندر قیام امن کی خاطر اور آیندہ آزاد ہندوستان کی حکومت کا دستور مرتب کرنے کی تمہید کے طور پر سر دست ایسی مشترکہ حکومت کی تشکیل پر مسلم لیگ آمادہ ہو جائے جس کو تمام پارٹیوں کا اعتماد حاصل ہو وہ وقت کی شدید ترین ضرورت اور حالات کی موجودہ نزاکت کا امکانی علاج تھا۔ مگر مسٹر جناح نے اس کے جواب میں جو تار مولانا آزاد کو دیا اور اخبارات میں شایع کرایا۔ اس کا طرزِ خطاب اور لہجہ تہذیب سے گرا ہوا ہے۔ اس میں مقتضیاتِ وقت کی طرف سے شدید غفلت اور ہندوستان کی ترقی کے راستے پر گامزن ہونے سے روگردانی کے سوا اور کوئی کام کی بات نہیں ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ مسٹر جناح نے اس قسم کا دور از کار جواب دے کر مولانا کی خدا داد قابلیت اور علمی تبحر اور ملت و وطن کی شاندار خدمات کو تو نقصان نہیں پہنچایا، لیکن خود اپنے تدبر و فہم اور ادعائے خدمت اسلام و وطن کو محبان وطن اور اہل دانش کے سامنے بے نقاب کر دیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کو تمام آزادی طلب محبانِ اسلام کا اعتماد حاصل ہے۔ مسٹر جناح

کے اس تار سے ان کے اعتماد کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

۱۷/ جولائی ۱۹۴۰ء: ملک کے موقر اخبار سہ روزہ مدینہ بجنور نے صدر مسلم لیگ کے نام مولانا آزاد کے خط جناح صاحب کے جواب کی تفصیل بتاتے ہوئے اس پر اپنے ردعمل کا اظہار کیا ہے۔ اخبار لکھتا ہے:

"صدر آل انڈیا کانگریس کمیٹی (مولانا ابوالکلام صاحب آزاد) نے مسٹر جناح صاحب سے بہ ذریعہ تار دریافت کیا کہ کیا وہ اس پر آمادہ ہو سکتے ہیں کہ صوبوں میں، نیز مرکز میں کسی ایک پارٹی کی وزارت کے بجائے مخلوط وزارت بنالی جائے؟ مولانا نے تار کے شروع میں لکھ دیا تھا کہ "میں یہ تار آپ پر اعتماد کر کے بھیج رہا ہوں"۔

اس مخلصانہ پیش کش اور شریفانہ طرز خطاب کے جواب میں قائداعظم نے جو انداز اختیار کیا وہ سوقیانہ اخلاق کا حیرت انگیز شاہکار تھا۔

آپ نے تحریر فرمایا (اور احساس کا انتہائی فقدان یہ کہ ساتھ ساتھ پریس کو بھی دے دیا کہ)

آپ کے اعتماد کے جواب میں میں آپ پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ اور نہ خط و کتابت سے یا کسی بھی اور ذریعے سے میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو کانگریس نے دکھاوے کے نمایشی لڑکے (شو بوائے) کی طرح کانگریس کا صدر بنا دیا ہے۔ (مدینہ ۱۷/ جولائی ۱۹۴۰ء)

قائداعظم نے بحران غرور اور فرط نخوت میں یہ لکھ تو دیا۔ مگر ملک کے سنجیدہ طبقہ اور انصاف پسند اخبارات نے قائداعظم کے اس ذلیل جواب پر جس برہمی کا اظہار کیا وہ ایک باحیا انسان کے لیے عبرتناک سزا تھی۔

مدیر مدینہ نے تحریر کیا:

"کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اور نو کروڑ مسلمانو کے ہادی (رہنما) کے یہی اخلاق ہیں جن پر مسلم لیگ کے ممبروں کو ناز ہے؟ قائداعظم کو اگر خدا نے فطری شرافت نہیں دی ہے اور وہ اینگلو انڈین اور کرسچن لوگوں میں رہتے رہتے نہ صرف اپنی بیٹی کو بلکہ اپنی شرافت کو بھی غیروں کے سپرد کر چکے ہیں تو کم از کم مسلمانوں کا تو یہ فرض ہے کہ وہ اُن سے محاسبہ کریں اور پوچھیں کہ یہ کون سی شرافت ہے جس کا اظہار انھوں نے مسلم

لیگ کے صدر کی حیثیت سے اس طرح کیا ہے؟

(مدینہ ۱۷؍جولائی ۱۹۴۰ء بہ حوالہ ''علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے''۔ ص ۴۲۔ ۱۴۱)

۲۵؍جولائی ۱۹۴۰ء: ابو سعید بزمی ایڈیٹر مدینہ بجنور ''لیڈروں کو جانچو'' کے عنوان سے مسلم لیگی رہ نماؤں کے بارے میں مقالۂ افتتاحیہ میں لکھتے ہیں:

''سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ آج جن لوگوں نے لیڈری کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے، ان کی جانچ کی جائے۔ مسلم لیگ اصولاً اچھی ہے یا بری۔ اس کے فیصلے کا حق ہم آپ سے نہیں چھینتے، لیکن اتنا ضرور عرض کریں گے کہ خدارا ان لوگوں سے بچنے کی کوشش کریں جو شیر کی پوستین میں گیدڑ ہیں اور جو صرف ہوس اقتدار کے لیے اسلام کے نام کو محض ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہے ہیں''۔ (بہ حوالہ خدا بخش لائبریری جرنل ۱۱۲، پٹنہ، ۱۹۹۸ء ص ۱۱)

۲۷؍جولائی ۱۹۴۰ء: ۲۷؍جولائی ۱۹۴۰ء کو آل انڈیا کانگریس کے اجلاس پونا کے موقع پر مولانا آزاد نے افتتاحی تقریر میں واردھا ریزولیوشن کی حمایت کرتے ہوئے فرمایا تھا: دو سال سے زیادہ سے یہ کش مکش جاری ہے کہ گاندھی جی چاہتے ہیں کہ کانگریس اعلان کردے کہ وہ بیرونی حملوں کی مدافعت اور اندرونی بدامنی کے مقابلے کے لیے عدم تشدد (اہنسا) کی پابند رہے گی ورنہ گاندھی جی کو کانگریس کی رہ نمائی سے سبک دوش کر دیا جائے۔ مگر گاندھی جی کے اس اصرار کو میں ٹالتا رہا۔ لیکن اب ان کا اصرار حد سے بڑھ چکا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا ہم یہ جانتے ہیں کہ انسانی برادری اس مرحلے پر پہنچ چکی ہے کہ مسلح مدافعت کی بے سودگی کا احساس ہوتے ہوئے بھی وہ تشدد کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ ہم یہ اعلان نہیں کر سکتے کہ ہم ملک میں ایسا نظام حکومت رائج کریں گے جس میں مسلح فوج کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اگر ہم ایسا اعلان کر دیں تو یہ ہمارے لیے ٹھیک نہیں۔ ہمیں ہندوستانی قوم کے نمائندے کی حیثیت سے اپنی پوزیشن کو بھی دیکھنا ہے''۔

(مدینہ، یکم اگست ۱۹۴۰ء)

چنانچہ اس اجلاس پونا منعقدہ ۲۷؍جولائی میں جو تجویز پاس ہوئی اس کا پہلا حصہ یہ تھا کہ اگرچہ اہنسا کانگریس کا بنیادی اصول ہے۔ لیکن بہ حالات موجودہ ملک کی اندرونی بدامنی اور بیرونی حملے کے مقابلے کے لیے اس ہتھیار پر بھروسا نہیں کر سکتی۔

دوسرا حصہ یہ تھا کہ اگر حکومت برطانیہ ہندوستان کی آزادی کا غیر مبہم الفاظ میں

اعلان کردے اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے پہلے قدم کے طور پر مرکز میں ایک قومی حکومت چند شرائط کے ساتھ قایم کی جائے تو کانگریس ہندوستان کے دفاع کی موثر تنظیم کے واسطے تمام کوششوں میں پوری طرح ساتھ دینے کے لیے تیار ہے۔

(مدینہ مورخہ ۵/اگست ۱۹۴۰ء مقالۂ افتتاحیہ)

مولانا آزادؒ سے گاندھی جی کا اختلاف اور پھر رجوع:

جولائی ۱۹۴۰ء: ڈنمارک، ہالینڈ اور بلجیم پر قبضہ کرلیا تھا۔ خود برطانیہ کے اندر بڑی تبدیلی آگئی تھی چمبرلین کی جگہ ونسٹن چرچل برطانیہ کے وزیراعظم بن گئے تھے، جنگ کے بدترین حالات نے چرچل کو کل جماعتی مخلوط کابینہ بنانے پر مجبور کردیا تھا کہ قومی مفادات کا تقاضا یہی تھا، آخر ہٹلر کی جنگ کسی ایک سیاسی جماعت کے خلاف تو نہ تھی۔ جب ہٹلر کی جنگ سب کے خلاف تھی تو سب نے مل کر مشترکہ دشمن کا مقابلہ کرنے کا عزم کیا اور سیاسی اختلافات کو وقتی طور پر پس پشت ڈال دیا کہ پہلے ملک کو بچالیں، مشترکہ دشمن پر قابو پالیں، اس کے بعد اپنے سیاسی اختلافات کا پٹارا کھولا جائے گا۔ ۱۷/جون ۱۹۴۰ء کو فرانس نے بھی ہٹلر کی افواج کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اب اس کا ہدف انگلستان تھا۔

جولائی ۱۹۴۰ء میں کانگریس ورکنگ کمیٹی اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس مولانا کی صدارت میں پونا میں منعقد ہوئے۔ اس میں دو بڑے اہم ریزولیوشن منظور کیے گئے۔ ایک میں کانگریس کے عقیدہ عدم تشدد کا اعادہ کیا گیا تھا اور اسے ہی ہندوستان کو آزاد کرانے کا صحیح طریقہ قرار دیا تھا۔ دوسرے ریزولیوشن میں کہا گیا تھا کہ فاشزم اور جمہوریت کے درمیان جنگ ہو تو انصاف کی بات یہ ہے کہ ہندوستان جمہوری طاقتوں کا ساتھ دے۔ لیکن خود آزاد ہوجانے سے پہلے وہ جمہوری طاقتوں کی جنگ سے متعلق سرگرمیوں میں شامل نہیں ہوسکتا۔ یہ قراردادیں مولانا کے مسودے کے مطابق تیار ہوئیں۔

گاندھی جی کو شبہ تھا کہ کانگریس کمیٹی آزادی کی جدوجہد میں عدم تشدد کے اصول پر قایم رہنے کے متعلق ثابت قدم رہے گی اور وہ مولانا کی اس تجویز کو تسلیم کرلے گی کہ ہندوستان کی آزادی کے مطالبے کو قبول کرلیا جائے تو اسے جنگ میں شریک ہونے پر اعتراض نہ ہوگا۔ گاندھی جی کو کانگریس کے پونا کے فیصلوں پر اطمینان اور خوشی ہوئی اور

انھوں نے مولانا کو مبارک باد کا تار دیا۔

گاندھی جی کو مولانا سے اختلاف ہو گیا:

گاندھی جی کو اہنسا سے پختہ عقیدت تھی وہ ورکنگ کمیٹی کے ممبروں پر اثر انداز ہونے لگے۔ وہ ممبر جنھوں نے پونا کے اجلاس میں ریزولیوشن کی حمایت کی تھی یا کم از کم مخالفت نہ کی تھی، اب ان کی سوچ میں تبدیلی ہونے لگی۔ جواہر لال نہرو، سردار پٹیل، راج گوپال اچاریہ اور خان عبد الغفار خان بحث کی ابتدائی منزلوں میں مولانا کے ہم خیال تھے۔ لیکن راجندر پرشاد، اچاریہ کرپلانی اور شری شنکر راؤ دیو گاندھی جی کے مرید تھے۔ سردار پٹیل نے پونا کے اجلاس کے ایک ماہ کے اندر اپنی رائے بدل لی اور گاندھی جی کے رویے کو صحیح تسلیم کر لیا۔ (ابوالکلام آزاد اور قوم پرست..........ص ۱۷۹)

۳۰ر جولائی ۱۹۴۰ء: اس تاریخ سے سبھاش چندر اس اپنا ستیہ گرہ شروع کرنے والے تھے، لیکن بنگال سرکار نے انھیں اس سے پہلے ہی بھارت رکھشا قانون کے تحت گرفتار کر لیا۔ دسمبر ۱۹۴۰ء میں انھیں قید سے رہائی ملی (کرنل محبوب احمد، ص ۵۵)

۳۰ر جولائی ۱۹۴۰ء: بمبئی کی ایک مسجد کا پیش امام سعودی خاندان کے کسی فرد کے ساتھ تعظیم سے پیش آیا تھا۔ پس اس امام کے خلاف ایک طوفانِ بے تمیزی اٹھ کھڑا ہوا اور بعض باتیں خاندان ابن سعود کے خلاف بھی کہی گئیں۔ سیٹھ غلام حسین (بمبئی) کے ایک خط کے جواب میں حضرت مفتی صاحبؒ نے انھی باتوں کا جواب دیا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ لکھتے ہیں:

۱۔ سلطان ابن سعود اور ان کے صاحب زادوں یا ان کی حکومت کی واقعی خوبیوں کی تعریف کرنا یا ان کی (شرعی حدود کے اندر) تعظیم و تکریم اور احترام کرنا یا فروعی اختلافات کو نظر انداز کر کے متحد ہو جانے کی نصیحت کرنا، ان باتوں میں سے کوئی بات گناہ نہیں، بلکہ حجاز مقدس میں امن کا قیام ابن سعود اور ان کی حکومت کا ایسا کارنامہ ہے۔ جس کی نظیر شرفائے مکہ کی حکومت کے طویل زمانے میں نہیں ملتی۔ اس کی تعریف نہ کرنا کتمانِ حق اور ناشکری ہے۔ اسی طرح سلطان ابن سعود اور ان کے صاحب زادوں کا شریعت کے احکام، نماز، روزہ وغیرہ کا پابند ہونا۔ جماعت میں شریک ہونا، محاکم شریعہ کا قیام ایسی خوبیاں ہیں جن

سے اکثر سلاطین وامرا اس زمانے میں خالی ہیں۔ ان خوبیوں کا اعتراف کرنا اظہار حق ہے جو شرعاً ممنوع نہیں۔

اگر سلطان ابن سعود اور ان کے صاحب زادوں یا ان کی حکومت میں بعض کوتاہیاں بھی ہوں تو یہ انصاف کی بات نہیں ہے کہ بعض کوتاہیوں کی وجہ سے ان کی قابل قدر خوبیاں بھی کالعدم کردی جائیں۔

۲۔ امام مذکور کا کوئی گناہ ہی ثابت نہیں ہوا۔

۳۔ جن لوگوں نے امام کو گناہ گار اور مجرم قرار دیا ہے اور یہ پوسٹر شائع کیے ہیں جو اس استفتا کے ساتھ ہم رشتہ ہیں انھوں نے سخت ظلم کیا ہے۔ بلا وجہ شرعی نجدیوں اور امام کو کافر ٹھیرا کر فقد باء بہ احدھما کی وعید میں داخل ہوئے۔ مسلمانوں کی تکفیر بڑا خطرناک اقدام ہے۔ کافر کی تکریم بھی اگر بہ وجہ کفر نہ ہو تو وہ بھی موجب کفر نہیں، چہ جائے کہ یہاں تکریم احترام ضیف کے طور پر ہے۔ تعجب ہے کہ یہ مفتی ان لوگوں پر کبھی کفر کا فتوی نہیں لگاتے جو انگریز یا ہندو ڈپٹی کلکٹر، ڈپٹی کمشنر کی اس سے زیادہ تعریف و تکریم کرتے ہیں، جتنی امام نے سلطان ابن سعود کے شہزادوں کی کی۔ الغرض یہ پوسٹر اور تکفیر کا حکم قطعاً غلط اور ظلم عظیم ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔ (کفایت المفتی (جلد نہم) کتاب السیاسیات)

۸ر اگست ۱۹۴۰ء: مسٹر جناح اور ان کی لیگ کی بد قسمتی یہ تھی کہ ہندوستان میں انگریزوں سے نفرت اور اپنی آزادی کا جذبہ روز افزوں تھا اور بین الاقوامی پوزیشن برطانیہ کے لیے دن بہ دن خطرناک ہوتی جارہی تھی۔ لہٰذا کانگریس کی پیش کش کے جواب میں ۸ر اگست ۱۹۴۰ء کو برطانوی سامراج نے اپنے ہندوستانی ایجنٹ (وایسرائے ہند) کے ذریعہ سے اعلان کیا:

> حکومت برطانیہ نے مجھے اس بات کا اعلان کرنے کا اختیار دیا ہے کہ وہ: جنگ کے خاتمے پر ہندوستان کے نئے آئین کا ڈھانچا تیار کرنے کے لیے فوراً ایک ایسی جماعت قایم کرنے کی منظوری دے دے گی جو ہندوستان کی قومی چیدہ عناصر کی نمایندہ ہو اور حکومت تمام متعلقہ مسائل کا جلد سے جلد تصفیہ کرانے میں حتی المقدور ہر طرح مدد کرے گی۔ دریں اثنا

حکومت ہر ایسے مخلصانہ اور عملی اقدام کا خیر مقدم کرے گی اور اُسے پایۂ
تکمیل تک پہنچانے میں ہر طرح کی مدد کرے گی جو ہندوستان کے نمائندہ
لیڈر اپنے طور پر دوستانہ سمجھوتا کرنے کے لیے مندرجۂ ذیل باتوں کے
متعلق کریں گے۔

۱۔ جنگ کے بعد جو نمایندہ جماعت قایم کی جائے اس کی شکل کیا ہو اور متفقہ مسائل
کا فیصلہ کرنے کے لیے کیا طریقے اختیار کرے؟

۲۔ خود آئین کے اصول اور طریق کیا ہوں؟

عارضی گورنمنٹ کے متعلق یہ اعلان کیا کہ

حکومت نے مجھے اختیار دیا ہے کہ میں ہندوستان کے کچھ نمایندہ لیڈروں
کو اپنی ایگزیکٹیو کونسل میں شمولیت کے لیے دعوت دوں، حکومت نے
مزید مجھے ایک جنگی مشاورتی کونسل قایم کرنے کا اختیار دیا ہے، جو مقررہ
اوقات پر اجلاس کرے گی اور جس میں ہندوستانی ریاستوں اور مجموعی طور
پر ہندوستان کی قومی زندگی کے دوسرے مفاد کے نمایندے شامل ہوں
گے۔ (مدینہ بجنور، ۱۳ اگست ۱۹۴۰ء)

اس اعلان میں مسٹر جناح کی بار بار کی چیخ پکار کے برخلاف کانگریس کے نمایندہ
اسمبلی کے مطالبہ کو منظور کرلیا گیا۔ مگر قومی گورنمنٹ یعنی دورانِ جنگ میں ہندوستانیوں کی
بااختیار کیبینٹ کے مطالبے سے پہلو تہی کی گئی۔ لہٰذا کانگریس نے اس کو تسلیم کرنے سے
انکار کردیا۔ صدر کانگریس مولانا آزادؔ کو وایسرائے نے ملاقات کی دعوت دی تو آپ نے
ملاقات بھی گوارا نہیں کی اور صاف انکار کردیا۔ اور مسٹر جینا اور ان کی لیگ نے اپنے تمام
مطالبات چھوڑ کر اس پیش کش کی مدح سرائی شروع کردی۔

۱۴ اگست ۱۹۴۰ء: ۱۲ اگست ۱۹۴۰ء کو مولانا ابو المحاسن محمد سجاد نے ایک بیان
اخبارات کو دیا، جس کے خاص خاص فقرے درج ذیل ہیں:

گذشتہ ستمبر کے وسط میں جمعیت علماے ہند کی مجلس عاملہ نے جنگ یورپ کے متعلق
ملکی اور مذہبی نقطۂ نظر سے جو فیصلہ کیا تھا، وہ صداقت و ذیانت کی حکمت پر مبنی تھا اس نے
صاف اعلان کردیا تھا کہ جنگ میں مدد کے لیے کوئی وجہِ جواز معلوم نہیں ہوتی۔ اس کا یہ

اعلان واضح غیر مبہم، قطعی تھا اور کسی شرط کے ساتھ مشروط نہ تھا۔ اس لیے جمعیت علماے ہند نے وزیر ہند اور وایسراے کے ان بیانوں اور پیش کشوں کی طرف کبھی کوئی دھیان نہیں دیا، جو وقتاً فوقتاً منظر عام پر لائے گئے۔ کیوں کہ ہندوستان کی مکمل آزادی ہمارا فطری اور مستقل حق ہے۔ جس کو ہمیں حاصل کرنا ہے۔ اس کا جنگی مدد سے کوئی تعلق نہیں! مکمل آزادی کے اعلان کے بعد بھی اس وقت تک مدد کرنا ضروری نہیں ہے جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ ہماری آزادی کا اعلان حقیقت پر مبنی ہے اور ہم مدد کرنے نہ کرنے میں خود مختار ہیں۔ نیز یہ کہ جنگ صرف مظلوموں اور کمزوروں کی مدد کے لیے لڑی جارہی ہے۔ سامراجی مقاصد کو پورا کرنے کے لیے نہیں ہے۔

بیان کے آخر میں فرمایا تھا:

بلاشبہ کانگریس کے آٹھ صوبوں کی حکومت سے دست بردار ہونے اور کامل آزادی کے اعلان اور قومی حکومت کے مطالبے سے متاثر ہو کر وایسراے ہند مرکزی حکومت میں توسیع پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ جس سے رجعت پسند لیڈروں کے منہ میں پانی آرہا ہے کہ جس طرح ممکن ہو وہ وایسراے کی کونسل میں شامل کر لیے جائیں اور قرائن بتارہے ہیں کہ شاید ان کی یہ مرادیں پوری بھی ہو جائیں گی۔ مگر انھیں سوچنا چاہیے کہ ان کے اس طرز عمل سے ملک کو اور ان کی ملت کو کیا فائدہ پہنچے گا اور غلامی کی زنجیریں مضبوط ہوں گی یا کم زور؟ اس موقع پر مسلمانوں کو خصوصیت سے سوچنا چاہیے کہ وہ قانون الٰہی کے ماتحت جنگ وصلح اور مخلوق کے ساتھ عدل وانصاف کرنے کے بجاے صرف عہدوں اور دنیوی عزت کے لیے کسی سامراجی طاقت کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر بیٹھیں گے تو اس کا آخری نتیجہ کس قدر ہول ناک ہوگا اور خدا کے نزدیک وہ کس درجے کے مستحق ہوں گے؟

(مدینہ ۱۷ر اگست ۱۹۴۰ء)

۲۹، ۳۰ر دسمبر ۱۹۴۰ء: مجلس عاملۂ جمعیت علماے ہند کا اجلاس زیر صدارت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں حسب ذیل اعلان مرتب کیا گیا۔ برطانیہ کی طرف سے اس نازک ترین تاریخی موقع پر بھی ہندوستان کی آزادی کو تسلیم نہ کرنا اور بعد از جنگ ہندوستانیوں کی آزادی کا اعلان نہ کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وہ ہندوستان کو اپنے اوپر حکومت کرنے کا حق اور کسی قسم کا اقتدار دینا ہی نہیں چاہتی اور اس

صورت میں یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کا جنگ میں برطانیہ کے ساتھ جس قدر تعاون اور امداد ہے وہ رضا کارانہ ہرگز نہیں ہے۔ ان کی طرف سے ان کی مرضی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا ہے۔

جمعیت علمائے ہند اپنے وطن ہندوستان کو آزاد دیکھنا چاہتی ہے۔ یہی اس کا مطمحِ نظر اور نصب العین ہے۔ نہ وہ نازی ازم کو ہندوستان پر مسلط دیکھنا چاہتی ہے، نہ فیشیزم کو، نہ اشتراکیت کو پسند کرتی ہے، نہ جاپانی پالیسی اور اقتدار کو، وہ اپنے اوپر خود حکومت کرنے کا حق چاہتی ہے اور بس!

لہٰذا وہ علی روس الاشہاد اعلان کرتی ہے کہ اس کی پالیسی دسمبر ۱۹۳۹ء میں میرٹھ کی تجویز کی شکل میں شائع ہو چکی ہے اور جس کی تصریح مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب اپنے مکتوب مورخہ ۱۳ ارجنوری ۱۹۴۰ء (بہ نام وایسرائے ہند) میں کر چکے ہیں۔ باوجود ایک سال گزر جانے اور مختلف مدارج و منازل سے گزر چکنے کے بعد آج بھی یہ دستور قایم ہے اور وہ یہی ہے کہ برٹش سامراج کی اس تحفظ شہنشاہیت کی جنگ میں شریک ہونے کی کوئی وجہِ جواز نہیں پاتی''۔

علمائے حق کی گرفتاریاں:

جمعیت علمائے ہند کے محترم اراکین اپنی اس پالیسی کی اشاعت تحریروں اور تقریروں کے ذریعے سے کر رہے تھے، مگر افسوس حکومت نے ان کی پُر صداقت صدا کی طرف منصفانہ توجہ دینے کی بجائے جبر و تشدد کے ذریعے اس آوازِ حق کو دبانا چاہا۔ چناں چہ جابجا ''کلمۃ الحق'' کو سر بلند کرنے والے مجاہد علمائے کرام کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں اور ان پر مقدمات چلائے گئے اور ان کو سزائیں دی گئیں۔ اس سلسلے میں مندرجۂ ذیل علمائے کرام کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں۔

☆ حضرت مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین لاہور جو تفسیر و ترجمۂ قرآن کے درس میں غیر فانی شہرت کے مالک ہیں اور جن کے تلامذہ اور مستفیضین کی تعداد جو تمام ہندوستان پر پھیلی ہوئی ہے، ہزاروں سے بھی متجاوز ہے۔

☆ مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب جو سیاسی تدبر، علمی تبحر، تحریر اور تقریر

کی اعلیٰ مہارت میں ممتاز ترین درجہ رکھتے ہیں۔

☆ سالار اعظم انصار اللہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب شاہ جہان پوری، حضرت مولانا ابوالوفا صاحب شاہ جہان پوری صدر جمعیت علماے صوبۂ متحدہ۔

☆ حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب فاخری الہ آبادی۔ سجادہ نشین دایرۂ شاہ اجمل صاحب الہ آباد، رکن مجلس عاملہ جمعیت علماے ہند

☆ مولانا الحاج محمد اسماعیل صاحب (ایم، ایل، اے) استاد جامعۂ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد۔

☆ مولانا سید اختر الاسلام صاحب استاذ جامعۂ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد وغیرہ وغیرہ بے شمار علماے کرام جن کی فہرست کی طوالت اوراق کتاب کی وسعت کے لیے غیر قابل برداشت ہے۔

اگست ۱۹۴۰ء: مولانا ابوالکلام آزادؒ فرماتے ہیں:

اگست ۱۹۴۰ء میں وایسراے نے مجھے اس تجویز پر گفتگو کرنے کی دعوت دی کہ ایکز یکیٹو کونسل کے ممبر اور اس کے اختیارات بڑھا دیے جائیں اور اس طرح کانگریس کو حکومت میں شریک کیا جائے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیے بغیر ہی اس پیش کش کو نامنظور کر دیا۔ مجھے کانگریس کے آزادی کے مطالبے اور وایسراے کی تجویز کے درمیان، کہ ایکزیکیٹو کونسل کے ارکان کی تعداد بڑھادی جائے، کوئی تعلق نظر نہیں آیا۔ اس صورت میں وایسراے سے ملاقات کرنا بے معنی تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ بہت سے کانگریسی میرے فیصلے سے متفق نہیں تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ مجھے بہ ہر حال دعوت قبول کرنا اور وایسراے سے ملاقات کرنی چاہیے تھی لیکن مجھے اس وقت یقین تھا اور اب بھی ہے کہ میرا فیصلہ صحیح تھا۔

گاندھی جی پر اس واقعے کا جو اثر ہوا وہ بیشتر کانگریسیوں کے تاثرات سے بالکل مختلف تھا۔ انھوں نے مجھے ایک خط لکھا، جس میں انھوں نے میرے فیصلے کی پوری طرح تائید کی تھی۔ ان کے خیال میں میرا وایسراے سے ملاقات کرنے سے انکار خدا کی رحمت کی علامت تھی۔ خدا کی یہ مرضی نہیں تھی کہ ہندوستان اس جنگ میں شریک ہو اور وہ سمجھتے تھے کہ میں نے اسی وجہ سے وایسراے سے ملنے سے انکار کیا ہے۔ اس طرح معاملہ یہیں پر ختم ہو گیا۔ گاندھی جی کو اندیشہ تھا کہ اگر میں وایسراے سے ملتا، تو کانگریس اور حکومت کے

درمیان سمجھوتا ہوسکتا تھا اور اس طرح ہندوستان جنگ میں الجھا دیا جاتا۔

اس کے بعد گاندھی جی نے انگریزوں کے نام ایک اور اپیل شائع کی، جس میں انھوں نے پھر درخواست کی، ہتھیاروں کو الگ رکھ کر ہٹلر کا روحانی طاقت سے مقابلے کریں۔ انھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ لارڈ لن لتھگو سے ملاقات کی اور ان پر زور ڈالا کہ ان کے نقطۂ نظر کو صحیح مان لیں اور برطانوی حکومت کو اس سے مطلع کریں۔

گاندھی جی نے لارڈ لن لتھگو سے کہا کہ برطانوی قوم کو ہتھیار الگ رکھ کر ہٹلر کا روحانی طاقت سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ یہ ایک ایسی عجیب و غریب بات تھی کہ وہ بالکل بھونچکا رہ گئے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ وہ گھنٹی بجا کر اپنے اے، ڈی، سی کو بلاتے اور وہ گاندھی جی کو کار تک پہنچا جاتا۔ اس مرتبہ انھوں نے گھنٹی بجائی اور نہ اے، ڈی، سی کو بلایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گاندھی جی وائسرائے کو کمرے میں خاموش اور بوکھلایا ہوا چھوڑ کر نکلے اور راستے تلاش کرتے ہوئے کار تک پہنچے۔ مجھ سے ملاقات ہوئی تو گاندھی جی نے واقعہ بیان کیا اور اس پر تعجب ظاہر کیا کہ وائسرائے معمولی آداب برتنا بھی بھول گیا۔ میں نے جواب دیا کہ وائسرائے آپ کی تجویز سن کر ایسا حیران ہوا ہوگا کہ اسے اپنا معمول بھی یاد نہ رہا۔ گاندھی جی اس تشریح کو سن کر خوب ہنسے۔

کانگریس کے اندر بحث جاری رہی۔ جہاں تک گاندھی جی کا تعلق تھا، وہ تو سمجھتے تھے کہ کانگریس کو کسی بھی حال میں جنگ میں شریک نہ ہونا چاہیے۔ ہمارے نقطۂ نظر میں بنیادی اختلاف ضرور تھا، مگر اس پر ہم متفق تھے کہ موجودہ صورت حال میں ہم کو کسی طرح سے بھی انگریزوں کی حمایت نہ کرنی چاہیے۔ اس طرح میری پالیسی اور گاندھی جی کے عقیدے میں جو اختلاف تھا وہ فرضی رہا۔ انگریزوں کے رویے نے ہمیں متحد رکھا اگرچہ ہمارے بنیادی نقطۂ نظر میں اختلاف تھا۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ اس صورت حال میں کانگریس کو کیا کرنا چاہیے؟ ایک سیاسی جماعت ہوتے ہوئے وہ کیسے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہ سکتی تھی، جب ساری دنیا میں ہیبت ناک واقعات پیش آرہے تھے! گاندھی جی شروع میں کسی قسم کی بھی تحریک نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے کہ تحریک صرف ہندوستان کی آزادی کے لیے ہوسکتی تھی اور اس میں یہ بات مضمر ہوتی کہ جب آزادی مل جائے گی تو ہندوستان جنگ میں شریک ہو جائے گا۔ دہلی اور پونا کے جلسوں کے بعد جب برطانوی حکومت نے کانگریس کی

تعاون کی پیش کش کو نامنظور کر دیا تو گاندھی جی ایک مشروط اور محدود سول نافرمانی کی تحریک (شروع کرنے کے مسئلے) پر غور کرنے لگے۔ انھوں نے تجویز کیا کہ مردوں اور عورتوں کو انفرادی طور پر اس بات پر احتجاج کرنا چاہیے کہ ہندوستان کو جنگ میں الجھایا جا رہا ہے۔ انھیں علانیہ ظاہر کرنا چاہیے کہ وہ جنگ سے متعلق سرگرمیوں کے خلاف ہیں اور گرفتار ہو جانے کی کوشش کرنا چاہیے۔ میری رائے تھی کہ جنگ کے خلاف اس سے زیادہ وسیع اور زیادہ شدید تحریک ہونی چاہیے۔ لیکن اس پر گاندھی جی کسی طرح نہ راضی ہوئے۔ اس لیے میں آخر میں اس پر رضامند ہو گیا کہ کم از کم انفرادی ستیہ گرہ تو شروع ہی ہو جائے۔

اس تجویز کے مطابق ونوبا بھاوے پہلے انفرادی ستیہ گرہی یا جنگ کے پہلے ''نہتے مخالف'' منتخب کیے گئے۔ پنڈت نہرو نے اپنے آپ کو بہ طور دوسرے رضاکار کے پیش کیا اور گاندھی جی نے ان کو بھی چن لیا۔ اس کے بعد اور بہت سے آئے اور جلدی ہی انفرادی ستیہ گرہ ایک عام قومی تحریک بن گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عدم تشدد کے مسئلے میں میرے اور گاندھی جی کے بنیادی اختلاف کے باوجود جو پروگرام عمل میں آیا اس پر ہم دونوں متفق تھے۔ ایسے انفرادی ستیہ گرہ میں کبھی کبھی مضحک باتیں بھی ہو جایا کرتی تھیں۔ (انڈیا ونس فریڈم/۱۶، ۱۱۵)

اگست ۱۹۴۰ء: مولانا عبدالحلیم صدیقی قایم مقام ناظم جمعیت علماے ہند نے ''جمعیت علماے ہند کی چند اہم ملی خدمات کا مختصر تذکرہ'' کے عنوان سے جمعیت کی خدمات کے تعارف میں بیالیس صفحات پر مشتمل جو کتابچہ لکھا تھا اور پچھلے ماہ کے آخر میں یا اسی ماہ کے شروع میں شایع ہوا تھا حکومت دہلی نے اسے ضبط کر لیا ہے۔ جمعیت علما کی مجلس عاملہ نے اس پر احتجاج اور حکومت دہلی کے اس عمل کے خلاف افسوس کا اظہار کیا ہے۔

سرسکندر حیات کا انٹرویو:

۱۱ر ستمبر ۱۹۴۰ء: سرسکندر حیات نے اپنے ایک تازہ انٹرویو میں کہا ہے کہ ''میں ہندوستان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا حامی نہیں ہوں اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر ملک کی تقسیم نہ ہونی چاہیے۔ مثلاً پنجاب میں صرف ایک قوم کی حکومت نہیں بلکہ پنجابیوں کی

حکومت ہونی چاہیے"۔

سوال: بمبئی قرارداد کے بعد پاکستان کے متعلق آپ کی پوزیشن کیا ہے؟

جواب: مسلم لیگ کی قرارداد لاہور کے متعلق میری جو پوزیشن اجلاس لاہور کے بعد تھی، وہی بمبئی قرارداد کے بعد ہے۔ میری پوزیشن میں کوئی فرق نہیں پڑا اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ مسلم لیگ کی قرارداد لاہور کا منشا بھی تقسیم ہند نہیں ہے"۔

سر سکندر حیات کا یہ انٹرویو روزنامہ ٹریبون، لاہور مورخہ ۱۱ر ستمبر ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا ہے اور روزنامہ انقلاب لاہور نے اسے اپنی ۱۴ر ستمبر ۱۹۴۰ء کی اشاعت میں نقل کیا ہے۔

(کاروان احرار: جلد ۴، ص ۴۲۵)

ستمبر ۱۹۴۰ء: پچھلے دنوں مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کو جمعیت علمائے ہند کے ڈکٹیٹر کی حیثیت سے گرفتار کرلیا گیا۔ جمعیت، کانگریس وغیرہ کو پہلے ہی خلاف قانون قرار دیا جاچکا تھا۔ جمعیت کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس ۲۹ر ستمبر تا ۲ر اکتوبر ۱۹۱۰ء میں مولانا کی گرفتاری واسیری پر انھیں ہدیہ تبریک پیش کیا ہے اور ان کی ملکی وقومی خدمات کے اعتراف میں ایک تجویز پاس کی ہے۔ (جمعیت علما کیا ہے؟ حصہ دوم، ص ۲۲۸)

۲ر اکتوبر ۱۹۴۰ء: جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا اجلاس ۲۹ر ستمبر تا ۲ر اکتوبر ۱۹۴۰ء جمعیت کے دفتر دہلی مین ہوا۔ اجلاس کی روزانہ کئی کئی نشستیں ہوئیں۔ اس کی بیشتر نشستوں کی صدارت حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین مدنیؒ صدر جمعیت نے فرمائی۔ جب کہ بعض نشستوں کی صدارت مولانا سید فخر الدینؒ اور مولانا احمد سعید دہلویؒ نائب صدر نے بھی فرمائی۔ اجلاس میں مسلم انفساخ نکاح کے ایکٹ ۱۹۳۹ء میں ایک اہم ترمیم تجویز کی گئی۔ ترمیم اس طرح ہے:

ایکٹ نمبر ۸ر ۱۹۳۹ء مسلم انفساخ نکاح کی دفعات مصرحۂ ذیل میں ترمیم ہونی چاہیے، اور دفعہ ۷ کا اضافہ بھی نہایت ضروری ہے۔

دفعہ (۲) میں "کوئی عورت جس کی شادی شریعت اسلامی کے مطابق ہوئی ہو" کی بجائے کوئی عورت جو شریعتِ اسلامیہ کے بہ موجب کسی شخص کے عقد نکاح میں ہو"۔ (تاکہ غیر مسلم زوجین اگر معاً مسلمان ہوجائیں تو اس عورت کو بھی الفاظ قانون شامل رہیں)

دفعہ ۲ ضمن (۷) میں کہ "بیوی نے جس کو اس کے باپ یا کسی دوسرے ولی نے نکاح میں دیا

تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے نکاح مذکور کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا'' کی بجائے ''بیوی نے جس کو باپ یا دادا کے سوا کسی دوسرے ولی نے نکاح میں دیا تھا۔ بالغ ہونے کے وقت نکاح مذکور کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا'' اور ''شرط یہ ہے کہ'' فقرہ بالکل حذف کر دیا جائے۔

متعلق (ج) میں لفظ ''عدالت کو لازم ہوگا'' کے بعد عبارت یوں ہو۔ ''کہ شوہر کی نامردی کی صورت میں ایک حکم''۔

دفعہ (۴) میں لفظ ''بہ ذاتِ خود'' کے آگے ''اس کے لیے فسخ نکاح کی ڈگری حاصل کرنے کی قانونی وجہ قرار نہیں دیا جائے گا''۔ اور فقرہ ''شرط مزید یہ کہ'' حذف کر دیا جائے۔

دفعہ (۷) اس ایکٹ کے ماتحت دایر شدہ مقدمات کی سماعت مسلم جج کی عدالت میں ہوگی۔ اس دفعہ کی عبارت وہی ہونی چاہیے جو کاظمی بل کی دفعہ (۶) میں درج تھی۔

بنگال میرج ڈاوری پریونشن بل:

جمعیت کی اس مجلس عاملہ نے ایک اور بل پر غور کیا، یہ بل شادی کے موقع پر لین دین کے بارے میں تھا۔ تجویز میں کہا گیا ہے:

جناب مولوی آفتاب حسین صاحب ایم، ایل، اے بنگالی میرج ڈا ی پریونشن بل پر ورکنگ کمیٹی نے غور کیا۔ ورکنگ کمیٹی کی رائے میں شادی کے موقع پر لین دین کی حد سے زیادتی کو روکنا نہایت ضروری ہے۔ کیوں کہ یہ زیادتی نہ صرف مسلمانوں کی اقتصادی تباہی کا سبب ہے بلکہ اس سے مذہبی محرمات کا ارتکاب اور دین کی بربادی بھی ہوتی ہے۔ مگر قانون وضع کرنے میں اس امر کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ قانون صرف مفاسد کی اصلاح وانسداد تک محدود رہے۔ اس کی کوئی دفعہ اسلامی شریعت کے خلاف نہ ہو جائے۔ ورکنگ کمیٹی کی رائے میں موجودہ بل اپنے عموم کے لحاظ سے حق مہر اور جہیز کے معتدل طریقے پر مخالفانہ اثر ڈالتا ہے۔ اس لیے اس کی ترمیم واصلاح ضروری ہے۔ اسلامی احکام کے لحاظ سے ہر شرعی نکاح میں مہر ہونا لازم ہے۔ اسی طرح لڑکی کو اس کے ماں باپ کی طرف سے

چند معمولی ضروری اشیاء بھی بہ طور جہیز دینا جائز ہے۔

لہٰذا قانون میں مہر کی زیادتی کو روکنا لازم ہے۔ مثلاً دفعہ اس طرح وضع کی جائے کہ ''مہر اس قدر مقرر کیا جائے کہ شوہر اس کی فی الفور ادائیگی یا عورت کے مطالبے کے وقت ادائیگی پر قادر ہو''۔

غرض مہر اور جہیز کی جائز حدود تک اجازت باقی رہنے کے بعد باقی تمام لین دین اور برات کے کھانے اور مسرفانہ رسوم کے انسداد کے لیے قانون بنایا جائے تو درست ہوگا۔

نیز کمیٹی کی رائے ہے کہ اس قانون میں جرمانے کی سزا نہ رکھی جائے، صرف سزائے قید رہے تا کہ مال دار لوگ جرمانہ ادا کرنے کی نیت سے قانون کی خلاف ورزی کرنے کی جرأت نہ کریں۔ نیز جرمانہ اس کی مزید اقتصادی تباہی کا سبب بھی نہ بنے۔

جمعیت علماے ہند کا جنگ کے متعلق اعلان:

۲ر اکتوبر ۱۹۴۰ء: مجلس عاملہ جمعیت علماے ہند اجلاس مورخہ ۲۹ر ستمبر تا ۲ر اکتوبر ۱۹۴۰ء میں تجویز نمبر ۶، اعلان کرتی ہے کہ

''یورپ کی موجودہ جنگ کے متعلق جمعیت علماے ہند اپنی پالیسی ستمبر ۱۹۳۹ء میں تمام امور پر کامل غور وفکر کے بعد واضح کر چکی ہے اور حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نے اپنے مکتوب بہ نام وائسرائے ہند مورخہ ۱۳ر جنوری ۱۹۴۰ء میں یہ امر بھی روشن کر دیا تھا کہ جمعیت علماے ہند کا یہ فیصلہ مذہبی اصول اور قرآن مجید کی تصریحات پر مبنی ہے۔ نیز وہ اپنے صحیح اور مستحکم مذہبی عقیدے کی تبلیغی واشاعت کا حق بھی رکھتی ہے۔ اس کے اس تبلیغی حق کو حکومت غصب نہیں کر سکتی اور اگر وہ اس تبلیغ واشاعت پر بھی پابندی عائد کرنے کا اقدام کرے گی تو یہ صریح طور پر مداخلتِ مذہبی ہوگی۔

جمعیت علما اس امر کو بہ نظر استحسان دیکھتی ہے کہ ملک کی دوسری سیاسی جماعتیں بھی اس نقطۂ نظر تک پہنچ رہی ہیں اور اس طرح برٹش سامراج کے سامنے اپنا حق آزادی منوانے کے لیے متحدہ محاذ بن رہا ہے۔ برطانیہ کی طرف سے اس نازک ترین تاریخی موقع پر بھی ہندوستان کی آزادی کو تسلیم نہ کرنا اور ہندوستانیوں کی بعد از جنگ آزادی کا اعلان نہ کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وہ ہندوستان کو اپنے اوپر حکومت کرنے کا حق اور کسی قسم کا اقتدار دینا

ہی نہیں چاہتی اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کا جنگ میں برطانیہ کے ساتھ جس قدر تعاون اور امداد ہے وہ رضا کارانہ ہرگز نہیں ہے۔ ان کی طرف سے ان کی مرضی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا۔

لہٰذا وہ علی رؤس الاشہاد اعلان کرتی ہے کہ اس کی وہ پالیسی جو ستمبر ۱۹۳۹ء میں میرٹھ کے جلسے کی تجویز کی صورت میں شایع ہو چکی ہے اور جس کی تصریح مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب اپنے مکتوب مورخہ ۱۳ر جنوری میں کر چکے ہیں۔ باوجود ایک سال گزر جانے اور مختلف مدارج و منازل سے گزر چکنے کے بعد آج بھی بہ دستور قایم اور بحال ہے اور وہ یہی ہے کہ برٹش سامراج کی اس تحفظ شہنشاہیت کی جنگ میں رضا کارانہ طور پر شریک ہونے کی کوئی وجہِ جواز نہیں پاتی۔ (مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب)

ناظم اعلیٰ جمعیت مرکزیہ علمائے ہند
گلی قاسم جان۔ دہلی

۱۴ر دسمبر ۱۹۴۰ء: نیو اسٹیٹس مین اینڈ نیشن لندن نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۴ر دسمبر ۱۹۴۰ء (کالم ۳، ۴) میں ایک مضمون شائع کیا ہے، جسے مدینہ بجنور نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۴ر مارچ ۱۹۴۱ء (جلد ۳۰ نمبر ۱۸) میں نقل کیا ہے۔ اس کا ایک اقتباس یہ ہے:

"لارڈ لن لتھگو نے مسلم لیگ کو ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی واحد نمایندہ جماعت تسلیم کر لیا.........."

"اس کا (مسلم لیگ کا) دعویٰ ہے کہ اب کچھ مہینوں سے اس کے ممبروں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ یہ بالکل صحیح ہو سکتا ہے کیوں وایسرائے کی ممتاز سرپرستی کی وجہ سے کانگریس کے بعد یہ ملک سب سے بڑی سیاسی جماعت بن گئی ہے۔ ہم نے مسٹر جینا کی انتہا پسندانہ روش کو ہندوستان کی مسلمان آبادی کی، جس کو ہم تسلیم کرتے ہیں اصلی رائے سمجھنا شروع کر دیا ہے اور مسٹر جینا اور دوسری ہندوستانی جماعتوں میں جن میں دوسری مسلم جماعتیں بھی شامل ہیں کہ اتحاد و اتفاق کا ہونا ممکن نہیں (کالم ۵) اگر ہماری یہ پیش کش مخلصانہ ہے کہ صلح کے بعد ہندوستان کو درجۂ نو آبادیات عطا کر دیا جائے گا تو ہمیں اس قسم کا کوئی قدم اٹھانا پڑے گا! لیکن اگر ہم مسٹر جینا کو محض اپنا آلۂ کار بنا رہے ہیں جو ہر وقت بھونڈے اور ناکارہ عہد نامے کو بھر کر ہمیں اخلاقی ذمے داری سے سبک دوش کرنے کے

لیے تیار ہیں، تو ہم ایسا نہیں کریں گے۔ اگر ہمارے متعلق یہ شبہات بڑھتے رہے اور ہم نے ان کے دور کرنے کی کوشش نہیں کی کہ ''ہم تقسیم کرو اور حکومت کرو'' کا پرانا کھیل کھیل رہے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم مستقبل قریب میں ہندوستان کو کھو بیٹھنے کا خطرہ مول لے رہے ہیں''۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت شیخ الاسلامؒ:

۲۵ر دسمبر ۱۹۴۰ء:

ارشادِ گرامی

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ پر الفرقان بریلی کے خاص نمبر کے بارے میں حضرت شیخ الاسلامؒ کی رائے گرامی:

امام الملۃ حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ العزیز کی مقدس ہستی ان ممتاز ہستیوں میں سے ہے جن کے وجود باجود سے اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) کو دیگر امم پر امتیاز اور شرف بخشا ہے۔ منبع الفیوض الربانیہ اور قاسم الحکم الازلیہ آقائے نام دار حضرت خاتم النبیین علیہ وعلی آلہ وصحبہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسی نسبت رکھنے والے اشخاص جیسی کہ آفتاب سے آئینہ کو ہے، ملۃ مرحومہ میں بہت کم نظر آتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب موصوف اُنھیں میں سے ہیں۔ ان کی اعلیٰ تصانیف، اُن کے مضامین عالیہ، ان کے اعلیٰ پایہ کے تلامیذ اُن کے سلاسل علوم ظاہریہ اور معارف باطنیہ کا علی مرالدہور جاری ہونا ان کے منتسبین کا تقویٰ اور علم میں بے نظیر ماہر ہونا بتلا رہا ہے کہ یہ مقدس ہستی منظور نظر الٰہی اور مخلصین عباد اور مجددین امت میں خصوصی شان رکھنے والی تھی اور ہے۔ صرف ہندوستان کے مسلمانوں ہی پر ان کی ذات بابرکات سے فیض یاب ہونے کا شرف مخصوص نہیں رہا بلکہ ان کے فیوض سے سید مرتضیٰ بلگرامی ثم الزبیدی (شارح قاموس و شارح احیاء العلوم و صاحب عقود الجواہر المنیفہ وغیرہ)، حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی ثم المکی حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی دہلوی ثم المدنی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ حضرات نے ملک عرب، مصر، شام، مغرب اقصیٰ وغیرہ کے مسلمانوں کو بھی بہت بڑے درجے تک مالا مال فرمایا۔ اس ہستی پر اہل ہند جس قدر بھی ناز کریں، بجا ہے اور ان کے بحارِ فیض سے تشنگانِ معارف جس قدر

بھی اپنی پیاس بجھائیں مفید اور کارآمد ہے۔ انھیں کے فیوض غیر متناہیہ ہندوستان اور بیرون ہند کے مسلمانوں کے لیے آج مشعل ہدایت اور رہ نمائے طریقت ہیں۔ دارالعلوم دیو بند اور دیگر مدارس دینیہ ہندوستان انھیں کے انوار کے چراغ ہیں۔ ان کے کمالات متنوعہ کے اظہار کے لیے دفاتر کی ضرورت ہے۔ الفرقان کے "ولی اللہ نمبر" میں اگر چہ بہت کچھ لکھا گیا ہے مگر وہ سب کچھ ان کے بحرِ کمالات کا غرفہ یعنی چلو یا اس سے بھی کم ہے، ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس اللہ سرہ العزیز کا ارشاد کہ "مجھ کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کی مثل کف دست سیر کرائی۔ میں نے اپنے زمانے میں شاہ ولی اللہ جیسا کوئی نہیں دیکھا، میری معروضات پر روشنی ڈالتا ہے۔ میں ناظرین نمبر مذکور سے اُمید وار ہوں کہ وہ اس کو ضرور پڑھیں گے اور اس برگزیدۂ امت محمدیہ کی محبت و توقیر سے اپنے دین و دنیا کو درست کریں گے۔ واللہ الموفق

(دستخط بہ قلم خود)

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۲۵ ر ذی قعدہ ۱۳۵۹ھ (۲۵ ر دسمبر ۱۹۴۰ء)

۲۸ ر دسمبر ۱۹۴۰ء: احمد آباد میں مسٹر جناح نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"ہندوستان کو تقسیم کر دینا چاہیے تاکہ ہندو اور مسلمان اچھے پڑوسیوں کی طرح رہ سکیں۔...... اگر ہندوؤں نے سارا ہندوستان لینے کی کوشش کی تو وہ سارے کا سارا کھو دیں گے۔ لیکن اگر انھوں نے ایک تہائی مسلمانوں کو دے دینے پر رضامندی ظاہر کی تو انھوں دو تہائی مل جائیں گے۔ ہندو صوبوں کی مسلم اقلیتیں اپنی تقدیر پر شاکر رہیں۔ لیکن وہ مسلم اکثریتی صوبوں کی آزادی میں کبھی مزاحم نہ ہوں گی۔ قیام پاکستان کے بعد میں ہندو اکثریتی صوبوں کی مسلم اقلیتوں کو ہجرت عام کی رائے نہیں دوں گا"۔

(خطبات قاید اعظم، رئیس احمد جعفری: لاہور، (بار دوم)، ص ۲۶۱)

مولانا آزاد کی گرفتاری:

۳ ر جنوری ۱۹۴۱ء: ۳ ر جنوری کو آل انڈیا کانگریس کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد کو الہ آباد سے گرفتار کیا گیا۔ وہ کلکتہ جا رہے تھے۔ ۸ ر جنوری کو عدالت نے مولانا آزاد کو ڈیڑھ

سال کی سزا دی۔ (کاروانِ احرار، ج ۵)

مولانا آزاد کی یہ گرفتاری ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۰ء کو الہ آباد میں ایک تقریر کی بنا پر ۳ر جنوری ۱۹۴۱ء کو عمل میں آئی تھی ۸ر جنوری کو سٹی مجسٹریٹ (الہ آباد) نے ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ ۳۸ (۵) کے تحت ڈیڑھ سال قید محض کی سزا دی تھی، لیکن تقریباً گیارہ ماہ کے بعد ہی ۴ر دسمبر ۱۹۴۱ء کو انھیں رہا کر دیا گیا تھا۔ (انڈیا ونس فریڈم (اردو) مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری (۱۹۹۷ء): ص ۱۲۱)

مسٹر جناح کا فلسفہ پاکستان اور اقلیتی صوبوں کے مسلمان:

۳ر جنوری ۱۹۴۱ء: نوجوانانِ بمبئی کے ایک اجتماع میں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''حضرات! ہمارے مطالبۂ پاکستان کے ضمن میں اہم ترین سوال یہ ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ سارے ہندوستان کے لیے ایک وحدانی مرکزی حکومت قایم کی جا سکے، جو چالیس کروڑ انسانوں پر حکومت کرے۔ اس قسم کے نظامِ حکومت کے ماتحت آبادی تین ہندوؤں اور ایک مسلمان کی نسبت سے ہوگی۔ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہندوؤں کے حکم اور فرمان کی تعمیل پر سب مجبور ہوں گے۔ اس ملک کے اندر جمہوریت اور جملہ بالغان کے لیے حق رائے دہندگی سے ہندو راج مراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی ضرورت لاحق ہوئی، مگر اس سے مسلمانوں کا یہ مقصد نہیں کہ فریب کاریوں اور حیلوں کے ذریعے سے سارے ملک پر فوقیت حاصل کریں۔ مسلم لیگ فقط یہ چاہتی ہے کہ مسلمانوں کو ان دو طبقات ملک میں حکم رانی اور اپنی تہذیب وتمدن کے نشو ونما کا موقع مل جائے۔ جنھیں وہ اپنا وطن سمجھتے ہیں۔ چناں چہ ہم ہندوؤں کو کہتے ہیں کہ دوسرے حصوں میں آپ اپنی حکومتیں قایم کیجیے اور اپنی فطرت وجبلت کے مطابق ترقی کیجیے۔ خدا آپ کی کوششوں کو بار آور کرے۔

ان مسلمان بھائیوں کے متعلق ہمیں کوئی تشویش نہ ہونی چاہیے، جو اقلیت کے صوبوں میں رہتے ہیں۔ غور طلب یہ مسئلہ ہے کہ اگر ساڑھے چھ کروڑ مسلمانوں کو جو اکثریت کے منطقوں میں ہیں ایک کل ہند متحدہ حکومت کے تابع کر دیا جائے تو باقی ماندہ ڈھائی کروڑ مسلمانوں کے جو دیگر صوبہ جات میں ہیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

میں جس صوبے میں اقلیت میں ہوں وہاں اپنی قسمت پر شاکر ہو کر اپنا فرض ادا کروں گا۔ لیکن میں ان مسلمانوں کو جو اکثریتی صوبوں میں ہیں دوامی اقلیت اور ہندوؤں کے اقتدار سے آزاد کراؤں گا۔

مسٹر گاندھی کانگریس اور ہندو مہا سبھا سارا ہندوستان حاصل کر لینا چاہتے ہیں، لیکن انھیں یہ کبھی نہ ملے گا! البتہ انھوں نے زیادہ حرص و ہوس سے کام نہ کیا اور ہمیں ایک تہائی دے دیا تو پھر شاید انھیں دو تہائی مل جائے گا اور قضیہ ختم ہو جائے گا"۔

(خطبات قائد اعظم مرتبہ رئیس احمد جعفری)

مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد کا انتقال:

۵ تا ۶/ جنوری ۱۹۴۱ء: جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا ایک اہم اجلاس ۵، ۶/ جنوری ۱۹۴۱ء کو دفتر جمعیت علمائے ہند میں بہ صدارت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ صدر جمعیت علمائے ہند منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں حسب ذیل تجویز منظور ہوئی اور ایک اہم بیان مرتب کیا گیا:

تجویز نمبر ۱: خلع بل کے استفتا کے متعلق موصول شدہ جوابات پر مجلس عاملہ نے غور کر کے طے کیا کہ جوابات کا خلاصہ اردو انگریزی دونوں زبانوں میں شائع کر کے ممبران اسمبلی اور وائسرائے ہند کے پاس بھیجا جائے اور جن علما نے مزید تفصیلات کو قابل لحاظ قرار دیا ہے ان سے مراسلت کر کے تفصیلات کو حاصل کیا جائے۔ نیز مزید جوابات حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

تجویز نمبر ۲: مجلس عاملہ نے مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات پر انتہائی رنج و ملال کے ساتھ حسب ذیل تعزیتی تجویز منظور کی۔

تجویز: جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ زعیم الامت مجاہد ملت مفکر جلیل عالم نبیل حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحب ناظم اعلیٰ جمعیت علمائے ہند و نائب امیر شریعت صوبۂ بہار کی وفات پر (جو ۱۸/ شوال ۱۳۵۹ھ کو پھلواری شریف میں ہوئی) اپنے عمیق رنج و اندوہ کا اظہار کرتا ہے اور اس سانحۂ روح فرسا کو مسلمانان ہند کے لیے ناقابل

تلافی نقصان سمجھتا ہے۔ مولانا کی ذات گرامی مذہب وملت اور اسلامی سیاست کی ماہر خصوصی تھی۔ ان کی مذہبی، قومی، وطنی خدمات صفحاتِ تاریخ پر آبِ زر سے لکھی جائیں گی اور مسلمانان ہند ان کو کبھی فراموش نہیں کریں گے۔

یہ مجلس مولانا کی اہلیہ محترمہ اور ان کے صاحب زادے اور دیگر اعزا کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی ظاہر کرتی ہے اور رب العزت جل شانہ کی بارگاہ میں دست بہ دعا ہے کہ مولانا کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کی تربت کو اپنی رحمتوں کی بارش سے سیراب کرے۔ آمین''۔

حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد بہاری ''غیر معمولی علمی وعملی اور فکری صلاحیتوں کا مجموعہ تھے اور جمعیت علماے ہند کا بیش قیمت سرمایہ تھے۔ ان کی کمی کو شدت سے محسوس کیا گیا۔ مرحوم کی تعزیت میں ایک قرار داد جمعیت کے سالانہ اجلاس لاہور مورخہ ۲۰ تا ۲۲ر مارچ ۱۹۴۲ء کے موقع پر بھی پاس کی گئی تھی۔

جنگ عظیم کے بارے میں جمعیت علماے ہند کا نقطۂ نظر:

۵، ۶ر جنوری ۱۹۴۱ء: ''جمعیت علما ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ حقائق ذیل کا اظہار و اعلان کرتا ہے۔

۱۔ یورپ کی موجودہ جنگ تحصیل اقتدار و تسلط کی جنگ ہے۔ متحارب طاقتوں میں سے ہر طاقت اپنے حلقۂ سلطنت کو وسیع کرنے یا مغلوب ومقہور اقوام پر اپنی تسلط بحال رکھنے کے لیے بے دریغ دولت بہا رہی ہے اور بے شمار انسانی جانیں تلف کر رہی ہے اور ہر ایک کا یہ دعویٰ کہ وہ امن وآزادی قایم کرنے کے لیے لڑ رہی ہے، محض زبانی دعویٰ ہے جس میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی دلیل بھی کسی کے طرز عمل سے ظاہر نہیں ہوتی۔

۲۔ اس جنگ سے کم زور اور مقہور اقوام کو کسی فائدے کی توقع نہیں۔ اس لیے قدرتی طور پر کسی مغلوب ومقہور قوم کو جنگ کے ساتھ ہمدردی اور دلچسپی نہ ہے اور نہ ہونی چاہیے۔

۳۔ ہندوستان بھی اس جنگ میں اپنی مرضی سے شریک نہیں ہوا۔ کیوں کہ اس کے ساتھ بھی وہ معاملہ جس کا یہ مستحق تھا نہیں کیا گیا۔

۴۔ ہندوستان پر مسلط طاقت نے اپنے مفاد کے لیے یہ قطعی غلط مشہور کر دیا کہ

ہندوستان رضا کارانہ طور پر جنگ میں شریک ہے۔ حال آں کہ اس کے صحیح نمایندوں نے علی الاعلان ظاہر کر دیا کہ ہندوستانیوں کو موجودہ جنگ یورپ سے کوئی دلچسپی اور ہمدردی نہیں ہے۔

۵۔ اس امر کے ثبوت کے لیے یہ کافی ہے کہ مسلط حکومت ہندوستانیوں کے اس فطری حق کو بھی استعمال کرنے نہیں دیتی کہ وہ جنگ کے متعلق اپنا نقطۂ نظر اور دلی خیال ظاہر کریں۔ یا اس کی اشاعت و تبلیغ کریں۔ چناں چہ حکومت نے دارو گیر اور گرفتاریوں کا بے پناہ طوفان برپا کر دیا۔

۶۔ موجودہ جنگ میں امداد و معاونت کا شرعی حکم جمعیت علماے ہند نے اپنی میرٹھ والی تجویز میں جو اکتوبر ۱۹۳۹ء میں پاس ہوئی اور اس مکتوب میں جو جمعیت علماے ہند کے ناظم اعلیٰ مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحب مرحوم نے جنوری ۱۹۴۰ء میں وایسراے ہند کو بھیجا تھا، واضح کر دیا ہے کہ موجودہ جنگ میں مسلمانوں کے لیے تعاون و معاونت کی کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔

۷۔ محبان وطن اور طالبان آزادی نے حکومت کے غلط پروپیگنڈے کی حقیقت دنیا پر روشن کرنے اور اظہار خیال کی آزادی محفوظ رکھنے کے لیے جو ستیہ گرہ شروع کی ہے جمعیت علما ان کو اقدام کو حق بہ جانب سمجھتی ہے اور ان تمام محبان وطن اور ارکان جمعیت علما کو جو قید و بند کی مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں مبارک باد دیتی ہے اور ان کی قربانیوں کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتی ہے۔

۸۔ ملک کی موجودہ حالت اور وقت و فضا کی نزاکت اس امر کی مقتضی ہے کہ تحریک سول نافرمانی کا نظم و ضبط پوری طرح قایم رکھا جائے اور دشمنان آزادی کو موقع نہ دیا جائے کہ وہ تحریک کی افادی حیثیت کو نقصان پہنچانے کی صورتیں پیدا کر سکیں۔

۹۔ مجلس عاملہ اس امر کا خیال رکھے گی اور وقتاً فوقتاً ہدایات جاری کرتی رہے گی کہ اس سلسلے میں اس کے ارکان کے اقدامات ضبط و نظم کی حدود میں رہیں اور کوئی اختلال واقع نہ ہو۔

۱۰۔ یہ واضح رہے کہ ہندوستان کی موجودہ حالت اور ہندوستانیوں کی موجودہ پوزیشن کا تقاضہ یہ ہے کہ سول نافرمانی کرنے والا عدم تشدد کا پابند ہو اور یہ یقین رکھتا ہو کہ

ہندوستانیوں کے لیے موجودہ حالت میں عدم تشدد کا راستہ ہی مفید ہے تشدد کا راستہ خطرناک ہے"۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کا خطبۂ صدارت اور مولانا محمد سجاد کی تعزیت:

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ نے اپنے خطبۂ صدارت اجلاس سیزدہم منعقدہ لاہور میں مولانا ابوالمحاسنؒ کے انتقال پر ان الفاظ میں اپنے رنج و غم کا اظہار فرمایا:

> حضرات! رفقائے کار کے اس اجتماع میں ہم حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم اور برگزیدہ شخصیت کو فراموش نہیں کر سکتے۔ جنھوں نے گذشتہ تیس سال میں مسلمانان ہند کی زبردست خدمات انجام دی ہیں۔ اسی عرصے میں مسلمانان ہند کی تمام اہم مذہبی اور سیاسی تحریکات میں کوئی ایک تحریک بھی ایسی نہیں ہے جس میں مرحوم نے پورے جوش اور سرگرمی کے ساتھ نمایاں حصہ نہ لیا ہو۔ جمعیت علمائے ہند میں ان کی شخصیت بہت اہم تھی۔ انھوں نے اپنی تمام زندگی جمعیت علما کی خدمت اور اس کو ترقی دینے کے لیے وقف کر دی تھی۔ اپنی زندگی کے آخری دور میں مرحوم جمعیت علمائے ہند کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے۔ ان کی وفات مسلمانوں کے لیے عموماً اور جمعیت علمائے ہند کے لیے ایک ایسا قومی و ملی صدمۂ عظیم ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی"۔

سبھاش چندر بوس کا ہندوستان سے فرار:

۱۶ر جنوری ۱۹۴۱ء: ۱۶ر جنوری ۱۹۴۱ء کی صبح صبح لوگوں نے اخبار میں ایک خبر پڑھی۔ "سبھاش چندر بوس اپنے گھر سے غائب"۔ یہ ایک حیرت انگیز خبر تھی۔ پہلے لوگوں کو اس خبر پر یقین ہی نہیں آیا، لیکن سچائی جب اچھی طرح ظاہر ہوگئی تو افواہوں کا بازار گرم ہو گیا۔ کچھ لوگ یہ کہتے سنے گئے کہ نیتا جی سادھو ہو کر ہمالہ کی طرف چلے گئے، کرنل محبوب احمد کی روایت کے مطابق سبھاش بابو نے یہ داستان خود سنائی۔ کرنل محبوب لکھتے ہیں:

نیتا جی نے مجھے بتایا:

وہ مارچ ۱۹۴۴ء کا مہینہ تھا۔ ایک دن فرصت کے وقت میں نے خود نیتا جی سے اصرار کیا تھا کہ وہ ہندوستان سے نکل بھاگنے کی کہانی کے بارے میں کچھ وضاحت فرمائیں اور یہ میری خوش نصیبی ہے نیتا جی نے وہ کہانی مجھے سنائی:

''میں بھارت سے باہر جانے لیے بہت چین تھا، کیوں کہ بھارت سے باہر جا کر ہی صحیح معنوں میں، میں بھارت کی خدمت کر سکتا تھا، مجھے روس میں کچھ ایسے لوگ ملے تھے جنھوں نے اس معاملے میں مجھ سے تعاون کا پورا وعدہ کیا تھا، لیکن تب میں یہ فائدہ نہ اٹھا سکا تھا۔ اس کے دو سبب تھے۔ پہلا تو یہ کہ مجھے کلکتہ کارپوریشن کے بے حد ضروری کام نپٹانے تھے اور دوسرا یہ کہ میرے چہرے پر اس وقت داڑھی نہیں تھی، جو مجھے باہر نکل بھاگنے میں مددگار ہوتی۔ وہ آدمی جو میرے ساتھ کابل تک گیا تھا، اس کا یہاں کے سوویت سفارت خانے میں اچھا رسوخ تھا۔

کلکتہ کارپوریشن کے سارے کام نپٹانے کے بعد میں نے بلا پس و پیش یہ ظاہر کر دیا کہ میری طبیعت اچھی نہیں ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی خبر اڑ گئی کہ میں روحانی ریاضت میں منہمک ہوں اور اس دوران میرا کسی سے ملنا ممکن نہیں ہے۔ میں نے اپنے خاندان کے تمام افراد کو بھی ہدایت کر دی تھی کہ وہ لوگ یہ کوشش کرتے رہیں کہ کوئی مجھ سے ملنے نہ آئے۔ اگر بہت ضروری ہو تو ٹیلیفون پر بات چیت کی جا سکتی تھی۔

یہاں تک کہ میں نے اپنے گھر آنے والے مہمانوں سے بھی ملنا بند کر دیا تھا۔

میں نے ۵ر دسمبر ۱۹۴۰ء سے اپنی ڈاڑھی بڑھانی شروع کر دی تھی اور یہ سلسلہ ۱۵ر جنوری ۱۹۴۱ء تک چلتا رہا۔

محبوب! ان چالیس دنوں کے دوران میری بڑھی ہوئی داڑھی دیکھ کر مجھے کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ دراصل میں نے اپنے سارے عزائم پوشیدہ رکھے تھے اور پوری طرح مطمئن تھا کہ میرے بارے میں اب کسی کو کچھ معلوم نہیں ہو سکتا۔ میری بڑھی ہوئی داڑھی سے واقفیت کا مطلب تھا کہ میرے غائب ہونے کے بعد سرکار یہ پتہ لگا لیتی کہ میں کسی اسلامی ملک کی طرف فرار ہوا ہوں اور اس ملک میں میرا سراغ لگا لینا کچھ مشکل نہ ہوتا۔ یہ حقیقت ہے کہ میں اپنے عزم و اقدام پر بہت سوچ بچار کر عمل پیرا ہوا تھا۔ میں اپنے مکان کے جس

کمرے میں تنہائی کے دن گزار رہا تھا، وہ کافی وسیع و عریض تھا۔ ۴ر دسمبر ۱۹۴۰ء کو ہی میں نے اس کمرے کو ایک پردے کے ذریعہ دو حصوں میں بانٹ دیا تھا۔ اس انتظام کے بعد میں نے گھر میں یہ اعلان کر دیا کہ پچھلے حصے میں، میں پوجا پاٹ اور آرام کرتا ہوں ادھر کوئی نہیں آسکتا۔ سامنے والے حصے میں آنے کی اجازت میں نے اپنی چودہ سالہ بھتیجی کو دے دی تھی۔ وہی مجھے کھانا، پانی اور دوا وغیرہ دے جاتی تھی۔

وہ ۱۴ر جنوری ۱۹۴۱ء کا دن تھا جب میری بھتیجی میرے لیے دوپہر کا کھانا لے کر آئی تو میں نے بڑے پیار سے اسے اپنے پاس بلایا اور کہا، بیٹی میری پیاری بیٹی، آج میں تمہیں کچھ خاص بات بتا رہا ہوں۔ اسے دھیان سے سنو اور آج رات سے ہی اس پر عمل کرنا شروع کر دو۔ مجھے یقین ہے کہ تم اس کام میں میری مدد کروگی۔

میں نے اپنی بھتیجی کو بتایا کہ میں ۳۶ گھنٹے بعد کلکتہ چھوڑ دوں گا اور پشاور، کابل ہوتے ہوئے بدیش چلا جاؤں گا۔ بدیشوں میں میں ان نیتاؤں سے رابطہ قایم کروں گا جو گوری حکومت سے برسرپیکار ہیں، میں وہاں بھی انگریزوں کے خلاف مورچے تیار کروں گا اور لندن سرکار کی نیند حرام کر دوں گا۔ بیٹی! میں نے بھارت سے بھاگنے ہی کے لیے اپنی ڈاڑھی بڑھائی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس شکل میں مجھے کوئی پہچان نہیں سکے گا۔

بیٹی، تمہیں یہ ساری باتیں ۳۶ گھنٹے تک کسی کو نہیں بتانی ہیں۔ ہاں! تم رات کا کھانا اور دوسرے دن کا کھانا وقت پر میرے کمرے میں پہنچا دینا، لیکن یہ بات کسی کے کان تک نہیں پہنچنی چاہیے کہ میں نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟ جب تم دوسری رات کا کھانا لے کر جاؤ گی، تب اس کے بعد اپنی دادی یعنی میری ماں کو جا کر بتا دینا کہ چچا کو پتا نہیں کیا ہوگیا ہے کہ وہ کل سے کھانا نہیں کھا رہے ہیں؟

آخر میں میں نے اسے سمجھایا بیٹی! گھر میں میرے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں تم میری مدد کرو، باہر تھوڑی دیر تک تمہارا بھائی (ڈاکٹر شیشر کمار بوس، موجودہ ممبر لیجس لیٹو اسمبلی بنگال) میری مدد کرنے کو تیار ہے۔

میری باتیں سن کر، میری بیٹی نے جو جواب دیا اس سے میرا سر فخر سے تن جاتا ہے! محبوب! اس نے کہا تھا "چچا! آپ صرف میرے چچا ہی نہیں بلکہ سارے دیش کا بیٹا، بھائی، سپاہی، رہنما اور قائد ہیں"۔

میں آزادی لے کر لوٹوں گا:

یہ کہتے کہتے میری بیٹی ہلک ہلک کر رونے لگی۔ اس معصوم بچی کا رونا دیکھ کر خود میری آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ بڑی مشکل سے میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے اسے کہا تھا۔ میری بہادر بیٹی! میں بہت ہی جلد تمھارے لیے آزادی لے کر لوٹ رہا ہوں۔ تم ہمت سے کام لو۔

آخر میں میری بھتیجی، میری صرف وہی ایک راز دار، وہ ننھی سی گڑیا میرے پیر کو چھو کر پرنام کرنے کے بعد واپس چلی گئی تھی۔

اگلی صبح میرے گھر سے غائب ہونے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور ان چھتیس گھنٹوں کے درمیان مجھے بہت دور نکل جانے کا موقع مل گیا تھا۔

۱۴ر جنوری ۱۹۴۱ء کی آدھی رات کو نیتا جی نے اپنا عزیز گھر چھوڑ دیا۔ اس وقت وہ مولوی کے بھیس میں تھے۔ ان کے ساتھ ان کا بھتیجا شیشر کمار بوس تھا۔ خاموش رات کی اس تاریکی میں آناً فاناً نیتا جی کا سامان موٹر میں رکھا گیا اور پھر ایک نامعلوم منزل کا لامتناہی سفر تھا اور وہ عظیم ترین انسان! نیتا جی چھپتے چھپاتے کلکتہ سے تقریباً ۳۰۴ کلومیٹر دور گومو ریلوے اسٹیشن پہنچے۔ گومو پہنچنا اس لیے ضروری ہو گیا کہ وہ ہاوڑہ سے ریل میں سوار ہونا مناسب سمجھتے تھے۔ کلکتہ کے گھر گھر میں ان کی تصویر موجود تھی اور عین ممکن تھا کہ ڈاڑھی بڑھا لینے کے باوجود وہ کہیں کسی وقت بھی پہچانے جا سکتے تھے۔

سفر در سفر:

گومو جنکشن پر پہنچتے ہی انھیں اندازہ لگ گیا کہ ان کے غائب ہونے کی خبر پھیل چکی ہے۔ ریلوے اسٹیشن کے چپے چپے پر انگریزی پولیس اور سراغ رسانوں کی نگراں نظریں اس بات کی شاہد تھیں کہ ان کی غیبت نے انگریز حکومت کو ہراساں کر دیا ہے، پولیس اور خفیہ محکمے کے جوان بڑی مستعدی سے نگراں تھے اور ہر آنے جانے ولی ریل گاڑیوں کے جائزے لے رہے تھے۔ اس وقت رات کے آٹھ بجے تھے۔ نیتا جی گومو سے پشاور جانے والی ریل گاڑی کے دوسرے درجے میں سوار ہوئے تھے۔ ٹھیک سوا آٹھ بجے خفیہ پولیس نے گاڑی کی تلاشی لینی شروع کر دی تھی۔ اس کے آگے کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے نیتا جی نے

خود بتایا۔

''پشاور ایکسپریس کے ایک کونے میں مجھے بیٹھنے کے لیے ایک سیٹ مل گئی تھی۔ میرے بیٹھنے کے پانچ منٹ بعد ہی پولیس نے ہر ڈبے میں میری کھوج شروع کردی۔ میرے ڈبے کے ٹھیک سامنے دھنباد، رانچی رینج کے آئی۔ جی (سی۔ آئی۔ ڈی) آکر کھڑے ہوگئے۔ اس آئی۔ جی کی خاص طور پر تعیناتی کی گئی تھی۔ اس آئی جی نے وہیں کھڑے کھڑے ہر ڈبے میں پولیس کے پانچ چھ جوانوں کو بھیجنے کے بعد اپنے ایک جونیر پولیس افسر سے کہا تم سبھی لوگ پلیٹ فارم پر ہر آنے جانے والے پر نظر رکھو۔ اس ڈبے کی تلاشی میں خود لے لوں گا۔ یہ سب میں بڑے غور سے سن رہا تھا اور اپنے کمبل میں دبکا ہوا آنے والی گھڑی کا تصور کرکے لرز اٹھا تھا۔ خود آئی۔ جی کے ذریعے اپنے ڈبے کی تلاشی لینے کی بات سن کر ایک پل کو میرے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں، لیکن دوسرے ہی پل انجن کی تیز سیٹی کے ساتھ میں نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ تمام پولیس کے جوانوں کو ڈیوٹی سونپ کر آئی۔ جی صاحب خود میرے ڈبے میں داخل ہوئے۔ یہ سب دیکھ میری دھڑکن تیز ہوگئی۔ آئی۔ جی صاحب نے کچھ لوگوں کی تلاشی لینی شروع کی۔ ان کی متجسس اور تیز نگاہیں ہر آدمی کا ایکسرے کررہی تھیں۔ پورے ڈبے میں عجب سراسیمگی کا عالم تھا ہر فرد پر دہشت کے آثار نمایاں تھے۔ خاموشی کی گھٹی گھٹی سی فضا تھی۔ کچھ لوگوں کی تلاشی لینے کے بعد آئی۔ جی صاحب ڈبے سے نیچے اتر کر پلیٹ فارم پر ٹھیک اسی جگہ پہنچ گئے جہاں وہ پہلے کھڑے تھے۔ اپنی جگہ پر کھڑے ہونے کے ساتھ ہی انھوں نے ایک ٹک میری طرف دیکھنا شروع کردیا۔ ان کی آنکھوں کی تیز شعاعیں میرے دل میں اتر رہی تھیں۔ میں بڑی امید وبیم کے عالم میں تھا، نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والی حالت تھی۔

محبوب! تمھیں جان کر حیرت ہوگی کہ انجن کی آخری سیٹی دینے پر میری گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کے ساتھ ہی اس آئی۔ جی نے مجھے سیلوٹ کیا تھا اور مسکرا پڑا تھا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے اس نے مجھے پہچان لیا تھا اور اس وقت وداع ہوتے ہوئے جیسے اشارے سے کہہ رہا ہو۔ جاؤ میرے دوست، وطن کو جلدی آزاد کراؤ''۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے کرتے نیتا جی کی آواز بھرا گئی''۔

حفاظت کا یہی تقاضا تھا:

نیتا جی نے آگے بتایا کہ

''احتیاط کے لحاظ سے ہم نے کابل ندی چمڑے کے تھیلوں کے سہارے پار کی۔ اس پار پہنچنے پر بڑی دیر تک ہم کسی سواری کا انتظار کرتے رہے۔ کافی رات آجانے پر بڑی مشکل سے ایک کھلی ٹرک ملی۔ ہم لوگ اسی ٹرک پر بیٹھ کر آگے کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ کڑاکے کی سردی، برفانی فضا اور رات کا سفر! چاروں طرف برف باری ہو رہی تھی۔ ایسے میں ہمارے پاس ایک بھی گرم کپڑا نہیں تھا۔ بکسوں سے لدی ہوئی ٹرک پر ہم لوگوں نے ٹرک کے سب سے اونچے حصے پر بیٹھ کر ساری رات گزار دی۔

دوسری رات ہم لوگ بھٹ کاک میں تھے۔ یہاں افسروں نے ہم سے پاسپورٹ مانگے۔ رحمت خان نے لال پوری کے مکھیا کا دیا ہوا خط افسروں کو دکھلایا اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے بتایا میرا بھائی گونگا اور بہرا ہے۔ لیکن وہ افسر راضی نہ ہوا۔ آخر اسے منانے کے لیے دو روپے دیے۔ بعد میں اس نے میری کلائی میں بندھی گھڑی بھی مانگ لی۔

تقریباً چار پانچ بجے دن میں ہم کابل پہنچے۔ اس ٹرک نے ہمیں لاہور گیٹ پر اتار دیا، جہاں سے ہم ٹھہرنے کے لیے کسی مقام کی تلاش میں چل پڑے۔ اس وقت کابل میں موسم بہت خوش گوار تھا۔ تھوڑی کوشش کے بعد ہمیں ٹھہرنے کی جگہ مل گئی۔

محبوب! اس وقت باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ دروازہ کھلا رکھنا ممکن نہ تھا، جب کہ کوٹھری میں دھواں بھرا رہنے کی وجہ سے دم بھی گھٹ رہا تھا۔ ہم نے اپنا جسم گرم رکھنے کے لیے کچھ لکڑی کے کندے اکٹھے کر کے جلا لیے تھے۔ شام کو بھگت رام بازار سے کھانے کے لیے سوکھی روٹیاں اور کباب لے آیا۔ ساتھ ہی روشنی کے لیے کچھ موم بتیاں بھی''۔

حلف نامۂ آزادی:

۲۶ر جنوری: سابقہ روایات کے مطابق امسال بھی ۲۶ر جنوری (۱۹۴۱ء) کو آل انڈیا کانگریس نے اپنی ماتحت جماعتوں کو حکم دیا کہ وہ اس روز سارے ہندوستان میں جلسۂ

عام کے روبہ رو حسب ذیل حلف نامہ پڑھیں:

"ہم یقین رکھتے ہیں کہ دوسرے ملکوں کی طرح ہندوستان کو بھی آزادی حاصل کرنے، اپنی محنتوں کا ثمر پانے، ضروریات زندگی حاصل کرنے اور ترقی کے تمام مواقع مہیا کیے جانے کا فطری حق حاصل ہے۔ ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر کوئی گورنمنٹ عوام کو یہ حق دینے کو تیار نہ ہو تو عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے تبدیل یا ختم کر دے۔ برٹش گورنمنٹ نے ہندوستان کے لوگوں کو نہ صرف آزادی کے حق سے محروم رکھا ہے، بلکہ عوام کو اقتصادی، سیاسی، معاشرتی اور روحانی طور پر پریشان کر دیا ہے۔ اس لیے ہندوستان کو برطانوی حکومت سے قطع تعلق کر کے مکمل آزادی حاصل کر لینی چاہیے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ آزادی حاصل کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ تشدد نہیں ہے۔ ہندوستان نے پر امن رہ کر بہت طاقت حاصل کی ہے۔ اور سواراجیہ کی طرف پر امن رہ کر کئی منزلیں۔ طے کر چکا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس طریقے سے ملک آزادی حاصل کر لے گا۔

ہم ایک بار پھر حلف اٹھاتے ہیں اور عہد کرتے ہیں کہ پر امن اقدام خصوصاً ڈائریکٹ ایکشن کے ذریعے یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ فرقہ وارانہ اتحاد اور چھوت، چھات دور کرنے کے عملی پروگرام پر سختی کے ساتھ کاربند رہیں گے۔

ہم بلا امتیاز مذہب و ملت انسانوں کے درمیان محبت اور اخوت پیدا کرنے کا ہر موقع استعمال کریں گے۔ ہم ان لوگوں کو ذلالت اور غریبی سے اوپر اٹھانے کی کوشش کریں گے جو پس ماندہ اور دبے ہوئے ہیں۔ اگر چہ ہم امپیریلزم کا خاتمہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، لیکن ہم انگریز افسروں یا انگریز لوگوں سے کوئی پرخاش نہیں رکھتے۔ ہم جانتے ہیں کہ اونچی ذات والے ہندوؤں اور ہریجنوں کے درمیان تمیز اٹھ جانی چاہیے۔ مسلمان اور ہندوؤں کا فرض ہے کہ وہ زمانۂ کاروبار میں اس تمیز کو یک سر ختم کر دیں۔ ہمارے مذہبی اعتقاد خواہ کچھ ہی ہوں۔ ہم سب مادرِ وطن کی اولاد ہیں۔ ہمارے اقتصادی قومی اور سیاسی مفاد یک ساں ہیں۔

چرخہ اور کھادی (کھدر) ہمارے تعمیری پروگرام کا لازمی جزو ہیں۔ یہ ہندوستان کے سات لاکھ دیہات سدھار کے لیے اور عوام کا افلاس دور کرنے کے لیے ہیں، اس لیے ہم باقاعدہ چرخہ کاتیں گے۔ اپنے استعمال کے لیے صرف کھادی استعمال کریں گے اور دیہات کی کھڈیوں کے مال کا استعمال ضروری کریں گے اور ہم عہد کرتے ہیں کہ کانگریس

کے ڈسپلن کے سختی کے ساتھ پابند ہوں گے۔ اس کی سیاست کی پیروی کرتے ہوئے کانگریس کے حکم کے پابند رہیں گے، جو ملک کی آزادی کی جدوجہد کے لیے کانگریس کی طرف سے ہندوستان کی تحریک آزادی کے سلسلے میں نافذ ہو"۔ (کاروانِ احرار، ج ۵)

شیخ الاسلامؒ کے زیر صدارت اتحاد کانفرنس ملتان:

جنوری ۱۹۴۱ء: ماہِ رواں میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی زیر صدارت ملتان میں اتحاد کانفرنس منعقد ہوئی۔ یہاں قومی تنازعہ کے پیش نظر مسلمانوں کا پانی تک بند کردیا گیا تھا۔ مارکیٹ، سرائیں، تفریح گاہیں ہندو مسلم کے لیے امتیاز گاہ بن گئی تھیں۔ اسی اندوہ ناک فضا میں حضرت شیخؒ نے اتحاد بین القوم کی ایسی فضا پیدا کی کہ حالات معمول پر آگئے۔ اسے حضرت شیخؒ کے کشف وکرامات سے تعبیر کیا گیا۔

(مولانا آزاد۔ ایک سیاسی ڈایری، ص ۳۰۲)

سرشاہنواز فارمولا:

۸رفروری ۱۹۴۱ء: نواب سرشاہنواز آف ممدوٹ جو مسلم لیگ کے نام ور رہنما تھے، کونسل لیگ کے اہم رکن تھے اور آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لاہور مارچ ۱۹۴۰ء کے صدر استقبالیہ کمیٹی تھے۔ انھوں نے کونسل لیگ میں ۸رفروری ۱۹۴۱ء کو پنجاب کی تقسیم کے بارے میں ایک تجویز پیش کی تھی اور اگرچہ اس پر کونسل کا ردعمل معلوم نہیں ہوسکا، لیکن تجویز ایک ٹریکٹ کی صورت میں شایع ہوگئی تھی۔ اس تجویز پر محمد اسلم موردتی پوری نے ایک مضمون ۳۱ر اکتوبر ۱۹۸۱ء کے روزنامہ جنگ لاہور میں لکھا تھا۔ اس کے اہم حصے مرزا غلام نبی جاں باز مرحوم نے کاروان احرار، ج ۸، ص ۹۰۔ ۱۸۶ میں اپنے تبصرے کے ساتھ چھاپ دیے ہیں، ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب کی تقسیم میں ضلع کو تقسیم کا یونٹ بنانے کے بجائے تحصیل کو تقسیم کا نقطہ قرار دینے، مسلمانان پنجاب کے خلاف ہندو وانگریز سازش، تقسیم کے مسودے میں ماؤنٹ بیٹن کا ردو بدل، ہندو کی مسلم دشمنی، ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان پاکستان کا مشترکہ گورنر جنرل بنانے سے انکار کا انتقام، کشمیر کے لیے ہندوستان کو راستہ دے دینے کا الزام وغیرہ وغیرہ جو لگائے جاتے ہیں اس کی بنیاد کی پہلی اینٹ مسلم لیگ کے رہنما

نواب سر شاہ نواز آف ممدوٹ نے رکھی تھی۔

کانگریس اور ہندو مہا سبھا کی متذکرہ بالا قراردادوں کی تائید مسلم لیگی رہنما نواب سر شاہ نواز کی تجویز نے کردی۔ نواب سر شاہ نواز رئیس آف ممدوٹ، (صدر استقبالیہ انڈیا آل مسلم لیگ کانفرنس لاہور۔ منعقدہ مارچ ۱۹۴۰ء) کی ایک تجویز جو انھوں نے مسلم لیگ کونسل کے سامنے پیش کی، اس تجویز پر ۸ر فروری ۱۹۴۱ء کی تاریخ درج ہے۔

۳۱ر اکتوبر ۱۹۸۱ء کے روز نامہ ''جنگ'' لاہور میں ملک اسلم موروثی پوری کا ایک مضمون شایع ہوا۔ جس میں مضمون نگار نے نواب سر شاہ نواز کی حسب ذیل تجویز نقل کی ہے:

''پنجاب میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد ۵۴ فی صد ہے اور اتنی قلیل اکثریت سے مسلمان اس قابل نہیں ہو سکتے کہ وہ موثر طور پر ایک آزاد اور خود مختار اسلامی ریاست قایم کرنے کے قابل ہو جائیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی علاقائی سرحدوں میں مناسب طور پر ردو بدل کرے۔ اس لیے میں تجویز کرتا ہوں کہ انبالہ ڈویژن کو صوبۂ پنجاب سے نکال دیا جائے۔ (یعنی جو پنجاب پاکستان میں شریک ہے)۔

اپنی اس تجویز کے دوران آگے چل کر سر نواب شاہ نواز لکھتے ہیں کہ

مسلمانان پنجاب کے جذبات یہی رہے ہیں کہ انبالہ ڈویژن کو صوبۂ پنجاب (پاکستان میں) شامل نہ کیا جائے۔ لیکن چند مفاد پرست ایسے بھی ہیں جو نہ صرف انبالہ ڈویژن کو بہ دستور پنجاب میں شامل رکھنے پر تلے ہوئے ہیں، بلکہ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ دہلی، علی گڑھ اور بلند شہر تک کا علاقہ بھی صوبۂ پنجاب میں شامل رہے۔ اس تجویز کے پس پردہ اُن مفاد پرست مسلمانوں کا مقصد اپنے ہندو دوستوں کی ناراضگی سے بچنا ہے۔ انبالہ ڈویژن، صوبۂ دہلی اور علی گڑھ مسلمانوں کی فکری اور علمی میراث کا مرجع ہے لہٰذا ان کا پنجاب (پاکستان) کا جز بنا ضروری ہے۔

سر شاہ نواز نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا:

''یہ درست ہے کہ اس طرح کچھ زائد رقبہ مسلمانوں کو ضرور مل جائے گا، مگر پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب گھٹ کر صرف ۵۴ فیصد رہ جائے گا۔ اور یہ عظیم تر نقصان ہے۔ باقی رہ گیا تہذیب و تمدن کا معاملہ تو کیا ایسی خوب صورت عمارات ہر جگہ موجود نہیں اور علی گڑھ یونی ورسٹی مسلم پنجاب میں دوبارہ نہیں بنائی جاسکتی؟ کہ ہم خواہ مخواہ خسارے کا

سودا کریں"۔

شاہ نواز نے اسی طرح (کی رائے) بنگال کے متعلق بھی پیش کی۔ فرماتے ہیں کہ "بردوان ڈویژن کو بنگال سے کاٹ دینا چاہیے تاکہ بقیہ بنگال میں مسلمانوں کو باسٹھ فیصدی کی فوقیت حاصل ہو سکے۔ جب کہ متحدہ بنگال میں مسلمان صرف اکاون فیصد ہیں۔

مضمون نگار لکھتا ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بنگال کے متعلق خان صاحب کا پلان صرف برائے ردیف ہے کیوں کہ یہ انتہائی مختصر ہے جب کہ اس کے برعکس پنجاب کے مسئلے پر انھوں نے پوری شرح و بسط سے روشنی ڈالی ہے۔ لہٰذا یہ قیاس ہے کہ خان شاہ نواز خان کو اصل دلچسپی پنجاب کی تقسیم سے ہے"۔

بہ قول مضمون نگار شاہ نواز کی یہ تجویز سات صفحات پر مشتمل تھی۔ جن میں تین صفحات میں ریاستوں کے معاملات پر بھی انھوں نے بحث کی، لکھتے ہیں:

انڈین اسٹیٹس جو ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ واقع ہیں۔ باہم الحاق کر کے اپنی علاحدہ فیڈریشن تشکیل دیں۔ حیدرآباد (دکن) کو البتہ آزادیٔ کامل عطا ہونی چاہیے۔ تاکہ تاج برطانیہ سے اس کے خصوصی تعلقات برقرار رہیں۔ صوبۂ سرحد اور بلوچستان کی ریاستوں، دیر، چترال، سوات، قلات، مکران وغیرہ کے متعلق یہ تجویز کیا کہ چوں کہ یہ انڈین سٹیٹس کے کسی بلاک کے نزدیک ملحق واقع نہیں ہیں۔ لہٰذا نہیں اپنا علاحدہ یونٹ بنانے اور ریاستوں کی بین الملکی فیڈریشن کے ساتھ الحاق کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ پھر ان ریاستوں کو پاکستان کے ساتھ الحاق کا اختیار ملنا چاہیے۔

مضمون نگار متذکرۂ بالا عبارت کے آخر میں لکھتا ہے کہ

"برطانوی حکومت نے جب انجام کار مطالبۂ پاکستان تسلیم کر لیا تو انڈین اسٹیٹس کے متعلق وہی فارمولا پیش کیا جو چھ سال قبل سر شاہ نواز نے پیش کیا تھا"۔

سر شاہ نواز نے اپنی تجویز کے آخر میں مسلمانوں کی سیاسی حیثیت پر اظہار خیال کیا ہے۔ اُن کی رائے میں ہندوستان میں چار طاقتیں ہیں۔ ہندو، مسلمان، انڈین اسٹیٹس اور برٹش گورنمنٹ، ہندو چوں کہ صرف ہندو راج قایم کرنے کے متمنی ہیں۔ لہٰذا وہ اس سے کم تر

کسی بھی بات پر سمجھوتا نہیں کریں گے۔ اسی لیے فطری طور پر ہندوستان کی بقیہ تینوں قوتوں (مسلمان، ریاستیں اور انگریز کو ہندوؤں کے خلاف متحد ہونا پڑے گا۔ اب رہ گیا انگریز .... تو اسے صرف اس بات سے غرض ہے کہ وہ اپنے اقتدار کو کس طرح طول دے سکتا ہے۔ لہٰذا وہ ہر اُس فریق کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہے جو کہ طاقتور ہے۔ اور جو اس کے اقتدار کو طول دینے میں مد بھی ثابت ہو سکے۔ لہٰذا مسلم لیگ اور والیانِ ریاست کو مل کر ایک متحدہ محاذ تشکیل دینا چاہیے۔ والیانِ ریاست اور مسلم لیگ کا متحدہ محاذ کس طرح قایم ہو؟ کہ لیگ والیان ریاست کے مطالبے کی تائید کرے۔ اُن کا مطالبہ اور خواہش یہ ہے کہ اُن کی وحدت اور ریاستی خود مختاری بہ ہر صورت قایم رہے۔ لہٰذا مسلم لیگ کو ریاستی حکم رانوں کی ہمدردیاں اور تعاون حاصل کرنے کی خاطر اور مجوزہ متحدہ محاذ قایم کرنے کی غرض سے ریاستی حکم رانوں کے موقف کی حمایت کرنا ہوگی۔ اور ان کے موقف کی بہترین صورت یہ ہے کہ مسلم لیگ ہندوستان کو دو حصوں میں نہیں بلکہ تین ٹکڑوں میں تقسیم کرنے اور تین ریاستوں یا فیڈریشنوں کے قیام کی حمایت کرے۔ تیسری فیڈریشن انڈین اسٹیٹس پر مشتمل ہوگی۔

(بہ قول مضمون نگار) متذکرہ بالا تجویز کے مطالعے کے بعد فطری طور پر چند سوال اُبھرتے ہیں، جن کا تسلی بخش جواب ضروری ہے۔

۱۔ اس دستاویز کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد بھی مسلم لیگی زعما اس عنوان پر شدومد کے ساتھ بحث کرتے رہے ہین کہ آیا پاکستان کی مجوزہ اسکیم میں ہندو اکثریت کے پنجابی علاقوں کو مسلم پنجاب کے ساتھ شامل رکھا جائے یا انھیں الگ کر دیا جائے۔ لہٰذا پنجاب و بنگال کو تقسیم کرنے کی اسکیم کانگریس کی نہیں بلکہ خود مسلم لیگی لیڈروں کے ذہن کی پیداوار ہے۔

۲۔ ریڈکلف نے باؤنڈری کے متعلق جو ایوارڈ ۱۹۴۷ء میں دیا، کم و بیش یہی چیز سر شاہ نواز ۱۹۴۱ء میں پیش کر چکے تھے اور شاہ نواز کے بہ قول یہ کہ پنجاب کے اکثر و بیشتر لوگوں کی خواہش تھی کہ انبالہ ڈویژن کو پاکستان میں شامل نہ کیا جائے۔

ریڈکلف نے بہت حد تک یہی کچھ کیا لیکن مزید کتر بیونت کر کے ناانصافی اور زیادتی کا ارتکاب کیا۔

۳۔ سر شاہ نواز خان وحدت پنجاب کے حامیوں پر مفاد پرستی کا الزام لگاتے ہیں۔

کیا یہی الزام خود اُن پر عائد نہیں ہوتا کہ پنجاب تقسیم کرا کے وہ ذاتی اور سیاسی اغراض کی تکمیل چاہتے تھے؟ آخر وہ اغراض کیا تھیں وعلیٰ ہذا القیاس نواب سر شاہنواز رئیس آف ممدوٹ کی طویل تجویز کے مطالعے کے بعد بے ساختہ کہنا پڑے گا۔

گلہ ہم اُن کا کرتے تھے قصور اپنا نکل آیا!

قارئین! اس تاریخی دستاویز کا مطالعہ سطحی نظر سے نہ کریں بلکہ گہرائی میں جھانک کر دیکھیں گے تو نہ صرف تقسیم پنجاب و بنگال ہی بلکہ ہمیں برصغیر کی تقسیم اور ریڈکلف ایوارڈ بھی دکھائی دے گا۔ نیز اس کے پس منظر میں کون سے محرکات تھے؟ یہ بھی قابلِ غور ہے!

نواب صاحب کی مندرجۂ بالا تجویز سے تین سوال سامنے آتے ہیں؛

(اول) یہ کہ ۱۹۴۰ء کے اجلاس منعقدہ لاہور (جس کے استقبالیہ کے صدر نواب صاحب تھے) اور لیگ ورکنگ کمیٹی کے ممبر بھی نیز قائداعظم کے لاہور میں میزبان بھی۔ لاہور اجلاس میں جو بنیادی قرارداد منظور ہوئی کیا اس میں سالم پنجاب کا مطالبہ شامل نہیں تھا؟ اگر انبالہ ڈویژن پاکستانی پنجاب کے لیے غیر مفید تھا تو اُس وقت نواب صاحب نے اس میں ترمیم کیوں مناسب نہیں سمجھی؟ ایک سال بعد اُنھیں یہ تجویز پیش کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

(دوم) نواب صاحب کو شبہ تھا کہ انبالہ ڈویژن کے پنجاب میں شامل رہنے سے پنجاب کے مسلمان چون فیصدی رہ جائیں گے اور اگر اقلیتیں متحد ہو جائیں تو پنجاب میں اسلامی ریاست کامیاب نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا انبالہ ڈویژن کا الگ ہو جانا ہی بہتر ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نواب صاحب نے ۱۹۱۶ء کے کانگریس کے میثاق لکھنو کا مطالعہ نہیں کیا۔ جس پر محمد علی جناح قائداعظم نے بہ طور صدر مسلم لیگ دستخط کیے تھے۔ اس ''میثاق'' کے ذریعے پنجاب کی چھپن فیصد مسلم آبادی کو پچاس فیصد میں بدل دیا گیا تھا اور اس کے مقابل یو پی کی تیرہ فیصد مسلم اقلیت کو بیس فیصدی حقوق دے کر اپنی ستر فیصد نشستوں کا کوئی نقصان نہیں کیا۔ لیکن پنجاب کی مسلم اکثریت کو چھپن کی بجائے پچاس کی اقلیت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ اگر نواب صاحب انبالہ ڈویژن کو محض اس خوف سے پنجاب سے علاحدگی کا مطالبہ کر رہے ہیں تو اُنھیں ''میثاق'' لکھنؤ کے تحت صدر مسلم لیگ سے یہ سوال کرنا چاہیے تھا کہ انھوں نے ۱۹۱۶ء میں میثاق لکھنؤ کیوں تسلیم کیا تھا؟

یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ متحدہ ہندوستان کے دونوں صوبے (پنجاب اوز بنگال) فرقہ وارانہ سمجھوتے میں ہمیشہ رکاوٹ رہے ہیں۔ کیوں کہ ان دونوں صوبوں میں مسلمانوں کی غالب اکثریت کے باعث غیر مسلم بہ دستور پریشان تھا اور وہ اسے مسلم راج سے منسوب کرتا رہا۔ یاد رہے ہنوز شمالی صوبہ سرحد میں اصلاحات کے نافذ ہونے کی کوئی امید نہیں تھی۔ بلوچستان میں بھی یہی حالات تھے۔ سندھ کا علاقہ صوبہ بمبئی میں شامل تھا اور وہاں کی مسلم اکثریت بمبئی کی ہندو اکثریت کے مقابلے میں اقلیت بنی ہوئی تھی۔ لے دے کر پنجاب اور بنگال ہی ایسے صوبے تھے جن سے ہندو خائف تھا۔ لیکن ۱۹۱۶ء کے میثاقِ لکھنؤ نے اُن کی یہ پریشانی دور کردی۔ یہ کانگریس کی بہت بڑی کامیابی تھی کہ اُس نے پنجاب اور بنگال کی اکثریت کا سارا مان توڑ کر رکھ دیا تھا۔

لہٰذا انبالہ ڈویژن کی پنجاب سے علاحدگی کے محرک کو ۱۹۴۰ء کے اجلاس میں مسلم لیگ کے صدر سے بات کرنی چاہیے تھی۔ ممکن ہے نواب صاحب کے تمام اندیشے دور ہو جاتے۔

پاکستان کیا ہے؟

تیسرا سوال اس قدر اہم ہے کہ اس ایک سوال سے کئی سوال مزید جنم لیں گے۔ مثلاً مضمون نگار اسلم ملک موروثی پوری اپنے مضمون کے شروع میں لکھتا ہے کہ

''راقم الحروف ایک اہم تاریخی دستاویز کو پیش کرنے سے ہچکچا تا رہا جو کہ قائداعظم کے کاغذات (قائداعظم پیپرس اسلام آباد) کے الٹنے پلٹنے سے محض اتفاقاً نظر پڑی تھی۔

یہ دستاویز دراصل ایک نوٹ ہے جو سر شاہ نواز خان آف ممدوٹ نے غالباً ذاتی حیثیت میں قائداعظم یا مسلم لیگ ہائی کمان کو لکھا تھا۔ اس کا عنوان ہے۔ ''پاکستان کیا ہے؟''

مضمون نگار کی مندرجۂ بالا عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ سر شاہ نواز کی تجویز مسلم لیگ ہائی کمان کی نظروں سے گزر چکی تھی۔ مگر مصلحتاً انھوں نے اسے نہ تو مشتہر کرنا مناسب سمجھا اور نہ ہی نظر انداز کیا۔ البتہ اُسے محفوظ کرلیا۔

اس سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ مسلم لیگ ہائی کمان کو سر شاہ نواز کی تجویز سے اتفاق

تھا۔ کیوں کہ خاموشی نیم رضا کے مترادف ہے۔

۱۱ر مئی ۱۹۳۱ء کو ہندو مہا سبھا نے اور ۸ر مارچ ۱۹۴۷ء کو کانگریس نے تقسیم پنجاب کی تجاویز پیش کیں اور ۸ر فروری ۱۹۴۱ء کو نواب سر شاہ نواز نے مسلم لیگ ہائی کمان کو تقسیم پنجاب کی تجویز دے کر کانگریس اور ہندو مہا سبھا کی تائید کر دی۔

اس کے ساتھ ہی سر اسٹیفورڈ کرپس برطانوی پارلیمنٹ کو اپنی رائے دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر مسلم لیگ کے دعویٰ کے مطابق پاکستان قایم کر دیا جائے تو اس سے فرقہ واریت کا مسئلہ حل نہیں ہوگا اور مسلم لیگ اگر اس مطالبے پر اڑی بھی رہی تو اسے وہ پاکستان نہیں ملے گا جس کا وہ مطالبہ کر رہی ہے۔ پنجاب میں اسے پورے انبالہ اور جالندھر ڈویژن سے دستبردار ہونا پڑے گا، اس کے علاوہ ماسوائے سلہٹ کے پورا صوبۂ آسام بھارت کے حوالے کرنا ہوگا۔ مغربی بنگال کا ایک وسیع علاقہ جس میں کلکتہ بھی شامل ہے جہاں مسلم آبادی صرف ۶ء۲۳ فیصد، ہے بھارت کو دینا پڑے گا اور ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم وہاں کے رہنے والے دونوں مناسب کے لوگوں کو قابل قبول نہیں ہوگا۔

(مشرق میگزین۔ ۲ر اکتوبر ۱۹۸۱ء)

مسٹر شاہ نواز کی تجویز سر اسٹیفورڈ کرپس کی برطانیہ کو آگاہی، کانگریس اور ہندو مہا سبھا کی تجاویز، قارئین ان پر غور کریں کہ یہ سارا کچھ کہاں سے چلا، ان کا محرک کون ہے اور بالآخر ان کے نتائج کیا ہوئے۔ (کاروانِ احرار، از جاں باز مرزا، جلد ۸، ص ۹۱۔ ۱۸۵)

چند سیاسی نقشے:

اس مقام پر ہندوستان، پاکستان، بنگال و آسام، پنجاب مشرقی و مغربی اور کشمیر کے نقشے دیے جا رہے ہیں۔ ان کا مطالعہ کیجیے اور سوچیے:

۱۔ ۱۹۳۷ء کے بعد سیاست کا جو طرز انداز اختیار کیا تھا اور رفتہ رفتہ اسے اپنی سیاست کا نصیب العین بنا لیا تھا، اس کے دس سالہ شور و ہنگامۂ ملک کی تقسیم ۱۹۴۶ء کے یوم راست اقدام سے شروع ہونے والے کلکلتہ ونوا کھالی سے شروع ہونے اور بنگال و بہار اور دہلی و پنجاب تک پھیل جانے والے فسادات، ان کی خوں ریزی، لوٹ مار، آتش زنی، اغوا، لاکھوں انسانوں کی دربدری، تباہی و بربادی، کشمیر کے نصف صدی سے زیادہ کے

جھگڑے، جس کے لیے جھگڑے، فساد، قتل و غارت گری کے الفاظ بہت معمولی ہیں، کے بعد ہم نے کیا پایا ہے؟

مرزا جان باز کے لفظوں میں:

> ''اگر انبالہ ڈویژن کو پنجاب سے الگ کر دیا جائے (جب کہ الگ کر دیا گیا)، تو پاکستان پاناب کا طول و عرض کیا رہ جاتا ہے''؟ (جیسا کہ نقشے میں دیکھا جا سکتا ہے)۔

۲۔ سوچیے کہ اس تقسیم اور جھگڑوں کی بہ درست کون کون سے مسایل ہمارے حصے میں آتے ہیں اور جن حالات سے دونوں قومیں گزر رہی ہے، جن کی دو نسلیں بھگتان بھگت چکی ہیں، تیسری نسل عذاب میں مبتلا ہے، ان کے لیے اس عذاب سے چھٹکارے کی کوئی مدت ہے یا نہیں؟

۳۔ پچھلے صفحات میں ''سر شاہ نواز فارمولا'' کے ضمن میں تقسیم پنجاب کے مسئلے میں لیگی رہنماؤں کے کردار اور بامین اختلاف رکشن مکش کے جو واقعات مطالعے میں آئے ہیں اور جن حقایق کا انکشاف ہوا ہے، ان پر مزید روشنی اسی جلد کے آیندہ صفحات میں ''جناح صاحب کے نام خلیق الزماں کا ایک خط'' کے مضمون سے بھی پڑتی ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ ایسا نہ تھا کہ لیگ کے بڑے رہنماؤں کو اس کی خبر نہ ہو! وہ دامن جن کی پاکیزگی قسمیں کھائی گئی ہیں، وہ بھی اس معصیت سے اگر یہ معصیت ہے تو آلودہ ہیں، لیکن اگر چودھری خلیق الزمان بروقت اسی مسئلے کو اٹھانے معذور تھے اور انھوں نے اسے اپنی روح کا سوہان بنا لینا گوارا کر لیا تھا، تو اب اسے اس سے زیادہ طول دینے کا کیا فایدہ؟ اس کے بعد انگریز ہندو سازش اور کانگریس، مہاسبھا کی مسلمانوں اور پاکستان دشمنی کے حوالے دینا کس حد تک جائز ہے؟ جو کچھ ہوا آپس کے صلاح و مشورہ سے دیکھتی آنکھوں کے سامنے ہوا! اس ڈایری کے زیادہ سے زیادہ صفحات بھی اس کے ماتم کے لیے کم پڑیں گے، کاش! ہم اس سے مستقبل کے لیے سبق حاصل کریں!

متحدہ وطن کا خواب تو چکنا چور ہو گیا لیکن اگر ہندوستان اور پاکستان اب بھی اپنے جھگڑے بند کر کے اتحاد کی کوئی صورت نکال لیں تو دنیا میں بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں، برعظیم پاک و ہند کا امن، پرسکون زندگی، دونوں ملکوں کی ترقی، دونوں قوموں کی خوش حالی

اور اقوامِ عالم میں ایک بہت اونچا اور باعزت مقام! اتحاد کل بھی ضروری تھا اور آج بھی ضروری ہے، کل ہندوستان میں آباد صدیوں کی ساتھی اقوام کا اتحاد مطلوب تھا، آج ان دو آغاز ملکوں کا اتحاد ضروری ہے، جو کبھی ایک تھے، اتحاد افراد، جماعتوں اور فوجوں کی ضرورت ہی نہیں انسانیت کی ضرورت ہے۔

یہ نقشے جاں باز مرزا نے اپنی کتاب ''کاروانِ احرار جلد ۸'' میں دیے ہیں، لیکن جاں یہ نقشے ان کے اصل ماخذ (نئی زندگی، الہ آباد، خاص (پاکستان) نمبر ۱۹۴۶ء) سے لے کر شامل کیے گئے۔ البتہ ان نقشوں میں بعض جزوی اخانوں کے لیے ہم جناب حسین حسنی کے شکر گزار ہیں۔

حالات میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے ان کے مطالعے کی اہمیت کے اور بھی کئی پہلو ہیں۔ (ا۔س۔ش)

مجسٹریٹ بہ نام مسلم لیگ:

۲۰ر فروری ۱۹۴۱ء: ۲۰ر فروری کو پھلور (ضلع جالندھر) میں مسلم لیگ کی طرف سے پاکستان کانفرنس منعقد ہو رہی تھی، جس کی صدارت ملک برکت علی کے ذمے تھی۔ مقررہ تاریخ پر جب صدرِ کانفرنس پھلور پہنچے تو ان کا شاندار جلوس نکالا گیا۔ پنڈال میں ہزاروں لوگوں کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ لوگ دور سے کانفرنس میں شمولیت کے لیے پہنچ چکے تھے کہ ۱۹ر تاریخ کو ڈپٹی کمشنر نے جو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بھی تھے، منتظمین کو حکم دیا کہ حکومت پنجاب کے حکم کے مطابق آپ لوگ یہاں کوئی کانفرنس نہیں کر سکتے۔ اس پر صدر کانفرنس ملک برکت علی نے کہا کہ

''پنجاب کے وزیر اعظم آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے ممبر ہیں اور ۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کو قرارداد پاکستان ان کی موجودگی میں لیگ کے سالانہ اجلاس میں منظور کی تھی وہ مولاً اور اخلاقاً کانفرنس کے اجلاس کو روک نہیں سکتے''۔

لیکن ڈپٹی کمشنر بات سننے کو تیار نہ تھے۔ آخر بڑی بحث کے بعد وہ ذیل کی شرائط پر کانفرنس کے انعقاد پر رضامند ہوئے۔

ا۔ پاکستان کے موضوع پر بحث نہیں ہوگی۔

۲۔آل انڈیا مسلم لیگ کی لاہور قرارداد کا ذکر نہیں کیا جائے گا۔

۳۔اس بات کا ذکر نہیں کیا جائے گا کہ ہندو اور مسلمان دو قومیں ہیں۔

ڈپٹی کمشنر نے کہا، پچھلے مہینے رفاقت کمیٹی کے لیڈر علامہ علاؤ الدین صدیقی لاہور سے تشریف لائے تھے، جنہوں نے ہندو اور مسلمانوں کی متحدہ قومیت اور یگانگت پر نہایت اچھی تقریریں کی تھیں، جو فضا وہ اپنی خوش بیانی سے پیدا کر گئے ہیں میں اس کو آپ کی پاکستان کانفرنس سے خراب نہیں کرنا چاہتا۔آخر یہ کانفرنس ملتوی کر دی گئی۔

(ہماری قومی جدوجہد، ص ۸۹، ۹۰ بہ حوالہ کاروانِ احرار، ج ۵)

سکندر حیات اور قرارداد پاکستان:

۱۵ ر مارچ ۱۹۴۱ء: ''سر سکندر حیات اور لاہور قرارداد'' کے عنوان سے جاں باز مرزا نے اپنی تالیف کاروان احرار'' میں پنجاب اسمبلی میں سر سکندر حیات کی ایک تقریر نقل کی ہے جس سے قرارداد لاہور سے ان کے تعلق پر مفید تاریخی روشنی پڑتی ہے۔تفصیل یہ ہے؛

پنجاب اسمبلی میں مارچ (۱۹۴۱ء) کے اجلاس میں سر سکندر حیات نے ایک طویل تقریر کی، جس میں اس نے اپنی پوزیشن واضح کرتے ہوئے کہا:

''اس ہاؤس سے باہر اور ہاؤس کے اندر یہ سوال بار بار کیا جا رہا ہے کہ ہماری گورنمنٹ مسلم لیگی گورنمنٹ ہے۔میں کئی بار کہہ چکا ہوں۔آج پھر اعلان کرتا ہوں کہ یہ مسلم لیگی گورنمنٹ نہیں، بلکہ خالص پنجابی گورنمنٹ ہے اور یہی رہے گی۔یونینسٹ پارٹی میں خالصہ نیشنلسٹ پارٹی کا نمائندہ بھی ہے اور ایک انڈیپنڈنٹ ممبر بھی ہے۔

ہاؤس میں میرے دوست سردار لال سنگھ اور دوسرے ممبران نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ پاکستان کے بارے میں میری رائے کیا ہے۔میں یہاں پر بہ طور وزیر اعظم کے نہیں، بلکہ انفرادی حیثیت سے اپنی رائے کا اظہار کروں گا۔پاکستان کی کئی اسکیمیں ہیں۔ایک سر اقبال کی، ایک چودھری رحمت علی کی، ایک اسکیم انگریز نے بھی شایع کروائی تھی اور ایک بھائی پرمانند نے بھی شایع کی''۔

ہاؤس سے ایک آواز:

مسلم لیگ کے لاہور ریزولیوشن کو آپ نے مرتب نہیں کیا تھا؟

جواب: ''جی ہاں! میں نے مرتب کیا تھا۔ لیکن مسلم لیگ نے اس ریزولیشن کا آخری حصہ کاٹ دیا تھا۔ بدیں وجہ اب وہ ریزولیوشن میرا نہیں رہا''۔

آگے چل کر سکندر حیات نے کہا: ''برطانیہ سے قطع تعلق کرنا ایک مہلک غلطی ہوگی۔ کیوں کہ ہمیں پروٹیکشن کی سخت ضرورت ہے اور وہ برطانیہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ رہا آزادی کا سوال تو آزادی نعرے لگانے سے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ آزادی کو سنبھالنے کے لیے ہمیں محنت کرنی ہوگی۔ تاہم کوئی اگر کہے کہ پنجاب میں خالص مسلم حکومت ہوگی، تو میں اس سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا۔ یہاں اگر کوئی حکومت ہو سکتی ہے، تو وہ صرف پنجابیوں کی ہوگی۔ (سہ روزہ ''زم زم'' لاہور۔ ۱۵ر مارچ ۱۹۴۱ء)

نیا پاکستان اور سر سکندر:

اس اجلاس میں سکندر حیات نے ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں ایک ایسی تجویز پیش کی جو قرارداد لاہور کے بالکل برعکس تھی۔ انھوں نے کہا کہ

''ہندوستان کی حکومت فیڈرل طرز پر قایم ہونی چاہیے۔ جہاں ہر یونٹ کو مکمل خود اختیاری حاصل ہو۔ البتہ مرکز کو ایک قسم کا ایجنسی سنٹر بنا دینا چاہیے، جسے فیڈریشن کے مختلف یونٹ اپنی اپنی نمایندگی کے لیے کچھ اختیار عطا کر دیں''۔

اس کے ساتھ ہی سکندر حیات نے پنجاب مسلم لیگ کو مشورہ دیا کہ میری اس تجویز کے مطابق قرارداد لاہور میں ترمیم کرانے کی کوشش کرے، چناں چہ نواب شاہ نواز خان ممدوٹ صدر پنجاب مسلم لیگ نے وہیں ایوان میں اعلان کیا کہ انھوں نے اس قسم کی ترمیم کا مسودہ قائداعظم کو بھیج دیا ہے۔

اس پر کمال یہ ہے کہ لاہور کے مسلم اخبارات (زمیندار، انقلاب، شہباز، احسان) نے اس تجویز کے خلاف ایک لفظ تک نہیں لکھا۔ البتہ ۱۳ر مارچ (۱۹۴۱ء) کے روزنامہ ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' نے افتتاحیہ لکھا، جس کا عنوان تھا ''نیا پاکستان

اور سر سکندر'' (ہماری قومی جدوجہد۔ ص ۱۲۵، ۱۲۶۔ کاروان احرار، ج ۵، ص ۲۴، ۲۵)

۱۸ر مارچ ۱۹۴۱ء کو سبھاس چندر بوس کابل سے برلن کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ ان کے پاس اطالوی پاسپورٹ تھا۔ جس میں اطالوی زبان میں ان کا نام ''بھوج جانبا'' لکھا ہوا تھا۔ ان کے ساتھ ڈاکٹر ویلر نامی اطالوی سبھاش بابو کی حفاظت کے لیے مقرر کیا تھا۔ ۲۷ر مارچ کو وہ ماسکو پہنچ گئے۔ اور رات بھر قیام کے بعد ۲۸ر مارچ کو برلن کے لیے روانہ ہو گئے۔ (کرنل محبوب احمد، ص ۷۱، ۷۲)

۲۵ر مارچ ۱۹۴۱ء: اخبار زمیندار مورخہ ۲۵ر مارچ ۱۹۴۱ء کا ایک مضمون جس کے خاص خاص اقتباسات درج ذیل ہیں، اُس وقت کی مسلم لیگ کی ذہنیت کو بے نقاب کر دیتا ہے:

ہم مسلم لیگی بھی اس ملک کی دوسری جماعتوں کی طرح برطانیہ ہی کی فتح چاہتے ہیں۔ ہم انگلستان کو مظفر و منصور دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم صدیوں سے برطانیہ کے ساتھ وابستہ ہیں اور اُس کا رویہ خواہ کتنا ہی سخت اور تند کیوں نہ ہو، اُس کے قوانین کتنے ہی مطلق العنانہ کیوں نہ ہوں، پھر بھی ہم مدتوں سے اکٹھے رہتے آئے ہیں''۔ (ص ۲، کالم ۵)

اس کے بعد ارشاد ہے:

''مسلم لیگ ایسے وقت میں برطانیہ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی جب کہ وہ زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا ہے اور نہ فوجی بھرتی میں رکاوٹ بننا چاہتی ہے اور نہ اُس نے سول نافرمانی کا حربہ استعمال کیا بلکہ وہ غیر جانبدار ہے۔ اگرچہ اُس کی غیر جانبداری بھی جارحانہ رنگ کی نہیں۔ اُس نے کچھ ارکان کو اجازت دے دی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو برطانیہ کی مصیبت کے وقت کام آسکتے ہیں۔ سر سکندر حیات خان وزیر اعظم پنجاب نے جو مسلم لیگ کے ایک سر برآوردہ رکن ہیں، اتنی زبردست فوجی امداد کی ہے کہ جس کی مقدرت کسی اور شخص کو نہیں ہو سکتی'' (ص ۷، کالم ۸)

اس کے بعد ص ۸ کالم ۱ میں فرماتے ہیں:

''اور ہم ہندی مسلمان بھی خواہ ماضی میں ہمیں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ رہا ہو، انگریزوں کے ساتھ ہیں اور اس وقت بھی ہم تمھاری امداد کرنا چاہتے ہیں''۔

انگریزوں کا ساتھ دینے کے لیے اگر یہ کوئی معقول استدلال ہے کہ ہم سو سال تک ان کے ساتھ رہے ہیں اور اس لیے ان کا تند و سخت رویہ اور کتنے ہی مطلق العنانہ قوانین بھی برداشت کیے جا سکتے ہیں تو اس قوم کا حق اس سے کہیں زیادہ ہے جس کے ساتھ گیارہ سو برس کے اچھے برے دن ہم نے گزارے ہیں۔

سبھاش بابو برلن پہنچ گئے:

۲۸ر مارچ ۱۹۴۱ء: ۲۸ر جنوری کے اخبارات میں کلکتہ سے یہ خبر جلی عنوان سے شایع ہوئی تھی کہ سبھاش چندر بوس اپنے گھر کے مخصوص کمرے سے اچانک غائب ہو گئے۔ وہ رہائی کے بعد گزشتہ ایک ماہ سے اپنے کمرے میں بند رہتے تھے۔ عزیز اقارب یا ملازم کو بھی اندر آنے کی اجازت نہ تھی۔

اس خبر کا شایع ہونا تھا کہ حکومت سمیت سارا ہندوستان پریشان ہو گیا اور ساتھ ہی مختلف افواہوں نے جنم لیا۔ کہیں یہ کہ وہ دنیا کو تیاگ کر ہمالیہ کی طرف نکل گئے ہیں۔ کسی نے کہا میں نے انھیں سادھو کے روپ میں ہردوار میں دیکھا ہے۔ کوئی کہہ رہا تھا جاپانی انھیں ہوائی جہاز کے ذریعے جاپان لے گئے۔ کانگریسی حلقوں سے یہ خبر سنی گئی کہ حکومت نے سبھاش کو خود غائب کر لیا ہے تا کہ جنگ کے دوران ان کے باغی خیالات بنگال میں بغاوت نہ کرا دیں۔ لیکن یہ سب افسانے تھے۔ حقیقت صرف سبھاش کے پاس تھی اور سبھاش غائب تھے۔

۱۹۴۱ء اپریل کے پہلے ہفتے کابل کے ایک حاجی صاحب (نام معلوم نہیں ہو سکا) کے پاس جرمن سفارت خانے سے ایک رسالہ آیا جس میں سبھاش چندر بوس کا فوٹو تھا اور نیچے درج تھا:

''ہندوستان کے بڑے سیاسی لیڈر اور انڈین نیشنل کانگریس کے سابق صدر جو پچھلے دنوں ہندوستان سے غائب ہو گئے تھے، وہ ۲۸ر مارچ (۱۹۴۱ء) کو صحیح سلامت برلن پہنچ گئے ہیں''۔ (کاروانِ احرار، ج ۵)

اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کی فاتحہ اور مسٹر جناح:

مارچ ۱۹۴۱ء: مارچ ۱۹۴۱ء کا مہینہ ہے کان پور کے مسلم طلبا فیڈریشن کے اجلاس میں مسٹر جناح نے تقریر کی اور کہا کہ وہ اکثریت والے سات کروڑ مسلمانوں کو آزاد کرانے کے لیے دو کروڑ مسلمانوں کی شہادت کی آخری رسوم ادا کرنے کو تیار ہیں۔ سات کروڑ مسلمانوں کی آزادی کی خاطر دو کروڑ مسلمانوں کے جام شہادت پی لینے کا جس لیڈر کو کوئی افسوس نہ ہو اس کی ذہانت اور دور اندیشی کی تعریف کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ.......... برین عقل و دانش بباید گریست۔

(اثر بن یحییٰ انصاری، حسرت موہانی۔ ایک سیاسی ڈایری، ص ۱۹۹)

جمعیت علمائے ہند کا جلسہ مراد آباد:

اسی مہینے ضلع مراد آباد میں جمعیت علمائے ہند کا اجلاس مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں ہوا۔ شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ نے آزادیٔ ہند پر مدلل اور بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں کے دلوں سے برطانیہ کا خوف و ہراس اور اس کی محبت نکل جائے اور وطن کی آزادی کا جذبہ بے دار رہے نیز یہ کہ ایثار و قربانی کا مادہ فوت نہ ہونے پائے۔ جمعیت کے اور بھی اراکین نے بصیرت افروز تقریروں کے ذریعے مسلمانانِ ہند سے خصوصی اپیل کی کہ وہ آزادیٔ وطن کے لیے ہر دشوار گھاٹی سے گزرنا ایثار و قربانی کے ساتھ قبول کریں۔ (حسرت موہانی۔ ایک سیاسی ڈایری)

مسلم لیگ نے کرپس تجاویز مسترد کر دیں:

۶/ اپریل ۱۹۴۱ء: مسلم لیگ کا ملتوی شدہ اجلاس ۶/ اپریل کو الہ آباد میں دوبارہ ہوا تو اس میں صدر مسلم لیگ نے اپنی گزشتہ تقریر کا اعادہ کرتے ہوئے کہا:

''ہندوستان کے مسلمانوں کو اس بات سے بڑی مایوسی ہوئی ہے کہ حکومت برطانیہ نے مسلمان قوم کی جداگانہ حیثیت واضح طور پر تسلیم نہیں کی، یہ تجویز انتہائی غیر اطمینان بخش اور مسلمانوں کو تختہ دار کی طرف لے جانے والی تجویز تھی۔

ہندوستانی مسلمان اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک ان کا حق خود ارادیت مکمل طور پر تسلیم نہ کرلیا جائے۔ مجھے یقین ہے، کہ پاکستان کے اصول اور مسلمانوں کے حق خودارادیت کو بروئے کارلانے کے لیے کرپس تجاویز میں جس ردوبدل کی ضرورت ہے اس پر سر اسٹیفورڈ کرپس اور برطانوی حکومت کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔
(''محمد علی جناح'' مصنفہ بولائتھو، ص ۲۲۱)

خلیق الزماں کا مسٹر جناح سے اختلاف:

الہٰ آباد مسلم لیگ کے اجلاس میں قائد اعظم محمد علی جناح کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے چودھری خلیق الزماں نے کہا:

''میں کرپس پیش کش سے متعلق آپ کی رائے سے الف سے یا تک اختلاف کرتا ہوں۔ (کہ رائے شماری صرف مسلمانوں کی ہو)۔ کسی ایک قوم کی رائے شماری جب کہ صوبوں میں مختلف اقوام رہتی ہوں، بالکل بے معنی ہے اور اس دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔
میں جانتا ہوں کہ کانگریس کرپس مشن کو کامیاب نہ ہونے دے گی اور بالآخر وہ اسکیم بروئے کار نہ آئے گی، جس کے بعد ہندوستانی سیاست پھر اسی مقام پر آجائے گی جو کرپس کے آنے سے پہلے تھی۔ مگر اس وقت ہم کو اپنی تجویز میں علاحدہ یونین کی پیش کش کو قبول کرنے ہیں۔ یہ فائدہ ہوگا کو برٹش گورنمنٹ اس اصول کی نفی نہ کرسکے گی۔ ہم کو عام رائے شماری سے پنجاب اور بنگال میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ کیوں کہ ان صوبوں میں بہت بڑی مسلم اکثریت ہے۔
میرا یہ کہنا سب کچھ بے سود ثابت ہوا کیوں کہ ورکنگ کمیٹی کے اکثر ارکان کو (مسٹر جناح کا) سستا سودا مسلم رائے شماری کا بہت بھا گیا تھا۔
(یاد رہے کہ سر سکندر حیات نہ تو دہلی کے اجلاس میں شامل تھے اور نہ ہی الہٰ آباد کے اجلاس میں) (''شاہراہِ پاکستان'' ص ۸۶۵۔ بہ حوالہ کاروانِ احرار، ج ۵)

اس طرح مسلم لیگ نے بھی کرپس اسکیم کو مسترد کردیا۔

جمعیت علما کی مجلسِ عاملہ کا جلسہ:

۲۰، ۲۱/اپریل ۱۹۴۱ء: جمعیت علمائے ہند کے صدر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی صدارت میں مجلس عاملہ کا ایک جلسہ ۲۰، ۲۱/اپریل کو بجنور میں ہوا۔

اس اجلاس میں زیادہ تر دفتری کارروائی ہوئی اور ریاست محمود آباد میں راجہ محمود آباد کی زیرِ سرپرستی شیعوں نے جو مظالم مسلمانوں پر کیے تھے ان کی تحقیقات کے لیے مولوی محمد احمد صاحب کاظمی ایم، ایل، اے مرکزی اور جناب ڈاکٹر عبدالعلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی گئی اور سندھ میں چند علمائے کرام قتل کردیے گئے تھے ان کے متعلق ذیل کی تجویز پاس ہوئی:

''سندھ میں چند علما کو کسی سازش کے ماتحت قتل کرایا گیا۔ مگر مقامی حکام کی سہل انگاری اور غفلت کی وجہ سے قاتلوں کا سراغ نہیں لگایا۔ جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ حکومت سندھ سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ مقامی حکام اور پولیس سے باز پرس کرے اور اس سازش کے ارکان اور مجرموں کا سراغ لگا کر ان کو کیفر کردار تک پہنچائے۔

(جمعیت علما کیا ہے؟ حصہ دوم، ص ۲۳۵)

مئی ۱۹۴۱ء: ۱۱/مارچ ۱۹۴۱ء کو سنٹرل اسمبلی کے اجلاس دہلی میں فنانس بل پیش ہوا تھا۔ اس میں مسلم لیگ کے رویے سے وائسرائے ناراض تھے۔ لیکن پھر بھی وہ اسے برٹش مفادات کے لیے مفید خیال کرتے تھے اور وہ اسے پسند نہیں کرتے کہ اسے توڑ دیا جائے۔ نواب سر محمد یامین خان لکھتے ہیں:

''کچھ دن میرٹھ رہ کر مئی کے مہینے میں شملہ چلا گیا اور وائسرائے سے ملاقات کی۔ وہ مسلم لیگ کے رویے سے جو گزشتہ سیشن اسمبلی میں فنانس بل کی مخالفت پر رہا، خوش نہیں تھے اور کہنے لگے کہ نواب چھتاری نے ان سے کہا ہے کہ اگر آپ حکم دیں تو میں مسلم لیگ کو توڑ دوں اور ایسی جماعت کھڑی کردوں جس سے لیگ کا خاتمہ ہو جائے۔ لیکن میں (وائسرائے) نے نواب چھتاری سے کہا کہ ابھی ایسا نہ کرنا۔ چوں کہ مسلم لیگ، باوجود اس کے کہ وہ مسٹر جناح کی غلط پالیسی پر چلتی ہے اور ان کے کہنے میں آجاتی ہے۔ تاہم لیگ بہت کارآمد ہے۔ چوں کہ وہ کانگریس کی مخالف ہے اور عدم تعاون اس کا مسلک نہیں ہے۔

اگر چہ وہ سودے بازی سختی سے کرتی ہے"۔ (''نامہ اعمال''، ص ۸۲۷، ۸۲۸)

نوٹ: یاد رہے کہ نواب چھتاری یوپی مسلم لیگ کے سرکردہ رہنماؤں میں شمار ہوتے تھے۔

۲۵ر جون ۱۹۴۱ء: جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس دہلی مورخہ ۲۵ر جون ۱۹۴۱ء میں اسلامی ممالک کے حوالے سے جنگ یورپ کے بارے میں ایک بیان کی منظوری دی ہے۔ بیان میں کہا گیا ہے:

"موجودہ جنگ یورپ جو اقتدار اور ہوس استعمار کی جنگ ہے، اپنے وسیع اور ہمہ گر اثرات و نتایج کے اعتبار سے انسانیت کے لیے مصیبت کبریٰ ہے اور اس کے مہالک اور تباہ کن عواقب سے کرۂ زمین کے تمام انسان نسل و مذہب کے امتیاز کے بغیر متاثر ہو رہے ہیں۔ اس لیے ہر سلیم القلب اور صحیح الفطرت انسان کا فرض ہے کہ وہ اس جنگ کی مذمت کرے۔ مگر جمعیت علمائے ہند کے سامنے اس جنگ کا جو پہلو مذہبی نقطۂ نظر سے زیادہ خطرناک ہے، وہ یہ ہے کہ جنگ کا ہر فریق اس امر کا مدعی ہے کہ وہ نوع انسان کی آزادی اور قیام امن کے لیے جنگ کر رہا ہے، زبانی دعوے دونوں کے یک ساں ہیں مگر جمعیت علما فریقین جنگ کے عمل سے ان کے زبانی دعووں کی صحت یا غلط کی حیثیت معین کر سکتی ہے۔

جمعیت علما وثوق سے کہتی ہے کہ ممالک اسلامیہ کی آزادی کے سوا اور کوئی صورت مسلمانوں کو مطمئن نہیں کر سکتی اور مسلمان کسی حکومت کے کسی ایسے اقدام کو جو ممالک اسلامیہ کی مکمل آزادی کے خلاف ہو، کسی حالت میں پسند نہیں کر سکتے۔

اس وقت ممالک عربیہ عراق، فلسطین، شام وغیرہ کی طرف سے ان کو سخت تشویش اور اضطراب لاحق ہے۔ مسلمانوں کا ایک ہی مطالبہ ہے کہ وہ ان ممالک پر کسی اجنبی حکومت کا کوئی اثر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ ممالک اپنی جگہ آزاد اور خود مختار ہونے چاہییں اور ہمیں یقین ہے کہ اگر ان کی مکمل آزادی کا اعلان کر دیا جائے تو یہ ممالک بہت سے ایسے خطرات سے محفوظ ہو جائیں گے، جو کسی اجنبی حکومت کے زیر اثر ہونے کی حالت میں دول یورپ کی باہمی رقابتوں اور عداوتوں کی وجہ سے پیش آ سکتے ہیں۔ بلکہ پیش آ رہے ہیں۔

جس طرح ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ ان ممالک میں سے کسی پر جرمنی یا اٹلی کا قبضہ اور اقتدار قایم ہو، اسی طرح ایک لمحے کے لیے یہ بھی گوارا نہیں کرتے کہ برطانیہ یا اور کوئی اجنبی

طاقت ان ممالک پر اپنا اقتدار قایم رکھے یا کسی حیلے اور بہانے سے اپنے اقتدار میں لے لے۔

موجودہ جنگ کے تقریباً دو سالہ دور میں ہمیں کوئی ایسی دلیل تو کیا علامت بھی نظر نہیں آئی کہ جن یورپین طاقتوں کا ان ممالک کے ساتھ تعلق ہے ان کی نیت بہ خیر ہے اور وہ ان ممالک کی آزادی کے حامی ہیں، بلکہ بد قسمتی سے متعلقہ حکومتوں کا طرز عمل یقین دلاتا ہے کہ یہ حکومتیں ان ممالک کے حلقۂ غلامی کو زیادہ وسیع اور زیادہ شدید کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔

جمعیت علما مجبور ہے کہ وہ صاف صاف اعلان کردے کہ ممالک اسلامیہ کی مکمل آزادی کے خلاف کسی اجنبی طاقت کا کسی قسم کا قبضہ اور اقتدار مسلمانوں کے لیے ناقابلِ برداشت ہے اور ہم عراق وشام و فلسطین کے پیش آنے والے واقعات کو سخت تشویش کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے اطمینان کی ایک ہی صورت ہے کہ ان ممالک کی مکمل آزادی کا اعلان کردیا جائے اور مسلّطہ طاقت اپنا اقتدار مکمل طور سے ہٹا لے۔ تاکہ ان ممالک کے باشندوں کو آزادی کی فضا میں سانس لینے کا موقع ملے اور وہ یورپین طاقتوں کی باہمی رقابت وعداوت کی وجہ سے مصیبتوں اور ہلاکتوں میں مبتلا ہونے سے بچیں اور اپنے مستقبل کے فلاح و بہبود کی سبیل اطمینان خاطر کے ساتھ سوچ سکیں''۔

اس کے بعد مدح صحابہ کے متعلق مجلس عاملہ منعقدہ بجنور کے فیصلہ کو بحال رکھا گیا۔ اور مزید طے پایا کہ ایک بیان مرتب کیا جائے۔ جس پر تحریک مدح صحابہ میں کام کرنے والی مختلف جماعتوں کے نمایندوں کے دستخط ہوں۔ اور انجمن تحفظ ناموس صحابہ لکھنؤ کی زیر سر کردگی تحریک جاری اور باقی رکھی جائے اور اسی انجمن کی ذمہ داری پر تمام کام انجام پائیں۔

آخر میں ریاست الور میں مسلمانوں اور ہندوؤں پر کیے گئے مظالم کے سلسلے میں گفت وشنید کے بعد طے پایا کہ ناظم جمعیت علماے ہند ریاست الور کے حکام اور حکومت ہند کے ریاستی مشیروں کو مناسب و موثر ذرائع سے اس طرف توجہ دلا کر مبینہ مظالم کی تحقیقات اور ان کے انسداد کے لیے ضروری تدابیر عمل میں لائیں''۔

(جمعیت علما کیا ہے؟ ص ۳۷-۲۳۶)

جمعیت علما کی مجلس عاملہ کے فیصلے:

۲۵ر جون ۱۹۴۱ء: حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی صدارت میں دہلی مجلس عاملہ کا جلسہ ہوا۔ جس میں ریاست محمود آباد میں مسلمانوں پر مظالم کے متعلق تحقیقاتی رپورٹ، بنگال وقف ایکٹ وغیرہ پر غور کیا گیا اور دفتری امور نمٹانے کے علاوہ جنگ یورپ اور اسلامی ممالک کے بارے میں اور اندرون ملک کے بعض سیاسی مسائل کے بارے میں مجلس عاملہ کا ایک بیان مرتب کیا گیا۔ تاکہ ان مسائل میں جمعیت علمائے ہند کی پالیسی سے ملک اور قوم کی رہ نمائی کی جا سکے۔

جرمنی کا روس پر اور جاپان کا پرل ہاربر پر حملہ:

جون ۱۹۴۱ء: اس دوران میں دو حادثے ہوئے، جنھوں نے دنیا کو ہلا دیا اور جنگ کی نوعیت کو بالکل بدل دیا۔ پہلا حادثہ تھا جون ۱۹۴۱ء میں جرمنی کا روس پر حملہ۔ اس کے چھ مہینے کے اندر جاپان نے پرل ہاربر میں متحدہ ریاستوں (امریکہ) پر وار کیا۔

جرمنی کے سوویٹ روس پر اور جاپان کے متحدہ ریاستوں پر حملہ کرنے سے جنگ صحیح معنوں میں عالمگیر ہوگئی۔ جرمنی کے سوویٹ روس پر حملہ کرنے سے پہلے لڑائی صرف مغربی یورپ کی قوموں کے درمیان ہو رہی تھی۔ جرمن حملے نے جنگ کی حدود کو پھیلا کر ان میں نہایت وسیع علاقے شامل کر لیے جو اب تک لڑائی کے اثرات سے محفوظ تھے۔ متحدہ ریاستیں (امریکہ) برطانیہ کو اچھی خاصی مدد پہنچا رہی تھیں مگر اب تک جنگ میں شریک نہیں ہوئی تھیں۔ پرل ہابار بر پر حملہ کر کے جاپان، متحدہ ریاستوں کو کھینچ کر ہنگامے میں لے آیا اور جنگ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گئی۔ (انڈیا ونس فریڈم، ص ۱۱۷)

وزیر اعظم بنگال سے لیگ کا نوٹس اور اس کا جواب:

۲۴ر اگست ۱۹۴۱ء: مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی نے وزیر اعظم بنگال مولوی فضل الحق کے نام ایک نوٹس جاری کیا ہے اور ان سے کہا ہے کہ وہ دس دن کے اندر اندر اپنی پوزیشن واضح کریں اور بتائیں کہ وہ ڈیفنس کونسل سے مستعفی ہونے کو تیار ہیں یا نہیں؟

اس نوٹس کے جواب میں انھوں نے ۸ر ستمبر کو سیکرٹری مسلم لیگ نواب زادہ لیاقت علی خان کے نام ایک خط لکھا ہے: جس مین وہ فرماتے ہیں:

''وہ بہ طور احتجاج آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی اور کونسل سے مستعفی ہوتے ہیں۔ نیز اس خط میں فضل الحق نے مسلم لیگ کے خلاف ذیل کی فرد قرار داد جرم بھی مرتب کی۔

۱۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کا رویہ حد درجہ غیر آئینی ہے۔

۲۔ ورکنگ کمیٹی کو صدر کے فیصلے کی تائید کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اگر ورکنگ کمیٹی تائید نہ کرتی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ صدر کے خلاف گویا عدم اعتماد کا ریزولیوشن پاس ہو جاتا اور ظاہر ہے ورکنگ کمیٹی اس اقدام کے لیے تیار نہ تھی۔

۳۔ ورکنگ کمیٹی مین اکثریت ان مسلمانوں کی ہے جو اقلیت کے صوبوں کے رہنے والے ہیں۔ انھیں بنگال اور پنجاب کے حالات کا علم نہیں۔ لہٰذا یہ لوگ بنگال اور پنجاب کے مفاد کو تباہ کر رہے ہیں۔

۴۔ جمہوریت اور اٹانومی کے اصولوں کو ایک فرد واحد کی بے لگام مرضی کے تحت رکھ دیا گیا ہے اور یہ فرد واحد ایک مطلق العنان فرماں روا کی طرح بنگال کے سوا تین کروڑ مسلمانوں کا مالک بن بیٹھا ہے''۔ (ہماری قومی جدوجہد، ص ۸۰)

فضل الحق نے معذرت اور تلافی کے بجائے چوں کہ سرکشانہ اور الزامی جواب دیا تھا اس لیے توقع کے مطابق انھیں مسلم لیگ سے نکال دیا گیا۔ عاشق حسین بٹالوی نے فضل الحق کو ان کے رویے پر ٹوکا تو اس کے جواب میں فضل الحق نے ایک خط لکھا۔ جس مین وہ تحریر فرماتے ہیں:

از کلکتہ

محترمی زاد عنایتہٗ

السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ وصول ہوا، جس کو پڑھ کر میں یہی کہہ سکتا ہوں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مجھے جناب کی تحریر پڑھ کر افسوس بھی ہوا اور حیرت بھی۔ شاید جناب نے میرے بیان کو بہ غور پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ سنیے! میں مسلم لیگ کا معاون، جیسا کہ پہلے تھا، آج بھی ہوں۔ مگر مسلم لیگ کے رکن ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میری شخصی

حیثیت باقی نہیں۔ مسلم لیگ میں رہنے سے یہ کبھی لازم نہیں آتا کہ کوئی اپنی ذاتی رائے کو بالکل قربان کردے، بلکہ ملک وملت کی بہبودی کے لیے اگر کوئی تجویز کسی کے ذہن میں آئے تو اس کو پیش کردینا اس کے لیے نہایت ضروری ہے اور فرض بھی ہے۔

آپ ان مشکلات اور پریشانیوں کا اندازہ ہرگز نہیں کرسکتے جو روز افزوں ہندو مسلم کش مکش کی وجہ سے ہمیں بنگال میں پیش آرہی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم جو کچھ بھی بنگال کے مسلمانوں کے لیے کرنا چاہتے ہیں، نہیں کرسکتے۔ ہماری مشکلات اور دشواریوں کا صحیح احساس قائداعظم مسٹر جناح کو بھی نہیں ہے۔ میں تو چار سال سے مسلم حقوق کے لیے برابر لڑ رہا ہوں، مگر اب تھک گیا ہوں۔ دوسرے یہ کہ مسلم لیگ اور ہندوؤں کی لامتناہی جنگ سے بجائے اس کے کہ ہمیں مسلمانوں کے جائز حقوق کا تحفظ کرنے میں کوئی مدد ملے، اس کے برعکس ہماری مشکلات بڑھتی جاتی ہیں۔ مسلمانوں کی تنظیم کرنے میں مسلم لیگ کی خدمات قابل ستائش ہوسکتی ہیں۔ لیکن آئے دن کے ہندو مسلم فسادات کا سد باب کرنے میں مسلم لیگ بالکل ناکامیاب رہی ہے۔ یہ کش مکش برابر بڑھتی ہی جاتی ہے اور گزشتہ چار سال میں مجھے یہی تجربہ ہوا ہے کہ اس جنگ سے بنگال کے مسلمانوں کو فائدہ نہیں پہنچا ہے اور نہ آیندہ امید ہے، بلکہ نقصان پہنچنے کا زیادہ احتمال ہے۔

(کاروان احرار۔ جلد ۵، ص ا۔۱۰۰)

اٹلانٹک چارٹر۔ منشور اطلسی:

اگست ۱۹۴۱ء: منشور اطلسی (اٹلانٹک چارٹر) سے مراد وہ مشترکہ اعلانیہ ہے جسے امریکی صدر فرانکلین روزویلٹ اور برطانوی وزیراعظم ونسٹن چرچل نے مقاصدِ امن کے بارے میں اگست ۱۹۴۱ء میں اوقیانوس اطلسی کے وسط میں سفر کرتے ہوئے جاری کیا۔ اس اعلانیہ میں آٹھ بنیادی اصول درج کیے گئے۔ غیر ممالک کے علاقہ کو غصب کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ بغیر متعلقہ آبادی کی مرضی کے کسی ملک کے علاقے میں ردوبدل نہیں کی جائے گی۔ تمام قوموں کو خودمختار حکومت قایم کرنے کا حق ہوگا۔ بین الاقوامی تعاون کو بڑھایا جائے گا۔ محتاجی اور خوف سے نجات دلائی جائے گی۔ ناگزیر خام مواد سب کو یکساں طور پر مہیا کیا جائے گا، کھلے سمندروں میں جہاز رانی کی آزادی ہوگی جنگ کے بعد

محوری طاقتوں کو مکمل طور بے ہتھیار کیا جائے گا اور عام ترکِ اسلحہ کی کوشش کی جائے گی۔ بعد میں محوری طاقتوں کے خلاف جنگ لڑنے والی تمام قوموں نے ان اصولوں کا اعادہ کیا اور بالآخر انھیں اقوام متحدہ کے منشور میں شامل کیا گیا۔ (فرہنگ سیاسیات، ص ۴۱۴)

۳ ر ستمبر ۱۹۴۱ء: مسٹر جناح کے نام وایسرے کا خفیہ پیغام اور اس کا اختلافی نوٹ
(زمزم، لاہور ۳ ر ستمبر ۱۹۴۱ء، صفحہ ۸)

حضرت شیخ الاسلام کے نام ایک خط:

۲۸ ر ستمبر ۱۹۴۱ء: حضرت شیخ الاسلام کے ایک مرید باصفا محمد حسن ابراہیم کاوی نے مندرجۂ ذیل خط حضرت کی خدمت میں لکھا تھا اور رہنمائی کے طالب ہوئے تھے۔

محترمی و مکرمی مرشدی وسندی قبلہ باپو شیخ الہند ثانی مولانا حسین احمد صاحب۔ بعد از سلام مسنون! گذارش ہے کہ صوبۂ بمبئی کے تمام اضلاع لوکل بورڈ اور میونسپلٹیوں میں اکثر کانگریسی جماعتیں برسرکار آتی ہیں اور مخالف بنچوں پر مسلم لیگ کے ارکان نظر آتے ہیں۔ صوبہ بمبئی کا ماحول ایسا نازک ہے کہ اکثر اضلاع میں جمعیتی مسلمان کانگریس کا باضابطہ ممبر ہو کر مسلمانوں میں لب کشائی نہیں کر سکتا، اگر کانگریس کا ممبر نہ ہو، لیگی بھی نہ ہو، محض جمعیتی ہو تو کچھ گنجائش رہتی ہے۔ دوسری طرف کانگریسی حضرات کا یہ طریقہ ہے کہ لوکل بورڈوں کی ماتحت کمیٹیوں میں وہی آسکتے ہیں۔ جو مسلمان کانگریس پلیج پر دستخط کر دے، وہ پارٹی کی نجی میٹنگ میں تو مسلمانوں کے مفاد اور اسلامی شریعت کو مدنظر رکھ کر کچھ بحث کر سکتا ہے لیکن یہ خانگی میٹنگ میں کثرت رائے سے (جو حقیقت میں کانگریسی ہندوؤں کی ہوتی ہے) جو بات طے ہو جائے اس کے خلاف لوکل بورڈ کے کھلے اجلاس میں کانگریس پارٹی کے خلاف لب کشائی کا حق نہیں رکھتا۔ اس سے یہ ہوتا ہے کہ جب کسی تجویز پر خاموشی اختیار کی جاتی ہے تو تمام مسلمانوں میں اس جمعیتی کے خلاف خوب شور برپا ہوتا ہے۔ نیز جب کوئی بات شریعت کے خلاف اور مسلم مفاد کے خلاف پیش کی جائے اور جمعیتی ممبر محض پلیج پر دستخط کرنے کی وجہ سے خاموشی اختیار کر لے یہ غیرت اور خودداری نیز جذبۂ اسلامی کے بھی خلاف ہے۔ مثلاً اسکولوں میں گاندھی جی کی تصویریں آویزاں کی جائیں یا مسٹر جناح کی۔ اب کانگریس کا طریقہ کار اس کی تو اجازت دیتا ہے کہ خانگی مجلس میں مخالفت کے جائے مگر

جب خانگی مجلس میں کثرت رائے سے یہ بات طے ہو کر لوکل بورڈ کے کھلے اجلاس میں پیش کی جائے تو اس جمعیتی ممبر کو حق نہیں کہ وہ اس تجویز کی مخالفت کرے۔ لہٰذا براہِ کرم آپ کی جانب سے اس بارے میں رہنمائی فرمائی جائے تو ممنون ہوں گا۔

حاشیے میں مولانا نجم الدین اصلاحی نے کاوی صاحب کے بارے میں لکھا تھا:

''منشی محمد حسن ابراہیم صاحب کاوی حضرت اقدس مدظلہ العالی کے مرید اور ۲۱-۱۹۲۰ء میں ترک موالات کے پرزور حامی تھے جس کی بناپر سابرمتی جیل گئے اور وہاں حضرت اقدس بھی جیل میں تھے۔ حضرت ہی سے قرآن مجید پڑھا اور مدنی زندگی پر نثار ہو گئے۔ جیل کے اندر حضرت کی کرامتیں، ریاضت اور مجاہدہ، حسن سلوک اور پدرانہ شفقت دیکھ کر اس درجے متاثر ہوئے کہ کوئی اور دوسرا اُن کی نظر میں نہیں تھا اور نہ ہے''۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کا جواب:

حضرت شیخ الاسلامؒ نے ۲۸ رستمبر ۱۹۴۱ء کو انھیں یہ جواب تحریر فرمایا:

''میرے خیال میں کانگریس کا ممبر ہر مسلمان کو ہونا ضروری ہے۔ مگر یہ درست نہیں ہے کہ وہ اسلامی ضروریات اور مذہبی فرائض میں کوتاہی کرے۔ آزادی کی رائے رکھتے ہوئے جیسا کہ کانگریس کا فنڈامنٹل ہے اس کا ممبر ہونا چاہیے۔ مذہب اسلام میں پوری طرح سخت اور مضبوط رہنا چاہیے۔ ہاں لیگیوں کی غلط چالیں اور برباد کرنے والی روش سے احتراز ہونا چاہیے۔ تدبیروں سے کانگریس کے ہر شعبے میں اپنی اکثریت اور قوت پیدا کرنی چاہیے۔ اگر کسی میٹنگ میں کثرت رائے سے مغلوب ہو جائے تو بھی اپنی آزاد مخالفت کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیے اور مغلوب ہوتے وقت اعلان کر دینا چاہیے کہ اپنی رائے میں محفوظ رکھتا ہوں، کھلے اجلاس میں پیش کروں گا۔

اگر تصویر کا مسئلہ پیش ہو تو صاف کہہ دینا چاہیے کہ مذہب اسلام کسی جاندار کی تصویر کی اجازت نہیں دیتا اس لیے ہم اس کے مخالف ہیں نہ گاندھی کی تصویر ہو اور نہ جناح کی۔

بہر حال سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیے اور کوشش ہونی چاہیے کہ کانگریس کے ہر شعبے پر ہم چھا جائیں۔ ورنہ کم از کم ہماری آواز موثر آواز ہو، خود بھی شریعت پر مضبوط رہیے اور اپنے

رشتہ داروں اور احباب کو بھی مضبوط کیجیے، نماز اور جماعت پنجگانہ کا بہت خیال رکھیے۔

جناح صاحب فضل الحق کی نظر میں:

۵ رنومبر ۱۹۴۱ء: انقلاب لاہور نے بنگال کے وزیر اعظم اے۔ کے۔ فضل الحق کے اخبار ''نواجگ'' (بنگال) کے حوالے سے ان کا ایک مقالہ شایع کیا ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے:

> ''ہم سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ جناح کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم نے کبھی کسی ایسے شخص کو لیڈر نہیں مانا جو غیر بنگالی ہو۔ ہمارا پختہ ایمان ہے کہ صرف ایک بنگالی لیڈر ہی ہندوستان کو آزاد کرا سکتا ہے۔ ہمیں نہ تو جناح سے کوئی محبت ہے، نہ اس کے خلاف کسی قسم کا تعصب ہے۔ آخر جناح نے آپ کو کیا دیا ہے؟ پھر آپ جناح جیسے آدمی کی کیوں مدد کرتے ہیں۔ جو ایک دوسرے صوبے سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ ایک گم نام ہستی ہے، جس نے کوئی قربانی نہیں دی۔ کیا آپ کو اس پر کوئی شرم نہیں آتی؟ اگر آپ مجھے اس کی قربانی کی ایک مثال بھی بتا دیں تو میں اس کو اپنا لیڈر مان لوں گا''۔ (انقلاب، لاہور، ۵۔۱۱۔۱۹۴۱ء)

جمعیت علما کی مجلس عاملہ کے فیصلے:

۱۳، ۱۴ رنومبر ۱۹۴۱ء: مجلس عاملہ جمعیت علماے ہند کے اجلاس دہلی مورخہ ۱۳، ۱۴ ر نومبر میں مختلف ملکی سیاسی امور پر نیز بعض دفتری اور انتظامی معاملات پر غور کیا گیا۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ:

''اس اجلاس میں آزاد ہندوستان میں نظام حکومت کی تشکیل، ممالک اسلامیہ کی خطرناک پوزیشن، مسلمانوں میں باہمی اتحاد و اتفاق اور یک جہتی پیدا کرنے کے ذرائع، سیاسی جماعتوں میں اپنے مخصوص اور معین مسلک پر قایم رہتے ہوئے رواداری اور متانت و تہذیب کی اہمیت، دیہاتی اور دیسی صنعتوں کی مزید ترقی وغیرہ متعدد امور پر غور کیا گیا''۔
(جمعیت علما کیا ہے؟ حصہ دوم، ص ۲۲۸)

۱۳/۱۴/نومبر ۱۹۴۱ء: جمعیت علماے ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس دہلی مورخہ ۱۳/۱۴/ نومبر منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں آزاد ہندوستان میں نظام حکومت کی تشکیل ممالک اسلامیہ کے خطرناک پوزیشن، مسلمانوں میں باہمی اتحاد و اتفاق اور یک جہتی پیدا کرنے کے ذرائع، سیاسی جماعتوں میں اپنے مخصوص اور معین مسلک پر قایم رہتے ہوئے، رواداری اور متانت و تہذیب کی اہمیت، دیہاتی اور دیسی صنعتوں کی مزید ترقی وغیرہ متعدد امور پر غور کیا گیا اور چند دفتری امور فیصل کیے گئے، اور مفصل تجاویز کو اجلاس لاہور پر ملتوی کیا گیا۔
(جمعیت علماء کیا ہے؟ حصہ دوم، ص ۲۳۸)

پیر الٰہی بخش (سندھ) اور تقسیم ملک:

۱۵/نومبر ۱۹۴۱ء: مسلم وائس کراچی کی تازہ اشاعت میں سندھ کے ایک وزیر پیر الٰہی بخش کا بیان شایع ہوا ہے جس میں انھوں نے ''پاکستان'' کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''میرے خیال میں ''پاکستان'' ناقابل عمل ہے اور ہندوستان کے لیے تقسیم ہو جانا اور اتحاد کو توڑ دینا خودکشی کے مرادف ہوگا''۔

انھوں نے کہا ہے کہ:

میں تو اقبال کے ان اشعار کا معتقد ہوں جن میں انھوں نے کہا ہے کہ

ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

جب ہم مسلمان ساری دنیا کو اپنا وطن قرار دیتے ہیں تو ہم ہندوستان کے ایک حصے کو یہ کہہ کر کیوں چھوڑ دیں کہ یہ ہمارا وطن نہیں ہے''۔ (مسلم وائس، کراچی، ۱۵-۱۱-۱۹۴۱ء)

پرل ہاربر پر جاپانی حملہ:

۷، ۸/دسمبر ۱۹۴۱ء: ۷/دسمبر ۱۹۴۱ء کو جاپان نے متحدہ امریکہ کے بحری مرکز (جزائر ہوائی) پرل ہاربر پر حملہ کر دیا۔ ساتھ ہی فلپائنز میں فوج اتار دی۔ جاپان کی اس حرکت نے امریکہ کو بھی میدانِ جنگ میں کودنے پر مجبور کر دیا، ورنہ امریکہ اب تک انگریزوں کا صرف

حمایتی و معاون تھا۔

۸/دسمبر کو جاپان نے جرمنی کے حلیف ہونے کا اعلان کردیا۔ اس کے بعد اس نے تیزی سے ملایا اور سنگاپور فتح کرلیا۔ ساتھ ہی برما کو بھی تسخیر کرلیا۔ اب خلیج بنگال میں جاپانی جنگی جہاز کثرت سے دیکھے جانے لگے، بھارت کے علاقے امپھال اور منی پور تک جنگ کے ان شعلوں کی لپیٹیں آنے لگیں۔ (حسرت موہانی۔ ایک سیاسی ڈائری، ص ۲۰۱)

صورت حال پر مولانا آزادؒ کا تبصرہ:

۱۴/دسمبر ۱۹۴۱ء: دسمبر ۱۹۴۱ء میں وائسرائے نے طے کیا کہ جواہر لال نہرو کو اور مجھے (مولانا آزادؒ) رہا کردیا جائے۔ اس اقدام کا مقصد یہ جانچنا تھا کہ جنگ کی بدلی ہوئی صورت حال کا کانگریس پر کیا اثر پڑا ہے۔ حکومت دیکھنا چاہتی تھی کہ ہم کیا کرتے ہیں، اور پھر وہ سوچتی کہ دوسرے لوگ آزاد کیے جائیں یا نہ کیے جائیں۔ بہ ہر حال مجھے رہا کرنا تو ناگزیر تھا، اس لیے اس کے بغیر ورکنگ کمیٹی کا جلسہ نہیں ہوسکتا تھا۔

مجھے رہائی کا حکم ملا تو میں بڑی ذہنی کش مکش میں مبتلا تھا۔ دراصل آزاد کیے جانے سے میری خودداری کو صدمہ پہنچا۔ اس سے پہلے ہر موقع پر جب میں جیل سے نکلا تو میرے دل میں محدود کامیابی کا احساس ہوا کرتا تھا۔ اس مرتبہ دل میں یہ بات کھٹک رہی تھی کہ اگر چہ لڑائی دو برس سے زیادہ جاری رہ چکی تھی، پھر بھی ہم ہندوستان کی آزادی کے لیے کوئی موثر اقدام نہیں کرسکے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہم حالات کے نارے ہوئے لوگ ہیں، اپنی تقدیر کے مالک نہیں ہیں۔

رہا ہونے کے فوراً بعد میں نے ورکنگ کمیٹی کا جلسہ باردولی میں طلب کیا۔ گاندھی جی وہاں ٹھیرے ہوئے تھے اور انھوں نے خواہش ظاہر کی تھی کہ جلسہ وہیں ہو۔ میں گاندھی جی سے ملنے گیا اور ملتے ہی مجھے احساس ہوا کہ ہم دونوں پہلے سے بھی زیادہ ایک دوسرے سے دور ہوگئے ہیں۔ پہلے ہم دونوں کے درمیان صرف اصول کا اختلاف تھا، اب میں نے دیکھا کہ حالات کا جائزہ لے کر ہم بنیادی طور پر مختلف نتیجے نکال رہے ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ گاندھی جی کو اب یقین ہے کہ برطانوی حکومت ہندوستان کو آزاد تسلیم کرنے پر تیار اور رضامند ہوگئی ہے، بہ شرطے کہ ہندوستان جنگ کی سرگرمیوں میں پوری طرح تعاون کرنے

کا وعدہ کرے۔ وہ سمجھتے تھے کہ حکومت کا رجحان قدامت پسندی کی طرف ہے۔ اگرچہ مسٹر چرچل وزیراعظم ہیں، مگر لڑائی ایسی حد پر پہنچی ہے کہ جہاں انگریزوں کے لیے ہندوستان کے تعاون کے بدلے اس کو آزاد کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ میرا اپنا اندازہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ برطانوی حکومت خلوص کے ساتھ چاہتی ہے کہ ہم اس سے تعاون کریں، لیکن وہ اب بھی ہندوستان کو آزاد کرنے پر تیار نہیں ہے۔ جنگ کے دوران میں برطانوی حکومت زیادہ سے زیادہ یہ کرے گی کہ ایک نئی ایگزیکیٹو کونسل بنائے، جس کے اختیارات زیادہ ہوں اور کانگریس کو اس میں کافی نمایندگی دے۔ اس مسئلے پر ہمارے درمیان بحثیں ہوئیں، لیکن میں گاندھی جی کو قائل نہ کرسکا۔

رہا ہونے کے تھوڑے عرصے کے بعد میں نے کلکتہ میں پریس کانفرنس کی جب مجھ سے پوچھا گیا کہ جنگ کے معاملے میں کانگریس اپنی پالیسی بدلنے پر تیار ہے یا نہیں؟ تو میں نے جواب دیا کہ یہ برطانوی حکومت کے رویے پر منحصر ہے۔ اگر حکومت نے اپنا رویہ بدلا تو کانگریس بھی اپنا رویہ بدل دے گی۔ میں نے یہ بات صاف کردی کہ جنگ کے مسئلے میں کانگریس کی جو رائے یا پالیسی ہے اس کی حیثیت ایسے عقیدے کی سی نہیں ہے، جس میں کبھی کوئی تغیر نہ ہوسکے۔ اس کے علاوہ مجھ سے پوچھا گیا کہ اگر جاپان ملک پر حملہ کرے تو ہندوستانیوں کو کیا کرنا چاہیے، میں نے ایک لمحہ تامل یا تکلف کیے بغیر جواب دیا کہ ہر ہندوستانی کو تلوار ہاتھ میں لے کر ملک کا تحفظ کرنا چاہیے۔ اس کے بعد میں نے کہا ''ہم یہ اسی صورت میں کرسکتے ہیں کہ وہ زنجیریں کھول دی جائیں جن میں ہمارے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے ہیں۔ ہاتھ پاؤں بندھے ہوں تو ہم کیسے لڑ سکتے ہیں''۔

لندن کے ''ٹائمز'' اور ''ڈیلی نیوز'' اخباروں نے اس پریس کانفرنس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس سے پتا چلتا ہے کہ گاندھی جی اور کانگریس کے لیڈروں کے درمیان اختلاف ہے۔ گاندھی جی نے جنگ کے بارے میں ایک رائے قایم کرلی ہے جس کو بدلا نہیں جاسکتا اور جس کی وجہ سے نہ گفت و شنید کی گنجایش رہتی ہے نہ امید! دوسری طرف کانگریس کے صدر کے بیان سے توقع ہوتی ہے کہ سمجھوتا کیا جاسکتا ہے۔

جب ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہوا تو گاندھی جی نے برطانیہ کے اخباروں کے تبصروں کا ذکر کیا۔ انھوں نے اس کا اعتراف کیا کہ ان پر ان تبصروں کا ایک حد تک اثر پڑا ہے اور ان

کے اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے کہ برطانوی حکومت اپنے رویے کو بدلنے پر تیار ہو جائے گی اگر کانگریس جنگ میں تعاون کرنے کا وعدہ کرے۔ اس مسئلے پر دو دن تک بحث ہوتی رہی کہ کانگریس کا رویہ کیا ہونا چاہیے؟ مگر کوئی متفقہ فیصلہ نہ ہو سکا۔ گاندھی جی اپنی اس رائے پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہے کہ عدم تشدد ایک عقیدے کا مرتبہ رکھتا ہے اور اسے کسی حالت میں ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے ایک لازمی نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ وہ کسی حالت میں بھی ہندوستان کا جنگ میں شرکت کرنا پسند نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے اپنے خیال کو، جسے میں پہلے بھی بیان کر چکا تھا، دہرایا کہ کانگریس کو ہندوستان کی آزادی پر زیادہ زور دینا چاہیے اور عدم تشدد کے مسئلے پر مقابلتاً کم۔

گاندھی جی میں مشکل سے مشکل مسئلوں کا حل تلاش کر لینے کی جو صلاحیت تھی، اس کا ایک نمایاں ثبوت اس طرح ملا کہ انھوں نے اس بند گلی سے نکلنے کے لیے ایک فارمولا تجویز کیا، جس سے دونوں مخالف نقطہ نظر رکھنے والے مطمئن ہو سکتے تھے۔ ان میں اس کی بھی حیرت انگیز صلاحیت تھی کہ اپنے مخالف کے نقطۂ نظر کو سمجھیں اور اسے منصفانہ طریقے پر بیان کریں۔ جب انھوں نے دیکھا کہ میں ہندوستان کی جنگ میں شرکت کے معاملے میں سختی سے اپنی رائے پر قایم ہوں تو انھوں نے میرے اوپر دباؤ ڈالنا چھوڑ دیا۔ اس کے برعکس انھوں نے ورکنگ کمیٹی کے سامنے ایک ریزولیوشن کا مسودہ پیش کیا جس میں میرا نقطۂ نظر بالکل صحیح صحیح پیش کیا گیا تھا۔

اس کے بہت جلد بعد ہندوستان کی سیاسی کیفیت میں ایک اور اہم تبدیلی ہوئی۔ سبھاش چندر بوس نے جنگ کے چھڑتے ہی سرگرمی کے ساتھ ایک تحریک شروع کی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ جنگ کے لیے تیاری کے انتظامات کی مخالفت کی جائے۔ ان کی جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قید کر دیے گئے، مگر جب انھوں نے فاقہ شروع کیا تو انھیں چھوڑ دیا گیا۔ ۲۶ر جنوری ۱۹۴۱ء کو معلوم ہوا کہ وہ ہندوستان سے چلے گئے ہیں۔ قریب ایک سال تک ان کی کوئی خبر نہیں آئی۔ اور کوئی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ زندہ ہیں یا نہیں؟ مارچ ۱۹۴۲ء میں اس وقت تمام شکوک رفع ہو گئے جب برلن ریڈیو سے ان کی ایک تقریر نشر کی گئی۔ اب یہ بات ظاہر تھی کہ وہ جرمن پہنچ گئے ہیں اور وہاں انگریزوں کے خلاف ایک محاذ قایم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس دوران میں ہندوستان پر برطانوی

قبضے کے خلاف جاپانی جو پروپیگنڈا کر رہے تھے اس میں اور شدت پیدا ہوگئی۔ جرمنی اور جاپان نے پروپیگنڈے کا جو دھارا مسلسل بہتا ہوا ہندوستان آرہا تھا اس کا بہت سے ہندوستانیوں پر اثر ہوا۔ بہت سے لوگوں کے لیے جاپان کے وعدے میں بہت کشش تھی، وہ سمجھتے تھے کہ جاپان ہندوستان کی آزادی اور ایشیا کے اتحاد کے لیے کوشاں ہے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ چوں کہ جاپان کے حملے نے برطانیہ کو کم زور کر دیا ہے اس لیے اس سے ہم کو اپنی آزادی کی جدوجہد میں مدد ملی ہے۔ ہمیں اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ملک میں اس خیال کے جو لوگ تھے ان کی جاپان کے ساتھ ہمدردی بڑھتی رہی۔

گاندھی جی نے اور میں نے جو حالات کا اندازہ لگایا تھا۔ اس میں ایک اور اختلاف تھا۔ گاندھی جی اس وقت تک اس خیال کی طرف مائل ہو چکے تھے کہ جنگ میں اتحادی کامیاب نہ ہوسکیں گے۔ انھیں اندیشہ تھا کہ جرمنی اور جاپان کو فتح ہوگی اور اگر یہ نہ ہوا تو دونوں فریق زچ ہوکر رہ جائیں گے۔

جنگ کے انجام کے بارے میں گاندھی جی نے اپنے اس خیال کو صاف صاف بیان نہیں کیا، مگر ان سے جو بحثیں ہوئیں، ان سے مجھے اندازہ ہوا کہ اتحادیوں کی فتح میں ان کا یقین کم ہوتا جا رہا ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ سبھاش بوس کے ہندوستان سے بچ نکلنے اور جرمنی پہنچ جانے کا گاندھی جی پر بہت اثر ہوا ہے۔ آج کی بعض ادھر ادھر کی باتوں سے مجھے یقین ہوگیا کہ وہ اس ہمت اور خوش تدبیری کو قابل تعریف سمجھتے ہیں، جس کا سبھاش بوس نے ہندوستان سے نکل بھاگنے میں ثبوت دیا تھا۔ سبھاش بوس کے لیے ان کے دل میں جو قدر پیدا ہوگئی تھی، اس نے غیر محسوس طریقے پر جنگ کی ساری کیفیت کو ان کی نظروں میں ایک اور رنگ دے دیا۔

یہی جذبہ ان اثرات میں سے تھا جنھوں نے ان گفتگوؤں کی صفائی میں فرق ڈال دیا جو کرپس مشن سے ہوئیں۔ میں بعد کے ایک باب میں اس تجویز پر جو کرپس لائے تھے اور ان اسباب پر جن کی وجہ سے ہم نے اسے نامنظور کیا، تفصیل کے ساتھ بحث کروں گا۔

یہاں میں ایک افواہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو کرپس کی آمد کے وقت گشت کر رہی تھی۔ یہ خبر گرم تھی کہ سبھاش بوس ایک ہوائی حادثے میں مر گئے۔ اس سے ہندوستان میں ایک سنسنی سی پھیلی اور دوسرے لوگوں کے ساتھ ہی گاندھی جی کو بھی اس سے صدمہ پہنچا۔ انھوں

نے سبھاش بوس کی والدہ کو ایک تعزیتی پیغام بھیجا، جس میں انھوں نے ان کے بیٹے اور ان کی قومی خدمات کا بہت پر جوش انداز میں ذکر کیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ خبر غلط ہے۔ کرپس نے مجھ سے شکایت کی کہ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ گاندھی جی ایسے شخص، سبھاش بوس کے بارے میں جذبات کے اس جوش کے ساتھ بات کریں گے! گاندھی جی عدم تشدد کے اصول سے پختہ عقیدت رکھتے تھے اور سبھاش بوس نے محوری طاقتوں کا کھلم کھلا ساتھ دیا تھا اور میدان جنگ میں اتحادیوں کی شکست کے لیے پرزور پروپیگنڈا کر رہے تھے۔

(انڈیا ونس فریڈم، ص ۲۱۔۱۱۸)

سبھاش ہٹلر ملاقات:

۱۹۴۱ء: جرمنی میں سبھاش باپو نے ہٹلر سے ملاقات کی، ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں اسے اپنا ہم خیال بنایا اور ''بھارتیہ سوادھینستا لیگ'' قایم کی اور جنوری ۱۹۴۲ء میں لیگ کے تحت ایک بٹالیں قایم کرلیا۔ (کرنل محبوب احمد، ص ۷۵۔۷۴)

مردم شماری ۱۹۴۱ء

	کل آبادی	ہندو (فیصد)	مسلمان (فیصد)	سکھ (فیصد)	دیگر اقوام
انبالہ ڈویژن					
حصار	۱۰۰۷۰۰۰	۵۶ء۸۳	۲۸ء۳۳	۶ء۰۳	۸ء۸۱
رہتک	۹۵۶۰۰۰	۸۱ء۶۱	۱۷ء۴۲	۰ء۱۸	۰ء۸۲
گڑگانو	۸۵۱۰۰۰	۶۵ء۸۵	۳۳ء۵۶	۰ء۷۰	۰ء۵۲
کرنال	۹۹۴۰۰۰	۶۶ء۹۷	۳۰ء۶۸	۲ء۰۰	۰ء۳۵
انبالہ	۸۴۸۰۰۰	۴۸ء۴۰	۳۱ء۷۳	۱۸ء۰۰	۱ء۸۷
شملہ	۳۹۰۰۰	۷۶ء۳۸	۱۸ء۲۰ء	۲ء۶۷	۲ء۱۵
میزان	۴۶۹۵۰۰۰	۶۶ء۰۱	۲۸ء۰۷	۵ء۱۲	۰ء۸۰

جالندھر ڈویژن

کانگڑہ	۸۹۹۰۰۰	۹۳٫۲۳	۴٫۸۱	۰٫۵۳	۱٫۴۳
ہوشیار پور	۱۱۷۰۰۰۰	۴۰٫۰۱	۳۲٫۵۳	۱۶٫۹۴	۱۰٫۵۲
جالندھر	۱۱۲۷۰۰۰	۱۷٫۵۹	۴۵٫۲۳	۲۶٫۵۰	۱۰٫۶۸
لدھیانہ	۸۱۹۰۰۰	۲۰٫۳۶	۳۶٫۹۵	۴۱٫۶۸	۱٫۱۱
فیروز پور	۱۴۲۳۰۰۰	۱۹٫۶۲	۴۵٫۰۷	۳۳٫۶۹	۲٫۶۶
میزان	۵۴۳۹۰۰۰	۳۵٫۸۷	۳۴٫۵۳	۲۴٫۳۱	۵٫۲۹

لاہور ڈویژن

امرتسر	۱۴۱۴۰۰۰	۱۵٫۳۳	۴۶٫۵۶	۳۶٫۱۳	۱٫۹۸
لاہور	۱۶۹۵۰۰۰	۱۶٫۷۷	۶۰٫۶۲	۱۸٫۳۲	۴٫۳۹
گورداسپور	۱۱۵۴۰۰۰	۲۴٫۵۵	۵۱٫۱۴	۱۹٫۱۸	۵٫۱۳
سیالکوٹ	۱۱۹۰۰۰۰	۱۹٫۴۱	۶۲٫۰۹	۱۱٫۷۱	۶٫۷۹
گجرانوالہ	۹۱۲۰۰۰	۱۱٫۸۳	۷۰٫۶۵	۱۰٫۸۷	۶٫۶۵
شیخوپورہ	۸۵۳۰۰۰	۹٫۱۲	۶۳٫۶۲	۱۸٫۸۵	۸٫۴۱
میزان	۷۲۱۸۰۰۰	۱۶٫۶۴	۵۸٫۱۸	۱۹٫۹۸	۵٫۲۰

راول پنڈی ڈویژن

گجرات	۱۱۰۵۰۰۰	۷٫۶۶	۸۵٫۵۸	۶٫۳۶	۰٫۴۰
شاہ پور	۹۹۹۰۰۰	۱۰٫۰۸	۸۳٫۶۸	۴٫۸۰	۱٫۵۴
جہلم	۶۳۰۰۰۰	۶٫۴۹	۸۹٫۴۲	۳٫۹۲	۱٫۱۷
راول پنڈی	۷۸۵۰۰۰	۱۰٫۵۰	۸۰٫۰۰	۸٫۱۷	۱٫۲۶
اٹک	۶۷۶۰۰۰	۶٫۳۹	۹۰٫۴۲	۲٫۹۷	۰٫۲۲
میاں والی	۵۰۶۰۰۰	۱۲٫۴۰	۸۶٫۱۶	۱٫۳۶	۰٫۰۸

میزان	۴۷۰۱۰۰۰	۸ء۸۲	۸۵ء۵۲	۴ء۹۸	۰ء۶۸

ملتان ڈویژن

منٹگمری	۱۳۲۹۰۰۰	۱۴ء۳۸	۶۹ء۱۱	۱۳ء۱۷	۳ء۳۴
لائل پور	۱۳۹۶۰۰۰	۱۱ء۶۲	۶۲ء۸۵	۱۸ء۸۲	۲ء۷۱
جھنگ	۸۲۲۰۰۰	۱۵ء۸۰	۸۲ء۶۱	۱ء۴۹	۰ء۲۰
ملتان	۱۴۸۴۰۰۰	۱۶ء۳۷	۷۸ء۰۱	۴ء۱۵	۰ء۴۷
مظفر گڑھ	۷۱۳۰۰۰	۱۲ء۷۰	۸۶ء۴۲	۰ء۸۲	۰ء۰۶
ڈیرہ غازی خان	۵۸۱۰۰۰	۱۱ء۵۹	۸۸ء۱۹	۰ء۱۸	۰ء۰۴
سرحد پار کا بلوچ علاقہ	۴۰۰۰۰	۰ء۳۹	۹۹ء۶۰	۰ء۰۰	۰ء۰۱

۱۹۴۲ء

۲ر جنوری ۱۹۴۲ء: مسٹر محمد علی جناح نے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے رزولیوشن پر اپنے ردعمل کا ایک انٹرویو میں اظہار کیا ہے، اس میں آپ نے فرمایا:

''میری توجہ باردولی میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ریزولیوشنوں کی طرف منعطف کرائی گئی۔ (منعطف کرانے والا کون تھا؟) میرے لیے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ ان ریزولیوشنوں کا مطلب کیا ہے۔ کانگریس ان ریزولیوشنوں میں اپنی پہلی پوزیشن سے بال بھر بھی ادھر اُدھر نہیں ہوئی، کانگریس نے وہی پہلا مطالبہ کیا ہے کہ ہندوستان کی فوری آزادی کا غیر مشروط اعلان کیا جائے۔ (سب سے بڑا جرم) ہندوستانیوں کو کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے ذریعے سے اپنا آئین مرتب کرنے کا حق دیا جائے۔ (گناہ عظیم) اور کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی کے ممبروں کو متحدہ ہندوستان میں ہر بالغ کے حق رائے دہی کی بنا پر منتخب کیا جائے۔ (دعویٰ جمہوریت کے ساتھ اس سے بڑا جرم اور کیا ہو سکتا ہے)۔

ان مطالبات کو منظور کرنے کا مطلب ہندو راج قایم کرنا ہے جسے مسلم ہندوستان کبھی منظور نہیں کر سکتا۔

مسلم لیگ نے صاف کہہ دیا ہے کہ اگر ۸ر اگست کی پیش کش سے مختلف کوئی اعلان

کیا گیا تو اس نازک مرحلے پر نہایت خطرناک حالات پیدا ہو جائیں گے اور یہ مسلمانوں کے ساتھ بھاری غداری ہوگی۔ جہاں تک جنگی کوششوں کا تعلق ہے مسلم لیگ اکیلی یا دوسری پارٹیوں کے ساتھ مل کر ملک کی حفاظت کا بوجھ اپنے کندھوں پر لینے کے لیے تیار ہے۔ بہ شرطے کہ مسلمانوں کو مرکز اور صوبوں میں حقیقی حصہ دیا جائے لیکن گورنمنٹ نے آل انڈیا مسلم لیگ کی پالیسی کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ (ضرورت کیا تھی دنیا جانتی ہے مسلم لیگ انگریز کی کاسہ لیس ہے) (زم زم، ۷/ جنوری ۱۹۴۲ء)

حضرت شیخ الاسلام کے نام ایک خط:

۱۹/ جنوری ۱۹۴۲ء: عبدالوہاب خان متھلوی (لاہور) نے مودودی صاحب کے ایک مضمون سے متاثر ہو کر حضرت شیخ الاسلامؒ کی خدمت میں درجۂ ذیل خط لکھا تھا:

''مکرمی جناب مولانا صاحب زاد عنایتکم، السلام علیکم، بعد آداب مسنون کے عرض ہے کہ مجھے یہ خیال بہت دنوں سے گھیرے ہوئے تھا کہ کیا ہم کانگریس میں شامل ہو کر ہی آزادی حاصل کر سکتے ہیں، علاحدہ ہو کر اس عظیم کام کو سرانجام نہیں دے سکتے اور کیا مسلمان ہندوؤں کی قیادت میں ہی حصولِ آزادی کے لیے کوشش کر سکتے ہیں؟ جب آج میں نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا مضمون پڑھا تو مجھ پر کلی طور پر یقین طاری ہو گیا کہ مسلمان اگر غیر مسلم کی قیادت میں کوئی کوشش کریں گے تو وہ بے سود ثابت ہوگی، اگر کچھ کامیابی بھی ہوئی تو وہ صرف سطحی ہوگی اور اسلام کے اصولوں کے خلاف ہوگی۔ لیکن میرے دماغ میں اسی وقت یہ خیال آیا کہ جب ہمارے سب علما کانگریس میں شامل ہو گئے ہیں تو ہم کیوں کر پیچھے رہ سکتے ہیں؟ لیکن شامل ہونے سے پہلے میں نے یہ سوچا کہ پہلے پہل مجھ کو وجہ تو معلوم ہونی چاہیے، جس کی وجہ سے ہمارے مقتدر علما کانگریس میں شامل ہوتے ہیں، ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ آپ ازراہِ نوازش یہ بتائیں آپ سب حضرات کانگریس میں کیوں شامل ہوئے اور کیوں علاحدہ مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے ہندوؤں سے آگے بڑھ کر حصولِ آزادی کے لیے کوشش کو پسِ پشت ڈال دیا ہے، ضرور ممنون و شکر گذار ہونے کا موقع عنایت فرمائیں گے، عین نوازش ہوگی۔ میری اپنی حقیر رائے یہ ہے کہ مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جس شکل سے بھی جمع ہو سکیں، جمع کر کے

جنگ آزادی لڑیں اور پھر دوسری اقوام ہمارے پیچھے چلیں اور ہر کام میں ہم بھی پیش پیش ہوں۔ مجلس احرار، مسلم لیگ، جمعیت علمائے ہند کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ ہے: مسلمانانِ ہند کو بہ حیثیت مجموعی ہندوستان میں آبرو مندانہ اور خود مختارانہ زندگی بسر کرنے کے قابل بنایا جائے اور ان کے جائز حقوق اور مفاد کی حفاظت کے ساتھ سیاسی، ترقی کے لیے میدان وسیع کیا جائے۔

جب ایک ہی مقصد ہے تو یہ نفاق و اختلاف کی خلیج اتنی وسیع کیوں ہے؟ یہ جو خلیج اتنی وسیع تر ہوتی جارہی ہے اس کے روکنے کی تدبیر کو کیوں معرضِ وجود میں لایا نہیں جاتا؟

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا مضمون ساتھ ہی بھیج رہا ہوں، مہربانی فرما کر جواب دے کر ضرور ممنون و مشکور فرمائیں گے"۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کا فکر انگیز جواب:

اس خط میں بعض سوالات اور مکتوب الیہ کے اشکالات کے حضرت نے ان کی درخواست کے مطابق بہت تفصیل سے اور نہایت علمی اور فکر انگیز جوابات دیے۔ معلوم نہیں انھوں نے اس کا کیا اثر لیا لیکن ان کے سوالات اور اشکالات کی بہ دولت ہمیں اسلامی تاریخی اور دینی معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ ہاتھ آگیا۔ حضرت کے جواب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت نے سیاست کے ہر پہلو پر کتنا وسیع و عمیق مطالعہ فرمایا تھا۔ حضرت کا انداز فکر کتنا حقیقت پسندانہ تھا اور آپ کے تمام سیاسی افکار و اعمال کی بنیاد اسلام کی تعلیمات حقہ تھیں۔ اب حضرت کا مکتوب گرامی ملاحظہ ہو:

محترم المقام! زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، میں نہایت عدیم الفرصت ہوں، آپ کا مضمون تفصیل طلب ہے، کاش اگر کوئی ملاقات کا موقع ہوتا تو تبادلۂ خیالات کی پوری صورت ہوسکتی تحریر بہت زیادہ طول چاہتی ہے، جس کی فرصت نہیں، مودودی صاحب کا مضمون احوالِ حاضرہ کے ہوتے ہوئے سمجھ میں نہیں آتا۔

میرے محترم! کوئی ایسا مسلمان نہ ہوگا جو کہ مسلم راج کا طالب اور خواہش مند نہ ہو، جیسے کہ کوئی ہندو اور سکھ اور کوئی پارسی اور عیسائی ایسا نہ پایا جائے گا جو اپنے مذہب اور قوم کی حکومت کا خواہش مند نہ ہو، مگر اس کے نصیب العین اور قلبی خواہش سے روکنے والے گردو

پیش کے احوال ہوا کرتے ہیں، اگر احوال مساعد ہوتے تو یہ ہندوستان کی چھ سو برس کی مسلم حکومت ہی کیوں فنا ہوتی اور کیوں مسلمانوں کی عام پبلک غیروں کی غلام ہوتی؟ آج روئے زمین پر بہ قول نیویارک ٹائمز مسلمانوں کی مردم شماری ۷۰ کروڑ ہے۔ مگر آزاد مسلمان بہ مشکل چار پانچ کروڑ نکل سکیں گے۔ صرف ہندوستان ہی کے مسلمان غلام نہیں ہیں، بلکہ تمام برّ اعظم افریقہ اور یورپ اور اکثر حصۂ ایشیا کے مسلمان مجبور، مقہور اور غلام اغیار واعدا ہیں اور جہاں یہ آزاد بھی ہیں، وہاں بھی حکومت الٰہیہ مودودی صاحب کی تقریباً معدوم ہی ہے۔ ہندوستانی مسلمان تو سب سے زیادہ مجبور و مقہور ہیں، ادھر تو حکومت اعداء اللہ کی ہے ہی، اُدھر غیر مسلم اکثریت جس نے ہر طرف سے اس کو گھیر رکھا ہے، اس کے علاوہ اکثریت غیر مسلم بھی معمولی نہیں ہے (فیصدی ۷۵) تمام ہندوستان میں غیر مسلم ہیں اور فیصدی ۲۵ مسلمان ہیں، علاوہ تفرق ظاہری و باطنی کے ان کی خواہشات اور ڈیوائڈ اینڈ رول نے وہ تشتت پیدا کیا ہوا ہے، الامان اور الحفیظ۔ پھر اس پر ان کا فقر و فاقہ، افلاس و انعدام اسلحہ وغیرہ اور بھی ان کو بے بس کیے ہوئے ہے۔ مگر اس پر بھی علما کی جماعت نے بار بار ازمنہ سابقہ میں کامیابی کی انتہائی کوشش کی، مگر سوائے ناکامی کچھ ہاتھ نہ آیا۔ حضرت سید احمد صاحب شہید اور مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہما نے کیا کچھ نہیں کیا؟ مگر کیا ہوا۔ ۱۸۵۷ء میں حضرت حاجی امداداللہ صاحب اور مولانا نانوتویؒ اور مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہم نے کیا کیا نہیں کیا؟ مگر کیا ہاتھ آیا ۱۹۱۴ء میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے کیا کیا نہیں کیا؟ مگر کیا پیش آیا۔

محترما! سیاسیات صرف فلسفیات سے انجام نہیں پاتیں، بلکہ تاریخ بھی اس کے ساتھ ضروری ہے۔ مجبوریتیں اسی اہون البلیتین کی طرف کھینچ کر لاتی ہیں اور لائی ہیں، مذہب اسلام بھی احوال کی بنا پر احکام کو بدلواتا ہے، احوالِ گرد و پیش سے چشم پوشی بلاکت اور خودکشی ہے۔ آج ہم اگر تشدد پر قادر ہوتے تو کہا جاسکتا کہ مسلم اقلیت اپنے مقاصد پر کامیاب ہو جائے گی، مگر یہ چیز ناممکن ہوگئی۔ آئینی تحریک میں اگر کامیابی طلب کی جائے گی تو بہ جز اشتراک عام آبادی اور صورت ہی کیا ہوسکتی ہے؟ آج ہر ہر قدم انگلستان سے یہی راگ الاپا جارہا ہے کہ ہندوستانیوں کو آزادی صرف اس وجہ سے نہیں دی جاسکتی کہ وہ آپس میں متحدہ نہیں ہیں، نہ مذہبیات میں، نہ سیاسیات میں۔ ایک جماعت اگر مکمل آزادی کی

خواہش مند ہے تو دوسری ڈومینین اسٹیٹس کی، تیسری برطانوی راج کی، چوتھی رام راج کی، پانچویں ڈیموکریسی کی، چھٹی بالشویزم کی وغیرہ وغیرہ۔ ان میں آپس میں فرقہ وارانہ جذبات کے شعلے بھڑک رہے ہیں، ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہے، گائے اور باجا پر روزانہ خون کی ندیاں بہا کرتی ہیں، اگر ہمارا ظلّ عاطفت ان سے اُٹھ جائے گا تو ہندوستان جہنم نشان بن جائے گا، آئے دن کے واقعات استدلال میں پیش کیے جاتے ہیں اور پھر اپنی مقصد برآری کے لیے تمام ہندوستانیوں کو خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، اس طرح پیسا جاتا ہے کہ تمام ہندوستان قالب بے جان ہو کر رہ گیا، فقر و فاقہ کا چاروں طرف طوفان بپا ہے، بے کاری اور بے روزگاری کی گھنگور گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں اور اپنے سخت اندھیروں سے سب کو برباد کر رہی ہے۔

تجارت، زراعت، حکومت، ملازمت، دین و دولت سب کو ہی برباد کیا گیا ہے اور کیا جا رہا ہے۔ ہندوستان کے چشمہ ہائے زندگی و سرمایہ داری اپنے قبضے میں کر کے ہندوستانیوں کو مفلوج بنا دیا گیا ہے، نہ مفادِ عامہ ان کے ہاتھ میں ہیں، نہ مفاد خاصہ، پس اگر بالفرض آٹھ کروڑ مسلمان سب کے سب یک جان اور متعدد قالب بھی ہو جائیں تو کیا وہ اپنی متفقہ آواز سے بھی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اور جس چیز کو مودودی صاحب پیش فرما رہے ہیں۔ اس کے ذریعے سے اس غلامی کی لعنت سے گلو خلاصی ہو سکتی ہے اور کیا پردیسی آہنی پنجہ کو یہ اتفاق اور اتحاد (اگر پیدا ہو بھی گیا) توڑ سکتا ہے اور کیا اس کے ذریعے سے ملک کی اندرونی فتنے صرف اس کی وجہ سے مندفع ہو سکتے ہیں؟ عالم اسباب میں اسباب و ذرائع لغو نہیں کیے جا سکتے، نہ شریعت نے اس اعتراض کو روا رکھا ہے اور نہ عقل اور تاریخ اس کی اجازت دیتی ہے۔

اگر امامت کے یہی معنی ہیں اور غیر مسلم کی امامت مسلمانوں کے لیے ناجائز اور حرام ہے، تو میونسپل بورڈوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں، اسمبلیوں، کونسلوں، تجارتی، صنعتی، انتظامی بورڈوں وغیرہ میں مسلمانوں کی شرکت ہندوستان میں بالکل حرام ہونی چاہیے۔ کیوں کہ اکثر ان سب کا پریسیڈنٹ اور سیکرٹری غیر مسلم ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ جملہ شعبہ ہائے حکومت کو خواہ وہ فوجی ہوں یا انتظامی، علمی ہوں یا صنعتی، مالی ہوں یا تجارتی وغیرہ وغیرہ۔ سب کی ملازمت بہ ہر نوع ممنوع اور حرام ہوگی، کیوں کہ ان سب کا امام غیر مسلم

ہے، وہ جو قانون چاہتا ہے بناتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے چلاتا ہے، تمام ملازموں کو اسی کے حکم پر چلنا پڑتا ہے، ورنہ ملازمت سے ہاتھ دھونا اور فقر وفاقہ کے مہاک گڑھوں میں تمام خاندان اور بچوں کو فنا کے گھاٹ اُتارنا ہوتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ اشخاص فنا کے گھاٹ اُترتے ہیں، بلکہ قوم مسلم کو ہر قسم کی بربادی گھیرتی ہے۔ ذرا غور فرمائیے، اور تفصیلی نظر ڈالیے، نیز اگر غیر مسلم کی امامت محرمہ کے یہی معنی ہیں۔ جو کہ مودودی صاحب بتلا رہے ہیں، تو آپ ہی بتلائیے کہ غیر مسلم ڈاکٹر کا معالجہ، غیر مسلم انجینئر اور معمار کی تعمیر، غیر مسلم منتظم کی انتظامی کارروائیاں، اس کی قیادت کے ماتحت سب کی سب ناجائز ہوتی ہیں، کیا ان سب کو قلم تحریم سے لکھ کر ممانعت کے حکم سے فنا کیا جاسکتا ہے اور اگر ایسا ہے تو اس ملک میں فلاح اور بہبودی کی کیا صورت ہوگی؟

محترما: کیا اس وقت تک کہ آپ اپنی اتحادی قوت پیدا کریں، آپ اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو تمام ورطات سے محفوظ رکھ سکیں گے اور تمام اتحادی قوت پیدا ہو جانے کے بعد بھی آپ قوم اور اشخاص کو اس ملک میں نجاست کے رستے میں گامزن رکھیں گے؟ ذرا سوچیے!

اس کے بعد دوسرا سوال یہ پیش آتا ہے کہ آیا آپ کی مسلم قوم کو صرف ایک ہی راستے پر لایا بھی جاسکتا ہے، جب کہ آپ کے پاس مجبور کرنے والی کوئی قوت نہیں ہے، جب کہ ہر ایک آزاد ہے اور ہر ایک عقل اور ہمت، قوتِ ارادہ دوسرے کے تابع ہونے کو قبول نہیں کرنا چاہتا، ہمارے پاس بہ جز وعظ ونصیحت وارادۂ طریق ورہ نمائی کوئی چیز ہے۔ جس سے سب کو راہ پر لاسکیں؟ اگر ایک طرف مغربیت نے اپنا فریضہ بنایا ہے، تو دوسری طرف مشرقیت اپنا ڈورا ڈالے ہوئے ہے، ایک طرف شیعیت کا دور دورہ ہے تو دوسری طرف قادیانیت کا، تیسری طرف خاکساریت کا، چوتھی طرف عدم تقلید کا، وغیرہ وغیرہ۔ ہر ایک اپنی عقل کو ارسطو اور افلاطون سے بالا سمجھ رہا ہے، پھر اس کی سبیل کیا ہے؟ سیاسی افکار ایک نہیں ہیں، انتظامی خواہشات جدا جدا ہیں، اغراض وخودستائی کا وہ غلبہ ہے کہ الامان والحفیظ۔

بایں ہمہ جمعیت نے جو نصب العین اور دستور اساسی پیش کیا ہے اور جس طرف وہ مسلم قوم کو بلا رہی ہے کیا وہ یہی نہیں ہے؟ پھر بتلائیے کہ کیوں وہ ناکام ہے اور کیوں آپ کا طوفان ملامت اس کی طرف اُمنڈ رہا ہے۔ آپ اس کے دستور اساسی کو ملاحظہ فرمائیے۔

یہ بالکل غلط ہے کہ جمعیت نے غیر مسلم کو قائد اور امام بنایا ہے، وہ مستقل ادارہ ہے،

جو بات بھی کانگریس یا دیگر سیاسی جماعتیں اختیار کرتی ہے اس کو جمعیت کے ارباب حل و عقد اپنی مشعل ہدایت کے سامنے لا کر جو کہ قرآن و حدیث و فقہ سے بنی ہوئی ہے، غور و فکر کرتے ہیں اور صحیح چیز کو اختیار کرتے ہیں، غیر صحیح کو رد کر دیتے ہیں۔ جمعیت مسلمانوں کے سامنے اس کو نہ پیش کرتی ہے نہ خود عمل کرتی ہے، اس کے ریکارڈ جانچیے ایسے متعدد واقعات اور پروگرام آپ پائیں گے جن کی نہ صرف عدمِ موافقت جمعیت کی طرف سے ہوئی ہے، بلکہ مخالفت اور سرگرمی بھی عمل میں آتی رہی ہے۔ جمعیت ان امور سیاسیہ اور آزادی کی جدوجہد میں صرف اشتراک عمل کر رہی ہے، کسی غیر مسلم جماعت یا غیر مسلم قائد کی آنکھ بند کر کے تابعداری نہیں کر رہی ہے اشتراک عمل اور چیز ہے اور اقتدار و تابعیت اور چیز ہے۔ یہاں نہ تو غیر مسلم کا اقتدار پایا جاتا ہے نہ اس کی امداد و اعانت پائی جاتی ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے لاہور جانے والی سڑک پر دو شخص مسلم اور غیر مسلم ایک گاڑی میں چل رہے ہیں اور قزاقوں اور چوروں اور راہ کے گم کرنے سے ہر ایک دوسرے کا تحفظ کر رہا ہے اور بس۔ ایسی صورت میں امامت مفروضہ کہاں پائی جاتی ہے اور اس کا الزام کہاں تک صحیح ہے، احوال حاضرہ کو جانچ کر کوئی حکم کیجیے۔

میرے محترم، نماز جیسی قطعی اور لازمی چیز ہے، احوال سے متبدل ہوتی رہتی ہے، حالتِ اقامت اور حالتِ سفر کی نمازوں میں کس قدر تفاوت ہے، حالت صحت اور حالت مرض کی نمازوں میں کتنا بون بعید ہے، معذور اور غیر معذور کی نمازوں میں کس قدر فرق ہے؟

احوال کے تبدل سے روزہ، زکوٰۃ حج، وضو وغیرہ سب ہی متبدل ہوتے رہتے ہیں۔ کیا آپ آج ہندوستان میں حکومت الٰہیہ کا حکم رجم زانی کے لیے، قطع ید سارق کے لیے، اسّی کوڑوں کا حکم شراب خور اور قاذف کے لیے، قصاص اور دیت کا حکم قاتل کے لیے، قطع ایدی وارجل کا حکم قزاقوں اور باغیوں کے لیے، جو کہ قرآن میں منصوص ہے، جاری کریں گے اور کیا اس دارالحرب میں اور موجودہ احوال میں یہ جاری ہو سکتے ہیں اور کیا ہم پر ان کا اجرا ان احوال میں فرض ہے یا نہیں، کیا میت کے کھانے اور شراب کے پینے، خنزیر کے گوشت کے احکام اکراہ اور اضطرار کی حالت میں ویسے ہی رہتے ہیں جیسے کہ طوع و اختیار یا غیر اضطرار میں تھے، کیا اگر کوئی اضطرار یا اکراہ ملجی کی حالت میں ان

چیزوں کو اختیار نہ کرے اور قتل ہوئے تو گناہ گار نہ ہوگا۔ اس قسم کی سیکڑوں نہیں ہزاروں نظیریں شریعت میں پائی جاتی ہیں، سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا نہیں جا سکتا۔ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عبداللہ بن اریقط دیلی کو بہ وقتِ ہجرت اپنا رہبر بنانا، جب کہ کفار جان کے درپے تھے، اس پر روشنی نہیں ڈالتا؟ وہ جس راستے پر سب کی نجات سمجھتا تھا لے جاتا تھا، آپ اس کے ساتھ تھے اور اتباع کرتے تھے، اس پر اعتماد کیے ہوئے تھے، وہ رہنما تھا؛ وہ راہوں سے واقف تھا، ہجرت فرض تھی، پھر اس رہ نمائی اور اتباع میں کیا فرق ہے؟ بدرقہ کہہ کر اس کو ٹال دینا قرین عقل و انصاف کیوں کر ہو سکتا ہے؟ مدینۂ منورہ میں پہنچ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودِ مدینہ سے حلف لیا اور مشرکین سے جنگ جاری رکھی، حدیبیہ میں مشرکین سے صلح کی اور یہود سے جنگ کی۔ کیا ان میں ہمارے لیے روشنی نہیں ہے۔ ہم ہرگز اس کو روا نہیں رکھتے کہ احکامِ شرعیہ میں ادنیٰ سا بھی تغیر کیا جائے اور کسی غیر مسلم یا مسلم کی قیادت کے ماتحت کوئی بھی شرعی حکم چھوڑا یا بدلا جائے اور اسی وجہ سے جمعیت علما کا قیام ہر زمانے میں ضروری اور لازم سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کے لیے واجب جانتے ہیں کہ اس کی ہادیت پر عمل کریں۔ ہاں یہ بھی ہم ضروری سمجھتے کہ احکام شرعیہ میں ماہرین کا غور و خوض ہو اور اپنی پوری قوت دماغی اور عملی سے کام لے کر مسلمانوں کی رہ نمائی کی جاوے، جہاں تک ہم سمجھ سکتے ہیں جمعیت نے آج تک یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ وہ نہ قوتِ باطل سے دب کر کوئی تغیر احکام میں کرتی ہے نہ آج تک اس نے کی ہے اور نہ وہ کسی طمع اور لالچ میں آکر کسی کی مداہنت کرتی ہے نہ اُس نے آج تک کی ہے۔ ناواقفین شریعت اپنے اپنے خیال کے مطابق، تنقیدات اور اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے رہے ہیں، مگر انھوں نے مراکز رسالات علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کب معاف کیا تھا جو آج ان سے کوئی امید کی جائے؟ والسلام۔

میری معروضات سابقہ سے آپ خود سمجھ جائیں گے کہ مسلم جماعتوں کا آپس کا اختلاف، خود رائی، خود غرضی، نفس پروری، خود بینی، اور عدمِ اتباعِ شریعت اور حکومت وقت کی تفرقہ اندازی، لیڈروں کی ہوسِ اقتدار کی وجہ سے ہے، جس کو تجربے ہی سے بھانپا جا سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ اخلاص وللّٰہیت بہت ہی کم یا عنقا ہے، دعوے بہت ہیں، الفاظ بہت زیادہ ہیں، حقیقت اور معنی تقریباً مفقود ہیں، بھولے بھالے لوگ دھوکوں میں آئے

ہوئے ہیں۔

ننگِ اسلاف
حُسین احمد غفرلہٗ، یکم محرم ۱۳۶۱ھ

پٹنہ میں مولانا آزادؒ کی تقریر:

۷ر فروری ۱۹۴۲ء: پٹنہ، ۲ر فروری مولانا ابوالکلام آزادؒ صدر کانگریس نے آج یہاں انجمن اسلامیہ ہال میں طلبا کے ایک بھاری جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستانیوں کو سویٹ روس سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور اپنے قومی مفاد کو مقدم رکھنا چاہیے۔ آپ نے مزید کہا، کہ عمل کا وقت آ گیا ہے طلبہ کو چاہیے کہ وہ اپنی توجہ اس نازک مسئلے کو حل کرنے پر لگائیں جس سے ملک دوچار ہے۔ جب صورت حالات فوری عمل کی مقتضی ہو تو نعروں کے پابند رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ آپ نے مزید کہا کہ گورنمنٹ سے سمجھوتے کا کوئی امکان نہیں، اس لیے ایسی امید میں وقت ضایع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ملک کو اب سمجھوتے کی امید رکھنے کی بجائے اپنے طریقے کے مطابق قدم اٹھانا چاہیے، کانگریس نے وردھا میں پروگرام تیار کرلیا ہے اور طلبا کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

(زمزم، لاہور، ۷ر فروری ۱۹۴۲ء)

چیانگ کائی شیک کا دورۂ ہند:

فروری ۱۹۴۲ء: جاپان کے جنگ میں شریک ہونے سے چین کے قوم پرست رہنما چیانگ کائی شیک نے ہندوستان سے سمجھوتا کرنے کے لیے زیادہ اصرار شروع کیا۔ وہ برابر برطانوی حکومت پر دباؤ ڈالتے رہے تھے کہ ہندوستان کی آزادی کو تسلیم کرلے اور آزاد ہندوستان ہی اپنی مرضی سے جنگ میں شریک ہوکر موثر امداد فراہم کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو کے دورۂ چین کے دوران میں وہ ہندوستان کی سیاسی صورت حال کے بارے میں براہ راست گفتگو کر کے معلومات حاصل کرچکے تھے۔ چیانگ کائی شیک نے صدر کانگریس کو ایک خط میں ہندوستانیوں کے حوصلوں اور تمناؤں سے پوری ہمدردی ظاہر کی تھی۔ اب انھوں نے ہندوستان آکر کانگریس کے لیڈروں اور وایسرائے

سے ملاقات کر کے مفاہمت کے امکانات کا جائزہ لینے کا پروگرام بنایا۔ وہ فروری ۱۹۴۲ء کے اوّل نصف میں دہلی آئے۔ ۱۱ فروری کو مولانا اور پنڈت جواہر لال نے ان سے ملاقات کی۔ چیانگ کائی شیک نے ہندوستان کی آزادی کے مسئلے پر طویل تقریر کی اور دلائل و براہین سے آزادی حاصل کرنے کے طریقوں پر روشنی ڈالی۔

چینی رہ نما سے مولانا آزادؒ کی ملاقات:

ایک استفسار پر وضاحت کرتے ہوئے مولانا نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ اگر ہمارے راستے سے رکاوٹیں ہٹا دیں جائیں تو ہندوستان جمہوری ریاستوں کا ساتھ دے گا، نازی جرمنی کا نہیں۔ ہندوستان جمہوری ریاستوں کا ساتھ دینے کا خواہش مند ہے لیکن اسے یہ فیصلہ آزادانہ اور خود مختارانہ کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ میڈم اور چیانگ کائی شیک نے گاندھی جی سے دو گھنٹے ملاقات کی۔ انگریزی دانی کی وجہ سے میڈم نے یہاں بھی ترجمانی کے فرائض سرانجام دیے۔ گاندھی جی کی گفتگو کا چیانگ کائی شیک نے اچھا اثر قبول نہیں کیا۔ اس پر مولانا کو واقعی تعجب تھا۔

چیانگ کائی شیک نے ہندوستان سے روانہ ہونے سے قبل ایک بیان جاری کیا جس میں پرزور اپیل کی گئی تھی کہ ہندوستان کو حقیقی معنوں میں سیاسی اختیارات سونپ دیے جائیں۔

امریکہ کے صدر روزویلٹ اور چین کے قوم پرست رہ نما موسیو چیانگ کائی شیک کے دباؤ نے برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر چرچل کو مجبور کیا کہ وہ ہندوستان سے مصالحت کی راہ نکالے۔ چناں چہ برطانیہ کی قومی حکومت نے اس مقصد کے لیے برطانوی کابینہ کے رکن سر اسٹیفورڈ کرپس کو ہندوستان بھیجنے کا اعلان کیا۔ ۱۱ر مارچ کو رات کی خبروں میں جوں ہی اس کا اعلان ہوا، اخبار نویسوں نے فوراً مولانا کا ردعمل دریافت کیا۔ مولانا نے کہا کہ ایک پرانے دوست کی حیثیت سے میں سر اسٹیفورڈ کرپس کا خیر مقدم کروں گا لیکن جب تک صحیح تفصیلات سامنے نہ ہوں میں اس وقت تک کوئی رائے زنی نہیں کر سکتا۔

اسٹیفورڈ کرپس کی ہندوستان آمد:

جنگ کے بارے میں مولانا اور گاندھی جی کے مختلف خیالات ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ جنگ چھڑنے کے فوراً بعد سر اسٹیفورڈ ہندوستان آئے تھے، ان سے مولانا کی کئی ملاقاتیں ہوئی تھیں اور جنگ میں ہندوستان کی شرکت کے موضوع پر گفتگو ہوا کرتی تھی۔ مسٹر کرپس نے متعدد بار مولانا سے اس امر کا اظہار کیا تھا کہ جنگ کے متعلق گاندھی کے خیالات انھیں معلوم ہیں۔ ان کے پیش نظر اس کی امید بہت کم ہے کہ برطانوی حکومت سے کوئی سمجھوتا ہو سکے۔ مولانا کے خیالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسٹر کرپس نے استفسار کیا کہ اگر برطانوی حکومت نے ہندوستان کی آزادی کے مطالبے کو تسلیم کرلیا تو ہندوستانی قوم گاندھی جی کے مقابلے پر مولانا کی رائے کو ترجیح دے گی؟

مولانا نے جواباً کہا: ''ہم سب گاندھی جی کی انتہائی عزت اور قدر کرتے ہیں اور ان کی رائے کا انتہائی احترام کرتے ہیں۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس خاص مسئلے میں کانگریس اور ملک کی اکثریت میری ہم خیال ہے۔ اگر ہندوستان آزاد ہو گیا تو سارا ملک دل و جان سے جنگ کے کاموں میں مدد کرے گا''۔

ان مذاکرات کے نتیجے میں مسٹر کرپس نے ایک یادداشت تیار کی اور اسے مولانا کو بھجوایا۔ اس میں برطانوی حکومت اور ہندوستانی قوم کے درمیان مفاہمت کی تجاویز درج تھیں۔ اس میں کہا گیا تھا:

۱۔ برطانوی حکومت اعلان کرے کہ جنگ بند ہوتے ہی ہندوستان کو آزاد کر دیا جائے گا۔

۲۔ ہندوستان کو اختیار ہوگا کہ وہ برطانوی دولت مشترکہ میں شامل رہنے یا نہ رہنے کا فیصلہ کرے۔

۳۔ جنگ کے دوران میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل دوبارہ مرتب کی جائے۔

۴۔ اس کے ممبروں کو وزیروں کا مرتبہ حاصل ہوگا۔

۵۔ وائسرائے کی حیثیت دستوری افسر اعلیٰ کی سی ہوگی۔

۶۔ اس پر فوراً عمل درآمد ہوگا۔ قانوناً اختیارات منتقل کرنے کی کارروائی جنگ ختم

ہونے کے بعد ہوگی۔

مولانا نے ان تجاویز کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ

''ایسے اہم معاملے کی فرضی صورت پر کوئی قطعی رائے زنی یا فیصلے کی پابندی نہیں کی جاسکتی، اگر قوم کو حکومت کی سنجیدگی کا یقین ہو جائے تو اختلافات کو دور کرنے کی کوئی نہ کوئی سبیل نکالی جاسکتی ہے''۔

(مولانا ابوالکلام آزاد اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست: ص ۸۵۔۱۸۳)

سنگاپور پر جاپانی قبضہ:

۱۵ر فروری ۱۹۴۲ء: ۱۵ر فروری ۱۹۴۲ء کو جاپانی فوجوں نے سنگاپور پر اپنا قبضہ جما لینے کے بعد ۱۷ر فروری ۱۹۴۲ء کو فوجی ہیڈ کوارٹر کے میجر فیوجی دارا نے کچھ ہندوستانیوں کو ملاقات کی دعوت دی اور کہا کہ انگلینڈ پر اب زوال لازمی ہے اور ہندوستان کی آزادی بہت قریب ہے۔ لہٰذا اب کوئی ہندوستانی اپنی مرضی سے برطانیہ کی رعایا نہیں ہے۔

(حسرت موہانی۔ ایک سیاسی ڈائری، ص ۲۰۶)

لاہور میں مولانا آزادؒ کی تقریر:

۱۹ر فروری ۱۹۴۲ء: اگست کا اعلان اور اس کے بعد کے اعلانات ایک بکواس ہیں، دنیا بدل گئی۔ مگر برطانوی حکمران ابھی پرانی دنیا کی باتیں کر رہے ہیں۔ لاہور میں مولانا آزاد کی تقریر

لاہور ۱۴ر فروری: آج سٹی کمیٹی لاہور کے زیر اہتمام اہالیانِ لاہور کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسے میں نہ صرف لاہور بلکہ امرتسر، گوجرانوالہ، وزیرآباد، قصور، شیخوپورہ اور دیگر نواحی بستیوں کے لوگ بھی، امام الہند حضرت مولانا آزاد صاحب کی تقریر سننے کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے۔ حاضرین کی تعداد ۲ لاکھ کے قریب تھی، حضرت مولانا نے بین الاقوامی حالات پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا اور حکومت و کانگریس میں سمجھوتا نہ ہونے کے مدلل اسباب بیان فرمائے۔ حضرت مولانا نے فرمایا:

بہنو اور بھائیو! پچھلے برس بھی جاڑے کا موسم تھا کہ میں نے آپ کی صورتوں کو اپنے

چاروں طرف پھیلا ہوا پایا تھا۔ اب ۱۳ ماہ سے زیادہ مدت گزر چکی ہے۔ یہ ہماری معمول کی زندگی میں کوئی بڑی مدت نہیں

دو کروٹیں ہیں عالم غفلت میں خواب کی

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کے غیبی ہاتھوں نے گھڑیوں کی رفتار تیز کر دی ہے۔ ان تیرہ مہینوں میں دنیا کا نقشہ پُرزے پُرزے ہو گیا ہے، گھڑیوں کی منٹوں کی سوئیاں مہینوں کی رفتار سے چل رہی ہیں، اور پتا نہیں کہ قدرت کا مخفی ہاتھ اب دنیا کا نقشہ کس صورت میں تیار کرنا چاہتا ہے۔ اس وقت تک کئی دیواریں گر چکی ہیں اور جو باقی ہیں وہ گرنے والی ہیں۔ اس لیے کہہ نہیں سکتا کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آنے والا ہے، اس عرصے میں ایک اہم تبدیلی واقع ہوئی ہے اور وہ یہ کہ پہلے جہاں ہم موجودہ خونی جنگ میں ایک تماشائی کی حیثیت رکھتے تھے اب وہی خونریز جنگ ہمارے دروازوں پر ہے۔ اس لیے ہم اپنے فرض سے غافل نہیں ہو سکتے۔

دروازے بند ہو گئے:

مولانا نے کہا کہ اڑھائی سال سے یہ کھیل کھلایا جا رہا ہے۔ اس عرصے میں ہماری پوزیشن کسی سے مخفی نہیں رہی۔ ہم نے ہر قدم پر اپنے فرض کا احساس کیا، ہم نے صاف طور پر اعلان کیا کہ ہماری ہمدردی نازی قوتوں کے ساتھ نہیں ہو سکتی اور اتفاقات نے ایسی طاقتوں کو جنگ کی آغوش میں دھکیل دیا جن کے ساتھ ہماری ہمدردی تھی۔ ہم نے چین اور روس کے ساتھ ہمدردی کا اعلان کیا اور ویسے ہی ہمارا رجحان اسی طرف ہو سکتا ہے جو جمہوریت کا حامی ہو۔ اس لیے ہم نے صاف طور پر کہہ دیا کہ ہم ہندوستان کی حفاظت کرنے پر آمادہ ہیں، لیکن ہمیں یہ تو بتایا جائے کہ ہم کس پوزیشن میں ہیں، ہمیں کہا جاتا ہے، کہ ہمارے گھر کو خطرہ ہے، لیکن پہلے ہمیں یہ تو معلوم ہو کہ یہ واقعی ہمارا گھر ہے اور ہمیں اس میں آزادانہ طور پر رہنے کا حق ہے، اگر ہمارا گھر پہلے ہی اُجڑ چکا ہے اب ہمیں اس سے کیا؟

دل میں کیا تھا کہ ترا غم اسے ویران کرتا
وہ جو ہم رکھتے تھے اک حسرتِ تعمیر سو ہے

مولانا نے کہا کہ ہم نے اس سرزمین میں عزت کے ساتھ زندہ رہنے کا مطالبہ کیا تھا۔ گورنمنٹ نے اس کے راستے میں روڑے اٹکائے، قدم قدم پر رکاوٹیں پیدا کی گئیں، اگر ہم عزت کے ساتھ مرنے کی خواہش کرتے ہیں تو ہمیں اس کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ اگر یہ صورتِ حالات ہو تو ہمیں کیا جہنم میں جائے۔

برٹش گورنمنٹ کی روش:

مولانا نے کہا کہ اس وقت تک برٹش گورنمنٹ کو ہم نے کئی موقعے دیے، لیکن ہمیں ہر دفعہ ٹال دیا گیا، ہماری تمناؤں کو پامال کر دیا گیا۔ آپ نے دیکھا کہ اس وقت باوجودے کہ ندی کا پانی اس قدر بہ چکا ہے کہ شاید واپس نہ آسکے، برٹش گورنمنٹ کے رویے میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور اس وقت تک برٹش گورنمنٹ پر ایسے لوگوں کا تسلط ہے، جن کے دل میں ہندوستان کے لیے کوئی ہمدردی نہیں۔ میں یہ سب باتیں سنتے سنتے تنگ آ گیا ہوں۔ دنیا بدل چکی ہے مگر یہ برطانی مٹی کی پتلیاں پرانی دنیا کی باتیں کر رہی ہیں۔ آخر اس قدر طویل بکواس کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اگست کی پیش کش اور بعد کی تقریریں سب بکواس ہیں۔

صرف دو سطروں میں اتنا اعلان کر دینا کافی ہے کہ برطانیہ ہندوستان کو اپنے معاملات کا تصفیہ خود کرنے کا حق دے اور اسے عزت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں، اس لیے اگر کوئی صاحب دل کے کسی گوشے میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ موجودہ برٹش گورنمنٹ یہ تسلیم کرے گی کہ ہندوستان کو Self determin etion کا حق ہے تو وہ اس خیال کو بالکل دل سے نکال دے۔ میں صاف طور پر یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ برٹش گورنمنٹ نے ہماری ترقی کے تمام دروازے بند کر دیے ہیں اور اس سے کسی بھلائی کی توقع نہیں! کانگریس کو اس کے متعلق پورا تجربہ ہے۔

اس سے بڑا جھوٹ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ کانگریس پر یہ شرمناک الزام لگایا جائے کہ وہ بعض جماعتوں کی حق تلفی کرنا چاہتی ہے، حال آں کہ کانگریس نے بارہا اعلان کیا ہے کہ وہ کوئی آئین منظور نہیں کر سکتی جو خود ہندوستانی مرتب نہ کریں۔ کانگریس ہندوستان کو خود آئین سازی کا حق دلانا چاہتی ہے اور کانگریس کی بائیس سالہ زندگی اس امر کی دلالت کرتی

ہے کہ کانگریس سے زیادہ اس امر کے لیئے اور کوئی بھی بے تاب نہیں کہ ہندوستان کو حق آزادی دے دیا جائے۔

کھلا ہوا راستہ:

مولانا آزاد نے کہا کہ میری صدائیں اکثر اخبارات کے اوراق کے ذریعے آپ کے کانوں سے ٹکراتی رہتی ہیں، میری خواہش ہے کہ وہ آپ کے دلوں میں اتر جائیں اور آپ محسوس کریں کہ انڈین نیشنل کانگریس اس وقت کی ضرورت کا احساس کرتی ہے۔ میں نے اس وقت تک جو گذارش کی وہ محض ایک تمہید تھی۔

اس پیغام کو جو میں آپ کے کانوں تک پہنچا کر آپ کے دلوں کو دستک دینے آیا ہوں وہ عزت کا راستہ ہے، خدمت کا راستہ ہے، وہ خدمت جو خدا کے لیے کی جائے۔ یہ کانگریس کا نیا تعمیری پروگرام ہے، کانگریس کا پرانا تعمیری پروگرام اچھا تھا۔ کاش اس پر مل کر عمل کرتے۔ ہم کہتے تھے، کہ ملک کی مصنوعات استعمال کرو، آپ نے یہ سنا اب سمندر کے راستے مسدود ہو گئے ہیں، وہ جہاز جو بدیشی مال لا کر ہمارے ملک میں پھیلاتے تھے، ڈوب چکے، اس لیے اب وقت۔ ہے کہ دیہات کی صنعتوں کو فروغ ہو۔

کانگریس کا پروگرام خدمت کا ہے۔ میں اس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا، وہ آپ تک صوبہ کانگریس کمیٹیوں کے ذریعے پہنچ جائے گی، مگر آپ کے دلوں کو جھنجوڑ کر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جنگ کی خون آشام لہریں ہندوستان کے ساحل سے ٹکرا رہی ہیں، میری آنکھیں وہ خونین نقشہ دیکھ رہی ہیں، اس لیے ہم غافل نہیں رہ سکتے جنگ آپ کو پھولوں کے بچھونوں پر لیٹنے کی اجازت نہیں دے سکتی، وہ اپنی لہروں میں تباہیوں، بربادیوں، سفاکیوں اور ہولناکیوں کا طوفان لاتی ہے، اس لیے آپ کا فرض ہے کہ اس نازک موقعے میں اپنے بھائیوں کی امداد کریں اور اس مقصد کے لیے جان بھی دینا پڑے تو مضائقہ نہیں۔ (زمزم، لاہور، ۱۹ر فروری ۱۹۴۲ء)

محمد علی جناح کا علما کے خلاف اظہار نفرت:

۲۶ر فروری ۱۹۴۲ء: مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح نے پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس

فیڈریشن کے زیر اہتمام راول پنڈی میں ہونے والے دوسرے سالانہ جلسے کی مجلس استقبالیہ کے صدر منظور الحق صدیقی ایم اے کے نام ایک پیغام میں اجلاس کی کامیابی کی توقع ظاہر کی ہے، اس پیغام میں انھوں نے اپنی علما بیزاری کا اظہار بھی کیا ہے اور ''انھیں سب نے ناپسندیدہ رجعت پسند عناسر'' قرار دیا ہے اور اسے اپنا کارنامہ بتایا ہے کہ قوم ان کے اثرات سے پاک ہوگئی ہے۔ مسٹر جناح لکھتے ہیں:

''ہم بڑی حد تک اپنی قوم کو سب سے ناپسندیدہ عناصر سے پاک کر چکے ہیں، ہم نے کسی حد تک اس خاص طبقے کے اثر کو زائل کر دیا ہے جو مولانا اور مولوی کہلاتے تھے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ ہماری جدو جہد میں ہماری خواتین ساتھ رہیں، جہاں جہاں میں گیا انھوں نے اجتماعات میں شرکت کی اور بہت سی چیزوں میں بڑی ہی دل چسپی ظاہر کی''

(مآثر الاجداد: از منظور الحق صدیقی ایم اے، ۱۹۶۴ء لاہور، صفحہ ۴۰۴)

بچھراؤں کا جلسۂ جمعیت:

فروری یا مارچ ۱۹۴۲ء: بچھراؤں (ضلع مرادآباد) جمعیت علما کی ایک کانفرنس قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں ہوئی، اس میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نے بھی شرکت فرمائی اور تقریر بھی کی۔

جنگ میں مسلمانوں کی بھرتی!

۳؍ مارچ ۱۹۴۲ء: ملک محمد و قطب الدین صاحبان نے پوچھا تھا کہ موجودہ جنگ میں مسلمانوں کا بھرتی ہونا کیسا ہے؟ خصوصاً جب کہ کاروبار نہ ہونے کے باعث روٹی کا سوال بھی درپیش ہے اور مسلمانوں کی اکثریت بے روزگاری میں مبتلا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کا یہ جواب دیا:

''نیت پر مدار ہے، صورت حالات ایسی الجھی ہوئی ہے کہ حکم کے لیے کسی ایک جانب کو متعین کرنا دشوار ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ مسلمان کو صرف اسلام کے مفاد کے لیے جان خطرے میں ڈالنا جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی''۔

(کفایت المفتی (جلد نہم) کتاب السیاسیات)

جاپان کا رنگون پر قبضہ، نئی صورت حال:

۹ مارچ ۱۹۴۲ء: جاپان نے برطانیہ کے خلاف جنگ میں حصہ لینے کا دفعۃً اعلان کر کے برطانیہ کی مشکلات میں اضافہ کر دیا ہے۔ ۹ مارچ کو جاپان نے رنگون کو فتح کر لیا اور اب اس کی فوجیں ہندوستان کی طرف بڑھ رہی ہیں، اس کی وجہ سے کلکتہ اور قرب و جوار کے علاقوں میں سراسیمگی پیدا ہو گئی ہے۔ برٹش گورنمنٹ نے کلکتہ چھوڑ دینے اور راہ فرار اختیار کرنے کے سارے انتظامات مکمل کر لیے ہیں۔

اس صورت حال نے کانگریس میں دو گروپ پیدا کر دیے ہیں۔ ایک گروپ کا خیال ہے کہ جاپان ہندوستان کا دشمن نہیں، انگریزوں کا دشمن ہے، اس لیے اگر وہ کلکتہ پر قبضہ کرتا ہے تو ہندوستانیوں کو مزاحمت نہ کرنی چاہیے۔ جاپان ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنے کے بعد ہندوستان کو چھوڑ دے گا۔ اس گروپ کے رہ نما گاندھی جی ہیں، اس کے برعکس مولانا آزاد کا خیال ہے کہ جاپانی قبضے کی مزاحمت کرنی چاہیے۔ اگر جاپان نے ہندوستان پر قبضہ کر لیا تو یہ انگریز کی غلامی سے نکل کر جاپان کی غلامی میں پھنس جانا ہوگا اور ایک بار اس کے قبضہ کر لینے کے بعد وہ آسانی سے اسے نہ چھوڑے گا۔ اس لیے مولانا آزاد نے کلکتہ اور بنگال سے انگریزوں کے فرار کے بعد اس پر قبضہ کر لینے کے تمام انتظامات کر لیے ہیں، انڈیا ونس فریڈم میں مولانا آزاد نے ان حالات پر مفصل تبصرہ کیا ہے۔

کرپس مشن کی آمد کی اعلان:

۱۱ مارچ ۱۹۴۲ء: ۱۱ مارچ ۱۹۴۲ء کی شام کو بی بی سی لندن نے کرپس مشن کے ہندوستان آنے کی خبر ریلیز کر دی اور اس مشن کے ہندوستان آنے سے پہلے حکومت برطانیہ نے وائسرائے ہند کو مطلع کر دیا تھا کہ مشن ہندوستان کی تمام اہم سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں کے علاوہ والیانِ ریاست کے نمایندوں سے بھی گفتگو کرے گا۔

(حسرت موہانی۔ ایک سیاسی ڈائری، ص ۳۰۷)

جمعیت علماے ہند کا اجلاسِ لاہور:

۲۰؍ مارچ ۱۹۴۲ء: جمعیت علماے ہند کا تیرھواں سالانہ اجلاس شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کی صدارت میں لاہور میں منعقد ہوا، حضرت نے ایک مفصل خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا۔ سب سے پہلے حضرت نے اسلامی نظام کے اصول وقوانین اور خصائص وامتیازات پر روشنی ڈالی، حضرت نے فرمایا کہ اسلامی نظام انسانی دنیا کی حقیقی فلاح وبہبود کا ضامن ہے اور اس میں سچی جمہوری روح موجود ہے۔ اس کے آخر میں ہندوستان جیسے کثیر المذاہب ملک کے مخصوص حالات کے پیش نظر جمعیت علماے ہند کے سیاسی موقف کے بارے میں حضرت نے فرمایا:

> ''آپ کو تاریخ کے صفحات دیکھنے سے بالخصوص ''علماے ہند کا شاندار ماضی'' (از مولانا محمد میاں) کے دیکھنے سے پتا چل جائے گا کہ علماے ہند نے ہمیشہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے کوشش کی ہے۔ حال آں کہ ''شاندار ماضی'' میں ان کی جد و جہد کے سمندر میں سے چند قطرے ہی دکھائے گئے ہیں، مگر واے بدقسمتی! کہ باوجود انتہائی جد و جہد اور بے شمار قربانیوں کے اصل مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ تب موجودہ احوال اور گرد و پیش کی انتہائی مشکلات سے جو کہ داخلی اور خارجی بے حد و بے شمار ہیں، ضروری معلوم ہوا کہ ''اہون البلیتین'' کو اختیار کرنا شرعی اصول ہے اور ہر زمانے میں معمول بہ رہا ہے اور اگرچہ مشترکہ جد و جہد سے حاصل ہونے والی آزادی اسلامی نظام نہ کہلا سکے گی، تاہم بہت سی مشکلات اور سخت موانع کے رفع ہو جانے سے حقیقی نصب العین کے لیے راستہ کھل جائے گا''۔

اس کے بعد جمعیت علماے ہند کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ ایک مستقل فکر اور نظام کی حامل جماعت ہے۔ اپنی بصیرت اور صوابدید کے مطابق فیصلے کرتی ہے، وہ کسی دوسری جماعت کی آلۂ کار نہیں ہے۔ پھر جنگ عظیم ثانی کے بارے میں جمعیت کا موقف بیان فرمایا ہے اور اس سلسلۂ بحث میں مغلیہ دور کی خوش حالی، اقتصادی و معاشی استحکام، نظام عدل، اور سیاسی نظام سے برٹش عہد حکومت کے حالات کا موازنہ کیا ہے۔ آخر میں آیندہ آئین

حکومت اور آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت اور ان کے مقام واہمیت کو واضح فرمایا ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت کے بارے میں حضرت شیخ الاسلامؒ نے تحریر فرمایا:

''ہندوستان کے داخلی مسائل میں مسلمانوں کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ گذشتہ ایک صدی سے ہندوستان میں برطانیہ کی حکمت عملی نے مسلمانوں کو بھی ہندوستان کی اقلیتوں میں داخل کر کے ان کے متعلقہ مسائل کو اقلیتوں کے مسائل سے وابستہ کر دیا ہے۔ برطانوی سیاسیین اور مدبرین ہمیشہ مسلمانوں کو ایک سیاسی اقلیت کی صف میں شمار کرنے اور ان کے معاملے کو اقلیتوں کے معاملات میں شامل کرنے کے عادی ہو گئے ہیں اور اسی بنا پر ہندوستان کی غیر مسلم قومیں بھی ہندوستان کے سیاسی مستقبل میں مسلمانوں کے متعلقہ مسائل کے ساتھ وہی سلوک کر رہی ہیں جو اقلیتوں کے مسائل کے ساتھ کرنے والی ہیں۔ یہ خیال انگریزوں اور غیر مسلمانوں تک محدود نہیں رہا بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ خود مسلمانوں کے ایک طبقے کے دلوں میں بھی یہ احساس پیدا ہو گیا کہ وہ ہندوستان میں ایک سیاسی اقلیت ہیں اور اس وجہ سے وہ تمام اندیشے، وسوسے اور خطرات ان کے دلوں پر چھا گئے جو ایک اقلیت کو اپنی زندگی اور انفرادیت کے متعلق اکثریت کی طرف سے پیش آتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہندوستان کی مجموعی مردم شماری میں تعداد کے لحاظ سے مسلمان بھی عددی اقلیت میں ہیں، لیکن یہ بھی یقینی ہے کہ بجائے خود ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد یورپ کے کسی بڑے سے بڑے خطے کی آبادی سے کہیں زیادہ ہے۔ نیز ہندوستان کی تعمیر میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ ہندوستان میں ان کی تعداد نو اور دس کروڑ کے درمیان ہے۔ تہذیب اور ثقافت کے لحاظ سے وہ اہم خصوصیات کے مالک ہیں۔ جغرافیائی حیثیت سے انھیں قدرتی استحکام حاصل ہے۔ ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے چار میں وہ اکثریت رکھتے ہیں اور اگر صوبوں کی از سر نو تحدید اور توسیع کی جائے تو وہ تیرہ مجوزہ صوبوں میں سے چھ صوبوں میں اکثریت حاصل کرلیں گے، ان تمام حالات میں بھی اگر مسلمانوں کو ایک سیاسی اقلیت قرار دے کر دیگر اقلیتوں میں انھیں شامل کر دیا جائے تو اس سے زیادہ سیاسی غلطی اور کیا ہو سکتی ہے اور اس سے بڑا اور کیا فریب دنیا کو دیا جا سکتا ہے اور اگر مسلمان ابھی تک اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ ان کی زندگی بغیر برطانیہ کی سرپرستی کے قائم نہیں رہ سکتی تو مسلمانوں کی تاریخ میں اس سے زیادہ الم ناک کوئی دوسری مثال نہیں مل سکتی۔ مسلمان

ہندوستان میں اپنی پوری مذہبی آزادی اور پوری تہذیب اور ثقافت کے ساتھ زندہ رہیں گے اور کسی غیر کی غلامی قبول کرنے سے وہ عزت کے ساتھ مرجانے کو ترجیح دیں گے۔

ھُمَا خَطَّتَا اِمَّا اَسَارٌ وَ ذِلَّۃٌ وَاِمَّا دَمٌ وَالْقَتْلُ بِالْحُرِّ اَجْرٌ"

۲۰ تا ۲۲ر مارچ ۱۹۴۲ء: جمعیت علماے ہند کا تیرھواں سالانہ اجلاس جو حضرت شیخ الاسلامؒ کی صدارت میں لاہور میں منعقد ہو رہا ہے، اس کے بارے میں مولانا سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''اجلاس کے لیے شہر لاہور طے کیا گیا ہے، جہاں چند روز پہلے مسلم لیگ کا اجلاس عام ہو چکا تھا اور گویا لاہور کے درودیوار میں جمعیت علما سے مخالفت کے کانٹے کھب چکا تھا۔ مسئلہ متحدہ قومیت اور اقبال مرحوم کے اشعار مخالفین کے ہاتھ میں تھے اور جگہ جگہ سڑکوں، گلیوں اور چوراہوں پر اشتعال انگیز زہریلے پوسٹر چسپاں تھے۔ مگر خطرات اور خدشات سے بھرے ہوئے شہر میں صدارت کے لیے وہ شیر دل رہ نما منتخب ہو چکا تھا جو خندہ پیشانی اور مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ سخت سے سخت حالات کا مقابلہ کرنے کا عادی ہے۔

خطبۂ صدارت شروع ہوا تھا کہ پنڈال کے ایک جانب سے پاکستان زندہ باد کے نعرے بلند ہونے لگے۔ رضا کار متوجہ ہوئے اور پوری بہادری کے ساتھ ایک شدید حملے کا مقابلہ کر کے کامیابی حاصل کی۔ جلسے کا بڑا حصہ درہم برہم ہو گیا اور اضطراب و انتشار کی لہر پنڈال کو تہ و بالا کرتی ہوئی اسٹیج تک پہنچی، مگر بہادر صدر بہ دستور خطبہ دے رہا تھا۔ صدر کے استقلال نے پورے مجمع کو استقلال و استقامت کی دعوت دی اور چند منٹ بعد ہیجان و اضطراب کی جگہ متانت اور سکون نے لے لی، پورے پنڈال پر خاموشی چھا گئی اور اطمینان کے ساتھ خطبۂ صدارت سنا جانے لگا''۔ (حیات شیخ الاسلام، ص ۱۲۶)

اس اجلاس کے موقع پر ملک اور عالم اسلام کے مختلف سیاسی مسائل اور مسلمانوں کے تعلیمی، فقہی مسائل، کے بارے میں ۱۸ تجاویز پاس کی گئیں۔ ابتدائی دو تحریکات کا تعلق مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد نائب امیر الشریعت صوبہ بہار و ناظم اعلی جمعیت علماے ہند اور مجلس احرار اسلام کے رہ نما چودھری افضل حق کے انتقال پر تعزیت کے اظہار اور ان کی قومی و ملی خدمات کے اعتراف سے تھا۔ تجاویز نمبر ۳ تا ۱۸ میں کہا گیا تھا:

۳۔ ''جمعیت علماے ہند کا یہ اجلاس اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ فتنہ

اسلامی، عبادات و معاملات، تمدن و معاشرت، سیاست اور اقتصادیات کے تمام اصول پر حاوی ہے، دیکھ رہا ہے کہ عصری ایجادات اور غیر اسلامی اصول اقتصادیات کے رواج سے ایسی صورتیں پیش آرہی ہیں کہ ان کے جواز و عدم جواز کے بارے میں علما مختلف الرائے ہو جاتے ہیں اور ان کا باہمی اختلاف مسلمانوں کے لیے موجب تشویش و پریشانی ہوتا ہے۔ اس لیے یہ اجلاس طے کرتا ہے کہ جمعیت علما ایسے جدید پیش آنے والے مسائل میں علمائے متبحرین کی معتمد جماعت سے تبادلۂ خیالات اور بحث و مباحثہ و غور و فکر کے بعد ایسے فیصلے مرتب کرائے جن پر متبحرین کی زیادہ سے زیادہ جماعت متفق ہو پھر ان فیصلوں پر عمل کرنے کے لیے مسلمانوں میں شائع کردیا جائے۔

۴۔ جمعیت علمائے ہند کا یہ اجلاس مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ وقت کی نزاکت اور باہمی افتراق و انشقاق کی ہلاکت خیزی اور اس کے عواقب و نتائج مشئومہ کا پورا پورا احساس کرکے اور ان مختلف فیہ مسائل میں جو دور اول یعنی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین وائمۂ مجتہدین کے زمانے سے مختلف فیہ چلے آتے ہیں، باہم دست و گریبان نہ ہوں اپنی اپنی جگہ اپنے عقیدہ کے موافق مذہب راجح پر عمل کرتے ہوئے دوسرے خیال کے مسلمانوں پر زبان طعن دراز نہ کریں اور سب وشتم سے محترز رہیں، اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کے ماتحت بھائی بھائی کی زندگی بسر کریں اور باہمی تعاون و تعاضد کرکے کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضاً ایک مستحکم و مضبوط دیوار بن جائیں جس کو کسی مخالف کی دشمنی کسی قسم کا گزند نہ پہنچا سکے۔

اسی طرح یہ جلسہ موت و حیات کی کش مکش کے اس دور میں تمام مسلم جماعتوں سے دردمندانہ اپیل کرتا ہے کہ اسلام اور قوم کی فلاح و نجات کی خاطر آپس کے اختلافات کو دلائل و براہین کی روشنی میں تحقیق حق کے اصول پر رفع کرنے کی سعی کریں اور اختلاف رائے کے باوجود باہمی مخافرت اور توہین و تذلیل طریقہ اختیار نہ کریں کہ یہ اسلامی وقار اور قومی زندگی کے لیے تباہ کن اسلامی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔

۵۔ جمعیت علمائے ہند کا یہ اجلاس اسلامی ممالک خصوصاً عراق، ایران، شام، فلسطین وغیرہ کے موجودہ نازک ترین حالات کو نہایت خطرے کی نظر سے دیکھتا ہے کہ ان اسلامی ممالک کو استعمار پسند طاقتیں کس طرح اپنی اغراضِ فاسدہ میں استعمال کرنے کے لیے

مقہور و مجبور کر رہی ہیں۔ ان کی تسلیم شدہ آزادی کو پامال کیا جا رہا ہے یا ان کے فطری حق آزادی سے انھیں محروم کرنے یا رکھنے کے لیے کیسے کیسے حلیے تراشے جا رہے ہیں۔ جمعیت علما بار بار اس امر کا اعلان کر چکی ہے اور آج بھی اس اعلان کا اعادہ کرتی ہے کہ اسلامی ممالک پر کسی اجنبی طاقت کا تسلط اور قہر و غلبہ مسلمانان عالم کسی طرح برداشت نہیں کریں گے اور جب تک اسلامی ممالک پر سے استعمار پسند طاقتیں اپنا تسلط بالکلیہ نہ اٹھالیں گی اور ان کو آزادیٔ کامل کی فضا میں سانس لینے کا موقع نہ دیں گی اس وقت تک مسلمان چین سے نہیں بیٹھیں گے اور مطمئن نہ ہوں گے۔

محرک: مولانا احمد سعید صاحب، مؤید: مولانا عبدالماجد صاحب

۶۔ جمعیت علما بارہا اس امر کا اعلان کر چکی ہے کہ اس کا نصب العین آزادیٔ کامل ہے، اس پر تمام مسلمانان ہند متفق ہیں اور اسی کو اپنے لیے ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں۔ جمعیت نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے، ان کا مذہب آزاد ہوگا اور مسلم کلچر اور تہذیب و ثقافت آزاد ہوگی، وہ کسی ایسے آئین کو ہرگز قبول نہ کریں گے، جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

جمعیت علمائے ہند، ہندوستان میں صوبوں کی کامل خود مختاری اور آزادی کی زبردست حامی ہے، جس میں غیر مصرحہ اختیارات بھی صوبوں کے ہاتھ میں ہوں اور مرکز کو صرف وہی اختیارات ملیں جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالے کریں اور جن کا تعلق تمام صوبوں سے یک ساں ہو۔

جمعیت علمائے ہند کے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا سیاسی وفاق ضروری اور مفید ہے مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب و ثقافت کی مالک، نو کروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو، ایک لمحے کے لیے بھی گوارا نہ ہوگی، یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اصول پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی، سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔

۷۔ ہندوستان کی آزادی کے متعلق سر اسٹیفورڈ کرپس برطانوی حکومت کا کوئی نظریہ لائے ہیں، معلوم نہیں کہ وہ نظریہ کیا ہے، اس لیے اس کے متعلق اظہار رائے کا کوئی موقع نہیں تاہم یہ امر بھی یقینی ہے کہ برطانوی حکومت نے اس کام کا بہترین وقت اپنی عاقبت نا

اندیشی اور مغرورانہ بے پروائی سے ضائع کر دیا، اندیشہ ہے کہ موجودہ نازک لمحات میں کوئی ایسی تجویز بھی، جو اگر بروقت ہوتی تو مناسب سمجھی جاتی، کہیں بعد از وقت کی مشہور مثل کی مصداق نہ بن جائے۔

تاہم ان نازک لمحات میں ہندوستانیوں کے فرائض بھی بہت اہم ہو گئے ہیں، جمعیت علما تمام مسلمانان ہند اور مسلم اداروں کو پرزور توجہ دلاتی ہے کہ اس وقت تمام مسلم ادارے اور جماعتیں اشتراک عمل سے کام لیں اور پورے محور و فکر اور تبادلۂ خیالات کے بعد کسی متحدہ فیصلے پر سب متفق ہو جائیں۔

۸۔ جمعیت علمائے ہند کا یہ اجلاس کاظمی ایکٹ نمبر ۸، ۱۹۳۹ء کے متعلق اس حقیقت کا اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ اس میں سے اس دفعہ کو حذف کر کے جس میں اس قسم کے مقدمات کے لیے مسلم جج کی عدالت میں پیش ہونا ضروری قرار دیا گیا تھا، نہ صرف اس ایکٹ کی مذہبی افادی حیثیت کو باطل کر دیا گیا، بلکہ اس طرح اس کو مسلمانوں کے لیے سخت مضر اور خطرناک بنا دیا گیا ہے۔ جمعیت علما یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتی ہے کہ غیر مسلم جج کے فسخ کرانے سے شرعاً فسخ نہیں ہوتا اور عورت بہ دستور شوہر اول کے نکاح میں رہنے کے باوجود قانونی زد سے محفوظ ہو کر دوسرا نکاح کر لیتی ہے اور حرام میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

جمعیت علما مسلم ارکان اسمبلی سے پرزور استدعا کرتی ہے کہ وہ اس ایکٹ نمبر ۸ میں یہ ضروری ترمیم کرانے کے لیے متفق ہو کر سعی کریں۔

محرک: مولانا احمد سعید صاحب۔ مؤید: مولانا محمد یونس صاحب لائل پور

۹۔ جمعیت علمائے ہند کا یہ اجلاس اس حقیقت کے پیش نظر کہ اسلام نے مسلمانوں میں فرق مراتب کا معیار تقویٰ اور سیرت کو قرار دیا ہے، نسل و حرفت پر اس کا مدار نہیں رکھا۔ نیز تمام مسلمانوں کو خواہ وہ کسی نسل اور کسی سرزمین کے باشندے ہوں، بھائی بھائی اور اسلامی حقوق میں مساوی بنایا ہے اور کسی شخص کو اس کی نسل یا حرفت کی وجہ سے رذیل اور کمین قرار نہیں دیا۔ تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس زرین اسلامی اصول کو اختیار کریں اور ہندوستان کی بعض غیر مسلم اقوام کی صحبت و اختلاط سے شرافت اور رذالت کا جو غیر اسلامی تخیل پیدا ہو گیا ہے اس کو جلد از جلد مٹا دیں، بعض مقامات پر سرکاری کاغذات میں بھی بعض جماعتوں کو کمین لکھا جاتا ہے اس کو منسوخ کرانے کی متفقہ سعی

کریں اور تمام پس ماندہ افراد کو خواہ وہ کسی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں، تعلیم و تہذیب سے بہرہ ور کر کے ترقی کے مدارج پر پہنچانے کی منظم کوشش شروع کر دیں اور قابلیت کے معیار کے موافق ان کے لیے ہر قسم کی خدمات اور ملازمتوں کے دروازے کھول دیے جائیں۔ یہ کوشش ایک صحیح اسلامی اور انسانی خدمت ہوگی اور اس کے ذریعے وہ اسلامی اصول کی برتری دنیا پر روشن اور واضح کرنے اور احیاے ملت کا اجر عظیم حاصل کریں گے۔ جمعیت علما بھی اس بارے میں متعلقہ سرکاری دفاتر سے خط و کتابت کرے گی۔

محرک: مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہان پوری۔ مؤید: عبدالحلیم صاحب صدیقی

۱۰۔ جمعیت علماے ہند کا یہ جلسہ مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ ایک شہر میں بلا ضرورت دس دس بیس بیس مساجد میں نماز جمعہ قایم کرنے سے احتراز کریں۔ کیوں کہ اس تعدد و انتشار سے نمازِ جمعہ قایم کرنے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے اور شوکت اسلامیہ کے اظہار میں خلل پڑتا ہے۔ حتی الامکان ایک مسجد میں تمام مسلمان نماز جمعہ ادا کریں۔ صرف وسیع شہروں میں نہایت شدید ضرورت کی بنا پر دو یا تین مساجد میں جمعہ پڑھا جائے تو مضائقہ نہ ہوگا۔ غیر ضروری تعداد کو جس نے جمعہ کی نماز کو بھی پنجگانہ نمازوں کی حیثیت دے رکھی ہے، جہاں تک جلد ممکن ہو موقوف کر دیا جائے۔

محرک: مولانا قاضی حبیب الرحمٰن صاحب۔ مؤید: مولانا عبدالحنان صاحب۔

۱۱۔ جمعیت علماے ہند کا یہ اجلاس مدارس عربیہ دینیہ کے مروجہ نصاب میں دور حاضر کی ضرورتوں کے موافق اصلاح و تبدیلی کی ضرورت شدت سے محسوس کرتا ہے اور مدارس عربیہ کے ذمہ دار حضرات اور تعلیمی جماعتوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ماہرین تعلیم کی ایک کمیٹی اس پر غور کرنے کے لیے باہمی مشورے اور تعاون سے مقرر کر کے ایک ایسا نصاب مرتب کرائیں جو دینی علوم کی تکمیل کے ساتھ ضروریات عصریہ میں بھی مہارت پیدا کرنے کا کفیل ہو اور اس سلسلے میں جمعیت علماے ہند ارباب علم سے رائے لے کر اپنی صواب دید کے مطابق حتی الوسع جلد کوئی مؤثر عملی اقدام کرے۔

۱۲۔ اُن مہیب خطرات کے پیش نظر جو جنگ کی روز افزوں وسعت کی وجہ سے سامنے آرہے ہیں، وقت کا اہم فریضہ ہو گیا ہے کہ تمام ہندوستانی اور خصوصاً مسلمان دیسی مصنوعات کی تیاری اور ترویج میں ہمہ تن مشغول اور منہمک ہو جائیں، دستی چیزوں کو

استعمال کریں اور اپنی ضرورتیں کم از کم مقدار سے پوری کرنے کی کوشش کریں۔

اول تو جنگی ضروریات کی وجہ سے تمام ملز (کارخانے) سرکاری کام میں لگی ہوئی ہیں، دوم اگر بعض ملیں کچھ سامان تیار بھی کرتی ہیں تو اس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنا مشکل ہے پھر وہ ضرورت کے لائق تیار بھی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر مقام کے باشندے ایسی منظم کوشش کریں کہ کم از کم اپنی ضروریات کے لائق اپنی اپنی جگہ دیسی دستکاری کے ذریعے یہ چیزیں تیار کرلی جائیں، کھانے پینے کے لیے ترکاریاں پیدا کرنے، پینے کا پانی بہم پہنچانے اور دیگر روزمرّہ کی ضروریات کا خاص طور پر انتظام کرلیا جائے۔

۱۳۔ جمعیت علما کا یہ اجلاس ریاست کشمیر کے فرماں روا مہاراجہ بہادر کی توجہ ان امور کی طرف منعطف کرتا ہے جس سے ریاست کی ۸۱ فیصدی مسلم آبادی کے مذہبی و ثقافتی حقوق پامال ہورہے ہیں، مثلاً:

الف۔ اگر کوئی غیر مسلم تحقیق حق کے بعد مذہب اسلام قبول کرلے تو اس کی سابقہ جائداد ضبط کرلی جاتی ہے۔

ب۔ اگر کوئی مسلمان خواہ کتنے ہی اخفا کے ساتھ مذہبی قربانی یا تحصیل غذا کی غرض سے گائے ذبح کرلے تو اس کو سخت سزا دی جاتی ہے۔

ج۔ ریاست میں سرکاری اور دفتری کاغذات و تحریرات اردو رسم الخط میں لکھے جاتے تھے مگر اب آہستہ آہستہ دیوناگری رسم الخط کی ترویج کی کوشش شروع کردی گئی ہے۔

د۔ ریاست میں پچھلے سال سے قانون اسلحہ نافذ کیا گیا ہے، جس میں راج پوت بندوق وغیرہ آتشی اسلحہ کے لائسنس سے مستثنیٰ رکھے گئے ہیں، ہندو اور باقی تمام لوگوں پر ہتھیار رکھنے کے بارے میں سخت پابندی عائد کردی گئی ہے۔

اِن امور سے کشمیر کی مسلم آبادی سخت تشویش و پریشانی میں مبتلا ہے اور نمبر ایک سے تو ضمیر کی آزادی کی بنیاد ہی متزلزل ہوگئی ہے، جمعیت علمائے ہند فرماں روائے کشمیر سے توقع رکھتی ہے کہ نمبر ۱ و ۲ و ۴ کو منسوخ فرما کر اور نمبر ۳ کے متعلق صاف و صریح اعلان جاری فرما کر کہ ریاست کا سرکاری اور دفتری رسم الخط مثل سابق اردو ہی رہے گا، اپنی وفادار مسلم رعایا کو مطمئن اور ان کے جذبۂ وفاداری کو استحکام بخشیں گے۔

۱۴۔ جمعیت علمائے ہند کا یہ جلسہ حکومت کے اس رویے کو کہ بہت سے خدامِ ملت و

وطن کو اس نے نظر بند کر رکھا ہے نہ ان پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلاتی ہے، نہ ان کو قید اور پابندی سے آزادی دیتی ہے، نہ ان کے متعلقین کی ضروریات پوری کرنے کے لیے وظائف دیتی ہے۔ سخت غم و غصے کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ روش محض استبداد اور منتقمانہ جذبات ہی کا نتیجہ ہوسکتی ہے اور یہ کسی وقت اور خصوصاً ان نازک حالات میں گورنمنٹ کے لیے مناسب اور مفید نہیں، اس لیے حکومت کو لازم ہے کہ نظر بندوں کے خلاف یا تو مقدمہ چلائے یا ان کو فوراً غیر مشروط طور پر آزاد کر دے۔

یہ جلسہ خصوصیت کے ساتھ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی سابق صدر مجلس احرار اسلام کی نظر بندی کے خلاف پر زور صدائے احتجاج بلند کرتا ہے کیوں کہ وہ صحت کی خرابی اور آب و ہوا کی ناموافقت کی وجہ سے سخت تکلیف میں مبتلا ہیں۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ مولانا کو جلد از جلد ان تکالیف سے آزاد کر کے اپنی نیک نیتی اور انسانی ہمدردی کا ثبوت بہم پہنچائے۔

۱۵۔ بلوچستان جو کہ ہندوستان کا ایک اہم سرحدی صوبہ ہے، حکومت کی سہل انگاری یا اس کی اپنی مصالح کی بنا پر آج تک صوبہ جاتی اصلاحات و ترقیات سے محروم رکھا گیا ہے۔ جمعیت علمائے ہند بلوچستان کی آزادی کے دیرینہ مطالبے کو از سرنو دہراتی ہے اور حکومت کو متوجہ کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے کہ بلوچستان کے ساتھ جو ناانصافی اس وقت تک برتی گئی ہے وہ ختم کر کے اس کو بھی دوسرے صوبوں کی سطح پر لے آئے۔ ورنہ بہ صورت دیگر وہ مسلمانان ہند اور محبانِ حریت کو مطمئن کرنے میں ناکام رہے گی اور بلوچستان کے باشندے بھی کسی قسم کی طفل تسلیوں سے قانع نہ ہوں گے۔

۱۶۔ جمعیت علمائے ہند کا یہ جلسہ حکومت کو مولوی فضل الٰہی صاحب وزیر آبادی کی مستحق توجہ حالت کی طرف پر زور توجہ دلاتا ہے۔ محترم مولوی فضل الٰہی صاحب بیس سال سے چمرقند میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور اب ان کی صحت اور عمر کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے آخری ایام اپنے وطن مالوف میں بسر کریں۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ انسانی ہمدردی کی بنا پر موصوف کو غیر مشروط طور پر وطن واپس آنے کی اجازت دے دے۔

۱۷۔ جمعیت علمائے ہند مشرقی ترکستان کے ایک حصہ قازاغستان کے قازاغ مہاجرین کے دردناک حالات معلوم کر کے سخت حزن و اندوہ کا اظہار کرتی ہے، یہ ہزاروں

مہاجرین اپنے وطن سے خانماں برباد ہوکر ہندوستان کی طرف ہجرت کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے۔ حکومت کشمیر نے ان کو حدودِ ہند میں داخل ہونے کی بعض شرائط کے ماتحت اجازت دے دی۔ انھوں نے تو وہ شرطیں پوری کردیں لیکن حکومت کشمیر نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا، بلکہ حکومت ہند کے ایما سے ان کو مظفر آباد کے ایک ناقابل قیام علاقے میں نظر بند کردیا گیا۔ یہ لوگ اس نظر بندی میں سخت مصائب میں مبتلا ہین اور بے حد جانی و مالی نقصان اٹھا رہے ہیں، جمعیت علماے ہند حکومت سے انسانیت کے نام پر مطالبہ کرتی ہے کہ ان پر سے نظر بندی کی تمام قیود ہٹا دی جائیں اور ان کو چلنے پھرنے اور معاش کے ذرائع اختیار کرنے کا موقع بہم پہنچایا جائے۔ تاکہ ناداری اور بھوک کی وجہ سے ان کے افراد اور مویشی جو روزانہ ہلاک ہو رہے ہیں، موت کے چنگل سے نجات پائیں۔

یہ جلسہ تمام مسلمانوں اور ہمدردان بنی نوع انسان سے بھی دردمندانہ استدعا کرتا ہے کہ وہ ان مہاجرین کی حالت زار کا خیال کرتے ہوئے ان کی طرف امداد واعانت کا ہاتھ بڑھائیں۔

محرک: جناب محمد سعید صاحب مجاہد سری نگر۔ مؤید: مولانا محمد ایوب سرحد۔

۱۸۔ چوں کہ زائرین بیت الحرام حجاج کرام کی ان مشکلات اور تکالیف کو رفع نہیں کیا گیا جو ان کو بحری اور خشکی کے سفر میں پیش آتی ہیں اور نہ ان کو وہ مراعات دی گئیں جو عام طور پر معمولی مجموعوں کے مسافروں کو دی جاتی ہیں اور اس کی اصولی اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ محکمۂ حج کسی مسلم رکن کی نگرانی میں نہیں دیا گیا۔

جمعیت علما کا یہ جلسہ حکومت کو پرزور توجہ دلاتا ہے کہ وہ جلد از جلد ان مشکلات کو رفع کرکے مسلمانان ہند کو مطمئن کردے اور ان کی بے چینی کو رفع کرے۔ (من جانب، صدارت)

(جمعیت علما کیا ہے؟ حصہ دوم، ۴۸، ۲۳۹)

برطانوی حکومت کی تجاویز (کرپس مشن کا اعلان):

۲۹ر مارچ ۱۹۴۲ء: سر اسٹیفورڈ کرپس نے برطانوی حکومت کی طرف سے حسب ذیل اعلان شایع کیا ہے:

''ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں وعدوں کے ایفا کے متعلق جو تردد برطانیہ

میں اور ہندوستان میں ہے، اس کا لحاظ رکھتے ہوئے، ہز میجسٹی کی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ صاف اور صریح الفاظ میں بیان کر دے کہ ہندوستان میں جلد از جلد خود مختار حکومت قایم کرنے کی خاطر وہ کون سے قدم اٹھانا چاہتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ایک نئی انڈین یونین بنائی جائے، جو حیثیت کے لحاظ سے ایک ڈومینین ہو جو تاج برطانیہ کی ماتحتی میں برطانیہ اور دوسری ڈومینیوں کے ساتھ شریک ہو، مگر ہر اعتبار سے ان کے برابر کا درجہ رکھتی ہو اور اپنے داخلی اور خارجی معاملات میں کسی طرح بھی پابند نہ ہو۔ اس لیے ہز میجسٹی کی حکومت حسب ذیل اعلان کرتی ہے:

ا۔ جنگ ختم ہوتے ہی ایک منتخب شدہ جماعت کو، جس کی ترتیب کا طریقہ بعد میں بیان کیا گیا ہے، بروئے کار لانے کی کارروائی کی جائے گی۔ اس جماعت کو ہندوستان کے لیے ایک نیا دستور مرتب کرنے کا ذمے دار بنایا جائے گا۔

۲۔ دستور ساز جماعت میں ہندوستانی ریاستوں کی شرکت کا انتظام اس طریقے پر کیا جائے گا، جو ذیل میں درج ہے۔

۳۔ ہز میجسٹی کی حکومت وعدہ کرتی ہے کہ اس طریقے پر جو دستور مرتب ہوگا اسے فوراً منظور کر کے عمل میں لائے گی، صرف ان شرطوں کے ساتھ کہ

الف۔ برطانوی ہند کے ہر اس صوبے کو جو نئے دستور کو منظور کرنے پر راضی نہ ہو، اس کا حق ہوگا کہ اپنی موجودہ دستوری حیثیت کو قایم رکھے، مگر دستور میں اس کی گنجایش رکھی جائے گی کہ اگر وہ چاہے تو بعد کو یونین میں شامل ہو جائے۔

ہز میجسٹی کی حکومت اس پر راضی ہوگی کہ ان صوبوں کے ساتھ جو یونین میں شامل نہ ہوں ایک نئے دستور کے مطابق معاملہ کر لے، بہ شرطے کہ صوبے خود ایسا چاہتے ہوں، اس دستور کے مطابق ان کی حیثیت وہی ہوگی جو کہ انڈین یونین کی اور یہ دستور اسی طریقے پر مرتب ہوگا جو کہ ذیل میں درج ہے۔

ب۔ ایک معاہدے پر دستخط ہوں گے جس کی شرطیں ہز میجسٹی کی حکومت اور دستور ساز جماعت کے درمیان گفتگو کے بعد مرتب ہوں گی۔ یہ معاہدہ ان تمام ضروری معاملات پر حاوی ہوگا جو اختیارات کو کلی طور پر انگریزوں سے ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں منتقل کرنے کی وجہ سے پیدا ہوں گے۔ ہز میجسٹی کی حکومت نے نسلی اور مذہبی اقلیتوں کے تحفظ

کے جو وعدے کیے ہیں، ان کے مطابق اس میں دفعات ہوں گی، لیکن اس معاہدے میں کوئی ایسی شرط نہیں ہوگی جس سے انڈین یونین کے یہ طے کرنے کے اختیار میں کمی ہو جائے کہ وہ آیندہ برطانوی کامن ویلتھ کے دوسرے ارکان سے کیا تعلقات رکھے گا۔

ہندوستانی ریاستوں میں سے ہر ایک کے ساتھ چاہے وہ دستور کے مطابق چلنا پسند کرے یا نہ کرے، گفتگو کر کے اس معاہدے پر نظر ثانی کرنا ضروری ہوگا جو اس کے ساتھ کیا جا چکا ہے، جہاں تک کہ نئی صورت حال اس کی متقاضی ہو۔

۴۔ اگر ہندوستان کے اہم فرقوں کے لیڈر جنگ کے خاتمے سے پہلے کسی اور طریقے پر متفق نہ ہو جائیں تو دستور ساز جماعت حسب ذیل صورت کے مطابق مرتب ہوگی۔

جیسے ہی ان انتخابات کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا، جن کا جنگ کے خاتمے پر عمل میں آنا ضروری ہے، صوبوں کی قانون ساز مجلسوں کے ایوان زیریں کے جملہ ارکان ایک واحد انتخابی انجمن کی طرح دستور ساز جماعت کا انتخاب تناسب نمایندگی کے اصول پر کریں گے، اس نئی جماعت کے رکن تعداد میں انتخابی انجمن کے $\frac{1}{10}$ ہوں گے۔

ہندوستانی ریاستوں کو بھی دعوت دی جائے گی کہ وہ اپنے نمایندے مقرر کریں۔ ان نمایندوں کے تعداد کی ریاستوں کی کل آبادی سے وہی نسبت ہوگی، جو کہ مجموعی اعتبار سے برطانوی ہند کے نمایندوں کی اور ان کے اختیارات بھی وہی ہوں گے جو کہ برطانوی ہند کے نمایندوں کے، یہ بات ناگزیر ہے کہ اس نازک صورت حال میں جو کہ ہندوستان کے لیے اس وقت ہے اور اس مدت تک جب کہ ہندوستان کا نیا دستور بن جائے، ہز میجسٹی کی حکومت ہندوستان کے دفاع کی ذمے دار رہے اور عالم گیر جنگی جدوجہد کے ایک حصے کے طور پر ہندوستان کے پورے فوجی، اخلاقی اور مادی وسائل کو بروئے کار لانے کا فرض ہندوستانی قوم کی اعانت کے ساتھ حکومت ہند کے ذمے ہوگا۔ ہز میجسٹی کی حکومت چاہتی ہے کہ ہندوستانی قوم کے اہم فرقوں کے لیڈر فوراً اور موثر طریقے پر اپنے ملک، برطانوی کامن ویلتھ اور متحدہ اقوام کے مشوروں میں شریک ہوں اور وہ انھیں اس کی دعوت بھی دیتی ہے، اس طرح وہ ایک فرض کی انجام دہی میں جو ہندوستان کی آنے والی آزادی کے لیے نہایت اہم اور ناگزیر ہے سرگرمی کے ساتھ اور مفید طریقے پر مدد کر سکیں گے"۔

(انڈیا ونس فریڈم، ص ۳۴۔۳۳۳)

کرپس کی گریز پائی:

مسٹر اسٹیفورڈ کرپس ۲۳؍ مارچ ۱۹۴۲ء کو نئی دہلی پہنچے۔ مولانا کے ساتھ ان کی پہلی ملاقات دہلی میں ۲۹؍ مارچ کو ہوئی، مسٹر کرپس نے اپنی تجاویز تحریری صورت میں مولانا کو دیں کہ ان پر مزید گفتگو اور وضاحت ہو سکتی ہے۔

یہ تجاویز پیش کش بالکل اسی بنیاد پر تھی جو مسٹر کرپس قبل ازیں مولانا آزادؒ کو ایک یاد داشت کی صورت میں دے چکے تھے۔ البتہ وہ یادداشت مسٹر کرپس کی ذاتی رائے تھی مگر اس پیش کش کو برطانوی سرکار کی مرضی اور منشا سے پیش کیا گیا تھا۔ مولانا نے اس فارمولا کو قابل عمل بنانے اور کانگریس کے لیے قابل قبول بنانے کی خاطر بعض ابہام دور کرنے اور وضاحت حاصل کرنے کے پیش نظر اسٹیفورڈ کرپس سے پوچھا کہ

وایسرائے کی حیثیت کیا ہوگی؟

''انگلستان کے بادشاہ کی طرح وہ ایک دستوری حکمرانِ اعلیٰ کے طور پر کام کرے گا''۔ یہ تھا مسٹر کرپس کا جواب۔

مولانا نے شک وشبہ کو دور کرنے کے لیے اس کی تصدیق چاہی کہ وایسرائے کونسل کے مشورہ کے مطابق عمل کرے گا؟

مسٹر کرپس: منشا یہی ہے۔

مولانا: بنیادی سوال یہ ہے کہ اختیار کسے حاصل ہوگا، مجوزہ کونسل کو یا وایسرائے کو؟

مسٹر کرپس: اختیار کونسل کو حاصل ہوگا جیسے کہ برطانوی کابینہ کو ہے۔

مولانا: انڈیا آفس کی کیا حیثیت ہوگی؟

مسٹر کرپس: یہ ایک تفصیل کا معاملہ ہے جس پر انھوں نے غور نہیں کیا، لیکن اس معاملے میں کانگریس کے خیالات کا لحاظ رکھا جائے گا۔ انڈیا آفس قایم رہے گا اور وزیر ہند بھی، مگر اس کی حیثیت ویسی ہی ہوگی، جیسی کہ دوسری ڈومینیں اور نوآبادیات کی ہوتی ہے۔

مولانا نے مفاہمت میں تاخیر کے لیے برطانوی سرکار کو مورد الزام ٹھہرایا۔ مسٹر کرپس نے اس پر تاسف ظاہر کیا اور امید کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ برطانوی کابینہ کی مبینہ تجاویز قبول کرنے سے ماضی کی غلطیوں کا ازالہ ہو سکتا ہے اور آیندہ شکایات پیدا نہ

ہونے کی یقین دہانی کرائی۔

۲۹ر مارچ ۱۹۴۲ء کو کانگریس ورکنگ کمیٹی کی تاریخ کا طویل ترین اجلاس مولانا ابو الکلام آزادؒ کی صدارت میں شروع ہوا جو ۱۱ر اپریل تک تقریباً دو ہفتے جاری رہا۔ گاندھی کرپس فارمولے کے حق میں نہ تھے۔ کیوں کہ اس پر عمل درآمد کی صورت میں ہندوستان کو جنگ کی مساعی میں شرکت کرنا پڑتی۔ گاندھی جی کے لیے کوئی ایسی تجویز قابل قبول نہ تھی جو ہندوستان کو جنگ میں الجھا دے۔ انھیں جنگ سے عداوت ہی نہیں نفرت تھی کہ یہ ان کے عقیدۂ اہنسا کے خلاف تھا۔ کانگریس میں جواہر لال نہرو تجاویز کے حق میں تھے لیکن رائے عامہ کے پیش نظر وہ اپنی رائے ظاہر کرنے میں پس و پیش سے کام لے رہے تھے۔ راج گوپال اچاریہ کرپس تجاویز کے مکمل حامی کار تھے، لیکن کانگریس میں ان کی رائے کا کچھ وزن نہ تھا۔

ورکنگ کمیٹی نے دو روز کے غور و عوض اور بحث مباحثہ کے بعد بعض امور کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کی اور اس کے لیے مولانا کو کرپس سے مل کر وضاحت حاصل کرنے کا اختیار دیا۔ مولانا نے یکم اپریل کو مسٹر کرپس سے تین گھنٹے تک ملاقات کی اور ورکنگ کمیٹی کے فیصلے کے مطابق استفسارات کیے۔ اس ملاقات نے صورت حال کو افسردہ بنا دیا اور امید کے تمام روشن پہلو معدوم ہو گئے۔ مسٹر کرپس کے نقطۂ نظر میں بڑی واضح تبدیلی آ گئی تھی، اب وہ پہلے کی طرح قطعیت سے بات نہیں کر رہے تھے بلکہ ان سے الجھاؤ میں اضافہ ہوا۔ انھوں نے کونسل کی کارکردگی اور آزادی، وایسرائے کی حیثیت کے بارے میں قانونی رکاوٹوں اور مشکلات کا ذکر شروع کر دیا۔

(ابوالکلام آزاد اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست، صفحہ ۸۷-۱۸۶)

۲۹ر مارچ ۱۹۴۲ء کو سر اسٹیفورڈ کرپس کی تجویز شایع کر دی گئی۔ چوں کہ پریس کانفرنس میں سوالات کا جواب دیتے ہوئے سر اسٹیفورڈ کرپس نے مندرجۂ ذیل امور کی توضیح کر دی۔

ا۔ انڈین یونین کو برطانوی کامن ویلتھ سے علاحدگی کا حق ہوگا، انڈین یونین پوری طرح آزاد ہوگی کہ کامن ویلتھ کے دوسرے ممبروں سے، جن میں سے ایک برطانیہ ہے، اپنے آیندہ رشتہ کا جو چاہے فیصلہ کرے۔ اسے کلی اختیار ہوگا کہ کامن ویلتھ میں رہے یا اس

سے باہر چلی جائے۔

۲۔حکومت کی تشکیل کے متعلق ساری تفصیلات کا فیصلہ گورنر جنرل کے ہاتھ میں ہے اور ہم نے یہ ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہیں کی، نہ ہم ایسا کرنا چاہتے ہیں۔

۳۔موجودہ آئین اس وقت نہیں بدلا جاسکتا۔اس کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ہندوستان کے لوگوں کو جس قدر اختیار سونپا جاسکے، سونپ دیا جائے۔ ایگزیکٹیو کونسل وایسرائے کوئی تبدیلی کرنے کے پابند نہیں البتہ اگر وہ چاہیں تو اپنی ایگزیکٹیو کونسل کو خالص ہندوستانی بنا سکتے ہیں۔

۴۔اگر ہندوستان کی سب پارٹیاں متفقہ طور پر مطالبہ کریں۔ تب بھی ڈیفنس (دفاع) ہندوستانی ہاتھوں میں نہیں دیا جائے گا۔ یہ ہندوستان کے بچاؤ کے لیے بدترین بات ہوگی۔

۵۔آئین بنانے والی پنچایت میں شریک ہونا سب صوبوں پر فرض ہوگا۔آئین تیار ہوتے ہی مکمل ذمے داری ہندوستان کو سونپ دی جائے گی جو صوبے انڈین یونین میں شریک نہیں ہوں گے۔ وہ اپنی الگ یونین بنا سکیں گے۔مگر اس یونین کی تشکیل کا ڈھنگ وہی ہوگا جو پہلی انڈین یونین کا رکھا گیا ہے۔

۶۔کسی صوبے کے انڈین یونین میں شامل ہونے یا نہ ہونے کی خواہش کا علم اس طرح ہوگا کہ جس صوبے میں اسی فیصدی کی اکثریت سے انڈین یونین میں شمولیت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ وہاں عام رائے شماری کی ضرورت نہ ہوگی مگر جہاں اسمبلی کی ساٹھ فیصدی اکثریت نے شمولیت کے حق میں فیصلہ نہیں کیا وہاں اقلیت کو حق ہوگا کہ وہ سارے بالغوں کی رائے لینے کا مطالبہ کرے۔بالغوں کی رائے شماری پر کثرت رائے کا فیصلہ مانا جائے گا۔

۷۔سر کرپس نے یہ ماننے سے انکار کیا کہ برطانوی تجویزیں ہندوستان کو تقسیم کرنے کے خیال پر مبنی ہیں۔اس کے برخلاف انھوں نے دعویٰ کیا کہ برطانیہ ہندوستان کو متحدہ اور آزاد دیکھنا چاہتا ہے۔اگر ہندوستانی آپس میں مل کر متفقہ آئین نہ بنا سکیں تو تقسیم کو کون روک سکتا ہے۔سر کرپس نے کانگریس کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس کے حلقوں میں بھی یہ اصول مانا جاچکا ہے کہ اگر مسلمانوں کی رائے عامہ علاحدگی کے حق میں ہوگی تو اسے نہیں روکا جاسکتا۔

۸۔ برطانوی حکومت ان صوبوں کو جو انڈین یونین سے الگ رہیں گے، الگ یونین بنانے میں کوئی مالی امداد نہیں دے گی۔ یہ اُن صوبوں ہی کو طے کرنا ہوگا جو الگ رہیں گے کہ آیا وہ اپنی الگ یونین کی مالی ضروریات پوری کر سکیں گے؟

۹۔ سوال کیا گیا کہ کیا اس اسکیم کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان مان لیا گیا؟ سر کرپس نے جواب دیا یقیناً نہیں۔

۱۰۔ ہندوستان کا آئین بنانے والی پنچایت (جماعت) اور برطانوی حکومت میں جو معاہدہ ہوگا اس میں برطانوی سرمایہ داروں کے مفاد کے تحفظ کے لیے کوئی شرط نہیں رکھی جائے گی۔ اس سلسلے میں ہندوستانی یونین کو وہ سب کچھ کرنے کا اختیار ہوگا جو ایک آزاد اور خود مختار حکومت کو ہوتا ہے۔ (ضمیمہ تیج مورخہ ۳۰ر مارچ ۱۹۴۲ء)

(بہ حوالہ علمائے حق......ج ۲، ص ۱۷۲تا ۱۶۶)

''......... تقریباً دو ہفتہ تک کرپس، وائسرائے مولانا آزادؒ، جواہر لال اور گاندھی جی کے درمیان کانفرنسیں ہوتی رہیں۔ کانگریس کا مطالبہ یہ تھا کہ فی الحال با اختیار قومی حکومت قایم کردی جائے۔ اس کے بغیر ملک رضا کارانہ طور پر قربانی کے لیے تیار نہیں ہوسکتا''۔

(ایضاً/۱۷۳)

۲۹ر مارچ ۱۹۴۲ء سے کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بلاناغہ ہوتا رہا، اس دوران صدر کانگریس کی روزانہ گفتگو کرپس مشن سے ہوتی رہی۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس اتنی لمبی مدت تک کبھی بھی نہیں ہوا۔ چوں کہ ورکنگ کمیٹی نے کرپس مشن سے گفتگو کرنے کا اختیار صرف مولانا آزادؒ کو ہی دیا تھا یہی وجہ تھی کہ ہر شب کو مولانا آزادؒ ہی کرپس مشن سے ملاقات کیا کرتے تھے اور دن کو ورکنگ کمیٹی میں اس ملاقات کی گفتگو پر مشورہ اور غور ہوتا تھا۔ اگرچہ رسمی طور پر پنڈت نہرو اور گاندھی جی نے بھی کرپس سے ملاقات کی لیکن گفتگو دوسرے مسائل پر ہوتی رہی، مگر مولانا آزاد کی ملاقات اور گفتگو کا واحد موضوع ہندوستان کی آزادی ہی تھی۔ (حسرت موہانی۔ ایک سیاسی ڈائری)

وفاق یا مضبوط مرکز

جمعیت علمائے ہند کی قرارداد پر ایک نظر:

۳۰ر مارچ ۱۹۴۲ء: یورپ ایک وسیع خطۂ ارضی ہے جو دنیا کا سب سے چھوٹا براعظم کہلاتا ہے، جمہوریہ شورا ویہ روس کو نکال کر اس کا رقبہ اور آبادی ہندوستان کے رقبے اور آبادی سے کہیں کم ہے۔ یہ براعظم جن ممالک پر مشتمل ہے ان کے مذہبی اعتقادات میں کم سے کم نظری اعتبار سے کامل اتحاد ہے یعنی چند لاکھ مسلمانوں کے ماسوا ساری آبادی جو ہندوستان کی مجموعی آبادی کے نصف کے قریب ہے، ایک ہی مذہب، عیسویت کی ہے، گو فرقے بیسیوں ہوں گے) بہ ایں ہمہ اتحاد ظاہری یہ براعظم بیس سے زیادہ خود مختار ممالک پر مشتمل ہے۔ جن میں چند مربع میل کی خود مختار ریاست سے لے کر چند لاکھ مربع میل کے وسیع وعریض ممالک تک شامل ہیں اور صدیوں سے ان کی کوئی مرکزی حکومت نہیں بن سکی جو اس ملکی تقسیم کو یک سر فنا کر دیتی اور نہ مستقبل بعید تک اس قسم کے اتحاد کی امید کی جاتی ہے۔

براعظم ہندوستان اٹھارہ لاکھ مربع کا طویل وعریض خطۂ ارض ہے۔ جس کی آبادی چالیس کروڑ سے زیادہ ہے۔ اس میں جو لوگ بستے ہیں وہ نہ فکراً متحد ہیں اور نسلاً یہاں ماقبل آریہ زمانے کی قدیم اقوام بھی موجود ہیں، جن کو آریوں نے اچھوت بنا کر رکھا اور اب تک وہ تہذیب کے اسی درجے میں ہیں جو ماقبل تاریخ زمانے میں تھا۔ آریہ اقوام کے لوگ بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں، جن کی فکری رہنمائی اب تک برہمن کرتے رہے ہیں، اسی آریہ نسل میں سے کثیر تعداد لوگ ایک ایسے نظام فکر کو قبول کر چکے ہیں جسے انسانی فکر کے ارتقا کی آخری کڑی کہا جا سکتا ہے، اس فکر کا گہوار سرزمین حجاز تھی، لیکن اولوالعزم خدام خلق اسے ہندوستان لائے ہندوستانیوں میں سے اکثر آریا نسل ہی سے تھے اور خود آریہ نسل سے ہندوستانیوں نے اسے قبول کر کے اس کو مزید ترقی دی، یہاں تک کہ اب اس فکر کے حاملین کی تعداد حدود دو ہند میں نو کروڑ سے متجاوز ہے۔

اسلامی نظام فکر:

یہ نظامِ فکر جسے اسلام کہا جاتا ہے، ہندوستان میں پہنچ کر ایک نئی ثقافت کی تخلیق کا موجب بنا۔ آریوں کی جو شاخ مغرب میں اسلام قبول کر چکی تھی وہ آریائی اصل کی ایک زبان، فارسی کی حامل تھی۔ اس آریائی فارسی (اور کسی حد تک عربی) اور ہندی آریہ زبانوں کے نئے میل جول سے ایک نئی زبان ہندوستان میں پیدا ہوئی جسے اردو کہتے ہیں۔ اس نئی زبان کا تاریخی تعلق بھی اس نئے نظامِ فکر کے ساتھ ہے جسے اسلام کہتے ہیں۔

اب سارے ہندوستان پر ایک چھ چھلتی ہوئی نظر ڈالیے تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ یورپ میں بیلجیم، ہالینڈ اور ڈنمارک کے مابین جو وجوہ اختلاف ہیں اور جن کی بنا پر وہ جدا جدا خود مختار ملک بنے ہوئے ہیں، ان سے کہیں زیادہ مدراس اور پنجاب میں اختلاف موجودہ ہے۔ یہی حال ہندوستان کے باقی تمام صوبوں کا ہے۔ ان صوبوں کو ایسے آئین میں جکڑنا جو ان کی انفرادیت کو فنا کر دے انسانیت پر سخت ظلم ہوگا، جسے ان صوبوں میں بسنے والے انسان ہرگز برداشت نہ کریں گے، اگر پولینڈ اور پرتگال باوجود اتحاد مذہب محض اختلاف زبان کی وجہ سے دو جداگانہ خود مختار ملک بن سکتے ہیں۔ تو دنیا کی کوئی منطق اور فلسفہ پنجاب اور صوبہ سرحد کو ایک مشترک غیر منقسم ملک قرار نہیں دے سکتا۔

جمعیت علما کی قرارداد:

ان حالات میں جمعیت علمائے ہند کے لیے یہ طبعی امر تھا کہ وہ اپنے اجلاس منعقدہ لاہور (مارچ ۱۹۴۲ء) میں مندرجہ ذیل قرارداد کا اعلان کرتی:

جمعیت علمائے ہند بارہا اس امر کا اعلان کر چکی ہے کہ اس کا نصب العین آزادیٔ کامل ہے اس پر تمام مسلمانان ہند متفق ہیں اور اسی کو اپنے لیے ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں۔ جمعیت نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے، ان کا مذہب آزاد ہوگا اور مسلم کلچر اور تہذیب وثقافت آزاد ہوگی، وہ کسی ایسے آئین کو ہرگز قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

جمعیت علمائے ہند، ہندوستان میں صوبوں کی کامل خود مختاری اور آزادی کی

زبردست حامی ہے جس میں غیر مصرحہ اختیارات بھی اصولوں کے ہاتھ میں ہوں اور مرکز کو صرف وہی اختیارات ملیں جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالے کریں اور جن کا تعلق تمام صوبوں سے یک ساں ہو۔

جمعیت علما کے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا سیاسی وفاق ضروری اور مفید ہے، مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب وثقافت کی مالک نو کروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم وکرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو، ایک لمحے کے لیے بھی گوارا نہ ہوگی، یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اصول پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی سیاسی مذہبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔

قرارداد کا مفہوم:

اس تاریخی اعلان میں علمائے ہند نے غیر مبہم الفاظ میں واضح کر دیا ہے کہ جہاں تک ہندوستان کی سیاسی آزادی کا تعلق ہے ان کے خیال میں وہ غیر منقسم ہے یعنی ان کا نظریہ یہ نہیں ہے کہ صوبۂ سرحد وسندھ وغیرہ جن میں مسلمانوں کی اکثریت آباد ہے آزاد ہو جائیں اور مدراس وغیرہ صوبے جن میں ہندوؤں کی اکثریت ہے بہ دستور امپیریل ازم کے جنگل میں پھنسے رہیں۔ اس کے برخلاف مسلمانان ہند پنجاب اور سندھ کی آزادی کے بھی اتنے ہی متمنی ہیں جتنے مدراس اور بمبئی کی آزادی کے متمنی ہیں۔ پس جہاں تک ان کے مطالبۂ آزادی کا تعلق ہے وہ بلا استثنا ہے۔ البتہ وہ اسے برداشت نہیں کر سکتے کہ ان صوبوں کا ایک مرکز بنا دیا جائے جہاں سے ان پر بیوروکریسی کی حکومت ہوتی رہے، جیسے ایسٹ انڈیا کمپنی کے قدیم دفتر انڈیا سے باہر انگلینڈ میں رہے، صرف اس فرق کے ساتھ کہ وہ انڈیا آفس لندن کے بجائے ہندوستان میں منتقل ہو جائے، پس علمائے ہند کا مطالبہ ہے اور بالکل بجا مطالبہ ہے کہ

''جمعیت علمائے ہند ہندوستان کے صوبوں کی کامل خود مختاری اور آزادی کی زبردست حامی ہے جس میں غیر مصرحہ اختیارات بھی صوبوں کے ہاتھ میں ہوں اور مرکز کو صرف وہی اختیارات ملیں جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالے کریں اور جن کا تعلق تمام صوبوں سے یک ساں ہو''۔

اس اصول کو تسلیم کرنا اور اسے عملی جامہ پہنانا ہی ہندوستان کے آیندہ آئین کی پُر خلوص کامیابی کا ضامن ہوسکتا ہے۔

دو لعنتیں:

بدقسمتی سے اس وقت ہندوستان میں دو لعنتیں مسلط ہیں، یعنی برہمنیت اور سرمایہ داری اور یہ دونوں انسانیت عامہ کے لیے موجب زحمت ہیں۔ برہمنیت سے مراد ہے ایک جماعت کا دوسری جماعت پر مزعومہ تفوق اور سرمایہ داری سے مراد محنت کشی کو سوسائٹی کے کاروبار کی بنیاد نہ بنانا۔ کانگریس کی طاقت بھی بدقسمتی سے اس وقت ایک ایسے گروہ کے فیصلے میں ہے جو برہمنیت اور سرمایہ داری کے ملغوبے میں پھنسی ہوئی ہے اور چند نفوس جو اسے اس سے پاک کرنا چاہتے ہیں غیر موثر اقلیت میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کانگریس کسی ایسے آئین کو قبول کرنے کی طرف علانیہ میلان ظاہر نہیں کرتی جو ملک کو اس جماعتی تفوق اور سرمایہ دارانہ نظام سے پاک کرنے کے لیے تجویز کیا جائے۔ ایسی حالت میں اگر غیر سرمایہ دار طاقتیں کانگریس کے مقابلے میں آجائیں تو تعجب نہیں کرنا چاہیے اور ہمارے خیال میں جمعیت علماے ہند کا مذکورہ بالا ریزولیوشن اسی قسم کی تنظیم کی ایک کوشش ہے۔

دعوت اتحاد:

مسلم سیاسیات ہند پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی تمام مقتدر سیاسی جماعتیں بہ ادنیٰ فرق جمعیت علماے ہند کی مذکورہ بالا قرارداد سے متفق ہیں، اس لیے ہمارے نزدیک اب وقت آگیا ہے کہ سب مسلم جماعتیں اپنے باہمی جزوی اختلافات کو فراموش کرکے اس متفقہ اور متحدہ قرارداد کی حمایت میں آواز بلند کریں اور جمعیت علما اس امر کی کوشش کرے کہ تمام مسلم سیاسی پارٹیوں کو دعوت اتحاد دے۔ ہمارے خیال میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی عن قریب اس قسم کا اقدام کرنے والے ہیں، ہم ان سے اور ان کے رفقائے کار سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے جلدی اقدام کریں اور جن مسلم سیاسی جماعتوں کو وہ مدعو کریں وہ اس زریں موقعے کو نہ کھوئیں اور کسی جگہ جمع ہوکر اپنے باہمی اختلافات کو جلد از جلد دور کرلیں، اب افہام و تفہیم

سے ایک نقطے پر جمع ہونا مشکل نہیں ہونا چاہیے۔ واللہ الموفق وہو خیر المعین۔
(''مقالۂ افتتاحیہ'' زمزم، لاہور، ۳۰؍ مارچ ۱۹۴۲ء)

ایک تاریخی واقعے پر وارد سوال کا جواب:

۳۰؍ مارچ ۱۹۴۲ء: حضرت شیخ الاسلام نے جمعیت علمائے ہند کے تیرھویں سالانہ اجلاس لاہور (۲۰ تا ۲۲؍ مارچ ۱۹۴۲ء) میں مسلمانوں کے عہد میں ہندو مسلمانوں میں سیاسی و سماجی تعلقات، ایک دوسرے پر اعتماد اور آپس کی رواداری کے سلسلے میں بابر کی وصیت، اورنگ زیب کے خط بہ نام حاکم بنارس، کپتان الگزینڈ ہملٹن کے سفرنامے، ڈبلیو ایم، ٹارانس کی تاریخ، جہاں گیر کے توپ خانے کے ہندو آفیسر مرہٹوں کے توپ خانے کے مسلمان کمانڈر اور سپاہیوں، عہد مغلیہ میں ہندو منصب داروں کی تفصیل، ہندو عہدے داروں پر اورنگ زیب کے اعتماد اور عطا و بخشش کے تاریخی حوالوں سے اس دور کے ہندو مسلم تعلقات، ایک دوسرے پر اعتماد، آپس کے اخلاص اور وفاداری کا تذکرہ کیا تھا اور بتایا تھا کہ اب دونوں قوموں میں نفرت، عداوت، دشمنی، بے اعتمادی، عدم رواداری وغیرہ انگریزی حکومت کی لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک خالص تاریخی تذکرہ اور سماجی حالات پر تبصرہ تھا۔

لاہور کے قاضی محمد نور عالم صاحب کو یہ طویل تاریخی تذکرہ پڑھ کر یہ فکر لاحق ہوئی کہ مرہٹہ لشکر کے مسلمان توپچیوں کے گولوں سے احمد شاہ ابدالی کی فوج کے جو مسلمان سپاہی ہلاک ہوئے ہوں گے آیا انھیں شہید کہنا درست ہے یا نہیں؟ اور ان مسلمان توپچیوں کا فعل مومن کے قتل عمد کے تحت آتا ہے یا نہیں؟

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کا جواب کافی ہے، لیکن کیا ہی اچھا ہوتا، اگر قاضی صاحب نے یہ بھی پوچھ لیا ہوتا کہ گذشتہ سوا سو ڈیڑھ سو برسوں میں جو مسلمان نہ صرف اغیار، برٹش استعمار کی خدمت گذاری میں مصروف رہے، بلکہ ملک، قوم، ملت، مذہب اور انسانیت کی تباہی و بربادی میں اغیار کے معاون و شریک رہے اور بغیر توبہ کیے ہوئے مرے ہیں، ان کا شمار کس زمرے میں ہوگا اور ان کی موت کو مسلمان کی موت کہا جائے گا یا فسق و جہالت اور کفر کی موت قرار دیا جائے گا؟

بہ ہر حال یہ الگ بحث ہے، یہاں قاضی صاحب کا سوال اور حضرت مفتی صاحب کا جواب نقل کیا جاتا ہے، قاضی صاحب نے لکھا تھا:

جہاں گیر کے توپ خانے کے افسر اعلیٰ راجہ بکرماجیت تھا...... (اور)......
مرہٹوں کا توپ خانہ مسلمانوں کے زیر کمان تھا۔ حال آں کہ احمد شاہ ابدالی سے لڑائی ہو رہی تھی، احمد شاہ ابدالی نے ان کو اپنے ہاں بلایا تو انھوں نے جواب دیا کہ نمک حلالی کے خلاف ہے"۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کے خطبۂ صدارت کا یہ حوالہ نقل کرنے کے بعد یہ سوال کیا تھا:

ا۔ مرہٹہ لشکر کے مسلمان توپچیوں کی نمک حلالی جس کا ذکر مولانا حسین احمد صاحب نے کیا ہے، شریعت اسلامی کی رو سے جائز تھی یا ناجائز اور اس کی صحیح شرعی حیثیت کیا ہے؟

۲۔ احمد شاہ ابدالی کے اسلامی لشکر کے جو افراد ان مسلمان توپچیوں کے گولوں سے ہلاک ہوئے آیا ان کو شہید کہنا درست ہے یا نہیں اور ان مسلمان توپچیوں کا یہ فعل مومن کے قتل عمد کے تحت آتا ہے یا نہیں؟۔

۳۔ آیا ایسے مسلمان کے لیے جو کسی کافر مشرک یا غیر مسلم کا نوکر ہو جائز ہے کہ وہ آقا کا نمک حلال کرنے کے لیے مسلمانوں کو قتل کرے؟

حضرت مفتی صاحبؒ نے ان سوالات کا یہ جواب عنایت فرمایا:

"مولانا مدظلہ نے ایک تاریخی واقعہ ذکر کیا ہے، اگر یہ واقعہ تاریخ میں ہے تو مولانا کی ذمے داری ختم ہو جاتی ہے، مگر انھوں نے اس پر تنقید بھی کر دی ہے کہ گزشتہ دور میں مسلمانوں کی رواداری بعض صورتوں میں شرعی حدود سے بھی متجاوز ہو جاتی تھی، مگر وہ تاریخی واقعہ کی حیثیت سے اوراق تاریخ میں موجود ہے اس واقعہ میں صرف اتنا مذکور ہے کہ وہ مسلمان توپچی احمد شاہ ابدالی کے بلانے سے احمد شاہ کے لشکر میں نہیں آئے اور اس کو انھوں نے نمک حلالی کے خلاف سمجھا کہ احمد شاہ کی طرف ہو کر مرہٹوں پر گولہ باری کریں، مولانا نے آگے یہ ذکر نہیں کیا کہ ان توپچیوں نے پھر کیا کیا۔ تین احتمال ہیں،

اول یہ کہ خود اپنا لشکر اور توپ خانہ چھوڑ کر روپوش ہو گئے ہوں۔

دوم یہ کہ مسلمانوں پر گولہ باری نہ کرنے کی کوئی صورت نکال لی ہو یعنی اپنے لشکر کے ساتھ رہتے ہوئے بھی قتل مومن سے بچنے کی کوئی راہ پیدا کر لی ہو۔

سوم یہ کہ مسلمانوں پر گولہ باری کی ہو

چوں کہ تیسرا احتمال ضعیف اور کم زور ہے، اس لیے کہ جو شخص اسلامی نقطۂ نظر سے نمک حرامی کو برا سمجھتا ہو وہ مسلمانوں پر گولے برسانے کو کیسے گوارا کر سکتا ہے، اس لیے ان کے متعلق قتل مومن کا فتویٰ اور ان کے مقتولین کے متعلق شہید ہونے کا استفسار کچھ برمحل نہیں ہے۔

ان توجیہوں سے قطع نظر کر کے اس حکم شرعی کے بیان کرنے میں مجھے کوئی تأمل نہیں کہ جو مسلمان قتال فی سبیل اللہ کے معرکے میں یا مظلومیت کی حالت میں قتل ہو جائے وہ یقیناً شہید ہے، خواہ اس کا قاتل مسلم ہو یا غیر مسلم اور جو مسلمان کسی کافر کی حمایت میں مسلمان کو قتل کرے وہ یقیناً مَنْ قَتَلَ مُؤْمِناً مُتَعَمِّداً الخ کی وعید میں داخل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔ (کفایت المفتی (جلد نہم) کتاب السیاسیات)

جمعیت علماے ہند کے فارمولے کی تائید:

۱۰/اپریل ۱۹۴۲ء: جمعیت علماے ہند نے جب اجلاس لاہور میں مرکز میں فیڈرل نظم حکومت کے قیام، صوبوں کی خود مختاری اور ہندوستان کی مختلف اقلیتوں کے مذہبی ثقافتی اور سیاسی حقوق کے تحفظ کا فارمولا منظور کیا تو ہندوؤں کے متعصب اور تنگ نظر اخبارات نے اس کو دوسرے عنوان سے ''پاکستان'' کا مطالبہ قرار دیا تھا، کیوں کہ اس فارمولے میں مکمل اختیارات کا مالک صوبوں کو قرار دیا گیا تھا۔

مگر یہ درست ہے کہ کانگریس نے اس مفہوم کی کوئی تجویز اب تک پاس نہیں کی تھی۔ صرف گاندھی جی اور کانگریس کے لیڈروں کے بیانات میں یہ تسلیم کیا گیا تھا، جس کا کرپس نے حوالہ دیا۔

کرپس کی واپسی پر ۱۰/اپریل ۱۹۴۲ء کو کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس دہلی میں ہوا۔ اس میں مندرجۂ ذیل تجویز پاس کی گئی۔

''کانگریس ہندوستان کی آزادی اور اتحاد کی حامی رہی ہے اور اس اتحاد میں کوئی رخنہ بالخصوص جدید دنیا میں جب کہ لوگوں کے دماغوں میں وسعت پذیر فیڈریشنوں کا تصور بندھا ہوا ہے، سب متفقہ فریقوں کے لیے نقصان دہ ہوگا اور اس کا خیال کرنا بھی تکلیف دہ

ہے۔ پھر بھی کانگریس کسی علاقہ وارانہ واحدے کے لوگوں کو ان کی علانیہ اور مسلمہ مرضی کے خلاف انڈین یونین میں رہنے پر مجبور کرنے کا خیال دل میں نہیں لاسکتی۔ ہر علاقہ وارانہ واحدے کو انڈین یونین میں پوری پوری خوداختیاری حاصل ہونی چاہیے۔

(تیج مورخہ ۱۳/اپریل ۱۹۴۲ء، ش ۹۹ ج ۲۰۔ و تیج مورخہ ۲/اکتوبر ۱۹۴۴ء، ۳۱۵، ج ۲۳)

کانگریس نے اس تجویز کے ذریعے حق خودارادیت کو باضابطہ تسلیم کرلیا اگرچہ تجویز کے الفاظ میں وحدت ہندوستان کے جذبات نمایاں ہیں اور ان کو غلبہ حاصل ہے اور اس کو ہندوستان کی حفاظت اور ترقی کے لیے ضروری اور مفید سمجھا جارہا ہے مگر تاہم کسی علاقے کی رائے کو ان سب پر ترجیح دی گئی۔

کرپس مشن کی ناکامی، کانگریس کا نقطۂ نظر:

مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں:

۱۱/اپریل ۱۹۴۲ء: ''۱۱/اپریل ۱۹۴۲ء کو میں نے ایک پریس کانفرنس بھی بلائی جس میں میں نے بہت سے نامہ نگاروں سے ملاقات کی اور انھیں کرپس کی پیش کش کو نامنظور کرنے کے اسباب سمجھائے۔ انھیں یہاں تفصیل کے ساتھ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ یہ مندرجہ بالا ریزولیشن اور کرپس کی اور میری خط و کتابت میں بیان کردیے گئے ہیں، میں نے اس بات پر خاص طور سے زور دیا کہ جیسے جیسے گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھا حالات کی جو رنگین اور خوش آیندہ تصویر سر اسٹیفورڈ نے پہلے کھینچی تھی دھندلی پڑتی چلی گئی۔ فضا کی اس تبدیلی کا عکس لارڈ ویول سے میری ملاقات میں بھی نظر آیا۔ گفتگو کے دوران میں سر اسٹیفورڈ کرپس نے بار باران انتظامی اور فنی دشواریوں پر زور دیا تھا جو کونسل کے ہندوستانی ممبر کو دفاع کا ذمہ دار بنانے کی وجہ سے پیدا ہوں گی۔ انھیں کی تجویز تھی کہ ہم لارڈ ویول سے ملاقات کریں۔ اس لیے کہ وہ اس مسئلے کے انتظامی اور فنی نکتوں کو بہت بہتر سمجھا سکتے تھے۔ تعجب کی بات ہے کہ اس ملاقات کے دوران، جب کہ کمانڈر انچیف کے علاوہ اور فوجی افسر بھی موجود تھے، کسی انتظامی اور فنی دشواری کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا گیا، ساری گفتگو کا رنگ سیاسی تھا اور مجھے ایک لمحے بھر بھی یہ محسوس نہ ہوا کہ میں جنگ کے ماہر سے ملاقات کررہا ہوں۔ اس لیے کہ لارڈ ویول ایک تجربہ کار سیاست داں کی طرح بات کررہے تھے۔

گفتگو میں گاندھی جی نے جو حصہ لیا تھا اس کے بارے میں بعض اخباروں نے خیال آرائیاں کی تھیں اور میں نے ضروری سمجھا کہ پریس کانفرنس میں اس معاملے کو بھی صاف کردوں۔ کسی طرح کی جنگ میں بھی شرکت کے بارے میں گاندھی جی کے جو خیالات تھے وہ عام طور پر معلوم تھے اور یہ کہنا بالکل غلط تھا کہ ورکنگ کمیٹی کے فیصلوں پر ان کا کسی طرح سے اثر پڑا۔

گاندھی جی نے ورکنگ کمیٹی سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ تجویزوں کی خوبیوں اور خامیوں کو دیکھ کر بالکل آزادی کے ساتھ جو فیصلے چاہے کرسکتی ہے، وہ ورکنگ کمیٹی کے ابتدائی جلسوں میں بھی شریک نہیں ہونا چاہتے تھے اور صرف میرے اصرار کی وجہ سے چند دن ٹھیرنے پر راضی ہوگئے۔ آخر میں انھوں نے محسوس کیا کہ وہ اور زیادہ نہیں ٹھیر سکتے ہیں اور میری تمام دلیلیں انھیں رائے بدلنے پر آمادہ نہ کرسکیں۔

میں نے پریس کے نمایندوں سے یہ بھی کہا کہ ہر مرحلے پر ہمارے فیصلے کامل اتفاق رائے سے ہوئے۔ آخر میں، میں نے کہا کہ ہم اس مقصود کو حاصل نہ کرسکے جس کی ہم سب کو شدید آرزو تھی، لیکن یہ بیان کرنا اور یاد رکھنا ضروری ہے کہ گفتگو کا انداز دوستانہ رہا۔ ایسے انتہائی اختلافات کے باوجود، جو کبھی کبھی بحث میں گرمی پیدا کردیتے تھے۔ ہمارے درمیان صفائی اور بے تکلفی قایم رہی اور ہم دوستوں کی طرح سر اسٹیفورڈ سے رخصت ہوئے۔
(انڈیا ونس فریڈم، ص ۴۵-۱۴۴)

مسلم لیگ کانگریس کی تقلید میں:

محمد فاروق قریشی (لاہور) نے کرپس مشن کی ناکامی، اس کے وجوہ اور اندرونِ خانہ کی کہانی پر مزید روشنی ڈالی ہے، وہ لکھتے ہیں:

کانگریس نے کرپس تجاویز کو مسترد کیا تو اگلے روز مسٹر جناح نے بھی مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کی طرف سے انھیں مسترد کرنے کا اعلان کردیا اور وجہ یہ بیان کی کہ مذاکرات کے دوران میں مسلمانوں کو نظر انداز کیا گیا ہے، طویل المیعاد منصوبہ غیر منصفانہ تھا، دستور ساز اسمبلی کا مقصد آل انڈیا یونین قایم کرنا تھا۔

کرپس مشن اندورن خانہ کی کہانی:

دراصل مولانا کی پوری کوشش یہ تھی کہ کرپس کی پیش کش کو قابل قبول بنایا جائے، وہ دستوری رسم قایم کرنا چاہتے تھے جس کے مطابق وایسرائے کی کونسل عملاً کابینہ کی حیثیت اختیار کرے، وایسرائے دستوری حکم ران اعلیٰ ہو، مولانا کی رائے تھی کہ اگر اس مسئلے کے بارے میں اطمینان ہو جائے تو کانگریس کو یہ پیش کش قبول کرلینی چاہیے اور جنگ کے زمانے میں اختیارات منتقل کیے جانے پر اصرار نہ کیا جائے۔ لیکن ان کی کوششیں کس طرح کامیابی سے ہم کنار ہو سکتی تھیں؟ کرپس برطانوی حکومت کا نمایندہ تھا وہ اپنی حکومت کے مفادات کو کس طرح قربان کرسکتا تھا؟ اس نے ابتدا میں زبانی یقین دہانیاں کرا کر خوش امیدی پیدا کی لیکن جب وضاحت چاہی گئی تو گریز پا ہوگیا۔ انگریز کا اصل روپ تو ٹرانسفر آف پاور میں نظر آتا ہے جو چند برس قبل شایع ہوئی ہیں، اس میں وزیر ہند نے کرپس کی آمد کے ایک روز بعد وایسرائے کو جو خط لکھا اس میں کہتا ہے:

> ''ہم نے جو تجاویز کرپس کے ذریعے پیش کی ہیں وہ سب کی سب ہی ہمارے مفادات کی ہیں''۔

گورنر جنرل کے دستوری حکم ران اعلیٰ ہونے کے بارے میں لکھتا ہے:

> ''وایسرائے محض دستوری گورنر جنرل کے طور پر باقی نہیں رہے گا بلکہ عظیم تر سلطنت کے نمایندے کی حیثیت میں ایک مدت دراز تک کام کرے گا''۔

لیکن مسئلہ صرف اتنا تو نہیں تھا۔ اصل مسئلہ تو فرقہ داری تھا، جس پر طویل گفتگو ہوئی۔ کرپس تجاویز میں صوبوں کو وفاق سے الگ رہنے کا حق دیا گیا تھا۔ مولانا نے کرپس سے کہا۔ ''اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک کو تقسیم کرنے کی راہ نکالی جارہی ہے''۔ کرپس نے مدافعانہ طرزِ عمل اختیار کیا۔ ''یہ حق کسی خاص مذہبی جماعت کو نہیں بلکہ صوبے کو مجموعی طور پر دیا جائے گا''۔ اس کے ساتھ لیپا پوتی کے لیے کرپس کا کہنا یہ بھی تھا کہ اگر ہندو مسلمان کسی سمجھوتے پر متفق ہو جائیں تو فرقہ داری مسئلہ ابھی حل ہو جائے گا۔ حال آں کہ حکومت برطانیہ خود اس مسئلہ کو ہوا دے رہی تھی۔ وزیرِ ہند آگے چل کر اسی خط میں لکھتا ہے:

''اگر پاکستان بن جاتا ہے جو یقیناً دو مسلم علاقوں پر مشتمل ہوگا، باقی تمام برٹش انڈیا

ہندو ریاست ہوگی، اگر وہ تقسیم نہیں ہوتا تو کم از کم ایک انتہائی اہم پہاڑی علاقہ پر آخر کار پہلے کی طرح ہماری حکم رانی ہوگی''۔

ہندوستانی ریاستوں کے متعلق کرپس کی تجویز یہ تھی کہ ریاستوں کے نمایندوں کو اپنی ریاستوں کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کی پوری آزادی ہوگی۔ انھیں صوبوں کی طرح وفاق سے الگ رہنے کا حق حاصل تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ ریاستوں کے حکم رانوں پر ملاقات کے دوران میں واضح کرتے تھے کہ ان کا مستقبل ہندوستان سے وابستہ ہے۔ انھیں برطانیہ کی جانب ایڑیاں اٹھا کر نہیں دیکھنا چاہیے۔ الغرض تجاویز کے متضاد پہلوؤں اور تاویلات کے باعث اطمینان اور یک سوئی پیدا نہ ہوسکی۔

دہلی کے مستقبل کے بارے میں جو منصوبہ بنایا تھا، اس سے برطانوی حکومت کی بدنیتی کھل کر سامنے آتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کرپس کو صرف جنگ میں ہندوستان کی مدد حاصل کرنے کی غرض سے بھیجا گیا تھا، اقتدار سے دست کشی چرچل کی مرضی اور منشا ہرگز نہ تھی۔ لکھا ہے:

''اس سلسلے میں آپ جو کچھ بھی کریں اور جو رضا مندی ظاہر کریں یہ امر پیش نظر رہے کہ دہلی اور اس کے ارد گرد کا معتد بہ علاقہ متحدہ ہندوستان میں ایک آزاد وفاقی علاقے کے طور پر رکھنا ہے اور یہ کسی طرح بھی آزاد ہونے والی کسی ایک ڈومینین میں شامل نہیں کرنا ہے، جو کہ آئین سازی کے پہلے عارضی تجربے میں ظہور میں آئیں''۔

(ابوالکلام آزاد اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست، ص ۸۹-۱۸۶)

۱۱/اپریل ۱۹۴۲ء: کچھ ہی دنوں بعد یہ خبر گشت کر گئی کہ بابو سو بھاش چندر بوس ایک ہوائی حادثے کا شکار ہو کر مر گئے۔ اس خبر سے سارے ملک میں سنسنی سی پھیل گئی۔ گاندھی جی کو اس خبر سے بڑا صدمہ پہنچا، گاندھی جی نے فوراً سو بھاش چندر کی والدہ کو تعزیتی پیغام بھیجا جس میں بابو کی قومی خدمات کا پر جوش انداز میں ذکر کیا۔ لیکن گاندھی جی کے اس رویے پر کرپس نے ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ گاندھی جی سو بھاش جیسے شخص کے متعلق ایسے خیال کا اظہار کریں گے۔ جس نے تشدد کے اصول کو اپنایا اور محوری طاقتوں کا کھلم کھلا ساتھ دے کر میدانِ جنگ میں اتحادیوں کی شکست کے لیے پروپیگنڈہ کیا۔ (حسرت موہانی۔ ایک سیاسی ڈائری)

مسٹر کرپس کی واپسی:

۱۲؍اپریل ۱۹۴۲ء: ہندوستانی لیڈروں سے گفتگو ناکام ہوجانے پر مسٹر کرپس کو چرچل نے واپس بلالیا اور وہ ۱۲؍اپریل ۱۹۴۲ء کو لندن کے لیے روانہ ہو گئے۔ تب گاندھی جی نے تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق پوری قوم کے نام کرو یا میرو کا آدیش جاری کردیا جو فضائے آسمانی تک نشر ہوتا گیا اور سارے ملک میں بھونچال سا آگیا۔ آخرکار اسے عملی جامہ پہنچانے کے لیے اور صورت حال پر غور کرنے کے لیے آلہ آباد میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ کرپس مشن کی گفتگو پر غور وخوض کے بعد سیاسی تلچھٹ یہی نکلی کہ ہندوستان سے انگریزوں کا انخلا قطعی طور پر ضروری قرار دیا جائے۔ اور ''کوئٹ انڈیا'' کا نعرہ بالاتفاق رائے منظور ہوگیا جو مستقبل کو سنوارنے کا بہترین آلہ بن گیا۔

(حسرت موہانی۔ایک سیاسی ڈایری)

راج گوپال اچاریہ کی قرارداد:

۲۳؍اپریل ۱۹۴۲ء: ہندوستانی رہنماؤں سے گفتگو میں ناکامی کے بعد لندن واپس جانے سے پہلے کرپس نے صدر کانگریس سے خواہش کی کہ وہ بھولا بھائی ڈیسائی اور سی راج گوپال اچاریہ سے ملنا چاہتے ہیں۔ کانگریس پریسڈنٹ نے ممبران ورکنگ کمیٹی کو ہدایت کر رکھی تھی کہ ان کی اجازت کے بغیر کوئی ممبر کرپس سے گفتگو نہیں کرے گا۔ لیکن مولانا آزادؔ نے کرپس کی خواہش کے پیش نظر اجازت دے دی۔ چناں چہ کرپس، راج گوپال اچاریہ سے ملے۔ دونوں رہنماؤں کے درمیان ان کی تجویز پر بحث رہی۔ آخرسی راج گوپال اچاریہ نے اس تجویز سے متفق ہوکر ۲۳؍اپریل کو مدراس کی کانگریس پارٹی کی طرف سے حسب ذیل ریزولیشن مدراس اسمبلی میں پیش کردیا۔

''مدراس اسمبلی کانگریس پارٹی کو بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستان میں قومی حکومت قایم کرنے کی کوششیں ناکامیاب ہوئی ہیں۔ قومی حکومت ملک کو اس قابل بنادیتی کہ وہ ان مسائل کو حل کرسکے جو موجودہ نازک صورت حال نے پیدا کردیے ہیں اور اس ناکامیابی نے قوم پرست ہندوستانیوں کو دونوں طرف سے مشکل میں ڈال دیا ہے۔ یہ

ناممکن ہے کہ ملک پر کوئی دشمن حملہ کرے تو لوگ سوچیں کہ غیر جانبدار یا تساہل پسند کیسے بنا جائے اور یہ تدبیر بھی قابل عمل اور موثر نہ ہوگی کہ اپنے طور پر مدافعت کا انتظام کیا جائے، جس کا حکومت کے مدافعانہ انتظامات سے ربط اور تعلق نہ ہو۔ اس خطرے کے وقت میں قومی مفاد کا قطعی تقاضہ ہے کہ کانگریس جلد سے جلد ان تمام رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے سب کچھ کرے جو قومی حکومت کے قیام میں حائل ہیں، اس لیے کہ قومی حکومت ہی موجودہ صورت حال پر قابو پا سکتی ہے۔

مسلم لیگ کو اصرار ہے کہ ملک کے بعض حصوں کا ان کی آبادی کی رائے معلوم کرنے کے بعد یہ حق تسلیم کر لیا جائے کہ وہ متحدہ ہندوستان سے الگ رہیں اور لیگ نے اسے قومی اقدام کی شرط اولین ٹھہرایا ہے، اس پارٹی کی رائے ہے اور وہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی سے اس کی منظوری کی سفارش کرتی ہے کہ اس نازک موقع پر یہ بات دانش مندی کے خلاف ہوگی کہ متحدہ ہندوستان کی بحث کو جاری رکھنے کے غیر یقینی فائدے کی خاطر ایک قومی حکومت کے قیام کے امکانات کو قربان کیا جائے۔ اب اس کی ضرورت ہے کہ خرابی کی صورتوں میں سے وہ اختیار کی جائے جو کم خرابی کی ہو اور علاحدگی کا جو مطالبہ مسلم لیگ کر رہی ہے اسے منظور کر لیا جائے۔

اس شرط پر کہ مسلم لیگ کو اس وقت بھی علاحدگی پر اصرار ہو، جب دستور مرتب کرنے کا وقت آئے۔ اس طرح لیگ کو اس بارے میں جو شکوک اور اندیشے ہیں وہ دور ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ لیگ کو مشورہ کرنے کی دعوت دینا چاہیے تاکہ آپس میں معاملات طے ہو سکیں اور اس وقت کے خطروں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک قومی حکومت قایم کی جا سکے''۔

(کاروان احرار، ج ۵)

اچاریہ جی کے نام مولانا کا خط اور اس کا جواب:

۳۰ر اپریل ۱۹۴۲ء: مولانا فرماتے ہیں:

''میں نے راج گوپال اچاری سے کہا کہ مدراس کی کانگریس لیجس لیجر پارٹی نے جو ریزولیوشن منظور کیے ہیں وہ کانگریس کی معلوم اور معروف پالیسی کے خلاف ہیں۔ چوں کہ وہ ورکنگ کمیٹی کے ایک ذمے دار رکن ہیں، انھیں ایسی تجویزوں اور تحریکوں سے کوئی تعلق

نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ اگر وہ اس معاملے میں کوئی رائے رکھتے تھے، تو اسے ظاہر کرنے سے پہلے انھیں ورکنگ کمیٹی کے ساتھیوں سے اس کے بارے میں گفتگو کر لینی چاہیے تھی۔ اگر ورکنگ کمیٹی ان سے اتفاق نہ کرتی تو انھیں اختیار ہوتا کہ اس سے استعفا دے کر اپنے خیالات کا پرچار کریں۔

راج گوپال اچاری نے تسلیم کیا کہ مدراس لیجس لیچر کی کانگریس پارٹی کے سامنے ریزولیشن پیش کرنے سے پہلے انھیں ورکنگ کمیٹی میں ان پر گفتگو کر لینی چاہیے تھی۔ چوں کہ دونوں ریزولیشن ان کی پختہ رائے کو ظاہر کرتے تھے اس لیے وہ انھیں واپس لینے پر تیار نہیں تھے۔ انھوں نے مجھے ایک خط لکھا جس میں انھوں نے پریسڈنٹ سے مشورہ کیے بغیر ایک بہت ہی اختلافی مسئلے پر اپنی رائے پبلک میں بیان کرنے کی معافی چاہی تھی۔ ان کا خط یہ تھا:

۳۰/اپریل ۱۹۴۲ء:

۱۹۔ ایڈمسٹون روڈ الہ آباد

مکرمی مولانا صاحب!

مدراس کانگریس لیجس لیچر پارٹی میں میری تحریک پر جو ریزولیشن منظور ہوئے ہیں ان کے بارے میں آپ کی رائے معلوم ہوئی۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ مجھے ریزولیشن پیش کرنے سے پہلے آپ سے اور ورکنگ کمیٹی کے دوسرے ساتھیوں سے اس کے بارے میں گفتگو کر لینی چاہیے تھی۔ اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ وہ ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ اس خط کے ذریعے میں اس پر افسوس ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔

میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ اس معاملے میں میری رائے کتنی پختہ ہو چکی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے لیے اپنے فرض سے چشم پوشی ہوگی اگر میں اس کی کوشش نہ کروں کہ لوگ میرے ہم خیال ہو کر اس مقصد کی طرف عملاً رجوع ہوں، جدھر میرا عقیدہ مجھے لیے جا رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عام مفاد کی خاطر مجھے وہ ریزولیشن پیش کرنے چاہییں جن کا نوٹس مسٹر سنتانم نے دیا ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں ورکنگ کمیٹی کی رکنیت سے استعفا دے دوں۔

آخر میں اجازت دیجیے کہ اس خالص اعتماد اور محبت کا شکریہ ادا کروں جس سے آپ

نے اور ورکنگ کمیٹی کے دوسرے ساتھیوں نے اس تمام مدت میں، جب کہ کمیٹی کا ممبر رہا ہوں مجھے نوازا ہے۔

آپ کا مخلص

سی۔ راج گوپال اچاری

(انڈیا ونس فریڈم، ص ۵۰۔۱۴۹)

۳۰ راپریل ۱۹۴۲ء: اخباروں نے سرخی لگائی کہ جاپانی فوجوں نے برما کے شہر لاشیو پر قبضہ کرلیا، ماڑلے کا محاصرہ جاری ہے، برما روڈ بند کر کے چین پر بھی ایک سمت سے جاپان حملہ آور ہوگیا۔ اب بلاشبہ برما کے بعد ہندوستان پر بھی حملہ ہوگا۔ آسام، چٹا گانگ، بنگال، کلکتہ، منی پور، امپھال پر حفاظتی کارروائی شروع ہوگئی۔ یہ اندیشہ بھی شدت اختیار کرتا گیا کہ بڑے بڑے پل اور جمشید پور کے فولادی کارخانے کی بڑی بڑی عمارتیں کہیں اتحادی خود ہی نہ اُڑا دیں، تاکہ جاپانی فوجیں پہل کرنے میں ناکام رہیں۔ برطانیہ کو یہ خطرہ بھی لاحق ہوا کہ اب جاپان سمندر کے راستے ڈائمنڈ ہاربر سے کلکتہ کی طرف بڑھے گا تو ہاوڑا چوبیس پرگنہ کو کس طرح خالی کریں اور کن ذریعوں سے محفوظ رہیں۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کی گرفتاری:

اپریل ۱۹۴۲ء: بچھراؤں (ضلع مرادآباد) کی کانفرنس میں حضرت شیخ الاسلامؒ نے جو تقریر فرمائی تھی، اس کی بنیاد پر حضرت کو گرفتار کرلیا گیا۔ مرادآباد کی جیل میں آپ کو رکھا گیا اور وہیں کی عدالت میں آپ پر مقدمہ چلا گیا، مقدمہ کی پیروی حافظ محمد ابراہیم اور دوسرے وکلا نے کی۔ اپیل کے موقع پر بیرسٹر مرحوم آصف علی نے بحث میں حصہ لیا۔ اس مقدمہ میں حضرت شیخ الاسلامؒ نے عدالت میں تحریری بیان داخل کیا۔ اس بیان کا ایک حصہ الجمعیۃ دہلی کے شیخ الاسلامؒ نمبر میں شامل ہے۔

مسلم لیگ کا اجلاس اور حسرت کی جرأتِ مردانہ:

الٰہ آباد میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس تھا سر اسٹیفورڈ کرپس کی تجویز نوآبادیات زیر غور تھی، مجلس مضامین (سبجیکٹ کمیٹی) سے مولانا حسرت موہانی نے درجہ نوآبادیات سے

متعلق اجلاس عام میں ایک تجویز پیش کرنے کی اجازت چاہی جو نہیں ملی، البتہ اس کے بدلے ایک تجویز پیش ہوئی جس کا مقصد مسٹر جناح کو مکمل اختیارات سونپنا تھا اور تجویز کی پُر زور مخالفت کے لیے مولانا حسرت مائیکروفون پر کھڑے ہو گئے اور تقریر شروع کر دی، مگر ہر طرف سے نہیں سنیں گے نہیں سنیں گے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ مولانا حسرت موہانی نے نہایت مستقل مزاجی سے پر جوش لہجے میں کہنا شروع کیا، کیوں؟ آپ لوگ کیوں نہیں سنیں گے۔ آخر ہم آئے کاہے کے لیے ہیں، اس طرح حاضرین کو ہار ماننی پڑی اور مولانا حسرت نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ میں پاکستان کا مؤید ضرور ہوں لیکن پاکستان ڈومینین کا قائل ہوں بلکہ پاکستان میں جمہوریت کا علمبردار ہوں۔ یہاں ایک چیز میرے اور مسٹر جناح کے درمیان خلیج پیدا کر رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس ملک میں پانچ جمہورتیں بنیں، ۱۔ مشرقی پاکستان، ۲۔ مغربی پاکستان، ۳۔ مرکزی ہندوستان، ۴۔ جنوبی مغربی ہندوستان، ۵۔ ریاست حیدر آباد، اس طرح ان سب کا وفاقی اتحاد ہندوستان کے اجزائے ترکیبی ہوں۔

راجہ پیر پور کی مسلم لیگ سے علاحدگی:

حاضرین نے اگرچہ مذکورہ بیان بہ دقت سن لیا اور ان سنی کر دی، لیکن مسٹر جناح کے ایک قریبی ساتھی راجہ صاحب پیر پور نے یہ کہہ کر مسلم لیگ اور مسٹر جناح سے دوری اختیار کر لی کہ میں ملک کی تقسیم کے حق میں نہیں ہوں اور اگر ہندوستان میں رہ کر مسلمانوں کی خدمت ہو سکتی ہے تو بہتر ہے ورنہ مجھے اور کوئی دوسرا طریق کار پسند نہیں۔

اس طرح مسلم لیگ کی سیاسی قلابازیوں سے بے زاری کا اظہار اکثر و بیشتر خود لیگی حضرات کرتے رہے، لیکن مسلم لیگ نے اپنے طریق کار کو بدلنا پسند نہیں کیا۔

(حسرت موہانی۔ ایک سیاسی ڈائری)

۱۲ر مئی ۱۹۴۲ء: برما کے محاذ جنگ سے خبریں ملی ہیں کہ جاپانی فوجیں ہندوستانی سرحد سے صرف ۵۰ میل رہ گئی ہیں، آسام کی طرف پیش قدمی جاری ہے۔

شیخ الاسلامؒ کی گرفتاری کے خلاف ردعمل:

۲۴ر جون ۱۹۴۲ء: حضرت شیخ الاسلامؒ رات کی گاڑی سے جھنگ میں ہونے والی اتحاد کانفرنس میں شرکت کے لیے دیو بند سے روانہ ہوئے تھے، لیکن سہارن پور ابھی گاڑی نہ پہنچی تھی کہ ایک پولیس آفیسر نے گاڑی میں سوار ہو کر حضرت کی گرفتاری کے وارنٹ پیش کیے اور سہارن پور کے اسٹیشن پر آپ کو اتار لیا گیا۔ آپ کی یہ گرفتاری ۲۵ر اپریل ۱۹۴۲ء کو بچھراؤں ضلع مرادآباد میں ضلع جمعیت کانفرنس میں تقریر کی بنا پر ہوئی تھی، حضرت کو مرادآباد جیل میں رکھا گیا تھا۔ مقدمہ کی پیروی حافظ محمد ابراہیم نے کی اور اگر چہ استغاثہ حضرت پر الزام ثابت کرنے میں ناکام رہا تھا لیکن حکومت چوں کہ سزا دینے کا فیصلہ کر چکی تھی اس لیے چھ ماہ قید بامشقت اور پانسو روپے جرمانے کی سزا سنا دی گئی۔

اس مقدمے میں حضرت شیخ الاسلامؒ نے عدالت میں ایک مفصل اور اہم ...... بیان دیا۔ اس بیان کا ایک حصہ الجمعیت دہلی کے شیخ الاسلام نمبر ۱۹۵۸ء میں نقل کیا گیا ہے، اس بیان میں چوں کہ حضرت نے ہندوستان کی آزادی، اس کے لیے جدو جہد کی ضرورت و اہمیت اور فرقہ وارانہ اتحاد کے بارے میں نہایت قیمتی خیالات کا اظہار فرمایا ہے، اس لیے یہ بیان سیاسی ڈائری کے خوانندگان گرامی کے لیے نقل کیا جاتا ہے۔

مولانا آزادؒ کا احتجاجی بیان:

۲۹ر جون ۱۹۴۲ء: کلکتہ، ۲۹ر جون مولانا ابوالکلام صدر کانگرس نے مولانا حسین احمد مدنی صدر جمعیت علمائے ہند کی گرفتاری کے متعلق آج ایک بیان دیا ہے جس میں یو، پی گورنمنٹ کے موجودہ رویے پر شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں: ''یہ اب بات بالکل واضح ہو چکی ہے، کہ یو، پی گورنمنٹ اپنی اس پالیسی سے ذرا بھی ادھر اُدھر ہونا نہیں چاہتی جو اس نے قومی کارکنوں کے خلاف اختیار کر رکھی ہے، چناں چہ اپنی اسی پالیسی کی بنا پر اس نے مولانا مدنی کو گرفتار کیا ہے، آپ کی گرفتاری سہارن پور ریلوے اسٹیشن پر اس وقت کی گئی، جب کہ آپ ہندو مسلم اتحاد کانفرنس کی صدارت کرنے کے لیے جھنگ (پنجاب) جا رہے ہیں، میں اس سلسلے میں مزید تفصیلات کا منتظر ہوں۔

مجھے دہلی سے ٹیلیفون پر یہ اطلاع ملی ہے کہ مولانا مدنی کی گرفتاری اُن کی چند تقریروں کی بنا پر ہوئی ہے۔ لیکن ہم اچھی جانتے ہیں کہ ان ایام میں تقریروں کی بنا پر سیاسی گرفتاریاں کرنے کا کیا مطلب ہے؟ مولانا مدنی کو مسلم علما میں ایک بلند مرتبہ حاصل ہے اور آپ ہندوستان کی سب سے بڑی اسلامی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کے پرنسپل ہیں جس کے ہزاروں فارغ التحصیل طلبا ملک کے کونے کونے میں پائے جاتے ہیں اور لاکھوں مسلمانوں کی دینی رہ نمائی کر رہے ہیں جو مسلمانانِ ہند کی سب سے بڑی مذہبی جماعت ہے۔ ہم ان حالات میں مولانا کی اچانک گرفتاری کو حق بہ جانب نہیں قرار دے سکتے۔ مولانا کو دارالعلوم کی علمی مصروفیات سے اتنا وقت ہی نہیں ملتا جو وہ دوسری سرگرمیوں میں حصہ لے سکیں۔ نہ آپ سیاسی ہنگامہ پسند ہیں اور اگر کبھی کوئی سیاسی تقریر کرتے بھی ہیں تو وہ نہایت معتدل ہوتی ہیں، پھر اگر اس قسم کی نرم طبیعت ہستی گرفتار ہوسکتی ہے تو ہمارے لیے یو پی گورنمنٹ کی موجودہ پالیسی کو سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

(زم زم، لاہور، ۳؍جولائی ۱۹۴۲ء، ص ٦)

وائسرائے کے نام احتجاجی برقیہ:

۳؍جولائی ۱۹۴۲ء: دہلی، ۲٦؍جون ۱۹۴۲ء حضرت مولانا احمد سعید صاحب قایم مقام صدر جمعیت علمائے صوبۂ دہلی نے ہزایکسیلنسی وائسرائے کو ایک برقیہ بھیجا ہے کہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صدر جمعیت علمائے ہند کو یو پی گورنمنٹ نے گرفتار کر کے ایک ایسی غلطی کا ارتکاب کیا ہے جس کے نتائج بہت خطرناک ہوں گے۔

(زمزم، ۳؍جولائی ۱۹۴۲ء، ص ۸)

ہڑتال کی اپیل:

۵؍جولائی ۱۹۴۲ء: ۵؍جولائی ۱۹۴۲ء کو دارالعلوم کے تمام آزاد خیال طلبہ نے دیوبند میں ایک جلوس کے ذریعے عوام کو یہ آگاہی دی کہ ۷؍جولائی کو شیخ الاسلام مولانا مدنی کی گرفتاری پر کورٹ میں پیشی ہے، اس لیے اس روز دیوبند اور قریب و جوار میں مکمل ہڑتال کردی جائے۔ (مولانا آزاد، ایک سیاسی ڈائری، ص ۳۲۲)

جلسے، جلوس اور ہڑتالیں:

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیت علماے ہند بچھراؤں ضلع مرادآباد کی علما کانفرنس میں ایک تقریر کی بنا پر ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت ۲۴، ۲۵ر جون کی درمیانی شب میں گرفتار کر لیے گئے اور سہارن پور جیل میں بھیج دیے گئے، یہاں سے ۲۶ر جون کی صبح کو کلکتہ میل سے مرادآباد جیل میں منتقل کر دیے گئے ہیں، مولانا کی گرفتاری سے ہندوستان سے طول و عرض میں بے چینی پھیل گئی ہے، دیوبند، سہارن پور اور دیگر مقامات پر ہندو مسلمانوں نے متفقہ اور مکمل ہڑتال کی اور ہر جگہ احتجاجی جلسے منعقد کیے گئے، دیوبند میں خصوصیت کے ساتھ مولانا کی گرفتاری سے سخت ہیجان پیدا ہو گیا ہے۔ ۲۵ر جون کو ان میں ایک جلسہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثانی صدر مہتمم دارالعلوم کی صدارت میں منعقد ہوا، دوسرا جلسہ رات کو حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم کی زیر صدارت منعقد ہوا، ۲۶ر جون کی شام کو ہندو مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلوس نکلا اور رات کو احتجاجی جلسہ ہوا جس میں حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیت علماے ہند اور دیگر علما کرام نے تقریریں کیں۔

مسلمانانِ دہلی کا زبردست احتجاج:

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیت علماے ہند کی گرفتاری پر مجلس احرار اسلام صوبۂ دہلی کا عظیم الشان احتجاجی جلسہ بعد نماز جمعہ زیر صدارت حکیم عبدالحفیظ صاحب منعقد ہوا، بابو عبداللطیف صاحب نے حسب ذیل ریزولیوشن پیش کیا کہ مجلس احرار اسلام صوبۂ دہلی کا یہ عظیم الشان اجلاس شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی اچانک گرفتاری پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور حضرت شیخ الاسلام کو مبارک باد پیش کرتا ہے اور حکومت یوپی سے مطالبہ کرتا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام کو جلد سے جلد رہا کر دے۔ اس کے بعد چار بجے بلی ماران میں احراری پرچم کی سلامی کی رسم کا مریڈ بشیر احمد صاحب باغی نے ادا کی۔ (آفس سکرٹری) (زمزم، لاہور، ۳ر جولائی ۱۹۴۲ء)

کانگریس ورکنگ کمیٹی کا جلسہ اور ''ہندوستان چھوڑ دو'' قرارداد:

۵ / جولائی ۱۹۴۲ء: جولائی کے پہلے ہفتے میں ورکنگ کمیٹی کا جلسہ وردھا میں ہونے والا تھا۔ میں ۵ / جولائی کو وردھا پہنچا اور گاندھی جی نے مجھ سے ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک کے بارے میں پہلی مرتبہ گفتگو کی۔ میں اس نئے خیال کو اپنے تصورات میں کھپا نہ سکا۔ میں نے محسوس کیا کہ ہم ایک عجیب سی مشکل میں پھنس گئے ہیں۔ ہم کو ہمدردی اتحادیوں سے تھی مگر برطانوی حکومت نے ایسا رویہ اختیار کیا کہ اس کے ساتھ ہمارا اتحاد عمل ناممکن ہو گیا۔ ہم انگریزوں کی طرفداری صرف ایک آزاد قوم کی حیثیت سے کر سکتے تھے۔ دوسری طرف جاپانیوں نے برما پر قبضہ کر لیا تھا اور آسام کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میں سمجھتا تھا کہ ہمیں ہر ایسے قول اور فعل سے پرہیز کرنا چاہیے جس سے جاپانیوں کا حوصلہ بڑھے، ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کیا واقعات رونما ہوتے ہیں اور لڑائی کیا رنگ اختیار کرتی ہے۔ گاندھی جی نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ وہ مصر تھے کہ اب وہ وقت آ گیا ہے جب کانگریس کو مطالبہ کرنا چاہیے کہ انگریز ہندوستان سے چلے جائیں، اگر وہ راضی ہو گئے تو ہم جاپانیوں سے کہہ سکیں گے کہ اور آگے نہ بڑھیں اور اگر اس کے باوجود جاپانی آگے بڑھے تو ان کا حملہ ہندوستان پر ہوگا انگریزوں پر نہ ہوگا۔ ایسی صورت میں ہم اپنی پوری طاقت سے ان مقابلہ کریں گے۔

میں یہ بتا چکا ہوں کہ جب جنگ شروع ہوئی تھی تو میں انگریزوں کی منظم مخالفت کرنے کے حق میں تھا۔ مگر اُس وقت گاندھی جی نے مجھ سے اتفاق نہیں کیا تھا۔ اب جو انھوں نے اپنی رائے بدل دی تھی تو میری پوزیشن عجب سی ہو گئی۔ مجھے یقین تھا کہ ایسے وقت میں جب دشمن ہندوستان کی سرحد پر تھا، انگریز منظم مخالفت کی کسی تحریک کو ہرگز پنپنے نہ دیں گے۔ گاندھی جی کو نہ معلوم کیوں یقین تھا کہ وہ اس کے خلاف کوئی اقدام نہ کریں گے اور انھیں اپنی تحریک کو اپنے خاص ڈھنگ سے آگے بڑھانے کی اجازت دے دیں گے۔ جب میں نے اصرار کیا کہ وہ وضاحت کے ساتھ بتائیں کہ انگریزوں کی مخالفت کس طریقے پر کی جائے گی تو پتا چلا کہ ان کے ذہن میں کوئی خاص پروگرام نہیں ہے۔ گفتگو کے دوران میں انھوں نے صرف یہ ایک بات بتائی کہ پچھلے موقعوں کی طرح اس مرتبہ لوگ اپنی مرضی سے قید خانوں میں نہ جاویں گے بلکہ گرفتار کرنے والوں کا مقابلہ کریں گے اور حکم اسی حالت میں

مانیں گے جب انھیں مجبور کر دیا جائے۔

مجھے جاپانیوں کے رویے پر بھروسا نہیں تھا اور میری رائے تھی کہ ہم ان کے قول پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ مجھے یہ بہت بعید از قیاس معلوم ہوتا تھا کہ وہ انگریزوں کو ملک چھوڑ کر جاتے ہوئے دیکھ کر اپنی فاتحانہ پیش قدمی کو روک دیں گے۔ مجھے ڈر تھا کہ انگریزوں کا چلا جانا جاپانیوں کو روکنے کے بجائے ان کو اور حوصلہ دلائے گا۔ کیا وہ برطانیہ کی دست برداری کو ہندوستان پر قبضہ کرنے کا بہترین موقع نہ سمجھیں گے؟ میں ان سوالوں کا قطعی جواب نہیں دے سکتا تھا، اس لیے مجھے گاندھی جی کا نقطۂ نظر اختیار کرنے میں تامل تھا۔

گاندھی جی کا خیال تھا کہ انھوں نے ایک منظم عوامی تحریک کا سلسلہ شروع کیا تو انگریز اسے ایک طرح تنبیہ سمجھیں گے اور اندھا دھند کارروائی نہ کریں گے۔ اس لیے انھیں تحریک کی تفصیلات طے کرنے اور اپنے ارادے کے مطابق اس کی رفتار کو بڑھانے کا موقع ملے گا۔ مجھے یقین تھا کہ ایسا نہ ہوگا۔ حکومت انتظار کرنے کے بجائے گاندھی جی اور دوسرے کانگریسی لیڈروں کا عوامی تحریک شروع کرنے کا ریزولیوشن منظور ہوتے ہی گرفتار کر لے گی اور وہ اس قدر مایوس ہوں گے کہ جاپانیوں نے ملک پر حملہ کیا تو ان کے خلاف کچھ نہ کر پائیں گے۔ اس وقت وہ عقیدت کی وجہ سے جو انھیں گاندھی جی سے تھی، کانگریس کی دعوت کو قبول کرنے پر آمادہ تھے، لیکن جب گاندھی جی اور ان کے ساتھی جیل میں ہوں گے تو ان کی سمجھ میں نہ آئے گا کہ کیا کریں۔ بہت غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ لوگوں کی ہمتوں کو قایم رکھنے کی کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔ گاندھی جی کو موقع دیا گیا کہ تحریک کو اپنے طریقے پر آگے بڑھائیں تو ظاہر ہے کہ وہ عدم تشدد کی راہ اختیار کرے گی۔ مگر ایسا نہ ہونا چاہیے کہ ہم سب گرفتار ہو جائیں تو لوگوں میں جمود پیدا ہو جائے، بلکہ انھیں اس کا حوصلہ دلانا چاہیے کہ وہ تشدد اور عدم تشدد کی کچھ زیادہ پروا نہ کرتے ہوئے تحریک کو جاری رکھیں۔

جب ورکنگ کمیٹی میں بحث شروع ہوئی تو میں نے ان مسائل کو وضاحت سے بیان کیا۔ کمیٹی کے ممبروں میں سے صرف جواہر لال نے میری تائید کی اور وہ بھی صرف ایک حد تک۔ دوسرے ممبر چاہے پوری طرح مطمئن نہ ہوتے مگر گاندھی جی کے خلاف رائے دینے پر تیار نہیں تھے۔ میرے لیے یہ کوئی نئی بات نہ تھی، جواہر لال اکثر مجھ سے اتفاق کرتے تھے انھیں چھوڑ کر باقی ممبر گاندھی جی کے کہنے کے مطابق کرنا کافی سمجھتے تھے۔ سردار پٹیل، ڈاکٹر

راجندر پرشاد اور اچاریہ کرپلانی کو ٹھیک معلوم بھی نہ تھا کہ لڑائی کہاں ہے اور کس لیے ہے؟ وہ شاذ و نادر ہی معاملوں کو اپنے طور پر سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کی یہ عادت تھی کہ اپنی راے کو بہر حال گاندھی جی کے تابع کر دیں۔ ان لوگوں کے ساتھ بحث کرنا فضول تھا اس لیے کہ سب کچھ کہنے سننے کے بعد وہ بس یہ جواب دیتے تھے کہ ہمیں گاندھی جی پر پورا بھروسا کرنا چاہیے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ گاندھی جی پر سب کچھ ڈال دیا گیا تو وہ کوئی نہ کوئی راہ نکال لیں گے۔ اس کے ثبوت میں وہ ۱۹۳۰ء کی نمک ستیہ گرہ کی مثال پیش کرتے تھے۔ جب وہ شروع کی گئی تو کسی کو معلوم نہیں تھا کہ کیا ہوگا۔ خود حکومت ہند اسے حقارت کی نظروں سے دیکھتی تھی اور اس کا اعلانیہ مضحکہ اڑایا جاتا تھا۔ لیکن آخر میں یہ تحریک بہت کامیاب ہوئی اور انگریز ہماری شرطیں ماننے پر مجبور ہو گئے۔ سردار پٹیل اور ان کے ساتھی کہتے تھے کہ اس مرتبہ بھی گاندھی جی کو ویسی ہی کامیابی ہوگی۔ مگر مجھے کہنا پڑتا ہے کہ میں اس طرزِ فکر اور ایسے استدلال سے مطمئن نہیں ہوتا تھا۔

غالبًا گاندھی جی کو خیال تھا کہ جیسے ہی تحریک شروع ہوگی، انگریز کانگریس سے سمجھوتا کر لیں گے، یہ دیکھ کر کہ دشمن ہندوستان کی سرحد تک پہنچ گیا ہے اگر ایسا نہ ہوا تب بھی انگریز ایسی حالت میں جب کہ جاپانی ہندوستان کے دروازے کھٹکھٹا رہے ہوں کوئی سخت اقدام نہ کریں گے اور اس طرح کانگریس ایک مؤثر تحریک کی تشکیل کر سکے گی۔ میں نے حالت دیکھ کر بالکل الٹا نتیجہ نکالا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ جنگ کی اس نازک حالت میں انگریز کسی عوامی تحریک کو چلنے نہ دیں گے۔ اس کے لیے یہ زندگی اور موت کا معاملہ تھا، ان کا ردِ عمل فوری اور کارگر ہوگا۔ میرے نزدیک یہ صاف ظاہر تھا کہ جس وقت ہم تحریک شروع کرنے کا فیصلہ کریں گے حکومت تمام کانگریسی لیڈروں کو گرفتار کر لے گی اور کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ پھر کیا ہوگا؟

مجھے اس کا پورا یقین تھا کہ موجودہ حالات میں کوئی عدم تشدد پر مبنی تحریک نہ شروع کی جا سکتی ہے نہ جاری رہ سکتی ہے۔ کوئی تحریک تشدد سے اسی صورت میں پاک رہ سکتی تھی جب کہ اس کے قائد موجود ہوں اور قدم قدم پر اس کی رہ نمائی کریں اور میں جانتا تھا کہ تحریک شروع ہونے کا گمان بھی ہوا تو لیڈر سب گرفتار کر لیے جائیں گے۔ ہاں اگر کانگریس عدم تشدد سے انحراف کر لینے کا فیصلہ کر لیتی تو تحریک کے لیے گنجایش تھی، کیوں کہ ایسے لوگ بھی

جنھیں کوئی تدبیریں بنانے والا نہ ہو، تب بھی وہ آمد و رفت اور ڈاک اور تار کے سلسلے کو توڑ سکتے ہیں سامان کے ذخیروں اور گوداموں میں آگ لگا سکتے ہیں اور سو طریقے سے جنگ کے انتظامات میں گڑبڑ پیدا کر سکتے ہیں۔ میں یہ بھی مانتا تھا کہ اس طرح کی ایک عام شورش سب کاموں کو روک دے گی اور انگریز ہم سے معاملہ کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ مگر اس راستے کو اختیار کریں تو بہت سوچ اور سمجھ کر فیصلہ کریں۔ دوسری طرف مجھے اس بات کا ذرا بھی امکان نظر نہیں آتا تھا کہ جس قسم کی عدم تشدد کی تحریک گاندھی جی کے ذہن میں تھی وہ جنگ کے زمانے میں شروع کی جا سکے گی یا جاری رہ سکے گی۔

ہماری بحثیں ۵ رجولائی کو شروع ہوئیں اور کئی دن تک جاری رہیں۔ میں نے پہلے بھی بعض موقعوں پر گاندھی جی سے اختلاف کیا تھا، مگر ایسا کامل اختلاف پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ معاملہ انتہا کو پہنچا جب انھوں نے مجھے ایک خط لکھا کہ ہم خیالات میں ایک دوسرے سے اتنی دور ہو گئے ہیں کہ ہمارا تعاون نہیں ہو سکتا۔ اگر کانگریس چاہتی ہے کہ وہ تحریک کی رہنمائی کرے تو مجھے صدارت سے استعفا دے دینا اور ورکنگ کمیٹی سے بھی الگ ہو جانا چاہیے۔ جواہر لال کو بھی یہی کرنا چاہیے۔ میں نے فوراً جواہر لال کو بلایا اور انھیں گاندھی جی کا خط دکھایا۔ سردار پٹیل بھی اتفاق سے آ گئے تھے اور انھیں خط پڑھ کر بہت صدمہ ہوا۔ وہ اسی وقت گاندھی جی کے پاس گئے اور ان کے اس فعل پر سخت احتجاج کیا۔ انھوں نے کہا کہ اگر میں نے صدارت سے استعفا دیا اور جواہر لال نے اور میں نے ورکنگ کمیٹی کو چھوڑ دیا تو اس کا ردعمل ملک کے لیے ایک مصیبت ہو جائے گا۔ اس سے لوگوں میں صرف ہیجان ہی نہیں پیدا ہو گا بلکہ کانگریس کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ گاندھی جی نے مجھے خط ۷ رجولائی کو صبح سویرے بھیجا تھا۔ بارہ بجے کے قریب انھوں نے مجھے بلایا اور ایک لمبی تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ انھوں نے خط جلدی سے لکھ دیا تھا۔ اب معاملے پر مزید غور کرنے کے بعد وہ چاہتے ہیں کہ اپنا خط واپس لے لیں۔ مجھے ان کی بات ماننی ہی پڑی۔ تین بجے سہ پہر کو جب ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہوا تو پہلی بات جو گاندھی جی نے کہی وہ یہ تھی کہ گنہ گار نادم ہو کر مولانا کے پاس واپس آ گیا ہے!

ہم مجوزہ تحریک کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے بحث کرنے لگے۔ گاندھی جی نے یہ بات صاف کر دی کہ پچھلی تحریکوں کی طرح یہ بھی عدم تشدد پر مبنی ہو گی۔ لیکن تشدد کے سوا ہر

طریق کار جائز ہوگا۔ گفتگو کے دوران میں نے جواہر لال سے کہا کہ شاید گاندھی جی کے ذہن میں جو چیز ہے وہ کھلی بغاوت ہے، چاہے اس بغاوت میں تشدد نہ ہو۔ گاندھی جی کو یہ تعریف پسند آئی اور انھوں نے کئی مرتبہ کھلی ہوئی بے تشدد بغاوت کا ذکر کیا۔

(انڈیا ونس فریڈم، ص ۵۸۔۱۵۵)

اجلاس مجلس عاملہ جمعیت علمائے ہند:

چوں کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صدر جمعیت علمائے ہند گرفتار کیے جا چکے تھے، لہٰذا اجلاس ہٰذا کی صدارت حضرت مولانا احمد سعید صاحب نائب صدر جمعیت علمائے ہند نے فرمائی۔ اجلاس کی اہم تجاویز حسب ذیل ہیں:

یوپی حکومت نے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیت علمائے ہند اور صدر المدرسین دار العلوم دیوبند کو ان کی بچھرایوں کی ایک تقریر کی بنا پر گرفتار کرلیا۔ حضرت مولانا جمعیت علمائے ہند کے صدر اور تمام ہندوستان کے علمی حلقے میں اور ہر طبقے کے علما کی نظر میں ایک مقدس اور محترم متبحر عالم اور روحانی پیشوا ہیں۔

دار العلوم دیوبند جو ہندوستان کا واحد علمی مرکز ہے اور جس میں ہندوستان اور بیرونِ ہند کے ڈیڑھ ہزار طلبا تعلیم پاتے ہیں، مولانا اس کے صدر مدرس یا بالفاظِ دیگر پرنسپل ہیں، ظاہر ہے کہ ایک ایسی مستند ہستی کی گرفتاری کا علمی حلقوں پر اور ہندوستان اور بیرون ہند کے لاکھوں مسلمانوں کے قلوب پر کیا اثر پڑا ہوگا۔ خصوصاً اس انقلاب انگیز وقت میں اس گرفتاری کے سیاسی اثرات اور دار العلوم کے تعلیمی سال کے قریب الختم ہونے کی وجہ سے طلبا کے نقصان تعلیم سے پیدا شدہ خطرات سے کیا کیا مہیب نتائج پیدا ہوں گے۔ ان کو نظر انداز کردینا مآل اندیشی اور سیاسی بصیرت کے لحاظ سے یوپی گورنمنٹ کے دیوالیہ ہونے کی کھلی دلیل ہے۔

یہ جلسہ مولانا کو ان کی مظلومانہ گرفتاری پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کے ثبات و استقلال اور ان کے مقصدِ اعلیٰ کی کامیابی اور فتح مندی کی مخلصانہ دعا کرتا ہے۔

تجویز نمبر ۳: قانون انفساخ نکاح مسلم کے سلسلے میں مجلس عاملہ نے کاظمی صاحب

کے ترمیمی بل کو دیکھا، مجلس کی رائے میں یہ ترمیمات بجائے خود صحیح اور ضروری ہیں۔ مجلس ان ترمیمات کی پرزور تائید کرتی ہے۔ مجلس یہ بھی مناسب سمجھتی ہے کہ دفعہ ۲، ضمن ۷ میں دادا کے کیے ہوئے نکاح میں صغیرہ کو جو خیار بلوغ نہیں دیا گیا ہے تو اس کے مضرت رساں پہلو کی مضرت کو دفع کرنے کے لیے ایک دفعہ کا اضافہ کیا جائے، جس کے الفاظ یہ ہوں گے:

''دفعہ: اگر باپ دادا کا کیا ہوا نکاح ہو تو اس میں صغیرہ کو خیار بلوغ تو نہیں ہے، لیکن اگر باپ دادا کے متعلق یہ ثابت ہو چکا ہو کہ وہ لالچ یا سفاہت کی وجہ سے یا فاسق متہتک کو مدنظر نہیں رکھتا، ایسی حالت میں غیر کفو کے ساتھ یا غبن فاحش پر نکاح کیا ہوا باطل ہے۔

تجویز نمبر ۴: شریعت ایکٹ کے مسودہ ترمیم پیش کردہ سید محمد احمد کاظمی پر مجلس نے غور کیا۔ مجلس کی رائے میں یہ ترمیمات صحیح ہیں اور جمعیت کی مجلس عاملہ اس کی پوری تائید کرتی ہے۔

تجویز نمبر ۵: جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ جناب خان بہادر شیخ محمد جان صاحب کی اس دریا دلی کا خلوص دل سے شکر گذار ہے کہ خان بہادر موصوف نے اس زمانے میں جب کہ جمعیت علما کو اپنے مخلصین کی اعانت و امداد کی بہت زیادہ حاجت تھی، پورے اخلاص و محبت اور کامل فراخ حوصلگی سے جمعیت کی ماہانہ اعانت کا سلسلہ جاری فرما دیا ہے، مجلس عاملہ ان کا شکریہ ادا کرتی ہے اور دعا کرتی ہے کہ حق تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور ان کے کاروبار و عزایم میں کامیابی و برکت عطا فرمائے۔ آمین (جمعیت علما کیا ہے؟ حصہ دوم)

مولانا مدنی رح کی گرفتاری پر مبارک باد:

جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا غیر معمولی اجلاس ۶؍ جولائی کو دفتر جمعیت علمائے ہند دہلی میں زیر صدارت حضرت مولانا احمد سعید صاحب نائب صدر جمعیت علمائے ہند منعقد ہوا۔ صاحب صدر کے علاوہ حسب ذیل حضرات شریک ہوئے، مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب، حضرت مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی نائب صدر جمعیت علمائے ہند حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب، مولانا سید طفیل احمد صاحب کاظمی، مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی، ناظم جمعیت علما مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیت علماے ہند کی گرفتاری کے سلسلے میں بحث و مباحثے کے بعد دو تجاویز بالاتفاق منظور ہوئیں اور ایک تجویز میں حضرت شیخ کو ان کی گرفتاری پر مبارک باد دی گئی اور حکومت کے اس رویے کے خلاف اظہارِ نفرت و حقارت کیا گیا اور اس گرفتاری کی جمعیت علماے ہند کے پروگرام کے لیے حکومت کی جانب سے چیلنج تصور کیا گیا، جس کے نتائج بد کی ذمہ داری حکومت پر ڈالی گئی، دوسری تجویز میں یہ طے کیا گیا کہ حضرت شیخ کے مقدمے کا ڈیفنس کیا جائے اور ہر قسم کی دفاعی کارروائی عمل میں لائی جائے۔ مجلس عاملہ نے اس سلسلے میں ایک ڈیفنس کمیٹی بنادی ہے جو حسب ذیل ارکان پر مشتمل ہوگی، مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم اعلیٰ جمعیت علما صوبۂ آگرہ، مولانا محمد اسماعیل صاحب (سنبھلی) ایم ایل اے، محمد حفظ الرحمٰن (سیوہاردی)۔

اس کے بعد سید محمد احمد صاحب کاظمی ایم ایل اے کے ان ہر دو مسودۂ قانون پر بحث کی گئی، جو شریعت ایکٹ اور انفساخِ نکاح کی ترمیمات سے متعلق ہیں۔ بحث کے بعد طے پایا کہ ہر دو مسودات قانون کو جمعیت علماے ہند کی پوری پوری حمایت حاصل ہے، کیوں کہ سید صاحب نے ان مسودات میں جمعیت علماے ہند کی نمایندگی کی ہے۔

ایک تجویز میں خان بہادر الحاج شیخ محمد جان صاحب تاجر کلکتہ کو اس بات پر مبارک باد دی گئی کہ وہ مستقل مبلغ دو سو روپے ماہانہ جمعیت علماے ہند کی امداد کے لیے مرحمت فرماتے ہیں۔

ارکان مجلس عاملہ نے ان تجاویز کے علاوہ ریاست ہاے ہند کے بعض اہم مسائل حالات حاضرہ پر اور دفتری نظم و نسق کے سلسلے میں بھی غور کیا۔ (محمد حفظ الرحمٰن ناظم اعلیٰ جمعیت علماے ہند، دہلی)   (زمزم۔لاہور، ۱۱؍جولائی ۱۹۴۲ء)

۶؍جولائی ۱۹۴۲ء: چوں کہ حضرت شیخ الاسلام، مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی صدر جمعیت علماے ہند گرفتار کیے جا چکے تھے۔ لہٰذا جمعیت کی مجلس عاملہ کے اجلاس کی صدارت حضرت مولانا احمد سعید صاحب نائب صدر جمعیت علماے ہند نے فرمائی۔

اجلاس کی اہم تجاویز حسب ذیل ہیں:

یو پی حکومت نے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیت علماے ہند اور صدر المدرسین دارالعلوم دیو بند کو ان کی بچھرایوں کی ایک تقریر کی بنا پر گرفتار کرلیا، حضرت مولانا جمعیت علماے ہند کے صدر اور تمام ہندوستان کے علمی حلقے میں اور ہر طبقے کے علما کی نظر میں ایک مقدس اور محترم متبحر عالم اور روحانی پیشوا ہیں۔

دارالعلوم دیو بند جو ہندوستان کا واحد علمی مرکز ہے اور جس میں ہندوستان اور بیرون ہند کے ڈیڑھ ہزار طلبا تعلیم پاتے ہیں مولانا اس کے صدر مدرس یا بالفاظ دیگر پرنسپل ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک ایسی مستند ہستی کی گرفتاری علمی حلقوں پر اور ہندوستان اور بیرون ہند کے لاکھوں مسلمانوں کے قلوب پر کیا اثر پڑا ہوگا، خصوصاً اس انقلاب انگیز وقت میں اس گرفتاری کے سیاسی اثرات اور دارالعلوم کے تعلیمی سال کے قریب الختم ہونے کی وجہ سے طلبا کے نقصان تعلیم سے پیدا شدہ خطرات سے کیا کیا مہیب نتائج پیدا ہوں گے ان کو نظر انداز کر دینا مال اندیشی اور سیاسی بصیرت کے لحاظ سے یو پی کے دیوالیہ ہو جانے کی کھلی دلیل ہے۔

یہ جلسہ مولانا کو ان کی مظلومانہ گرفتاری پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی بارہ میں ان کے ثبات واستقلال اور ان کے مقصد اعلیٰ کی کامیابی اور فتح مندی کی مخلصانہ دعا کرتا ہے۔

تجویز نمبر ۳: قانون انفساخ نکاح مسلم کے سلسلے میں مجلس عاملہ نے کاظمی صاحب کے ترمیمی بل کو دیکھا، مجلس کی رائے میں یہ ترمیمات بہ جاے خود صحیح اور ضروری ہیں مجلس ان ترمیمات کی پر زور تائید کرتی ہے، مجلس یہ بھی مناسب سمجھتی ہے کہ دفعہ ۲، ضمن ۷ میں دادا کے کیے ہوئے نکاح میں صغیرہ کو جو خیار بلوغ نہیں دیا گیا ہے تو اس کے مضرت رساں پہلو کی مضرت کو دفع کرنے کے لیے ایک دفعہ کا اضافہ کیا جائے جس کے الفاظ یہ ہوں گے۔

دفعہ: اگر باپ دادا کا کیا ہوا نکاح ہو تو اس میں صغیرہ کو خیار بلوغ تو نہیں ہے لیکن اگر باپ دادا کے متعلق یہ ثابت ہو چکا کہ وہ لالچ یا سفاہت کی وجہ سے یا فاسق متہتک یعنی بے غیرت و بے باک ہونے کی وجہ سے اپنی اولاد کے نکاح میں مصلحت وشفقت کو مد نظر نہیں رکھتا، ایسی حالت میں غیر کفو کے ساتھ یا غبن فاحش پر نکاح کیا ہوا باطل ہے۔

تجویز نمبر ۴: شریعت ایکٹ کے مسودہ ترمیم پیش کردہ سید محمد احمد کاظمی پر مجلس نے

غور کیا،مجلس کی رائے میں یہ ترمیمات صحیح ہیں اور جمعیت عاملہ اس کی پوری تائید کرتی ہے۔

ہندوستان میں اختلافات کی تخم پاشی:

۷؍جولائی ۱۹۴۲ء: انگریز ہندوستانیوں کے اختلافات سے فائدہ اٹھانے کا کتنا آرزومند تھا۔اس کا اندازہ وزیر ہند لارڈ ایمرے کے ایک خط کے ان جملوں سے ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ ایم این رائے اور ہر طرح کے بائیں بازو، کمیونسٹ، طلبا، کسانوں اور محنت کشوں کی تنظیموں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ جن عناصر کی ہم حوصلہ افزائی کریں گے، ممکن ہے مستقبل میں ہمارے لیے قابلِ اعتماد ثابت نہ ہوں۔ لیکن سرکاری حمایت ہونے کی صورت میں ان کے اثرات کا رخ درست رہے گا۔
>
> (ابوالکلام آزاد اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست، ص ۲۳۳)

مولانا مدنیؒ گرفتاری کے خلاف احتجاج:

۱۲؍جولائی ۱۹۴۲ء: مدارس عربیہ صوبہ دہلی کے طلبہ نے زبردست جلوس نکالا۔اردو پارک میں مولانا مفتی کفایت اللہؒ کے زیر صدارت احتجاجی جلسہ ہوا۔مولانا حفظ الرحمٰنؒ نے حکومت یوپی کے خلاف حضرت مولانا مدنیؒ کی گرفتاری پر احتجاج کی تجویز پیش کی جو منظور ہوگئی۔

''ہندوستان چھوڑ دو'' کانگریس کی قرارداد:

۱۴؍جولائی ۱۹۴۲ء: ۱۴؍جولائی کو کانگریس ورکنگ کمیٹی نے ایک طویل ریزولیوشن منظور کیا جس میں حالات اور مسائل کا بڑی تفصیل اور شرح وبسط سے تجزیہ کیا گیا تھا۔یہی رزولیوشن بعد میں ''ہندوستان چھوڑ دو'' کے نام سے مشہور ہوا۔اس میں کرپس مشن پر تنقید کی گئی تھی، برطانوی حکومت کی تنگ نظری اور کانگریس کی فراخ دلی کا تذکرہ تھا، جنگ میں شرکت کے بارے میں کانگریس کے سابقہ موقف کو دہرایا گیا تھا۔جاپانی فوجوں کی کامیابی

پر ہندوستان میں خوشی کو کانگریس خطرناک سمجھتی تھی ،اس کی خواہش تھی کہ نازی ازم، فاشزم اور امپیریلزم کے خاتمے اور ایک قوم کے دوسری قوم پر حملہ آور ہونے کے سلسلے کو بند کیا جائے۔ان مقاصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ ہندوستان پر انگریزی اقتدار فوراً ختم ہو اور آزاد ہندوستان دنیا کے جمہوری ممالک کے ساتھ مل کر اپنا موثر کردار ادا کرے۔

ریزولیوشن میں کہا گیا تھا کہ ’’فرقہ واری مسئلے کے ذریعے تفرقہ ڈال کر اقتدار قایم رکھنا حکومت کا پرانا طریقہ ہے جسے وہ دشواریوں کا نام دیتی ہے اور آزادی کے مسئلے کو معلق بنائے رکھنے کے لیے بہانہ سازی کرتی رہتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر غیر ملکی اقتدار کا خاتمہ ہو جائے تو اہل ہند اپنے مسائل کو باہمی رضا مندی سے بہ آسانی حل کر سکیں گے۔ ہندوستان کی ایک نئی تاریخ جنم لے گی۔اقتدار و اختیار عوام کے ہاتھوں میں ہوگا اور استحصالی طبقات ختم ہوں گے۔عبوری عہد کے لیے ایک حکومت قایم ہوگی جس میں ہندوستان کے تمام حصوں، گروپوں اور جماعتوں کے نمایندے شامل ہوں گے۔ دستور ساز اسمبلی ہندوستان کے لیے ایسا آئین مرتب کرے گی جو ہر طبقے، گروہ اور جماعت کے لیے قابل قبول ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ‘‘ آخری فیصلے کے لیے ۷/ اگست ۱۹۴۲ء کو بمبئی میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس منعقد کرنا طے پایا۔ جس میں اس کی حتمی منظوری حاصل کرنا تھی۔

یہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کا نہایت اہم اجلاس تھا۔سب کی نگاہیں اس پر لگی ہوئی تھیں پریس کے نمایندے کانگریس کے فیصلے حاصل کرنے کی غرض سے کثیر تعداد میں وردھا میں جمع ہو گئے تھے۔۱۵/ جولائی کو گاندھی جی نے ایک پرہجوم پریس کانفرنس میں ایک سوال کے جواب میں کہا:

اگر تحریک شروع کی گئی تو وہ برطانوی حکومت کے خلاف ایک بے تشدد انقلاب ہوگا‘‘۔

ریزولیوشن شایع ہوا تو ملک میں بجلی کی ایک لہر دوڑ گئی۔اس کا عام تاثر یہی قایم ہوا کہ کانگریس ہندوستان سے برطانوی حکومت کے خاتمہ کے لیے تحریک شروع کرنے والی ہے۔گاندھی جی نے کوئی ایسی تدبیر سوچی ہے جس سے حکومت مصالحت پر مجبور ہو جائے گی۔ یہ توقع تھی خوش امیدی ورکنگ کمیٹی کے بعض ممبروں کی اور جنتا کے ایک حصے کی جنھیں گاندھی جی سے عقیدت تھی۔حکومت سے مصالحت کی جو امیدیں وابستہ کی گئیں تھیں وہ اس

وقت دیوالیہ ہوگئیں جب وائسرائے نے برطانوی امیرالبحر کی دختر مس سلیڈ ا سے ملاقات کرنے سے انکار کردیا۔ مس سلیڈ انے گاندھی جی سے متاثر ہوکر ہندوستانی طرزِ زندگی اختیار کرلیا تھا اب وہ میرا بہن کہلاتی تھیں، گاندھی جی کے انتہائی عقیدت مندوں میں سے تھیں اور کئی برس ان کے آشرم میں رہ چکی تھیں۔

گاندھی جی کے سیکرٹری مہادیو ڈیسائی کے ایما پر میرا بہن وائسرائے سے ملنے کے لیے گئی تھیں تاکہ مجوزہ تحریک کے طریق کار اور نوعیت کے بارے میں وائسرائے سے گفتگو کریں۔ وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری نے یہ کہہ کر ملاقات کرانے سے انکار کردیا کہ گاندھی جی بغاوت کی باتیں کرتے ہیں، حکومت جنگ کے زمانے میں کسی قسم کی بغاوت کو برداشت نہیں کرسکتی، چاہے وہ تشدد پر مبنی ہو یا عدم تشدد پر، اس صورت حال سے میرا بہن نے مولانا کو آگاہ کیا۔

دراصل گاندھی جی اور ان کے عقیدت مند یہ سمجھتے تھے کہ اتحادیوں کو لڑائی میں شکست کا سامنا کرنا پڑے گا اور جرمنی اور جاپان لڑائی جیت جائیں گے یا کم از کم اتحادی رگڑا کھاتے رہیں گے اور زچ رہیں گے۔ مسٹر منشی نے لکھا ہے:

سردار پٹیل کو پورا یقین تھا کہ اتحادی لڑائی میں شکست کھا جائیں گے۔ ہر صبح جب وہ اخبار کا مطالعہ کرتے ہوئے جرمنوں کی فتح یابی کی خبریں دیکھتے تو وہ مجھ پر طنز کرتے کیوں کہ میں اتحادیوں کی فتح مندی کی رائے رکھتا تھا۔

مولانا آزاد کا دورۂ ہندوستان:

۱۴ر جولائی ۱۹۴۲ء: ۱۴ر جولائی سے ۱۵ر اگست تک کا سارا وقت مولانا نے ملک کے مختلف حصوں کا دورہ کرنے میں صرف کیا۔ وہ کانگریس کے لیڈروں سے ملاقات کرکے تحریک کے بارے میں ہدایات دیتے تھے کہ اگر حکومت نے کانگریس کا مطالبہ مان لیا یا کم از کم کام کرنے کا موقع دیا تو تحریک چلانے کے بارے میں گاندھی جی کی ہدایات کی سختی سے پابندی کی جائے گی، اگر حکومت نے گاندھی جی کو حراست میں لے لیا تو عوام کو اختیار ہوگا کہ وہ حکومت کے تشدد کا مقابلہ کرنے کے لیے جو طریقہ بھی مناسب سمجھیں اختیار کریں، خواہ تشدد یا عدم تشدد، اس کے نتائج کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔ ان ہدایات کو خفیہ رکھا گیا تھا

اور عوام پر کبھی ظاہر نہیں کیا۔

گاندھی جی کو حکومت سے جو خوش امیدی تھی اسے وائسرائے نے میرا بہن سے ملاقات نہ کر کے مضمحل بنا دیا، لیکن گاندھی جی نے امید کا دامن ابھی ہاتھ سے نہ چھوڑا تھا۔ مولانا نے اس خوش فہمی کو دیکھتے ہوئے ۲۸ر جولائی کو گاندھی جی کو ایک مفصل خط لکھا کہ حکومت پوری طرح تیار ہے اور بمبئی میں آل انڈیا کمیٹی کے جلسے کے فوراً بعد کوئی قدم اٹھائے گی۔

تحریک کچلنے کے لیے حکومت کے اقدامات:

گاندھی جی کو مولانا کا یہ تجزیہ پسند نہیں آیا، انھوں نے جواب دیا کہ نتیجہ نکالنے میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ وہ صورت حال کا مطالعہ کر رہے ہیں اور انھیں اب بھی یقین ہے کہ کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی۔ گاندھی جی کی سوچ انھی خطوط پر آگے بڑھتی رہی۔ دوسری طرف حکومت کانگریس کی جانب سے مجوزہ تحریک کا مقابلہ کرنے کی تیاریوں سے غافل نہ تھی گاندھی جی کو اس کا اندازہ ہی نہیں تھا۔

حکومت کی تیاریوں کا راز اس تار سے فاش ہوتا ہے جو وزیر ہند لارڈ ایمرے نے چرچل کو ۸ر اگست ۱۹۴۲ء کو بعد از سہ پہر پونے چھ بجے روانہ کیا تھا، اس انتہائی خفیہ تار میں کہا گیا ہے: (یہ یاد رہے کہ اس وقت تک آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ریزولیشن کی توثیق نہیں کی تھی اور نہ ہی یہ دستاویز عام ہوئی تھیں یہ تو اس واقعہ کے تقریباً اڑتیس برس بعد شائع ہوئیں)

''آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس جاری ہے عام طور پر توقع یہ کی جاتی ہے کہ آج نظر ثانی شدہ ریزولیشن کی توثیق ہو جائے گی۔ افواہ یہ ہے کہ گاندھی (جی) وائسرائے کو باقاعدہ خط لکھیں گے، جس میں حکومت کے رویے کے بارے میں وضاحت طلب کی جائے گی''۔

جمعرات کی شام کو جنگی کابینہ نے صورت حال کا جائزہ لیا اور حکومت ہند کی ان تجاویز کی عام طور پر توثیق کی جن میں کانگریس کے خلاف کارروائی کرنا تجویز کیا گیا تھا۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ ریزولیوشن کی توثیق ہونے کے فوراً بعد کانگریس کے لیڈروں کو بمعہ گاندھی (جی) کے گرفتار کرلیا جائے۔

۲۔ صوبائی اور آل انڈیا کمیٹیوں کو خلاف قانون قرار دے دیا جائے۔ دفاتر اور فنڈز ضبط کر لیے جائیں اور تمام سرگرم منتظمین کو حراست میں لے لیا جائے۔

۳۔ اگر یہ اقدامات سول نافرمانی کی تحریک کو کچلنے میں کامیاب ثابت نہ ہوں تو کانگریس کو مجموعی طور پر خلاف قانون جماعت قرار دے دیا جائے۔ ہنگامی اختیارات استعمال کیے جائیں اور کانگریس سے نمٹنے کے لیے مکمل اختیارات سے کام لیا جائے۔

نظر بندوں کے لیے برطانوی کابینہ کی سفارش:

برطانوی کابینہ نے گاندھی (جی) اور دوسرے اعلیٰ پایے کے رہ نمائی کو کسی غیر ملک میں بھیج دینے کی پرزور سفارش کی تھی لیکن وایسرائے لارڈ لن لتھگو اور اس کی کونسل نے اس سے اتفاق نہیں کیا تو کابینہ نے معاملہ ان کی صواب دید پر چھوڑ دیا اور ساتھ ہی ہدایات کیں کہ گاندھی (جی) بھوک ہڑتال کریں تو ان کی رہائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

وایسرائے نے عدن کے گورنر اور حکومت نیاسالینڈ کو ۷ راگست کو ہی انتہائی خفیہ تاروں کے ذریعہ علی الترتیب اطلاعات دی تھیں کہ گاندھی جی اور کانگریس کے رہ نماؤں کو ہندوستان سے باہر بھیجنے کی تجویز ایک مرتبہ وقتی طور پر ملتوی کردی گئی ہے۔ اگر یہ بحال ہوئی تو میں فوراً آپ کو مطلع کروں گا اور اس کے لیے انتہائی مختصر نوٹس ہوگا اس لیے خواستگار ہوں کہ ان کی وصولیابی کے قابل عمل انتظامات کیے جائیں۔

حکومت کا طرز عمل گاندھی جی کی توقعات کے خلاف تھا:

گرفتاری کے بعد جب گاندھی جی سے ریل گاڑی میں ملے تو اس کے تاثرات مولانا نے ''انڈیا ونس فریڈم'' میں لکھوائے ہیں۔ ان کا کہنا ہے:

''گاندھی جی بہت ہی افسردہ نظر آرہے تھے۔ میں نے کبھی ان کو اس قدر اداس اور رنجیدہ نہیں دیکھا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ ان کو اچانک گرفتاری کا اندیشہ نہیں تھا۔ ان کا اندازہ یہ تھا کہ حکومت کوئی سخت کارروائی نہیں کرے گی۔ اب چوں کہ ان کے اندازے غلط ثابت ہو

گئے تھے وہ طے نہیں کر پا رہے تھے کہ ان کو کیا کرنا چاہیے۔

ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ۷ راگست کو منعقد ہوا۔ اس میں ریزولیوشن کو آخری شکل دی گئی تا کہ اگلے روز آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس میں پیش کر کے حتمی منظور لی جائے۔ مولانا نے اپنی تقریر میں پچھلی میٹنگ سے اب تک کی تبدیلیوں پر روشنی ڈالی۔ عالمی تغیرات کا جائزہ لیا دو روز کی بحث کے بعد ریزولیوشن بھاری کثرت رائے سے منظور ہو گیا۔ اجلاس سے فارغ ہو کر مولانا، بھولا بھائی ڈیسائی کے یہاں گئے، جہاں ان کا قیام تھا۔ انھوں نے گرفتاری کے بارے میں مولانا کے ایک عزیز مسٹر طاہر کے انتظار کرنے اور اطلاع دینے کا تذکرہ کیا۔ مولانا کثرت کار سے تھکے ہوئے تھے، لہٰذا سو گئے۔ علی الصبح حسب معمول اٹھے لیکن تھکاوٹ کی وجہ سے نیند نے غلبہ پالیا۔ زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ سوئے ہوں گے کہ سرکاری عملہ گرفتار کرنے پہنچ گیا۔

کانگریس نے اپنے ریزولیوشن میں یہ بات صاف کردی تھی کہ تحریک کی قیادت گاندھی جی کریں گے اور ان کی ہدایات پر عمل کیا جائے گا۔ یہ بلا تشدد بغاوت حصول مقصد تک جاری رہے گی۔ اگر گاندھی جی اور کانگریس کے سرکردہ رہ نما گرفتار کر لیے جائیں تو عوام کے لیے عدم تشدد کی پابندی کرنا لازمی نہ ہوگا۔ جنگی کابینہ کے فیصلے کے مطابق صوبائی اور نچلی سطح کے سرگرم کانگریسیوں کو بھی گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اب عوام کی رہ نمائی کرنے والا قابل ذکر رہ نما کوئی بھی جیل سے باہر نہیں تھا۔ وسیع گرفتاریوں کے باعث تحریک ابتدا سے ہی تشدد کا رخ اختیار کرگئی۔ توڑ پھوڑ، آتش زنی، سرکاری املاک کو نقصان پہنچانے کے واقعات، ریل کی پٹریوں کو اکھاڑنا، تار اور ٹیلیفون کے تار کاٹنا اور کھمبوں کو توڑ دینے کے واقعات نے امن وامان کی صورت حال کو تباہ کردیا۔ تحریک کے مضبوط مراکز یوپی، سی پی، بہار، بنگال، بمبئی اور مدراس تھے۔ (ابوالکلام آزاد اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست/ص ۲۱۶۔۲۱۲)

مولانا محمد میاںؒ کا پیغام حضرت شیخ الاسلامؒ کے مشتاقانِ دید کے نام:

۱۵ر جولائی ۱۹۴۲ء: حضرت شیخ الہند مولانا سید حسین احمد مدنی کی گرفتاری کے بعد سے مشتاقانِ زیارت کے بے شمار خطوط آرہے ہیں، جن میں دریافت کیا جارہا ہم حضرت شیخ الہند (مدنی) کی زیارت سے کیوں کر مشرف ہو سکتے ہیں؟ چوں کہ اپنی بہت زیادہ

مصروفیتوں کے باعث ان حضرات کو فرداً فرداً جواب نہیں دیا جا سکا، اس لیے اخبار زمزم کے ذریعے انھیں مطلع کیا جاتا ہے کہ حضرت مولانا اسیر فرنگ ہیں اور حکام جیل جو انتہائی طور پر حکومت نواز ہیں، مشتاقانِ زیارت کو ملنے کا موقع دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں مقدمہ کی سماعت بھی جیل میں ایسے کمرے میں ہو رہی ہے جہاں صرف بیس پچیس آدمیوں کے لیے گنجایش ہے، نیز حضرت مولانا صاحب مدظلہ کے ساتھ اس قدر تنگ نظری اور سختی روا رکھی جا رہی ہے کہ پھل وغیرہ اور خشک میوہ جات بھی ان تک پہنچانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ حکام جیل عقیدت مندوں کے اضطراب اور ہجوم کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ یہ معمولی باتیں وہ ہیں جن میں اگر فراخ دلی سے کام لیا جائے تو عوام کے اشتعال کو بہت بڑی حد تک فرو کیا جا سکتا ہے۔ مگر افسوس اس دورِ انقلاب میں بھی دل داری اور حسن معاملہ کے بجائے نوکر شاہی کا وہی مغرورانہ طرزِ عمل جاری ہے۔ اندریں حالات میں ان مشتاقانِ زیارت سے گذارش کروں گا کہ اگر وہ مرادآباد حضرت صاحب کی ملاقات کے لیے تشریف لانا چاہیں، تو متذکرہ مشکلات کو جائزہ فرمالیں، اور وہ تشریف لائیں تو جمعیت علما مرادآباد ان کی خدمت کے لیے حاضر ہے، قیام گاہ کا انتظام ہے، جہاں سامان وغیرہ بھی بہ حفاظت رکھا جا سکتا ہے۔ محمد میاں عفی عنہ ناظم اعلیٰ جمعیت علما صوبۂ آگرہ، مرادآباد۔

(زمزم، لاہور، ۱۵ر جولائی ۱۹۴۲ء)

استعفے کے بعد راج گوپال اچاریہ کا بیان:

۱۵ر جولائی ۱۹۴۲ء: مدراس، ۱۰ر جولائی، مسٹر راجگوپال آچاریہ نے ایک بیان میں واضح کیا ہے کہ اگر کانگریس منطقائی خودمختاری کے متعلق اصولاً میری تجویز کو قبول کرلے تو مجھے یقین ہے کہ محمد علی جناح اور ان کے رفقا متحدہ سیاسی محاذ میں شریک ہو جائیں گے، میں کانگریس سے اس لیے علاحدہ ہوا ہوں کہ کانگریس کو اپنا ہم خیال بنا سکوں اور زیادہ آزادیٔ عمل حاصل کرسکوں، ہندو مسلم اتحاد قایم ہونے تک میری مہم جاری رہے گی میرا جسم کانگریس سے علاحدہ ہوا ہے جذبات نہیں۔ (زمزم، لاہور، ۱۵/۱۹۴۲ء)

۱۵ر جولائی ۱۹۴۲ء: راج گوپال اچاریہ کا استعفا منظور کرلیا گیا۔ چناں چہ ۱۵ر جولائی کو مدراس اسمبلی کانگریس پارٹی سے بھی اپنے سات رفقا کے ساتھ استعفا دے دیا۔

وایسرائے آرزومند تھا کہ کانگریس اور مدراس اسمبلی کانگریس پارٹی میں ٹھن جائے اور وہ اس اختلاف سے فائدہ اٹھائے، لیکن اسمبلی پارٹی نے کانگریس ہائی کمان کی پالیسی سے اتفاق کرتے ہوئے اپنا دوسرا لیڈر چن لیا اور اس طرح وایسرائے کی آرزو پر پانی پھر گیا۔ وایسرائے نے بڑے حسرت آمیز لہجے میں لکھا تھا:

''یہاں راج گوپال اچاریہ کے بارے میں متضاد خیالات پائے جاتے ہیں کہ راج گوپال کیا اقدام کرسکتا ہے، بعض آرا کے مطابق وہ کانگریس سے محاذ آرائی کے لیے تیار ہوسکتا ہے۔ میں بہت زیادہ ممنون ہوں گا اگر وہ مدراس واپس جائے، اگر وہ (کانگریس سے) محاذ آرائی کرے، اور اگر وہ وہاں اکثریتی حکومت قایم کرسکے۔ مدراس اسمبلی میں ممبروں کی اکثریت کا تعلق کانگریس سے ہے اور یہ ورکنگ کمیٹی کے نقش قدم پر چلیں گے۔ راج گوپال اچاریہ کے نہیں اور اگر وہ وہاں اس قابل ہو جاتا ہے تو غیر برہمنوں کی طرف سے شدید شور شرابا ہوگا، لیکن یہ تو غیر برہمنوں کو چاہیے کہ وہ منظم ہوں اور کانگریس کو انتخاب میں شکست دیں انھیں گذشتہ تین برسوں میں اس کا موقع ملا لیکن وہ بالکل ناکام ہوئے''۔

(ابوالکلام آزاد اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست، ص ۶۳۲، بہ حوالہ ٹرانسفر آف آرڈر، جلد دوم، ص ۱۰)

وہ اسی خط میں آگے چل کر لکھتا ہے:

فرض کیجیے راج گوپال اچاریہ لازمی طور پر کانگریس سے محاذ آرائی کرتا ہے اور مخالفت میں کھلم کھلا سامنے آتا ہے تو میرے لیے اسے فوری طور پر کونسل میں لینا معمولی بات ہوگی، مگر وہ تنہا (کانگریس) کھلم کھلا مخالفت کر کے اپنی قدر و منزلت کھودے گا''۔ (ایضاً)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انگریز کس طرح ہندو مسلم اور جماعتوں کے اندرونی اختلاف سے فائدہ اٹھانے، ہندوستان کی آزادی کے مطالبے کو پس پشت ڈالنے اور اپنی حکومت کو طول دینے کی خواہش رکھتے تھے!

حضرت شیخ الاسلامؒ کی گرفتاری کے خلاف ردعمل:

۱۵ر جولائی ۱۹۴۲ء: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صدر جمعیت علمائے ہند کی گرفتاری پر پورے ملک میں حکومت کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی ہے، شہر شہر

اور قصبہ قصبہ جلوس نکل رہے ہیں، جلسے ہورہے ہیں اور احتجاجی قراردادیں پاس کی جارہی ہیں اور رہائی کا مطالبہ کیا جارہا ہے، زمزم، لاہور نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۵ر جولائی میں صفحہ ۸، ۹ پر مختلف شہروں سے موصول ہونے والی رپورٹوں کو شائع کیا ہے:

دارالعلوم دیوبند میں پرجوش مظاہرے:

دیوبند۔ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب صدر جمعیت علماے ہند و صدر دارالعلوم دیوبند کی گرفتاری کے بعد سے دیوبند اور دارالعلوم میں ایک زبردست ہیجان برپا ہے، گرفتاری کی اطلاع ہے فوراً بعد دیوبند کے بازار سنڈی اور دارالعلوم میں مکمل ہڑتال کی گئی، ہندو اور مسلمان دکان داروں نے ہڑتال میں پورے طور پر تعاون کیا اور حضرت مولانا کی گرفتاری کے سلسلے میں جوش وخروش سے مظاہروں میں حصہ لیا۔ دیوبند کی سیاسی تاریخ میں اس قدر مکمل ہڑتال کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ دارالعلوم میں مولانا کی گرفتاری کے بعد تمام اسباق اور کاروبار بند ہوگئے؛ اساتذہ اور ذمے داران دارالعلوم کی ترغیب کے باوجود طلبا نے ابھی تک اسباق شروع نہیں کیے، حضرت مولانا کے سیاسی نصب العین کے سلسلے میں مفید اور اہم خدمات انجام دینے کے لیے جو مجلس عمل میں لائی گئی ہے اس نے اپنا پروگرام مرتب کرلیا ہے جس پر عن قریب ہی عمل شروع کردیا جائے گا۔ مجلس اور طلباے دارالعلوم کی طرف سے روزانہ جلسے اور مظاہرے کیے جارہے ہیں، دارالعلوم کے ڈیڑھ دو ہزار طلبا میں زبردست ہیجان برپا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پروگرام پر بہت جلد اور غیر معمولی جوش وخروش کے ساتھ عمل کیا جائے گا عملی کارروائیوں کے سلسلے میں مختلف اضلاع کے دورے کرنے کے لیے وفود ترتیب دیے جارہے ہیں، جو ملک میں پروپیگنڈا کرنے کے لیے عن قریب ہی مقررہ مقامات پر روانہ ہونے والے ہیں"۔

(حامد حسین ناظم جمعیت علماے دیوبند)

جمعیت علماے ہلدوانی کا جلسہ:

جامع مسجد بن بھول پورہ ہلدوانی میں شیخ الاسلام کی گرفتاری پر ایک احتجاجی جلسہ زیر صدارت حافظ مولا بخش صاحب نائب صدر جمعیت علماے ہلدوانی منعقد ہوا۔

مولانا حکیم اللہ صاحب ناظم عمومی جمعیت علماء ہلدوانی نے ایک تجویز کے ذریعے مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی قربانیوں کا اعتراف کیا اور ان کو گرفتاری پر مبارک باد پیش کی اور آپ پر اظہارِ اعتماد کیا اور حکومت یوپی کی اس سخت گیرانہ پالیسی کی مذمت کی اس تجویز کی۔ تائید مولانا عبدالعزیز صاحب نے کی، جلسہ صدر صاحب کی تقریر اور دعا کے بعد ختم ہوا۔ (نامہ نگار)

لدھیانہ:

آج بعد نماز جمعہ جمعیت علماء لدھیانہ کا ایک عظیم الشان پبلک جلسہ زیر صدارت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب جامع مسجد دو منزلی میں منعقد ہوا، جس میں شیخ الاسلام حضرت جناب مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی گرفتاری پر حکومت یوپی کے متشددانہ طرز عمل کے خلاف احتجاج کیا گیا اور علماء کرام کی تقریروں کے بعد صدر موصوف نے ایک مفصل تقریر کے بعد مندرجۂ ذیل قرارداد پیش فرمائی جو بالاتفاق پاس ہوئی:

''مسلمانان لدھیانہ کا یہ عام اجلاس حکومت یوپی کے اس متشددانہ طرزِ عمل کو جو اس نے جمعیت علماء ہند کے صدر شیخ الہند حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی جیسے اعتدال پسند، امن جو اور ایک بلند پایہ ہستی کو گرفتار کر کے ظاہر کیا ہے، مسلمانانِ ہند کی مذہبی سرگرمیوں میں علانیہ مداخلت یقین کرتا ہے اور مولانا موصوف کے لاکھوں مریدین، معتقدین، متوسلین اور شاگردوں کے دلوں میں جو کہ اطراف عالم میں پھیلے ہوئے ہیں، نیز عام مسلمانان ہند کے دلوں میں حکومت کے خلاف نفرت وحقارت کے جذبات پیدا کرنے کا موجب خیال کرتا ہے، نیز یہ جلسہ حضرت مولانا موصوف کے گرفتار ہو جانے پر ان کی خدمت میں مخلصانہ ہدیۂ مبارک باد پیش کرتا ہے اور مسلمانان ہند سے پوری توقع رکھتا ہے کہ وہ جمعیت علماء ہند کے زیر ہدایت اس وقت تک قربانی کرنے میں دریغ نہ فرمائیں گے جب تک کہ حکومت مولانا موصوف کو آزاد نہ کر دے، اور منزل مقصود حاصل نہ ہو جائے۔ (ناظم جمعیت علماء لدھیانہ)

نانوتہ ضلع سہارن پور:

قصبۂ نانوتہ ضلع سہارن پور میں ۲۳ر جولائی کو ایک عظیم الشان اجتماع زیرِ صدارت جناب سمیع اللہ خاں صاحب رئیس قصبۂ نانوتہ منعقد ہوا جس میں فاضل محترم مولانا حافظ قاری الحاج مولوی محمود احمد صاحب صدیقی نانوتوی نے تقریر فرمائی۔ جس کا تمام ترلب لباب حضرت امیر الہند جانشین شیخ الہند مولانا مولوی سید حسین احمد صاحب مدّ فیوضہم کی وہ ذات بابرکات تھی جس نے اپنی تمام زندگی کو ہمیشہ سے اعلاے کلمۃ اللہ کے لیے وقف کر رکھا ہے بعد ازاں مولوی حماد احمد صدیقی نانوتوی متعلم دورۂ حدیث دار العلوم دیوبند نے حسب ذیل ریزولیوشن پیش کیے:

مسلمانان نانوتہ ضلع سہان پور کا یہ عظیم الشان اجتماع حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کو ہدیۂ تہنیت پیش کرتا ہے۔ نیز خدا سے دعا گو ہے کہ حضرت موصوف کی مسلمہ ثبات قدمی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قایم دایم رہے۔ آمین۔

یہ عظیم الشان اجتماع حضرت موصوف کی گرفتاری پر حکومت یو پی سے اظہار ناراضگی کرتا ہے اور حکومت کی سخت گیر پالیسی کو بہ نظر حقارت دیکھتا ہے، نیز پُر زور مطالبہ کرتا ہے کہ مولانا موصوف کو جلد سے جلد رہا کر دے، اس موجودہ خطرناک دور میں جب کہ پبلک زیادہ سے زیادہ امن کی ضرورت محسوس کر رہی ہو، حکومت یو پی نے اپنی سخت گیر پالیسی سے مولانا موصوف جیسے پرامن اور منصف مزاج انسان کو گرفتار کر کے پبلک کی بے چینی میں اور اضافہ کر دیا جس کے خطرناک اثرات سے دوچار ہونا لازمی ہے۔

(حافظ عبد العلام صدیقی نانوتوی)

گیا:

باشندگانِ شہر گیا کا یہ عام اجلاس شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی کی گرفتاری پر حکومت یو پی کے خلافت سخت غم و غصہ کا اظہار کرتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ اس نازک دور میں اس قسم کا اشتعال انگیز اور غیرہ مدبرانہ فعل نہ فقط برطانوی مفاد کو نقصان پہنچاتا ہے بلکہ ہندوستان کے ایک محبوب مذہبی اور سیاسی رہ نما کو

گرفتار کر کے ہندوستان کے کروڑوں باشندوں کے دلوں کو مجروح کیا ہے۔ یہ جلسہ حکومت کے اس فعل کو ترقی پسند انسانوں اور حضرت مولانا کے ان ہزار ہا شاگردوں کے واسطے جو اپنی درس گاہوں میں فرائض درس ادا کرتے تھے چیلنج تصور کرتا ہے۔ یہ جلسہ حضرت مولانا مدنی کی خدمت میں ان کی گرفتاری پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے اور موصوف کو یقین دلاتا ہے کہ باشندگان ہند عموماً اور ان کے تلامذہ و متوسلین خصوصاً اپنے فرض کو پورا کریں گے اور جس مقصد کے واسطے حضرت نے ہمیشہ سعی فرمائی ہے، اس کے حصول میں کسی قربانی سے دریغ نہ کریں گے۔ (بشیر احمد میرٹھی، رکن مجلس عاملہ جمعیت علماے ہند)

امروہہ:

مسلمانانِ امروہہ کا ایک زبردست اجتماع زیر صدارت حضرت مولانا سید رضا حسن صاحب امروہی منعقد ہوا جس میں مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی، مولانا سید اعجاز صاحب امروہی ا: . ولانا نسیم احمد فریدی نے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی گرفتاری پر احتجاجی تقریریں کیں اور ذیل کی قرارداد پیش ہو کر بہ اتفاق منظور ہوئی۔

جمعیت علماے امروہہ کا یہ عظیم الشان جلسہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی گرفتاری پر صداے احتجاج بلند کرتا ہے اور گورنمنٹ برطانیہ کو متنبہ کرتا ہے کہ موجودہ پُر خطر دور میں حضرت مولانا کو گرفتار کرنا خلاف تدبر اور خلاف دانش مندی کارروائی ہے۔ حضرت مولانا ملک کے اندر امن و امان اور اتفاق و اتحاد کے ساتھ عدم تشدد پر کار بند رہنے کی تلقین فرماتے رہتے تھے، اب ان کے مقید و محبوس ہو جانے کے بعد جو نتائج برآمد ہونے کا اندیشہ ہے، اس کی تمام تر ذمے دار گورنمنٹ برطانیہ ہوگی۔ آخر میں حضرت مولانا کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کر کے خداوند کریم سے دعا کی کہ وہ حضرت مولانا کو تادیر قایم رکھے۔ (آمین) (عبدالقدوس صدیقی غفرلہ، صدر جمعیت علماے امروہہ)

مولانا مدنیؒ کا ایک تاریخی خط:

۲۱ر جولائی ۱۹۴۲ء: حضرت نینی جیل الہ آباد میں قید تھے مقدمے کا ابھی فیصلہ نہیں ہوا

تھا، قصبہ نہٹور کے ضلع بجنور کے مولانا محمد داؤد علی کے نام یہ خط تحریر فرمایا:

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج شریف!

آپ کی تدریس وتبلیغ موجبِ صد شکر ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی جدوجہد سے باغ ہائے اسلامیہ کی سرسبزی وشادابی فرمائے، آمین۔

جس قدر بھی ہو سکے اس راہ میں جدوجہد فرمائیں اور کسی قسم کی کسالت اور سستی کو راہ نہ دیں، نیز ذکر میں کبھی ناغہ نہ کریں، لوگوں سے اخلاق کے ساتھ ملیں اور وعظ وتقریر میں احادیثِ صحیحہ کو جس قدر بھی ممکن ہو ذکر فرمایا کریں، مشکوٰۃ اس میں زیادہ مفید ہے۔ میں اے کلاس میں رکھا گیا ہوں ہر طرح سے خوش وخرم ہوں۔ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ اس میں عند اللہ خیر ہوگی۔ مقدمہ چل رہا ہے، ابتدائی مراحل طے ہو چکے ہیں۔ ۲۳؍ جولائی کو بحث اور ۲۵؍ کو فیصلے کی تاریخ ہے۔ استقامت کی دعا فرماتے رہیں۔ والد صاحب کی خدمت میں کوتاہی نہ کریں اور اگر وہ اجازت دیں متعلقین کو اپنے پاس لے جائیں۔ آپ کو میرے متعلق کوئی فکر نہ ہونی چاہیے۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، نینی جیل الہ آباد،

۷؍ رجب ۱۳۶۱ھ (۲۱؍ جولائی ۱۹۴۲ء)

مولانا مدنیؒ کا ایک اور تاریخی خط:

مولانا احمد حسین لاہر پور (ضلع سیتاپور) کے نام ڈسٹرکٹ جیل مراد آباد سے ایک مکتوب گرامی تحریر فرمایا۔ اس میں حضرت تحریر فرماتے ہیں:

> ۷؍ جولائی اور ۲۰؍ جولائی اور اس کے پہلے کی ۳۰؍ جون کی تاریخوں میں استغاثہ اور اس کے گواہوں کی گواہی اور جرح ہوئی اور پھر صفائی اور اس کے گواہوں کی گواہی اور جرح میں واقعات پیش ہوئے۔ ۲۳؍ جولائی بحث کے لیے اور ۲۵؍ جولائی ججمنٹ کے لیے مقرر ہوئی ہے، استقامت کے لیے دعا فرمایئے اور اطمینان خاطر رکھیے۔ مجھ کو بفضلہ تعالیٰ نہ کچھ تکلیف

ہے اور نہ اضطراب''۔(روزنامہ نئی دنیا، دہلی، عظیم مدنی نمبر، ص ۲۲۴)۔

۲۹؍جولائی ۱۹۴۲ء: ۲۹؍جولائی ۱۹۴۲ء کو مولانا آزاد نے بہ حیثیت صدر آل انڈیا کانگریس کمیٹی ایک بیان پریس کو دیا کہ:

''کانگریس کو قطعی افسوس نہ ہوگا اگر گورنمنٹ مسلم لیگ کو بلائے اور اسے طاقت دے دے، لیکن حقیقی آزادی ہونی چاہیے۔ کانگریس کو صرف اسی سے تعلق ہے، ہمارا جھگڑا یہ نہیں ہے کہ کن ہاتھوں میں دی جارہی ہے بلکہ کیا چیز دی جارہی ہے، اگر لیگ کو طاقت دی بھی گئی تو وہ کانگریس کو ضرور ملالے گی، میں نے مسلم لیگ کا خاص طور پر اس لیے ذکر کیا ہے کہ موجودہ کش مکش میں اس کا خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے؛ کانگریس کو اس میں بھی اعتراض نہ ہوگا کہ طاقت نان پارٹی کے لیڈر سر سپرد وغیرہ کو دے دی جائے۔ (تیج مورخہ ۳۰؍جولائی ۱۹۴۲ء/ ج ۲۱، ش ۲۰۷)

گاندھی جی نے اجلاس بمبئی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''میں صدق دل سے مولانا آزاد کی اس پیش کش کی تصدیق کرتا ہوں کہ برٹش حکومت ہندوستان کی کسی قوم کے حوالے کردے، اگر حکومت مسلم عوام کے حوالے کردی جائے تو بھی مجھے افسوس نہ ہوگا، ہندوستان ہندوستان کے مسلمانوں کا گھر ہے''۔ (تیج۔ مورخہ ۱۲؍اگست ۱۹۴۲ء)

۲۹؍جولائی ۱۹۴۲ء: اس مقدمے میں چوں کہ اپیل کی جاسکتی تھی اور ضمانت پر رہائی کی گنجائش موجود تھی۔ چناں چہ بیرسٹر آصف علی دہلی سے تشریف لائے اور تقریباً چار گھنٹے کی صدارت میں بحث کی۔ سزا کے فیصلے کے تمام تار پود بکھیر کر رکھ دیے، عدالت نے آیندہ پیشی کے لیے ۱۳؍اگست کی تاریخ دی، عام خیال تھا کہ حضرت اس الزام سے بری قرار دے دیے جائیں گے کہ حکومت ہندو مسلم نفاق پیدا کرنا چاہتی ہے یا حضرت نے اپنی تقریر میں حکومت کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی، لیکن ۹؍اگست کو بمبئی میں کانگریس نے ''ہندوستان چھوڑ دو'' روزولیوشن پاس کردیا، جس سے ملک کی سیاسی فضا میں ایک بھونچال آگیا اور حالات یک سر تبدیل ہوگئے اور حضرت کی رہائی عمل میں نہ آسکی۔

جنگ آزادی، کانگریس مسلم لیگ اور مسلمان

اکابر جمعیت علما کا حقیقت افروز بیان:

۵/اگست ۱۹۴۲ء: ہندوستان کی مکمل آزادی تمام ہندوستانیوں کا متحدہ و متفقہ مطالبہ ہے۔ حکومت برطانیہ نے اس متحدہ و متفقہ مطالبے کو تسلیم کرنے اور حکومت کے اختیارات ہندوستانیوں کی طرف منتقل کرنے میں جس تساہل اور شہنشاہیت کی ضد اور ہٹ سے کام لیا ہے وہ تمام ہندوستانیوں پر روشن ہے۔ اس نازک ترین دور میں بھی جب کہ ہر طرف سے مصیبتوں کے بلا خیز طوفان امڈے چلے آرہے ہیں، حکومت استعمار کے نشے سے اسی طرح سرشار ہے جس طرح کہ ۱۹۳۹ء سے پہلے تھی۔

متعلقہ ممالک جن کو اس ناگہانی آفت نے لرزہ براندام کر رکھا ہے، اپنی حفاظت کے سلسلے میں موت وحیات کی کش مکش میں مبتلا ہیں، بدقسمت ہندوستان بھی انھیں ممالک میں شامل ہے، جو اس تباہ کن جنگ کی مصیبت سے نجات کا راستہ تلاش کر رہے ہیں، بلکہ اس کو بہت زیادہ خطرات درپیش ہیں، کیوں کہ وہ اپنی حفاظت اور نجات کا خاطر خواہ سامان کرنے کے لیے بھی آزاد نہیں ہے۔ اس کے لامحدود وسائل اور وسیع قدرتی ذخائر غیروں کے کام آرہے ہیں اور وہ اپنی جان بچانے کے لیے بھی انھیں اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے کام میں نہیں لاسکتا؟

اس لیے قدرتی طور پر ہندوستان کا ہر بچہ، بوڑھا، جوان، اور عورت و مرد اپنی زندگی کی خاطر آزادی حاصل کرنے کے لیے مضطرب اور بے چین ہے اور اس میں کسی شبہے کی گنجایش نہیں کہ اس قیامت خیز اور ہلاکت انگیز دور میں آزادی کامل کے سوا نجات کا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

کانگریس نے اس حقیقت کے پیش نظر آزادی کے مقصد عظیم کے حصول کے لیے ایک عالم گیر اور فیصلہ کن جنگ کی تیاری کرلی ہے جو عن قریب منظر پر آنے والی ہے، یہ جنگ غلام ہندوستان اور اس پر جبری قبضہ رکھنے والے سفید فام آقاؤں کی جنگ ہوگی۔

مگر اس تاریخی جنگ کو کامیابی تک پہنچانے کے ذرائع پر غور کرلینا دانش مندوں اور

بالغ النظر مدبروں کا اہم ترین فرض ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس جنگ آزادی میں کامیابی کی شرط اولین تمام ہندوستانیوں کا اتحاد اور متحدہ محاذ ہے، اگر تمام ہندوستانی متحد ہو کر حکومت کے مقابلے پر کھڑے ہو گئے تو فتح یقینی ہے اور حکومت کے پاؤں اکھڑنے میں زیادہ دیر نہ لگے گی اور جب کہ ہندوستان کی آزادی کامل کے مقصد عظیم اور نصب العین میں کانگریس، مسلم لیگ، جمعیت علما، احرار اور دیگر تمام جماعتیں متحد و متفق ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ آزادی کی جنگ سے علاحدہ رہنا اور محض تماشا دیکھتے رہنا پسند کریں۔ اگر ان میں باہمی بے اعتمادی اور شبہات ہوں تو ان کو باہمی سمجھوتے سے جلد سے جلد دور کر دینا وقت کا اہم ترین فریضہ ہے۔

مولانا ابوالکلام آزادؔ صدر انڈین نیشنل کانگریس کا یہ بیان کہ ''ہم آزادی چاہتے ہیں اور ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ انگریز حکومت کے تمام اختیارات ہندوستانیوں کو دے کر خود دست بردار ہو جائیں، اگر وہ ہندو مسلم یا کانگریس اور مسلم لیگ کے اختلاف کو بہانہ بنائیں تو کانگریس کو اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ وہ حکومت کے اختیارات مسلم لیگ کو دے دیں، کیوں کہ ہمارا مقصد اس صورت میں بھی پورا ہو جاتا ہے کہ حکومت ہندوستانیوں کو مل گئی اور انگریز علاحدہ ہو گئے۔ نہایت دانش مندی اور حب وطن اور عشق آزادی پر مبنی ہے۔ اگر مسلم لیگ اس حد تک جانے پر آمادہ نہ ہو تو نہ ہو، لیکن بہ ہر حال اس پر یہ فرض تو عائد ہوتا ہے کہ وہ اس بہترین وقت اور نازک ترین لمحات کو ضائع نہ کرے اور پوری سرگرمی اور انتہائی جد و جہد کر کے باہمی سمجھوتے کی راہ نکالے اور پھر جنگ آزادی میں شریک ہو کر اپنا ملی و وطنی و قومی فریضہ ادا کرے۔

ہمیں امید ہے کہ مسلم لیگ اور اس کے محترم صدر مسٹر جناح وقت کی نزاکت کا پورا احساس فرمائیں گے اور اس تاریخی موقع کو ضائع نہ ہونے دیں گے اور مسلم قوم کو دشمنان آزادی کے کیمپ میں شامل ہونے اور فداکارانِ وطن کے مقابلے پر آنے کی رسوائی اور ذلت سے بچانے کی کوشش کریں گے۔

ہمیں یہ بھی توقع ہے کہ کانگریس بھی وسعت قلب اور دانش مندی سے کام لے گی اور آل انڈیا کانگریس کے اجلاس بمبئی میں وہ ان تمام شبہات کو رفع کر دے گی، جو مختلف جہات سے پیش کیے جاتے ہیں۔

ہندوستان کی آزادی کا مقصد اس قدر اعلیٰ اور ارفع ہے کہ اس کی خاطر کانگریس کو اپنی طرف سے ایسا صاف صاف اعلان کر دینا ضروری ہے، جس سے مسلم لیگ اور تمام متعلقہ جماعتیں مطمئن ہو جائیں اور کسی کے دل میں کوئی شبہ اور خدشہ باقی نہ رہے۔ ایسی صورت میں باہمی سمجھوتا ہونے میں کوئی چیز مانع نہ رہے گی۔

دستخط: محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ فقیر احمد سعید کان اللہ لہٗ۔ محمد حفظ الرحمٰن کان اللہ لہٗ
عبدالحلیم الصدیقی دہلی، ۵/اگست ۱۹۴۲ء

۵/اگست ۱۹۴۲ء: گاندھی جی نے ایک بیان میں فرمایا:

''معترض کہتے ہیں کہ انگریز دست برداری کے وقت کنجیاں کس کے سپرد کریں؟ یہ ایک اچھا سوال ہے، میں آپ کے سامنے مولانا ابوالکلام آزاد کا جواب پیش کرتا ہوں۔

۱۔ کانگریس جمہوری ممالک سے ہمدردی رکھتی ہے۔
۲۔ برطانیہ کو پریشان کرنا اور کوشش جنگ میں رخنہ انداز ہونا نہیں چاہتی۔
۳۔ اس کا مقصد جاپانی استبداد کا مقابلہ ہے۔

صدر کانگریس نے فرمایا:

اگر برطانیہ مسلم لیگ یا کسی اور پارٹی کو قوت سونپ دے۔ بہ شرطے کہ وہ حقیقی آزادی ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اس پارٹی کو دوسری پارٹیوں تک رسائی حاصل کرنی ہوگی جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ کہ بغیر تذبذب کے مکمل کنٹرول ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ سوائے اس کے کہ دوران جنگ میں جاپان اور جرمنی کا مقابلہ کرنے کے لیے اتحادی فوجیں یہاں رہیں گی۔ لیکن ہندوستان کے معاملے میں دخل اندازی کا انھیں کوئی حق نہ ہوگا اور ہندوستان اتنا ہی آزاد ہوگا جتنا برطانیہ۔

(تیج مورخہ ۵/اگست ۱۹۴۲ء)

مولانا آزاد کی اس پیش کش کی ڈاکٹر عبداللطیف بانی تحریک پاکستان اور ہندوستان کے ہر سنجیدہ فرد اور جماعت نے تعریف کی، مسٹر جناح سے مطالبہ کیا کہ وہ کانگریس کی اس پیش کش کو منظور کریں۔ آں جہانی مہادیو ڈیسائی نے گرفتاری سے چند گھنٹے پہلے ٹائمز آف

انڈیا کے نامہ نگار کو اس خط و کتابت کے اقتباسات نوٹ کرائے جو گاندھی جی اور بمبئی کے ایک شہری مسلمان کے درمیان ہوئی تھی۔ گاندھی نے اپنے خط میں تحریر کیا تھا:

میں نہایت صاف الفاظ میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ جب ہریجن کے ایک مضمون میں میں نے مولانا آزاد کی پیش کش کا ذکر کیا تھا تو میرا مطلب یہ تھا کہ یہ پیش کش ہر طرح سے سنجیدگی کی حامل ہے۔ میں دوبارہ آپ کی تسلی کے لیے اس کی تشریح کرتا ہوں۔ اگر مسلم لیگ کانگریس کے اس مطالبے میں پوری طرح تعاون کرے کہ ہندوستان کو فوری آزادی ملنی چاہیے اور اگر مسلم لیگ، اس بات کے لیے کوئی گنجایش رکھے کہ آزاد ہندوستان میں اتحادی فوجیں محوری حملے کو روکنے اور روس اور چین کی مدد کرنے کے لیے رہ سکیں تو کانگریس کو اس بات پر کوئی اعتراض نہ ہوگا کہ حکومت برطانیہ اپنے موجودہ اختیارات تمام ہندوستان کی طرف سے جس میں ہندوستانی ریاستیں بھی شامل ہیں مسلم لیگ کے ہاتھوں میں سونپ دے۔ ہندوستان کے لوگوں کی طرف سے مسلم لیگ جو حکومت بنائے گی کانگریس اس میں مزاحم نہ ہوگی۔ بلکہ آزاد ہندوستان کے نظام کو چلانے میں شرکت کرے گی، تمام خلوص اور سنجیدگی کے ساتھ یہ کہا جارہا ہے''۔ (انصاری، مورخہ ۲۲ راگست ۱۹۴۲/ ج ۱۳، ش ۴۳)

مگر مسٹر جناح اور مسلم لیگ نے جس بھدے اور بھونڈے طرز سے اس کا جواب دیا، وہ پچھلے صفحات میں آپ نے ملاحظہ فرمالیا اور آیندہ صفحات میں بھی مسٹر جناح کا رویہ زیر بحث آرہا ہے۔

ہندوستان چھوڑ دو تحریک

کرپس کی ناکامی بہ الفاظ دیگر کانگریس اور کرپس کے زیادہ سے زیادہ قریب ہو جانے کے بعد ایک کو دوسرے سے بعید کردینے کا منشا بظاہر یہ تھا کہ چرچل اینڈ کو کی نوری پارٹی (جس کا ایجنٹ لنھگو تھا) یہ طے کرچکی تھی کہ دنیا کے سامنے کرپس پیش کش کی نمایش کر کے آزادی کی آواز کو قوت سے دبا دیا جائے۔ چناں چہ کرپس کی واپسی کے بعد دار و گیر

کی رفتار تیز کر دی گئی۔

زعمائے ہند کو گرفتار کیا جانے لگا۔ ۲۵؍ جون ۱۹۴۲ء کو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کو گرفتار کر لیا گیا اور ایک وسیع پیمانے پر گرفتاریوں کی تیاریاں ہونے لگیں، ہر ایک حلقے کے کانگریسی اور قوم پرور مسلمانوں کی فہرستیں مرتب کر لی گئیں۔

کانگریس نے بھی ان حالات کے پیش نظر ایک آخری جدوجہد کے طور پر تحریک کا ارادہ کر لیا۔

جمعیت علمائے ہند نے بھی جو آزادیٔ وطن کی جدوجہد کو جہاد سمجھتی رہی ہے، تقاضائے وقت نیز اپنے صدر محترم کی گرفتاری کے باعث برطانوی سامراج کے چیلنج کو منظور کر لیا اور نبرد آزمائی کے لیے تیاری میں مصروف ہو گئی۔

(علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے: ص ۸۳۔۱۸۱)

کانگریس کا ریزولیوشن اور مسٹر جناح:

۶؍ اگست ۱۹۴۲ء: کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۶؍ اگست ۱۹۴۲ء (بہ مقام بمبئی) میں ایک طویل ریزولیوشن منظور کیا، جس میں تسلیم کیا ہے:

> کانگریس کے نظریے کے مطابق یہ آئین (جو نمائندہ اسمبلی مرتب کرے گی) فیڈرل (وفاقی) ہونا چاہیے اور اس فیڈرل میں شریک ہونے والی یونٹوں کے لیے زیادہ سے زیادہ آزادی ہونی چاہیے اور اختیارات ماتحتی انھیں یونٹوں کے ہاتھ میں ہونے چاہییں۔

اگر چہ جمعیت علمائے ہند نے کانگریس سے مطالبہ نہیں کیا تھا کہ وہ جمعیت علما کے فارمولے کو تسلیم کرے، مگر حالات اور رفتار زمانہ ہر ترقی پذیر اور ملک کی ہر بہبودی خواہ جماعت کو ان اصولوں کی طرف لا رہے تھے جو جمعیت علمائے ہند اپنی بصیرت کی روشنی میں چند ماہ پہلے طے کر چکی تھی۔

مسٹر جناح کی پہلوتہی:

حق خود ارادیت کو باضابطہ تسلیم کرنے کے بعد کانگریس لیگ کے مطالبۂ پاکستان

کے بہت قریب آ چکی تھی۔ کیوں کہ علاحدگی کے حق کو تسلیم کرنا پاکستان کو بہ طور حق تسلیم کرنا تھا۔ الفاظ اور تعبیر میں جو فرق تھا اس کو افہام و تفہیم کے ذریعے درست کیا جا سکتا تھا۔ مگر افسوس مسٹر جناح اور ان کی لیگ نہ بہبودیٔ قوم کی فکر میں تھی، نہ ملک کی فلاح اور آزادی اس کے پیش نظر تھی۔

مارشل چیانگ کائی شیک نے احتجاج کیا کہ ہندوستان کے مطالبۂ آزادی کو تسلیم کر لینا ضروری ہے۔ آزاد ہندوستان سے چین کو بہت مدد ملے گی اور اتحادی اپنے مقصد میں جلد از جلد کامیاب ہو جائیں گے تو مسٹر جناح صاحب نے فوراً بیان شائع فرما دیا کہ مسلمان آزادی پسند نہیں کرتے کیوں کہ ان کے حقوق فوت ہو جائیں گے۔

کبھی یہ اعلان کر دیا کہ اگر کانگریس کے مطالبات منظور ہو گئے تو دس کروڑ مسلمان بغاوت کر دیں گے وغیرہ وغیرہ۔ آپ نے پارلیمنٹ کے ممبروں کو خط لکھے کہ ہندوستان کو اگر آزادی دے دی گئی تو مسلمان بغاوت کر دیں گے۔ (تیج وغیرہ ۶/ مارچ ۱۹۴۲ء)

مولانا آزاد نے پیش کش کی کہ پانچ نمایندے لیگ کے اور پانچ نمایندے کانگریس کے مل کر ایک فارمولا مرتب کر لیں، مگر مسٹر جناح نے نہایت حقارت سے اس کو ٹھکرا دیا۔

"ہندوستان چھوڑ دو" ریزولیوشن:

۷/ اگست ۱۹۴۲ء: ۱۴/ جولائی کی کانگریس قرار داد کی تصدیق کے لیے ۷/ اگست ۱۹۴۲ء کو آل انڈیا کانگریس کی مجلس عاملہ کا اجلاس بمبئی میں مولانا ابو الکلام آزادؔ صدر کانگریس کی صدارت میں شروع ہوا۔ اجلاس میں دو سو پچاس ارکانِ عاملہ کے علاوہ دس ہزار کے قریب وزیٹرز شریک تھے۔

اپنی ابتدائی تقریر میں صدرِ کانگریس نے کہا:

> یہ کہنا غلط ہے کہ کانگریس چاہتی ہے کہ برطانیہ اور امریکن فوجیں ہندوستان سے چلی جائیں، بلکہ کانگریس کا یہ مقصد ہے کہ انگریز تمام اختیارات ہندوستانیوں کو سونپ دیں، کانگریس صرف آزادی کے وعدے پر بھروسا نہیں کر سکتی، بلکہ یہ چاہتی ہے کہ آزادی فوراً دے دی جائے، اس کے بعد ہندوستان اتحادیوں سے پورا تعاون کرے گا۔ (کاروان احرار: ج ۵)

اس تاریخی ریزولیوشن کا مکمل متن یہ ہے:

''آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ورکنگ کمیٹی کے ۱۴ رجولائی ۱۹۴۲ء کے ریزولیوشن پر بہت توجہ سے غور کیا۔ اسی کے ساتھ اس نے ان واقعات پر غور کیا جو بعد میں رونما ہوئے ہیں۔ مثلاً جنگ کی صورت حال، برطانیہ کے ذمے دار لوگوں کے بیانات اور وہ تبصرے اور تنقیدیں جو ہندوستان میں اور ہندوستان کے باہر کیے گیے ہیں۔ کمیٹی اس ریزولیوشن کو پسند کرتی ہے اور اس کی تصدیق کرتی ہے۔ کمیٹی کی رائے ہے کہ اس کے بعد سے اب تک رونما ہونے والے واقعات نے اس ریزولیوشن کو حق بہ جانب ثابت کیا ہے اور یہ بات بالکل واضح کردی ہے کہ ہندوستان سے برطانوی راج کا فوراً ختم کرنا نہ صرف ہندوستان ہی کے لیے بلکہ اقوام متحدہ کی کامیابی کے لیے اشد ضروری ہے، اس حکومت کے قیام سے ہندوستان روز بہ روز کم زور ہوتا جارہا ہے اور اس میں اپنی حفاظت کر سکنے اور دنیا کی آزادی کی جدوجہد میں معاون ہو سکنے کی استعداد دن بہ دن کم ہوتی جارہی ہے۔

روس اور چین کے محاذ جنگ پر صورت حال کی ابتری سے کمیٹی کو بڑا تردد ہے، چینی اور روسی عوام جس بہادری سے اپنی آزادی کے تحفظ کے لیے لڑ رہے ہیں، اس کے لیے کمیٹی انھیں خراج تحسین پیش کرتی ہے، روز بہ روز بڑھتے ہوئے اس خطرے کے پیش نظر یہ اشد ضروری ہے کہ وہ لوگ جو آزادی کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں اور جو لوگ جارحانہ کارروائیوں کے شکار ہونے والوں سے ہمدردی رکھتے ہیں، وہ اتحادیوں کی اب تک کی پالیسی کا جائزہ لیں، جس کی وجہ سے انھیں پے در پے اور تباہ کن ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ ان پالیسیوں اور طریقوں پر قایم رہ کر کامیاب ہونا ناممکن ہے، کیوں کہ یہ بات بالکل ظاہر ہو چکی ہے کہ ناکامی ان کا لازمی نتیجہ ہے، یہ پالیسی آزادی سے زیادہ محکوم ملکوں پر اپنا تسلط قایم رکھنے اور شہنشاہیت کی روایات اور طریقوں کو جاری رکھنے پر مبنی ہے، مقبوضات حکم راں قوموں کے لیے طاقت اور توانائی کا باعث بننے کے بجائے ایک بوجھ اور لعنت بن گئے ہیں۔ ہندوستان جدید سامراجیت کا مثالی نمونہ ہے یہی اب اصل عقدہ ہے۔ کیوں کہ ہندوستان کی آزادی وہ کسوٹی ہے، جس پر برطانیہ اور اقوام متحدہ کو پرکھا جائے گا۔ اس کی آزادی ایشیائی اور افریقی قوموں کو امید اور ولولوں سے لبریز کردے گی۔ غرض

کہ ہندوستان سے برطانوی اقتدار کا خاتمہ ایک ایسا بنیادی اور فوری مسئلہ ہے، جس پر جنگ کے مستقبل کا اور جمہوریت اور آزادی کی کامیابی کا دارو مدار ہے، آزادی کی اس جدو جہد میں آزاد ہندوستان نازیزم، فاشزم اور سامراجیت کی جارحانہ کارروائیوں کے خلاف اپنے عظیم وسائل کو بروے کار لا کر آزادی کا ضامن بن جائے گا۔ اس کا اثر جنگ کے مادی حالات پر ہی نہیں پڑے گا بلکہ اس کی وجہ سے اقوام متحدہ کو ساری محکوم اور مظلوم انسانیت کی حمایت حاصل ہو جائے گی اور اس طرح ان اقوام کو جن کے ساتھ ہندوستان اگر غلام رہا تو برطانوی سامراجیت کی نشانی باقی رہے گی اور اس بدنما دھبے کا اثر اقوام متحدہ کے مستقبل پر پڑے گا۔

چناں چہ موجودہ خطرات کا فوری تقاضا ہے کہ ہندوستان کو آزاد کیا جائے اور برطانوی شہنشاہیت کو ختم کیا جائے، مستقبل کے بارے میں کوئی بھی یقین دہانی یا وعدہ موجودہ صورت حال کو نہیں بدل سکتا اور نہ ان خطروں کا مقابلہ کر سکتا ہے، ان وعدوں سے عوام کے دماغوں پر وہ نفسیاتی اثر نہیں پڑ سکتا جس کی اس وقت اشد ضرورت ہے۔ صرف آزادی کی حرارت ہی ان کروڑوں انسانوں کے دلوں کو گرما سکتی ہے اور اس بے پناہ قوت کو رہا کر سکتی ہے جو فوراً اس جنگ کی ماہیت کو بدل دے گی۔

اس لیے آل انڈیا کانگریس کمیٹی دوبارہ ہندوستان سے برطانوی اقتدار کے خاتمے کا پر زور مطالبہ کرتی ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے اعلان کے بعد ایک عارضی حکومت بن جائے گی اور آزاد ہندوستان اتحادیوں کا حلیف بن کر آزادی کی مشترکہ جدو جہد کی آزمائشوں اور مصیبتوں میں برابر کا شریک بن جائے گا۔ چوں کہ عارضی حکومت ملک کی اہم جماعتوں کے اشتراک اور تعاون ہی سے بن سکتی ہے اس لیے یہ ہندوستان کے سارے فرقوں اور گروہوں کی مخلوط حکومت ہوگی۔

اس حکومت کا اولین مقصد یہ ہونا چاہیے کہ یہ اپنی فوجی طاقت اور اہنسا کی قوت کو بروے کار لا کر اتحادیوں کے ساتھ ہندوستان کی حفاظت کرے اور کھیتوں، کارخانوں اور دوسرے شعبوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی فلاح و بہبودی اور ترقی کا انتظام کرے کیوں کہ یہ محنت کش ہی اقتدار اور اختیار کے اصل مالک ہیں۔ عارضی حکومت ایک مجلس دستور سازی کی اسکیم بنائے گی۔ یہ مجلس ہندوستان کے لیے ایک ایسا دستور مرتب کرے گی، جو

ملک کے ہر طبقے کے لیے قابل قبول ہو، کانگریس کا نظریہ یہ ہے کہ اس دستور کو وفاقی ہونا چاہیے جس میں وفاق کی ہر اکائی کو زیادہ سے زیادہ خودمختاری حاصل ہو اور یہ اکائیاں ہی بقیہ غیر مندرج اختیارات کی مالک ہوں۔ جہاں تک ہندوستان اور اتحادی اقوام کے درمیان مستقبل کے تعلقات کا سوال ہے یہ ممالک باہمی گفت وشنید کے ذریعے ایسی شکل نکال لیں گے، جس میں سب کے لیے بہتری ہو اور جو دفاع کے مشترکہ کام کو تعاون کے ساتھ انجام دینے میں معاون ثابت ہو، ہندوستان آزاد ہوا تو وہ زیادہ موثر طریقے سے حملے کی مدافعت کر سکے گا، کیوں کہ اس کے پیچھے عوام کی متحدہ قوت اور خواہش ہو گی۔

ہندوستان کی آزادی ان ایشیائی ملکوں کے لیے آزادی کا نشان اور پیش خیمہ ہو گی، جو دوسرے ممالک کے زیر اقتدار ہیں، برما، ملایا، انڈوچین، ایران اور عراق کو بھی آزادی ملنی چاہیے۔ یہ بات بالکل واضح ہو جانی چاہیے کہ وہ ممالک جو اس وقت جاپانیوں کے قبضے میں ہیں، جنگ کے بعد دوسری سامراجی طاقتوں کے اقتدار میں نہیں منتقل ہو جائیں گے۔ اگر چہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے لیے ہندوستان کی آزادی اور اس خطرے کے وقت ملک کا وفاق مقدم ہے، لیکن اس کمیٹی کی رائے ہے کہ مستقبل کے امن، تحفظ اور دنیا کی منظم ترقی کے لیے ایک ایسے عالمی وفاق کی ضرورت ہے جس میں ساری آزاد قومیں شامل ہوں، دورِ جدید کے مسائل کا اس کے علاوہ کوئی حل نہیں ہے۔ یہ عالمی وفاق ممبر ملکوں کی آزادی، جارحانہ کارروائیوں کے دفاع، قومی اقلیتوں کے تحفظ، پس ماندہ ممالک کی ترقی اور ساری دنیا کے وسائل کو یک جا کر کے سب ملکوں کے مشترک مفاد کے لیے بروئے کار لانے کا ضامن ہوگا۔ اس عالمی وفاق کے قیام کے بعد سارے ممالک میں اسلحہ کی تخفیف عملاً ممکن ہو جائے گی، فوجوں، سمندری بیڑوں اور ہوائی دستوں کی کوئی ضرورت نہ رہ جائے گی اور ایک عالمی دفاعی فوج ساری دنیا میں امن وامان قایم رکھے گی اور جارحانہ کارروائیوں کا سد باب کرے گی۔

آزاد ہندوستان ایسے عالمی وفاق میں بہ خوشی شریک ہوگا اور بین الاقوامی مسائل کے حل کے لیے دوسرے ممالک سے پورا تعاون کرے گا۔

اس وفاق میں شامل ہونے کا ہر اس ملک کا حق ہوگا، جو اس کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کرتا ہو، لیکن موجودہ جنگ کے پیش نظر فی الحال یہ وفاق صرف اقوام متحدہ پر مشتمل ہونا

چاہیے۔ یہ قدم اگر اس وقت اٹھایا گیا تو نہ صرف جنگ پر بلکہ محوری ملکوں کے عوام اور مستقبل کے امن پر اس کا بہت گہرا اثر پڑے گا۔

بہ ہر حال کمیٹی کو بہت افسوس ہے کہ جنگ کے الم ناک اور تباہ کن سبق کے بعد بھی اور ان خطرات کے باوجود جو اس وقت دنیا کو درپیش ہیں، چند ملکوں کی حکومتیں اس وقت ایک عالمی وفاق کی طرف یہ ناگزیر قدم اٹھانے پر تیار ہیں۔ برطانوی حکومت کے تاثرات اور بیرونی ممالک کی غلط تنقیدوں سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہندوستان کی آزادی جیسا صریحی مطالبہ بھی تسلیم کرنے پر لوگ آمادہ نہیں ہیں۔ اگر چہ اس مطالبے کا اولین مقصد ہندوستان کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ موجودہ خطرے کا مقابلہ کر سکے۔ کمیٹی کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتی ہے، جس سے اقوام متحدہ کی مدافعانہ استعداد میں کسی طرح کی کمی واقع ہو یا جس سے چین اور روس کے دفاع میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو، ان ملکوں کی آزادی گراں بہا ہے اور اس کی حفاظت اشد ضروری ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خود ہندوستان اور ان ملکوں کے لیے خطرہ روز بہ روز بڑھتا جا رہا ہے، ایک بیرونی حکومت کی اطاعت اور بے عملی کی وجہ سے ہندوستان پست ہوتا جا رہا ہے اور اس کی مدافعانہ استعداد گھٹتی جا رہی ہے، اس صورت سے نہ بڑھتے ہوئے خطرات کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور نہ اقوام متحدہ کے عوام کی خدمت کی جا سکتی ہے۔

اب تک برطانیہ اور اقوام متحدہ پر کمیٹی کی مخلصانہ اپیل کا کوئی اثر نہیں ہوا ہے، بلکہ بہت سے بیرونی ممالک میں جو تبصرے ہوئے ہیں، ان سے ہندوستان اور دنیا کی ضرورتوں سے ناواقفیت اور ہندوستان کی آزادی کے مطالبے کی طرف اس معاندانہ رویے کا اظہار ہوتا ہے جو نسلی برتری اور بے جا تسلط قایم رکھنے والی ذہنیت کا خاصہ ہے، یہ ذہنیت ایک ایسی قوم کے لیے ناقابل برداشت ہے جو خود دار ہے اور جسے اپنی قوت اور اپنے مطالبے کے حق بہ جانب ہونے پر پورا اعتماد ہے۔

دنیا کی آزادی کے مفاد کے پیش نظر آل انڈیا کانگریس کمیٹی ایک بار پھر برطانیہ اور اقوام متحدہ سے اپیل کرتی ہے، لیکن ساتھ ہی کمیٹی یہ بھی محسوس کرتی ہے کہ عوام کو ایک ایسی تحکم پسند اور سامراجی حکومت کے خلاف اپنے عزم اور ارادے کے اظہار سے باز رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے جو اس پر مسلط ہے اور جو اسے ملک کے اور انسانیت کے مفاد میں عمل پیرا

ہونے سے باز رکھتی ہے۔ چناں چہ یہ کمیٹی ہندوستان کی آزادی اور خود مختاری کے پیدائشی حق کو ثابت کرنے کے لیے عدم تشدد کے اصولوں کے مطابق وسیع پیمانے پر عوامی جدوجہد شروع کرنے کی اجازت دیتی ہے، تاکہ ملک اپنی پچھلی بائیس سال کی پرامن جدوجہد میں حاصل کی ہوئی اہنسا کی قوت کو بروئے کار لاسکے۔ یہ جدوجہد لازمی طور پر گاندھی جی کی قیادت میں ہوگی۔ کمیٹی ان سے درخواست کرتی ہے کہ وہ قوم کی قیادت کرنا قبول کریں اور اس سلسلے میں مناسب اقدام تجویز کریں۔

کمیٹی ہندوستان کے عوام سے اپیل کرتی ہے کہ وہ آنے والے خطروں اور صعوبتوں کا ہمت اور صبر کے ساتھ مقابلہ کریں اور تحریک آزادی کے تربیت یافتہ سپاہیوں کی طرح ہدایات پر عمل کریں۔ انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ ان کی جدوجہد کی بنیاد عدم تشدد ہے، ہوسکتا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے جب ہدایات جاری کرنا یا انھیں عوام تک پہنچانا ممکن نہ ہو اور کوئی کانگریس کمیٹی کام نہ کرسکتی ہو ایسی صورت میں ہر مرد اور عورت کو جو اس جدوجہد میں شریک ہے، عام ہدایات کے اندر رہ کر اپنی جدوجہد کو جاری رکھنا چاہیے۔ اس طویل اور دشوار سفر میں جس کے درمیان دم لینا ناممکن ہے اور جو بالآخر ہمیں نجات اور آزادی کی منزل تک پہنچانے کا ہر ہندوستانی کو خود اپنا رہبر بننا پڑے گا۔

کمیٹی نے مستقبل کے آزاد ہندوستاں کی حکومت کے بارے میں اپنا نظریہ صاف بیان کردیا ہے، لیکن وہ یہ بھی واضح کردینا چاہتی ہے کہ اس جدوجہد کے شروع کرنے سے اس کا یہ قطعی مقصد نہیں ہے کہ کانگریس کو اقتدار حاصل ہو، اقتدار جب بھی حاصل ہوا سارے ہندوستان کی ملکیت ہوگا''۔

(انڈیا ونس فریڈم، مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری، ص ۳۴۶-۵۰)

کانگریس کا تاریخی ریزولیوشن، پس منظر اور نتائج،

مولانا ابوالکلام آزادؒ کا تبصرہ:

۱۵ر جولائی تا ۹ر اگست ۱۹۴۲ء: مولانا فرماتے ہیں:

ورکنگ کمیٹی کا ریزولیوشن شایع ہوا تو پورے ملک میں بجلی کی سی ایک لہر دوڑ گئی،

لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اس ریزولیوشن کے کیا نتیجے نکل سکتے ہیں، ان کو تو بس یہ نظر آرہا تھا کہ بالآخر کانگریس برطانیہ کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے عوامی تحریک شروع کررہی ہے چناں چہ عوام اور حکومت دنوں ہی بہت جلد اس ریزولیوشن کو ہندوستان چھوڑ دو کے نام سے موسوم کرنے لگے۔ ورکنگ کمیٹی کے بعض ممبروں کی طرح عوام بھی گاندھی جی سے کامل عقیدت رکھتے تھے اور ان کو یقین تھا کہ انھوں نے کوئی ایسی تدبیر سوچی ہے جو حکومت کے نظام کو درہم برہم کردے گی اور اس طرح وہ مصالحت پر مجبور ہو جائے گی۔ میں یہاں اس بات کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو سوچتے تھے کہ گاندھی جی ہندوستان کو جادو کے ذریعے یا ایسے طریقوں سے آزادی دلوادیں گے جو انسانی فہم و طاقت سے ماوراہیں، اس لیے وہ ضروری نہیں سمجھتے تھے کہ فوراً اس کے لیے کوئی خاص کوشش کریں۔ ریزولیوشن منظور کرنے کے بعد ورکنگ کمیٹی نے فیصلہ کرلیا کہ وہ دیکھے گی کہ حکومت پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے؟ اگر حکومت نے مطالبے کو تسلیم کرلیا یا کم سے کم صلح جوئی کا رویہ اختیار کیا، تو مزید گفتگو کے لیے گنجایش رہے گی اور اگر اس کے برعکس حکومت نے مطالبے کو رد کردیا۔ تو گاندھی جی کی رہنمائی میں اس کے خلاف ایک تحریک شروع کی جائے گی، مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ حکومت گوارانہ کرے گی کہ اسے ڈرا دھمکا کر گفتگو کی جائے۔ جو واقعات پیش آئے انھوں نے میرے اس قیاس کی تصدیق کردی۔

وردھا میں بیرونی اخبارات کے نمایندوں کا ہجوم ہوگیا تھا، انھیں ورکنگ کمیٹی کا فیصلہ معلوم کرنے بہت فکر تھی۔ ۱۵ر جولائی کو گاندھی جی نے ایک پریس کانفرنس بلائی، ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ اگر تحریک شروع کی گئی، تو وہ برطانوی حکومت کے خلاف ایک بے تشدد انقلاب ہوگا۔ ریزولیوشن کے منظور ہونے کے بعد گاندھی جی کے سکریٹری مہادیو ڈیسائی نے مس سلیڈ سے کہا کہ انھیں وائسرائے سے مل کر ریزولیوشن کے منشا کی وضاحت کرنا چاہیے۔ میس سلیڈ ایک برطانوی امیر البحر کی لڑکی تھیں، مگر انھوں نے گاندھی جی کی شخصیت سے متاثر ہوکر ہندوستانی طریق زندگی اختیار کرلیا تھا، وہ عرف عام میں میرا بہن کہلاتی تھیں۔ گاندھی جی کے انتہائی عقیدت مندوں میں سے تھیں اور ان کے آشرم میں کئی سال رہ چکی تھیں، ان سے یہ بھی کہا گیا کہ انھیں چاہیے کہ وائسرائے سے ملاقات کرکے مجوزہ تحریک کی نوعیت اور اس کے طریق کار کو سمجھانے کی کوشش کریں، مس سلیڈ

وائسرائے سے ملنے کے لیے وردھا سے روانہ ہوئیں اور ملاقات کی درخواست کی، وائسرائے کے پرائیویٹ سکریٹری نے جواب دیا کہ چوں کہ گاندھی جی بغاوت کی باتیں کرتے ہیں اس لیے وائسرائے ان سے ملاقات کرنا منظور نہیں کر سکتے، انھوں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ حکومت جنگ کے زمانے میں کسی قسم کی بغاوت کو برداشت نہیں کر سکتی چاہے وہ تشدد پر مبنی ہو یا عدم تشدد پر! نیز حکومت کسی ایسی جماعت کے نمایندے سے ملنے اور گفتگو کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہے جو اس قسم کی باتیں کرتی ہے۔ اس انکار کے بعد، میرا بہن وائسرائے کے پرائیویٹ سکریٹری سے ملیں اور ان سے طویل گفتگو کی اس وقت میں دہلی میں تھا، انھوں نے اس گفتگو کی تفصیلات سے مجھے آگاہ کیا، پھر وردھا واپس گئیں اور گاندھی جی سے اس ملاقات کا حال بیان کیا۔

اس کے فوراً بعد مہادیو ڈیسائی نے ایک بیان جاری کیا کہ معلوم ہوتا ہے گاندھی جی کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں، یہ صحیح نہیں ہے کہ گاندھی جی نے برطانیہ کے خلاف کھلی بے تشدد بغاوت کا فیصلہ کیا ہے۔ مجھے کہنا پڑتا ہے کہ مہادیو ڈیسائی کے اس بیان پر مجھے کسی قدر حیرت ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ "بے تشدد انقلاب" کی اصطلاح جواہر لال نے ایجاد کی تھی اور پھر گاندھی جی بے تشدد انقلاب کی باتیں کرنے لگے تھے۔ ممکن ہے ان کے ذہن میں اس کا کوئی مخصوص مفہوم رہا ہو، مگر عام پبلک نے ان کے اس بیان کا مطلب یہ سمجھا تھا کہ کانگریس نے اب فیصلہ کر لیا ہے کہ بغیر تشدد کے (ہندوستان کی) برطانوی حکومت کو مجبور کرنے کے تمام ذریعے استعمال کرے گی کہ وہ اقتدار سے دست بردار ہو جائے۔ میں کہہ چکا ہوں کے میں نے پہلے سے اندازہ کر لیا تھا کہ انگریزوں پر (ہمارے فیصلے کا) کیا اثر پڑے گا اور مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا جب وائسرائے نے گاندھی جی یا ان کے نمایندے سے ملنے سے انکار کر دیا، جب کہ ورکنگ کمیٹی طے کر چکی تھی ۴ر اگست ۱۹۴۲ء کو بمبئی میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جلسہ صورت حال پر غور کرنے کے لیے بلایا گیا۔

۱۴ر جولائی سے ۵ر اگست تک میرا تمام تر وقت ملک کے مختلف حصوں کے کانگریسی لیڈروں سے ملاقات کرنے میں صرف ہوا۔ میں ان کے ذہن نشین کرنا چاہتا تھا کہ اگر حکومت نے ہمارا مطالبہ مان لیا یا کم سے کم ہمیں کام کرنے کا موقع دیا تو تحریک کے چلانے میں گاندھی جی کی ہدایتوں کی سختی سے پابندی کی جائے گی، اگر حکومت نے گاندھی جی کو گرفتار

کرلیا، تو عوام کو اختیار ہوگا کہ وہ حکومت کے تشدد کا مقابلہ کرنے کے لیے جو طریقہ بھی مناسب سمجھیں، خواہ تشدد کا یا عدم تشدد کا اسے اختیار کریں، جب تک لیڈر آزاد ہیں اور اپنے فرائض انجام دے سکتے ہیں ملک میں جو کچھ ہوگا وہ اس کے ذمے دار ہوں گے، لیکن اگر حکومت ان کو گرفتار کرلے گی تو اس کے نتائج کی ذمے داری اسی پر ہوگی۔ ظاہر ہے کہ ان ہدایتوں کو خفیہ رکھا گیا تھا اور ان کی اشاعت کبھی نہیں کی گئی۔ اس وقت کی صورت حال کا جو نقشہ میرے سامنے تھا وہ یہ تھا کہ بنگال، بہار، یوپی، سی پی، بمبئی اور دہلی پوری طرح تیار ہیں اور وہاں تحریک میں بہت زور اور طاقت ہوگی، آسام اس وقت برطانیہ کی جنگی سرگرمیوں کا مرکز تھا اور فوجی افسروں اور سپاہیوں سے بھرا پڑا تھا، اس لیے وہاں کسی قسم کا عملی اقدام ممکن ہی نہیں تھا۔ لیکن آسام جانے کے تمام راستے بنگال اور بہار سے گزرتے تھے، اس لیے ان دونوں صوبوں میں پروگرام کی اہمیت دو چند ہوگی، باقی صوبوں میں مناسب فضا پیدا کرنے کی میں نے انتہائی کوشش کی، مگر مجھے اس کا اعتراف ہے کہ صحیح صورت حال میرے سامنے واضح شکل میں نہیں تھی۔

وائسرائے نے میرا بھن سے ملاقات کرنے سے انکار کردیا تو گاندھی جی نے محسوس کیا کہ حکومت آسانی سے جھکنے والی نہیں ہے۔ اس سے ان کے اعتماد کو دھکا لگا، مگر اب بھی ان کو یقین تھا کہ حکومت کوئی سخت قدم نہیں اٹھائے گی، ان کا خیال تھا کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسے کے بعد پروگرام تیار کرنے کے لیے کافی وقت مل جائے گا اور بہ تدریج تحریک کی رفتار کو تیز کرسکیں گے۔ میں ان کی اس خوش فہمی کو صحیح نہیں سمجھتا تھا۔ ۲۸ر جولائی کو میں نے ان کو ایک مفصل خط میں لکھا کہ حکومت پوری طرح تیار ہے اور بمبئی میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسے کے فوراً بعد کوئی قدم اٹھائے گی۔ گاندھی جی نے جواب دیا کہ نتیجہ نکالنے میں مجھے جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے، وہ بھی صورت حال کا مطالعہ کررہے ہیں اور انھیں اب بھی یقین ہے کہ کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی۔

۳ر اگست کو میں کلکتہ سے بمبئی کے لیے روانہ ہوا۔ مجھے پورا یقین تو نہ تھا، مگر دل یہ کہتا تھا کہ میں کلکتہ سے ایک طویل عرصے کے لیے جدا ہو رہا ہوں مجھے اس کی بھی اطلاعیں ملی تھیں کہ حکومت نے تمام انتظامات مکمل کرلیے ہیں اور اس کا ارادہ ہے کہ ریزولیشن منظور ہوتے ہی تمام لیڈر گرفتار کرلیے جائیں۔

ورکنگ کمیٹی کا جلسہ، ۵/اگست کو منعقد ہوا، جس میں ۷/اگست کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے پیش کرنے کے لیے ریزولیوشن کا ایک مسودہ تیار کیا گیا، میں نے اپنی افتتاحی تقریر میں کمیٹی کی پچھلی میٹنگ سے اس وقت تک صورت حال میں جو تبدیلی ہوئی تھی اس کا مختصر خاکہ پیش کیا اور کسی قدر تفصیل کے ساتھ ان اسباب کی وضاحت کی جنھوں نے ورکنگ کمیٹی کا اپنا رویہ بدلنے اور ہندوستان کو آمادہ کرانے کے لیے تحریک شروع کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ میں نے کہا کہ اس وقت اس کی قسمت کا فیصلہ ہو رہا ہے، ہماری قوم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتی، ہندستان نے جمہوری ممالک کے ساتھ تعاون کرنا چاہا تھا، مگر برطانوی حکومت نے باعزت تعاون کی راہیں بند کر دیں، اب صورت یہ ہے کہ جاپانی حملہ آور دروازے تک آ گیا ہے، اس لیے قوم اپنے اندر حملہ آور کا مقابلہ کرنے کی طاقت پیدا کرنا چاہتی ہے، برطانیہ اگر مناسب سمجھے تو ہندوستان کو خالی کر سکتا ہے، جیسے اس نے سنگاپور، ملایا اور برما کو خالی کر دیا ہے، ہندستانی ملک کو چھوڑ نہیں سکتے، کیوں کہ یہ ان کا وطن ہے، اس وجہ سے وہ اپنے اندر اتنی طاقت پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ برطانوی زنجیروں کو توڑ سکیں اور نئے حملہ آوروں کو منہ توڑ جواب دے سکیں۔

سوائے چند کمیونسٹوں کے، جنھوں نے اس تحریک کی مخالفت کی تھی، آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے تمام ممبروں نے ورکنگ کمیٹی کے تیار کیے ہوئے ریزولیوشن کا خیر مقدم کیا، گاندھی جی نے بھی جلسے کو خطاب کیا اور دو روز کی بحث و گفتگو کے بعد ۸/اگست کو رات گئے یہ ریزولیوشن بھاری کثرت رائے سے منظور ہو گیا۔

میں بمبئی جاتا تو عام طور پر بھولا بھائی ڈیسائی کے یہاں ٹھیرا کرتا تھا۔ اس موقع پر بھی میں وہیں ٹھیرا تھا، اس وقت وہ علیل تھے اور ان کی طبیعت کچھ عرصے سے ناساز تھی۔ اس لیے جب میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسے سے واپس آیا اور معلوم ہوا کہ وہ میرا انتظار کر رہے ہیں تو کچھ تعجب ہوا۔ رات کافی گزر چکی تھی، میں نے ان کو اس قدر دیر تک جاگنے پر ہلکی سی فہمایش کی، مگر انھوں نے بتلایا کہ میرے ایک عزیز محمد طاہر (۱) جن کا بمبئی میں کاروبار تھا، مجھ سے ملنے آئے تھے اور بہت دیر تک میرا انتظار کیا، جب میں واپس نہیں آیا

---

(۱) محمد طاہر، مولانا آزادؔ کے بھنجے داماد یعنی مولانا کی بہن فاطمہ بیگم آرزو کی بیٹی رقیہ بیگم کے شوہر ہے۔

تو وہ میرے نام ایک پیغام چھوڑ کر چلے گئے ہیں، محمد طاہر کے بمبئی پولیس میں ایک دوست تھے، ان سے انھیں معلوم ہوا تھا کہ صبح سویرے تمام کانگریسی لیڈر گرفتار کر لیے جائیں گے۔ طاہر کے دوست نے یہ بھی بتلایا کہ اسے یقین کے ساتھ تو نہیں معلوم ہے، مگر اطلاع یہ ہے کہ ہم سب کو ہندوستان کے باہر غالباً افریقا بھیج دیا جائے گا۔

اس قسم کی افواہیں کلکتہ میں روانگی سے قبل سننے میں آئی تھیں، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ افواہین بالکل بے بنیاد نہیں تھیں۔ جب حکومت نے ہم سب کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا تھا تو یہ بھی خیال آیا ہوگا کہ ہم کو ہندوستان میں رکھنا مصلحت کے خلاف ہے، چناں چہ یہ حقیقت ہے کہ اس سلسلے میں جنوبی افریقا کی حکومت سے گفتگو شروع کی گئی تھی، مگر معلوم ہوتا ہے کہ عین وقت پر کوئی رکاوٹ پیش آگئی، جس کی وجہ سے بعد میں فیصلہ بدلنا پڑا، جلد ہی ہمیں معلوم ہو گیا کہ حکومت نے طے کیا ہے کہ گاندھی جی کو پونا میں نظر بند کیا جائے گا اور ہم لوگوں کو احمد نگر قلعے میں قید کیا جائے گا۔

بھولا بھائی اس خبر سے سخت پریشان تھے اور اسی وجہ سے اب تک میرا انتظار کر رہے تھے۔ میں بہت ہی تھکا ہوا تھا اس لیے اس قسم کی افواہیں بیٹھ کر سننے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ میں نے بھولا بھائی سے کہا کہ اگر یہ خبر صحیح ہے تو میرے پاس آزادی کے صرف چند گھنٹے باقی ہیں اس لیے بہتر ہے کہ میں جلد کھانا کھا کر سو جاؤں تاکہ صبح کو جو کچھ ہونے والا ہے اس کے لیے تیار ہو جاؤں، بجائے اس کے کہ آزادی کے ان چند گھنٹوں کو افواہوں کے بارے میں قیاس آرائی میں صرف کروں۔ بہتر ہے کہ سو رہوں، بھولا بھائی نے اس سے اتفاق کیا اور میں جلد ہی بستر پر لیٹ گیا۔

میں ہمیشہ سے صبح سویرے اٹھنے کا عادی ہوں، اگلی صبح کو بھی مین حسب معمول چار بجے اٹھا، مگر میری تھکاوٹ اب بھی باقی تھی اور سر بھاری بھاری سا تھا، میں نے اسپرین کی دو گولیاں کھائیں، چاے کی ایک پیالی پی اور کام کرنے بیٹھ گیا، یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ منظور شدہ ریزولیشن کی ایک نقل خط کے ساتھ پریزیڈنٹ روز ویلٹ کو بھیجی جائے گی، ہم نے سوچا کہ پریزیڈنٹ روز ویلٹ ہندوستان کی آزادی کے مسئلے میں جس قدر دلچسپی لے رہے ہیں، اس کے پیش نظر کم سے کم اتنا تو ہونا ہی چاہیے، میں نے پریزیڈنٹ روز ویلٹ کے نام خط لکھنا شروع کیا، مگر اسے ختم نہ کر سکا، شاید تھکاوٹ کی وجہ سے یا شاید اسپرین کی وجہ سے

نیند آنے لگی اور میں سونے کے لیے لیٹ گیا۔

رہ نماؤں کی گرفتاری:

میں زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ سویا ہوں گا کہ کسی نے چپکے سے میرا پاؤں دبایا میں نے آنکھیں کھولیں تو بھولا بھائی ڈیسائی کے صاحب زادے دھیرو بھائی ڈیسائی ایک کاغذ لیے کھڑے تھے، میں سمجھ گیا کہ وہ کیا ہے، قبل اس کے دھیرو بھائی مجھے بتلائیں کہ بمبئی کا ڈپٹی کمشنر میری گرفتاری کا وارنٹ لایا ہے، انھوں نے یہ بھی کہا کہ ڈپٹی کمشنر برآمدے میں انتظار کر رہا ہے، میں نے دھیرو بھائی سے کہا کہ ڈپٹی کمشنر سے کہہ دیں کہ مجھے تیار ہونے میں تھوڑا سا وقت لگے گا۔

میں نے غسل کیا اور کپڑے پہنے، میں نے اپنے پرائیوٹ سیکریٹری محمد اجمل خاں کو جو اس وقت تک اٹھ کر میرے پاس آچکے تھے، ضروری ہدایات بھی دے دیں، اس کے بعد میں برآمدے میں آیا، بھولا بھائی اور ان کی بہو ڈپٹی کمشنر سے باتیں کر رہی تھیں، میں نے مسکرا کر بھولا بھائی سے کہا کہ ان کے دوست پچھلی شام کو جو خبر لائے تھے صحیح نکلی، پھر میں نے ڈپٹی کمشنر سے مخاطب ہو کر کہا ''میں تیار ہوں'' اس وقت پانچ بجے تھے (۲)۔

میں ڈپٹی کمشنر کی کار میں بیٹھا، ایک دوسری کار میں میرا سامان رکھا گیا اور وہ ہمارے پیچھے پیچھے چلی، ہم سیدھے وکٹوریا ٹرمنس آئے، یہ لوکل گاڑیوں کا وقت تھا مگر اسٹیشن بالکل خالی تھا، شاید تمام گاڑیاں اور مسافر تھوڑی دیر کے لیے روک دیے گئے تھے، جونہی میں کار سے اترا، اشوک مہتا نظر پڑے، وہ بھی گرفتار کر لیے گئے تھے اور وکٹوریا ٹرمنس لائے گئے تھے، اس سے میں سمجھ گیا حکومت نے صرف ورکنگ کمیٹی کے ممبروں ہی کو نہیں بلکہ بمبئی کے مقامی کانگریسی لیڈروں کو بھی گرفتار کر لیا ہے اور سارے ملک میں یہی کیا جا رہا ہوگا۔ پلیٹ فارم پر ایک گاڑی ہمارے انتظار میں کھڑی تھی، مجھے اس کے پاس لائے، اس وقت ایک

---

(۲) مولانا آزاد کی گرفتاری ۹ راگست ۱۹۴۲ء کی شب کو عمل میں آئی تھی، غبارِ خاطر میں مولانا نے گرفتاری کا قطعی وقت لکھا دیا ہے کہ اس وقت پانچ بج کر پینتالیس منٹ ہوئے تھے، ساڑھے سات بجے ٹرین بمبئی سے روانہ ہوئی تھی اور اسی روز سوا دو بجے انہیں احمد نگر کے قلعے میں لے جا کر قید کر دیا گیا۔ ۱۰ راگست کے مکتوب میں مولانا نے اس گرفتاری کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

انجن، گاڑی میں ڈائننگ کار لگا رہا تھا، یہ کوریڈور (Corridor) والی گاڑی تھی، جیسی کہ عام طور پر بمبئی اور پونا کے درمیان چلتی ہیں، مین ایک سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد فوراً ہی جواہر لال، آصف علی اور ڈاکٹر محمود نظر آئے، جواہر لال نے مجھے بتلایا کے گاندھی جی کو بھی اسٹیشن لائے ہیں اور وہ دوسرے ڈبے میں بٹھائے گئے ہیں۔ ایک یوروپین فوجی آفیسر نے آکر ہم سے پوچھا کہ چائے تو نہ پئیں گے؟ میں چائے پی چکا تھا، مگر اور منگوالی۔

تھوڑی ہی دیر میں ایک دوسرا فوجی آفیسر آیا اور اس نے ہم کو گننا شروع کیا۔ وہ کسی وجہ سے چکرایا ہوا سا تھا۔ کیوں کہ اس نے ہم لوگوں کا متعدد بار گنا۔ جب وہ ہمارے ڈبے میں آیا تو اس نے ذرا بلند آواز سے کہا ''تیس'' جب اس نے دو تین مرتبہ یہی کیا، تو میں نے اتنی ہی بلند آواز میں کہا ''۳۲'' اس سے وہ اور پریشان ہو گیا اور اس نے پھر گننا شروع کیا۔ اس کے بعد ہی گارڈ نے سیٹی بجائی اور گاڑی چل پڑی، میں نے مسز آصف علی کو پلیٹ فارم پر کھڑے دیکھا۔ وہ اپنے شوہر کو رخصت کرنے آئی تھیں۔ جب گاڑی چلنے لگی تو انھوں نے میری طرف دیکھا اور کہا ''میری فکر نہ کیجیے گا، میں اپنے لیے کوئی کام نکال لوں گی، بے کار نہ بیٹھوں گی''۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ انھوں نے جو کہا تھا، وہ کر دکھلایا۔

میں ابھی بتا چکا ہوں کہ ہماری گاڑی میں کوری ڈور تھا۔ مسز نائیڈو ہمارے ڈبے میں آئیں اور کہا گاندھی جی ہم سے ملنا چاہتے ہیں، ہم کوری ڈور سے ہوتے ہوئے ان کے ڈبے میں گئے جو ذرا فاصلے پر تھا۔ گاندھی جی بہت ہی افسردہ نظر آرہے تھے۔ میں نے کبھی ان کو اس قدر اداس اور رنجیدہ نہیں دیکھا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ ان کو اس اچانک گرفتاری کا اندیشہ نہیں تھا۔ ان کا اندازہ یہ تھا کہ حکومت کوئی سخت کارروائی نہیں کرے گی۔ اگر چہ میں نے ان کو بار بار آگاہ کیا تھا کہ وہ بہت زیادہ خوش فہمی سے کام لے رہے ہیں۔ مگر ظاہر ہے ان کو اپنی رائے پر زیادہ اعتماد تھا۔ اب چوں کہ ان کے اندازے غلط ثابت ہو گئے تھے، وہ طے نہیں کر پا رہے تھے کہ ان کو کیا کرنا چاہیے۔

ہم نے ابھی بات شروع ہی کی تھی کہ گاندھی جی نے کہا:

''تم اپنے ٹھکانے پر پہنچتے ہی حکومت کو اطلاع کر دینا کہ تم بہ حیثیت صدر کانگریس اپنے فرائض کو جاری رکھنا چاہتے ہو۔ اس مقصد کے لیے تم کو اپنے پرائیویٹ سکریٹری اور

سری سہولتوں کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ جب تم پچھلی مرتبہ گرفتار ہوئے تھے اور نینی جیل میں بند تھے تو حکومت نے تم کو یہ سہولتیں مہیا کی تھیں۔ اسی قسم کی سہولتوں کا تم کو پھر مطالبہ کرنا چاہیے اور اگر ضرورت پڑے تو اس کو ایک مسئلہ بنا لینا چاہیے"۔

میں گاندھی جی سے اتفاق نہ کر سکا۔ میں نے کہا کہ موجودہ صورت حال بالکل مختلف ہے۔ ہم نے اپنا راستہ جان بوجھ کر اختیار کیا ہے۔ اس لیے اس کے نتائج کو بھی برداشت کرنا چاہیے۔ یہ بات تو میری سمجھ میں آسکتی تھی کہ وہ کسی ایسے مسئلے کے بارے میں لڑنے کو کہیں جو کانگریس نے اٹھایا ہو، مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں اتنے معمولی مسئلے پر کہ مجھے خاص سہولتیں دی جائیں، لڑنے کے لیے آمادہ ہو جاتا۔ میں اس مطالبے کو حق بہ جانب نہیں سمجھتا تھا کہ کانگریس کے کاموں کو انجام دینے کے لیے پرائیویٹ سیکریٹری رکھنے کی اجازت ملے، موجودہ حالات میں یہ معاملہ اس قابل نہیں تھا کہ اس پر لڑائی کی جائے۔

ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ بمبئی کا پولیس کمشنر جو ہمارے ساتھ ہی سفر کر رہا تھا اندر آیا، اس نے ہم سے اپنے ڈبے میں جانے کے لیے کہا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ صرف مسز نائیڈو گاندھی جی کے ساتھ رہ سکتی ہیں، جواہر لال اور میں اپنے ڈبے میں آگئے، ہماری گاڑی اس وقت تیزی کے ساتھ کلیان کی طرف جا رہی تھی، لیکن وہ کلیان میں نہیں ٹھیری اور پونا کا راستہ اختیار کر لیا، میں نے سوچا کہ غالباً ہم لوگ پونا میں نظر بند کیے جائیں گے اور جب وہاں گاڑی رکی تو مجھے یقین ہو گیا کہ میرا خیال صحیح ہے۔

معلوم ہوتا ہے ہماری گرفتاری کی خبر کسی طرح پونا پہنچ گئی تھی۔ پلیٹ فارم پر ہر طرف پولیس تھی اور پبلک میں سے کسی کو آنے کی اجازت نہیں تھی، البتہ پل کے اوپر بڑا ازدحام تھا۔ جونہی گاڑی اسٹیشن پر پہنچی لوگوں نے نعرے لگائے، کمشنر نے پولیس کو لاٹھی چارج کرنے کا حکم دے دیا۔ اسے حکم ملا تھا کہ کسی قسم کے مظاہرے یا نعرے کی اجازت نہ دی جائے۔

جواہر لال کھڑکی کے قریب بیٹھے تھے، جونہی انھوں نے دیکھا کہ پولیس لاٹھی چارج کر رہی ہے، تو ڈبے سے باہر کود پڑے اور چلاتے ہوئے آگے بڑھے کہ "تمھیں لاٹھی چارج کا کوئی حق نہیں ہے۔" پولیس کمشنر ان کے پیچھے لپکا اور انھیں ان کے ڈبے میں واپس لانے کی کوشش کی، جواہر لال نے اس کا کہنا نہیں سنا اور غصے میں باتیں کرنے لگے۔ اس اثنا میں

ورکنگ کمیٹی کے ایک اور ممبر شنکر راؤ دیو بھی پلیٹ فارم پر اتر پڑے۔ چار سپاہیوں نے ان کو گھیر لیا اور گاڑی میں واپس جانے کے لیے کہا۔ جب انھوں نے جانے سے انکار کیا تو پولیس والے ان کو زبردستی اٹھا کر ڈبے میں لائے۔ میں نے جواہر لال سے پکار کر کہا اندر آجائیں، جواہر لال غصے سے بھرے ہوئے معلوم ہوتے تھے، مگر میری درخواست کو قبول کرلیا۔ پولیس کمشنر میرے پاس آیا اور دو تین مرتبہ اس نے معذرت کی، ''جناب والا! مجھے سخت افسوس ہے، مگر مجھے ان باتوں کا حکم دیا گیا ہے اور میں ان کو بجالانے پر مجبور ہوں''۔

میں نے اپنی کھڑکی سے دیکھا کہ مسز نائیڈو اور گاندھی جی گاڑی سے اتار لیے گئے ہیں، بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ انھیں آغا خان کے مکان میں، جو آغا خان محل کے نام سے مشہور ہے، نظر بند کیا گیا ہے۔ ایک اور شخص جو بمبئی میں گرفتار کیا گیا تھا، گاڑی سے اترا اور پلیٹ فارم پر جانا چاہتا تھا۔ مگر پولیس نے اس کو روک دیا، پھر بھی وہ اس وقت تک باز نہیں آیا، جب تک کہ پولیس نے اس کو پکڑ کر زبردستی نہیں روکا۔ میرا خیال ہے کہ وہ گاندھی جی کی ہدایتوں پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ گاندھی جی نے کہا تھا کہ موجودہ تحریک میں لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے کو رضاکارانہ طور پر گرفتار نہ کرائیں، بلکہ جب سختی اور زبردستی کی جائے، تب وہ جیل میں جانے پر راضی ہوں۔

جب گاندھی جی اتار لیے گئے، تو پھر گاڑی روانہ ہوئی۔ اب میں سمجھا کہ ہمیں احمد نگر لے جایا جارہا ہے۔ ہم دن کے ڈیڑھ دو بجے اسٹیشن پر پہنچے۔ سوائے چند پولیس آفیسروں اور ایک فوجی آفیسر کے پلیٹ فارم پر کوئی نہیں تھا۔ ہم سے اترنے کے لیے کہا گیا اور کاروں پر سوار کردیا گیا، جو ہمارا انتظار کر رہی تھیں، کاریں فوراً روانہ ہوگئیں اور سیدھی جا کر قلعے کے اندر کے پھاٹک پر رکیں، وہاں ایک فوجی آفیسر منتظر کھڑا تھا۔ پولیس کمشنر نے ایک فہرست نکال کر اسے دے دی، وہ ایک ایک نام پکارتا گیا اور ہمیں قلعے میں داخل کرتا گیا، دراصل اس طرح پولیس کمشنر ہم کو فوجی محکمے کے حوالے کر رہا تھا۔ اب سے ہم فوجی حراست میں آگئے۔ (انڈیا ونس فریڈم، ص ۶۶۔۱۵۵)

رہ نماؤں کی گرفتاری پر ملک میں ردعمل:

۱۱ر اگست ۱۹۴۲ء: کانگریسی رہ نماؤں کی گرفتاری پر پورے ملک میں اشتعال پھیل

گیا۔ چوں کہ اس کا رہ نما کوئی نہ تھا تو مشتعل ہجوم نے جہاں جو کچھ ہوسکا کر ڈالا۔

بہار، سی پی اور مدراس تحریک میں سب سے آگے رہے۔ ریلوں کی پٹریاں اکھاڑ دی گئیں، تار کاٹ دیے گئے، سرکاری عمارتوں کو نقصان پہنچایا، جگہ جگہ پنچایتی حکومتیں قایم کرلی گئیں اور گورنمنٹ کے ملازمین کو خدمات سے سبک دوش کردیا۔ بعض بعض موقعوں پر پولیس کو بھی کافی نقصان پہنچا، ۱۱ راگست کو دہلی میں تار کاٹ دیے گئے۔ پیلی کوٹھی جس میں ریلوے کا پچاس سالہ ریکارڈ تھا، جلا کر خاکستر کردیا گیا۔ ٹاؤن ہال کو بھی آگ لگانے کی کوشش کی گئی مگر کامیابی نہ ہوئی۔

لطف یہ ہے کہ ان ہنگاموں میں مسلم عوام نے مسٹر جناح کی قیادت کو بالائے طاق رکھ دیا تھا اور ہندو مسلمان دوش بہ دوش انگریز کے اور انگریزی فوج اور پولیس کے مقابلے میں سینہ سپر تھے۔

حکومت نے جو جبر و تشدد کا پہلے سے تہیہ کیے ہوئے تھی، اپنے شوق کو اچھی طرح پورا کیا۔ پولیس نے خاص طور پر حق وفاداری ادا کیا، وطن عزیز سے غداری اور آزاد ہند کی بلیک لسٹ میں نام لکھوانے کی کوشش پوری پوری کی، ہر ایک سب انسپکٹر وقت کا گورنر تھا۔ جب تھانے داری کی برکت سے ہی جیبیں گرم رہتی ہیں تو گورنری کے اختیارات نے تو دولتوں کے انبار لگادیے، عافیت پسند عوام کو فرضی دولت دکھا کر یا ڈرا دھمکا کر ان کا خون چوسا گیا۔

فوجیوں نے بھی مال غنیمت کے فراہم کرنے میں کمی نہیں کی، اگر آزاد ہند فوج نے ہندوستان کا سر بلند نہ کردیا ہوتا تو بھاڑے کے ٹٹوؤں کی یہ جماعت بھی پولیس کے برابر ہی بلیک لسٹ کی مستحق تھی۔ اس تمام جبر و تشدد کے باوجود نہتے ملک نے کم و بیش چھ ماہ تک مقابلہ کیا۔

جمعیت کے اہم رہ نماؤں کی گرفتاری:

پنجاب میں تحریک تمام ہندوستان سے کم مزدور رہی صوبۂ سرحد میں حکومت نے انتہا سے زیادہ نرم پالیسی اختیار کی، اُن کی قانون شکنی اور سول نافرمانی کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا، مسلمانوں کے متعلق حکومت کی پالیسی یہی تھی کہ ان کی گرفتاری میں زیادہ سے

زیادہ پہلوتہی کی جائے، تاہم مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیت علماے ہند، مولانا احمد سعید صاحب، مولانا نورالدین صاحب تہاری، مولانا عبدالماجد صاحب، مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی، مولانا داؤد صاحب غزنوی، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی، مولانا قاری عبداللہ صاحب مرحوم مرادآبادی، مولانا عبدالوہاب صاحب بستوی، مولانا محمد شاہد صاحب فاخری الہ آباد، مولانا منیرالزماں صاحب اسلام آبادی، مولانا عبدالباری صاحب عباسی، مولانا منظورالنبی صاحب سہارن پوری جیسے سیکڑوں بزرگانِ ملت نظر بند کیے گئے اور اُن کے ساتھ عام مسلمانوں کی تعداد تو ہزاروں تک پہنچتی ہے۔

صوبۂ آسام کی جمعیت علما کی پیش قدمی یہاں تک بڑھی کہ آسام میں جمعیت علماے آسام کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔

(علماے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے: ج ۱۲ص ۸۹۔۱۸۸)

دہلی میں جلوس اور جلسہ:

۱۷راگست ۱۹۴۲ء: ۱۷راگست ۱۹۴۲ء دہلی میں دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کے سلسلے میں حریت پسندوں نے ایک زبردست جلوس نکالا، کوئٹ انڈیا کے نعروں کی گونج بھارت سے لندن تک برابر اثر انداز ہوتی رہی، وطن پرستوں کا یہ جلوس کوچۂ چیلان میں بہت بڑے جلسے کی شکل اختیار کر گیا، اس جلسے میں کئی نمایندوں کی تقریریں ہوئیں۔ جناب مولانا احمد سعید کے صاحب زادے مولانا محمد سعید نے بڑی ولولہ انگریز تقریر کی، حکومت نے مولانا کو گرفتار کرلیا اور بھی دوسرے مقرر لیڈوں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔

(حسرت موہانی۔ایک سیاسی ڈائری: ص ۲۲۰)

جنگ آزادی اور مسلمان

جمعیت کی مجلس عاملہ کا فیصلہ:

۱۷، ۱۸راگست ۱۹۴۲ء: جمعیت علماے ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس دہلی مورخہ ۱۷، ۱۸راگست ۱۹۴۲ء میں ایک قرار داد پاس کی گئی ہے جسے ''جنگ آزادی اور

مسلمان'' کے عنوان سے جمعیت علماے ہند کے اہم فیصلے کے طور پر شائع کیا گیا ہے، اس میں کہا گیا ہے:

تجویز نمبرا: ہندوستان کے محبانِ آزادیٔ وطن نے گورنمنٹ برطانیہ کے سامنے انتہائی مصالحانہ طریق پر اپنے حق وانصاف پر مبنی مطالبے کو پیش کیا اور آخر وقت تک کوئی ایسی بات نہیں کی جو حکومت کو اس مصیبت کے دور میں پریشان کرنے والی ہو، برطانیہ کی کامیابی اور ہندوستان کے دفاع کا مدار ہندوستان کی کامل آزادی پر موقوف تھا اور حکومت برطانیہ کی دانش مندی اسی میں تھی کہ وہ ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر کے ہندوستان کو بھی ہلاکت سے بچنے کا موقع دیتی اور خود بھی مجبوریوں کی دستبرد سے عہدہ برآ ہونے کا ایک مستحکم طریقہ بہم پہنچاتی، مگر افسوس کہ حکومت برطانیہ نے اس کی ذرہ برابر پروا نہیں کی اور اس کا نشۂ استعمار اُترنا تو درکنار ہلکا بھی نہ ہوا۔ بالآخر فدائیان حریت نے بالکل اضطرار اور مجبوری کے عالم میں اپنی منزل مقصود کا راستہ معین کیا جو عام سول نافرمانی کی تحریک ''عدم تشدد'' پر مبنی تھا۔

ظاہر ہے کہ ہندوستان کے حقیقت شناس مدبروں اور صاحب بصیرت لیڈروں کے لیے اس کے سوا کوئی دوسرا چارۂ کار بھی نہ تھا۔ اس پر بھی برطانوی حکومت کی آنکھیں نہ کھلیں اور وہ اپنی ضد سے باز نہیں آئی اور نہ صرف یہ کہ اس نے حق وانصاف پر مبنی ہندوستانی مطالبے کو منظور نہیں کیا بلکہ مزید برآں نتائج وعواقب سے بے نیاز ہو کر انتہائی استبداد کے ساتھ عاجلانہ اقدام کر کے فدائیانِ آزادی کو گرفتار کر لیا۔ گورنمنٹ کی اس ناعاقبت اندیشانہ حرکت پر جو لازمی نتیجہ ظاہر ہونا تھا، وہ ہوا اور ہندوستان کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک آگ لگ گئی، ہندوستانیوں کے قلوب نفرت وعداوت سے لبریز ہو گئے اور عوام کے جذبات قابو سے باہر ہو گئے، اس سلسلے میں جو واقعات رونما ہوئے ان میں آگ لگانا، تار کاٹنا، عمارتوں اور دفتروں کو نقصان پہنچانا وغیرہ ایسے واقعات ہیں جن کو کوئی سمجھ دار اور محب وطن انسان پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ ان واقعات پر جس قدر افسوس کیا جائے بجا ہے۔ اس میں سب سے زیادہ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ یہ سب کانگریس کے نام پر کیا جا رہا ہے، حال آں کہ کانگریس کے مستحکم اصول عدم تشدد کے قطعی خلاف ہے، مگر اس کی تمام تر ذمے داری حکومت کے عاجلانہ اقدام پر ہے کہ اس نے مقتدر اور ذی اثر رہنماؤں کو گرفتار

کر کے عوام کو ان کی رہ نمائی سے محروم کر دیا۔

کانگریس کی تحریک پر امن اور غیر متشدانہ سول نافرمانی کی ہے، جو انتہائی مجبوری اور اضطرار کی حالت میں بہ طور واحد علاج اور آخری طریقۂ کار کے اختیار کی گئی ہے اور کوئی ہندوستانی جس کو آزادی سے محبت ہو اور ہندوستان کا خیر خواہ ہو اور وطن کی حفاظت کا مقصد اس کے پیش نظر ہو اور غیر ملکی جابر حملہ آوروں کے خلاف کامیاب مدافعت کی تمنا رکھتا ہو، اس تجویز سے اختلاف نہیں کر سکتا۔

اس موقعے پر ہم یہ بھی واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر جمعیت العلماء کو اس امر کا ذرہ بھر بھی وہم ہوتا کہ جدو جہد آزادی کا نتیجہ ہندوستان میں ہندو راج قایم ہو جانا ہے تو وہ ایک لمحہ توقف کیے بغیر اس کی شدید مخالفت کرتی۔

ہم آزاد ہندوستان سے وہ آزاد ہندوستان مراد لیتے ہیں جس میں مسلمانوں کا مذہب، ان کی اسلامی تہذیب اور قومی خصوصیات آزاد ہوں اور مسلمانوں نے حصول آزادی کے لیے بھی قربانیاں پیش کی ہوں اور اپنی ذاتی قوت سے آیندہ بھی اس کی حفاظت کر سکیں۔

مسلمان جو انگریز کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لیے بیش بہا اور شان دار قربانیاں کریں گے ان کی نسبت ہندو کی غلامی قبول کرنے کا تصور بھی ان کی سخت ترین توہین ہے۔ مسلمان قوم کی سخت بدقسمتی ہوگی اگر وہ توہمات اور خطرات میں مبتلا رہے اور موقعے کی اہمیت اور نزاکت سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اپنی غفلت سے اسے ضائع کرے۔ (بہ اتفاق رائے منظور ہوئی)

تجویز نمبر ۲: جمعیت علماے ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ گورنمنٹ کی اس عام دارو گیر پر جو اس نے دفعہ ۱۲۹ ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت تمام ملک میں جاری کر رکھی ہے، اپنے غم و غصہ کا اظہار کرتا ہے۔ بہت سے ماخوذین بیمار، کم زور اور بوڑھے ہیں اور حکومت نے ان کو نا معلوم مقامات میں نظر بند کر دیا ہے، ان کے معتقدین اور عزیز و اقارب سخت پریشان ہیں۔

حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان اسیرانِ بلا کے حالات سے پبلک اور ان کے عزیز و اقارب کو وقتاً فوقتاً مطلع کرتی رہے، ورنہ ملک میں سخت ہیجان پیدا ہو جائے گا اور اس نازک

وقت میں یہ بات مفاد عامہ کے خلاف ہوگی۔ (بہ اتفاق رائے منظور ہوئی)

(جمعیت علما کیا ہے؟ (حصہ دوم): ص ۵۳، ۲۵۱)

۱۶۔۲۰ / اگست ۱۹۴۲ء: کانگریس کی تحریک کے نتیجے میں ملک میں ہنگامے بپا تھے گیر ودار کا سلسلہ جاری تھا اس موقعے پر مسلم لیگ نے حکومت مخالف تحریک کی حمایت نہیں کی، بلکہ اس کے برعکس اس نے آزادی کی تحریک کو بغاوت سے تعبیر کیا۔ حال آں کہ برطانوی حکومت کی پسپائی سے ملک کے کسی خاص فرقے کو فائدہ نہیں پہنچتا تھا، بلکہ چالیس کروڑ ہندوستانیوں کی غلامی کی زنجیریں ڈھیلی ہوئی تھیں۔ اس موقعے پر آل انڈیا مسلم لیگ نے تحریک شروع ہونے کے تقریباً ایک ہفتہ بعد ورکنگ کمیٹی کے اجلاس ۱۶، ۲۰ / اگست ۱۹۴۲ء میں ایک ریزولیوشن پاس کیا، اس میں کہا گیا تھا:

''آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ملک کی موجودہ سیاسی صورت حال جو کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ۸ / اگست ۱۹۴۲ء کے اجلاس کے فیصلے سے پیدا ہوئی ہے، پر گہری تشویش کا اظہار کرتا ہے اور غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ کانگریس کی تحریک سول نافرمانی ''کھلی بغاوت'' ہے۔ جس کا مقصد ہندوستان پر ہندو بالادستی قایم کرنا ہے، اس باعث ملک میں بدامنی اور لاقانونیت کا دور دورہ ہے، جان و مال کا اتلاف ہو رہا ہے''۔

ریزولیوشن کے آخر میں مسلمانوں سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ حکومت مخالف اس تحریک سے بالکل لاتعلق رہیں اور پُر امن طور پر زندگی کے معمولات جاری رکھیں۔ ریزولیوشن کے الفاظ ملاحظہ ہو:

''ان حالات میں آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی گہرے غور و خوض کے بعد مسلمانوں سے کہتی ہے کہ وہ کانگریس کی جاری کردہ تحریک میں کسی قسم کا حصہ نہ لیں اور اپنے معمولاتِ زندگی کو پُرامن طور پر جاری رکھیں۔ (۱)

۱۔ انڈین اینویل رجسٹر (۱۹۴۲ء) صفحہ ۵۸۔۲۸۳ جلد دوم، راجہ صاحب محمود آباد، جمال میاں، نواب اسماعیل خاں، چودھری خلیق الزماں، مسٹر جی ایم سید اور مسٹر اصفہانی کانگریس کی تحریک کے حق میں تھے، قایداعظم کے دلایل سن کر اپنی رائے تبدیل کر لی، راجہ صاحب محمود آباد، نواب اسماعیل خان اور اصفہانی نے ریزولیوشن پر رائے شمار میں حصہ نہیں لیا۔ جی ایم سید نے ریزولیوشن کے خلاف ووٹ دیا۔ Quaid-e-Azam, As I Knew Him. By M.A.H Ispahani. P:66-67

مسلم لیگ کا رویہ:

یہ تھا مسلم لیگ کا رویہ ''ہندوستان چھوڑ دو'' کانگریس کی تحریک کے بارے میں، جس کا تمام تر رخ برطانوی اقتدار کے خاتمے کی طرف تھا۔ مسلم لیگ نے جن توہمات اور اندیشوں کا اظہار اپنے ریزولیوشن میں کیا ہے، کانگریس مسلم لیگ کے مزاج اور نفسیات سے پوری طرح آگاہ تھی، اس کے اندازِ فکر کو جانتی تھی اس کے متوقع ردعمل کے پیش نظر اس نے مسلم لیگ کے اندیشوں کا اپنی قرارداد میں سدِ باب کر دیا تھا۔ لیکن مسلم لیگ نے اس حقیقت کو فراموش کرتے ہوئے اپنے ردعمل کا اظہار کانگریس کی توقعات سے مختلف نہیں کیا، حال آں کہ کانگریس نے ''ہندوستان چھوڑ دو'' ریزولیوشن کے آخری پیراگراف میں بڑے واشگاف الفاظ میں واضح کیا ہے:

''کمیٹی نے مستقبل کے آزاد ہندوستان کی حکومت کے بارے میں اپنا نظریہ صاف بیان کر دیا ہے لیکن وہ یہ واضح کر دینا چاہتی ہے کہ جدوجہد کے شروع کرنے سے اس کا یہ مقصد قطعی نہیں ہے کہ کانگریس کو اقتدار حاصل ہو۔ اقتدار جب حاصل ہوا، سارے ہندوستان کی ملکیت ہوگا''۔

اس واضح اور صاف یقین دہانی کے باوجود مسلم لیگ الزام تراشی سے باز نہیں رہی۔ تحریک کو ہندو کی بالادستی قایم کرنے سے تعبیر کیا اور جدوجہد کو ''کھلی بغاوت'' کا نام دیا مسلم لیگ کے نزدیک آزادی خواہ اور قربانیاں دینے والے باغی تھے۔ یقیناً ''وہ برطانوی استعمار کے باغی تھے، اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے برسرِ پیکار تھے، ہندوستان کی آزاد حکومت قایم کرنے کے خواہش مند تھے لیکن اس پر مسلم لیگ کی پریشانی اور بے حالی نا قابل فہم ہے۔ غالباً آقاؤں کو مشکلات میں دیکھ کر حالت غیر ہوتی ہوگی۔

(مولانا ابوالکلام آزاد اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست: ص ۵۲۔۲۵۱)

مسٹر جناح اور مسلم لیگ:

۲۰ راگست ۱۹۴۲ء: آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر جناح اور ان کی لیگ کے بھی کچھ کارناموں کا تذکرہ کر دیا جائے۔ اس دور میں مسٹر جناح کا بہترین کارنامہ یہی ہوسکتا تھا کہ کانگریس کی تحریک کا رخ انگریز کے بجائے خود آپس میں ایک دوسرے کی طرف

پھیر دیا جاتا اور تحریک آزادی کو ہندو مسلم بلووں کی شکل میں منتقل کر دیا جاتا۔

مسٹر جناح نے اس خدمت کی انجام دہی میں کوتاہی نہیں کی، مگر افسوس ملک کو انقلاب سے دلچسپی ہے، انقلابی تحریک کے وقت وہ آپس کے مناقشات کو بھول جاتے ہیں ورنہ کم از کم نظر انداز کر دیتے ہیں۔ چناں چہ مسٹر جناح کی تمام کوششیں بے کار گئیں۔

بہ ہر حال مسٹر جناح اور اُن کی لیگ کی مساعی جمیلہ میں سے سب سے پہلے قابل تذکرہ خدمت وہ تجویز ہے جو لیگ کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۰ر اگست ۱۹۴۲ء میں پاس کی۔ اس تجویز کے مطالعے سے پیشتر کانگریس کی مذکورہ صدر تجویز اور حضرت آزاد مدظلہٗ العالی کی پیش کش پر ایک نظر ضرور ڈال لینی چاہیے۔

تجویز لیگ:

آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے ملک کی موجودہ سیاسی تبدیلیوں پر پورے غور اور گہرے فکر سے توجہ کی اور وہ ۸ر اگست کے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے فیصلے کو جس میں عام تحریک سول نافرمانی شروع کر کے ایک کھلی ہوئی بغاوت کرنے کا فیصلہ کیا گیا، تاکہ ہندوستان میں وہ اپنا مقصد یعنی کانگریس غلبہ حاصل کرے، سخت ناپسند کرتی ہے۔

مجلس عاملہ مسلم لیگ کی یہ سوچی ہوئی رائے ہے کہ اس تحریک کا مقصد نہ صرف برطانوی حکومت کو اس کے لیے مجبور کرتا ہے کہ وہ اختیارات کانگریس کی ''خود سری'' حکومت کے سپرد کر کے، مسلمانوں اور ہندوستان کے دوسرے عوام سے کیے ہوئے اخلاقی فرائض اور مواعید کی ادائیگی کے ناقابل ہو جائے، بلکہ مسلمانوں کو مجبور بھی کیا جائے کہ وہ کانگریس کے احکامات اور شرائط کے سامنے بالکل جھک جائیں، جس وقت سے جنگ شروع ہوئی ہے، اس وقت سے بلکہ اس سے پہلے سے کانگریسی پالیسی کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ برطانوی حکومت کو عاجز و پریشان نیز مجبور کرے کہ وہ اپنے اختیارات کانگریس کو جو ایک ہندو جماعت ہے اور اس کے پیچھے دوسری قوموں کے صرف اتنے آدمی ہیں کہ انھیں دور بین سے دیکھا جائے (۱)، سپرد کر دے اور دس کروڑ مسلمانوں کے علاوہ اس وسیع براعظم

۱۔ مالابارہل کا مسند نشین بیرسٹر اور عیش پرست نواب اور راجہ لاکھوں کروڑوں مسلمان کاشتکاروں اور مزدوروں کو، جن کے فائدے کے لیے کانگریس کی جد و جہد وقف ہے (اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجیے)

کے دوسرے باشندوں کو بھی بالکل کچل دیا جائے۔

حال آں کہ کانگریس ''ہندوستان'' (جو کہ کانگریس کے نزدیک ہندو اکثریت کے لیے ایک نرم اصطلاحی لفظ ہے) کے لیے حق خود اختیاری کا مطالبہ کرتی ہے، مگر اس نے بار بار مسلم قوم کے لیے اسی حق خود اختیاری کی (کہ وہ اپنی قومی زندگی کے لیے خود فیصلہ کر سکیں) مخالفت کی ہے۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اپنے یکم مئی ۱۹۴۲ء کی تجویز کے ذریعے سے صاف صاف مسلمانوں کے لیے مسلم لیگ کے مطالبۂ حق خود اختیاری سے انکار کیا (۲) اور اس طرح فرقہ وارانہ مسئلے کے لیے سمجھوتے کا دروازہ بند کر دیا۔ فرقہ وارانہ مسئلے کے حل کے لیے سمجھوتا ہندوستان کی آزادی کے لیے پہلی شرط ہے اور جسے کانگریس نے بھی ایک لازمی شرط مان کر بیس سال سے زائد ہو چکے، اپنے پروگرام کا نمایاں پہلو بنا رکھا تھا۔ مگر اپنے حالیہ فیصلے سے یکا یک اُس کو الگ پھینک کر اس کے بجائے ایک فرضی اصول کہ ''ہندو مسلم مسئلے کا حل صرف اس وقت ہو سکتا ہے جب برطانوی طاقت ہندوستان سے ہٹالی جائے'' کو، رکھ لیا ہے (۳)۔

سر اسٹیفورڈ کرپس کی گفتگو کانگریس سے ہندوستان کے دفاع کے مسئلے پر نہیں ہوئی بلکہ اس لیے کہ برطانوی حکومت نے مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو کانگریس کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا۔ (گفتگو ختم ہونے سے ۶ ماہ بعد یہ نئی وجہ لیگ کے پلیٹ فارم پر تصنیف کی جا رہی ہے) اس کے بعد حکومت سے شکایت کی گئی ہے کہ وہ لیگ کی پیش کش کی طرف توجہ نہیں کرتی اور کانگریس کو خوش کرنے کی سعی لا حاصل میں لگی رہتی ہے۔ آخر میں ہدایت کی گئی ہے:

اور جن کی ہمدردیاں کانگریس کے ساتھ ہیں، چناں چہ ۱۹۴۶ء کے الیکشن نے ثابت کر دیا کہ ہندوستان کے چالیس فیصد مسلمان کانگریس اور جمعیت علما کے ساتھ ہیں، اگر خوردبین سے بھی دیکھ لیں تو غنیمت ہے۔ تعجب ہے مسٹر جناح اور مسلم لیگ صوبۂ سرحد کو بھی خوردبین کے بغیر نہیں دیکھ سکتے۔ (محمد میاں)، ۲۔ مولانا سید محمد میاں نے اس مقام پر ایک طویل نوٹ حاشیے میں درج کیا ہے، چوں کہ اس نوٹ کی ایک مستقل تاریخی اہمیت ہے، اس لیے ہم اسے اس حوالے کے بعد درج کریں گے۔ اس لیے حاشیہ نمبر ۲ وہیں ملاحظہ فرمائیے (ا۔س۔ش)۔

"ان حالات میں لیگ کی مجلس عاملہ تمام حالات پر غور کر کے مسلمانوں کو حکم دیتی ہے کہ وہ کانگریس کی چلائی ہوئی تحریک سے الگ رہیں اور اپنی عام سکون کی زندگی جاری رکھیں۔ مجلس عاملہ کو امید ہے کہ کسی حلقے سے کوئی کوشش مسلمانوں کو تنگ کرنے اور پریشان کرنے کی یا کسی طرح ان کی عام زندگی میں دخل اور معقول دینے کی نہ کی جائے گی، ورنہ مسلمان مجبور ہو جائیں گے کہ وہ مدافعت کریں اور ایسے تمام ذرائع اختیار کریں جو اُن کی زندگی، عزت اور مال کی حفاظت کے لیے ضروری ہوں۔ کانگریس کا مطالبہ مان لیا جائے تو مسلمان ہندو راج کے پنجے میں پھنس جائیں گے اور اس کا لازمی نتیجہ یا تو انارکی اور فساد ہوگا یا پھر مسلم انڈیا کی مکمل تباہی اور بربادی۔ نیز ان سب چیزوں کی بربادی جو اسلام کی بنیاد ہیں"۔ (روزنامہ خلافت ۸/شعبان ۱۳۶۱ھ ۲۲/اگست ۱۹۴۲ء/ ج ۲۱)

اس تجویز میں مسلمانوں کو برانگیختہ کیا گیا کہ وہ موجودہ تحریک کی مخالفت کریں۔ کیوں کہ اس تحریک کی کامیابی کا منشا ہندو راج کا قیام ہے، جس میں مسلمان برباد ہو جائیں گے۔ نیز تجویز میں رہ نمائی کی ہے کہ ہڑتال وغیرہ کے موقع پر اگر ہندو اُن سے ہڑتال کی فرمایش کریں تو جان و مال کے تحفظ کے نام پر بلوہ پیدا کر دیں۔

مگر افسوس مسلمانوں نے مسٹر جناح کے مشورے کو قبول نہیں کیا، بلکہ کانگریس کی امداد کی، ورنہ خاموشی اختیار کی۔ بہ ہر حال لیگ نے مسلمانوں کو تحریک سے علاحدہ رکھنے، بلکہ طول و عرض ہندوستان میں بلوے کرانے کی ترغیب میں کوتاہی نہیں کی۔ مسلمانانِ ہند نے جس قدر تحریک کا ساتھ دیا، یا خاموشی اختیار کی، وہ جمعیت علماے ہند کی جدوجہد کا نتیجہ اور اراکین جمعیت علماے ہند کی قربانیوں کی برکت تھی۔

۲۰/اگست ۱۹۴۲ء والی مسلم لیگ کی تجویز اس کی اپنی تصنیف و ایجاد تھی یا اس پردۂ زنگاری میں کوئی سفید فام ہاتف یہ الہام کر رہا تھا۔ ذیل کے بیانات ملاحظہ فرما کر اس امر کا فیصلہ کیجیے!

برطانیہ کی وزارت اطلاعات نے ایک پمفلٹ شایع کیا اس کے ایک حصے میں ہندوستان کے متعلق معلومات فراہم کی گئیں۔ اس حصے کی ایک فصل میں اس امر پر زور دیا گیا کہ ہندوستان کے فرقوں کے مفادات مختلف ہیں۔ اُن میں سمجھوتے کے بعد ہی ہندوستان ترقی کر سکتا ہے، سماجی طریقے بہت پست ہیں، اُن میں ترقی کی ضرورت ہے، وغیرہ وغیرہ۔ (مدینہ یکم جولائی ۱۹۴۱ء)

برطانوی پارلیمنٹ کے لیڈر سر اسٹیفورڈ کرپس نے ۶ر اگست ۱۹۴۲ء کو ایک طویل بیان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا:

''مسٹر گاندھی نے مطالبہ کیا ہے کہ حکومت برطانیہ کو ہندوستان سے چلا جانا چاہیے، ہندوستانی اپنے اختلافات خود طے کرلیں گے، خواہ حکومت کے چلے جانے سے ہندوستان میں بدامنی اور انتشار ہی کیوں نہ پھیل جائے۔ بدامنی اور انتشار کا کیا مطلب ہوگا؟ حکومت جو کہ موجودہ آئین پر مبنی ہے، فوراً ہی ختم ہو جائے گی۔ ہندوستان میں کوئی وائسرائے نہ ہوگا، نہ ایگزیکٹیو کونسل ہوگی نہ لیجس لیٹو اسمبلی ہوگی، نہ سول سروس ہوگی جس کو کوئی اختیار حاصل ہو، صوبوں میں گورنر نہیں ہوں گے، نہ صوبوں میں اسمبلی ہوگی اور نہ حکومت ہوگی ملک کے اندر مالیانہ وصول کرنے والا کوئی حاکم نہ ہوگا اور نہ سرکاری ملازموں کو کوئی تنخواہ دینے والا ہوگا''۔

(تیج مورخہ ۸ر اگست ۱۹۴۲ء)

رائٹر کے سیاسی نامہ نگار نے مندرجۂ ذیل الفاظ میں برطانیہ کے ذمے دار حلقوں کی رائے پیش کی:

سمجھوتے کے لیے کسی بھی تحریک یا تجویز کی کامیابی کا اس وقت تک امکان نہیں، جب تک ہندوستان کے دوسرے سیاسی عناصر اور خصوصاً مسلم لیگ کے رویے کا پورا پورا لحاظ نہ رکھا جائے۔ کیوں کہ یہ پارٹیاں کانگریس کی رہ نمائی اور پالیسی کی سخت مخالف ہیں اور فی الحال کانگریس اور مسلم لیگ کے سیاسی اختلافات کا دور ہو جانا ممکن نہیں، اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس بات کا بھی کوئی امکان نہیں کہ موجودہ ایگزیکٹیو کونسل کی جگہ کوئی نئی ایگزیکٹیو کونسل بنائی جائے جو زیادہ نمائندہ ہو۔

(روز نامہ انصاری دہلی مورخہ ۲۲ر اگست ۱۹۴۲ء/ ج ۱۳، ش ۵۳)

جب ۱۹۴۶ء میں وزارتی مشن ہندوستان میں نمائندہ اسمبلی کے متعلق دستوری فارمولا پیش کرکے واپس جاچکا تو ۲۰ر جولائی ۱۹۴۶ء کو ہندوستان کے مسئلے پر بحث کے دوران میں مسٹر چرچل کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے مسٹر اے وی الیگزنڈر، ممبر

کیبنٹ مشن نے فرمایا:

مجھے مسٹر چرچل کی زبان سے اس بات کا اعتراف سنتے ہوئے از حد دکھ ہوتا ہے کہ ۱۹۴۲ء کی پیش کش صرف دشمن کے خوف سے کی گئی تھی، یہی الزام برطانیہ کی نیک نیتی پر حملہ کرتے ہوئے ہندوستانی لیڈروں نے ہم پر لگایا تھا۔

آپ نے زور دیتے ہوئے کہا کہ:

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ پچھلے سالوں میں کنزرویٹو حکومت کی اس سلسلے میں اختیار کردہ پالیسی سے اختلاف رکھتا رہا اور اگر اس وقت میری رائے مان لی جاتی تو آج ہمیں ان مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ لیبر ممبر مسٹر کودنے مسٹر چرچل کو ''بے ملکی نواب'' کا خطاب دیتے ہوئے کہا کہ مسٹر چرچل کی تقریر کا منشا ہندوستان کی اقلیتوں کو غلط طور پر ابھار کر ہندوستان کی آزادی کے راستے میں روڑے اٹکانا ہے۔

(تیج، مورخہ ۲۲ رجولائی ۱۹۴۶ء/ ج ۲۵، ش ۱۴۳)

مختصر یہ کہ بدقسمتی سے کنزرویٹو پارٹی اس زمانے میں برسر اقتدار تھی اور نہ زمامِ وزارت مسٹر چرچل اور مسٹر ایمری (وزیر ہند) جیسے ٹوریوں کے ہاتھ میں تھی۔ سامراجیت اور شاہنشاہیت کا تحفظ ان کا نصب العین تھا۔ قائداعظم اور ان کے رفقا اُن کے آلۂ کار تھے اور اقلیتوں کے نام پر ''تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو'' کی پالیسی کو کامیاب بنایا جا رہا تھا اور باہمی مفاہمت کے بہترین موقعوں کو ضائع کر کے انگریز کے ہاتھ کو مضبوط اور آزادی و ترقی ہندوستان کی راہ کو مسدود کیا جا رہا تھا۔ نومبر ۱۹۴۵ء میں متعدد اخبارات میں ایک سکھ لیڈر کا یہ الزام شایع ہوا جس کی کوئی تردید مسٹر جناح نے نہیں کی کہ

''مسٹر جناح کو نظام حیدرآباد کی معرفت انگریزوں کی طرف سے ۶ لاکھ روپے سالانہ ملتا رہا ہے اور اس کا انکشاف خود مسٹر جناح کے اعتراف سے اُس وقت ہوا جب انکم ٹیکس کے افسران نے ان کے حساب میں تقریباً بیس لاکھ روپے کا اضافہ غیر معلوم ذریعے سے موجود پایا''۔

(تیج ۲۰ رنومبر ۱۹۴۵ء، ۹ رنومبر انصاری وغیرہ)

وزارتی مشن کی سفاشات کومنظور کر لینے کے بعد جب مسٹر جناح اوران کی لیگ نے اُن کو رد کردیا اور عارضی حکومت میں شرکت سے بھی انکار کرایا۔ مزید برآں ہندوستان کے طول و عرض میں فسادات کی لہر دوڑا دی اور پھر عارضی حکومت میں شرکت کے لیے راستہ بھی تلاش کیا جانے لگا تولندن کی ایک اطلاع نے اس حقیقت کی غماضی کی کہ یہ سب کچھ کنسرویٹو پارٹی کی خوش نودی اوراس کی دوبارہ واپسی کی توقع پر کیا جارہاہے، اطلاع بجنسہ درج ذیل ہے:

لندن ۱۱رستمبر، مسٹر جناح کی اس تجویز کے بارے میں کہ حکومت برطانیہ لندن میں کانفرنس طلب کرے اور اُن کو مساوی حیثیت سے بلائے، ذمے دار برطانوی پارٹی کے حلقوں میں خیال کیا جارہاہے کہ مسٹر جناح کی پیش کش کا صرف یہ مقصد ہے کہ ہندوستان کے مسائل پر زیادہ سے زیادہ وقت صرف کیا جائے اور فیصلے میں اتنی دیر کی جائے کہ قدامت پسند پارٹی انگلستان میں برسر اقتدار ہو جائے، بین الاقوامی حالات روزانہ نازک صورت حال اختیار کررہے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موجودہ حکومت ۱۹۵۰ء سے قبل ہی استعفےٰ دے دے گی اور قدامت پسند جماعت تو اُمید کررہی ہے کہ آیندہ سال میں ہی عام انتخابات ہو جائے نگے، ان سب حالات کی بنا پر مسٹر جناح نے لندن کانفرنس منعقد کرانے کی تجویز کی ہے، تاکہ وقت بھی ٹلے اور وہ قدامت پسند جماعت سے مشورہ اور تعلقات بھی پیدا کرلیں قدامت پرست پاکستان کے بہت بڑے حامی ہیں۔ (قومی آواز لکھنؤ ۱۳ رستمبر ۱۹۴۶ء/ ج ۱، ش ۲۳۸) (بہ حوالہ علماے حق اور...... / ج ۲ ص ۱۵-۲۰۴)

۳۔ کانگریس نے صوبجات کی خودمختاری سے کبھی انکار نہیں کیا، البتہ مرکز سے صوبہ کی علیحدگی کا حق یعنی تقسیم ہندوستان کا مسئلہ زیر بحث رہا، اور تقسیم ہندوستان کو کانگریس خود ہندوستان کے لیے اس کی ترقی اوراس کی آزادی کے استحصال اور تحفظ کے لیے خطرناک سمجھتی رہی۔ تاہم کانگریس کے ››

سیکریٹری مسلم لیگ کا بیان اور اسی پر زمزم کا تبصرہ:

۲۹ راگست ۱۹۴۲ء: ۲۹ راگست کو الٰہ آباد سے سید محمد حسین سیکریٹری مسلم لیگ پارٹی، کونسل آف اسٹیٹ اور ممبر کونسل آف آل انڈیا مسلم لیگ نے پریس کو مندرجۂ ذیل بیان جاری کیا:

''آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی بمبئی میں متواتر چار دنوں کے غور و خوض کے

«لیڈروں نے تسلیم کیا کہ اگر مسلمان علیحدہ ہونا چاہیں تو انھیں کون روک سکتا ہے، پھر ۱۰ اراپریل ۱۹۴۲ء کے اجلاس میں، ورکنگ کمیٹی نے علیحدگی کا حق تسلیم بھی کرلیا؛ لیگ کے اس ریزولیشن میں اس تمام حقیقت پر پردہ ڈالتے ہوئے جگت نرائن لال کی اس تجویز کو اپنی گرفت میں لے لیا گیا ہے جو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس الہ آباد میں منظور ہوئی تھی، تجویز یہ ہے ''آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ کسی مرتبہ ریاست یا علاقہ وارانہ واحدے کو انڈین یونین یا فیڈریشن سے علیحدہ ہونے کا حق دے کر ہندوستان کے ٹکڑے کرنے کی ہر تجویز مختلف ریاستوں اور صوبوں کے لوگوں اور بحیثیت مجموعی ملک کے بہترین مفاد کے لیے سخت مضر ہوگی، اس لیے کانگریس ایسی کسی تجویز پر رضامند نہیں ہوسکتی''۔ (تیج ۲ راکتوبر ۱۹۴۴ء) اس تجویز میں ملک کے ٹکڑے کردینے والی تجویز پہ کانگریس کی رضامندی سے انکار کیا گیا ہے، لیکن کانگریس کی پسندیدگی کے باوجود اگر ملک کا وہ ٹکڑا مرکز سے علیحدہ بھی رہنا چاہے تو اس کا اختیار سلب انھیں کیا گیا ورکنگ کمیٹی نے اجلاس دہلی میں تقسیم ہند پر کانگریس کی رضامندی کا اظہار نہیں کیا تھا، بلکہ صوبجات کے لیے حقِ علیحدگی کو تسلیم کیا تھا۔ لہٰذا جگت نرائن لال کی اس تجویز سے ۱۰ اراپریل ۱۹۴۲ء کی تجویز دہلی کی تردید نہیں ہوتی چناں چہ صدر کانگریس مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے بحیثیت صدر اجلاس اعلان کردیا تھا۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی مسلم لیگ کے مطالبہ تقسیم ہند کے متعلق جو نظریہ اجلاس دہلی میں طے کرچکی ہے، موجودہ ریزولیشن سے اس کی کسی طرح تردید نہیں ہوتی، (تیج مورخہ ۶ رمئی ۱۹۴۲ء) پنڈت جواہر لال نہرو نے اسی اجلاس میں بیان دے دیا تھا کہ ''بابو جگت نرائن کا ریزولیشن ورکنگ کمیٹی کے رویز ولیوشن کے خلاف نہیں جاتا'' (تیج مورخہ ۶ رمئی ۱۹۴۲ء) ڈاکٹر عبداللطیف کے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو نے ۷ راگست ۱۹۴۲ء کو تحریر کیا۔
''ہندوستان کو دو یا دو سے زیادہ حصوں میں تقسیم کرنے کی تجویز سے متعلق کانگریس »

بعد جس فیصلے پر پہنچی ہے وہ مسلمانوں کی اس موقعے پر جب کہ اس کی سخت ضرورت محسوس کی جا رہی ہے، کسی قسم کی رہ نمائی کرنے میں ناکام رہا ہے، یہ ریزولیوشن نہ کسی کو خوش کر سکا ہے اور نہ ہی اس نے ملک کے موجودہ سیاسی مسئلے کو جو امن عامہ پر بُری طرح اثر انداز ہوا، حل کرنے میں کوئی مدد کی ہے، یہ تو وہی پرانی کہاوت ہے "سوتے بچے کا منہ چوما نہ بچہ خوش نہ ماں"

»» کی پوزیشن یہ ہے کہ اس قسم کی تقسیم دونوں حصوں کے لیے از حد نقصان دہ ثابت ہوگی، اور مجموعی ہندوستان کے لیے بھی مجھے یقین ہے کہ اس قسم کی تقسیم سے ہمارے شمال مغرب کے مسلمان دوستوں کو سب سے زیادہ زحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیوں کہ وہ صنعتی طور پر اتنا ترقی یافتہ نہیں ہے ..

دنیا کا میلان یہ ہے کہ بڑے وفاقوں کو وجود میں لایا جائے، مجھے یقین ہے کہ آخری حل ایک عالمگیر فیڈریشن میں پنہاں ہے.......... تاہم دہلی میں کانگریس نے واضح کر دیا تھا کہ اگر کوئی علاقہ جاتی جز پُر زور اور واضح طور پر یہ رائے رکھتا ہو کہ اسے ہندوستانی اتحاد سے الگ ہو جانا چاہیے تو اسے اس کی خواہش کے خلاف عمل کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، قدرتاً ہم اسے خوش آمدید نہیں کہہ سکتے .... کانگریس ورکنگ کمیٹی کا ریزولیوشن اسی طرح پر قایم ہے اور اس کو کسی طرح ترمیم کرنے اور بدلنے کے متعلق کچھ نہیں کیا گیا ہے، جب الہ آباد میں بابو جگت نرائن کا ریزولیوشن آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے آیا تو یہ بات صدر کانگریس اور میں نے پوری طرح صاف کر دی تھی، ریزولیوشن کے الفاظ کانگریس کی عام پالیسی اور خواہش کو ظاہر کرتے ہیں.......... یہ ریزولیوشن کسی صورت میں بھی دہلی کی ورکنگ کمیٹی کے ریزولیوشن کو پس پشت نہیں ڈالتا، یہ نہایت صاف ہے اور شک سے ماورا ہے، بے شک اگر کانگریس اور مسلم لیگ کے نمایندے آپس میں ملیں تو وہ ہر قسم کے موضوع پر بحث کرنے اور اس قسم کے معاملات کی طرف اشارہ کرنے میں بالکل آزاد ہیں، (تیج مورخہ ۱۲/ اگست ۱۹۴۲ء) اس کے علاوہ مولانا حفظ الرحمن صاحب رکن آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی ایک یادداشت پر آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس بمبئی میں مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے بہ حیثیت صدر یہ رولنگ بھی دے دیا کہ "یہ حق مسٹر جگت نرائن کے ریزولیوشن سے ساقط نہیں ہوا بلکہ دہلی کی پوزیشن بحالہ قایم ہے"۔ چناں چہ لیگ کا ترجمان "روزنامہ خلافت بمبئی" ۱۶/ اگست کے مقالے افتتاحیہ میں لکھ چکا تھا۔ "جہاں تک آزاد اسلامی صوبوں کے مطالبے اور اصول کا تعلق ہے حکومت برطانیہ نے بھی اس بارے میں کچھ ««

ساری دنیا مسلم لیگ کے فیصلے کا انتظار کر رہی تھی، قدرتی طور پر اسے سخت مایوسی ہوئی ہوگی، اس وقت بلاشبہ لیگ کے ہاتھ میں صورتِ حال کی چابی تھی اور وہ اس موقعے پر ایک ایسا نہایت ہی معزز اور قابلِ تعریف پارٹ ادا کر سکتی تھی جو تاریخِ عالم میں بہ طورِ یادگار رہتا، یہ اس خلیج کو پاٹ سکتی تھی جو اس وقت ہندوستان اور برطانیہ کے درمیان حائل ہوگئی ہے اور ملک کو امن اور آزادی دلا سکتی تھی اور اس طرح سے موجودہ جنگ جیتنے کے لیے ملک کا دلی تعاون حاصل کر سکتی تھی۔

‹‹ وعدے کیے ہیں اور کانگریس نے بھی اور وہ دونوں نے صوبوں کو خود مختاری دینے اور مرکز سے الحاق کے حق کو خود انھیں کی مرضی پر چھوڑنے کا اعلان کیا ہے، لیکن اعلانات سے مسلم لیگ پوری طرح مطمئن نہیں ہوئی، سرکرپس کی تجویزوں کو تو اس نے رد ہی کر دیا، مگر کانگریس کے اعلان اور مولانا ابوالکلام آزاد کی اس رولنگ پر جو انھوں نے مولانا حفظ الرحمٰن کی تجویز پر دی ہے، مسلم لیگ کی رائے کے اظہار کا ابھی تک انتظار ہے، خلافت بمبئی ۱۶ راگست ۱۹۴۲ء / ج ۲۱، ش ۱۹۲۔ ان تمام توضیحات اور اعلانات کے بعد مسلم لیگ کی تجویز کا یہ فقرہ اسی ضد اور عناد کا نمونہ ہے جو مسٹر جناح کا طرۂ امتیاز ہے اور جو مسلمانوں کو اور بالخصوص مسلم لیگ کو دن بدن پستی کی طرف دھکیل رہا ہے۔ وہ دونوں نے صوبوں کو خود مختاری دینے اور مرکز سے الحاق کے حق کو خود انھیں کی مرضی پر چھوڑنے کا اعلان کیا ہے، لیکن اعلانات سے مسلم لیگ پوری طرح مطمئن نہیں ہوئی، سرکرپس کی تجویزوں کو تو اس نے رد ہی کر دیا، مگر کانگریس کے اعلان اور مولانا ابوالکلام آزاد کی اس رولنگ پر جو انھوں نے مولانا حفظ الرحمٰن کی تجویز پر دی ہے، مسلم لیگ کی رائے کے اظہار کا ابھی تک انتظار ہے، خلافت بمبئی ۱۶ راگست ۱۹۴۲ء / ج ۲۱، ش ۱۹۲۔ ان تمام توضیحات اور اعلانات کے بعد مسلم لیگ کی تجویز کا یہ فقرہ اسی ضد اور عناد کا نمونہ ہے جو مسٹر جناح کا طرۂ امتیاز ہے اور جو مسلمانوں کو اور بالخصوص مسلم لیگ کو دن بدن پستی کی طرف دھکیل رہا ہے۔

۲۔ کانگریس نے سمجھوتے کے اصول کو الگ نہیں پھینکا۔ اگست ۱۹۴۲ء میں بھی کہ گرفتاریاں سر پر تھیں، کانگریس سمجھوتے کے لیے تیار تھی اور پھر جب گاندھی جی ۱۹۴۴ء میں رہا ہوئے تو انھوں نے مسٹر جناح کی کوٹھی کا رخ کیا اور تقریباً ایک ماہ تک سمجھوتے کی کوشش کرتے رہے، مگر افسوس جب مسٹر جناح شاطر برطانیہ کا گراموفون بن جائیں تو لامحالہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ جب تک گراموفون کا ریکارڈ بھرنے والی تیسری طاقت موجود ہے مفاہمت نہیں ہو سکتی۔ آخر مسٹر جناح ہی تھے، جن ››

ریزولیوشن غیر ضروری طور پر لمبا ہے اور اس کا لب لباب چند الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے؛

ا۔ کانگرس کے خلاف الزامات کو دہرانا۔

۲۔ کسی دوسری پارٹی کے ساتھ سمجھوتے سے پہلے یہ شرط کہ وہ مسلمانوں کا خود مختاری کا حق اور پاکستان کا مطالبہ کرے۔

۳۔ حکومت کی جنگی کوششوں اور کانگریس کے ساتھ عدم تعاون۔

۴۔ کانگریس کی ناموزوں تحریک ستیہ گرہ اور اس کے مقابلے میں حکومت کی سخت

◂◂ سے ۱۹۱۶ء میں کانگریس نے وہ پیکٹ کیا تھا جو میثاق لکھنؤ کے نام سے مشہور ہے، لیکن پھر اس میثاق کو پس پشت ڈال کر ۱۴ رنکات تصنیف کیے، راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے موقعے پر گاندھی جی ۱۴ ر نکات کو تسلیم کر رہے تھے، مگر مسٹر جناح اور اُن کے ساتھیوں نے کانگریس کی ہر ایک منت و سماجت کو ٹھکرا کر یورپ کے ٹوریوں کے ساتھ ساز باز کر لی اور مشترکہ ہندوستان اور بالخصوص مسلمانوں کے مفاد کو برباد کر دیا۔ چناں چہ یکم نومبر ۱۹۳۱ء کو لندن سے رائٹر نے تار دیا تھا جو اخبارات میں شایع ہوا۔ تار کا مضمون تھا کہ ''معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں نے کانگریس کے تحفظات سے اختلاف کا اظہار کیا ہے، اس سلسلے میں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں نے قدامت پسند انگریزوں سے یہ خفیہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ مسلمانوں سے تحفظات منظور کرالیں گے جو برطانوی اقتدار کو قایم رکھیں گے اور کنزرویٹو انگریز مسلم مطالبات کی حمایت کریں گے'' (مدینہ ۵ر نومبر ۱۹۳۱ء/ ج ۲۰، ش ۷۹) اخبار بمبئی کرانیکل کے خاص نامہ نگار مقیم لندن نے یہ عجیب و غریب اور اہم خبر بھیجی کہ ''شاہنشاہیت پرست برطانوی مدبرین کو جب گاندھی جی کے نرم رویے سے گاندھی جی اور والیان ریاست کو لڑانے میں ناکامی ہوئی تو وہ اب مسلمانوں کو اپنے مقصد کا آلۂ کار بنا رہے ہیں۔ انھوں نے مسلمان مندوبین کو اس لیے متحد کر لیا ہے کہ وہ کامل آزادی کے حصول میں گاندھی جی کی کوششوں کو ناکام کریں۔ (مدینہ ۲۸ر ستمبر ۱۹۳۱ء/ ج ۲۰، ش ۶۹) اینڈین اینویل رجسٹر ۱۹۳۱ء/ ص ۶۱ پر درج کرتا ہے ''لندن کے بعض نمایندوں نے اشارہ کیا تھا کہ ان لوگوں (فرقہ وار لیڈروں نے جن میں مسٹر جناح اور ہز ہائی نس سر آغا خان پیش پیش تھے)، برطانیہ کے ٹوری لیڈروں سے خفیہ سازش کر لی تھی جن میں ممتاز لیڈر ''لارڈ لائڈ، لارڈ بنفورڈ'' لارڈ سڈنہم اور دوسرے لوگ تھے، جب کبھی کم زوری یا شکست کے آثار نمودار ہوتے تھے تو فرقہ وار لیڈروں کی پوری پوری حمایت ◂◂

گیرانہ پالیسی کو خاموش تماشائیوں کی طرح دیکھتے رہنا اور آرام سے زندگی بسر کرتے رہنا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ لیگ کی پوزیشن اب بھی وہی ہے جو پہلے تھی، گویا اس دوران میں کوئی خاص واقعہ ہی نہیں ہوا۔ کانگریس اور گاندھی جی دونوں نے کہا ہے کہ اگر مسلم لیگ اختیارات حاصل کر کے حکومت قایم کر لے تو وہ اس حکومت میں شامل ہونے کے لیے تیار ہیں۔ اسی طرح اگر ہندو اور مسلمان اپنے اختلافات کا تصفیہ کر لیں تو برطانوی حکومت بھی اختیارات منتقل کرنے کو تیار ہو جائے گی۔ برطانوی حکومت نے مکمل آزادی کے حق کو تسلیم کر لیا ہے اور اگر لیگ، کانگریس کی تجاویز پر غور کرنے پر آمادگی کا اظہار کرتی اور اس ضمن میں پہل کرتی تو مجھے یقین ہے کہ کانگریس بھی ان کے اس حق کو تسلیم کر لیتی، باقی چھوٹی چھوٹی باتیں دونوں پارٹیوں میں باہمی گفت و شنید سے طے ہو سکتی تھیں۔

مسلم لیگ نے ملک کی موجودہ نہایت ہی خطرناک صورت حالت کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کیا گیا ہے، اس کا جواب نفی میں ہے، کیا ان حالات میں کسی شخص کے لیے محض تماشائی بن کر خاموشی سے واقعات کو تکتے رہنا اور اس سے متاثر نہ ہونا ممکن ہے؟ لاٹھی چارج،

◄◄ کرتے تھے۔ ڈاکٹر سید محمود صاحب نے بیان دیا تھا: ''گاندھی جی نے لندن میں مسلمانوں کے چودہ نکات بے کم و کاست منظور کر لیے تھے، لیکن ہمارے نمایندوں نے گاندھی جی کی کچھ پروا نہیں کی، انھوں نے ناممکن مطالبات پیش کیے جن کا مسلمانوں کے مطالبات سے کوئی تعلق نہیں تھا، یہ نمایندے لندن میں یوروپین ایسوسی ایشن کے حامی اور پشت پناہ بن گئے (مدینہ یکم اگست ۱۹۳۲ء/ ج ۲۱، ش ۵۴، ص ۳) انھیں وجوہات کی بنا پر ہندوستان کے مشہور لیگی اخبار ''انقلاب'' نے ایک طویل مقالہ بہ عنوان ''مرکزی دستور کمیٹی کے مسلم ممبروں کے نامۂ اعمال''۔ شایع کیا تھا، اس مضمون میں تحریر کیا تھا: ''ان حالات میں اگر ہم یہ کہیں کہ مسلم ممبروں نے قوم کے ساتھ اور قوم کے حقوق کے ساتھ اور قوم کے مفاد کے ساتھ غداری کی تو یہ لوگ روئیں گے کہ انقلاب بے انصافی کر رہا ہے، لیکن ہمارے لیے اس فعل کو کھلی ہوئی غداری قرار دینے کے سوا چارہ نہیں، ان کی نیتیں نیک ہوں تو ہوں، ملک کو اس نیکی کی پوجا سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا، البتہ اس فعل کی بدی اور برائی سے ہولناک نقصانات کا دروازہ اس کے منہ پر کھل گیا؟ خدا ایسے نیک نیت خادمان ملت کی بلا سے نہیں تو کم از کم اُن کی ایسی خدمت کی بلا سے ہر قوم کو محفوظ رکھے۔

(انقلاب لاہور، ۶ فروری ۱۹۳۲ء)

گولیاں چلنا، ٹریفک بند ہو جانا، سرکاری ملکیت کو جلانا، سرکاری افسروں اور عوام کی ہلاکت، اجتماعی جرمانے اور حکومت کی طرف سے اس قسم کے اور احتیاطی سخت گیرانہ اقدام، کیا ان کا مسلمانوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا؟ میں مسلم لیگ کے تمام ممبران سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ملک کی اس تشویش ناک صورت حالات پر غور کریں اور واضح پالیسی کا فیصلہ کر کے قائداعظم اور لیگ کو اس ذمے داری کو سنبھالنے میں مدد دیں جو موجودہ واقعات کے پیشِ نظر مسلمانوں کے کندھوں پر آپڑی ہے۔

ایسے موقع پر میرے لیے خاموش رہنا ممکن نہیں تھا اور خاموش رہ بھی کون سکتا ہے۔ اگر میرے الفاظ سے کسی کے جذبات یا وقار کو نقصان پہنچا ہے جو دراصل میرا مدعا نہیں، تو میں اس کے لیے معافی کا خواستگار ہوں، مجھے امید ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس جلد از جلد بلایا جائے گا اور اس میں ملک کی حقیقی صورت حالات پر غور کرنا مناسب سمجھا جائے گا''۔ (سہ روزہ ''زمزم'' لاہور، ۳ر ستمبر ۱۹۴۲ء)

کانگریس کا ریزولیوشن اور حکومت کا فیصلہ:

اگست ۱۹۴۲ء: ''ہندوستان چھوڑ دو'' ریزولیوشن پاس ہونے کے بعد توقع تھی کہ حکومت ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھی رہے گی، اس لیے کانگریس نے اپنے ریزولیوشن میں یہ بات صاف کر دی تھی کہ تحریک کی قیادت گاندھی جی کریں گے اور ان کی ہدایات پر عمل کیا جائے گا، یہ بلا تشدد بغاوت حصول مقصد تک جاری رہے گی، اگر گاندھی جی اور کانگریس کے سرکردہ رہ نما گرفتار کر لیے جائیں تو عوام کے لیے عدم تشدد کی پابندی کرنا لازمی نہ ہوگا۔ جنگی کابینہ کے فیصلے کے مطابق صوبائی اور نچلی سطح کے سرگرم کانگریسیوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اب عوام کی رہ نمائی کرنے والا قابل ذکر رہ نما کوئی بھی جیل سے باہر نہیں تھا، وسیع گرفتاریوں کے باعث تحریک ابتدا سے ہی تشدد کا رخ اختیار کر گئی، توڑ پھوڑ، آتش زنی، سرکاری املاک کو نقصان پہنچانے کے واقعات، ریل کی پٹریوں کو اکھاڑنا، تار اور ٹیلیفون کے تار کاٹنا اور کھمبوں کو توڑ دینے کے واقعات نے امن و امان کی صورت حال کو تباہ کر دیا۔ تحریک کے مضبوط مراکز یوپی، سی پی، بہار، بنگال، بمبئی اور مدراس تھے۔

(ابوالکلام آزاد اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست: ص ۲۴۶)

حکومت نے فیصلہ کرلیا تھا کہ

۱۔ ریزولیوشن کی توثیق ہونے کے فوراً بعد کانگریس کے لیڈروں کو مع گاندھی جی کے گرفتار کرلیا جائے۔

۲۔ صوبائی اور آل انڈیا کمیٹیوں کو خلاف قانون قرار دے دیا جائے، دفاتر اور فنڈز ضبط کرلیے جائیں اور تمام سرگرم منتظمین کو حراست میں لے لیا جائے۔

۳۔ اگر یہ اقدامات سول نافرمانی کی تحریک کو کچلنے میں کامیاب ثابت نہ ہوں تو کانگریس کو مجموعی طور پر خلاف قانون جماعت قرار دے دیا جائے، ہنگامی اختیارات استعمال کیے جائیں اور کانگریس سے نمٹنے کے لیے مکمل اختیارات سے کام لیا جائے۔

(ایضاً: ص ۴۵۔۲۴۴)

عدالت (مرادآباد) میں حضرت شیخ الاسلامؒ کا بیان:

۱۹۴۲ء میں ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک کا ریزولیوشن پاس ہونے سے کچھ قبل: حضرت شیخ الاسلام گرفتار ہوئے اور مرادآباد کی عدالت میں آپ پر مقدمہ چلایا گیا۔ اس مقدمے میں حضرت نے جو تحریری بیان دیا تھا وہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے اس کا ایک حصہ جو تحریک آزادی کے سلسلے میں حضرت کے بنیادی افکار سیاسی کا آئینہ دار ہے الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر کے حوالے سے پیش کیا جاتا ہے۔

''انسان کی طبعی بات ہے کہ اس کو اپنے وطن عزیز سے اس قدر محبت ہوتی ہے کہ دوسری جگہوں سے نہیں ہوتی، جس سرزمین میں وہ پیدا ہوتا اور پرورش پاتا ہے، خواہ کتنا ہی تکلیف دینے والا ہو، مگر انسان کو اس کا کانٹا بھی دوسری جگہ کے پھولوں سے اچھا معلوم ہوتا ہے مشہور شعر ہے:

حب الوطن از ملک سلیمان خوشتر
خارِ وطن از سنبل و ریحاں خوشتر

مگر میں جب کہ اسکول میں پڑھتا تھا تو مجھ کو تاریخ اور جغرافیہ سے خصوصی دلچسپی پیدا ہوئی اور ہندوستان کی پرانی تاریخی عظمتوں اور جغرافیائی قدرتی ہمہ گیر برکتوں نے نہایت گہرا اثر کیا اور پھر اہل ہند کی موجودہ بے کسیوں کا اثر روز افزوں ہوتا رہا۔ طالب علمی کے

زمانے میں اس احساس میں ترقی ہی ہوتی رہی۔ اس زمانے کے ختم ہونے پر مجھ کو آزاد ممالک عرب، مصر، شام وغیرہ کی سیاحت اور قیام کی نوبت آئی، آزاد ملکوں کے باشندوں سے میل جول اور ان کے اوطان کی حالتوں سے آگاہی حاصل ہوئی، اس نے میری اپنے وطن سے محبت میں اور زیادتی پیدا کر دی اور اس احساس کو نہایت قوی کر دیا کہ آزادی کس قدر ضروری چیز ہے اور بغیر آزادی کے کسی ملک کے باشندے کس قدر بے بس اور اپنے وطن کی قدرتی فیاضیوں سے محروم ہوتے ہیں۔

میں نے دیکھا کہ یورپین، ایشیاٹک افریکن آزاد اقوام کس طرح اپنی آزادی کے گیت گاتی ہیں اور اس کے لیے ہر قسم کی قربانیوں کو ضروری سمجھتی ہیں۔ ان امور کے مشاہدے کی بنا پر مجھ میں وہ قومی جذبات پیدا ہونے ضروری تھے کہ جن کے ہوتے ہوئے میں ہندوستان کی محبت اور اس کی آزادی میں بیش از سعی اور جدوجہد میں کسی کوتاہی کو روا نہ رکھوں، اس پر یہ طرہ ہوا کہ گورنمنٹ برطانیہ نے مجھ کو میرے آقا حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ العزیز کے ساتھ جو کہ مسلمانوں میں آزادیٔ ہند کے سب سے بڑے علم بردار تھے، گرفتار کر کے ایک مہینہ ایجپٹ (مصر) میں جیزہ کے سیاسی قید خانے میں رکھا، وہاں مصریوں کا آزادی پسند طبقہ مقید تھا اس کے بعد مجھ کو ہم راہیوں کے ساتھ مالٹا بھیجا گیا جہاں پر آزاد ممالک یوروپیہ اور ایشیاویہ کے چوٹی کے سیاستدان اور فوجی لوگ مقید تھے، ڈیڑھ ہزار جرمن اور ڈیڑھ ہزار آسٹرین، بلگیرین، ٹرکش، عرب تھے۔ اس کیمپ میں ہم کو بھی چار برس ۱۹۱۶ء سے ۱۹۱۹ء تک رکھا گیا۔ ہم آپس میں روزانہ ملتے تھے اور دنیا کے تمام حالات اور تمام ملکوں کا مطالعہ اور بحث کرتے تھے۔ ان امور کا قدرتی طور پر جو کچھ نتیجہ ہونا چاہیے تھا وہ ہوا اور ضروری تھا کہ ہو۔ ۱۹۲۰ء جون میں پھر ہم کو ہندوستان لایا گیا جب ہم یہاں پہنچے تو خلافت کی تحریک زوروں پر تھی، جلیاں والا باغ کے واقعات، رولٹ ایکٹ اور مارشل لا وغیرہ کی مختلف جگہوں کی زیادتیوں نے ہندوستان کے تمام باشندوں میں کھلبلی ڈال رکھی تھی اور باامن جنگ اور نان کوآپریشن کی تحریک زوروں پر تھی۔ میں اس قدر متاثر ہو چکا تھا کہ میرا عقیدہ ہو گیا تھا کہ فرقہ واری کی تنگ دلیوں سے نکل کر تمام ہندوستانی قوم کو اور جملہ باشندگان ہند کو آزاد ہونا از بس ضروری ہے، میں نے بیرونی ممالک میں مشاہدہ کیا تھا کہ دوسرے ممالک میں ہندوستانی، خواہ مسلمان ہوں یا ہندو سکھ ہوں یا پارسی وغیرہ وغیرہ

ایک ہی نظر حقارت سے دیکھے جاتے ہیں اور سب کو نہایت ذلیل غلام کہا جاتا ہے، سب کو ایک ہی قوم دیکھا جاتا ہے اور بالمخصوص سپید نسل والے ان سبھوں کو بہت ذلیل جانتے ہیں اور بات بات پر ایسے طعنے اور ذلت آمیز کلمات کہتے اور معاملات کرتے ہیں کہ جن کا تحمل مشکل ہے۔

خلاصہ یہ کہ میں خلافت، کانگریس، جمعیت علما میں داخل ہو گیا اور نان وایلنس کو سیاسی عقیدہ بنا کر تحریک ترک موالات (نان کوآپریشن) کو اپنا عملی پروگرام بنالیا، اسی بنا پر میں ۱۹۱۹ء سے آج تک کانگریس اور جمعیت علما کا ممبر ہوں اور ان دونوں کے عقیدے میرے سیاسی عقیدے اور ان کے عملی پروگرام میرے دستور العمل ہیں۔ خلافت کی تحریک اگر آج موجود ہوتی تو میں اس کا بھی ممبر ہوتا۔ میرا قومی اور زوردار سیاسی عقیدہ ہے کہ جس طرح ہر انگریز، ہر فرانسیسی، ہر جرمنی، ہر امریکن، ہر جاپانی ضروری سمجھتا ہے کہ وہ اپنے وطن کو آزاد رکھے اور اپنے آپ کو کبھی کسی دوسری قوم کا غلام نہ ہونے دے اور ہر قسم کی قربانی کو اس راہ میں کم سمجھے اور اس جدوجہد کو ایک انگلستان کا اور دوسرے ممالک کا باشندہ اپنا فرض اور اپنے لیے باعث فخر و مباہات سمجھتا ہے بلکہ موت کو اس پر ترجیح دیتا ہے اور اسی کے لیے مسٹر چرچل اور دیگر ذمے داران برطانیہ کی تقریریں اور تحریریں برابر آتی رہتی ہیں، یہی فلسفہ ہندوستانی کا بھی ہے اور ہر ہندوستانی کا خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اس کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے۔ میں نے اس تحریک آزادی اور باامن جدوجہد میں نہایت سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا اور پھر کراچی کے مشہور کیس میں دو برس تک سابرمتی جیل کے اندر نہایت شرافت کے ایام گزارے۔ وہاں سے نکلنے کے بعد بھی برابر میں حسب پروگرام کانگریس اور جمعیت علما اسی جدوجہد میں مشغول ہوں اور مشغول رہا اور سیکڑوں جلسوں وغیرہ میں تقریریں کیں، متعدد خطبات اور رسالے لکھے مضامین شائع کرتا رہا۔ اس زمانے میں جب کہ جمعیت علما اور کانگریس نے اس جنگ کو ہندوستان کے دروازوں تک پہنچتے ہوئے دیکھا اور محسوس کیا کہ کہیں ان ایام میں جب کہ گورنمنٹ برطانیہ جنگ میں مشغول ہو گی اور اس کی تمام پاور اس کے دشمنوں کے مقابل ہو گی، اندرون ملک بدامنی اور لوٹ مار چوری اور ڈکیتی فرقہ دارانہ لڑائیاں، پرانی دشمنیوں اور خود غرضیوں کے جذبات ظاہر ہو کر کہیں تمام پبلک اور ملک میں ابتری اور ہلاکت نہ پھیلا دیں، ادھر مخالفین برطانیہ اور برطانیہ کی جنگی کارروائیوں کی وجہ

سے عام ہندوستانیوں کے لیے جو جو مصائب پیش آئیں گے ان سب کے دور کرنے کے لیے جماعت خدام خلق بنانا ضروری ہے اور سب کو خواہ کسی جماعت کے آدمی ہوں اور کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، منظم ہو جانا ازبس لازمی ہے۔ فرقہ وارانہ جذبات اور پرانی دشمنیاں مختلف عقائد سیاسیہ اور مذہبیہ کو اس وقت بھلا دینا اور سب کو خواہ دیہاتی ہوں، قصبات کے باشندے ہوں، خواہ شہری، منظم ہو جانا لازم ہے اس پروگرام کو اس وقت چلانا اور اس کی تلقین کرنا ضروری قرار دیا گیا تھا، میں چند مہینوں سے یہی کام کررہا ہوں اور اسی کی تلقین میں نے بچھراؤں کے اس جلسے میں کی تھی۔ افسوس یہ ہے کہ اس پروگرام کے متعلق جو کچھ میں نے کہا تھا رپورٹر نے اس کو یک قلم حذف کر دیا ہے۔ میں نے اپنی تقریر میں ان تمام اعتراضات کو ملحوظ رکھتے ہوئے تقریر کی تھی جو کہ فرقہ وارانہ جذبات کے بھڑکانے اور لوگوں کو لڑانے کے لیے ناعاقبت اندیش اور خودغرض لوگ کیا کرتے ہیں اور ان تمام امور کو پیش نظر رکھا تھا، جن کی بنا پر باوجود اختلاف عقائد و خیالات متحد اور منظم ہونا ضروری ہو جاتا ہے۔ مثلاً! کہا جاتا ہے کہ ہندو مسلمانوں میں لڑائی بھڑائی پرانے زمانے سے بلکہ ہمیشہ سے اسی طرح چلی آتی ہے، یا کہا جاتا ہے کہ مذہبی اختلافات اور عقائد کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ آپس میں لڑیں۔ کبھی گانے اور بجانے کا مسئلہ پیش کیا جاتا ہے، کبھی مختلف مقامات کے بلوے دکھائے جاتے ہیں، کبھی ہندوؤں کے مظالم پیش کیے جاتے ہیں، کبھی مسلمانوں کے مظالم پیش کیے جاتے ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس میں نے وہ ہلاکت آمیز مصیبتیں جو کہ ایام جنگ ہندوستان میں پیش آنے والی ہیں اور وہ مصائب جو کہ برطانوی حکام کی پالیسیوں سے ہندوستان کے باشندوں کو انتہائی فلاکت بلکہ ہلاکت کے گھاٹ اتار چکی ہیں اور ان کا خود انصاف پسند اور انسانیت کے ہمدرد مشہور انگریز اقرار کر رہے ہیں، دکھلائیں کہ ایسی مصیبت کے وقت میں ازبس ضروری ہو جاتا ہے کہ اپنے جھگڑوں کو چھوڑ دیا جائے اور مشترکہ مصیبت کو دور کرنے کی انتہائی کوشش عمل میں لائی جائے، گاؤں میں آگ لگتی ہے، سیلاب آتا ہے تو لوگ اپنے پرانے جھگڑوں، نسلی تمیز، اختلاف عقاید کو بھلا دینا ضرور سمجھ کر سب کے سب آگ بجھانے میں لگ جاتے ہیں۔ یہی حال تم لوگوں کا ہونا چاہیے، ہندوستان میں بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ہندوستانیوں کے موجودہ مسائب کو جو کہ برطانوی حکام کی غلط پالیسیوں سے پیدا

ہوتے ہیں جھٹلاتے ہیں اور غافل لوگوں کو دھوکا دے کر کہتے ہیں کہ یہ باتیں چند سر پھروں کی بنائی ہوئی ہیں۔ حال آں کہ واقعہ ایسا نہیں ہے۔ اس لیے میں نے تاریخی شہادتیں (جن میں سے بہت بڑا حصہ مجھ کو یاد بھی ہے اور بہت کثیر حصہ میرے پاس معتبر تاریخوں سے تحریری نوٹ میں ہے) معتبر انگریزوں کے حوالے سے پیش کی تھیں، ان کے ناموں اور عبارتوں میں خبط عشواء کیا گیا ہے۔ یہ نوٹ میرے پاس موجود ہیں جن کے ماخذ کو پوری تفصیل کے ساتھ پیش کر سکتا ہوں۔ خلاصہ ان کا ان پالیسیوں پر تنقید کرنا ہے جو کہ غلط کار برطانوی مدبرین نے ہندوستان میں جاری کر کے برطانوی قوم اور برطانوی امپیریلزم اور برطانوی تاریخ کو بدنام کیا ہے اور برطانوی رعایا کی بربادی کا سبب بنے ہیں۔ کسی پالیسی اور حکمت عملی اور سسٹم پر تنقید کرنا، اس پر پروٹسٹ اور احتجاج کرنا اس کو پبلک میں پیش کر کے اس کے خطرات کو بتلانا اور اس کے خراب نتائج کو مشہور کرنا نہ قانونا جرم ہے اور نہ اسے گورنمنٹ سے نفرت پھیلانا شمار کیا جاتا ہے۔ ہمیشہ سے انگلستان اور ہندوستان میں یہ طرز چلا آتا ہے اور یہ اس زمانے میں از بس ضروری ہے، ورنہ کوئی گورنمنٹ اندھیر نگری سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اس کو سر جان شور، سول میرٹ، ڈبلیو جی پیڈر، سر ولیم ڈگبی، ایس ٹاؤنسنڈ، لارڈ سالسبری، لارڈ ولیم بنٹک، بروکس، ایچ ایم ہنڈولن، ایڈورڈ ٹامسن، لارڈ کیننگ، ایچ ایچ ولسن، اے اے بروسل، پیٹر فریمین، ڈبلیو ایس بلنٹ، لارڈ نارتھ بروک، مسٹر سیکڈ انلڈ وغیرہ کہتے رہے ہیں۔ یقیناً یہ لوگ برطانیہ کے دشمن نہ تھے اور نہ برطانوی قوم یا حکومت سے نفرت پھیلانے والے تھے، ہاں! غلط کار مدبرین برطانیہ کو ان کی غلط کاریوں سے روکنا چاہتے تھے جس کا اقرار آج سر اسٹیفورڈ کرپس اور بہت سے بڑے سمجھ دار انگریز کر رہے ہیں اور وہی غلطیاں آج برطانوی قوم اور برطانوی شہنشاہیت کے لیے انتہائی مشکلات کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ میں کسی ہندوستانی شخص سے اپنے وطن کی محبت اور اس کی آزادی کی خواہش اور اس کے لیے حسب مقدرت جدوجہد کرنے میں پیچھے نہیں ہوں، مگر یہ اسپیچ محض اتحاد اور منظم ہونے اور امن وامان کو پھیلانے کے لیے کی گئی تھی۔ جس کو موجودہ بیان ہی سے ہر ایک سمجھ دار بلکہ معمولی سمجھ والا بھی سمجھ سکتا ہے۔ اس کو قابل اعتراض وہی شخص قرار دے سکتا ہے جو کہ اہل ہند کے اتحاد اور اتفاق کا مخالف ہے اور چاہتا ہے کہ ہمیشہ ان میں جوتی پے زار ہوتی رہے، خواہ ان پر کتنے ہی مصائب کیوں نہ آئیں اور

کتنے ہی بربادی پیش کیوں نہ آئے کبھی بھی یہ منظم نہ ہوں اور نہ آپس میں میل جول کریں۔

کیا تعجب کی بات نہیں ہے کہ مجھ کو اتحاد کانفرنس جھنگ مگھیانہ کی صدارت کے لیے سفر کرنے سے روکا گیا اور عین اس تقریر کو جو کہ اس اتحاد کے لیے کی گئی تھی باعث اعتراض قرار دیا گیا اور پھر اس تقریر میں جو میں نے دستور العمل پیش کیا تھا اس کو حذف کر دیا گیا اور جو نوٹ نقل کیے گئے اُن کو پورا نہیں لکھا گیا اور نہ ان انگریزوں کے صحیح نام لکھے گئے جن سے وہ منقول ہیں، نہ ان رسالوں یا اخباروں کو بتایا گیا جن میں یہ نوٹ موجود ہیں، نہ ان کی تاریخیں بتائی گئیں، حال آں کہ میری اسپیچ میں یہ سب تھا۔ میری عادت ہے کہ تقریر کرتے ہوئے ان سب چیزوں کا ذکر کیا کرتا ہوں۔ فاضل مجسٹریٹ صاحب نے چوں کہ نمبر گیارہ میں میری جملہ تقریر کا خلاصہ نتیجہ نکالا ہے اور یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں:

"آپ کی تقریر کے شروع کے حصے میں ایسے جملے استعمال کیے گئے ہیں جن سے یہ خیال ہوتا ہے کہ انگریزی سرکاری ہندو مسلمانوں کے لڑانے کا باعث ہے اور آپ کی کل تقریر سے انگریزی سرکار کی طرف سے نفرت پیدا ہوتی ہے"۔

اس لیے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اولاً جناب کو اسی نمبر کی طرف توجہ دلاؤں، دوسرے ابتدائی دس نمبروں کی تفصیل بعد میں عرض کروں گا اور چوں کہ اس نمبر کے دو حصے ہیں ایک کا تعلق ابتدائی تقریر سے ہے دوسرے کا کل تقریر سے۔ اس لیے میں اس کو دو حصوں الف اور ب میں تقسیم کر کے پہلے حصۂ الف کو پھر حصۂ ب کو پیش کروں گا۔

(حصۂ الف) جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ خود غرض اور نفاق پھیلانے والے کہتے ہیں کہ (۱) ہندوؤں اور مسلمانوں میں لڑائی بھڑائی ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔ (۲) مذہب کا یہی تقاضا ہے۔ (۳) اورنگ زیب مرحوم بہت متعصب بادشاہ تھا، ہندوؤں اور غیر مسلموں پر اس نے مذہب کے تعصب کی بنا پر بہت مظالم کیے ہیں۔ (۴) ان دونوں فرقوں میں کبھی اتفاق نہیں ہو سکتا وغیرہ وغیرہ، ان سب اعتراضوں کو دور کرنے اور غلط ثابت کرنے کے لیے میں نے ایک مشہور انگریز سیاح کپتان الگزینڈر ہملٹن کا قول پیش کیا تھا، یہ شخص شہنشاہ اورنگ زیب مرحوم کے زمانے میں ہندوستان آیا تھا اور یہاں پچیس برس تک مقیم رہ کر اورنگ زیب ہی کے زمانے میں واپس چلا گیا تھا۔ اس نے اپنا سفرنامہ دو جلدوں میں لکھا ہے، چیف جسٹس حیدرآباد دکن "نواب مرزا سمیع اللہ بیگ صاحب" نے اس سفر

نامے کے مختلف مضامین ترجمہ کر کے رسالہ ''ہند عہدِ اورنگ زیب'' میں شایع کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سفر نامہ جلد اول، ص ۱۲۷، ۱۲۸ میں در بارۂ شہر ٹھٹھہ ملک سندھ کپتان مذکور کہتا ہے۔

''ریاست کا مسلمہ مذہب اسلام ہے، لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے، ہندوؤں کے ساتھ رواداری پورے طور پر برتی جاتی ہے، وہ اپنے برت رکھتے ہیں اور تہواروں کو اسی طرح مناتے ہیں، جیسے کہ اگلے زمانے میں کرتے تھے، جب کہ بادشاہت خود ہندوؤں کی تھی، وہ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں لیکن ان کی بیویوں کو اجازت نہیں ہے کہ شوہروں کے مردوں کے ساتھ ستی ہوں''۔ (ہند عہدِ اورنگ زیب میں: ص ۷)

''شہر سورت کے متعلق کپتان مذکور صفحہ ۱۶۲ میں لکھتا ہے کہ ''اس شہر میں تخمیناً سو مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں لیکن ان میں کبھی کوئی سخت جھگڑے اِن کے اعتقادات وطریقۂ عبادت کے متعلق نہیں ہوتے، ہر ایک کو پورا اختیار ہے جس طرح چاہے اپنے طریقے سے اپنے معبود کی پرستش کرے۔ صرف اختلافِ مذہب کی بنا پر کسی کو تکلیف دینا اور آزار پہنچانا ان لوگوں میں بالکل مفقود ہے''۔

(صفحہ ۸) (الجمعیۃ، دہلی۔ شیخ الاسلام نمبر: ص ۱۲، ۱۳)

مسلم لیگ کی ذمے داری:

۲۰؍ اگست ۱۹۴۲ء: حیدر آباد کے معروف سیاستدان عبد اللطیف نے مسلم لیگ کی قرارداد پر ایک پریس بیان میں کہا:

''اب جب کہ کانگریس میدان سے نکل چکی ہے تو مسلم لیگ کا فرض تھا کہ وہ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان نیز ان دونوں جماعتوں اور حکومت کے درمیان باعزت مفاہمت کی فضا پیدا کرتی۔

مسٹر جناح کو چاہیے تھا کہ وہ اس موقعے پر مفاہمت کی زبردست کوشش کرتے۔ لیکن ان کی خواہش تو یہ ہے کہ دونوں پارٹیاں ان کے پاس آئیں اور پاکستان، جس کی تشریح نہیں کی گئی، ایک تحفے کے طور پر ان کی خدمت میں پیش کردیں۔

وطن کتنے ہی اندرونی اور بیرونی خطرے سے دوچار ہو لیکن مسٹر جناح کسی کے پاس

نہیں جائیں گے! کیا وجہ ہے؟ موصوف ملک کے دفاع کا اہم ترین مسئلہ چھوڑ کر پاکستان کی پکار لگا رہے ہیں۔

برطانوی حکومت نے کرپس تجاویز میں مسلمانوں کے لیے حق خود مختاری کو تسلیم کر لیا، کانگریس بھی اسے تسلیم کر چکی ہے۔ لہٰذا مسٹر جناح کو چاہیے کہ وہ گاندھی جی سے ملیں اور انھیں ایسے فارمولے پر راضی کریں جو حکومت اور اہلِ ہند کے لیے باعزت ہو''۔

(روزنامہ ''انقلاب'' لاہور۔ ۲۰ر اگست ۱۹۴۲)

بقول مدیرانِ روزنامہ ''انقلاب'' ڈاکٹر عبداللطیف نہ تو کسی پارٹی کے لیڈر ہیں اور نہ ہی کسی سیاسی جماعت سے ان کا کوئی تعلق ہے، وہ بے حد مخلص اور نہایت ہی بے لوث انسان ہیں۔ (جاں باز مرزا، کاروانِ احرار: ج ۵، ص ۲۷۸)

مسلم لیگ کی سیاست:

اگست ۱۹۴۲ء: سوشلسٹ لیڈر ڈاکٹر اشرف مسلم لیگ کی سیاست اور پاکستان کی تحریک کے بارے میں لکھتے ہیں:

''۱۹۴۲ء میں (جب جنگ عظیم ایک نازک مرحلے میں تھی) گاندھی جی نے ''کرو یا مرو'' کا معنی خیز پیام دے کر کانگریس کی ورکنگ کمیٹی اور اپنے لیے نظر بندی کی راہ نکال لی۔ مسٹر جناح نے اس موقع پر پاکستان کا مطالبہ یعنی ہندوستان کی تقسیم کی مانگ پیش کی اور پہلی بار مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ کانگریس کی ستیہ گرہ سے کنارہ کشی اختیار کریں۔ زیادہ اہم یہ عبرت ناک واقعہ ہے کہ دوران جنگ میں مسٹر برلا (کانگریس کے حامی) اور مسٹر اصفہانی (مسلم لیگ کے پشت پناہ) نے ہر ممکن طریقے سے روپیہ کمایا بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جس طرح ٹاٹا نے ابتدا میں چین کی افیم والی جنگ سے اپنا سرمایہ جمع کیا تھا اب مسلمانوں میں مسٹر اصفہانی نے بنگال کے قحط میں چاول کی ذخیرہ اندوزی سے یعنی فاقہ کشوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر اپنی مالی حیثیت بنائی۔ یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہے کہ دونوں سرمایہ داروں نے عین اُس زمانے میں ایک مشترکہ بنک کی بنیاد ڈالی جب پاکستان کے نعرے نے جگہ جگہ ہندو مسلم کشیدگی کی فضا پیدا کر دی تھی۔

۱۹۴۲ء میں مسٹر چرچل نے مسٹر کرپس کو ہندوستان بھیج کر حالات کا جائزہ لیا اور اب

برطانیہ نے تقسیم کار کا منصوبہ بنایا، مسٹر کوپلنڈ نے اس نئی پالیسی کی تشریح اور جواز کے لیے ایک کتاب لکھ کر زمین ہموار کرنا شروع کر دی۔ بہرنوع برطانوی سامراج نے اندازہ کرلیا کہ ''تحفظات اور گول میز کانفرنس کے وہ حربے جس پر اب تک اُن کا عمل رہا تھا جنگ کے پیدا کردہ حالات میں ناکامی ہیں اور اگر اُن کے اس تخمینہ میں کوئی تذبذب کا پہلو تھا تو وہ جنگ کے خاتمے پر ختم ہو گیا۔ اس لیے کہ اب سرخ جھنڈا برلن پر لہرا رہا تھا اور آدھے یورپ میں مزدور انقلاب ہو چکا تھا، دوسری طرف ہندوستان میں جہازیوں نے بغاوت کا اعلان کر کے کانگریسی، لیگی اور کمیونسٹ جھنڈے شاہی جہازوں پر لگا دیے تھے اور آزاد ہند فوج کے سپاہیوں کی آمد پر انگریز دشمن مظاہروں کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔

اس ماحول میں برطانیہ نے کیبنٹ مشن بھیج کر مئی ۱۹۴۶ء میں شملہ کانفرنس منعقد کی اور بالآخر ۳/جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم اور ہندوستان و پاکستان کی دو آزاد حکومتوں کے انعقاد کا فیصلہ ہو گیا۔ اس فیصلے کے مطابق ۱۴/اور ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو یہ دونوں حکومتیں وجود میں آگئیں۔ اس پورے دور میں جناح صاحب نے صرف اصفہانی سے مشورہ کیا اور کوئی دوسرا ان کی پالیسی بنانے میں شریک نہ تھا، یہ بھی واقعہ ہے کہ شملہ کانفرنس کے مسلم لیگی وفد کے جملہ اخراجات اصفہانی نے اُٹھائے تھے۔ یہ سمجھیے کہ مسلم لیگ کے برلا مسٹر اصفہانی قرار پائے''۔ (ہندوستانی مسلم سیاست از ڈاکٹر محمد اشرف: ص ۵۵۔۵۴)

پاکستان کا خواب پریشاں:

یہی رہنما جو بعض لیگی لیڈروں کے بھرے میں آکر پاکستان آ گئے تھے، کھلی آنکھوں سے پاکستان کے شب و روز کے حالات کا مطالعہ کیا تھا اور پھر اپنی جرأت اظہار کے نتائج سے گھبرا کر جان بچا کے بھاگے تھے۔ پاکستان کے مقاصد اور حالات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کانگریسی آزادی اور سوراج کے بالمقابل جب پہلے پہل مسلم لیگ اور قائداعظم جناح نے پاکستان کی اسلامی اور قومی آزاد حکومت کا مطالبہ پیش کیا تو سیدھے سادے مسلمان یہ سمجھے کہ خلافت راشدہ کا زمانہ پھر پلٹے گا اور جب یاروں نے سوشلزم اور کمیونزم سے بڑھ چڑھ کر خاکستان کی سماجی پالیسی کے خاکے بنائے تو پھر کون شقی القلب مسلمان ہوگا

جو اسے دین و دنیا کی فلاح کی واحد ضمانت نہ گردانے! مجھ سے چودھری خلیق الزماں کے علاوہ خود قائداعظم نے مسلم لیگ میں شرکت کی دعوت دے کر جانے کتنی بار فرمایا تھا کہ ہمیں ذرا پاکستان حاصل کر لینے دو پھر سوشلزم، کمیونزم جو چاہو بنا لینا اور میں نے اعلان پاکستان کے فوراً بعد جب صدہا مسلمان مہاجرین کے ساتھ جہاز میں کراچی کا سفر کیا تو وہ سماں میری آنکھوں کے سامنے آج بھی ہے جب ساحل پاکستان کے آتے ہی ہلالی پرچم لہرایا اور فضا قرآنی آیتوں اور تکبیروں سے گونج گئی اور قریب قریب سب کی آنکھوں میں آنسو تھے گویا مکہ سے مہاجرین کا قافلہ انصار کی دعوت پر مدینہ پہنچ رہا ہے اور اب دولت باہمی ضرورت کے لیے مساوی طور پر تقسیم ہوگی اور اصحاب صفہ کی فاقہ مستی بھی سرمایۂ ناز و افتخار ہو جائے گی۔ اس موقعے پر میں کہیں یہ کہہ بیٹھا کہ ہندوستانی مفاد پرستوں کی طرح پاکستانی رہنما بھی جنگ زرگری میں مبتلا ہیں تو میری جان کی خیر نہ تھی۔ بہ ہر نوع ابھی چند ہفتے ہی گزرے ہوں گے کہ قائداعظم جناح نے بہ حیثیت صدر ریاست بمبئی کے مسلم سرمایہ داروں کی سوتی مل مسمی ''ولیکا ملز'' کا افتتاح فرمایا اور اپنے خطبے میں صنعتی سرمایہ داری کی خیر و برکتوں کا کچھ اس انداز سے ذکر فرمایا جیسے کوئی دین دار لیلۃ القدر میں نزول رحمت کی بشارت دے۔ یوں سمجھیے کہ پاکستان کے طفلِ نومولود کی بسم اللہ خوانی کی رسم ادا ہوگئی اور اب اس کے بڑھان اور شوخیوں کے لیے راہ ہم وار ہوگئی۔

چند مہینوں میں اسلام کے نام لیواؤں کے دن پھرے اور اب دیکھیے تو ان ٹٹ پونجیوں کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ فراہم ہوگیا، کسی نے ہندو شرن آرتھیوں کی کوٹھیاں سنبھالیں کسی نے سنیما اور دکانوں پر قبضہ کر لیا، جو بچ رہے انھیں دست غیب سے پرمٹ اور سرکاری ٹھیکے نصیب ہوگئے۔ غرضے کہ جنھوں نے کبھی ہزار روپے آنکھوں سے نہ دیکھے تھے وہ لاکھوں کے مالک بن بیٹھے۔ وزیروں اور بڑے بڑے وکیلوں اور افسروں کا کہنا ہی کیا ہے۔ کسی کی کوٹھیوں سے ۵ ہزار ماہوار کرایہ آتا ہے کسی کے امریکن اور برطانی سرمایہ داروں نے دس ہزار ماہانہ قانونی مشورہ دینے کے لیے فیس باندھ رکھی ہے۔ صدر کے داماد ایک منچلے نے ۵۵ لاکھ کی لاگت سے ہوٹل بنا لیا۔ بالآخر جب اللہ کی دین اپنے عروج پر پہنچی تو بہ قول بھٹو کے خود صدر حکومت نے ایک کروڑ روپیہ مجرموں کی حمایت و امداد سے کما لیا، اُن عہدہ داروں کی آمدنیوں کا ذکر فضول ہے، جنھوں نے پاکستانی وسائل پیداوار کو بیرونی حکومتوں

کے ہاتھ اونے پونے میں بیچ ڈالا۔ غرض کہ مسلم متوسط طبقہ جس نے پاکستان کے حصول کے لیے دین وایمان کا واسطہ اور غیرت اسلامی کی قسمیں دلا کر مسلمانانِ ہند کی حمایت حاصل کی تھی اب اُس کے وارے نیارے تھے۔ رہے عام مسلمان! سو ان کا ذکر خیر ایک پر جوش حامیِ پاکستان اور نوجوان مسلم لیگی رہ نما سے سنیے، عبدالغفار خیری روزنامہ جنگ کراچی کی اشاعت مورخہ ۲۵ر ستمبر ۱۹۵۹ء میں پاکستان کی عام زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

''اقتدار کی جنگ، نفع اندوزی، رشوت، پگڑی، چور بازاری حرام خوری، اغوا، زنا، نوزائیدہ بچوں کی لاشیں، جیب تراشی، چوری رہزنی، آبروریزی، خود ستائی، نفس پرستی، سر بازار بے حیائی، غرض کیا کہوں کہ کیا کچھ نہیں ہے، اگر نہیں نظر آتا تو صرف اسلام نظر نہیں آتا۔ ریڈیو پروگرام دیکھیے، بازاروں اور سڑکوں پر جائیے، چائے خانوں کی سیر کیجیے، جو کچھ سماعت میں اور جو کچھ مناظر دیکھنے میں آتے ہیں ان کو میری ناقص عقل وفہم سمجھنے سے قاصر ہے۔ پاکستان کے مولوی صاحبان، اکابر اور لیڈروں سے بہ صد ادب درخواست کروں گا کہ وہ پہچان یا پہچانیں بتائیں کہ جس سے حکومت پاکستان کو ''اسلامی حکومت'' کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی رہ نمائی کریں''۔ (بہ حوالہ رسالہ پگڈنڈی، امرتسر شمارہ اگست ۱۹۶۰ء، ص ۳۲، خورشید مصطفیٰ، ''آنکھیں میری باقی ان کا'')۔ (ہندستانی مسلم سیاست، از ڈاکٹر محمد اشرف/ص ۷۳۔۷۲)

حضرت شیخ الاسلامؒ کا ایک تاریخی مکتوب:۔

۱۹۴۲ء: حضرت کا یہ مکتوب مبارک ملتان کے مولانا خدا بخش کے نام ہے، انھوں نے حضرت سے دریافت فرمایا تھا کہ موجودہ تحریک کے بارے میں جمعیت علمائے ہند کا فیصلہ کیا ہے؟ اس زمانے میں ''ہندوستان چھوڑ دو تحریک'' چل رہی تھی، حضرت اس تحریک کے آغاز سے پہلے ہی گرفتار کیے جا چکے تھے اور مراد آباد جیل میں قید تھے۔ حضرت نے انھیں لکھا:

محترم المقام زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، افضل الجھاد کلمۃ العدل عند

سلطان جائر (ترمذی) ''یعنی ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات کہنا سب سے بڑا جہاد ہے''۔ اور آزادیٔ وطن کی جدوجہد ہر مسلمان پر فرض ہے۔ آزادیٔ وطن ہی آزادیٔ ملت کا ذریعہ ہے اور آزادیٔ وطن کے بعد ہی اسلامی احکام نافذ کیے جاسکتے ہیں۔ مغلوب و مقہور رہ کر غلامانہ زندگی پر قناعت کرنا اسلامی نقطۂ نظر سے قطعاً حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من مات ولم یغز ولم یحدث به نفسه مات علی شعبة من النفاق" (مسلم) ''یعنی جس شخص نے زندگی بھر جہاد نہ کیا اور نہ جہاد کا جذبہ اس کے دل میں پیدا ہوا اور اسی حالت میں مر گیا وہ ایک قسم کے نفاق کی حالت میں مرا''۔ اور اسلام اس لیے ہے کہ بلند و بالا ہو کر رہے، چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الاسلام یعلو ولا یعلی ''یعنی اسلام بلند رہتا ہے پست نہیں ہوتا'' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَخافُوا وَلَا تَحزَنُوا وَ اَنتُمُ الْاَعلَوْنَ. ''یعنی خوف مت کرو اور غمگین مت ہو تم ہی سب سے بلند ہو اگر تم مؤمن ہو''۔ قرآن کہتا ہے مسلمان اس لیے ہے کہ اپنی خدمات اور قربانیوں سے تمام انسانوں کو فائدہ بخشے اور عدل و انصاف کے قوانین نافذ کرے۔ فسق و فجور، ظلم و تعدی کی جڑیں اکھاڑے۔ چناں چہ ارشادِ ربانی ہے: کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنکر. ''تم سب سے بہتر جماعت ہو تم انسانوں کی نفع رسانی کے لیے پیدا کیے گئے ہو، اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو اور خدا پر یقین و ایمان رکھتے ہو، نیز خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ، اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم کرتا ہے اور رشتے داروں کی امداد کا حکم کرتا ہے اور فحش اور بری باتوں سے منع کرتا ہے۔ چوں کہ برطانوی شاہنشاہیت غاصبانہ اور ظالمانہ طور پر عرصے سے ہندوستان پر اپنا فولادی پنجہ گاڑے ہوئے ہے، بلاتفریق ہندو اور مسلمان تمام ہندوستانیوں کے ذرائع معاش اپنے قبضے میں کر کے ان کو بھوک اور افلاس کی آخری حد تک پہنچا دیا ہے، خدا کی پناہ! حد ہوگئی۔ ہندوستان جیسے زرخیز ملک میں غلے پر بھی لائسنس ہے اور روٹی کا ملنا دشوار ہے، نیز ہندوستانی کو نہتا کر کے اس کو بے بس کر دیا ہے، ہندوستانیوں کو اپنے مذہب سے بے زار کر کے تمام مذاہب کو فنا کے قریب پہنچا دیا ہے اور پھر بھی تعلیم یافتہ کو زندگی گزارنی دشوار ہے، بلاتفریق مذہب ہر ہندوستانی کو اس کے مقابلے میں گورے چمڑے والے بدیشیوں کو

بلند و برتر مانا جاتا ہے، ان کی تنخواہیں اور بھتے دو چند اور سہ چند و دیگر ذرائع آمدنی ان کے لیے وسیع اور لطف یہ کہ ہندوستانیوں کے روپیہ سے یہ سب کچھ کیا جاتا ہے۔ کالے ہندوستانیوں کے پیٹ کا ٹکڑا کاٹ کر اور ان کے بچوں کو مرض اور جہالت میں مبتلا کر کے اپنی ناپاک سے ناپاک خواہشات پوری کی جارہی ہیں، ہندوستانیوں کی نہ عزت محفوظ نہ آبرو نہ دولت نہ ان کی جان کی قیمت ہے نہ ان کی وفاداری کی قدر ہے یہ کتوں سے بھی زیادہ ذلیل سمجھے جاتے ہیں، پھر شاہنشاہیت کی اتنی ظالمانہ اور وحشیانہ اغراض کو محفوظ رکھنے کے لیے برطانیہ تین سال سے دوسری حکومتوں سے برسرِ پیکار ہے اور ان کو اپنی مرضی کے خلاف طرح طرح سے مجبور کر کے وحشیانہ جنگ میں شرکت کے لیے مجبور کیا جارہا ہے۔ مثلاً ہندوستان کا کروڑوں من غلہ جو ہندوستان کو کم از کم دو سال افراط کے ساتھ کافی ہو سکتا ہے، غیر معلوم مقدار میں باہر بھیج دیا گیا۔ چند سرمایہ داروں کے سوا ایک ایک ہندوستانی قحط اور فاقے میں مبتلا ہے اور پیٹ کے دوزخ کو بھرنے کے لیے جنگ کے کاروبار میں شرکت پر مجبور ہے اور ان انسانیت سوز وحشیانہ سفاکانہ حرکتوں سے بے قرار ہو کر اگر کوئی ہندوستانی سچی آواز بلند کرتا ہے تو گولی، پھانسی یا قید و بند کے ذریعے سے اس کو دبا دیا جاتا ہے، وہ بڑے بڑے پیشوا اور لیڈر جن کی ہندوستانی یہاں تک عزت کرتے ہیں کہ امیر الہند، شیخ الاسلام اور مہاتما جی کہلاتے ہیں، اُن کو نہایت مغرورانہ، ظالمانہ اور متکبرانہ طور پر جیل میں ٹھونس دیا گیا ہے اور اس طرح ہندوستانی کی بے عزتی اور ذلت پر مہر لگادی گئی ہے، ہندوستان کے علاوہ افغانستان، ایران، عراق، مصر، فلسطین، حجاز وغیرہ اسلامی ممالک بھی انھی مصیبتوں کا شکار بنے ہوئے ہیں اور افسوس کہ ان تمام ممالک کی مصیبت صرف ہندوستان کی غلامی کے سبب سے ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کا مذہبی اور دینی فرض ہے کہ ان ظالمانہ شہنشاہیت کے بارگراں کو جلد از جلد ہندوستان سے ہٹا کر عدل وانصاف کی حکومت قایم کرے۔ اگر اس جدو جہد میں اس کی جان بھی کام آجائے تو سراسر سعادت اور نص حدیث کے بہ موجب شہادت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی: من قتل دون مالہ فھو شہید و من قتل دون دمہ فھو شہید و من قتل دون دینہ فھو شہید و من قتل دون اھلہ فھو شہید او کما قال (ترمذی) یعنی جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے خون کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے اور

جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو اپنے گھر والوں کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے۔

ہندوستان کی ایسی زبوں حالی، تباہی اور بربادی اور برطانوی چیرہ دستیوں سے تنگ آکر ہندوستان کی سب سے بڑی مشترک سیاسی جماعت انڈین نیشنل کانگریس نے ہندوستانیوں کے تمام مذاہب اور ہر ایک مذہب کے کلچر، معاشرت، زبان، رسم الخط کی آزادی تسلیم کرتے ہوئے برطانوی شاہنشاہیت کو ہندوستان سے نکال دینے کی جدو جہد شروع کردی۔ ٦ تا ٨/ اگست ۱۹۴۲ء کے بمبئی کے اجلاس میں کانگریس نے یہ اصول بھی تسلیم کرلیا ہے کہ جملہ صوبہ جات آزاد ہوں گے اور مرکز کو صرف وہی اختیارات دیے جائیں گے جو صوبہ جات طے کردیں، باقی تمام مصرحہ و غیر مصرحہ اختیارات صوبہ جات کو ہوں گے، نیز یہ کہ اگر کسی صوبے کی اکثریت اپنے مرکز سے علاحدہ ہونا چاہے تو اس کو یہ حق حاصل ہے اور یہ علاحدہ ہونے والے صوبہ جات اپنا علاحدہ مرکز بھی بنا سکتے ہیں۔ طرح طرح کے بہانوں سے مسلمانوں کو بزدل بنا کر جدو جہد آزادی سے علاحدہ رکھنے کی کوشش عرصے سے کی جارہی ہے۔ لیکن حالات مذکورۂ بالا کے پیش نظر مسلمانوں کو بھی گنجایش نہیں رہی کہ وہ جدو جہد آزادی میں دوسری قوموں کے دوش بہ دوش رہ کر قربانیاں پیش کرنے سے تامل کرے۔ بلکہ اس کا فرض ہوتا ہے کہ برطانوی شاہنشاہیت کے نظام کو بے کار کرنے میں پوری کوشش کرے، یعنی عدم تشدد کے اختیار کردہ اصول کی پابندی کرتے ہوئے ایسی رکاوٹیں پیدا کرے کہ موجودہ حکومت کا کوئی کام نہ چل سکے۔ مثلاً اسکول، کالج، سرکاری دفاتر، کارخانے، فیکٹریاں، کچہریاں بند کردی جائیں اور ملازمین ہڑتال کردیں، ایسا نہ کریں تو پرامن پکٹنگ کی جائے اور جو ملازمین آڑے آئیں ان کا بائیکاٹ کردیا جائے۔ کارخانوں میں کام کرنے والے کام بند کردیں اور کوئی سرکاری آرڈر پورا نہ کیا جائے۔ لگان اور ہر ایک ٹیکس بند کردیا جائے۔ حکومت کا کوئی مطالبہ پورا نہ کیا جائے۔ نوٹ ہرگز نہ لیے جائیں، جو لیے جائیں وہ واپس کرکے روپیہ فراہم کیا جائے، بینکوں سے روپیہ واپس لیا جائے۔ اپنی مکمل آزادی کا اعلان کرتے ہوئے گاؤں گاؤں اور محلے محلے میں پنچایتیں بنائی جائیں۔ نوجوانوں کی حفاظتی جماعتیں تیار کی جائیں۔ پنچایتیں تمام جھگڑوں کا فیصلہ کریں یعنی جماعتیں حفاظت کی جملہ ضروریات کی ذمہ دار ہوں، مسلمان کسی بہتر شخص کو اپنے سے

امیر بنالیں، چوں کہ بدامنی کا دور بہ ظاہر طویل عرصے تک چلے گا، لہٰذا یہ پنچایتیں نوٹ کے بجائے روپیہ، سونا، چاندی جمع کرلیں اور بالخصوص مسلمانوں کے لیے امارت شرعیہ کا نظام نہایت ضروری ہے۔ حضرت جلّ مجدہٗ کا ارشاد ہے: تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ " یعنی نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو گناہ اور ظلم میں دوسروں کی امدادمت کرو"۔ مگر اس تمام تحریک میں قرآن پاک کے اصول: وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ کی سختی سے پابندی جائے جس کی طرف قرآن پاک کی یہ آیت اشارہ کررہی ہے کُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ، "یعنی اپنے ہاتھوں کو روکو اور نماز قایم کرو یعنی کسی کا مال نہ چھینا جائے، لوٹ مار، چوری ڈاکہ، ماردھاڑ، ظلم وستم، عصمت دری ہرگز ہرگز نہ ہو۔ اس جدوجہد کے ساتھ مذہبی عبادات اور مذہبی احکام کی پابندی کرو سنا گیا ہے کہ جن مواضعات میں فوج متعین کردی گئی ہے وہاں سپاہیوں نے ہماری ماؤں بہنوں کے ساتھ انسانیت سوز حرکتیں کیں اوران کو بے آبرو کیا، لوٹا کھسوٹا؟ یہ افواہ اگر غلط بھی ہو تب بھی فوج اور پولیس سے ایسی حرکتیں بعید نہیں جرمن اور جاپانی بھی وحشت میں کسی سے کم نہیں۔ لہٰذا ان کو سمجھا دیا جائے کہ ایسے خطرات کے موقع پر سب ہندو ہوں یا مسلمان، امیر ہوں یا غریب ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں اور کم از کم چاقو، درانتی یا گنڈاسا جیسی کوئی چیز اپنے پاس رکھیں، اپنی حفاظت خود کریں، اپنی جان سے زیادہ عصمت وآبرو کی حفاظت کریں، اس حفاظت میں اگر مسلمان عورتوں کی جان بھی جاتی رہے تو یقیناً شہید ہوں گی۔

جمعیت علما کا یہ پروگرام خود پڑھیے اور دوسروں کو سنایئے اور اس کی اشاعت میں پوری کوشش فرما کر اپنا فرض ادا کیجیے۔

اگر آپ اپنے طور پر یا مقامی کانگریس کے ذریعے کسی قسم کی پریس میں کسی صورت سے بھی اس کو طبع نہ کراسکیں تو کم از کم ایک نقل اپنے پاس رکھ کر یہ کاپی دوسروں کو دی جائے۔

کاغذ دے کر ہندوستان کا بے شمار سونا گیا ہے اور امریکہ کے پاس گروی رکھ دیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ برابر جاری ہے، کانگریس کے حامی ہو یا مخالف بہرحال تمھیں اپنی پونجی کی فکر کرنی ضروری ہے۔ تم اگر تحریک کے مخالف ہو تو تم سے کسی قربانی کے لیے یا موافقت کے لیے تمھیں کہا جارہا ہے، بلکہ تمھیں سمجھایا جارہا ہے کہ دھوکے سے بچو، بے قیمت کاغذ لے کر اپنی دولت بربادمت کرو، نہ انگریزی حکومت کا کچھ اعتبار ہے، نہ اس کے بینکوں کا۔ نہ

نوٹوں کا، لہٰذا اگر تم اپنی پونجی محفوظ کرنا چاہتے ہو تو.........

الف۔ کوئی نوٹ بالخصوص ایک روپیہ والا یا پانچ والا نوٹ مت لو۔

ب۔ جس قدر نوٹ آپ کے پاس ہوں ان کے بدلے میں روپیہ یا سونا چاندی فراہم کرلو۔

ج۔ تمھاری جس قدر رقوم بینکوں میں ہیں ان کو واپس لے لو۔

د۔ نوٹوں کے بدلے میں کوئی چیز مت فروخت کرو۔ گاؤں کے کاشت کار غلہ اس وقت فروخت کریں جب ان کو یقین ہو جائے کہ بدلے میں نوٹ نہیں دیے جائیں گے۔ والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔ مراد آباد

(مکتوب شیخ الاسلام: ج ۴، ص ۵۴۔ ۱۵۰)

''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک کے نتیجے میں:

۲/ اکتوبر ۱۹۴۲ء: کانگریس کے ''ہندوستان چھوڑ دو ریزولیوشن'' پاس ہونے کے بعد پہلے سات ہفتوں میں جو حالات پیش آئے تھے ان کی تفصیلات حکومت ہند کے محکمۂ داخلہ کے ایک تار میں بیان کی گئی ہیں جو اس نے ۲/ اکتوبر کی صبح کو سات بجے نئی دہلی سے روانہ کیا تھا۔

فوج، پولیس ریلوے، پوسٹ اینڈ ٹیلی گراف، دیگر سرکاری محکموں کے بارے میں ہیں۔ محکمۂ داخلہ کا کہنا تھا کہ یہ اعداد و شمار ہنوز غیر مکمل ہیں خاص کر املاک کے نقصان کے بارے میں تفصیلات یہ ہیں:

(الف)۔ فوج کی فائرنگ سے ۳۱۲ افراد جاں بحق ہوئے اور ۱۵ زخمی، فوج کے گیارہ افراد ہلاک ہوئے اور سات شدید زخمی، علاوہ ازیں ریلوے کے حادثات میں تین اموات ہوئیں جب کہ ۲۷ کو زخم آئے۔

(ب)۔ پولیس نے ۳۶۷ مرتبہ گولی چلائی۔ اس سے ۴۷۴ آدمی مارے گئے جب کہ ۲۲۵ا زخمی ہوئے۔ پولیس کے ۳۴ا افراد ہلاک ہوئے اور ۵۳۶ شدید زخمی۔ علاوہ ازیں بڑی تعداد میں پولیس کے آدمیوں کو معمولی زخم آئے، ۷۰ا تھانوں کی عمارتوں کو یا تو بالکل تباہ

کر دیا گیا یا نقصان پہنچا۔

(ج)۔ ریلوے عملے کا ایک شخص ہلاک ہوا اور ۲۱ زخمی ہوئے، ۲۷۶ ریلوے اسٹیشنوں پر حملے ہوئے، ان کی عمارتوں کو نقصان پہنچا اور تباہ کر دی گئیں، گاڑیوں کو پٹریوں سے اتارنے کے ۴۵ واقعات ہوئے۔

(د)۔ پوسٹ اینڈ ٹیلی گراف کے اسٹاف کا ایک شخص مارا گیا ۲۳ زخمی ہوئے۔ ۸۰۹ ڈاک خانوں پر حملے ہوئے، ۵۶ تباہ کر دیے گئے، ۳۶۷ کو شدید نقصان پہنچا۔ ۶۰۰۰ مقامات پر ٹیلی گراف اور ٹیلی فون کے نظام کو درہم برہم کر دیا گیا۔ نقدی، ڈاک کی ٹکٹوں اور دیگر قیمتی اشیا کے نقصان کا تخمینہ دو لاکھ تین ہزار روپے ہوتے ہیں۔ اس میں آلات اور عمارات کے نقصانات کا تخمینہ شامل نہیں ہے۔

(ر)۔ دیگر سرکاری محکموں کے ۱۱/ افراد ہلاک اور ۲۴ شدید زخمی ہوئے اور ۱۸۰ سرکاری عمارات تباہ کر دی گئیں،

صوبوں میں گرفتار شدگان کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکی اگرچہ سی، پی میں ۴۸۰۰ سے زائد گرفتاریاں ہوئی ہیں۔ صرف بمبئی شہر سے ۲۶۰۰/ افراد کو گرفتار کیا گیا۔ نظر بندوں اور سزا یافتگان کے اعداد و شمار ہنوز غیر مکمل ہیں۔ اب تک کی اطلاعات کے مطابق پانچ صوبوں میں ۴۹۴۰/ افراد گرفتار کیے گئے اس میں یو پی، مدراس اور بہار کے صوبے شامل نہیں ہیں۔

۵/ اکتوبر ۱۹۴۲ء: آج سندھ کے چیف وزیر اعظم خان بہادر اللہ بخش نے وائسرائے ہند لارڈ لن لتھگو کو ایک خط کے ذریعے مطلع کیا کہ وہ ہندوستان کو آزادی نہ دینے کے بارے میں برطانوی حکومت کی پالیسی کے خلاف بہ طور احتجاج ''خان بہادر'' کا خطاب واپس کرتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کے ساتھ حکامِ جیل کا نامعقول رویہ:

۷/ اکتوبر ۱۹۴۲ء: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحبؒ ڈاکٹر کے اے کا ٹجو سابق وزیر یو پی، حافظ محمد ابراہیم صاحب سابق وزیر یو پی، حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیت علمائے ہند وغیرہ اسیران و نظر بندان صوبۂ یو پی کے ساتھ جو نا

روا زیادتیاں جیل میں کی جارہی ہیں اُن کے خلاف سید محمد احمد صاحب کاظمی ایم، ایل، اے نے ۲۳ ستمبر کو مرکزی اسمبلی میں التوا کی حسب ذیل دو تحریکیں پیش کیں:

۱۔ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، اسیر سیاسی (اے کلاس) ڈسٹرکٹ جیل مراد آباد اور ڈاکٹر کاٹجو نظر بند الٰہ آباد جیل و نیز دیگر نظر بندانِ صوبۂ یوپی کے ساتھ جو ناروا اور سخت طرزِ عمل اختیار کیا گیا ہے، کہ نہ خط و کتابت کی اجازت ہے نہ ملاقات کی، نہ اخبارات دیے جاتے ہیں اور نہ خرچ خوراک ضرورت کے مطابق دیا جاتا ہے، نہ یہ اجازت ہے کہ اپنے ذاتی خرچ سے اپنی ضرورتیں پوری کر سکیں، ان کے متعلق بحث کے لیے یہ ایوان ملتوی کیا جائے۔

جواب: (صدر اسمبلی) کیا یہ صوبہ جاتی معاملہ نہیں ہے، جس کا تعلق محض صوبہ سے ہے۔

جواب: (کاظمی صاحب) ڈاکٹر کاٹجو کو گورنمنٹ ہند کی جاری کردہ دفعہ ۲۶ ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت بند کیا گیا ہے، لہٰذا گورنمنٹ ہند اُن کے لیے ذمے دار ہے۔

جواب: (ہوم سکریٹری) یہ اصحاب گورنمنٹ آف انڈیا کے احکام کے ماتحت گرفتار نہیں ہوئے ہیں، ان لوگوں کے خلاف حکومت صوبہ نے کارروائی کی ہے، مرکزی حکومت کو ان کے متعلق کوئی اطلاع نہیں اور یہ معاملہ صوبے کی حکومت سے متعلق ہے۔

۲۔ مسٹر پریزیڈنٹ! (آنریبل سر عبدالرحیم) اگلی تجویز بھی اسی نوعیت کی ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ اب یہ ایوان ایک اہم پبلک معاملے پر بحث کرنے کے لیے ملتوی کیا جائے یعنی صوبۂ یوپی میں نظر بندوں کا ایک تیسرا درجہ بنایا گیا ہے، جن کو خرچ ڈاک کے لیے صرف ۴ رپے دیے جاتے ہیں، سہارن پور جیل میں ۳۱ راگست کی شب کو بہت سے سیاسی نظر بندوں کو مار پیٹ کے بعد اس درجے میں کر دیا گیا ہے، بابو اجیت پرشاد جین سابق پارلیمنٹری سکریٹری، ٹھاکر پھول سنگھ ایم ایل اے سابق چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈ سہارن پور کو اسی تیسرے درجے میں رکھا گیا ہے۔ اور مذکورہ بالا تمام سختیاں ان پر بھی ہو رہی ہیں، اس کا جواب بھی ہوم سکریٹری نے وہی دیا کہ حکومت ہند کو اس کا کوئی علم نہیں اور یہ حکومت صوبہ سے متعلق معاملہ ہے الغرض محرک کو تحریک التوا کی اجازت نہیں ملی۔ (محمد وحید الدین قاسمی دفتر جمعیت علمائے ہند، دہلی) (زمزم۔ لاہور، ۷؍اکتوبر ۱۹۴۲ء، ص ۸)

حضرت شیخ الاسلامؒ کا ایک تاریخی خط:

۷/ستمبر ۱۹۴۲ء: مراد آباد جیل سے حضرت مرحوم نے اپنے ایک نیاز مند اسد اللہ خان رئیس بگرا سی ضلع بلند شہر کے نام ایک مکتوب گرامی تحریر فرمایا ہے۔ یہ مکتوب حضرت کے صبر، استقامت اور ملک کی آزادی کی راہ میں شداید و مصائب برداشت کرنے اور راضی بہ رضائے الٰہی کی ایسی تصویر ہے جو حضرت کی سیرت کے سوا کسی اور جگہ بہت کم نظر آئے گی۔ حضرت کا مکتوب سامی یہ ہے:

محترم المقام زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے جس ہمدردی اور جن عنایات کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ میں اُن کے شکریے سے قاصر ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہاں میں فائز المرام فرمائے اور اپنی خوشنودی سے نوازے۔ میں بحمد اللہ خیر و عافیت سے ہوں اور بہت زیادہ مطمئن الخاطر ہوں اور افضال خداوندی سے اُمید دار ہوں کہ نتائج بہتر پیدا ہوں، ملاقات اور اخبار اور ڈاک جب سے نئے لوگ گرفتار ہو رہے ہیں، بند ہے۔ تنہائی جس قدر بھی مل جائے مطمئن اور خوش و خرم رہتا ہوں۔ اجتماع میں وہ بات کہاں:

دِل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

جو فراغت یہاں ہے باہر کب نصیب ہوتی تھی۔ بہ ہر حال اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے اور راضی رہتا ہوا جس حالت میں رکھے اس پر شاکر رہنا فریضۂ عبودیت ہے۔ ہم کو اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے، آمین، آپ حضرات سے مستدعی ہوں کہ استقامت اور اسلاف کرام (قدس اللہ اسرارہم) کے قدم بہ قدم چلنے کی دعا فرماتے رہیں گے۔ آپ میری طرف سے کسی قسم کا فکر نہ کریں۔ آپ کا بار بار تکلیف کر کے آنا اور اپنے کاروبار میں حرج ڈالنا میری طبیعت پر بہت زیادہ بار ہوتا ہے۔ میں ایک معمولی اور گنہ گار بندہ ہوں جو اسلاف کے لیے ننگ و عار ہی رہا، اُس کے لیے اس قدر تکلیف اٹھانا بہت بے جا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۲۵/شعبان ۱۳۶۱ھ مراد آباد جیل

جناح صاحب کے نام خلیق الزماں کا ایک خط:

۷/اکتوبر ۱۹۴۲ء: ۷/اکتوبر ۱۹۴۲ء کو چودھری خلیق الزماں نے جو خط قائداعظم کو لکھا جس کا ذکر انھوں نے حال ہی میں اپنے ایک بیان میں کیا ہے اور اپنی خودنوشت شاہراہِ پاکستان' میں بھی اس پر روشنی ڈالی ہے، وہ لکھتے ہیں:

اکتوبر ۱۹۴۲ء میں راجہ مہیشور دیال سیٹھ سیکریٹری ہندو مہا سبھا میرے مکان پر مجھ سے ملنے آئے اور مجھ سے کہا کہ اب جب کہ کانگریس جیلوں میں پڑی ہے کیوں نہ مسلم لیگ اور ہندو مہا سبھا مل کر ایک نیشنل گورنمنٹ بنالیں، ہندو مہا سبھا اس کے لیے تیار ہے، بہ شرطے کہ مسلم لیگ پنجاب کی تقسیم پر رضامند ہو جائے۔ نواب زادہ لیاقت علی خان سے میں مل چکا ہوں، وہ انبالہ ڈویژن چھوڑنے کے لیے تیار ہیں۔ اب صرف جالندھر ڈویژن کا معاملہ رہ جاتا ہے، اگر آپ ان کو چھوڑنے کے لیے تیار ہوں تو پھر کوئی دقت نہ رہ جائے گی اور تقسیم تو آپ کے پاکستان ریزولیوشن (لاہور) کے موافق ہوگی۔

راجہ صاحب تو چلے گئے مگر اس کے بعد میں نے (مندرجۂ بالا ساری کارروائی پر مشتمل) ایک مفصل خط ۷/اکتوبر ۱۹۴۲ء کو جناح صاحب کو لکھا جو میری انگریزی کی کتاب (باتھ وے ٹو پاکستان) کے انڈکس میں پورا شایع ہو چکا ہے، اس لیے یہاں میں اس کے چند مضامین کے متعلق کچھ کہہ کر اکتفا کروں گا۔

اس خط کے شروع میں، میں نے ایک ڈرافٹ کمیٹی کا حوالہ دیا جو مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے ۱۶/اگست ۱۹۴۲ء کے جلسے میں بمبئی میں بنائی گئی تھی کہ وہ کوئٹ انڈیا کی تحریک کے متعلق مسلم لیگ کا نقطۂ نظر گورنمنٹ پر واضح کرے۔ اس کمیٹی کے ممبران میں نواب اسماعیل خان اور عبدالمتین چودھری تھے۔ ممکن ہے ایک دو اور صاحب بھی رہے ہوں، اس ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ میں میں نے لاہور ریزولیوشن کے متعلق اپنے نظریات کا اعادہ کیا تھا۔

سب سے پہلے، اس خط میں میں نے پنجاب اور بنگال کی آبادی کے اعداد و شمار دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ہم ان دونوں صوبوں میں اکثریت میں ہیں اور ہم کو کسی وقت رائے شماری سے کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا..........۔

اگر بنگال اور پنجاب کی تقسیم ہوئی تو لسانی اور کلچرل تعلقات کو صدمہ پہنچنا یقینی ہے، علاوہ ازیں بنگال کے بٹوارے میں ہم کو زاید سے زاید سہلٹ ڈویژن مل جائے گا، مگر اس کے عوض میں ہم کو بے پناہ نقصانات اٹھانے پڑیں گے۔ یعنی کلکتہ اور کلکتہ سے لے کر بہار تک سارے معدنیات کے ذخیرے، لوہا اور کوئلہ وغیرہ سب ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے اور پنجاب کے بٹوارے میں علاوہ اور نقصانات کے ہندوستان کو کشمیر کے لیے راستہ مل جائے گا، اب رہ گیا بہار، یوپی، سی پی، بمبئی، مدراس اور دوسری مسلم اقلیتوں کا مسئلہ وہ سب پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے بعد طائرانِ قفس ہو جائیں گے، کیوں کہ جو سرحد جمنا پر بننے والی تھی وہ لاہور تک محدود ہو جائے گی اور اس تین سو میل کا فصل جس میں ہندو اور سکھ کثیر تعداد میں ہوں گے، یوپی اور بہار کے مسلمانوں کے لیے سخت مہلک ثابت ہوگا۔

یہ سب کچھ لکھنے کے بعد میں نے ان سے استدعا کی کہ خدا کے لیے آپ ان اقلیتوں کو تباہی سے بچائیں اور کسی حالت میں بھی یہ چھوٹا پاکستان قبول نہ کریں، جو ممکن ہے آپ کو آسانی سے مل جائے، مگر اس میں آپ کو کروڑوں مسلمان اقلیتوں کی جانی اور روحانی قربانی دینی پڑے گی۔

اس خط کو بھیجنے سے پہلے میں نے مولانا جمال میاں، سید رضوان اللہ، عبدالعزیز ایڈوکیٹ، ایوب قریشی ایڈوکیٹ اور احسان الرحمٰن قدوائی اپنے عزیز ترین دوستوں اور یوپی کے نہایت ذمے دار لوگوں کو پڑھ کر سنا دیا تھا، کیوں کہ یہ پہلا موقع تھا جب میں تحریر کے ذریعے کٹے پٹے پاکستان کے متعلق اپنے خیالات سے بالوضاحت مسٹر جناح کو مطلع کر رہا تھا۔ (شاہراہِ پاکستان: ص۸۲۔۸۸۰)

اس کے بعد چودھری صاحب لکھتے ہیں:

''میرے اس خط کا جناح صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس لیے میں نے مجبوراً ۸ر نومبر ۱۹۴۲ء کی ورکنگ کمیٹی کی دلی کی میٹنگ میں یہ مسئلہ پیش کیا اور مختصراً اپنے اعتراضات کا ذکر کرنے لگا۔ اتنے میں مسٹر حسین امام جواب مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر ہو چکے تھے،...... بول اٹھے کہ ''چودھری صاحب اگر انبالہ ڈویژن الگ کر دیا جائے تو ہمارا کوئی نقصان نہیں ہوگا''۔ جس کے معنی یہ تھے کہ جو کچھ راجہ مہیشور دیال کہتے تھے وہی بات وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں! میں نے کہا کہ جب صوبۂ پنجاب سے کسی حصے کے نکلنے کا

سوال آئے گا تو وہ کسی اصول کی بنا پر ہوگا اور اگر اصول یہ قرار پایا کہ پنجاب سے وہ حصے الگ ہو جائیں جن میں مسلم اکثریت نہیں ہے، تو پھر ہم کو لاہور سے پہلے کہیں ٹھیرنے کا موقع نہ ہوگا! اس پر مسٹر جناح نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ تمہارے خیالات اس مسئلے میں مجھے معلوم ہیں، مگر ہمارا کوئی ارادہ پنجاب کی تقسیم کے متعلق نہیں ہے''۔ اس کے بعد میں خاموش ہوگیا اور خاموش نہ ہو جاتا تو کیا کرتا؟ اخبارات میں ہندو مہا سبھا کے لیڈروں کی مسلم لیگ کے لیڈروں سے ملاقات اور گفتگو چھپتی رہتی تھی۔ مگر ہمارے سکریٹری یا صدر نے اس کی کبھی کوئی تردید نہ کی، میرے لیے یہ بہت سوہان روح تھا''۔ (ایضاً ص ۸۳۔۸۸۲)

تبصرہ:

چودھری خلیق الزماں کے اس بیان سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ پنجاب کی تقسیم تمام لیگی رہنماؤں کے نزدیک لازمی اور منطقی تھی، اس مسئلے پر ہر کسی کے ذہن بالکل صاف تھے۔ اگرچہ اس وقت تک کانگریس نے تقسیم کا مطالبہ بھی نہیں کیا تھا۔ بلکہ کانگریس کا کوئی رہنما ۱۹۴۷ء تک پنجاب و بنگال کی تقسیم کے مسئلے کو زبان پر نہیں لایا تھا، جب تک کہ وہ متحدہ ہندوستان میں سب کے مل جل کر رہنے سے مایوس نہیں ہو گئے، لیکن اس سے انکار کیسے کیا جاسکتا ہے کہ جب ہندو مہا سبھا اور مسلم لیگ میں ۱۹۴۲ء سے اس مسئلے پر بات چیت ہو رہی تھی اور ان کی خبریں اخبارات میں آرہی تھیں، تو کسی کانگریسی یا غیر کانگریسی کے ذہن میں یہ نکتہ ہی نہ آیا ہوگا۔ چناں چہ جب کانگریس ہندوستان کو متحد رکھنے کی کوششوں سے مایوس ہوگئی تو اس نے وہی مطالبہ کر دیا۔ مسلم لیگ کے پاس اس زہر کا کوئی تریاق نہ تھا۔ جو بات حسین امام نے چودھری صاحب سے کہی تھی اور بھرے مجمع میں کہی تھی۔ یہ سوچ بہ شمول جناح صاحب تمام لیگی رہنماؤں کی تھی اور جو بات چودھری صاحب کے ذہن میں تھی۔ وہ ماونٹ بیٹن نے جناح صاحب سے کہی تھی لیکن ان کے پاس بھی اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ ملک کی تقسیم کو اصول بنا لینے کا یہ لازمی منطقی نتیجہ تھا کہ صوبوں کی اندرونی تقسیم بھی عمل میں آئے۔ اسی کے لیے بعض لیگی رہنماؤں کی کوششیں بھی تھی۔ جن کی زمینیں اور جاگریں پنجاب میں قطعی مسلم اقلیت کے علاقے میں تھیں، لیکن مسلم عوام کے سامنے ان رہنماؤں کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔ یہ محض ان کا پروپیگنڈا تھا کہ جو کچھ ہوا اور جس طرح ہوا یہ ہندواد.

انگریز کی سازش کا نتیجہ تھا۔ (اس،ش)۔

حالات پر تبصرے کی ایک نظر:

۳۱ راکتوبر ۱۹۴۲ء کو وایسرائے نے وزیر ہند کو ایک تار ارسال کیا جس میں کہا گیا تھا کہ گاندھی (جی) نے اپنے اخبار ''ہریجن'' میں ''برطانوی اقتدار کے خاتمے تک جنگ'' کے عنوان سے لکھا ہے کہ ''اس سلسلے میں بڑے سے بڑے خطرے سے بھی گھبرانا نہیں چاہیے'' (پنڈت) جواہر لال نہرو نے واضح طور پر کہا کہ ''آیندہ جدوجہد ممکن طور پر وسیع تر ہوگی اور کانگریس اسے کسی طور پر ختم کرنے پر رضامند نہ ہوگی، خواہ اس میں چوراچوری کا تشدد رونما ہو''۔ شنکر راؤ دیو نے بمبئی کے طالب علموں سے رابطہ قایم کیا اور انھیں کہا کہ اگر گاندھی جی اور دیگر رہنما گرفتار کر لیے جائیں تو قوم کی قیادت سنبھال لیں اور تعلیمی سرگرمیاں ترک کردیں، پنڈت جواہر لال نہرو نے بنارس یونی ورسٹی کے طالب علموں کو خاص طور پر یہ تلقین کی، مولانا ابوالکلام آزاد صدر آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ۱۷ر جولائی کو تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ''اگر عوام تشدد کی طرف مائل ہوگئے تو ہم ذمے دار نہ ہوں گے''۔

صوبۂ سرحد اور جنگ میں حکومت کی مخالفت:

صوبۂ سرحد کے جیو پولیٹیکل حالات کے باعث حکومت تحریک کی صورت میں اس کے کردار سے جان کاری حاصل کرنے کے لیے بڑی بے تاب تھی، یہاں خدائی خدمت گاروں کے بڑے گہرے اور وسیع اثرات تھے صوبے میں ان کی حکومت رہی تھی اور مستعفی ہونے کے باوجود کوئی حکومت قایم نہ ہوسکی تھی۔ تحریک کے حوالے سے یہاں مکمل سکوت تھا گورنر صوبے کا منتظم اعلیٰ تھا لیکن اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ کانگریس کے اعلان سے یہاں کیا صورت ہوگی؟ چناں چہ اس نے اپنی بے بسی کا اظہار ۸ر اگست کے ایک خفیہ مکتوب میں کیا ہے جو اس نے وایسرائے ہند لارڈ لن لتھگیو کو ارسال کیا جس میں وہ لکھتا ہے:

''اس صوبے میں کانگریس کے کارکن بہت خاموش ہیں اور ان کے ارادوں کا پتہ نہیں چل رہا کوئی بھی اس مسئلے پر اپنی رائے ظاہر نہیں کرنا چاہتا، ہر کوئی خان عبدالغفار خان کی طرف دیکھ رہا ہے اس کے احکام کا منتظر ہے کہ وہ اپنے منصوبے کو کس طرح عملی جامہ

پہنا تا ہے، عبدالغفار خان نے خود بڑی راز داری اختیار کی ہوئی ہے میرے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود اس مسئلے پر واضح ذہن نہیں رکھتا کہ جب گاندھی (جی) کی ہدایت آئے تو کیا طریقہ اختیار کیا جائے''۔

آگے چل کر صوبے کے حالات بیان کرتے ہوئے گورنر کنگہم لکھتا ہے:

''میں یہ کہوں گا کہ گذشتہ پندھواڑے سے کانگریس کے خلاف رائے عامہ مستحکم ہوئی ہے''۔

گورنر سرحد کی غلط قیاس آرائی:

اپنے مؤقف کی تائید میں لکھتا ہے:

'خاکسار، احرار اور مسلم لیگ نے آیندہ جدوجہد میں غیر جانبدار رہنے کا اعلان کیا ہے'' گورنر کی رپورٹ تجاہلِ عارفانہ پر مبنی ہے، خاکسار تو جنگ کی ابتدا سے ہی حکومت کے ساتھ تھے، علامہ مشرقی نے پچاس ہزار خاکسار جنگ میں دینے کی با قاعدہ پیش کش کی تھی۔ علاوہ ازیں خاکساروں نے کبھی کانگریس کی طرف دست تعاون نہیں بڑھایا ان کا کانگریس کی تحریک سے علیحدہ رہنا اور حصہ نہ لینا اچنبھے کی بات نہ تھی۔

احرار نے سب سے پہلے تحریک کا آغاز کر کے جیلوں کو مسکن بنالیا تھا۔ ان کی ساری قیادت دوسرے تیسرے اور چوتھے درجے تک کے لوگ جیلوں میں پڑے تھے، جیلوں میں ان کی ہمدردیوں کا ہر اس تحریک اور اقدام کے حق میں ہونا فطری امر تھا جس کا مقصد برطانوی اقتدار کو کمزور کرنا ہو وہ بھلا اس موقع پر غیر جانبدار کیوں کر رہ سکتے تھے؟ غیر جانبدار رہ کر انھوں نے اپنے ایامِ اسارت میں اضافہ کرنا تھا؟

رہی مسلم لیگ تو کانگریس کے ہر اقدام کی مخالفت اس کا وظیفۂ حیات تھا وہ کسی ایسے اقدام کی حمایت نہیں کرسکتی تھی جس سے سرکار برطانیہ کی گرفت ڈھیلی ہو۔ مسلم لیگ نے تو مولانا آزاد کی پیش کش کو مسترد کر کے پورے ہندوستان کا اقتدار بلاشرکت غیرے سنبھالنے سے انکار کر دیا تھا۔ (اس کا مفصل ذکر آگے آئے گا) وہ تو اس وقت اس کوشش میں لگی ہوئی تھی کہ کانگریسی وزارتوں کے مستعفی ہونے سے جو خلا پیدا ہوا ہے مسلم لیگ وزارت سازی کر کے اسے پر کر سکے حال آں کہ ۱۹۳۷ء کے انتخاب میں اسے کسی صوبے میں قابل ذکر

کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی۔ اس کے باوجود مسٹر جناح نے وایسرائے کومشورہ دیا تھا کہ صوبوں کا انتظام چلانے کے لیے مسلم لیگ کے مشیر مقرر کئے جائیں، گویا ان صوبوں کا اقتدار شکست خود مسلم لیگیوں کے حوالے کر دیا جائے۔ صوبے سرحد میں مسلم لیگ کو بڑی دل چسپی تھی اور برطانوی سرکار کو بھی، دونوں میں یہ قدر مشترک تھی، روس کی یلغار کی صورت میں یہاں برطانوی حکومت کے وفاداروں کا برسرِ اقتدار ہونا نہایت اہم مسئلے تھا۔ چناں چہ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح اور وایسرائے کی ایک ملاقات میں صوبۂ سرحد میں وزارت سازی کا مسئلہ زیرِ غور آیا تھا، وایسرائے نے مسٹر جناح نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے جواب دیں گے۔ مشورہ کے بعد انھوں نے کہا کہ ہم خود وزارت بنانے کے قابل نہیں ہیں لیکن اگر گورنر سرحد سر جارج کنگھم مسلم لیگ کی مدد کرے تو پھر کام بن سکتا ہے، اس کے بعد مسٹر جناح نے سرحد میں مسلم لیگ کی وزارت قایم ہونے کے فواید اور خوبیاں بیان کیں اور وایسرائے سے استدعا کی کہ یہ سب باتیں گورنر کنگھم کو بتائی جائیں۔

سرحد میں غیر کانگریس وزارت کے قیام کے لیے مسٹر جناح کی بے تابی:

آگے چل کر مسٹر جناح نے مزید کہا:

''وہ یہ بات آگے بڑھانے کے لیے بہت بے قرار ہیں، کیوں کہ سرحد میں غیر کانگریسی وزارت کے قیام سے کانگریس کے لیے اور کوئی غیر مفید اور نقصان رساں بات نہیں ہوسکتی، ملک کے اندر اور باہر بھی ہندوستان کی حقیقی صورت حال کی تشہیر کے لیے اس سے بہتر موضوع اور کوئی نہیں ہوسکتا اس لیے اس کی خواہش ہے کہ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے''۔

مسلم لیگ کی وزارتوں کے قیام کے سلسلے میں برطانوی سرکار کا تعاون:

مجلس احرار کے جنرل سیکرٹری مولانا مظہر علی اظہر نے الزام لگایا کہ انگریزوں نے پانچ صوبوں میں مسلم لیگ کی مرضی کی وزارتیں قایم کر دیں، سندھ کے گورنر نے خان بہادر الٰہ بخش کو مستعفی ہونے پر مجبور کیا کیوں کہ انھوں نے خان بہادر کا خطاب واپس کر کے

برطانوی استعمار کے جاہ و جلال کو للکارتا تھا، بنگال کے شیرا ے کے فضل حق نے قرار دادِ پاکستان پیش کی تھی لیکن اب وہ مسلم لیگ کے گستاخ ہو چکے تھے ان سے زبردستی استعفیٰ لیا اور خواجہ سر ناظم الدین کو صوبہ کا اقتدار سونپ دیا۔ صوبہ آسام میں کانگریس کے چیف منسٹر باردولائی کے مستعفی ہونے کے بعد سر سعد اللہ کو صوبے کے اقتدار کے سنگھاسن پر بٹھا دیا۔ صوبہ سرحد کے کانگریسی ممبروں کی گرفتاری کے بعد مسلم لیگ کے سردار اورنگ زیب کے نام قرعۂ فال نکلا۔ پنجاب میں پہلے ہی یونی نسٹ پارٹی کی حکومت قایم تھی۔ سرحد میں مسلم لیگی وزارت قایم کرنے کے لیے قائد اعظم نے پشاور کے ڈپٹی کمشنر کو مسلمان ہونے کا واسطہ دے کر استدعا کی تھی، اس پر سکندر مرزا نے جواب دیا تھا کہ ''سرحد اسمبلی میں تو مسلم لیگ کا کوئی ممبر ہی نہیں ہے، اس کا صوبائی سربراہ سردار اورنگ زیب بے کار اور بد دیانت شخص ہے۔'' یہ سن کر قائد اعظم نے کہا تھا وہ یہ کام مسلمانوں کے مفاد کے لیے کرے، چناں چہ ڈپٹی کمشنر نے مسلم لیگ کی وزارت سازی میں اہم کردار ادا کیا۔

مسلم لیگ کو کیا مصیبت پڑی تھی کہ وہ کانگریس کی حکومت مخالف تحریک کی حمایت کر کے برطانوی حکومت کی ناراضگی مول لے، پانچ صوبوں کی وزارتوں سے محروم ہو جسے اس نے انتخاب میں شکست کھانے کے باوجود غیر جمہوری طریقے سے حاصل کیا تھا، مفت کا مال چھوڑنے کو کس کا جی چاہتا ہے؟

مسلم لیگ نے ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک کو بغاوت قرار دیا:

کانگریس کی تحریک کے نتیجے میں ملک میں ہنگامے بپا تھے گیر و دار کا سلسلہ جاری تھا اس موقع پر مسلم لیگ نے حکومت مخالف تحریک کی حمایت نہیں کی، بلکہ اس کے برعکس اس نے آزادی کی تحریک کو بغاوت سے تعبیر کیا حال آں کہ برطانوی حکومت کی پسپائی سے ملک کے کسی خاص فرقے کو کو فائدہ نہیں پہنچتا تھا بلکہ چالیس کروڑ ہندوستانیوں کی غلامی کی زنجیریں ڈھیلی ہوتی تھیں۔ اس موقع پر آل انڈیا مسلم لیگ نے تحریک شروع ہونے کے تقریباً ایک ہفتہ بعد ورکنگ کمیٹی کے اجلاس ۱۶ تا ۲۰ ر اگست ۱۹۴۲ء میں جو ریزولیشن پاس کیا اس میں کہا گیا تھا:

''آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ملک کی موجودہ سیاسی صورت حال

جو کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ۸/اگست ۱۹۴۲ء کے اجلاس کے فیصلے سے پیدا ہوئی ہے، پر گہری تشویش کا اظہار کرتا ہے اور غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ کانگریس کی تحریک سول نافرمانی ''کھلی بغاوت'' ہے۔ جس کا مقصد ہندوستان پر ہندو بالادستی قایم کرنا ہے، اس باعث ملک میں بدامنی اور لاقانونیت کا دوردورہ ہے، جان و مال کا اتلاف ہو رہا ہے''۔

مسلمانوں سے تحریک میں حصہ نہ لینے کی استدعا:

ریزولیوشن کے آخر میں مسلمانوں سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ حکومت مخالف اس تحریک سے بالکل لاتعلق رہیں اور پر امن طور پر زندگی کے معمولات جاری رکھیں، ریزولیوشن کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''ان حالات میں آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی گہرے غور و خوض کے بعد مسلمانوں سے کہتی ہے کہ وہ کانگریس کی جاری کردہ تحریک میں کسی قسم کا حصہ نہ لیں اور اپنے معمولات زندگی کو پرامن طور پر جاری رکھیں''۔

یہ تھا مسلم لیگ کا رویہ ''ہندوستان چھوڑ دو'' کانگریس کی تحریک کے بارے میں، جس کا تمام تر رخ برطانوی اقتدار کے خاتمے کی طرف تھا۔ مسلم لیگ نے جن توہمات اور اندیشوں کا اظہار اپنے ریزولیوشن میں کیا، کانگریس مسلم لیگ کے مزاج اور نفسیات سے پوری طرح آگاہ تھی، اس کے انداز فکر کو جانتی تھی، اس کے متوقع ردعمل کے پیش نظر اس نے مسلم لیگ کے اندیشوں کا اپنی قرارداد میں سدباب کر دیا تھا، لیکن مسلم لیگ نے اس حقیقت کو فراموش کرتے ہوئے اپنے ردعمل کا اظہار کانگریس کی توقعات سے مختلف نہیں۔ کیا حال آں کہ کانگریس نے ''ہندوستان چھوڑ دو'' ریزولیوشن کے آخری پیرائے میں بڑے واشگاف الفاظ میں واضح کیا ہے:

''کمیٹی نے مستقبل کے آزاد ہندوستان کی حکومت کے بارے میں اپنا نظریہ صاف بیان کر دیا ہے لیکن وہ یہ واضح کر دینا چاہتی ہے کہ جدوجہد کے شروع کرنے سے اس کا یہ مقصد قطعی نہیں ہے کہ کانگریس کو اقتدار حاصل ہو، اقتدار جب حاصل ہوا، سارے ہندوستان کی ملکیت ہوگا''۔

اس واضح اور صاف یقین دہانی کے باوجود مسلم لیگ الزام تراشی سے باز نہیں رہی، تحریک کو ہندو کی بالادستی قایم کرنے سے تعبیر کیا اور جدوجہد کو ''کھلی بغاوت'' کا نام دیا مسلم لیگ کے نزدیک آزادی خواہ اور قربانیاں دینے والے باغی تھے یقیناً! وہ برطانوی استعمار کے باغی تھے، اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے برسرپیکار تھے ہندوستان کی آزاد حکومت قایم کرنے کے خواہش مند تھے لیکن اس پر مسلم لیگ کی پریشانی اور بے حالی ناقابل فہم ہے، غالباً آقاؤں کو مشکلات میں دیکھ کر حالت غیر ہوتی ہوگی۔

تحریک آزادی اور ایمان فروش ملا:

درباری ملا پہلے سے ہی پندرہ روپے ماہ وار یعنی آٹھ آنے یومیہ پر خدائی خدمت گاروں کے پیچھے لگے ہوئے تھے ان کی کردار کشی میں سرگرم تھے، اس مزدوری کے عوض انہیں آٹھ آنے روزینہ ملتا تھا۔ اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں بہ ہر حال سر جارج کننگھم گورنر نے اپنی یادداشتوں میں سے کچھ لکھ دیا ہے اور یہ دستاویزات انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہیں۔ ان میں سب پردہ نشینوں کے نام ہیں۔ ملاؤں کے مختلف درجے تھے، جنھیں دس روپے، پندرہ روپے اور بعض کو کچھ زیادہ رقم سے نوازا جاتا تھا۔ اس کام کے لیے صوبے کے خوانین ''ایمان دار دلال'' کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک جاری تھی، سرحد کے مولانا محمد شعیب اور مولانا مداراللہ ۲۶ راگست کو گورنر سرحد سے ملنے کے لیے نتھیا گلی جاتے ہیں اسے اپنی کارکردگی دکھاتے ہیں اردو میں لکھے ہوئے ایک پمفلٹ کا طویل مسودہ گورنر بہادر کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جو وہ شایع کرکے تقسیم کرنا چاہتے تھے، اس میں کانگریس کے خلاف بہت اچھا مواد تھا۔ گورنر نے ان کی مساعی کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ یہ تو تھے دین فروش ملاؤں، اسلام کے سوداگروں اور قرآن کے تاجروں کے کرتوت کہ آزادی کے مقابلے پر انگریزوں کی غلامی کا طوق گلے میں ڈال رکھنے کی تبلیغ کرکے اپنی روسیاہی اور عاقبت کی تباہی کا سامان اکٹھا کر رہے تھے۔

لیکن علمائے حق کی آزادی خواہ جماعت جمعیت علمائے ہند اس کربلا میں بھی اپنی تاریخ اور روایات کے مطابق سربکف کھڑی تھی۔ مولانا حسین احمد مدنی کو ۲۵ رجون ۱۹۴۲ء کو گرفتار کرلیا گیا۔ ان کے علاوہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا نور

الدین بہاری، مولانا عبد الماجد بدایونی، مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا عطا اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا قاری عبد اللہ مراد آبادی، مولانا عبد الوہاب بستوی، مولانا محمد شاہد فاخری الہ آبادی، مولانا منیر الزماں اسلام آبادی، مولانا عبد الباری عباسی اور مولانا منظور النبی سہارن پوری کے علاوہ سیکڑوں اکابر کو نظر بند کر دیا گیا۔ عام مسلمانوں کی تعداد تو ہزاروں سے تجاوز کر گئی تھی۔

آسام کا علاقہ ان دنوں بڑا احساس تھا، جاپانی فوجیں اس کی سرحد پر دستک دے رہی تھیں، حکومت یہاں کسی قسم کی شورش اور بدامنی کا خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھی، چناں چہ صوبۂ آسام کی شاخ جمعیت علماے ہند کو خلاف قانون جماعت قرار دے دیا گیا۔

گورنر سرحد اپنی رپورٹ کے پیرا نمبر ۲ میں تحریک کی نوعیت کے بارے میں لکھتا ہے:

"اب تک یہی توقع ہے کہ اس صوبے میں عدالتوں کے باہر پکٹنگ کی جائے، سرکاری ملازموں کو ادائیگی فرائض سے روکنے کی اپیل کی جائے گی اور مالیہ کی ادائیگی نہ کرنے کی مہم چلائی جائے گی"۔

باچا خان کو ڈکٹیٹر بنا دیا گیا:

لیکن جب کانگریس کا فیصلہ منظر عام پر آیا تو باچا خان صوبہ (سرحد) کی تحریک کے ڈکٹیٹر مقرر ہوئے تھے۔ انھوں نے رفقا کے مشورے سے تحریک کا انداز طے کیا، اس میں پلوں کو توڑنا اور ٹیلی فون اور ٹیلی گراف کے تار کاٹنا بھی شامل تھا، لیکن شرط یہ تھی کہ جو کارکن یہ کام کرے گا وہ خود تھانے میں پہنچ کر اقبال کرے گا اور کہے گا کہ میں انگریزوں کی حکومت کو نہیں مانتا، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ حکومت کو بے گناہوں پر تشدد کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ دوسری تجویز یہ تھی کہ دیسی سرکاری افسروں کے پاس وفود جائیں اور انھیں انگریزی (حکومت) کی نوکری ترک کرنے کی ترغیب دیں۔ تیسری تجویز کے مطابق عوام کو تلقین کرنا تھا کہ وہ اپنے جھگڑے اور تنازعات باہمی طور پر نپٹائیں اور انگریزی عدالتوں میں مت جائیں۔

تحریک کا زور شور ۱۹۴۴ء تک قایم رہا، اس دوران میں صوبے میں قیامت ٹوٹی ہوئی تھی، جیلوں میں جگہ نہ رہی تھی، تب گرفتار شدہ رضا کاروں کو پولیس لاریوں میں بھر کر شہر

سے باہر دور دراز مقامات پر چھوڑ دیتی تھی، وہ بے چارے بھوکے پیاسے موسم کا مقابلہ کرتے ہوئے پیدل چل کر واپس پہنچتے تھے۔ پولیس نے تشدد کا بازار گرم کر رکھا تھا، جب رضا کاروں نے پشاور کے ڈپٹی کمشنر سکندر مرزا کے دفتر پر پکٹنگ کی تو ڈنڈا بردار پولیس نے رضا کاروں کو بے رحمی سے زدوکوب کیا، سکندر مرزا خود ڈنڈا ہاتھ میں لے کر خدائی خدمت گاروں پر جھپٹا، اس نے ایک ڈنڈا اسید اکبر نامی خدائی خدمت گار کے سینے پر اس زور سے مارا کہ وہ موقع پر ہی دم توڑ گیا۔ باچا خان کہتے ہیں: ''انگریز افسروں نے کبھی خود ڈنڈوں سے نہیں مارا تھا نہ خود تشدد کیا تھا، پر یہ ''سعادت'' اس مسلمان افسر کو حاصل تھی جس نے انگریزی حکومت کی حفاظت کی خاطر حریت پرستوں پر خود ڈنڈے برسائے''۔

باچا خان مضروب ہو گئے:

اکتوبر ۱۹۴۲ء کے آخری ایام میں باچا خان ایک جتھے کے ساتھ پکٹنگ کر رہے تھے کہ انگریز افسر نے پولیس کو لاٹھی چارج کرنے کا حکم دیا، اس سے بے شمار خدائی خدمت گاروں کو ضربات آئیں، ٹانگیں اور بازو ٹوٹ گئے، باچا خان کی دو پسلیاں لاٹھی لگنے سے ٹوٹ گئیں اور وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے، انھیں طبی امداد دینے کی بجائے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا، جیل میں پہلے تو باچا خان کے علاج معالجے کی طرف توجہ نہ دی گئی بلکہ جیل حکام نے حکومت کو ان کے صحت مند ہونے کی رپورٹ بھیج دی، حکومت نے یہ رپورٹ اخبارات میں شایع کرادی۔ باچا خان کو تکلیف تھی جب ڈاکٹر نے معائنہ کیا تو حکومت کو صحیح صورت حال سے آگاہ کیا تو اس کا علاج شروع ہوا، اس سے حکومت کی بے رحمی اور سنگ دلی سے پردہ اٹھتا ہے کہ خان عبدالغفار خان جیسا بلند پایہ قوم پرست لیڈر جو برس ہا برس سے آل انڈیا کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر تھے، جن کی ملک گیر سطح پر قیادت مسلمہ تھی ان کے ساتھ حکومت کا سلوک انتہائی شرم ناک تھا تو عام سیاسی کارکن کو کن کن مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہوگا؟ بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

تحریک کے بارے میں واقعات کا ذکر ذرا دراز ہی ہو گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تحریک فیصلہ کن ثابت ہوئی اور اس کے باعث جنگ کے خاتمے پر برطانیہ کو ہندوستان سے اپنا بوریا بستر طے کرنے کے سوا چارہ کار نہ رہا تھا۔ علاوہ ازیں نئے واقعات کے

تذکرے کے باعث قدرے طوالت ہوگئی ہے لیکن یہ معلومات کم از کم اردو کی اس تصنیف میں بالکل نیا اضافہ ہے۔ انڈیا آفس لائبریری کی دستاویزات ساتویں عشرے میں منظر عام پر آئی ہیں اور ان سے استفادہ کیا گیا ہے، اردو کے شائقین کے لیے یہ حوالے حیران کن اور نہایت مفید مطلب ہیں، اس لیے ان کا شامل کرنا ازحد ضروری تھا۔

مسلم لیگ سے مفاہمت کے لیے پیش قدمی:

مولانا ابوالکلام آزاد، صدر آل انڈیا کانگریس ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک کے آغاز سے چند یوم قبل مسلم لیگ سے افہام و تفہیم اور یک جہتی کے لیے برابر کوشاں رہے، دراصل ان کے پیش نظر ملک کی آزادی سب سے اہم مسئلہ تھا۔ اقتدار کا ہندوستانی ہاتھوں میں منتقل ہونا حقیقی مقصد تھا۔ انھوں نے کانگریس کے نہایت اہم اجلاس کے انعقاد سے صرف ایک عشرہ قبل ایک بڑا ہی فیصلہ کن اور تاریخی اہمیت کا حامل بیان جاری کیا، جس سے کانگریس کے خلوص نیت، وسیع القلبی، حسن تدبیر کا ثبوت ملتا ہے اور حکومت کی مکاری اور عیاری کا پردہ چاک ہوتا ہے، نیز مسلم لیگ کی سیاست پر بھی روشنی پڑتی ہے، صدر کانگریس نے پیش کش کی:

صدر کانگریس کی پیش کش:

''کانگریس کو قطعی افسوس نہ ہوگا اگر حکومت مسلم لیگ کو بلائے اور اسے اقتدار سونپ دے، لیکن آزادی حقیقی ہونی چاہیے۔ کانگریس کو صرف اس سے دل چسپی ہے کیا چیز دی جا رہی ہے۔ ہمارے جھگڑا یہ نہیں ہے کہ کن ہاتھوں میں آزادی دی جا رہی ہے، میں نے مسلم لیگ کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا ہے کہ موجودہ کش مکش میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے، کانگریس کو اس پر بھی اعتراض نہ ہوگا کہ اقتدار نان پارٹی کے لیڈر کے سپرد کر دیا جائے''۔

مولانا آزاد کی اس مفاہمانہ پیش کش کا پورے ملک میں خیر مقدم کیا گیا اور اسے بے حد سراہا گیا، فرقہ وارانہ مسئلہ اور تخویف کا اس سے بہتر اور اعلیٰ حل اور کیا ہوسکتا تھا؟ آزادی خواہ حلقوں میں اس کی بے حد تعریف کی گئی۔ دراصل یہ مولانا کے حسن تدبر اور سیاسی بصیرت کا ایک اور نادر شاہکار تھا، مولانا تحریک کے مضمرات سے واقف تھے، وہ قوم کو محاذ

آرائی سے بچانا چاہتے تھے، تحریک کا مقصد بھی اقتدار کو ہندوستانی ہاتھوں میں منتقل کرنا تھا اور اگر یہ مقصد بغیر محاذ آرائی کے حاصل ہو جائے تو اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا تھا؟ ڈاکٹر سید عبداللطیف نے جو تاریخ میں مصور پاکستان کے طور پر شہرت رکھتے ہیں، مولانا کی پیش کش کی بے حد تعریف کی اور جناح سے مطالبہ کیا کہ وہ اس پیش کش کو قبول کر لیں۔ گاندھی جی نے اس کی تائید کی تھی، انھوں نے ''ہریجن'' میں مولانا کی پیش کش کو ہر طرح سے سنجیدگی کا حامل قرار دیا تھا، بمبئی کے ایک مسلمان باشندے کے استفسار پر انھوں نے اس کی تشریح کرتے ہوئے کہا تھا، ''اگر مسلم لیگ کانگریس کے اس مطالبے سے پوری طرح اتفاق کر لے کہ ہندوستان کو فوری آزادی ملنی چاہیے، تو کانگریس کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا کہ حکومت برطانیہ اپنے موجودہ اختیارات تمام ہندوستان کی طرف سے، جس میں ہندوستانی ریاستیں بھی شامل ہیں، مسلم لیگ کو سونپ دے۔ ہندوستان کی طرف سے مسلم لیگ جو حکومت تشکیل دے گی کانگریس اس میں مزاحم نہ ہوگی بلکہ آزادئ ہند کے نظام کو چلانے میں تمام خلوص اور سنجیدگی کے ساتھ تعاون کرے گی''۔

مولانا کے استفسار کا غیر سیاسی جواب:

کانگریس کی طرف سے اس نوع کی پیش کش نہ پہلی تھی نہ آخری، مولانا نے کانگریس کا صدر بننے کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر محمد علی جناح کو ایک تار بھیجا جس میں مسلم لیگ کے مطالبات کے بارے میں استفسار کیا گیا تھا۔ مسلم لیگ کے صدر نے اس سیاسی تار کا اہانت آمیز غیر سیاسی جواب دیا۔ ان کا جواب دشنام اور تبرا سے آلودہ بدمذاقی کا آئینہ دار تھا۔ سیاسی حلقوں نے اس پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ یہاں تک کہ چودھری خلیق الزماں نے ''پاتھ وے ٹو پاکستان'' میں اس کی مذمت کی ہے۔

راج گوپال اچاریہ فارمولا ۱۴/ اگست کو بننے والے پاکستان سے کم تر نہ تھا، لیکن جناح نے اسے مسترد کر دیا کہ یہ کرم خوردہ اور کٹا پھٹا پاکستان ہے۔ اگر جولائی ۱۹۴۴ء میں راج گوپال اچاریہ فارمولا مان لیا جاتا اور اس بنا پر ہندوستان کی تقسیم ہوتی تو اس قدر وسیع قتل و غارت گری سے بچا جا سکتا تھا، نقل مکانی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ دونوں مملکتوں میں اقلیتوں کو مکمل تحفظ حاصل ہوتا اور وہ قدیم آبائی رہائش گاہوں میں پرامن طور پر مقیم

رہتیں، دونوں آزاد مملکتوں کے درمیان موجودہ تلخی اور کشیدگی کی مستقل فضا جنم نہ لیتی بلکہ دونوں ممالک کے تعلقات امریکہ اور کینیڈا کی طرف دوستانہ اور برادرانہ ہوتے، جیسا کہ جناح نے کہا تھا۔ ہندوستان میں آئے دن مسلم کش فسادات کا سلسلہ قایم نہ ہوتا، لیکن مسلمانوں کو پاکستان کی بڑی گراں قیمت ادا کرنا پڑی اور اس کی ادائیگی تقسیم کے ساتھ شروع ہوئی جو اب تک جاری ہے اور نہیں معلوم یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا؟

جولائی ۱۹۴۵ء میں ویول پلان پر سیاسی سمجھوتا طے پا گیا تھا، کانگریس اور مسلم لیگ نے وایسرائے کی نئی ایگزیکٹو کونسل کے قیام پر اتفاق رائے کا اظہار کر دیا تھا، منصوبہ اس وقت ناکام ہوا جب جناح نے یہ اصرار شروع کیا کہ مسلمان نمایندے مسلم لیگ نامزد کرے گی اور یہ سب مسلم لیگی ہوں گے۔ اس پر نہ تو لارڈ ویول خود اور نہ ہی کانگریس راضی ہوئے اور کانفرنس ناکام ہو گئی۔ تجزیہ نگاروں نے اس کی ذمے داری مسلم لیگ کے صدر جناح پر ڈالی ہے جو بالکل درست ہے۔ اگر جناح کا رویہ غیر معقول نہ ہوتا تو چودہ ارکان کی کونسل میں مسلمانوں کے نمایندوں کی تعداد سات ہوتی جب کہ وہ آبادی کا ایک چوتھائی تھے اور ہندو صرف دو ہوتے۔

ویول ڈایری میں گاندھی جی سے ۳ر اپریل کو ملاقات اور گفتگو کا احوال قلم بند کرتے ہوئے لکھا ہے (گاندھی جی) نے اپنی گفتگو اس خوش نما پیش کش پر ختم کی کہ ''جناح سے کابینہ تشکیل کرنے کے لیے کہا جائے''۔

''باچا خان نے لکھا ہے کہ مشن کے ساتھ گفتگو میں کانگریس کے نمایندوں کو اطمینان نہ تھا۔ انھوں نے دوران گفتگو یہ نتیجہ اخذ کیا کہ برطانوی حکومت اشک شوئی کے لیے سب کھیل کھیل رہی ہے۔ پہلی ملاقات کے بعد اس پر غور کیا گیا تو سب کی رائے یہی تھی۔ چناں چہ فیصلہ ہوا کہ اگلے روز کابینہ مشن سے دریافت کیا جائے''۔

(الف) کیا انگریز ہندوستان کو اقتدار منتقل کرنے کے لیے تیار ہے؟

(ب) کیا حکومت انگریز فوج کو ملک سے نکالنے کے لیے رضامند ہے؟

اجلاس شروع ہوتے ہی پنڈت جواہر لال نہرو نے دونوں باتیں کہہ دیں، لارڈ ویول نے جواب دیا کہ برطانیہ ہندوستان کے اقتدار سے دست بردار ہونے کے لیے بالکل تیار ہے لیکن فرقہ وارانہ مسئلے کی موجودگی میں اقتدار کس کے حوالے کیا جائے؟

پنڈت جواہر لال نہرو نے بلاتوقف جواب دیا: ''اقتدار جناح کے حوالے کر دیا جائے، کانگریس کو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ براہِ کرام آپ تشریف لے جائیں''۔ اس کا کانفرنس پر بڑا اچھا اثر پڑا۔ جناح اور پنڈت جواہر لال نہرو نے علاحدگی میں فوراً ملاقات کی، دونوں کی خواہش پر کانفرنس اڑتالیس گھنٹوں کے لیے ملتوی ہو گئی تاکہ متنازعہ مسائل کا فیصلہ کرنے کے لیے فریقین متفقہ ثالث پر اتفاق رائے کر سکیں۔ ۱۱ر مئی ۱۹۴۶ء کو جب اجلاس شروع ہوا تو لارڈ ویول کے مطابق ابتدائی پندرہ منٹوں میں ہی واضح ہو گیا تھا کہ ثالث کے تقرر کی کوششیں ناکام ہو گئیں ہیں اور جناح اپنے پہلے موقف تقسیم کی طرف لوٹ گئے ہیں۔

باچا خان صفحہ ۶۲۶ پر کہتے ہیں کہ جب تین دن بعد ہم اجلاس میں شرکت کے لیے آ رہے تھے تو گاندھی جی نے ہم سے کہا تھا کہ ''مسلم لیگ جو کچھ مانگتی ہے اسے دے دو لیکن مذاکرات منقطع مت کرو''۔ باچا خان نے صورت حال کو بگڑتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے سردار عبدالرب نشتر کو اشارے سے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ مسلم لیگ معاملے کو خراب نہ کرے، وہ جو کچھ چاہتی ہے اس کا مطالبہ کرے، کانگریس اس کا مطالبہ ماننے کے لیے بالکل تیار ہے اور گاندھی جی کی بھی یہی خواہش ہے۔ یہ باتیں سن کر سردار نشتر، جناح کی پشت پر جا کر کھڑے ہو گئے بڑی دیر تک اس انتظار میں رہے کہ مسٹر جناح توجہ دیں تو باچا خان کی گفتگو ان کے گوش گزار کریں، لیکن انھوں نے سردار نشتر کی ایستادگی کو قابل اعتنا ہی نہ سمجھا۔ چناں چہ سردار نشتر تنگ آ کر اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گئے۔ اس طرح مسلم لیگ نے ایک اور موقعہ کھو دیا۔ دراصل جناح سخت مشتعل تھے کہ کانگریس نے اپنے نمایندوں میں دو مسلمانوں مولانا ابوالکلام آزاد اور خان عبدالغفار خان کو کیوں شامل کیا ہے؟ جب کہ جناح کے نزدیک کانگریس تو ہندوؤں کی جماعت تھی۔ حال آں کہ مولانا ابوالکلام آزاد اس وقت کانگریس کے صدر کی حیثیت میں گفتگو کر رہے تھے بلکہ کانگریس کے وفد کی قیادت کر رہے تھے۔ مذاکراتی میز پر کانگریس اور مسلم لیگ کے چار چار نمایندوں نے حصہ لیا جن میں چھ مسلمان (مسلم لیگ ۴، کانگریس ۲) اور صرف دو ہندو تھے۔

ایک اور واقعے کا یہاں ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قوم پرست مسلمان ہندوستان کی آزادی اور اتحاد کے لیے کیا کیا جتن کرتے رہے تاکہ اہل ہند بالعموم

اور مسلمان بالخصوص تقسیم ملک کے مضرات سے محفوظ رہیں اور اچھے ہمسایوں کی طرح زندگی بسر کریں، ترقی کریں اور خوش حال ہوں۔ لیکن مسلم لیگ کے موقف میں روز مرہ تبدیلی غیر مستقل مزاجی، گومگو کی کیفیت اور خود اعتمادی کے فقدان کے باعث حالات کے لیے ٹھوس صورت اختیار کرنا دشوار ہوتا گیا۔ آخر کار اس کا زیادہ تر نقصان مسلمانوں کو اٹھانا پڑا۔ وہ پہلے ہی اقتصادی اور معاشی طور پر پس ماندہ تھے تقسیم ملک کی وجہ سے نقل مکانی کے سبب انھیں مزید مالی زیر باری برداشت کرنا پڑی، قتل و غارت گری اور تباہی و بربادی اس پر مستزاد تھی۔

غیر منقسم ہندوستان کی آخری نو منتخب آئین ساز اسمبلی کا مسلم لیگ نے بائیکاٹ کیا باچا خان نے مسلم لیگ کے ممبروں کی بہت منت سماجت کی سمجھایا بجھایا کہ اس میں شرکت کرے اور سماجی انصاف پر مبنی آئین بنانے کا مطالبہ کیا جائے۔ اسی میں مسلمانوں کی معاشی پس ماندگی دور کرنے کا راز پوشیدہ ہے۔ اگر کانگریس یا ہندو ممبران اسمبلی اس سے اتفاق نہ کریں تو ہم ہندوستان کی فیڈریشن سے علاحدگی اختیار کرلیں اور یہ ہمارا آئینی حق ہے۔ اس صورت میں مسلمان آبادی والے صوبے اپنی علاحدہ فیڈریشن قایم کرلیں گے۔ اگر مسلم لیگ باچا خان کے مشورہ پر عمل کرتی تو کانگریس کے انکار کی صورت میں ایک ایسا پاکستان معرض وجود میں آتا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس میں پورا پنجاب، پورا بنگال، پورا آسام اور کشمیر شامل ہوتے۔ لیکن مسلم لیگ کے ممبروں نے اس تجویز پر کوئی توجہ نہ دی، درخور اعتنا نہ سمجھا، غور کرنے کی زحمت گوارا نہ کی، بلکہ باچا خان کو غیر سیاسی جواب دیتے تھے ''تم ہندو ہو''۔ گویا مسلم لیگ کی قیادت مامور من اللہ تھی اور اس کے فیصلے الہام اور وحی کا درجہ رکھتے تھے۔ جن سے اختلاف رائے کا جمہوری حق استعمال کرنا کفر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہونے۔ کے مترادف تھا، دراصل مسلم لیگ کے غیر سیاسی اور غیر جمہوری رویے کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت زیادہ زیاں کاری کا سامنا کرنا پڑا۔ قیام پاکستان کے بعد جن نئے مسائل نے جنم لیا باہمی نفرتیں پروان چڑھیں اور ملک دولخت ہوا اس کی وجوہات، اسباب اور اصل محرک مسلم لیگی حکم رانوں کی یہی روش تھی۔

''ہندوستان چھوڑ دو'' ریزولیوشن کے منظور ہوتے ہی گاندھی جی کو دیگر کانگریسی رہ نماؤں کے ساتھ گرفتار کرلیا گیا تھا، انھوں نے نظر بندی میں بھی وائسرائے سے خط و کتابت

کا سلسلہ جاری رکھا تا کہ ہندوستان کے مسئلے کا قابل قبول حل تلاش کیا جا سکے۔ اپریل ۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ کا اجلاس دہلی میں منعقد ہوا اس موقع پر صدارتی تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے گاندھی جی کو مخاطب کر کے کہا:

''..........وہ وایسرائے کو خط پہ خط لکھ رہے ہیں، وہ مجھے خط کیوں نہیں لکھتے؟ اگر انھوں نے مصالحت کا فیصلہ کرلیا ہے تو اپنے ارادے سے مجھے براہ راست آگاہ کیوں نہیں کرتے؟ کون سی ایسی طاقت ہے جو انھیں ایسا کرنے سے روک رہی ہے؟ وایسرائے کے پاس جانے سے کیا فائدہ؟ خط و کتابت سے کیا حاصل؟......اس ملک کی حکومت خواہ کتنی ہی طاقت ور کیوں نہ ہو میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ اس میں اتنی جرأت ہو سکتی ہے کہ اگر گاندھی جی میرے نام خط لکھیں تو اسے روک سکے، اگر حکومت نے ایسا کیا تو بڑی نازک صورت حال پیدا ہوگی، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ نہ تو گاندھی جی کی روش میں کوئی فرق آیا ہے اور نہ کانگریس کے ہندو لیڈروں کا دل بدلا ہے''۔

گاندھی جی نے جیل سے خط لکھ دیا:

قائداعظم کی تقریر اخبارات میں شایع ہوئی تو گاندھی جی نے حسن طلب کے جواب میں جیل سے خط لکھ ڈالا۔ حکومت نے خط روک لیا اور اس کی تشہیر بھی کر دی:

''گاندھی کا خط روک لیا ہے، حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ ایسے شخص سے سیاسی خط و کتابت یا کسی رابطہ اور تعلق قایم کرنے کی سہولت نہ دی جائے جو خلاف قانون اجتماعی تحریک چلانے پر نظر بند کیا گیا ہو''۔

یہ اقدام تو برطانوی وزیراعظم مسٹر چرچل کے حکم سے اٹھایا گیا تھا جس نے دورۂ امریکہ کے دوران وہاں سے بہ ذریعہ تار حکم دیا تھا ''دونوں کے درمیان رابطہ نہیں ہونا چاہیے اور خط کو دبا دیا جائے''۔

حکومت کے اعلان سے پورے ملک میں سنسنی پھیل گئی امریکہ اور انگلستان میں بھی اس کی صدائے بازگشت سنی گئی۔ انگلستان کے موقر اخبار ''مانچسٹر گارڈین'' نے حکومت کے اقدام کو ہدف تنقید بناتے ہوئے لکھا:

''حکومت نے خط روک کر زبردست غلطی کی ہے۔ اب گاندھی جی کہہ سکتے ہیں کہ

میں نے سمجھوتے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا مگر حکومت نے رکاوٹ ڈال دی۔ اسی طرح جناح کہہ سکتے ہیں کہ میں نے کانگریس سے مصالحت چاہی تھی مگر حکومت نے نہیں ہونے دی۔ آخر یوں سب کو ناراض کرتے رہنے سے کیا فائدہ؟''۔

ہندوستان کے مسلم لیگی پریس نے شدید ردعمل کا اظہار کیا، حکومت کے رویے کے خلاف شدید احتجاج کیا اور مذمت میں ایڈیٹوریل لکھ لکھ کر صفحات کے صفحات سیاہ کر ڈالے لیکن حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ لیگی اخبارات قیاس کرتے تھے کہ حکومت کے اقدام پر جناح شدید ردعمل ظاہر کریں گے، یوسف ہارون سیکریٹری سندھ مسلم لیگ اور شیخ صادق حسن امرتسری نائب صدر پنجاب مسلم لیگ جیسے وفادارانِ ازلی کی غیرت بھی جوش میں آ گئی تھی انھوں نے حکومت کے اقدام کی مذمت میں نہایت سخت اخباری بیانات دیے تھے۔

یوپی سے آل انڈیا مسلم لیگ کے ممبر زیڈ، ایچ، لاری نے کہا:

''حکومت نے مسلم لیگ کو کھلا چیلنج دیا ہے اور ہندو مسلم سمجھوتے کے دروازے کو بڑی دیدہ دلیری سے بند کر دینے کا مظاہرہ کیا ہے''۔

خواجہ سر ناظم الدین کے بارے میں وایسرائے لکھتا ہے کہ اس نے کھل کر یہ بات کہی کہ ''اس مسئلے پر ہم جناح کا ساتھ دیں گے اور ضرورت پڑی تو استعفیٰ دینے کو تیار ہیں''۔

عام خیال یہی تھا کہ مسلم لیگ حکومت کے اقدام کے خلاف شدید ردعمل ظاہر کرے گی اور حکومت کو مجبور ہو کر اپنے رویے پر نظر ثانی کرنا پڑے گی، مگر جناح کے بیان سے مسلمانوں میں شدید مایوسی پھیلی، کہاں تو انھوں نے خود گاندھی جی کو دعوت دے کر خط لکھوایا اور حکومت کی جانب سے روڑے اٹکانے کی صورت میں شدید نتائج کی دھمکی دی، لیکن جب حکومت نے خط روک لیا تو اس موقعے پر جناح کا بیان گذشتہ جرأت مندانہ موقف سے بالکل مختلف بے جان اور متضاد تھا۔ انھوں نے اسے گہری چال سے تعبیر کیا اور کہا:

''حکومت نے خط روک کر کچھ برا نہیں کیا، دراصل یہ گاندھی (جی) کی ایک گہری چال تھی جس سے وہ ہمیں حکومت سے بھڑانا چاہتا تھا۔ میں نے دہلی کے اجلاس میں جو کچھ کہا تھا اسے غلط سمجھا گیا ہے، میں گاندھی کی طرف سے ایسی تحریر چاہتا ہوں، جس میں وہ صاف صاف یہ لکھیں کہ میں اس پالیسی سے ہاتھ اٹھاتا ہوں جو ۸/اگست کو بمبئی ریزولیشن میں طے کی ہے اور جس کی رو سے حکومت کے خلاف ''فتنۂ بغاوت'' بڑھا ہے۔ نیز میرا

مطلب یہ تھا کہ گاندھی پاکستان کا مطالبہ منظور کرنے کے بارے میں مجھے لکھیں۔ پس میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ اگر کوئی ایسی تحریر وہ مجھے لکھیں تو حکومت اسے ہرگز نہ روک سکے گی''۔ (ابوالکلام آزاد اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست: ۲۹۔۲۱۶)

راہِ حق کی مشکلات...... حضرت مدنیؒ کا ایک اور تاریخی خط:

یکم نومبر ۱۹۴۲ء: یکم نومبر کو نینی جیل (الہ آباد) میں حضرت کے ساتھ جیل حکام کی گستاخی کا جو اندوہ ناک واقعہ پیش آیا تھا جس نے پورے ہندوستان خصوصاً یوپی کے اضلاع میں جو بے چینی پیدا کر دی تھی اس کا ذکر آچکا ہے۔ اگرچہ حضرت نے جیلر کو معاف کر دیا تھا، لیکن حضرت کے عقیدت مندوں کے دل اس سے مطمئن نہ ہوئے تھے۔ حضرت کے اس خط میں جو مولانا ابوالحسن غازی پوری کے نام ہے کہ راہِ حق و جہاد حریت کی آزمائشوں کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت فرماتے ہیں:

عشق میں ان کے کوہِ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو
طعیش و نشاطِ زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

آپ کا اور شیخ ولی محمد صاحب کا خط پڑھ کر بہت رنج ہوا۔ خصوصاً آپ کی کم زوری پر، آپ اس واقعے کو سن کر رو دیئے اور دونوں صاحبوں کو قلق واضطراب کی اس قدر نوبت آئی! میرے محترم! یہ نانی جی کا گھر نہیں ہے اور نہ سسرال ہے، جہاں عزت، راحت، آرام، سکون کا خیال کیا جائے! یہ جیل ہے اور اہلِ وطن کا نہیں سات ہزار میل دور بسنے والی اس قوم کا ہے جس سے نہ ہم کو مذہبی، نہ زبانی، نہ نسلی، نہ معاشرتی، نہ لونی، نہ وطنی، کسی قسم کا اتحاد نہیں اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اس قوم کو ہم سے کوئی ہمدردی کہاں ہوسکتی ہے اور وہ کسی ہندوستانی کی عزت یا رفعت کو کب پہچان سکتی ہے، صرف اتحاد نوعیت یعنی انسانیت ہے مگر آج یورپین قومیں خود آپس میں کونسی انسانیت عمل میں لا رہی ہیں جو ایشیائی اور افریقی قوموں کے ساتھ عمل میں لائیں گی۔ جرمن سے روسی کس قسم کے شاکی ہیں اور روسیوں سے جرمن کیا شکایت کر رہے ہیں؟ پھر ہم تو ایشیائی اور ہندوستانی نیم وحشی ہیں ہی (ان کی نظر میں) وہ جو کچھ مراعات کرتے ہیں محض اپنے مصالح کی بنا پر۔ فقط، پھر ایسے کافر قوم کے افراد سے کوئی امید ہی ایسی ہے جیسے آگ سے پیاس بجھانے کی اور پانی سے جلا دینے کی۔

بہ ہر حال ہمارا اس میدانِ میں اترنا اس نصب العین کی بناء پر ہے جو ہم کو سید المرسلین علیہ السلام اور قرآن مجید نے بتایا ہے اور ہر قسم کی قربانیوں کا مطالبہ کیا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ۔ (الآیۃ)

اللہ نے خرید لی، مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال......

جاهدوا المشركين باموالكم وانفسكم و السنتكم۔ (الحدیث)

مشرکین سے جہاد کرو، اپنے مال، اپنی جان اور اپنی زبان سے۔

افضل الجهاد كلمة حق ...... (الحدیث)

بہترین جہاد حق بات کا ظالم بادشاہ کے سامنے کہنا ہے!

قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً، كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً۔ (الآیۃ)

لڑو سب مشرکوں سے ہر حال میں جیسے وہ لڑتے ہیں تم سب سے ہر حال میں۔

قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ۔ (الآیۃ)

اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے۔

میرے محترم! جب کہ اس دار الحرب کو جو کہ اس سے پہلے دار الاسلام تھا کفار نے اپنے قبضے میں لاکر احکام کفریہ اور شعائر لا دینیہ کا مرکز بنایا ہے تو ہر اس فرد پر جو کہ خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہے، فرض ہے کہ اپنی طاقت کے موافق ایسے ملاحدہ کے تسلط اور غلبے سے آزاد کرائے اور ان کی قوتوں اور شوکتوں کو مٹا دے۔ جب کہ کوئی ایسے عزائم لے کر کھڑا ہوگا تو کیا طاغوتی قوتیں اس کی طاقت، عزت، راحت وغیرہ کو صحیح وسالم چھوڑیں گے؟ انبیاء علیہم السلام نہیں چھوٹے ہم اور ہمارے جیسے لاکھوں کروڑوں عوام الناس تو در کنار۔

جو کچھ آپ تک خبریں پہنچیں یا جو کچھ شاہد صاحب نے بنارس میں بیان کیا اس تمام مجموعے کو ایک پلڑے رکھیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کو انتہائی تکالیف اور مشاق کفار سے اٹھانی پڑی ہیں، او ذيت في الله ولا يو ذى نبى (الحدیث) ''مجھ کو اللہ کی راہ میں جو تکلیف دی گئی وہ کسی اور نبی کو نہیں دی گئی'' ۔ ان کی معمولی مصیبت اور بے عزتی کو دوسرے پلڑے میں رکھیں، پھر دیکھیے کہ کون سا پلڑا بھاری رہتا ہے۔ ہم آپ کو

وارث نبوت مانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس وراثت میں سے کچھ نہ ملے۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

بہ ہر حال خود جیل کیا کم بے عزتی اور بے راحتی ہے پھر اس کے بعد وہاں پر تو انسان بالکل بے دست و پا ہو ہی جاتا ہے اور حکام جیل ہی کے مراحم پر اس کا بسر اوقات ہوتا ہے۔ وہ اگر مار بھی ڈالیں تو کس کو خبر ہو سکتی ہے اور ہاتھ پیر توڑ ڈالنا، مار پیٹ، بے عزتی اور تکالیف تو ادنیٰ چیزیں ہیں۔ مگر جب اس راستے میں چلے تو سب چیزوں کو پھول سمجھنا ضروری ہے، اوکھلی میں سر دیا تو موسلوں سے کیا ڈرنا

بھنور ابولے پھول کا کلی کلی رس لے
کانٹا لاگے پریم کا تڑپ تڑپ جیو دے

اب تفصیل واقعہ سنیے:

ا۔ جب سے یہاں آیا ہوں اس واقعے تک نہ میں افسر اعلیٰ اور اس کے نائب سے ملا ہوں اور نہ وہ مجھ سے ملا تھا، اس نے تو مجھ کو کبھی دیکھا ہی نہ تھا، میں نے دور سے دیکھا تھا مگر صورت شناس نہ تھا۔

۲۔ حکام جیل بالخصوص وہ شخص جو کہ سابق جیلوں میں چھوٹے عہدوں سے بڑا ہوا، مثل زبانیہ جہنم نہایت سخت، بدخو، بدزبان اور تندخو ہوتے ہیں، بالخصوص اینگلو انڈین۔

۳۔ میں عصر کے بعد اوراد و وظائف میں عموماً مشغول رہتا ہوں اور کمرے کے اندر ہی رہتا ہوں، مغرب کی نماز کے وقت نکلتا ہوں اور کمرے کے باہر ہی کمبل وغیرہ بچھا کر ہم چند مسلمان بارک کے اندر ہی پنج وقتہ نماز باجماعت پڑھا کرتے ہیں۔ بعض مسلمان دوسری بارکوں سے آجاتے ہیں اور جو کہ اسی بارک میں رہتے ہیں جس میں میں ہوں یعنی نمبر ا میں، وہ عشاء اور فجر میں بھی شریک جماعت ہوا کرتے ہیں۔ مغرب کے فرض ادا کرنے کے بعد میں نوافل میں ڈیڑھ دو پارے پڑھا کرتا ہوں، اس کے بعد بارک کے مسلمان کھانا ساتھ کھاتے ہیں اور پھر عشا کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد اپنے اپنے کمروں میں ہو جاتے ہیں۔

۴۔ بارکوں کے دروازے گرمیوں میں آٹھ بجے کے بعد بند ہوا کرتے تھے، جاڑوں میں ساڑھے سات بجے سے بند ہونے لگتے تھے۔ شمار اور گنتی ہر بارک کے آدمیوں کی بارک

ہی میں ہوا کرتی ہے۔ پولٹیکل قیدی اپنی اپنی جگہ پر گنے جاتے ہیں۔ میں نماز میں مشغول ہوتا تھا گننے والے کمرے ہی میں ہوتے ہوئے گن جاتے تھے اور اب بھی وہی حال ہے۔

۵۔ افسر اعلیٰ نے ایل سرکل نمبر ۵ کے جیلر سے کہا کہ تم اپنے سرکل کی بارکوں کو سات بجے بند کرو، اس نے ذمے دار بعض اشخاص سے کہا کہ افسر کا حکم سات بجے بند کرنے کا ہے، سرکل نمبر ا، والے (جن میں دوسرے پولٹیکل قیدی ہیں) ساڑھے سات بجے بند ہو جاتے ہیں، تم بھی اسی وقت بند ہو جایا کرو، اس نے جواب دیا کہ ہم نے بعض مطالبات سپرنٹنڈنٹ کو بھیجے ہیں ان کا جواب اب تک نہیں آیا، جب تک وہ پورے نہ ہوں جائیں ہم اس مطالبے کو پورا نہیں کریں گے۔ مگر اس کی مجھ کو اور میرے رفقا کو کوئی خبر نہ تھی، مجھ کو اور میرے رفقا کو اس بند ہونے پر نہ کوئی اعتراض تھا اور نہ اُن کے متعلق کوئی سوال پیدا ہوتا تھا، کیوں کہ مغرب سے پہلے وہ سب بارک میں آجاتے تھے اور صبح تک وہاں ہی رہتے تھے اور بالخصوص میں تو عصر سے تقریباً بند ہی رہتا ہوں بلکہ دوسرے اوقات میں میں بھی کمرے سے باہر بلا ضرورت نہیں نکلتا۔

۶۔ افسرانِ اعلیٰ کو یہ جواب اس ذمے دار کا ناگوار گزرا اور وہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لیے اپنی فورس لے کر ساڑھے چھ بجے جب کہ عین مغرب کا وقت تھا، بلا خبر و بلا نوٹس سرکل نمبر ۵ میں داخل ہوا اور سب سے پہلے ہماری بارک میں داخل ہوا، کیوں کہ نمبر ا، اسی کا ہے۔ اس نے بارک میں جو لوگ موجود تھے حکم دیا کہ بارک سے باہر نکل آؤ اور دھکے دے کر لوگوں کو نکلوایا۔

۷۔ میرا کمرہ بارک کے مشرقی کنارے پر ہے، وہ پہلے مغربی کنارے پر گیا اور جو لوگ اس طرف کمروں میں یا باہر کمروں کے تھے، دھکے دے کر نکالا، پھر مشرقی کنارہ پر آیا، ہمارے رفقا مغرب کی نماز کی تیاری کر رہے تھے، کمبل اور چادر بچھا رہے تھے، آفتاب غروب ہو چکا تھا، ان سے جب کہا گیا کہ بارک سے باہر نکل جاؤ تو انھوں نے کہا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے نماز پڑھ لیں، جس میں صرف پانچ چھ منٹ لگیں گے، اس کے بعد نکل جائیں گے۔ چھوٹا افسر جو کہ یورپین ہے، اس کو سن کر ساکت ہو گیا، اتنے میں افسر اعلیٰ (سپرنٹنڈنٹ) اینگلو انڈین پہنچا اور اس نے مولانا عبدالباری صاحب گورکھپوری کی بنیان میں اوپر سے ہاتھ ڈال کر کھینچا اور زور سے کہا نکل جاؤ، دوسروں نے پھر ان کو دھکا دیا۔ اسی

طرح مولانا عبدالسمیع صاحب سلطان پوری کو دھکا دیا گیا اور مولوی ماجد صاحب بستوی کو مارنے کے لیے بھی ہاتھ اٹھایا گیا۔ یہ سب یکے بعد دیگرے باہر نکل گئے۔ میں کمرے میں وظیفہ پڑھ رہا تھا مجھ کو ان تمام معاملات کی کوئی خبر نہ تھی، شوروشغب سن کر میں کھڑا ہوا دیکھتا ہوں کہ کمرے کے دروازے پر سپرنٹنڈنٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کھڑے ہیں اور ان کے ساتھ وارڈر اور نمبردار وغیرہ ہیں۔ میں نکلا تو انھوں نے کہا نکل جاؤ، میں نے کہا کہ اچھا جوتا پہن لوں، میں اس وقت چمڑے کا موزہ پہنے ہوئے تھا، جو کہ سردیوں میں پہنا کرتا ہوں، میں کھڑاویں لینے کے لیے بڑھنا چاہتا تھا کہ مجھ کو دھکا دیا گیا اس کی وجہ سے عمامہ سر پر سے گرنے لگا میں اس کو سنبھالنا چاہتا تھا کہ تیسرا دھکا دیا گیا، میں اُس کو سنبھال نہ سکا، وہ گر گیا پھر میں ٹوپی سنبھالنے لگا تو چوتھا زور سے دھکا دیا گیا، اس قدر زور سے دھکا دیا گیا کہ ٹوپی بھی گر پڑی اور اگر میں سنبھل نہ جاتا تو زمین پر گر پڑتا، بہرحال میں ننگے سر اور ننگے پاؤں وہی موزہ پہنے ہوئے باہر نکل گیا۔ اس کے دو منٹ بعد سپرنٹنڈنٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ وغیرہ سب باہر آ گئے۔ مجھ سے سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ آپ نے تو کمرے کو ہوٹل بنا رکھا ہے، میں نے کہا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ بارک میں چلے جاؤ، ہم لوگ پھر ایک ایک کرکے داخل ہو گئے اور گننے کے بعد بارک بند ہو گئی۔

۸۔ ہماری بارک والوں کو کوئی نوٹس اس سے پہلے نہیں دیا گیا تھا اور نہ کسی نے باہر نکلنے سے انکار ہی کیا تھا البتہ ہمارے ساتھی مسلمانوں نے یہ ضرور کہا تھا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے ہم نماز پڑھ لیں تو حسب حکم نکل جائیں گے، مگر میں نے یہ بھی نہیں کہا تھا۔

۹۔ جہاں تک مجھ کو معلوم ہے ہمارے رفقا اور بارک والوں میں کسی کو مارا نہیں گیا صرف دھکے دیے گئے۔ البتہ نمبر ۷ یا نمبر ۶ میں کچھ لوگ بارک سے باہر کھانا کھا رہے تھے اور یہی ہمیشہ سے ان کی عادت تھی، ان کو کھانے نہیں دیا گیا اور بعض کو مارا پیٹا بھی گیا، کھانا اور برتن چھوڑ کر وہ بند ہو گئے، ہماری بارک میں بھی بعض وہ لوگ جن کا کھانا دوسری بارکوں میں پکا کرتا تھا اس رات بھوکے رہے۔

۱۰۔ صبح کو ہم چار آدمیوں (حسین احمد، عبدالباری، ماجد حسین، عبدالسمیع) نے اپنے دستخطوں سے عرضی لکھی کہ چوں کہ ہمارے ساتھ ایسا ایسا معاملہ کیا گیا ہے اس لیے ہم کو مشیر قانون لاری صاحب سے ملایا جائے تاکہ ہم قانونی چارہ جوئی کریں۔ یہ عرضی ہم نے سرکل

جیلر کے ہاتھ میں دے دی، یہ عرضی انگریزی میں تھی اور تقریباً بارہ بجے جیلر صاحب کو دی گئی تھی، جیلر اس ہنگامے کے وقت فورس میں موجود نہ تھے۔ واقعہ سن کر ان کو بھی بہت افسوس ہوا۔

۱۱۔ تقریباً ۲ بجے سردار جوگندر سنگھ (جو کہ ضلع بہرائچ سے پولیٹیکل سیکھ قیدی پرزنر تھے اور مرکزی اسمبلی کے ممبر ہیں) آئے، (وہ پہلے سے اسپتال میں تھے، ان کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو پہلے صبح کو ۹ یا ۱۰ بجے آئے تھے اور تمام واقعہ سن کر بہت برہم ہوئے تھے) انھوں نے فرمایا کہ سپرنٹنڈنٹ تین موہانی میں (وسط جیل میں ایک چوکی ہے، جس میں محافظ جیل وغیرہ بیٹھا کرتے ہیں) آیا ہوا ہے، اس نے مجھ کو بلایا تھا اور وہ مجھ سے کہتا ہے کل شام کو جو واقعہ ہوا ہے اس کا مجھ کو بہت افسوس ہے۔ میں مولانا مدنی کو پہچانتا نہ تھا، ان کو بلا دو، میں اُن سے معافی مانگوں گا۔ سردار صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں نے اس کو بہت لعنت ملامت کی ہے، اس لیے میری رائے ہے کہ تو میرے ساتھ چل کر اس کو معافی دے دے۔ میں نے کہا کہ یہ سوال اب شخصی نہیں رہا ہے بلکہ تمام جماعت کا سوال ہے، اس لیے آپ سب صاحبوں سے پوچھ لیجیے، انھوں نے ہر بارک کے چیدہ چیدہ اشخاص بلائے اور مشورہ لیا اور سبھوں کی غالب رائے یہ ہوئی کہ جب وہ معافی مانگتا ہے تو معافی دے دینی چاہیے۔

میں نے کہا کہ اچھا اب آپ جا کر اس سے کہہ دیجیے کہ حسین احمد نے معاف کر دیا۔ اتنے میں چیف وارڈر آ گیا اور اس نے اصرار کیا کہ تجھ کو خود وہاں چل کر معافی دے دینی چاہیے۔ پھر سردار صاحب موصوف بھی اسی کے ہم کلام ہو گئے، بعض دوسروں کی بھی اس قسم کی رائے ہوئی، میں چلا گیا۔ اس نے اوّلاً عذر کیا کہ میں تو خیال کرتا تھا کہ تو سفید ریش معمر آدمی ہوگا، میں تجھ کو پہچانتا نہ تھا، وغیرہ وغیرہ۔

میں اس کو جواب دیتا رہا، بالآخر اُس نے کہا مجھے افسوس ہے اور میں معافی چاہتا ہوں، میں اس کے بعد چلا آیا۔ اس نے اثنائے گفتگو میں یہ بھی کہا کہ میں نے وارڈروں کو پہلے سے تاکید کر دی تھی کہ کسی کو ہاتھ نہ لگانا، میں نے کہا کہ پھر تو ان کو سزا دینا چاہیے، اس نے چیف وارڈر کو کہا کہ پتا لگاؤ کہ وہ کون کون تھے، ان کو سزا دیں گے۔ مگر یہ وقتی مدافعت تھی ورنہ جو کچھ گزرا تھا اس کے سامنے ہی گزرا تھا، اس نے کسی کو کچھ بھی نہیں کہا تھا۔

میرے آنے کے بعد دوسرے لوگوں اور سردار صاحب موصوف سے اس کی بات

چیت ہوتی رہی اور جو تشدد وہ تمام سرکل والوں پر کرنا چاہتا تھا اس سے باز آگیا۔ اب کوئی سختی نہیں ہے،

یہ واقعہ ہے، مجھے معلوم نہیں کہ اب تک کیا کیا باتیں پہنچیں، ہمارے تین شرکائے باقیین سے نہ معافی طلب کی گئی اور نہ انھوں نے معافی دی۔ وہ عرضی ہم کو آج تک نہ واپس کی گئی اور نہ ہم نے طلب کی۔ ایک شریک مولانا عبدالسمیع صاحب سلطان پوری صاحب رہا ہو کر چلے گئے، مولانا عبدالباری صاحب اور ماجد صاحب باقی ہیں۔ آج کل میں ان کی بھی رہائی کی خبریں ہیں، وہ نکلیں گے تو ان سے اور احوال وغیرہ معلوم ہوں گے۔ پریشان نہ ہونا چاہیے۔ شیخ ولی محمد صاحب کو بھی یہ تفصیل بتا دیجیے اور مولوی فضل الرحمٰن سلمہٗ کو بھی، مولوی نور محمد صاحب کی زبانی معلوم کر کے بے چینی ہوئی ہے، ان کو بھی مطمئن کر دیجیے۔ اس واقعے کی بنا پر شیخ ولی محمد صاحب کو طلب کرنا بے موقع تھا۔ میں نے کوئی ضرورت نہیں سمجھی، اس لیے آپ کو نہیں لکھا تھا۔

والسلام ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

حضرت کے اس مکتوب گرامی پر مولانا نجم الدین اصلاحی مرحوم نے ایک حاشیہ لکھا تھا، جو نذر قارئین ہے:

۲۴ رجنوری ۱۹۴۳ء حضرت امام العصر" کو نینی جیل الہ آباد میں داخل کیا گیا، مولانا سید محمد شاہ صاحب فاخری خلف جناب مولانا محمد فاخر صاحب الہٰ آبادی سجادہ نشین دایرۂ حضرت شاہ اجمل صاحب قدس سرہٗ العزیز (الہٰ آباد)، مولانا عبدالحی صاحب، عبدالمجید صاحب، مولانا عبدالقیوم صاحب لکھنوی، مولانا عبدالباری صاحب عباسی گورکھ پوری جیسے احباب وہاں بھی موجود تھے۔ یہ حضرات یکے بعد دیگرے رہا ہوتے رہے، مگر حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی تقریباً ۱۹ ماہ نینی جیل میں محبوس رہے۔ یکم نومبر ۱۹۴۲ء کو نماز مغرب کے وقت سپرنٹنڈنٹ جیل نے حضرت کے ساتھ گستاخانہ حرکت کی، صرف اس بنا پر کہ گنتی کے لیے جس قدر عجلت سے وہ طلب کر رہا تھا اتنی عجلت سے حضرت اس کی تعمیل نہ کر سکے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ کی اس شوخ چشمی سے جیل کے تمام نظر بند برافروختہ ہو گئے اور جب رفتہ رفتہ باہر خبر پہنچی تو ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور اگرچہ سپرنٹنڈنٹ جیل کو اگلے دن ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا، چناں چہ تیسرے روز

حضرت سے معافی مانگ لی تھی، مگر جیل سے باہر تمام ہندوستان میں ایجی ٹیشن بڑھتا رہا۔ چناں چہ ۲۶؍نومبر ۱۹۴۲ء کو جیل سے باہر تمام ہندوستان میں احتجاجی جلسے کیے گئے، بالآخر ۲۷؍نومبر ۱۹۴۲ء کو ہندوستان ٹائمز میں گورنر یوپی کا ایک کمیونک شائع ہوا جس میں اس واقعے کی طرف توجہ کرتے ہوئے ذکر کیا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ جیل نے مولانا کے سامنے اظہار افسوس کیا اور اب مولانا افسرانِ جیل سے مطمئن ہیں، لیکن حضرت کے متوسلین کے لیے یہ کمیونک بھی اطمینان بخش نہ تھا، ان کا اصرار تھا کہ سپرنٹنڈنٹ کو برطرف کیا جائے، لیکن حضرت کا ایک پیغام پہنچا کہ ہم نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو معاف کر دیا۔

۸؍نومبر ۱۹۴۲ء: ۷؍اکتوبر ۱۹۴۲ء کو چودھری خلیق الزماں نے مسٹر جناح کو جو خط لکھا تھا، اس کا انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا، چودھری صاحب لکھتے ہے:

''میرے اس خط کا جناح صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا، اس لیے میں نے مجبوراً ۸؍نومبر ۱۹۴۲ء کی ورکنگ کمیٹی کی دلی کی ایک میٹنگ میں یہ مشورہ پیش کیا اور مختصراً اپنے اعتراضات کا ذکر کرنے لگا، اتنے میں مسٹر حسین امام جواب مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے ممبر ہو چکے تھے، بول اُٹھے کہ چودھری صاحب! اگر انبالہ ڈویژن الگ کر دیا جائے تو ہمارا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

جس کے معنی یہ تھے کہ جو کچھ راجہ مہیشور دیال کہتے تھے وہ (حسین امام) مجھ سے کہنے لگے ہیں، میں نے کہا جب صوبہ پنجاب کے کسی حصے سے نکلنے کا سوال آئے گا، تو وہ کسی اصول کی بنیاد پر ہوگا، اگر اصول یہ قرار پایا کہ پنجاب سے وہ حصے الگ ہو جائیں جن میں مسلم اکثریت نہیں تو پھر ہم کو لاہور سے پہلے کہیں ٹھہرنے کا موقع نہ ہوگا۔

اس پر مسٹر جناح نے مجھے مخاطب کر کے کہا تمہارے خیالات اس مسئلے میں مجھے معلوم ہیں، مگر ہمارا کوئی ارادہ پنجاب کی تقسیم کے متعلق نہیں ہے، اس کے بعد میں خاموش ہو گیا اور خاموش نہ ہو جاتا تو کیا کرتا، اخبارات میں ہندو مہاسبھا کے لیڈروں کی مسلم لیگ کے لیڈروں سے ملاقات اور گفتگو چھپتی رہی تھی، مگر ہمارے سیکرٹری یا صدر نے اس کی کبھی تردید نہ کی، میرے لیے یہ سب سوہانِ روح تھا''۔ (شاہراہِ پاکستان: ص ۲۸۲)

۱۹۴۳ء

۱۹۴۲ اور ۱۹۴۳ء کے بعض واقعات پر تبصرہ

ایک عالم ربانی کی اسارت:

حضرت شیخ الاسلامؒ کی گرفتاری پر قوم کے مختلف طبقوں اور حلقوں، سیاست، تعلیم، صحافت وغیرہ میں شدید ردعمل ہوا محمد یحییٰ اعظمی نے جو دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے وابستہ اور ایک اچھے شاعر ہیں، نظم میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے:

یہ کس کا حجرہ زنداں بنا ہے آج نورانی — ملک بھی ہیں طوافِ شوق مین گرم پر افشانی
جدھر دیکھو درو دیوار پر موجِ تجلی ہے — نظر آتی ہے یہ کس کے رخِ اقدس کی تابانی
جہانِ جو رواستبداد کو کوئی خبر کردے — حسین احمد ہوئے پھر خوبیٔ قسمت سے زندانی
وہ جس کی زندگانی کا شرف ہو اُسوۂ یوسف — اُسے ہوگی بھلا کیا تجن وزنداں سے پریشانی
پرستارانِ حق گھبرائیں کیوں اس یوسفستان سے — یہ زنداں تو رہا ہے جلوہ گاہِ ماہِ کنعانی
کبھی اس کلبۂ احزاں میں بھی گردیکھیے جاکر — وہی ہونٹوں پہ ہے موجِ تبسم ہائے پنہانی
ہجومِ ابتلا میں بھی ہے وہ اللہ کا بندہ — تبسم برلب و خندہ جبین دخندہ پیشانی
وہی ہے شیوہ صبر درضا کی جلوہ فرمائی — متاعِ فقر واستغنا کی یعنی ہے فراوانی
فقط اک بوریائے فقر ہے اور گوشۂ زنداں — بسر کرتے ہیں یونہی زندگانی حق کے زندانی
مبارک سرخوشانِ عیش کو کاشانۂ راحت — مجاہد کے لیے زیباں نہیں ذوق تن آسانی
صحابہ کی حیاتِ پاک کو اُس نے نہیں جانا — حقیقت میں یہ شانِ زندگی جس نے نہ پہچانی
وہ جس کی خلوتِ شب کی بدولت اب بھی تازہ ہے — گداز بوذرؓ و عشقِ اُویسؒ و سوز سلمانیؓ
نگاہیں ہوں تو آکر دیکھیے اس ذاتِ اقدس میں — جمالِ رحمۃ للعالمین کی پر تو افشانی
وہ سینہ ہے کہ گنجینہ ہے اخبارِ پیمبر ﷺ کا — وہ سیما ہے کہ ہے آئینۂ انوار ربانی
تعالیٰ اللہ رہ رخشندہ و تابندہ پیشانی — جسے دیکھو تو ہوجاتا ہے تازہ ذوق ایمانی
پہنچ کر بزمِ اقدس میں نگاہیں محوِ حیرت ہیں — فرشتہ ہے یہ کوئی سامنے یا شکلِ انسانی

وہ زاہد رات کا دن کا مجاہد شان ہے جس کی
نظر آتا نہیں اس عہد میں اس کا کوئی ثانی

وطن کا میرِ لشکر پیر دانا بزمِ قومی کا
مسلماں کا امام ومقتداد شیخ لاثانی

زعیم ملک وہ فخرِ وطن وہ نازشِ ملت
سیاست جس کی اسلامی فراست جس کی ایمانی

شعار اس کا بزرگانِ سلف کا زہد و تقویٰ ہے
جہاد اس کا نہیں پابند قید سبحہ گردانی

جدا ہے رسم و راہِ خانقاہی سے طریق اس کا
زمانہ سے الگ ہے اس کا آئینِ خدادانی

وہ مستِ بادۂ عرفاں ہے جس کی روح اسلامی
وہ ناز بوذر دسلماں، ہے جس کا ذوق ایمانی

وہ جس نے مدتوں اس آستاں کی خاک چھانی ہے
وہ جس نے کی ہو برسوں روضۂ اقدس کی دربانی

نہ دیں کیوں اہل ملت دیدہ و دل میں جگہ اس کو
جسے حاصل ہوئی ہو یثرب و بطحا کی مہمانی

نگاہوں میں ابھی تک برق ایمن کی تجلی ہے
دل روشن میں ہے شمعِ حرا کی پرتو افشانی

یقین جس کو نہ ہو وہ آکے دیکھے چہرۂ انور
عطیہ ہے اسی دربار کا وہ داغِ پیشانی

قسم اسلاف کے ذوقِ جہاد و زہد و تقویٰ کی
یہی اس عہد میں ہیں حاملِ پیغامِ ربانی

یہی اب عالمانِ دین ربانی کے خاتم ہیں
یہی اب یادگارِ محفل محمودؒ و قاسمؒ ہیں

۱؎ نوائے حیات (مجموعۂ کلام): اعظم گڑھ، ۱۹۵۰ء، ص ۵۹، ۵۸)

دار العلوم سے حضرت کے اخراج کی سازش اور اس میں ناکامی:

اس سازش کا آغاز حیدر آباد کے ایما پر ۱۹۴۲ء میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کو صدر مہتمم بنائے جانے سے ہوا تھا۔ ۲۴ رجون ۱۹۴۲ء کو حضرت شیخ الاسلام کی گرفتاری کے بعد اس پر عمل درآمد کی کارروائی میں سرگرمی پیدا ہوئی اور ۲۴ رجون ۱۹۴۳ء سے پہلے اہتمام کی صدارت سے حضرت مولانا عثمانی کے استعفیٰ سے اس منصوبے پر پانی پھیر گیا۔ اس مسئلے پر مولانا قاضی زاہد الحسینی کے سوا کسی نے قلم نہیں اٹھایا۔

دیکھیے: چراغ محمد ﷺ از مولانا زاہد الحسینی اور صدر مہتمم کی حیثیت سے حضرت مولانا عثمانی کے تقرر سے حیدر آباد کی دل چسپی کے لیے دیکھیے مولانا کی وفات پر حضرت علامہ سید سلمان ندوی کا مقالہ شمولہ "یادرفتگان" (ا س ش)

"شیخ الاسلام گرفتار کر کے قید کر دیے گئے تو طلبہ میں لازماً اضطراب اور ہیجان پیدا

ہوا، مگر حسبِ تحریر جناب قاری محمد طیب صاحبؒ کوئی بات خلافِ قانون یا خلافِ قواعد دار العلوم دیو بند ظہور پذیر نہیں ہوئی، جیسا کہ جناب قاری صاحب نے خود تاریخ دار العلوم دیو بند/ج ا/ص ۳۰۷ میں فرمایا ہے

یہ تو دار العلوم دیو بند کے اس وقت کے مہتمم صاحب کا بیان ہے اس کے برعکس ''حیاتِ عثمانی'' کے مولف شیر کوٹی لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا مدنیؒ کی گرفتاری کے بعد دار العلوم دیو بند کے طلبہ مولانا سے مراد آباد جیل میں ملنے گئے اور مولانا مدنی کو دیکھ کر رونے لگے، اس پر ناخوش ہوکر مولانا مدنی نے کچھ ایسے الفاظ فرمائے جس سے طلبہ یہ سمجھے کہ حضرت کا منشا یہ ہے کہ طلبہ جیل جائیں حال آں کہ مولانا کا یہ منشا نہ تھا''۔ (صفحہ ۴۶۵)

اس سلسلے میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

''بہ ہر حال صدر مہتمم اور مہتمم دونوں طلبہ کی ان ہنگامہ آرائیوں سے جن کا ذکر حافظ محمد یوسف صاحب رُکن مجلس شوریٰ نے کیا ہے سخت برہم تھے اور ان ہی وجوہات کی بنا پر اس قسم کے ہنگامہ خیز انسٹھ طلبہ کو خارج کر دیا گیا''۔ (صفحہ ۴۶۷)

اسی کے ساتھ دار العلوم کے کئی ملازمین کو بھی برخاست کر دیا گیا۔ حضرت مدنیؒ کو دوسرے ذرائع کے علاوہ جناب قاری صاحب کے خطوط سے بھی صورتِ حال کا علم ہوا تو آپ نے جنابِ مہتمم صاحب کو خطوط لکھے جن کا اقتباس درج ذیل ہے اور ساتھ مجلس شوریٰ کے ممبروں کو بھی خطوط لکھے، حضرت مدنی کو طلبہ کے ساتھ جو محبت اور تعلق تھا اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اس لادینی کے دور میں علوم دینیہ پڑھنے والوں کی ہمت افزائی کی جائے اور حتی المقدور ان کی کمزوریوں سے صرفِ نظر کیا جائے، چناں چہ کئی ایسے بے احتیاط طلباء کا جب اہتمام کی طرف سے کھانا بند ہو جاتا تھا تو حضرتؒ اپنے گھر سے کھانے کا انتظام فرما دیا کرتے تھے، بیک جنبشِ قلم ۶۰ طلبہ کا اخراج و متعدد ملازمین کو ملازمت سے برخاست کر دینا حضرت جیسا رحم دل کسی طرح برداشت کر سکتا تھا، آپ نے اپنے خطوط میں کئی حضرات کو اس طرف متوجہ دلائی، مجلس شوریٰ کے ایک ممبر کو ایک طویل خط تحریر فرمایا جس میں لکھا:

''یہ مسلمانوں کے نوجوان بچے ہیں، ناتجربہ کار ہیں، کم عقل ہیں، کیا ان کی مذہبی پرورش (جو کہ اس دورِ الحاد و زندقہ میں از بس ضروری اور قابل توجہ ہے) کا یہی طریقہ رہ گیا تھا؟ اپنے گھرانوں اور خاندانوں کے بچوں کو دیکھیے کہ اُن سے کس قدر نافرمانیاں، نالائقیاں آئے دن صادر ہوتی رہتی ہیں اور آپ طرح پر طرح دیتے رہتے ہیں، یہ بھی تو آپ ہی کے بچے ہیں ان پر ایسا نادر شاہی حکم کیوں صادر فرماتے ہیں، اور ہمیشہ کے لیے علوم دینیہ اور معارف الٰہیہ سے محروم کر رہے ہیں! بیشک ان کی تربیت کیجیے، سرد اور گرم معاملہ برتیے مگر نہ اس طرح جیسا کہ کر چکے ہیں اور غالباً آگے بھی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، کیا وہ طلبہ جن کو ہمیشہ مہمانانِ رسول علیہ السلام کہا جاتا تھا، اور لوگوں کو چندہ اور کھانے کی ترغیب ایسے ایسے الفاظ سے دی جاتی تھی، ان کی یہی گت ہونی چاہیے جو آپ نے مطبخ بند کر کے دو تین دن کی مہلت سے جرنیلی حکم دے کر اُن کی تمام اشیاء نیلام کرا کے ظاہر فرمائی ہے، ایسا انوکھا حکم نہ ہم نے کسی عربی مدرسہ میں دیکھا اور نہ سنا، نہ انگریزی مدارس میں نہ مسلمانوں کی درسگاہوں میں نہ ہندوؤں کی درسگاہوں میں! آج ذرا آنکھیں اُٹھا کر اہلِ بنارس کی ہندو یونیورسٹی کو دیکھ لیجیے، انھوں نے کیا کیا، طلبہ نے کیا کیا، گورنمنٹ نے کیا کیا؛ پھر میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ درس گاہ جو کہ تین لاکھ روپیہ سالانہ گورنمنٹ سے لیتی ہے وہ تو اس قدر بے حواس نہ ہو اور آپ اس قدر مضطرب اور فاقد الحواس ہو جائیں! آخر یہ کیا معاملہ ہے؟

کیا یہی طریقہ حضرت شیخ الہندؒ کا تھا، کیا یہی طریقہ حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی رحمہم اللہ تعالیٰ کا تھا، کیا یہی طریقہ عام مسلم پبلک اور حضرات اپنی اولادوں اور چھوٹوں سے برت رہے ہیں، اور اگر ایسا نہیں ہے تو دارالعلوم کے نادار، غریب الوطن نوجوان طلبہ کے ساتھ یہ سلوک کیوں روا رکھ رہے ہیں؟ معاف فرمائیں یہ کلمات مخلصانہ شکایات ہیں معاذ اللہ آپ کے وقار اور پرسٹیج پر حملہ نہیں ہے، اگر میں غلط نہیں کہہ رہا

ہوں تو آئندہ کے لیے جلد سے جلد اصلاح فرمائیے اور اگر آپ کے نزدیک میری عرایض گوزِ خر ہونے کے لائق ہیں تو کالائے بد بریش خاوند''۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون''

(مکتوبات جلد ۱، ص ۷۸۔۳۷۷)

دوسرا خط جناب قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نام ارسال فرمایا:

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج مبارک! مفصل والا نامہ باعثِ سرفرازی ہوا، یاد آوری کا شکر گذار ہوں، آپ نے میری عرایض کی طرف توجہ فرمائی اس کا شکریہ پیش کرتا ہوں، جناب کے والا نامہ سے بہت سی غیر معلوم باتیں معلوم ہوئیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر عطا فرمائے اور آپ کی مدد فرمائے اور اپنی خاص نعمتوں سے نوازے، آمین

آپ نے طلبہ کے داخلے میں جس اعلیٰ حوصلگی اور وسعتِ قلبی کا ثبوت دیا ہے بلا شک موجب اجرِ جزیل اور شکر جمیل ہے، میرے محترم! قومی اور اجتماعی کاموں میں ایلوے کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں بلکہ جس قدر زیادہ خدمات انجام دینی ہوتی ہیں اُس قدر زیادہ صبر اور تحمل کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ انبیاے کرام علیہم السلام کو بہت ہی زیادہ مصائب کا سامنا ہوتا ہے: اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل مثل شاہدِ عدل ہے۔ قرآن میں جس قدر صبر کے لیے آیات ہیں کسی اور خلق اور امر کے لیے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بڑا منصب دیا ہے اس میں آپ کو بہت زیادہ تحمل اور صبر کی ضرورت اور بہت زیادہ خدمتِ خلق کا موقع ہے، جس طرح آپ کے لیے خدماتِ مفوضہ باحسن وجودہ انجام دینے پر بہت زیادہ اجر و ثواب بھی ہے۔

میرے محترم! ان کاموں کو انجام دینے میں اجتماعی فلسفہ ہی کو کام میں لانا پڑے گا، انفرادی اشغال میں آپ مخلی بالطبع ہو سکتے ہیں اور استبداد کو کام میں لا سکتے ہیں کوئی آپ کا معارضہ نہیں کر سکتا، راحت اور آرام کی زندگی بسر کرتے ہیں مگر اجتماعی زندگی کا فلسفہ ہی اور ہے، یہاں قدم قدم پر کانٹے ہیں اور دل آزاری ہے:

بھنورا لو بھی پھول کا، کلی کلی رس لے
کانٹا لاگے پریم کا تڑپ تڑپ جیودے

مت گھبرایئے اور صبر و استقلال اور اعلیٰ ہمتی اور خوشدلی کے ساتھ اس باغ محمدی علیہ السلام کو سر سبز و شاداب کیجیے، فیوض قاسمی کو چار دانگ عالم میں منتشر کیجیے، ٹھوکریں لگیں گی تو آہ مت کیجیے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ط
(الاحزاب، آیت ۲۱)

صبر کن حافظ بسختی روز و شب
عاقبت روزے بیابی کام را

اخلاص وللّٰہیت، تقویٰ اور خشیت کو ہاتھ، دل و جان میں محفوظ رکھیے، یہی رشیدیت ہے، یہی قاسمیت ہے، یہی امدادیت ہے کان اللہ فی عونکم، زمانہ کی تیز و تند ہوائیں چلیں گی، سمندروں کو موجیں تھپیڑے ماریں گی، خواہشات کے زلزلے آئیں گے، اصحابِ اغراض جھڑ جھڑائیں گے مگر آپ کو کوہ ہمالیہ بننا چاہیے، پر دامت کیجیے اور سعی پیہم میں مردانہ وار گامزنی کرتے رہیے، حضرتِ قاسم قدس سرہ العزیز نے لوگوں کی چلمیں بھر بھر کر اور پاؤں دبا دبا کر ان کو راہ پر لانے کا شیوہ اختیار کیا تھا تو ان کے اخلافِ صدق کو اس میں عار نہ آنا چاہیے اور نہ گھبرانا چاہیے اور ہمت بلند ہی رہنی چاہیے، حسن تدبیر اور حکمتِ صدق کو اختیار کر کے سلف صالح اور ان کے فیض کو زندہ کرنا چاہیے، ہم ناکارے بدنام کنندہ نکونامان آپ کے ساتھ ہیں، حسب طاقت خدمات انجام دیتے رہیے اور ان شاء اللہ دیں گے۔ واللہ یھدینا وایاکم لما یحب ویرضی آمین.

والسلام: ''ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ'' (مکتوبات: ج ۲، ص ۹۱۔۱۸۳)

ایک دوسرے مکتوبِ گرامی بنام قاری محمد طیب صاحب میں تحریر فرماتے ہیں:
''محترما! میں نے جو کچھ لکھا تھا کہ ہم تینوں کا اشتراکِ عمل مدرسہ کے بہبود اور ترقی کے لیے ضروری ہے، اس کا مطلب یہی تھا کہ اپنی انفرادی زندگی کے لیے تو ہر ایک ایسے سامان رکھتا ہے کہ جن کی بنا پر کسی کو کسی کی حاجت نہیں مستقل طور پر گزر بسر کرتا اور کر سکتا ہے، مگر دار العلوم کی بہبود اور ترقی کے لیے ہم تینوں (مولانا عثمانی، قاری صاحب اور حضرت مدنیؒ) میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کی حاجت ہے۔ آپس میں سر جوڑ کر ہم اپنی جدوجہد جاری رکھیں، تمام امور میں مشورہ کریں اور یک جہتی سے کام کریں، صاف دلی کے ساتھ دوسرے کے مشورہ کو قبول کریں، کبھی اپنی رائے پر ہٹ نہ کریں جو مفید اور حق بات ہو قبول

کریں خواہ اپنی رائے کے خلاف ہی ہو اپنی بات کی پچ نہ ہونی چاہیے، جیسا کہ حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز کی ہدایت ہے، منفرد ہو کر یا آمر و ڈکٹیٹر بن کر کام نہ چلائیں، میں نے اپنے آپ کو آج تک امورِ مدرسہ بالخصوص انتظامات میں اسی درجہ کا سمجھا ہے اور جہاں تک مجھے یاد ہے، ممبروں نے بھی ہم تینوں کو یہی درجہ دیا ہے، بحیثیتِ اہتمام اگر چہ قوتِ عاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے اور تھی مگر یہ قید کہ تینوں کی رائے کا اعتبار ہو اور اختلافِ رائے میں کثرتِ رائے کا اعتبار ہو اسی لیے تھی، ممکن ہے کبھی آپ نے میرے اکھڑ پنے کی وجہ سے یہ خیال فرمایا ہو کہ یہ اپنی بات منوانا چاہتا ہے اور آمریت کو عمل میں لاتا ہے مگر میرے دل میں کبھی مشاورت سے زیادہ کا خیال نہیں رہا ہے اور بسا اوقات میں نے اپنی رائے کے خلاف آپ حضرات کی رائے کے سامنے سر جھکایا ہے، ہاں بعض طلبہ کے داخلے یا امداد کے مسئلے میں البتہ اتنا زور دیتا رہا ہوں، اور اس مرتبہ بھی جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آپ دونوں حضرات نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تقریباً اسی طالب علم مدرسہ سے بالکل خارج کر دیے جائیں اس کا مجھے سخت صدمہ ہوا، اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ موجودہ زمانے میں جس قدر بھی ہم سے ممکن ہے لوگوں کو مسلمان اور صحیح العقیدہ مسلمان بنائیں اور حسبِ فرمانِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام فاستوصوا بھم خیرا (۱) ممکن سے ممکن درجے تک طلبہ کو راہِ راست تک کھینچیں تا کہ یہ نوجوان پڑھ لکھ کر اپنی حالت بھی درست کریں اور اسلام کے سچے مبلغ بنیں، اخراج کرنا اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم کر دینا ہے اور ہماری انتہائی سزا ہے جس سے بہت سے خطرات ہیں، شدید ضرورت اور انتہائی معصیت کے وقت میں اس کو استعمال کرنا چاہیے، اس لیے بطور مشورہ ہر دو عریضہ میں لکھا تھا مجبور کرنا ہرگز ہرگز مقصود نہ تھا میں ہمیشہ کا خادم ہوں مگر نالائق، آپ حضرات بالخصوص حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز کے خاندان کا خیر خواہ مگر اکھڑ دریوزہ گر ہوں، ناکارہ غلام ہوں مگر بیوقوف، میری عین خواہش ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاف اُس طریقے پر مضبوطی سے قائم رہیں جس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ چلتے رہے اور جس پر ہم دور اُفتادوں کو چلایا۔ میں جب ان کے اخلاف صدق میں سے کسی کو

۱۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک طویل ارشاد کا ایک حصہ ہے جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ کو ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس لوگ دین سیکھنے کے لیے آئیں گے تم خود بھی ان کا احترام کرو اور ان کے ساتھ بھلائی کرو اور دوسروں کو بھی بھلائی کرنے کی وصیت کرو۔

اس طریقہ سے دور اور خلاف پاتا ہوں تو بہت زیادہ متاثر ہوتا ہوں، چوں کہ زور کچھ نہیں اس لیے گھٹ کر رہ جاتا ہوں اور کنارہ کش ہو جاتا ہوں، نیز چوں کہ گوناگوں افکار میں مبتلا رہتا ہوں، مشغولیتیں بہت زیادہ رکھتا ہوں اس لیے یہی اختراع کیا جاتا ہے کہ یہ ہم سے کنارہ کش ہے ورنہ حقیقت یہ نہیں! میرا کبھی بھی یہ خیال نہیں ہے کہ معاذ اللہ خاندانِ قاسمی کو کوئی گزند پہنچے۔ ارادہ اور عمل تو درکنار، اگر کسی بات سے یہ انتزاع کیا جائے تو یہ غیر صحیح ہوگا۔

بہر حال اس اجتماع میں بھی اور آیندہ میں بھی جو صورت حقیقی مفاد دار العلوم اور ملت اسلامیہ کی ہو اسے اختیار فرمائیں، ہرگز ہرگز شخصی اور بالخصوص حسین احمد کے مفاد پر ترجیح نہ دیں، نہ دار العلوم حسین احمد پر موقوف ہے اس کے جیسے نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہزاروں درجہ بڑھ کر آپ کی جماعت میں جو کہ اسلاف کرام کے دریوزہ گروں کی جماعت ہے، علمائے کرام اور صلحائے عظام موجود ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو تنکے سے کام لے لیتا ہے اور پہاڑ رہ جاتا ہے، حضرت مولانا فخر الحسن صاحب (محشی کتب احادیث) اور مولانا عبد العدل صاحب حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز کے شاگردوں میں سب سے زیادہ ذکی، حفظ اور ذہن وغیرہ اعلیٰ درجہ رکھنے والے تھے۔ مولانا احمد حسن صاحب امروہوی دوسرے درجے میں تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عنایت بھی ان پر سب سے زیادہ تھی، ہمارے آقا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ان سب میں گرے ہوئے شمار کیے جاتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے ذریعے سے جو کام لیا وہ اِن میں سے کسی سے نہیں ہوا اور نہ ہو سکا، آج فیضِ قاسمی عالم میں میزابِ محمودی سے جاری ہے، حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سب سے زیادہ غبی مشہور تھے مگر خاندانِ ولی اللہی کا فیض ان ہی سے جاری ہوا، بڑے بڑے مشاہیر علما اور راز کیا دھرے رہ گئے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ دار العلوم کا فیض چلانا چاہے گا تو ایک تنکے سے وہ کام لے گا جن کا وہم و گمان بھی کسی کو نہیں ہو سکتا، حسین احمد کی زندگی اور معیشت بھی دار العلوم پر موقوف نہیں مَامِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا کی بنا پر خالق

کہیں نہ کہیں سے رزق پہنچائے گا ان شاء اللہ، اس لیے میری مشروط ملازمت میں اگر کلام ہے یا میرے عقیدے یا دستور العمل میں کلام ہے تو مفادِ دار العلوم اور ملت کو سامنے رکھ کر آپ اور ممبران تجویز فرمائیں، مجھ کو جو کچھ اپنے اکابر سے پہنچا ہے اس کو چھوڑ نہیں سکتا نہ چھوڑوں گا ان شاء اللہ باقی جو کچھ میری سمجھ میں بہتری کا ذریعے آئے گا عرض کرتا رہوں گا، باقی اپنے منشا پر مجبور کرنا نہ میرا منصب ہے اور نہ کبھی ہوا، تقدیرِ الٰہی میں نہ تھا کہ میں شریک اجلاس شوال ہوتا اور بظاہر اس اجلاس میں بھی شرکت کی کوئی اُمید نہیں ہے اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی اعانت فرمائے اور اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے۔ والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ (از جیل مراد آباد)

(مکتوبات شیخ الاسلام: ج ۲، ص۱۹۲ تا ۲۰۷)

مولانا قاضی زاہد الحسینی علیہ الرحمہ مولف ''چراغ محمد'' نے ان خطوط پر ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا اور حالات پر روشنی ڈالی ہے:

''حضرت مدنیؒ کے ان خطوط کا پس منظر سمجھنے کے لیے اس بات کا سمجھنا ضروری ہے کہ یہ نزاع اور اختلاف صرف طلبہ کے اخراج کے سلسلے میں نہ تھا بلکہ یہ تو حضرت مدنیؒ کے دار العلوم دیوبند سے علیحدہ کرنے کے لیے پہلا قدم تھا جس کے بعد کے متوقع واقعات کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ:

پہلے مرحلہ پر تو تقریباً اَسّی اُن طلبا کو مدرسہ سے خارج کر دیا جو حضرت مدنیؒ کے جان نثار تھے اور اُن پر الزام یہ لگایا کہ انھوں نے احتجاجی جلسے کیے اور جلوس میں ہلڑ بازی کی، چوں کہ حضرت مدنیؒ سب صورتِ حال سے باخبر تھے، خود جناب قاری صاحب آپ سے جیل میں ملاقات کر چکے تھے، (۱) لیگی اخبارات اور دوسرے وہ اخبارات جو دار العلوم کی بربادی کے منتظر تھے ان اطلاعات کو خوب جلی سرخیوں کے ساتھ شایع کر رہے تھے، اس

۱۔ جناب قاری صاحب نے جب حضرت مدنیؒ سے جیل میں ملاقات کی تو حضرت مدنیؒ نے فرمایا: حضور! جس جلسہ میں تقریر کے جرم میں مجھے جیل میں ڈالا گیا ہے اس کی صدارت تو آپ نے کی تھی اور آپ باہر مزے اڑا رہے ہیں، حضرت قاری صاحبؒ نے عرض کیا جناب اس وقت تو میں بھی جیل ہی میں ہوں۔

لیے حضرت مدنیؒ نے طلبا کے اخراج کو دارالعلوم کے لیے اور خود اُن طلبا کے لیے نامناسب سمجھ کر جناب قاری محمد طیب صاحبؒ کو خطوط کے ذریعے مطلع فرمایا۔

دوسرا مرحلے پر یہ ہونا تھا کہ ان طلبا کے اخراج کے بعد اُن اساتذہ کا اخراج تھا جن کا تعلق حضرت مدنیؒ کے ساتھ سمجھا جاتا تھا ان میں استاذ العلما حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحبؒ خصوصی نشانہ تھے، مرحوم نے ۱۳۴۵ھ کی اسٹرائک میں مستعفی حضرات کا ساتھ دینے کی بجائے دارالعلوم کی خدمت کو ترجیح دی تھی، حضرت مدنیؒ نے ان حضرات کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ حضرت شیخ الہندؒ کے نواسہ مولانا محمد عثمان صاحب کو خط لکھا جو درج کیا جارہا ہے:

''ہم کو دارالعلوم سے نکالا جائے ہم خوش ہیں رکھا جائے ہم خوش ہیں، رزق کا کفیل دارالعلوم نہیں اللہ تعالیٰ ہے۔

عزیزم! ان احوال کے وجہ سے پریشان نہ ہو، واقعات اور حقیقت کو تاریخ وار قلم بند رکھو اور صبرِ جمیل اختیار کرو، زبان بند رکھو اور آنکھوں سے دیکھو مگر کچھ نہ بولو، پھر دیکھو قدرت کیا کرتی ہے وہ بے نیاز اور بے پروا بھی ہے اور سب سے زیادہ رحمت والا بھی ہے، اس کا ظاہری ہاتھ بھی ہے اور خفیہ ہاتھ بھی، کچھ فکر مت کرو، کسی کو مت ستاؤ، واللہ معکم اینما کنتم. اور اگر واقعات اور افواہات ستایا کریں تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ (شیخ الہندؒ) کی زندگی یاد کرو اور اگر اس پر بھی قلبی سکون حاصل نہ ہو تو مزار پر جا کر تھوری دیر بیٹھ کر ایک دو پارے پڑھ کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بزرگوں کو بخش دیا کرو، یہی بات مولانا محمد جلیل صاحب اور مولانا اعزاز علی صاحب سے بھی کہہ دو اور اگر مولانا نافع گل صاحب آئیں تو اُن سے بھی کہہ دو، یہی میری استدعا مولانا سلطان الحق صاحب اور منشی محمد شفیع صاحب سے بھی ہے''۔ (مکتوبات: ج۱،ص۲۲)

تیسرے مرحلے پر حضرتؒ کا اخراج تھا جس کے حکم کا انتظار ہو رہا تھا بلکہ مٹھائیوں کا انتظام ہو رہا تھا، حضرت مدنیؒ نے اس کے لیے اپنے معتمدِ خاص اور منتظم امورِ خانگی جناب قاری اصغر علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو مندرجہ ذیل ہدایت نامہ ارسال فرمایا:

میری علیحدگی کا حکم آجانے کے بعد مدرسہ کا مکان خالی کردیا جائے سامان ٹانڈہ پہنچا دیا جائے، زیرِ تعلیم بچوں کو مدرسہ قاسمیہ مسجد شاہی مرادآباد میں.

داخل کرادیا جائے۔ (شیخ الاسلام مدنی: ص ۵۵۸)

مگر تقدیرِ خداوندی نے یوں حق کا فیصلہ فرمایا کہ صدر مہتمم صاحب کے پہلے آمرانہ حکم پر مجلسِ شوریٰ نے صدر صاحب کے اختیارات محدود کرنے کی تجویز پاس کردی کہ یہ دار العلوم اکابر کی مقدس امانت ہے جس کے نظم و نسق کے لیے باقاعدہ مجلس شوریٰ موجود ہے، اس لیے صدر صاحب کوئی حکم صادر کرنے سے پہلے شوریٰ سے منظوری لے لیا کریں، چوں کہ شوریٰ کا یہ فیصلہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے رکاوٹ تھا اس لیے صدر مہتمم نے دار العلوم سے کنارہ کشی فرمالی، جس کا اعتراف ''حیاتِ عثمانی'' کے مؤلف نے یوں کیا ہے:

علامہ عثمانی کا صدارتِ اہتمام سے تنفر اور دارالعلوم دیوبند سے خود علاحدگی کے اسباب:

علامہ ان حالات میں گھر کر صدارت اہتمام سے بددل ہو گئے اور اس پر طرہ یہ کہ آپ کے اختیارات صدارت بھی محدود کر دیے گئے اس لیے آپ نے خود بخود دارالعلوم میں آنا جانا بند کر دیا، اپنے ۹ ررجب ۱۳۶۲ھ (۱۲/۷/۱۹۴۳ء) کے بیان میں فرماتے ہیں.

> ''واقعہ یہ ہے کہ شوریٰ کے ریزولیوشن میں اوّلاً تو صدر مہتمم کے جملہ فرائض اور اختیارات سلب کر لیے گئے، یہ تو تعطل ہوا، آخر میں یہ لکھ دیا کہ: ''جس وقت مہتمم صاحب موجود نہ ہوں اور کوئی فوری ضرورت تقرر و برخاستگی کی پیش آئے تو صدر مہتمم صاحب عمل میں لا کر جلسۂ انتظامیہ میں پیش کردیں'' یہ ہے وہ اختیار جو صدر مہتمم کو دیا گیا، یعنی تعطل کے بعد اس کا تنزل اس طرح کیا گیا کہ اسے صدر مہتمم ہونے کے بجائے فوری معاملات میں نائب مہتمم بنادیا گیا ہے''۔

اس تحریر سے واضح ہے کہ تحدید اختیارات کے بعد مدرسے کے امور میں دخل دینا وہ اپنی بے عزتی سمجھتے تھے اور اس لیے وہ اپنے گھر بیٹھ رہے۔ (حیاتِ عثمانی: ص ۴۷۰-۴۷۱)

یہ خطوط حضرت مدنیؒ کے مکاتیب کے مجموعہ جلد اول اور جلد دوم سے نقل کیے گئے ہیں جبکہ حضرتِ مدنی اور حضرتِ قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہما زندہ تھے، حضرت

قاری صاحبؒ نے ان خطوط کو ملاحظہ فرمالیا اوران کی اشاعت میں کمی بیشی یا اورکوئی تنقید نہیں فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ جن حالات کو ان خطوط میں بیان کیا گیا ہے وہ بالکل درست تھے۔

حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ نے پوری وضاحت اورانشراح صدر کے ساتھ دارالعلوم کی بقا کے لیے ہراس اقدام کا خیر مقدم فرمایا جس سے دارالعلوم کو فائدہ ہو خواہ اُن کو کوئی بھی نقصان ہوجائے مگر وہ دارالعلوم کو بزرگوں کی مقدس امانت سمجھ کراس کی بقاء کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار ہیں۔

خصوصاً مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے مجاہدانہ کردار کے پیش نظر اُن کے خاندان کی ہر ممکن خدمت کو شرف سمجھتے ہیں اوران کو نقصان والی ہر تجویز کو ناپسند فرماتے ہیں۔

ایک مغالطہ اوراس کا جواب:

یہ کہا جاتا ہے کہ مولانا عثمانیؒ دارالعلوم سے دارالعلوم میں کانگریسی اثر ونفوذ کی وجہ سے کنارہ کش ہوگئے تھے (جیسا کہ حضرتِ مدنیؒ کے مخالف اکثر یہی الزام بیان کردیتے ہیں) حال آں کہ یہ بات سراسر غلط ہے، بلکہ جب مجلس شوریٰ نے اُن کے اختیارات محدود کردیے تو وہ کنارہ کش ہوگئے، جیسا کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے فرمایا ہے:

> ''دستورِ اساسی کو رد سے کلیۃً عملی اورانتظامی ذمہ داریاں مہتمم صاحب سے متعلق تھیں اس لیے ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ میں مجلس (شوریٰ) نے وقتی حالات کے قدرتی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے تمام اختیارات مہتمم صاحب کی جانب منتقل کردیے۔ اس تجویز کی رو سے صدر مہتمم کی حیثیت صرف ایک آئینی نگران کی قرار پائی اور انتظامی امور سے صدر مہتمم کا تعلق منقطع ہوگیا''۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند: ج۱، ص۲۱۰)

''تحدیدِ اختیارات کے بعد مدرسہ کے امور میں دخل دینا وہ اپنی بے عزتی سمجھتے تھے اوراس لیے وہ اپنے گھر بیٹھ رہے، ۱۷ر رجب ۱۳۶۲ھ (۲۰/ ۷/ ۱۹۴۳ء) کی مجلس

شوریٰ بروز سہ شنبہ کی نشست زیرِ صدارت حکیم مولانا محمد اسحاق جاری ہوئی جس میں حسب ذیل ارکینِ مجلس شوریٰ نے شرکت کی، اس سے بھی مولانا عثمانیؒ کی خود علیٰحدگی پر روشنی پڑتی ہے۔

ارکانِ مجلس شوریٰ دار العلوم دیو بند:

۱۔ حکیم مولانا محمد اسحاق صاحب، ۲۔ مولانا حکیم محمد یٰسین صاحب، ۳۔ مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری، ۴۔ مولانا محمد اشفاق صاحب راپوری، ۵۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب راندیری، ۶۔ مولانا محمد اعزاز علی صاحب، ۷۔ مولانا مناظر احسن گیلانی، ۸۔ نواب عبد الباسط خان صاحب حیدر آباد دکن، ۹۔ خان بہادر حاجی شیخ رشید احمد صاحب چوں کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب ان دنوں جیل میں تھے اور ان کی جگہ مولانا اعزاز علی صاحب شریک ہوئے۔

رسالۂ دار العلوم ماہ رجب وشعبان ۱۳۶۲ھ میں کارروائی اس طرح درج ہے:

> ''۷ار رجب کو صبح سے دوسری نشست شروع ہوئی، حضرت مولانا مناظر احسن صاحب نے اعتراض فرمایا کہ چوں کہ اس جلسے کا دعوت نامہ مولانا شبیر احمد عثانی کو باوجود رکنِ مجلس ہونے کے نہیں بھیجا گیا اس لیے یہ جلسہ غیر آئینی ہے اور اس کی تلافی کی صورت یہ ہے کہ اُن کو اب دعوت نامہ بھیج دیا جائے، اس اعتراض کے جواب میں مجلس انتظامیہ منعقدہ ۱۸ر جمادی الآخری ۱۳۶۲ھ (۲۴/۶/۱۹۴۳ء) کی تجویز پیش کی گئی کہ چوں کہ حضرت مولانا عثانی کے ایک والا نامہ منسلکہ سے واضح ہے کہ بحیثیتِ صدر ان سے خطاب نہ کیا جائے (اور ان کی رکنیتِ شوریٰ بحیثیت صدر مہتمم ہی ہے) اس لیے انھیں دعوت نامہ نہیں بھیجا گیا''۔
>
> (رسالہ دار العلوم، رجب وشعبان ۱۳۶۳ھ/ص ۲۷)

علامہ عثمانیؒ کی اس جوابی تحریر سے کہ بحیثیت صدر مہتمم ان سے خطاب نہ کیا جائے، اِس امر کی غمازی ہوتی ہے کہ وہ صدارت سے خود یکسو ہو کر دار العلوم سے دستکش ہو گئے اور آپ کی وجہ سے نواب عبد الباسط خاں صاحب حیدر آباد دکن ممبر مجلس شوریٰ دار العلوم دیو بند

اور حکیم مقصود علی خان صاحب حیدر آباد دونوں نے استعفا دے دیا تھا لیکن مجلس شوریٰ نے منظور نہیں کیا تھا اس لیے اصرار کے بعد نواب صاحب نے اپنا استعفا واپس لے لیا۔

اسی مجلس شوریٰ میں خان بہادر حاجی رشید احمد صاحب کی تجویز اور خان بہادر شیخ ضیا الحق صاحب کی ترمیم حسب ذیل پیش ہوئی:

شخصیت اور مصلحت کے لحاظ سے ضروری ہے کہ مولانا شبیر احمد صاحب کا تعلق دار العلوم سے کسی مناسب طریقے پر باقی رکھا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ رکنیتِ مجلس شوریٰ کی (حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک روز پہلے انتقالِ پر ملال کے باعث) خالی شدہ اسامی پر بحیثیت رکن مجلس شوریٰ کے لے لیے جائیں"۔ (دار العلوم رجب شعبان ۱۳۶۲ھ/ص ۴)

لیکن اس تجویز کی حافظ محمد یوسف صاحب نے سخت مخالفت کی اور فرمایا:

اگر کانگریس کے نفوذ کا الزام درست مان بھی لیا جائے تو یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۷ء) میں پہلی اسٹرائک کے موقع پر تو حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ سلہٹ میں تھے اور کانگریس کا کوئی بھی ممبر دار العلوم دیو بند میں نہ مدرس تھا نہ ملازم تھا نہ شوریٰ کا ممبر تھا بلکہ اُس وقت تو سرپرست حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ تھے پھر کیوں دار العلوم سے اس قدر جماعت کے ہمراہ تعلق منقطع کیا گیا تھا؟ بات بالکل سیدھی سی ہے جس کو جنابِ مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ فرما چکے ہیں، اور اُس کو ہم نے اِس مضمون کے شروع میں درج کر دیا ہے، یعنی "جو تحریک ۱۳۴۶ھ میں شروع ہوئی تھی وہ ۱۳۶۲ھ مین (ناکامی کی صورت مین) اپنے منطقی انجام کو پہنچ گئی"۔

دار العلوم دیو بند کے کانگریسی ہونے کا مشاغبہ اب بھی بعض معاندین کی طرف سے رہتا ہے حال آں کہ یہ الزام صرف الزام ہے، دار العلوم کا کوئی مدرس کانگریس تو بجائے خود جمعیت علما کا بھی ممبر نہ تھا، نہ کوئی ملازم اور نہ کوئی طالب علم ممبر تھا بلکہ حضرت مدنیؒ تو طلبا کو زیادہ طور پر اپنی توجہ صرف تعلیم پر مرکوز رکھنے کا فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ طلبا کو بیعت بھی نہ فرماتے تھے، آپ خود علی الاعلان جمعیت علما کے ممبر اور پھر صدر منتخب ہوئے، کانگریس کے سرگرم رکن تھے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے سیاسی تقریر، اجلاس، جلوس وغیرہ میں کبھی بھی اپنے آپ کو دارالعلوم دیوبند کا نمایندہ نہیں فرمایا بلکہ جمعیت علما کی نمایندگی فرماتے رہے، جیسا کہ مرتب ''حیاتِ عثمانی'' کو بھی اعتراف ہے کہ

آپ (ایڈیٹر طلوعِ اسلام) کو واضح رہنا چاہیے کہ حضرت مولانا مدنیؒ'' دارالعلوم کی طرف سے کانگریس کی نمایندگی نہیں کر رہے تھے بلکہ جمعیت علماے ہند کے صدر اور ممبر ہونے کی حیثیت سے کر رہے تھے''۔ (حیاتِ عثمانی: ص ۴۵۷)

(چراغِ محمد: از مولانا قاضی زاہدالحسینیؒ، ص ۶۵-۳۵۴)

یکم فروری ۱۹۴۳ء: یکم فروری ۱۹۴۳ء کو گاندھی جی نے برت شروع کرنے کا قطعی فیصلہ کیا چناں چہ ۱۰ر فروری سے برت شروع کر دیا۔ اب حکومت نے یہ محسوس کیا اس طرح گاندھی جی اپنی موت کو دعوت دے کر مرنا چاہتے ہیں تو حکومت نے آغا خاں محل میں منوں چندن کی لکڑیوں کا انتظام پیشگی کر لیا تھا مگر گاندھی جی کی قوتِ برداشت کی غیر معمولی صلاحیت نے جو ان کی روایت بن چکی تھی اس مرتبہ بھی ایک کرشمہ کر دکھایا اور گاندھی جی کو موت پر فتح حاصل ہوئی، انھوں نے اپنا ۲۱ دن کا سیر برت پورا کیا اور ۲۲ر فروری ۱۹۴۳ء کو کستوربا گاندھی کے ہاتھوں سنترے کے رس سے گاندھی جی نے اپنا برت کھولا۔

(حسرت موہانی، ایک سیاسی ڈائری/ص ۲۳-۲۲۲)

۴ر فروری ۱۹۴۳ء کو ''آزاد ہند فوج'' نے کرنل لکشمن سروپ مشرا اور کرنل پتری شرن رتوڑی کی کمان میں ارکان اور منی پور مورچوں پر انگریزوں کے دانت کھٹے کر دیے وہ اس طرح بھاگے:

جیسے کوئی بھونچال میں گھر چھوڑ کے بھاگے!

(کرنل محبوب احمد: ص ۸۰)

۸ر فروری تا ۱۳ر جون ۱۹۴۳ء: ''۸ر فروری ۱۹۴۳ء کو نیتا جی سبھاش چندر بوس عابد حسن شفرانی کے ساتھ ٹوکیو کے لیے روانہ ہوئے، یہ بڑا کیف انگیز سفر تھا، وہ لوگ کیل سے یو، بوٹ (آبدوز جہاز) کے ذریعے بحر اٹلانٹیک (اوقیانوس) پار کرتے ہوئے گڈ ہوپ ہوتے ہوئے مڈغاسکر پہنچے، یہ سفر چار سو میل لمبا تھا، یہاں سے ۲۰ر اپریل ۱۹۴۳ء کو اگلا سفر شروع ہوا۔ یہ سفر جاپانی آبدوز جہاز آئی، ۲۹ر سے طے کیا گیا، اس بار بحر ہند پار کرنے کے

بعد وہ لوگ پینانگ (ملایا) پہنچے پینانگ سے ٹوکیو کا فضائی سفر طے کیا۔ اس پورے سفر میں ان کے ساتھ جاپانی میجر جنرل یاموتو بھی رہے، جو اس وقت بھارت، جاپان روابطی دَل کے افسر اعلیٰ تھے، اسے جاپانی زبان میں "ہیکاری کی کن" کہتے ہیں ۱۳؍جون ۱۹۴۳ء کو آٹھ ہفتے کے اس لمبے سفر کے بعد نیتا جی ٹوکیو میں تھے۔

۲۰؍جون ۱۹۴۳ء کو ٹوکیو ریڈیو نے اپنی خبروں میں اعلان کیا کہ نیتا جی سبھاش چندر بوس جاپان پہنچ گئے ہیں"

ٹوکیو ہوائی اڈے پر نیتا جی کا استقبال کرنے کے لیے جاپانی وزیر اعظم توجو خود آئے تھے، ان کے استقبال میں جنرل توجو نے ایک شاندار دعوت بھی دی تھی۔ اس دعوت کے دوران ہی جنرل توجو نے کہا تھا۔ "جاپان بھارت سے انگریزوں کی ملوکیت ختم کرنے میں ہر طرح سے تعاون کرے گا، انگریز ہندوستانیوں کے دشمن ہیں اور وہ انھیں آزادی نہیں دینی چاہتے"۔ (کرنل محبوب احمد/ص ۷۵)

۱۰؍فروری ۱۹۴۳ء: ۱۰؍فروری ۱۹۴۳ء گاندھی جی نے گرفتاری کے بعد وائسرائے سے خط و کتابت شروع کی جو فروری ۱۹۴۳ء تک جاری رہی مگر وائسرائے ٹس سے مس نہ ہوئے، بالآخر گاندھی جی نے ۲۱؍روز کا برت رکھا جو ۱۰؍فروری سے شروع ہوکر ۳؍مارچ ۱۹۴۳ء کو ختم ہوا۔ دہلی میں اس موقع پر ایک صلح کانفرنس کا انتظام کیا گیا۔ جس میں گاندھی جی کے اس برت پر احتجاج بھی کیا گیا، حضرت مولانا احمد سعید صاحب چوں کہ اس کی قیادت فرما رہے تھے، لہٰذا مولانا موصوف کو بھی گرفتار کرلیا گیا۔ اسی طرح کی بہت سی کانفرنسیں ملک کے مختلف طبقوں اور مختلف جماعتوں کی طرف سے ہوئیں، مگر لارڈ لنلتھگو اور چرچل ایمری کی پالیسی میں تبدیلی نہ آئی۔

پریذیڈنٹ روز ویلٹ کے خاص فرستادہ (فلپس) انھیں ایام میں ہندوستان پہنچے، ہندوستان کے حالات کا بہ چشم خود معائنہ کیا۔ اس میں اس نے گاندھی جی سے ملاقات کرنی چاہی مگر وائسرائے نے اجازت نہیں دی۔ (علمائے حق اور......، ج ۲، ص ۱۹۰-۹۱)

مسٹر فلپس نے ہندوستان سے واپس ہوکر پریسیڈنٹ روز ویلٹ کو ایک خط لکھا جس میں ہندوستان کے حالات کا مرقع پیش کیا۔ یہ خط ۲؍ستمبر ۱۹۴۴ء کو امریکی سینٹ کے ایک ممبر مسٹر جانسن نے سینیٹ کے اجلاس میں سنا دیا، جب یہ خط اخبارات میں شائع ہوا تو

مسٹر چرچل اور ان کی پارٹی چراغ پا ہوگئی، حکومت ہند کے ایک رکن ''سر اولاف کیر' سیکرٹری امور خارجہ نے لندن تار بھیجا کہ مسٹر فلپس کو ہندوستان واپس نہ بھیجا جائے، وہ ہمارے لیے قابل قبول نہیں وغیرہ وغیرہ)

مسٹر فلپس کے خط کا خلاصہ یہ تھا ''ہندوستان کے عام باشندے اس لڑائی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے قحط اور فاقہ کشی نے ان کے دل ہماری طرف سے کھٹے کر دیے ہیں، ہندوستانی فوج کے سپاہی دل سے نہیں لڑتے بلکہ کرائے کے ٹٹو کی طرح محض پیٹ کی خاطر، فوجی افسروں میں جوش اور جذبہ برائے نام ہے، ہندوستانی عوام یہ نہیں سمجھتے یہ لڑائی اُن کے فائدہ کے لیے لڑی جارہی ہے۔ اس کے برعکس وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ فسطائیت اور شہنشاہیت کی لڑائی ہے، ایک طرف ڈکٹیٹری غرور کا بھوت ہے اور دوسری طرف شہنشاہی جلال کا دیو۔

ہندوستانی یہ سمجھتے ہیں کہ چوں کہ حکومت میں ان کی کوئی آواز نہیں، اس لیے لڑائی چلانے کی کوئی ذمہ داری بھی ان پر نہیں، وہ کہتے ہیں کہ آخر ہم کس لیے لڑیں، جبکہ ہمیں یہ یقین ہے کہ جنگ کے جو مقاصد بتائے جاتے ہیں اُن کا اطلاق ہم پر نہیں کیا جادیگا اور حقیقت بھی یہ ہے کہ برطانوی وزیر اعظم صاحب یہ ارشاد فرما بھی چکے ہیں کہ اٹلانٹک چارٹر ہندوستان میں نافذ نہیں ہوگا، اس لیے قدرتی طور پر ہندوستانی لیڈر حیرت سے یہ پوچھتے ہیں کہ کیا یہ لڑائی صرف گوری نسل کے انسانوں کے فائدے کے لیے لڑی جارہی ہے۔

مسٹر فلپس نے سفارش کی شہنشاہ برطانیہ کو باضابطہ طور سے یہ اعلان کر دینا چاہیے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد فوراً ایک ایسی مدت کے اندر جس کا تعین تصریح کے ساتھ کر دیا جائے، ہندوستان آزاد کر دیا جائے گا اور اسی امر کی ضمانت کے لیے کہ یہ اعلان ایمانداری کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مرکز میں ایک عارضی نمائندہ حکومت جو سب پارٹیوں پر مشتمل ہو فوراً بنادی جائے اور اسے محدود قسم کے اختیارات تفویض کر دیے جائیں۔

(مدینہ۔ بجنور، ۱۳ر ستمبر ۱۹۴۴)

نینی جیل کے شب و روز:

۲۴ رفروری ۱۹۴۳ء اور اس کے بعد: ۲۴ رجنوری ۱۹۴۳ء کو حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نینی جیل الہ آباد میں داخل کئے گئے، مولانا سید محمد شاہد صاحب فاخری خلف حضرت مولانا محمد فاخر صاحبؒ الہ آبادی سجادہ نشین دائرہ حضرت شاہ اجمل صاحب قدس سرہٗ (الہ آباد) مولانا عبدالحی صاحب، عبدالمجید صاحب، مولانا عبدالقیوم صاحب لکھنوی، مولانا عبدالباری صاحب عباسی گورکھ پوری جیسے احباب وہاں بھی موجود تھے، یہ حضرات یکے بعد دیگرے رہا ہوتے رہے، مگر حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی تقریباً ۱۹ ماہ نینی جیل میں محبوس رہے۔

یکم نومبر ۱۹۴۳ء کو نماز مغرب کے وقت سپر نٹنڈنٹ جیل نے حضرت کے ساتھ گستاخانہ حرکت کی، صرف اس بنا پر کہ گنتی کے لیے جس قدر عجلت سے وہ طلب کر رہا تھا، اسی عجلت سے حضرت اس کی تعمیل نہ کر سکے تھے، سپر نٹنڈنٹ کی اس شوخ چشمی نے جیل کے تمام نظر بند برافروختہ ہوگئے اور جب رفتہ باہر خبر پہنچی تو ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اضطراب کی لہر دوڑ گئی، اگرچہ سپر نٹنڈنٹ جیل کو اگلے دن ہی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا چنانچہ تیسرے روز حضرت سے معافی مانگ لی تھی مگر جیل سے باہر تمام ہندوستان میں ایجی ٹیشن بڑھتا رہا، چناں چہ ۲٦ رنومبر ۱۹۴۳ء کو ہندوستان ٹائمز میں گورنر یوپی کا ایک کمیونک شائع ہوا۔ جس میں اس واقعہ کی توجیہ کرتے ہوئے ذکر کیا تھا کہ سپر نٹنڈنٹ جیل نے مولانا کے سامنے اظہارِ افسوس کیا اور اب مولانا افسرانِ جیل سے مطمئن ہیں، مگر حضرت کے متوسلین کے لیے یہ کمیونک بھی اطمینان بخش نہ تھا، اُن کا اصرار تھا کہ سپر نٹنڈنٹ کو برطرف کیا جائے، حضرت کے ساتھیوں نے اس پر دعویٰ دائر کرنے کی بھی تیاری کر لی تھی لیکن حضرت کا ایک پیغام پہنچا کہ:

ہم نے سپر نٹنڈنٹ جیل کو معاف کر دیا ہے، اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔

لہذا تمام خدام کو اپنے ارادوں سے باز رہنا پڑا۔

رہائی اور اس کی اطلاع:

۷؍رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ کی صبح کو تقریباً ۶ بجے ایک صاحب نے غربت کدہ پر دستک دی، باہر نکل کر دیکھا تو جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کے ایک طالب علم صاحب موجودہ تھے، ایک پرچہ اُن کے ہاتھ میں تھا کہ:

تار آیا ہے کہ ۶؍رمضان ۱۳۶۳ھ، ۲۶؍اگست ۱۹۴۴ء کو حضرت بلا شرط رہا کر دیئے گئے۔

رمضان شریف کی حرمت و عظمت، بشیر کا منہ میٹھا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی، لہذا احقر نے افطار کے لیے مدعو کرلیا، مختصر یہ کہ اس مرتبہ ۲۴؍جون ۱۹۴۲ء سے ۶؍اگست ۱۹۴۴ء تک یعنی دو سال، دو ماہ، دو دن، حضرت جیل خانے میں رہے۔

مشاغل اور معمولات:

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت مدظلہٗ العالی کو پھانسی گھر کے احاطہ کی ایک کوٹھری میں رکھا گیا۔ باقی دوسرے مسلمان نظر بندوں نے بھی حضرت کی رفاقت نیز یک سوئی اور علیحدگی کے باعث اسی احاطہ کو پسند کیا، چناں چہ وہ دن کو اسی احاطہ میں رہتے تھے، مگر رات کو ان کے لیے ایک دوسری بیرک میں سونے کا انتظام کر دیا گیا تھا، چوں کہ رات کے وقت نماز عشاء کے بعد سے نماز صبح تک حضرت مدظلہٗ العالی کی خدمت سے محرومی رہتی تھی، لہذا رات کے پروگرام کا مشاہدہ بھی نہیں ہو سکتا تھا، نینی جیل کے پہرہ دار یہی کہا کرتے تھے کہ حضرت رات بھر جاگتے اور نوافل و اذکار میں مشغول رہتے تھے۔

اذان صبح کے وقت جب بارگیں کھلتی تھیں اور شب ہجر کے تاریک لمحات رخصت ہو کر سپیدہ صبح کے ساتھ خدمت میں حاضری ہوتی تھی تو وہ احاطہ حضرت مدظلہٗ العالی کے ذکر جہری سے منور ہوتا تھا۔

اذان صبح پڑھی جاتی رفقاء استنجے اور وضو سے فارغ ہوتے اتنی دیر میں روشنی خوب پھیل جاتی اور پورے اسفار کے بعد حضرت مدظلہٗ العالی صبح کی نماز شروع کرتے اور حسب

سنت، طوال و مفصل کی قرأت فرماتے، آغاز جنگ سے حضرت قنوت نازلہ پڑھا کرتے تھے، جیل خانے میں بھی یہی معمول رہا۔

نماز صبح اور تسبیحات مسنونہ کے بعد کوٹھری میں جا کر بیس پچیس منٹ ورزش کرتے، اور پھر بیچ کی کوٹھری میں چائے کے لیے تشریف لے آتے اور تمام رفقاء کے ساتھ چائے نوش فرماتے، چائے کے بعد تقریباً نصف گھنٹہ تک یہ مجلس جاری رہتی، حضرت مدظلہٗ العالی مجلس میں تشریف فرما رہتے، کبھی کبھی ہندو ساتھی بھی اس مجلس میں شرکت کرتے تھے، بے تکلفی اور آزادی کے ساتھ مختلف علمی (۱) سیاسی یا مذہبی مسائل پر گفتگو رہتی۔ دسمبر اور جنوری میں عموماً ساڑھے اٹھ کا گھنٹہ اس مجلس کے خاتمہ کا اعلان ہوتا، ہر شخص اپنے مذاق کے بموجب اپنے کام میں لگ جاتا اور حضرت مدظلہٗ العالی تلاوت کلام اللہ میں مشغول ہو جاتے۔

سرور کائنات رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل مبارکہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ دربار رسالت کے حاضرین بے تکلفی اور آزادی کے ساتھ زمانۂ جاہلیت کے قصے بیان کرتے مختلف مسائل پر بحث فرماتے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم بھی مساویانہ انداز میں شریک گفتگو رہتے جو بات صحابۂ کرام کو عجیب معلوم ہوتی، آپ بھی اس پر تعجب کا اظہار فرماتے اور جس بات سے صحابۂ کرام ہنستے آپ بھی تبسم فرماتے سب کا انداز مساویانہ ہوتا۔ سب کو گفتگو کی آزادی ہوتی، مگر نہ کسی پر چوٹ ہوتی تھی نہ کسی پر فقرہ چست کیا جاتا، کسی کو اجازت نہیں تھی کہ دوسرے کی بات کاٹے، جب تک پہلے شخص کی بات ختم نہ ہو جاتی، دوسرا شخص بات نہ شروع کرتا، بارگاہ رسالت کا التفات ہر ایک کی طرف مساوی رہتا، حتیٰ کہ ہر شخص یہی سمجھتا کہ سب سے زیادہ حضرت کی مہربانی میرے اوپر ہے۔

---

(۱) اصحاب کہف و رقیم، ذوالقرنین۔ سد سکندری کا جائے وقوع یاجوج و ماجوج کی تعیین۔ حضرت مریم نبیہ تھیں یا نہیں، حضرت مجدد صاحب الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقولہ "معرفت برآں کس حرام است کہ خود را از کافر فرنگ بہتر داند" بلقیس کا تخت، حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں بلقیس کی حاضری، اور پاکستان کے موضوع پر ان مجالس میں کئی کئی روز تک گفتگو رہی۔

حافظ محمد ابراہیم صاحب کے زمانۂ وکالت اور وزارت کے دلچسپ واقعات اور لطیفے بسا اوقات مجلس میں رنگینی پیدا کر دیتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام مدظلہٗ العالی کی اس مجلس میں شریک ہونے والا یہی محسوس کرتا کہ یہ مجلس دربارِ نبوت کی مقدس مجلس کا نمونہ ہے اور یہ اجتماع بھی اس لیے ہے کہ ایک معاشرتی سنت ادا کی جائے اور ناواقفوں کو اس کی تعلیم دی جائے۔

تقریباً ساڑھے نو بجے سے حضرت شیخ الاسلام مدظلہٗ العالی مولانا قاری عبد اللہ صاحب کو قرآن پاک سنانا شروع کر دیتے، کھانے کے وقت تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔

رفقائے کرام میں وہ آزاد منش بھی تھے جن کو پروگرام کی پابندی دشوار تھی۔ کھانا تیار ہو جاتا اس کی اطلاع بھی دے دی جاتی، تاہم دسترخوان پر پہنچنے کے لیے بار بار تاکید کرنی پڑتی، لیکن حضرت مدظلہٗ العالی کے لیے پروگرام کی پابندی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، کھانے کے سلسلے میں بھی پابندی پروگرام کی یہی شان تھی، کھانے کے وقت سے پہلے ہی دورِ کلام اللہ کا سلسلہ ختم فرما دیتے ورنہ جیسے ہی اطلاع ملتی فوراً دسترخوان پر تشریف لے آتے۔

علمائے حق کے نزدیک وجد و کیف، کشف و کرامت یا خلقِ خدا سے قطع تعلق اور ترکِ دنیا کمالِ طریقت اور انتہائے سلوک نہیں، بلکہ کمال یہ ہے کہ اکمل الکاملین، افضل الانبیاء والمرسلین کی عادتیں اور خصلتیں اس کی طبیعت ثانیہ بن جائیں، جملہ جذبات اور تمام احساسات سنت سید الانبیاء علیہ والصلوٰۃ والسلام کے تابع ہو جائیں۔

صحاح کی مندرجہ ذیل متفق علیہ اور مشہور حدیث میں اسی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے:

> لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ۔
>
> یعنی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص مومن کامل نہیں جب تک اس کی خواہش اس (تعلیم و سنت) کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں نے پیش کیا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام کی سیرت و خصلت کا جس قدر زیادہ قریب سے مطالعہ کیا جائے، آپ کے اس باطنی کمال کا اندازہ ہوگا، جس کا نام فنافی السنۃ ہے۔ ذکر و فکر میں استغراق اور وارفتگی، ذات بحت کے علاوہ ہر ایک سے نفرت و بے گانگی بے شک ایک اونچا مرتبہ ہے، مگر وارث انبیاء (علیہم السلام) کی شان اس سے زیادہ وسیع ظرف کی خواہاں ہے۔

انبیاء علیہم السلام ایک طرف ذات اعلیٰ واقدس کے ساتھ انتہائی تعلق رکھتے ہیں، سبع سماوات کی سیر کرتے ہیں۔ عرش معلیٰ تک شرف معراج حاصل کرتے ہیں، اور دوسری

طرف خلق خدا کے ساتھ اس طرح گھلے ملے رہتے ہیں کہ کوتاہ نظر یہی کہا کرتے ہیں:

مالِ ھٰذا الرسول یا کل الطعام ویمشی فی الاسواق۔
(الفرقان: ۷)

یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

ماھذا الابشر مثلکم یا کل مما تاکلون منه ویشرب مماتشربون ولئن اطعتم بشراً مثلکم انکم اذا لخاسرون ۔ (سورۂ مومنون: ۳۳،۳۴)

یہ تو تم جیسا بشر ہی ہے، جو تم کھاتے وہی یہ کھاتا ہے۔ جو تم پیتے ہو وہی یہ پیتا ہے، اب اگر تم نے اپنے ہی جیسے بشر کی اطاعت کی تو یقیناً تم خسارے میں رہو گے۔

اگر ایک صاحب باطن اپنے ظرف میں یہ وسعت نہیں رکھتا، اگر اس کی نگاہیں مازاغ البصر وماطغیٰ کی یہ قوت اپنے اندر نہیں رکھتیں کہ تجلیات جمال اُن کو خیرہ کر سکیں، عظمت و جبروت کی برقابیاں اس کے کاشانۂ دل کو آتشکدۂ جذب واضطراب نہ بنا سکیں، تو ولایت کا جو خطاب چاہو اس کو دے دو، مگر وارث نبی کے خطاب کا وہ مستحق نہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے عام مشاغل آپ کی سادگی اور بے تکلفی اور خلق خدا کے ساتھ آپ کا ربط ظاہر بین نگاہوں کے لیے حجاب بن جاتا ہے اور وہ آپ کی شان کو نہیں پہچان سکتیں، لیکن جن دقیقہ رس نگاہوں کو خدا نے دین کی بصیرت عطا فرمائی ہے، جو سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی واقفیت کا نور اپنے اندر رکھتی ہیں وہ حضرت کی قدر و منزلت کو پہچانتی ہیں، اور سیاسی خیالات میں اختلاف کے باوجود حضرت مدظلہ العالی کی عظمت وجلالت کا اعتراف کرتی ہیں ایسے ہی موقع پر کہا جاتا ہے۔

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

ساتھ کھانا، اس طرح بیٹھنا کہ کسی چیز پر تکیہ لگائے ہوئے نہ ہو مثلاً دوزانو بیٹھنا چھوٹی تشتریوں کے بجائے طشت یا بڑی پلیٹ میں چند آدمیوں کا ساتھ ساتھ کھانا، اپنے آگے سے کھانا، پلیٹ یا طشت کے بیچ میں یا دوسرے کے سامنے ہاتھ نہ ہوتا برتن کو لبھسا ہوا نہ چھوڑنا بلکہ پونچھ کر صاف کر لینا دستر خوان کے ٹکڑوں کو کھالینا اور نہ احتیاط سے رکھنا، اس قسم

کے بہت سے آداب ہیں جن کو شمائل مبارکہ کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مدظلہٗ العالی کے ساتھ جن حضرات کو کھانے کا اتفاق ہوا ہے وہ واقف ہیں کہ یہ تمام باتیں حضرت مدظلہ العالی کی عادت میں اس طرح داخل ہوگئی ہیں کہ ان کی خلاف ورزی آپ کے لیے تکلیف دہ ہوتی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مدظلہٗ العالی کے دسترخوان پر بڑی پلیٹیں رہتی ہیں، ایک ایک پلیٹ میں آٹھ دس آدمی شریک ہو جاتے ہیں، لیکن دوسری جگہ اگر ایسی بڑی پلیٹ نہ ہو تو چھوٹی پلیٹ میں بھی کم از کم اپنی برابر کے آدمی کو حضرت ضرور شامل کر لیتے ہیں جیل خانے میں بھی حضرت کے اس معمول میں فرق نہیں آیا، مراد آباد میں مہذب اہل علم کی ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی جن کے ساتھ کھانے میں چنداں تکلف نہیں ہو سکتا تھا، لیکن الہ آباد میں جبکہ دوسرے رفقاء کے رہا ہو جانے کے بعد حضرت تنہا رہ گئے تھے تو وہ مسلمان اخلاقی قیدی جن کو جیل خانے کی طرف سے کھانا پکانے وغیرہ کی خدمت کے لیے معین کیا جاتا تھا، حضرت موصوف ان کو ساتھ کھلاتے تھے، عموماً ہندو اس طرح ساتھ کھانے سے نفرت کرتے ہیں، کیوں کہ ان کے عقیدہ کے مطابق انسان کا جھوٹا ایسا ہی ناپاک ہے جیسا کہ کتے یا خنزیر کا جھوٹا اور انگریزوں کی اوہام پرستی نے جن کو ہر ایک چیز میں جراثیم نظر آتے ہیں، اور انسان کے لعاب میں تو اُن کو زہر ہی معلوم ہوتا ہے، اس عقیدے کو مزید تقویت پہنچا دی ہے بایں ہمہ ہم نے ایسے ہندوؤں کو بھی دیکھا ہے، جو مسلمانوں کے ساتھ کھانے پر رشک کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ چھوت چھات کے ساتھ انسانی مساوات کی حمایت کا دعویٰ کرنا سراسر عبث ہے اور کردار و گفتار کے باہمی تضاد کا بین ثبوت، جو لوگ چھوت چھات کو جزو مذہب سمجھتے ہیں از روے انصاف اُن کو حق نہیں کہ وہ انسانی برادری کی مساوات کا دعویٰ کریں۔

لیگی دوستوں نے اسلامی تہذیب کی حمایت و حفاظت کے بلند بانگ دعودں سے آسمان سر پر اُٹھا رکھا ہے، مگر کیا ان غریبوں کو یہ خبر بھی ہے کہ اسلامی کلچر کیا ہے؟

منشیات کا استعمال، عورتوں کی بے حجابی، عورتوں کا بن سنور کر باہر نکلنا غیر مردوں سے اختلاط، نیم برہنہ لباس وغیرہ زعماے ملت کی معاشرت کے قابل فخر اجزا ہیں، جو کلچر

اسلام کی حفاظت کے نام پر مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرتے ہیں۔

ایک معزز خاندان کی لڑکی جو حال ہی میں میں نے دیکھا کہ وہ کتے کے پلے کو اس طرح آغوش میں لے رہی تھی اور پیار کر رہی تھی کہ اپنے چھوٹے بہن بھائی کو بھی اس طرح پیار نہ کرتی ہوگی، یعنی یورپ کا ملعون طرز اس کی طبیعت ثانیہ بن گیا ہے اور اسلامی تعلیم سے اس کا ذہن قطعاً سادہ ہو چکا ہے، باقی رہا نماز روزہ یا وضع قطع میں اسلامی احکام یا سنت نبویہ کی تعمیل و اتباع، تو محافظین کلچر اسلام کے نزدیک ان کا تو تذکرہ ہی کیا! معاذ اللہ یہ تو دورِ دقیانوسیت کی چیزیں ہیں، دورِ ترقی میں اُن کا زندہ رکھنا ایک ہزار سالہ مردہ ہڈیوں کو اکھاڑنا ہے۔ (معاذ اللہ)

پلیٹ فارم پر یہ شور کہ ہندو کے ساتھ اشتراک عمل بدترین کفر و فسق اور عملاً اس کے طرز و طریق کی دریوزہ گری، کیا اس کا نام دھوکا دہی اور غداری نہیں؟

کہا جاتا ہے کہ داڑھی کے ساتھ جو کچھ معاملہ کیا جاتا ہے وہ یورپ کی تقلید ہے۔ ہندو کی نہیں، لیکن اکبر بادشاہ نے کسی کرزن یا کچنر کی تقلید کی تھی یا ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے اس نے ڈاڑھی منڈائی تھی۔

کہا جاسکتا ہے کہ میز اور کرسی، چھری، کانٹا، یورپ سے آیا، لیکن میز پر ہر ایک کی پلیٹ جدا۔ کھانے کی تبدیلی کے ساتھ پلیٹ کی تبدیلی، ہر ایک کا گلاس جدا، کھانے کے بعد سنی ہوئی پلیٹوں کو گندی چیز کی طرح چھوڑ دینا، کیا ہندو کلچر کے ساتھ اشتراک نہیں؟

یہ تو صرف کھانے سے متعلق چیزیں ہیں، اسلامی کلچر کی حفاظت کے مدعی ہندو کا اتباع کرتے ہیں، اور اتباع سنت کو معاذ اللہ دقیانوسیت تصور کرتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کا طرز اس تمام یورپین اور ہندوانی تہذیب کے برعکس خالص اسلامی اصول پر اتنا سخت ہے کہ جیل خانے میں اگرچہ بڑی پلیٹیں نہیں ملتی تھیں تو چھوٹی پلیٹ میں برابر کے آدمی کو شریک کر لیتے تھے۔

دستر خوان پر نشستیں متعین ہوگئی تھیں، حضرت کے ایک طرف مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی بیٹھتے تھے، دوسری جانب منشی معین الدین صاحب سنبھلی، ان تینوں کی ایک پلیٹ ہوتی تھی، منشی صاحب کے برابر میں حافظ محمد ابراہیم صاحب پھر رفیق محترم مولانا قاری عبداللہ صاحب، ان کی برابر کا مرید محمد ابراہیم صاحب پھر حضرت مولانا حفظ الرحمٰن

صاحب مولانا عبدالقیوم صاحب وغیرہ۔

لقمہ چھوٹا لینا، آہستہ کھانا، کھانے کے وقت آواز کا نہ نکلنا، اگرچہ اس کے متعلق احقر کو سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں تصریحات نہیں ملتیں جو بظاہر احقر کی کوتاہی ہے، مگر بزرگوں سے یہی سنا ہے کہ یہ چیزیں کھانے کے آداب میں داخل ہیں، حضرت مدظلہٗ العالی ان آداب پر عامل ہیں اور احقر کے خیال میں ایک مہمان نواز میزبان کے لیے ان آداب پر عمل کرنا ازبس ضروری ہے تاکہ مہمان اطمینان سے شکم سیر ہو سکے، جلد جلد کھا کر یہ معذرت کر دینا کہ آپ کھاتے رہیے میں جلد کھانے کا عادی ہوں، مہمان کو خواہ مخواہ مجوب کر دینا ہے اور وہ قبل از وقت ہاتھ کھینچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

حضرت مدظلہٗ العالی کا مخصوص انداز یہ ہے کہ لقمہ چھوٹا لیتے ہیں اور آہستہ کھانے میں یہاں تک کہ ساتھ کھانے والے سیر ہو چکتے ہیں، اس کے بعد آپ برتن صاف کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ مراد آباد کے چند حضرات موسم سرما میں تقریباً دس بجے شب کو حضرت شیخ الاسلام مدظلہٗ العالی کے دولت کدہ پر پہنچے، جو کچھ گھر میں کھانا تھا، حضرت لے آئے اور گھر میں روٹی پکوانی شروع کر دی، خود حضرت گھر میں سے کھانا لاتے رہے، جب یہ مہمان کھانا کھا چکے تو خود حضرت دسترخوان پر بیٹھے اور روٹی کے ٹکڑے جو دسترخوان پر رہ گئے تھے، اور پلیٹوں میں بچے ہوئے سالن کو تناول کر کے سیری حاصل کر لی۔

خورونوش سے متعلق احادیث مبارکہ نے یہ تلقین فرمائی ہے کہ کھانے پینے کا طرز متکبرانہ نہ ہو۔ نہ ایسا انداز ہو جس سے کھانے کی حرص وطمع معلوم ہو، بلکہ کھانے کا انداز ایسا ہو جس سے منعم حقیقی رازق مطلق کے سامنے عجز وانکسار کا ظہور ہو، اور انعام خداوندی کی حیثیت سے کھانے کی قدر اور تعظیم مترشح ہو۔

ہر ہر لقمہ پر الحمدللہ اور سبحان اللہ کی تسبیح پڑھنا تو کسی حدیث میں وارد نہیں ہوا۔ البتہ سرور کائنات کا متعین اور سنجیدہ طرز شمائل ترمذی شریف میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ:

> کسی کھانے کی چیز کی مذمت نہیں کیا کرتے تھے اگر پسند ہوتی کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے تھے، کبھی کسی کھانے کی تعریف میں بھی رطب ارللسان نہ ہوتے تھے۔ جس سے کھانے کی طمع اور حرص مترشح ہو۔

جیل خانے کے کھانے کی مذمت کوئی انوکھی چیز نہیں، بلکہ مذمت نہ کرنا قابل تعجب

ہے، چناں چہ کھانے کے وقت دستر خوان کے شرکا تنقید کا کام بھی انجام دیتے رہتے تھے، مگر حضرت محترم اس سلسلہ میں بھی مکمل طور پر متبع سنت ثابت ہوئے آپ کبھی کھانے کی مذمت نہ کرتے تھے، حتی کہ تنقید سے بھی اجتناب کرتے تھے ایک کھانا پکانے والا بہت چالاک تھا، کھانے کے وقت اس کی شکایتیں سامنے آئیں مگر حضرت والا چشم پوشی فرماتے رہے، جب رفقاء کا اصرار بہت زیادہ ہوا تب اس کے بدلوانے کی اجازت دی۔

قیلولہ:

کھانے سے فراغت کے بعد ڈیڑھ دو گھنٹہ قیلولہ فرماتے تھے، قیلولہ مسنون ہے اور بالخصوص شب بیدار حضرات کے لیے مفید بھی ہے دوپہر تک کا تھکان جاتا رہتا ہے، شام کے وقت چستی رہتی ہے اور آخر شب میں آنکھ بھی کھل جاتی ہے۔

قیلولہ سے فراغت کے بعد عموماً مثل اول کے آخر میں نماز ظہر ادا فرماتے تھے نماز ظہر کے بعد چائے کی عادت تھی، اور چائے سے فراغت کے بعد قرآن پاک کا ترجمہ بیان فرماتے، جو رفقا کے انتہائی اصرار کے بعد حضرت نے شروع کرایا تھا، مگر افسوس کہ اس گراں قدر استفادہ کا زیادہ موقع نہ مل سکا، چشم فلک نے اس پر لطف اجتماع پر رشک کیا، اور چند روز بعد حضرت کے ٹرانسفر نے اس سلسلے کو منقطع کر دیا۔

تقریباً ایک گھنٹہ ترجمہ کا سلسلہ جاری رہتا، حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب، مولانا محمد اسماعیل صاحب وغیرہ حضرات علماء اپنی اپنی استعداد کے بموجب سوالات پیش کرتے اور مخزن علم سے عجیب وغریب جواہر پارے حاصل کرتے۔

ترجمہ قرآن حکیم کے بعد نماز عصر تک حضرت مخدوم قرآن پاک سناتے نماز عصر کے بعد رفقا اپنے تفریحی مشاغل میں مصروف ہو جاتے اور حضرت شیخ اسلام اپنی کوٹھری میں تشریف لے جا کر مراقبہ میں مصرف ہو جاتے، نماز مغرب تک مراقبہ جاری رہتا، نماز مغرب کے بعد حضرت مدظلہ العالی ایک گوشہ میں تشریف لے جا کر ایک یا سوا پارہ نوافل میں پڑھتے، نوافل کے بعد کھانا کھایا جاتا، پھر نماز عشاء کے بعد رفقاء دوسری بیرگ میں چلے جاتے جو اُن کے سونے کے لیے متعین کر دی گئی تھی، اور حضرت مدظلہ العالی شب کے معمولات میں مصروف ہو جاتے۔

آخر میں بیرگیس بند کرنے کا وقت مغرب بعد کر دیا گیا تو نماز مغرب کے فوراً بعد کھانے کا وقت مقرر ہوا اس کے بعد رفقا اپنی بیرگ میں چلے جاتے، اور حضرت مدظلہ العالیٰ نوافل میں مشغول ہو جاتے۔

اتفاق سے اس زمانے میں کوئی عارضہ بھی پیدا ہو گیا تھا، جس سے وضو زیادہ دیر نہ ٹھیر سکتی تھی تو سردی کے موسم میں ٹھنڈے پانی سے بار بار وضو کرنی پڑتی تھی، چناں چہ ایک ایک گھنٹہ میں دو تین بار وضو کرنے کی نوبت آتی تھی، تیمم اگر چہ جائز تھا، مگر حضرت نے افضل شکل ہی پر عمل کیا۔

لطیفہ:

حضرت مدظلہ العالیٰ نے فرمایا کہ مولانا شوکت علی صاحب (مرحوم) کو میٹھے کا بہت شوق تھا، کھانے کے بعد میٹھے کی تلاش ہوتی جیل میں کوئی اچھی مٹھائی ملنی ممکن نہیں تھی تو صرف گڑ پر قناعت کی جاتی، مگر مولانا شوکت علی صاحب مرحوم۔ گڑ کے لفظ میں توہین محسوس کرتے تھے، لہٰذا مولانا موصوف نے گڑ کا نام ''قندوز'' رکھا تھا، چناں چہ اس لطیفہ کے سننے کے بعد مراد آباد کے رفقا بھی یہی نام استعمال کرنے لگے، پھر کچھ دوستوں نے اس پارٹی کا نام ہی ''قندوزی پارٹی'' رکھ لیا۔

رہائی کے بعد:

حضرت مدظلہ العالیٰ کی طبیعت تقریباً دو ماہ سے خراب تھی، بخار و زکام کی شکایت رہی، تقریباً چالیس پونڈ وزن کم ہو گیا، جب آپ رہا ہوئے تو بہت زیادہ دبلے اور کمزور تھے، ضرورت تھی کہ کم از کم ختم رمضان تک آپ ایک جگہ قیام فرما کر آرام فرمادیں، لیکن ارادتمندوں کے ہجوم اور حضرت کے وسیع اخلاق نے ایک دن بھی آرام کا موقع نہ دیا، رہائی کے بعد ہی متعدد مقامات سے تشریف آوری کا اصرار شروع ہو گیا، اور حضرت نے فرمائشوں کی تعمیل شروع کر دی، جونپور، فیض آباد، لکھنؤ وغیرہ قیام فرماتے ہوئے رہائی سے ایک ہفتہ بعد ۱۴ رمضان المبارک ۶۳ھ کو آپ دیو بند پہنچے۔

دار العلوم دیو بند کے طلبہ و مدرسین، قصبہ دیو بند کے باشندگان اور مضافات دیو بند

کے مسلمانوں کا بہت بڑا اجتماع اسٹیشن پر موجود تھا، جس نے شاندار استقبال کیا اور پھر صرف دو روز دیوبند میں قیام فرما کر ۱۶؍ رمضان کو حسب معمول سلہٹ (صوبہ آسام) کے لیے روانہ ہو گئے۔

حضرت شیخ الاسلام کا ایک خط:

سہلٹ کی نئی سڑک کی مسجد حضرت کی خانقاہ ہے، جہاں حضرت مترجم ہر سال رمضان شریف گذارتے ہیں، صوبہ آسام و بنگال کے تقریباً پانسو متوسلین روزانہ خدمت میں حاضر رہ کر روحانی فیوض و برکات کا توشہ سال بھر کے لیے فراہم کرتے ہیں، رات اور دن میں تو دس قرآنوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے شب و روز دو گھنٹہ سے زیادہ آرام کا موقع نہیں ملتا، مختصر یہ کہ اس تمام ضعف و نقاہت کے باوجود حضرت مدظلہٗ العالی نے آسام پہنچ کر اپنے دیرینہ معمولات کو مکمل طور پر انجام دیا۔ اور نماز عید سے فارغ ہو کر مشتاقان زیارت کی فرمائشوں کو پورا کرتے ہوئے تقریباً ڈیڑھ ماہ کے مسلسل سفر کے بعد دیوبند رونق افروز ہوئے۔

(علمائے حق............: ج ۲، ص ۵۰۔ ۲۳۶)

۲۷؍ مارچ ۱۹۴۳ء: ۲۷؍ مارچ ۱۹۴۳ء حضرت ممدوح کا یہ مکتوب سامی مولانا عبد الباری ندوی مرحوم کے نام ہے، اس پر مفصل و مفید حاشیہ مرتب مکتوبات شیخ الاسلام مولانا نجم الدین اصلاحی کے قلم سے ہے، حضرت کا مکتوب اور مرتب کا حاشیہ دونوں درج کیے جاتے ہیں:

''جب بنک ریاستِ اسلامیہ کے ہیں، ان سے سود لینا سمجھ میں نہیں آتا، اگر بعض نصوص شامی وغیرہ کے بتلا رہے ہیں کہ دار الحرب میں رہنے والے مسلمانوں سے بھی دار الاسلام کے مسلمانوں کو سود لینے کی اجازت ہے۔ جو سیونگ بنک مشترکہ مسلم اور غیر مسلم کے ہیں، ان کا حکم حربیوں کے بنک کا نہیں ہو سکتا، ان میں یقیناً مسلمانوں سے سود لینا پڑے گا۔ معلوم نہیں آپ کے یہاں تعطیل کب ہوگی۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۳۰؍ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ

حاشیہ:

(۱) اس والا نامہ میں ایک فقہی اور اصطلاحی لفظ دار الحرب کا آ گیا ہے جس کو کسی قدر ہم واضح کرنا چاہتے ہیں، پوری بحث فقہ کی مبسوط کتابوں میں اختلاف دار وغیرہ کے تحت دیکھنی چاہیے۔

ا۔ دار الاسلام وہ ملک ہے، جہاں مسلمان بادشاہ کا حکم نافذ ہو اور ملکی انتظام قوانین شرعیہ پر ہونا ضروری ٹھہرایا گیا ہو، باقی یہ شرط نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں بادشاہ کے ماتحت نہ ہو، بلکہ ایسی صورت میں بھی وہ ملک دار الاسلام ہوسکتا ہے کہ قوانین ملکی تو مسلمان بادشاہ اپنے اختیار و تصرف سے حسب ارشاد شریعتِ مطہرہ مقرر کرلیں، لیکن اس ملک کا مالیہ کسی دوسری غیر مسلم سلطنت کے آگے ادا کرتا ہو، جیسے کہ پانچویں صدی ہجری میں معتمد ابن عباد کے عہد میں قرطبہ واشبلیہ کا حال تھا کہ معتمد ذونش قرہ کندہ بادشا اندلس کے آگے مالیہ دیتا تھا، مگر اس کے شہروں میں اسلامی قوانین نافذ تھے، اس کے خلاف جو ملک ہو وہ دار الحرب ہے، پس دار الحرب کی دو قسمیں ہیں، دار الامن اور دار القرار، دار الامن وہ ہے کہ اس میں مسلمان بادشاہ اور اسلامی قوانین نہیں ہیں، لیکن مسلمان وہاں عبادت میں آزاد ہیں، جیسے ہندوستان یا صلح حدیبیہ کے بعد مکہ معظمہ ....دار القرار وہ ہے، جس جگہ مسلمانوں کو مذہبی آزادی نہ ہو، جیسے سکھوں کے عہد میں پنجاب یا صلح حدیبیہ سے پہلے مکہ مکرمہ، خلاصہ یہ کہ دار الحرب کے اقسام میں سے دار الامن ہے، جس کو دار التسلیم بھی کہہ سکتے ہیں، اس کے مسلمان باشندے چوں کہ فرائض مذہبی میں آزاد ہیں، اس لیے ان کو اس ملک میں رہ کر اور رعیت کہلا کر حکومت سے خیانت عذر، فساد کرنا حرام ہے، قرآن کریم اور احادیث وفقہ میں اس کی حرمت صریحا موجود ہے اور ان مسلمانوں کو اس ملک سے ہجرت بھی ضروری نہیں، شیخ ابن حجر فتح الباری میں لاہجرۃ بعد الفتح کی شرح میں لکھتے ہیں:

> ثم اعلم ان من يقدر على الهجرة من دار الحرب ولا عليه اظهار دينه بها واداء واجباته فالهجرة منها واجبة عليه وامامن هو قادر ولكنه يمكنه اظهار دينه واداء واجباته ممتجه
>
> جس دار الحرب سے ہجرت کرنے پر آدمی قادر ہو اور وہاں مذہبی فرائض مذہبی آزادی سے ادا نہ کرسکتا ہو تو وہاں سے ہجرت فرض ہے اور اگر آدمی کو دار الحرب سے ہجرت کرنے پر قدرت تو ہے، لیکن وہاں فرائض مذہبی ادا کرسکتا ہے، تو ہجرت ضروری نہیں ہے، صرف بہتر ہے،

۲؍اپریل ۱۹۴۳ء: ۲؍اپریل ۱۹۴۳ء کہا جاتا ہے کہ عدل وانصاف حکومت کی ہر ایک چیرہ دستی سے بلند رہتا ہے مگر افسوس ہندوستان کا فیڈرل کورٹ بھی دنیا کے اس آئین سے مستثنیٰ رہا۔ اپریل ۱۹۴۳ء میں ''سر موریس گوائر'' چیف جسٹس فیڈرل کورٹ آف انڈیا نے فیصلہ دیا کہ ڈیفنس آف انڈیا رولس کا قاعدہ ۲۶ (جس کے ماتحت تمام نظر بندیاں عمل میں لائی جاتی تھیں) خلاف ضابطہ ہے، کیوں کہ فیڈرل کورٹ کی رائے میں قاعدہ ۲۶ موجودہ شکل میں ان اختیارات سے بہت آگے بڑھ جاتا ہے جو کہ لیجس لیچر مرکزی حکومت کو تفویض کرنا مناسب سمجھا تھا۔

۲۲؍اپریل کو کلکتہ ہائیکورٹ کے اسپیشل بنچ نے قرار دیا کہ آرڈیننس ۱۱ مجریہ ۱۹۴۲ء کی وہ دفعات جو ملزمان کے خلاف اسپیشل فوجداری عدالتوں کے بارے میں ہیں خارج از اختیارات اور کالعدم ہیں۔

مگر قانون عدل کی تنفیذی طاقت مسٹر چرچل اور ایمری کے ہاتھ میں تھی، چناں چہ ۲؍اپریل ۱۹۴۳ء کو انڈیا آفس سے سرکاری بیان شائع ہوگیا۔

فیڈرل کورٹ نے اس قاعدہ کی عبارت میں کچھ اصطلاحی خامیاں بتائی ہیں جن کی وجہ سے یہ قاعدہ خلاف قانون ہوجاتا ہے، عدالت نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ اگر چہ حکومت کو عارضی طور پر ہی سہی دشواری اور پریشانی ضرور ہوگی، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عدالت کو یہ توقع تھی کہ اس قانون میں فوراً ترمیم کردی جائے گی، معلوم ہوا ہے کہ ان اصطلاحی خامیوں کو دور کرنے کے لیے ایک آرڈی نینس پر فوراً ہی غور کرنا شروع کردیا گیا ہے، نظر بندوں کو چھوڑنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (تیج ۲۸؍اپریل ۱۹۴۳ء)

◂◂ ارشاد السارى میں تو یہاں تک لکھا ہوا ہے کہ جس دار الحرب میں اظہار دین ہوسکتا ہے، وہاں عالم کا اس لیے رہنا بہتر ہے کہ غیر مسلموں کو بھی ہدایت کرسکے اور اسلام کے برکات کا اظہار کرنے پر قادر ہو، باقی رہی سنن نسائی کی حدیث انا برئ من مسلم مقیم بیان المشرکین راوکما قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علامہ ابن حجر فتح الباری میں اس روایت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: وہذا محمول علی من لم یامن علی دینہ، یعنی نسائی کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکوں میں مقیم ہو، اس کا مدعا یہ ہے کہ یہ اس شخص کے حق میں ہے، جو دین میں محفوظ نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر مظہری: ص ۱۸۰

چناں چہ ۲۷/اپریل ۱۹۴۳ء کو حکومت ہند کے محکمۂ ڈیفنس نے ایک کمیونک شائع کر دیا کہ:

> فیڈرل کورٹ نے ڈیفنس آف انڈیا رولس کے قاعدہ ۲۶ کے متعلق جو فیصلہ حال ہی میں صادر کیا تھا، حکومت ہند نے اس پر غور کیا ہے، اور وہ اس صورت حال پر جس کا ذکر فیڈرل کورٹ نے اپنے فیصلہ میں کیا ہے، قابو پانے کے لیے فوری تدبیریں اختیار کر رہی ہے ایک نیا آرڈی نینس نافذ کیا جا رہا ہے، اس کے ذریعہ ضروری اختیارات حاصل کر لیے جائیں گے۔
>
> نیز ڈیفنس آف انڈیا رولس کے قاعدہ ۲۶ کے ماتحت اب تک جو کارروائی کی گئی ہے اُس کو اس نئے آرڈی نینس کے ذریعہ جائز قرار دیا جائے گا۔

حکومت فیڈرل کورٹ کے اس مشورے پر بھی مناسب دھیان دے رہی ہے کہ لوگوں کو بلا سماعت نظر بند رکھنے کے اختیارات کا استعمال بھی احتیاط سے کیا جائے۔

بہر حال جبر و تشدد، ظلم و ستم وقتی طور پر کامیاب ہو جاتا ہے، مگر اس کی عمر زیادہ نہیں ہو سکتی، مجبوراً حکومت کو اپنے رویہ پر نظر ثانی کرنی پڑی۔

لارڈ ویول جدید وایسرائے ہند نے چارج سنبھالنے کے بعد مصالحانہ پالیسی اختیار کی، رہائیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

(علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے: جلد دوم، ص ۹۳-۱۹۳)

۹/اپریل ۱۹۴۳ء: ۹/اپریل ۱۹۴۳ء جب مولانا آزاد کی بیوی زلیخا کا انتقال ہوا تو کلکتہ میں ملا جان محمد نے اعلان کر دیا کہ مولانا آزاد کا شمار کافروں میں ہے اس لیے ان کی بیوی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے نہیں دیا جائے گا، چناں چہ ملا جان محمد کی زیر سر کردگی مولانا آزاد کی مرحومہ بیوی کے جنازہ پر پتھراؤ کیا گیا، اور اس پتھراؤ کو اسلامی جہاد کا درجہ دیا گیا، تمام ہندوستان نے یہ عبرت انگیز نظارہ دیکھا، قدرت ان پر ہنس رہی تھی کہ جس پاکباز مجاہدہ بیوی کے مردہ جسم پر پتھراؤ کیا جا رہا ہے اس کا بدلہ سارے کلکتہ کو چکانا ہوگا، قدرت کا فیصلہ اٹل تھا، جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا آج ملا جان محمد گربہ مسکین بن کر مسلمانوں کی رہنمائی کا فرض ادا کرنے کو نکل آئے ہیں اور مجلس مشاورت'' کے ''اکابر مجرمیہا'' کی صف

میں عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح کفارہ ادا کر رہے ہیں۔

مجلس مشاورت کے موجودہ اجتماع میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کے بارے میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے:

''جب ہندوستان کی آزادی کا پروگرام لے کر ہم ان کے پاس گئے تو ان علما نے مجاہدین آزادی کو کہا، دوستو ہم کو فتنہ میں نہ ڈالو ہم اللہ والے لوگ مصلّٰی اور منبر پر ہی زیب دیتے ہیں تم لوگ بھی کیوں اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالتے ہو۔ ''لاتفتنی'' کے مضمون کو ذہن میں رکھو اور قرآن میں آیا: لا تفسدو افی الارض بعد اصلاحھا. پر نظر رکھو۔ ہندوستان میں برطانوی اصلاحات آچکی ہیں اسے خدا کی رحمت سمجھو''۔

(مسائل امروز از مولانا عزیز الرحمٰن جامعی لدھیانوی دہلی، ۱۹۶۶ء: ص ۵۸)

۲۶/اپریل ۱۹۴۳ء: ۲۶/اپریل ۱۹۴۳ء مجلس احرار اسلام ہند نے اپنے اجلاس سہارن پور میں ۲۶/اپریل ۱۹۴۲ء کو موجودہ ملکی وسیاسی صورت حالات کے پیش نظر مندرجۂ ذیل قرارداد منظور کی:

''مجلس احرار اسلام ہند نے اکھنڈ بھارت، پاکستان اور آزاد پنجاب وغیرہ اسکیموں کا بنظر غاہر مطالعہ کیا، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ جنگ عالم گیر کی تباہ کاریوں اور جنگی رقبوں سے ہزاروں میل دور علاقوں میں جنگ کے تکلیف دہ اور فتنہ زا اثرات پر دھیان دیتی چلی آئی ہے۔

مجلس تمام غور وفکر کے باوجود اپنے آپ کو اپنا یہ پرانا مسلک چھوڑنے پر آمادہ نہیں پاتی کہ ہندوستان کی سیاست کا پیچیدہ مسئلہ بہرحال اس ملکہ کے رہنے والے لوگوں کے درمیان امن واعتماد باہمی کے ذریعہ ہی حل ہو سکتا ہے اس لیے مجلس ان تمام اسکیموں کے حامیوں سے بھی عرض کرنا چاہتی ہے کہ اکھنڈر بھارت، پاکستان یا آزاد پنجاب جیسی کوئی اسکیم بھی باہمی اعتماد کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔

وہ ہندو سکھ یا عیسائی وغیرہ سے تصادم یا فتنہ انگریز اختلاف مناسب نہیں سمجھتی، وہاں وہ مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی پیدا کرنا ہرگز ہرگز پسندیدہ تصور نہیں کرتی۔

گو مجلس موجودہ وقت میں حکومت برطانیہ سے کوئی مطالبہ کرنا پسند نہیں کرتی اور اپنی قسمت کو اللہ کے سپرد کرنا زیادہ مناسب سمجھتی ہے، پھر بھی وہ ہندوؤں اور مسلمانوں یا مسلم

لیگ اور کانگریس کے سمجھوتے کی راہ میں سنگ گراں بننے کی خواہش مند نہیں ہے، اسے ایسے سمجھوتوں سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں، تاہم جولوگ اس وقت سمجھوتے کی کوشش کرنا چاہیں، وہ ان کو روکنا بھی پسند نہیں کرتی، ان حالات میں وہ سمجھوتے کی علیحدہ کوشش کر کے مسلمانوں میں باہمی خلفشار کو ہوا دینا نامناسب سمجھتی ہے اور واضح کر دینا چاہتی ہے کہ جو کوئی سمجھوتا چاہتا ہے وہ بے شک مسلم لیگ سے اور جس کسی جماعت سے چاہے باتیں کرے، لیکن وہ مجلس احرار سے امید نہ رکھے کہ وہ ایسے مخمصوں میں پھنس کر مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگی کا دروازہ کھولے گی۔

مجلس احرار اسلام واضح کر دینا چاہتی ہے کہ اس کا نظریہ یہ نہیں ہے کہ کسی جغرافیائی یا نسلی یا لسانی وغیرہ حدود کو قائم کرنا یا برقرار رکھنا مسلمان کا مذہبی یا حقیقی اور قطعی فریضہ ہے بلکہ ہر حالات میں خدا اور رسول کی دکھائی ہوئی راہ پر چلنا دنیا میں نیکی سے رہنا نیکی سے تعاون کرنا، نیکی کی حکومت قائم کرنا اور نیکی کو رواج دینا ہی خلقتِ انسانی کی خداوندی حکمت و مصلحت ہے اور مجلس احرار اسلام دنیا کے جس حصے میں بھی ممکن ہو، حکومت الٰہیہ کے قیام کی خواہاں ہے تا کہ دنیا کو دکھایا جا سکے کہ اسلام کے زرین اُصولوں پر کار بند ہو کر کس طرح دنیا کے مصائب کا علاج کیا جا سکتا ہے اور دنیا و آخرت میں فلاح کی صورت پیدا کی جا سکتی ہے؟

آزادی کا راستہ:

۲ تا ۶ رجون ۱۹۴۳ء: ۲ تا ۶ رجون ۱۹۴۳ء راش بہاری بوس ان دنوں سنگا پور میں تھے، سبھاش بابو کے جرمنی سے جاپان پہنچنے کی خبر کسی کو نہیں تھی، جنرل توجو کی دعوت پر راش بہاری بوس ۳ رجون ۱۹۴۳ء کو ٹوکیو پہنچے تھے، وہیں پر ان کی ملاقات نیتا جی سبھاش چندر بوس سے ہوئی تھی، انھوں نے نیتا جی سے ''آزاد ہند فوج'' کی باگ ڈور سنبھالنے کو کہا تھا، نیتا جی کو سابق طے شدہ پروگرام کے تحت چین جانا تھا، لیکن انھوں نے اپنا پروگرام منسوخ کر دیا، ان کا سنگا پور پہنچنا نہایت ضروری ہو گیا تھا، آخر کار، ۲ رجولائی ۱۹۴۳ء کو وہ سنگا پور پہنچے، وہاں ان کا کافی گرم جوشی کے ساتھ استقبال ہوا، سنگا پور میں وہ ایک ہفتہ ٹھہرے جسے ''نیتا جی بھاش چندر بوس ہفتہ کہا گیا وہاں انھوں نے کئی جلسوں میں شرکت کی، سبھی بھائیوں نے متفق

ہو کر انھیں اپنا نیتا مانا اور پوری مدد دینے کی قسم کھائی، اس موقع پر نیتا جی نے کہا ''ہمیں دشمن سے بڑی سخت لڑائی لڑنی ہے، آزادی کی آخری اور فیصلہ کن جنگ کے لیے ہمیں بھوک اور پیاس سے لڑنا پڑے گا'' سنگاپور کی اس بین الاقوامی سبھا میں آزاد بھارت کی مستقل سرکار کے قیام کا اعلان کیا گیا، سبھاش بابو نے اپنے رفیق کاروں اور وزرا کے ساتھ سرکار کے متعلق اپنے عہدے اور اخفائے راز کے لیے حلف اٹھوایا، یہ منظر دیکھنے والی ساٹھ ہزار نگاہیں خوشی سے چمک اٹھی تھیں۔

اگلے دن سنگاپور میں تقریباً پچاس ہزار شہریوں کا زوردار اجتماع ہوا، جس میں ''آزاد ہند سرکار'' نے انگلینڈ اور امریکہ کے خلاف جنگ کرنے کا اعلان کر دیا۔ ''آزاد ہند فوج'' کے سامنے تقریر کرتے ہوئے نیتا جی نے کہا۔ ''بھارت کے سپاہیو، بہادرو! ندیوں، جنگلوں اور پہاڑوں کے پار ہمارا وہ دیش ہے جہاں کی مٹی سے ہم سب بنے ہیں، جہاں اب ہم جا رہے ہیں، سنو! بھارت ورش پکار رہا ہے، اٹھو اب وقت سونے کا نہیں ہے، ہتھیار اٹھاؤ، دلی کا راستہ آزادی کا راستہ ہے۔ دلی چلو۔

''ساتھو، میرے سپاہیو! تمہارا نعرہ ہے ''دلی چلو'' آزادی کی لڑائی میں، ہم میں سے کتنے لوگ بچیں گے یہ میں نہیں جانتا۔ لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ فتح ہماری ہوگی، ہماری کام تب تک ختم نہیں ہوگا، جب تک ہمارے جوان دلی کے لال قلعے میں صف بستہ ہو کر فتح کی پریڈ نہیں کریں گے، ابھی میں بھوک، پیاس، تکلیف، لمبی کٹھن سیاحت اور موت کے سوا دوسری کسی چیز سے کی نوید نہیں دے سکتا۔

''آزاد ہند فوج خاص الخاص ہندوستان کی قومی فوج ہے اور یہ ہر طرح ہندوستانیوں کے ماتحت ہے، ہم اس فوج میں جاپانیوں کو نہیں آنے دیں گے، اگر ہماری خواہش کے خلاف جاپانی بھارت جاتے ہیں، تو ہم انھیں اپنا دشمن سمجھیں گے''۔ اگر آپ لوگ مجھ پر اعتبار کریں، تو میں آپ کو فتح و آزادی کی منزل تک پہنچاؤں گا''۔

۶ر جولائی ۱۹۴۳ء آج ''آزاد ہند فوج'' کی پریڈ کے دوران جنرل توجو نے فوجیوں کی سلامی لی۔ (کرنل محبوب احمد: ص ۷۷-۷۲)۔

حضرت تھانوی کی وفات:

۲۵؍جولائی ۱۹۴۳ء: نئی دہلی ۲۱؍جولائی۔ اسلامی حلقوں میں یہ خبر انتہائی رنج وقلق سے سنی جائے گی کہ ہندوستان کے جلیل القدر عالم حضرت مولانا اشرف علی تھانوی انتقال فرما گئے۔ (ہفت روزہ مسلمان۔ لاہور، ۲۵؍جولائی ۱۹۴۳ء، ص ۵)

۳؍اگست ۱۹۴۳ء: مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے اخبار ہفت روزہ صدق لکھنو مورخہ ۳؍اگست ۱۹۴۳ء کے ایک شندرے میں ''جیل میں تبلیغ'' کے عنوان سے حضرت کے معمولات جیل کے بارے میں لکھتے ہیں:

مولانا حسین احمد مدنی صاحب اب تو غالباً الہ آباد جیل میں ہیں کچھ عرصہ قبل ایک مدت تک مراد آباد جیل میں رہے، اس زمانہ کے حالات حال ہی میں ایک بہترین راوی کی زبانی معلوم ہوئے، مولانا کا بیشتر وقت قرآن خوانی، نوافل وغیرہ میں صرف ہوتا تھا۔ باقی وقت خدمتِ خلق میں، کبھی اپنے رفیقوں کے لیے کھانا اپنے ہاتھ سے پکا رہے ہیں (ایک مستقل باورچی کے باوجود) کبھی کسی حقہ نوش رفیق کے لیے چلم بھر رہے ہیں، خیر اس قسم کی خدمتوں کے تو مولانا بادشاہ ہیں اور آزادی کے زمانہ میں بھی بے تکلف ان خدمتوں میں مصروف رہا کرتے تھے، رہے وہ نوافل واذکار واشغال تو اس کا موقع آزادی کے زمانے میں انھیں کھل کر صرف رمضان کے مہینے میں مل پاتا اور بھرپوری فرصت جیل میں نصیب ہو جاتی ہے، یہی رنگ دیکھ کر بعض مخلص نیاز مند گو شروع ہی سے یہ رائے رکھتے ہیں کہ مولانا جیل میں جا کر گھاٹے میں نہیں رہتے کچھ نفع ہی میں رہتے ہیں، کبھی کبھی درس قرآن بھی جاری رہا مسلمان تو خیر اس سے مستفید ہوتے ہی تھے، بڑی خوشی کی بات ہے کہ غیر مسلم بھی نفع سے محروم نہ رہے متعدد افراد اسلام کے قریب آ گئے، ایک صاحب جو کہیں کے سیٹھ یا ساہوکار تھے بحمد اللہ باضابطہ مسلمان ہو کر رہے، دین کا مخلص خادم کہیں بھی ہو اور جن حالات میں بھی ہو بہرحال اپنے لیے جنت کا سامان کر ہی سکتا ہے''۔

۲۱؍اگست ۱۹۴۳ء: لکھنؤ ۱۴؍اگست، مسٹر ظہیر الحسن لاری ایڈوکیٹ الہ آباد نے مسٹر جسٹس سر اقبال احمد چیف جسٹس الہ آباد ہائیکورٹ کی عدالت میں مولانا حسین احمد مدنی کے پیروکار شیخ ولی محمد کی جانب سے ایک درخواست ملک معظم کے خلاف پیش کی جس میں ولی

محمد صاحب نے بتایا ہے کہ وہ مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد ہیں اور مولانا حسین احمد مدنی ایک مسلمان عالم دین جمعیت علماے ہند کے صدر اور دارالعلوم دیوبند کے پرنسپل ہیں، ۲۴ر جون ۱۹۴۲ء کو جب کہ مولانا حسین احمد مدنی دیوبند سے لاہور جارہے تھے ان کو ایک تقریر کرنے کے الزام میں جو آپ نے بچھرایوں ضلع مراد آباد کی ایک کانفرنس میں کی تھی گرفتار کر لیا گیا، مولانا کو مسٹر سرینواس فرسٹ کلاس مجسٹریٹ مراد آباد نے ۲۵ر جولائی ۱۹۴۲ء کو اٹھارہ ماہ قید محض اور پانچ سو روپیہ جرمانہ کی سزا کا حکم دیا جس کی اپیل عدالت سیشن مراد آباد میں کی گئی اور سشن جج نے سزا کی میعاد کم کر کے ۷ ماہ کر دی سیشن جج نے یہ فیصلہ ۱۵ر اگست ۱۹۴۲ء کو دیا تھا اور اپنے فیصلہ میں لکھا تھا کہ یہ بات صاف طور سے ظاہر ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی تقریر میں حکومت کو ختم کرنے کے لیے عوام کو متوجہ نہیں کیا، بلکہ آپ نے عوام میں بیداری پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ جنگ کے ماتحت حالت میں قوم اپنے پیش نظر خطرات کا مقابلہ کر سکے، آپ نے عوام کو ہندو مسلم اتحاد کے لیے آمادہ کیا تاکہ وہ مکمل قومی آزادی حاصل کر سکیں اور یہ وہ حق ہے جس کو حکومت نے بھی تسلیم کر لیا ہے، مولانا حسین احمد مدنی کو نینی سنٹرل جیل میں ۲۴ر جون ۱۹۴۱ء کو بھیجا گیا، جہاں ان کی میعاد سزا ۴ر جنوری ۱۹۴۳ء کو ختم ہو گئی لیکن ان کو رہا نہیں کیا گیا، بلکہ اطلاع دی گئی کہ ان کو قانون دفاع ہند کی دفعہ ۲۶ کے ماتحت نظر بند کر لیا گیا ہے، ۴ر جنوری ۱۹۴۳ء تک آپ کو اے کلاس میں رکھا گیا، لیکن تاریخ کے بعد بی کلاس میں منتقل کر دیا گیا ہے، درخواست میں مزید بنایا گیا ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی نے کانگریس کی تخریبی تجویز میں کسی قسم کا حصہ نہیں لیا اس لیے کہ وہ اُس وقت جیل میں تھے، بنابریں جس وقت ان کو سزا کا حکم دیا گیا یا گرفتار کیا گیا تھا، اس وقت نظر بندی کا حکم جاری کرنا قبل از وقت تھا کیوں کہ دفعہ ۲۶ کے ماتحت احکامات مستقبل بعید کے لیے نہیں جاری کیے جا سکتے، اس کے علاوہ فیڈرل کورٹ سے ''کیشو تال پاڈے بنام ملک معظم'' کے مقدمہ میں یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ مرکزی حکومت کو دفعہ ۲۶ قانون دفاع ہند کے ماتحت اختیارات نہیں ہیں اس لیے یہ درخواست مناسب کارروائی کے لیے پیش ہے۔

(مدینہ، ۲۱ر اگست ۱۹۴۳ء)

۲۱ر اگست ۱۹۴۳ء: مولانا مدنی کی حراست سراسر خلاف قانون ہے، مسٹر ظہیر الحسن لاری کی کورٹ میں بحث۔ (مدینہ بجنور۔ ۲۱ر اگست ۱۹۴۳ء)

کلکتہ میں قیامت صغریٰ:

ستمبر ۱۹۴۳ء بنگال کے قحط پر سرکاری اور غیر سرکاری پر کئی رپورٹیں اور اعداد و شمار اور اسباب پر مشتمل جائزے شائع ہو چکے ہیں، ذیل میں کلکتہ یونی ورسٹی کے شعبہ علم الاجسام کی رپورٹ جو خلافت بمبئی کے حوالے سے صدق لکھنو نے شائع کی تھی، نقل کی جا رہی ہے۔

''کلکتہ، ۲۵ ستمبر یونیورسٹی کے شعبۂ علم الاجسام کے طلبا اور اُستادوں نے کلکتہ کے نیم مردہ اور بھوکوں کے متعلق جو تحقیقات شروع کی ہے وہ اب ختم کے قریب ہے، شعبہ کی ابتدائی رپورٹ میں بیان کیا گیا ہے، کہ ''اب تک نیم مردہ بھوکوں کے سات سو خاندانوں کی بابت تحقیقات کی جا سکی ہے مگر رپورٹ میں ان خاندانوں کے افراد کی تعداد نہیں دی جا سکی بلکہ صرف ۵۰۴ خاندانوں کا ذکر کیا جا سکا ہے، موجودہ غذائی مصیبت نے معاشی، سماجی اور نفسیاتی حالت پر کس قدر اثر ڈالا ہے؟ اس کا اندازہ اس کے کیا جا سکتا ہے، کہ ۲۴ء۴ فیصدی خاندانوں کی وحدت ٹوٹ چکی ہے، شوہروں نے بیویون کو چھوڑ دیا، بیویوں نے بیمار شوہروں سے علیحدگی اختیار کر لی، لڑکے اپنے بوڑھے اور بیمار ماں اور باپ کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں، اور والدین نے بچوں کو مصیبت میں مبتلا چھوڑ کر غذا کی تلاش میں مارا مارا پھرنا شروع کر دیا ہے، بھائی بھوکی بہنوں کی چیخ پکار نہیں سنتے، جو بھائی اپنی بیوہ بہنوں کی پرورش برسوں سے کر رہے تھے، اس مصیبت میں وہ ان کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے۔

رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے ''ہماری رپورٹ اس قسم کے تاریک واقعات سے بھری پڑی ہے اور آج معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان کی سب سے ضروری احتیاج سامنے آ جائے تو تہذیب و تمدن کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

زیر بحث ۵۰۴ خاندانوں میں افراد کی تعداد ۱۵۶۶ ہے، یعنی تناسب خاندان ۱ء۳ فیصدی ہوتا ہے، ان میں عورتیں ۷ء۵۵ فیصدی، اور ان میں جوان ۳ء۴۴ فیصدی، لڑکے لڑکیاں ۵ء۲۷ فیصدی شیر خوار بچے ۳ء۲۶ فیصدی اور بوڑھے ۴ء۴ فیصدی ہیں۔

بھوک سے نیم مردہ مریضوں میں فرقہ ورانہ تناسب حسب ذیل ہے:

پست اقوام	:	۷ء۵۲ فیصدی
مسلمان	:	۹ء۳۰

اعلیٰ ذات کے ہندو : ۴ء۱۵

ہندوستانی عیسائی : ۱

سماجی حیثیت سے تقسیم یہ ہے کہ غیر شادی شدہ ۶ء۳۵ فیصدی اور شادی شدہ ۴ء۳۱ فیصدی بقیہ ۲ء۱۳ نا قابل شادی یعنی بچے اور بوڑھے۔

رپوٹ میں لکھا گیا ہے ''ہماری تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ موجودہ مصیبت کا سب سے زیادہ شکار زراعت پیشہ مزدور ہیں، کیوں کہ ان کا تناسب ۷ء۴۷ فیصدی ہے، دوسرے طبقوں کا تناسب حسب ذیل ہے: کاشتکار ۲۵ فیصدی، چھوٹے تاجر ۷ فیصدی۔ بھک منگے ۶ء۶ فیصدی، مچھیرے ۴ء۲ فیصدی اور بقیہ دوسرے لوگ ۷ء۱۰ فیصدی

(صدق، لکھنؤ، ۱۸/اکتوبر ۱۹۴۳ء۔ ص ۶)

قحط بنگال پر جمعیت علماء کی قرارداد:

۲۵۔ ۲۶/اکتوبر ۱۹۴۳ء بنگال کے حالات مخدوش تر ہوتے جا رہے تھے، حیات و ممات کے مابین ہاتھاپائی کے دوران بنگال کے قحط میں بقول وزیر ہند مسٹر ایمری اٹھارہ لاکھ تہتر ہزار سات سو اہتر انسان فاقہ کشی سے مرے، لیکن غیر سرکاری رپورٹ تھی کہ اس وقت تک نوے لاکھ انسانوں کی زندگی پر موت کو فتح حاصل ہو چکی ہے۔

مجلس احرار ہند کا وفد بمعہ دہلی کارکنوں کے ان دنوں قحط زدہ علاقے میں پہنچ کر انھیں امداد دے رہا تھا، دوسری مقامی جماعتیں بھی خدمت انسانی میں مصروف تھیں، اس مصیبت اور پریشانی کے عالم میں غیر مسلم جماعتیں لاوارث بچوں کو اپنی تحویل میں لے کر انھیں اپنے اپنے مذہب کی ترغیب دے رہے تھے، ایسے حالات میں احرار اور جمعیت علماے ہند کے ذمہ یہ کام بھی تھا کہ وہ مسلمان یتیم بچوں کو بحفاظت اپنے اثر میں لیں، چناں چہ ۲۵۔ ۲۶/اکتوبر کو دہلی میں جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ نے حسب ذیل قرارداد منظور کی:

> ''قحطِ بنگال کی موجودہ صورتحال جس نے علاقۂ قحط کی گلیوں، سڑکوں، میدانوں کو بھوک سے سسکتے اور دم توڑتے ہوئے بوڑھوں، جوانوں، بچوں، مردوں، عورتوں کی بے جان یا نیم جان لاشوں سے بھر دیا ہے، ابھی

تک بدستور باقی ہے خیال کیا جاتا تھا کہ یہ خطرناک حالات جلد از جلد دور ہو جائیں گے، مگر مہینے ہو گئے کہ بھوک کی وجہ سے موت کے نہ صرف ابھی تک بازار گرم ہیں بلکہ اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے''۔

جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس ان تمام انجمنوں، اداروں اور رحم دل اشخاص و افراد کو جنھوں نے اس بے کسی اور مجبوری کی حالت میں قحط زدگان بنگال کی امداد میں سرگرمی دکھائی، دلی مبارکباد دیتا ہے۔

جمعیت علما بھی تمام ہندوستان کے مخیر حضرات سے پر زور درخواست کرتی ہے کہ اہلِ بنگال کی جان، عزت اور عصمت بچانے کے لیے بیش از بیش امداد و اعانت کریں۔

مجلس عاملہ مالی امداد کے علاوہ اس امر کو بھی ضروری سمجھتی ہے کہ بنگال کے بے شمار ایسے معصوم بچے، جن کے والدین، سرپرست بھوک کا شکار ہو کر ان معصوموں کو بے یار و مددگار چھوڑ گئے ہیں، حفاظت و نگرانی اور تربیت کے سخت محتاج ہیں مجلسِ عاملہ ایسے بچوں کی فراہمی کا انتظام کر رہی ہے اور چاہتی ہے کہ ہندوستان کے یتیم خانے، مدارس اور تربیت گاہوں میں تھوڑی تھوڑی مناسب تعداد میں بچوں کی تقسیم کر دیا جائے۔

جمعیت تمام اہلِ خیر حضرات کو متوجہ کرتی ہے کہ وہ .... ایسے معصوم لاوارث بچوں کی کفالت کے لیے امداد کریں''۔

یہ تجویز باتفاق رائے منظور ہوئی۔ (جمعیت علما کیا ہے؟ ص ۲۵۶)

یاد رہے کہ ان دنوں دس ہزار سے زائد لاوارث مسلمان بچوں کو جمعیت اور مجلس احرار نے صرف پنجاب کے مختلف اضلاع میں تقسیم کیا تھا۔

۳۱ راکتوبر ۱۹۴۳ء ۳۱ راکتوبر کو آزاد ہندوستان کی عارضی حکومت کا قیام عمل میں آیا، یہ حکومت سبھاش چندر بوس کی سربراہی میں سنگاپور میں قائم ہوئی تھی، دنیا کی نو مملکتوں نے اس سے اعلان کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں تسلیم کر لیا تھا، ان میں جرمنی، جاپان اور آئرلینڈ کی حکومتیں قابل ذکر ہیں۔

(کرنل محبوب احمد (آپ بیتی) پٹنہ، خدا بخش لائبریری، ۱۹۹۳ء: ص ۱۱)

بھولا بھائی ڈیسائی جو آزاد ہند فوج کے مقدمے کے بڑے وکیل تھے، مقدمے میں دلائل دیتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ بین الاقوامی قانون کے تحت ''آزاد ہند سرکار'' ان سبھی

شرطوں کو پورا کرتی ہے جو ایک آزاد ملک پر لاگو ہوتا ہے، آزاد ہند سرکار کے تحت تقریباً بیس لاکھ شہری ایک ملک اور ایک خیال پر متفق تھے، اس سرکار کے زیر حکم تمام شعبے اور اس کی فوج کسی بھی طرح غیر قانونی نہیں مانی جا سکتی، انھوں نے کہا کہ پندرہ ورگ میل حلقے میں قائم ''آزاد ہند سرکار'' کی حکومت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اس سرکار کے سپاہی کسی دھمکی یا لالچ کے تحت غیر ملکی فوج کا ساتھ دے رہے تھے جیسے الزام کو انھوں نے محض بے بنیاد ٹھہرایا، انگریزی حکومت کے تحت ملازمت کے فرائض انجام دینے والا جج ایسی کسی بھی دلیل کو آسانی سے نہیں مانے گا، یہ طے تھا، پھر بھی وکیل بھولا بھائی ڈیسائی نے آزاد ہند فوج'' کی تصویر کو دنیا کے سامنے بڑی صفائی سے رکھ کر یہ ثابت کر دیا کہ صداقت کا قد کبھی کوتاہ نہیں ہو سکتا، ہاں، اس پورے معاملے کے سامنے انگریزی حکومت ضرور کوتاہ قامت ہو گئی ہے۔

(کرنل محبوب احمد: ص ۳۹)

آغا شورش کی رہائی:

یکم نومبر ۱۹۴۳ء: آغا شورش کاشمیری، جسے ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت ۱۹۳۹ء کو ملتان اور لائل پور (فیصل آباد) میں فوجی بھرتی کے خلاف تقریر کرنے کے جرم میں پانچ سال قید کی سزا ہوئی تھی، میعادِ اسیری ختم ہونے پر یکم نومبر ۱۹۴۳ء کو لاہور سنٹرل جیل سے رہا کر دیا گیا، اور ساتھ ہی ایک نوٹس کے ذریعے انھیں لاہور میونسپل حدود میں نظر بند کر دیا۔

(کاروانِ احرار: جلد ۵، ص ۳۵-۴۳۴)

۷ر نومبر ۱۹۴۳ء کو جاپانی وزیر اعظم جنرل ٹوجو نے (ٹوکیو مین) اعلان کیا کہ انھوں نے انڈمان، نکوبار، مجمع الجزائر کو ''آزاد ہند'' کی عارضی سرکار کو سونپ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

اس اعلان کے فوراً بعد عارضی سرکار نے انڈمان، نکوبار، مجمع الجزائر پر اپنی حکومت قائم کر لی تھی، یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے ابتدائی ایام میں ہی جاپان نے نکوبار، مجمع الجزائر کو انگریزی حکومت سے چھین لیا تھا، بہر حال عارضی سرکار کی حکومت قائم ہونے کے بعد نیتا جی انڈمان گئے اور انھوں نے ان جزائر کے نئے نام ''شہید'' اور'' راجیہ'' رکھے۔ (کرنل محبوب احمد (آپ بیتی): ص ۲۶)

آزاد ہند فوج اور نیتا جی:

۹ر نومبر ۱۹۴۳ء تا ۴ر جنوری ۱۹۴۴ء: اپنی پوری تیاری کے بعد نیتا جی نے محسوس کیا کہ تمام جگہوں پر بکھری ہوئی فوج کو ایک موقف پر لایا جائے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے رنگون کو ہیڈ کوارٹر بنایا، ۹ر نومبر ۱۹۴۳ء کو ''آزاد ہند فوج'' نے اپنی فوجی تعلیم ختم کی اور ''پارٹی نمبر ایک رجمنٹ'' جو ''سبھاش بریگیڈ'' بھی کہلاتی تھی، ۲۴ر نومبر کو رنگون کے لیے روانہ ہوئی، تائی پنگ سے روانہ ہونے والی یہ رجمنٹ جب ریلوے اسٹیشن پر پہنچی، تو وہاں ایک بہت ہی پس و پیش میں ڈالنے والے حالات تھے آخر کار، ان سپاہیوں کو یہ تسلی دینی پڑی کہ ان کے ٹھیک ہوتے ہی اگلی رجمنٹ میں رنگون بھیج دیا جائے گا۔

تائی پنگ سے رنگون پہنچنے، میں رجمنٹ کو پانچ ہفتے لگے، اس درمیان فوج کو پانچ سو اڑسٹھ کیلومیٹر پیدل چلنا پڑا، تمام سپاہی جلدی سے جلدی مورچے پر پہنچنے کے لیے بے چین ہوا تھے، یہی وجہ تھی کہ اوسطاً اسی پونڈ کا سامان اپنے پیٹھ پر لاد کر بھی یہ فوجی ہر روز تقریباً ۴۸ کیلومیٹر کا فاصلہ طے کیا کرتے تھے، آخر کار، یہ رجمنٹ جنوری ۱۹۴۴ء میں رنگون پہنچی۔

۴ر جنوری ۱۹۴۴ء نیتا جی ہوائی جہاز کے ذریعہ رنگون آئے اور اپنی رجمنٹ کے معائنہ کے لیے پہنچے، فوج کو تین کمانوں میں تقسیم کر دیا گیا، ارکان کمان کی ذمہ داری سردار جنگ کرنل لکشمن سروپ مشرا اور میجر مہر داس مکھر سنگھ اور میجر اجمیرا سنگھ کو دی گئی، سینا (فوج) کو تین کمانوں میں بانٹنے کے بعد اس کی کچھ خاص یونٹیں بھی بنائی گئیں، جن میں تین گوریلا رجمنٹ تھیں، گاندھی گوریلا رجمنٹ، نہرو گوریلا رجمنٹ گپت چر دل (خفیہ دل)۔

بھارت بھاگ ہے جاگا:

''آزاد ہند فوج'' بننے کے بعد نیتا جی نے جو اپنا منتری منڈل (انجمن وزرا) بنایا اس کا خاکہ کچھ اس طرح تھا راج پرمکھ، پردھان منتری (وزیر اعظم) رکشا اور ودیش منتری (وزرات دفاع اور خارجہ) ان شعبہ جات کی ذمہ داری خود نیتا جی نے سنبھالی، کپتان لکشمی سہگل رانی جھانسی رجمنٹ کے انچارج، ایس، اے ایر وزیر اطلاع اور نشر و اشاعت، لیفٹیننٹ کرنل اے سی چڑجی مالیات، ایم سہائے وزیر غیر عارضی سرکار، راش بہاری بوس پر

مکھ صلاح کار، این این سرکار عدالت صلاح کار بنائے گئے۔ اس کے علاوہ لیفٹیننٹ کرنل عزیز احمد ان ایس فکل، گلزاری سنگھ، اے، ڈی لوک ناتھن اور شاہ نواز خاں مسلح فوجی ممبر کے روپ میں مقرر کئے گئے، ''آزاد ہند فوج'' کے حلف اٹھانے کے موقع پر نیتا جی نے فرمایا تھا، ایشور اللہ، عیسیٰ اور گرو گووند سنگھ کے نام پر میں یہ پاک حلف اٹھاتا ہوں کہ بھارت اور اس کے ۳۸ کروڑ باشندوں کی آزادی کے لیے میں ''سبھاش چندر بوس'' اپنی زندگی کی آخری سانس تک آزادی کی پاکیزہ جنگ جاری رکھوں گا، میں ہمیشہ بھارت کا ایک خدمت گذار بنا رہوں گا اور اپنے اڑتیس کروڑ ہندوستانی بھائیوں کی بھلائی اور خیر خواہی کو اپنا فرض اوّل مانتا رہوں گا۔

''آزادی حاصل کرنے کے بعد بھی بھارت کی آزادی کی حفاظت میں اپنے خون کی آخری بوند تک نذر کرنے کو تیار رہوں گا''۔

یہ قسم عارضی سرکار کے تمام ممبروں نے بھی کھائی تھی، اس موقع پر ایک فوجی نوجوان کپتان رام سنگھ نے وہ قومی ترانہ سنایا تھا جس کی دُھن اس نے خود بنائی تھی، یہی گیت ''آزاد ہند فوج'' کا قومی گیت یا ترانہ مانا گیا، یہ ترانہ میجر عابد حسن شفرانی کے افکار عالیہ سے ہے، کیپٹن رام سنگھ کی دھنوں میں کچھ ایسا اثر تھا کہ سننے والوں کے بازو پھڑکنے لگے تھے، اس ترانہ کے چند مصرعے اس طرح ہیں:

شبھ سکھ چین کی برکھا برسے　　بھارت بھاگ ہے جاگا
سورج بن کر جگ پر چمکے　　بھارت نام سُہاگا!

(کرنل محبوب احمد: ص ۷۹۔۷۸)

جیل میں حضرت شیخ الاسلام کی توہین کا افسوس ناک واقعہ:

نینی سنٹرل جیل (الہ آباد) میں حضرت شیخ الاسلام کے ساتھ ایک افسر کی گستاخی کا واقعہ پیش آیا تھا اس پر مسلمانوں میں شورش اور بے چینی کی جو شدید لہر پیدا ہوئی تھی، وہ صرف سیاسی جلسوں اور جلوسوں تک ہی محدود نہیں رہی تھی بلکہ اخبارات ورسائل نے اپنے اداریوں میں بھی اس واقعے پر اپنے رنج اور غصے کا اظہار کیا تھا۔ یہ شورش اور بے چینی اگرچہ اس افسر کی معذرت اور حضرت شیخ الاسلام کے کامل عفو و حسن اخلاق کے

مظاہرے نے بہت جلد دور کردی، لیکن حضرت کی پیغمبرانہ خصائص کی حامل سیرت کا نقش تاریخ میں ہمیشہ کے لیے ثبت ہوگیا، اس واقعے پر بحث کرتے ہوئے ''برہان کے نظرات'' میں مولانا سعید احمد اکبرآبادی تحریر فرماتے ہیں:

''پچھلے دنوں نینی جیل کے ایک ذمہ دار افسر نے ازراہِ ناعاقبت اندیشی حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے ساتھ جو گستاخی کی تھی اس کا ذکر اخبارات میں آچکا ہے، اچھا ہوا کہ حکومت یوپی کے اعلان کے مطابق افسر مذکور اپنی خطا پر فوراً متنبہ ہوگیا اور اس نے حضرت مولانا سے بہ منت معافی مانگ کر اس قضیۂ نامرضیہ کا خاتمہ کردیا، لیکن اس سلسلے میں جیل کے خودسر حکام کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ جو لوگ حق کوشی کے جرم میں قید و بند کے شدائد برداشت کررہے ہیں ان کا معاملہ اخلاقی قیدیوں سے بالکل مختلف ہے، یہ لوگ جیل جاکر اپنی عزت اور وقار گھٹاتے نہیں بلکہ بڑھاتے ہیں، اور اخلاق اور کیرکٹر کے لحاظ سے ان کا پایہ اتنا بلند ہوتا ہے کہ اگر اخلاقیات کے عادی مجرموں کو ان حضرات کی چند روز صحبت بھی میسر آجائے تو برسوں کی شدید ترین قید زندان بھی ان پر وہ اثر نہیں کرسکتی جو یہ مختصر صحبت و معیت کرسکتی ہے، پھر حضرت مولانا کا معاملہ تو یوں بھی اوروں سے مختلف نوعیت کا ہے۔ مولانا ہندوستان کے صرف ایک سیاسی رہنما ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کے نہایت محبوب دینی پیشوا بھی ہیں، اسلامی ہند کی سب سے بڑی دینی درسگاہ کے رئیس اعظم ہیں، ہندوستان کے علاوہ عرب اور مصر و شام کے مسلمان انھیں جانتے ہیں اور ان کے نام کی عزت کرتے ہیں، اس بنا پر مولانا کی عزت پوری مسلمان قوم کی عزت ہے، اور ان کی توہین یکسر ملتِ بیضا کی توہین و تذلیل ہے جسے وہ سیاسی آراء کے اختلاف کے باوجود کبھی برداشت نہیں کرسکتے، حکام کا فرض ہے کہ وہ اس حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں اور کبھی کوئی ایسی حرکت نہ کریں جو مسلمانوں کے لیے بحیثیت قوم انتہائی دکھ اور رنج کا سبب ہو۔ (برہان، دہلی۔ دسمبر ۱۹۴۳ء: ص ۲،۳)

حضرت شیخ الاسلام کی زبانی جیل کی کہانی:

حضرت مرادآباد جیل سے ۲۳ر جنوری ۱۹۴۳ء کو روانہ ہوکر ۲۴ر جنوری کو نینی جیل (الہ آباد) پہنچے تھے، یہ خط ۱۹۴۳ء کا یادگار اور جیل کے حالات پر مشتمل ہے، حضرت فرماتے ہیں:

قاعدہ ہے کہ مہینے میں کلکٹر معائنہ جیل کے لیے آتا ہے۔ ستمبر میں جب آیا تو نمبر۲ میں جس میں سی کلاس کے سیاسی قیدی ہیں اور نمبر ۹ اور ۱۰ میں جس میں ۱۲۹ اور ۲۶ کے غیر مسلم سیاسی قیدی ہیں، دیواروں پر انگریزی میں لکھتا ہوا تھا کہ ہندوستان چھوڑ دو، اس پر وہ خفا ہوا اور کہہ گیا کہ لکھنے والوں پر مقدمہ چلاؤ، تحقیقات ہوئی، چند شخصوں نے اقرار کیا، ان پر مقدمہ چلا گیا اور ان کو دفعہ ۲۶ کے علاوہ ایک ایک سال قید کردی گئی اور وہ سی کلاس نمبر ۲ میں بھیج دیے گئے، اکتوبر میں جب آیا تو وہی عبارت لکھی بھی گئی اور جب وہ نمبر ۲ میں آیا تو یہی آواز بلند بھی کی گئی، آواز بلند کرنے والے چھ آدمی تھے، اس نے چپ کرایا، وہ نعرے لگاتے ہی رہے، پھر جیلر اور سپرنٹنڈنٹ نے بھی چپ کرانا چاہا، مگر انھوں نے نعرے لگانے بند نہیں کیے، وہ خفا وہ کر واپس لوٹ گیا ہمارا حلقہ نمبر ۲ کے بعد اندر کو ہے، غصے کی وجہ سے ہمارے حلقہ میں آیا، اس کے بعد وہ نمبر ۹ میں گیا، وہ لوگ جھنڈے کا گیت گا رہے تھے، اس نے کہا شور مت مچاؤ وہ چپکے ہوئے تو پوچھا کون لوگ تلقین کر رہے تھے، دو آدمی آگے بڑھے کہ ہم جھنڈے کا گیت گا رہے تھے، اس نے حکم دیا کہ ان کو تنہائی کی کوٹھری میں بھیج دو اور مقدمہ چلاؤ، اس کے بعد اس نے کہا کہ کون کون آگے آتے ہیں، شور مچانے میں بیس آدمی آگے آگئے، ان سب کے نام درج کرالیے اور حکم دیا کہ............ ان کو پندرہ پندرہ بید لگائے جائیں اور ان بیسوں پر مقدمہ چلایا جائے، چناں چہ اسی وقت دفتر میں بیٹھ کر پولیس کو بلوایا کہ باہر موجود رہے اور مجسٹریٹ آئے اور مقدمہ دائر کیا جائے، چناں چہ سٹی مجسٹریٹ عبدالقیوم خان لائے گئے اور مقدمہ دائر کیا گیا، بحثیں ہوئیں، باہر سے کوئی وکیل کسی کا نہیں لایا گیا، مجسٹریٹ نے فیصلہ چند آدمیوں پر نمبر ۲ کے لیے پندرہ پندرہ بید کا اور نمبر ۹ کے دونوں لیڈروں پر بھی پندرہ پندرہ بید اور ایک ایک سال قید کا اور باقی ۲۰ پر صرف ایک ایک سال قید کا کیا، مگر ابھی تک ان میں سے کسی کو بید لگائی نہیں گئی، ان لوگوں نے تبدیلی مقدمہ کی درخواست کی کہ اس کلکٹر کے غیر زیر اثر مجسٹریٹ کے یہاں ہمارا کیس ہو مگر کلکٹر نے اجازت نہیں دی: اب ان صاحبان کا مقصد اپیل ہے۔

اس سے پہلے چند سیاسیوں کو بید پندرہ پندرہ یا اٹھارہ لگائی گئی ہیں، وہ وہ لوگ ہیں، جن پر پولیس نے ایسی دفعات ہی عاید کی تھیں، جس میں موجودہ آرڈیننس میں سزائے بید مقرر ہے، تار کاٹنے، لائن توڑنے یا ان کی ترغیب دینے کا جرم، اس لیے ان کو بید لگائی گئی

اور چھوڑ دیے گئے۔

مولوی غلام حسین اور شیخ انعام اللہ کا تو فیصلہ ہو چکا، اس کی نقل لیجیے اور کام کیجیے، مولانا بشیر احمد صاحب کے متعلق مولانا عبدالحلیم صاحب نے فرمایا کہ وہ گیا سے آگئے ہیں، اسی وجہ سے وہ گیا نہیں گئے، بنارس سے واپس ہو گئے۔ مولوی حبیب اللہ صاحب کا خط بھیج چکا ہوں، مولانا اسماعیل صاحب کی رائے ہے کہ اپیل کے متعلق منشی حامد صاحب ان شاء اللہ اچھا کام کرلیں گے، دیگر امور کے متعلق مولانا ابوالقاسم کل لکھ ہی چکے ہیں، اور اب ان کی دوسری تحریر زیادہ روشنی ڈالے گی،

حکیم صاحب کے مالی بار کا پورا خیال رکھیے، آپ فرماتے ہیں کہ روزہ بخشوانے گئے تھے، نماز سر پر پڑ گئی، تو جناب حکم شرعی تو دونوں ہی کا ہے، دن کو روزہ رکھو اور رات کو نماز پڑھو، فرض اللہ علیکم صیامہ و سنت لکم قیامہ، الحدیث دونوں کو ہی ادا کرنا پڑے گا۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

پانچ صوبوں میں مسلم لیگ کی حکومت:

اے، کے فضل حق۔ (کلکتہ) کا ارشاد ہے:

مسٹر جناح کی پیدائش چوں کہ ۲۵ر دسمبر کو ہوئی تھی، اس لیے وہ خداوند عالم کی طرف سے برٹش گورنمنٹ کے حق میں بڑے دن کا تحفہ ہیں (۱)۔

چناں چہ اس تحفہ نے اول کانگریس منسٹریوں کے مستعفی ہونے پر ''یوم نجات'' منایا یہ ''یوم نجات'' انگریزوں کو منانا چاہیے تھا، مگر افسوس ''بڑے دن کے تحفہ'' نے انگریز کی خوشنودی کے لیے مسلمانوں کو آلۂ کار بنایا۔ لیکن جب تک کانگریس اور برٹش سمجھوتے کے امکانات تھے، مسلم لیگ کو موقع نہ دیا گیا کہ صوبوں میں اپنی وزارتیں قایم کرے، لیکن جب اگست ۱۹۴۲ء کی تحریک کی بنا پر برٹش سامراج نے کانگریس کو ''باغی جماعت'' قرار دے دیا

---

(۱)۔ روح روشن مستقبل صفحہ ۲۱۹ مسٹر جناح ۲۵ر دسمبر ۱۸۷۶ء کو اتوار کے روز پیدا ہوئے، (حیات محمد علی: ص ۲۸)

تو بقول مظہر علی صاحب اظہر، ''سابق جنرل سکریٹری مجلسِ احرار اسلام'' انگریزوں نے قاید اعظم کو پانچ صوبوں میں وزارتیں بنا کر دے دیں (۲)۔

اس وقت مسٹر جناح کا دماغ عرش معلیٰ پر پہنچ گیا، غالباً وہ یہ خیال کر بیٹھے کہ ''پاکستان کی شاہنشاہیت'' ان کو حاصل ہوگئی ہے یا اپنی وفاداری کے اعتماد پر آپ کو انگریز سے یہ خوش فہمی پیدا ہوگئی کہ وہ اپنی مرضی کے خلاف آپ کے دلیرانہ لب ولہجہ کو بھی برداشت کرسکتا ہے، چناں چہ آپ نے اجلاسِ مسلم لیگ (منعقدہ اپریل ۱۹۴۳ء بمقام دہلی) کی تقریر صدارت میں پاکستان کی تجویز پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

''اگر گاندھی جی کی روش میں کوئی تبدیلی پیدا ہوگئی ہے، اگر ان کے پہلے خیالات بدل گئے ہیں تو وہ مجھے چند حروف لکھ بھیجیں اور بتائیں کہ اب وہ بدل گئے ہیں، اگر وہ ایسا کریں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلم لیگ پیچھے نہیں رہے گی، ہمارے پچھلے اختلافات خواہ کچھ بھی ہوں ہم انھیں نظر انداز کردیں گے، کوئی شخص بھی مجھ سے زیادہ اس پیشکش کا خیر مقدم نہیں کرے گا، میں آپ سے کہوں گا کہ وہ دن ہندوؤں کے لیے اور مسلمانوں کے لیے بھی بڑا مبارک ہوگا، جب مسٹر گاندھی، مسلم لیگ سے پاکستان کی بنیاد پر مصالحت کرنے کے لیے تیار ہوجائیں گے۔

اگر مسٹر گاندھی اپنی پہلی روش کو بدل چکے ہیں اور انھوں نے مصالحت کا فیصلہ کرلیا

---

(۲)۔ چناں چہ خان بہادر اللہ بخش صاحب وزیر اعظم صوبہ سندھ سے سندھ کے گورنر نے جبراً استعفاء لے لیا، اور اے کے فضل حق صاحب جو شیر بنگال تھے، مگر اب کچھ عرصہ سے وہ مسٹر جناح کی بارگاہ میں گستاخ ہوگئے تھے، زبردستی استعفاء لے لیا اور خاص لیگی کاسہ لیسان حکومت کو وزارت عظمیٰ کا قلم دان سپرد کردیا، صوبہ آسام میں یاردولائی کی وزارت کے استعفیٰ کے بعد اقلیت کے لیڈر سر سعد اللہ صاحب کو وزارت کی سعادت سپرد ہوئی۔ اسی طرح سرحد میں کانگریسی ممبران اسمبلی کی گرفتاریوں کے بعد ایک وفادار ازلی سردار اورنگ زیب خاں کے سر پر یہ بار امانت لاد دیا گیا، پنجاب کی منسٹری کے متعلق لیگی صاحبان کا اعتقاد یہی تھا کہ وہ سر سکندر حیات خاں صاحب کی زیر قیادت لیگی وزارت ہے، مگر سر چھوٹو رام وغیرہ جو اس وزارت کے دست راست اور شریک تھے، وہ چیلنج دیتی تھی کہ لیگی وزارت نہیں یونینسٹ پارٹی کی وزارت ہے۔

(روح روشن مستقبل: ص ۲۰۸)

ہے، تو پھر گاندھی جی مجھے براہِ راست کیوں اپنے اس ارادے سے آگاہ نہیں کرتے، وہ وائسرائے کو خط پر خط لکھ رہے ہیں، لیکن وہ مجھے خط کیوں نہیں لکھتے، کونسی ایسی طاقت ہے جو ایسا کرنے سے روک رہی ہے، وائسرائے کے پاس جانے سے کیا فائدہ، وائسرائے کے پاس وفد لے جانے اور فضول خط و کتابت سے کیا حاصل۔

آج گاندھی جی کو ایسا کرنے سے کون روک رہا ہے، خواہ اس ملک کی حکومت کتنی ہی طاقت ور کیوں نہ ہو، خواہ آپ اس حکومت کے خلاف جو چاہیں کہیں لیکن اس کے باوجود میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ حکومت میں اتنی جرأت ہو سکتی ہے کہ اگر گاندھی جی میرے نام خط لکھیں تو اسے روک سکے، لیکن اگر حکومت نے ایسا کیا تو بڑی نازک صورت حالات پیدا ہو جائے گی، مگر میں سمجھتا ہوں کہ نہ تو گاندھی جی کی روش میں کوئی فرق آیا ہے اور نہ کانگریس کے ہندو لیڈروں کا دل بدلا ہے اور جب یہ نہیں تو بتایئے ہم کیا کریں"۔

(اخبار ڈان، از قلم نامہ نگار خصوصی، مورخہ ۲ر مئی ۱۹۴۳ء، بحوالہ مدینہ: ۵ر جون ۱۹۴۳ء)

قاید اعظم نے چند ماہ پہلے ملاحظہ فرما لیا تھا کہ اکتوبر ۱۹۴۲ء میں ''راج گوپال اچاریہ'' نے مفاہمت کے متعلق مسٹر جناح سے چند بنیادی مسائل پر تبادلۂ خیالات کرنے کے بعد جب یہ چاہا تھا کہ گاندھی جی کو صورت حال سے آگاہ کر دیں تو وائسرائے نے سختی سے انکار کر دیا تھا۔

اسی اجلاس کے زمانہ میں (۲۵ر اپریل ۱۹۴۳ء) کو روز ولیٹ (صدر امریکہ) کے خصوصی نمایندہ مسٹر فلپس نے (جو ہندوستان کے حالات کا مشاہدہ کرنے کے لیے امریکہ سے آئے ہوئے تھے، اخبارات کے نمایندوں کو بتایا تھا کہ انھوں نے مسٹر گاندھی سے ملاقات کرنے کی کوشش کی، مگر حکومت نے اجازت نہیں دی۔

ان حالات سے واقفیت کے باوجود مسٹر جناح کے اس بیان سے خیال پیدا ہوا کہ مسٹر جناح کی خودداری حرکت میں آگئی ہے، اور وہ اس معاملے میں ہمت ہے کوئی کام کرنا چاہتے ہیں، چناں چہ قوم پرور طبقہ نے مسٹر جناح کے ان الفاظ کی قدر کی۔

گاندھی جی کا خط اور حکومت کی ستم ظریفی:

مسٹر جناح کی اس فرمایش کی تعمیل میں، گاندھی جی نے جیل سے خط لکھ دیا، مگر حکومت نے اس خط کو روک لیا اور ستم ظریفی یہ کی کہ اعلان بھی کر دیا کہ مسٹر گاندھی جی کو خط حکومت نے روک لیا ہے کیوں کہ حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ ایسے شخص سے سیاسی خط و کتابت یا کسی رابطہ اور تعلق قایم کرنے کی کوئی سہولت مہیا نہ کی جائے جو خلاف قانون اجتماعی تحریک چلانے پر نظر بند کیا گیا ہو۔

حکومت کے اس اعلان سے نہ صرف پورے ملک میں ایک سنسنی پھیل گئی بلکہ ہندوستان سے امریکہ اور انگلینڈ تک شور مچ گیا کہ اب واقعی بڑی نازک صورت حالات پیدا ہو جائے گی، لندن کے اخبار مانچسٹر گارڈین نے لکھا:

> ''حکومت نے خط روک کر بڑی زبردست غلطی کی، اب گاندھی جی کہہ سکتے ہیں کہ میں نے سمجھوتے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا مگر حکومت نے اُسے نہ بڑھانے دیا، اسی طرح اب مسٹر جناح کہہ سکتے ہیں کہ میں نے کانگریس سے مصالحت چاہی تھی، مگر حکومت نے نہ ہونے دی، آخر یوں سب کو ناراض کرتے رہنے سے کیا فایدہ''!

اسی طرح ہندوستان کے لیگی اخبارات نے حکومت کی اس روش پر سخت احتجاج کیا اور کہا:

دیکھو اب قاید اعظم کا قہر: غضب تمہیں اس جسارت کا کیسا مزا چکھاتا ہے، مسلم لیگ کے بڑے بڑے لیڈر بھی قابو سے باہر ہو گئے، مسٹر ظہیر الدین لاری ممبر آل انڈیا مسلم لیگ نے فرمایا:

> ''حکومت نے مسلم لیگ کو کھلا چیلنج دیا ہے اور ہندو مسلم سمجھوتے کے دروازے کو بڑی دیدہ دلیری سے بند کر دینے کا مظاہرہ کیا ہے''۔

اسی طرح سندھ صوبہ لیگ کے سکریٹری مسٹر یوسف ہارون، پنجاب مسلم لیگ کے نائب صدر شیخ صادق حسن ایم، ایل، اے وغیرہ وغیرہ رہنمایان لیگ کے نہایت سخت بیانات شائع ہوئے۔

لیکن اس اضطراب اور غیض و غضب کی فضا میں جب کہ دنیا مسٹر جناح کے غیرت مندانہ اور بہادرانہ قدم کی منتظر تھی، مسٹر جناح نے جو بیان صادر فرمایا اور جس طرح اپنے قول کی رکیک ترین تاویل کی اس نے یہ واضح کر دیا کہ نازک ترین صورت حال، گورنمنٹ کی مراد نہیں تھی، بلکہ قلب نازک کی نازک ترین حالت مراد تھی جو حکومت کے اس اعلان کے بعد پیدا ہوگئی آپ نے فرمایا:

> حکومت نے اس خط کو روک کر کچھ برا نہیں کیا، دراصل گاندھی کی یہ ایک گہری چال تھی جس سے وہ ہمیں حکومت سے الجھانا چاہتا ہے، میں نے دہلی کے اجلاس میں جو کچھ کہا تھا اس کا وہ مطلب نہیں تھا جو سمجھا گیا ہے، اس کا مطلب یہ تھا کہ میں مسٹر گاندھی کی طرف سے ایسی تحریر چاہتا ہوں جس میں وہ صاف صاف یہ کہیں کہ میں اس پالیسی سے ہاتھ اٹھاتا ہوں جو ۸/اگست کو بمبئی ریزولیوشن میں طے کی ہے اور جس کی رو سے حکومت کے خلاف ''فتنۂ بغاوت'' برپا ہے نیز میرا مطلب یہ تھا کہ مسٹر گاندھی پاکستان کا مطالبہ منظور کرنے کی نسبت مجھے لکھیں، بس میں اب بھی کہتا ہوں کہ اگر کوئی ایسی تحریر وہ مجھے لکھیں تو حکومت اسے ہرگز نہ روک سکے گی۔

یہ ہے مسٹر جناح کی وہ سیاست جس پر لیگی جماعت کو ناز ہے، کج بحثی کی بھی انتہا ہوگئی، خود ہی خط کی فرمائش کی اور جب مسٹر گاندھی نے فرمائش کی تعمیل کی تو اس کو گاندھی کی ''چال'' بتا دیا، الزام تراشی کی بھی حد ہوگئی اور پھر برطانوی سامراج کا نفس ناطقہ بن کر مطالبہ ہو رہا ہے کہ ''۸/اگست کے ریزولیوشن کی واپسی کے متعلق مجھے لکھیں اگر گاندھی جی کو یہ ریزولیوشن واپس لینا ہوتا تو مسٹر جناح کے دروازہ پر دستک دینے کی کیا ضرورت تھی، خود لارڈ لنلتھگو اس کے لیے تیار بیٹھے تھے، بلکہ لارڈ لنلتھگو یہاں تک تیار تھے کہ مسٹر گاندھی آٹھ اگست اور اس کے بعد کے ہنگاموں کی مذمت کر دیں مگر جیسا کہ اس خط و کتابت سے جو اگست و ستمبر ۱۹۴۲ء میں وائسرائے ہند اور مسٹر گاندھی کے درمیان ہوئی، ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹر گاندھی اس کے لیے بھی تیار نہ ہوئے اور یہ عذر کیا کہ جب تک ہر دو فریق سے تحقیقات نہ کر لی جائے صرف حکومت کے یک طرفہ بیان پر مذمت نہیں کی جا سکتی، پھر سیاست تو یہ

ہے دو سال بعد مجبور ہو کر حکومت نے جب مسٹر گاندھی کو رہا کر دیا تو مسٹر گاندھی نے چند روز بعد یہی اعلان کیا کہ آٹھ اگست کا ریزولیوشن بحالہ قایم ہے نہ اس کا کوئی حرف تبدیلی کی قابل ہے، نہ تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

جواہر لال نہرو اور مولانا آزاد وغیرہ نے اعلان کیا کہ:

۱۹۴۲ء کی تحریک پر ہمیں فخر ہے، ہندوستانیوں نے ہمارا سر بلند کر دیا کانگریس پہلے سے بہت زیادہ مضبوط ہوگئی۔

بہر حال قاید اعظم کی اس پستی اور کمزوری پر ہر ایک نے نفرت کا اظہار کیا حتی کہ مسلم لیگی اخبار زمیندار نے بھی سخت مقالہ لکھا، جس کے عنوان میں یہ شعر تھا:

رہنما گم کردہ رہ ہیں ورنہ رہرو پھاند جائیں
آج بھی جبرالٹر جیسی ہزاروں کھائیاں

لیگی وزارتوں کی برکتیں:

ہر شخص جانتا ہے کہ سندھ میں خان بہادر اللہ بخش کا قتل لیگی وزارت کی مخصوص برکت ہے۔ اس کے بعد لیگی وزارت کی موجودگی میں ہزاروں حروں کا قتل عام ان کے مرشد ''پیر پگاڑو کی پھانسی'' پیر پگاڑو اور اُن کے پیروؤں کے ہزاروں خاندانوں کی بربادی اس وزارت کی دوسری برکت ہے، اس کے بعد آیندہ الیکشن میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ہندو مسلم منافرت کو بڑھانے کی خاطر ''ستیارتھ پرکاش'' کے چودھویں باب کی ضبطی اس وزارت کا تیسرا کارنامہ ہے۔

بد قسمتی یہ کہ ڈیفنس آف انڈیا رولس کے ماتحت اس باب کو ضبط کیا گیا ہے جس کا مقصد اور منشا واضح ہے کہ جب تک سامراج کو ہندو مسلم منافرت کی زیادہ ضرورت تھی تا کہ حروں کے قتل عام کے ملال اور اندوہ سے اُن کی توجہ ہٹ جائے، اور زمانۂ جنگ میں انگریز کا مقابلہ کرنے کا خیال بھی اُن کے ذہنوں میں نہ آئے، اس وقت تک یہ ضبطی باقی رہے، اور پھر ڈیفنس آف انڈیا کے خاتمہ کے ساتھ کتاب کی ضبطی بھی ختم ہو جائے، صرف شجر منافرت کے برگ و بار گلشن وطن میں باقی رہے جائیں۔

سکندر حیات خاں کی وزارت حکومت برطانیہ کی محبوب ترین وزارت اس لیے تھی کہ

پنجاب کی سرزمین برطانوی فوجوں کے لیے سب سے زیادہ ''نوجوان خیز'' واقع ہوئی ہے، چناں چہ سر سکندر حیات نے حق وفا مکمل طور پر ادا کیا، لاکھوں نوجوان برطانیہ کی نظر کر دیے، پنجاب کے دیہات نوجوانوں سے خالی ہو گئے، آغاز جنگ میں عنایت اللہ صاحب مشرقی بانی تحریک خاکسار نے پچاس ہزار ٹرمنڈ خاکساروں کی پیش کش کا اعلان کیا تھا۔ سکندر حیات خاں سرزمین پنجاب میں ''رقیب سیاہ رو'' کو کب برداشت کر سکتے تھے، احرار کی طرح خاکساروں کے بھی درپے ہو گئے، گرفتاریوں، نظر بندیوں اور جلا وطنی کی انتہا ایک خونی ہنگامہ پر ہوئی، جس میں بے شمار خاکسار، گولیوں کا نشانہ بنا دیے گئے۔

آسام میں سر سعد اللہ کی لیگی وزارت کا نمایاں کارنامہ وہ پیکٹ ہے، جو سر سعد اللہ نے جنوری ۱۹۴۵ء میں سٹر بار دولائی اور مسٹر رونی کمار کے ساتھ کیا جس کا حاصل یہ تھا کہ میمن سنگھ وغیرہ کے تقریباً ڈھائی لاکھ مسلمان جو یکم جنوری ۱۹۳۸ء کے بعد سے صوبہ آسام میں آ کر آباد ہو گئے ہیں، اُن کو آسام سے نکال دیا جائے گا۔

سر ناظم الدین وزارت بنگال کا غیر فانی کارنامہ وہ خاموش قتل عام ہے جو فاقہ کی شکل میں بنگال میں رونما ہوا۔ جس نے عالم انسانیت کو لرزہ براندام کر دیا، مگر سر ناظم الدین کے خیر اندیشوں کو نفع اندوزی سے فرصت نہ تھی، اور ان کی پشت پناہی کے لیے مرکزی اسمبلی کی لیگ پارٹی کو سرکاری ممبروں کی حمایت اور مسٹر جناح کی قیادت حاصل تھی، چناں چہ جب اسمبلی میں تحقیقاتی کمیٹی کے لیے ایک تجویز پیش کی گئی تو لیگ پارٹی نے رائل کمیشن کی ترمیم پیش کر کے اُن دونوں کو تقسیم کر دیا جو تجویز کی موافقت میں آ سکتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ نومبر ۱۹۴۳ء کے اجلاس اسمبلی میں چار روز کی گرما گرم بحث کے بعد تجویز ناکام ہو گئی اور تحقیقات کا مطالبہ غیر معین مدت کے لیے ملتوی ہو گیا۔ (۳)

---

(۳)۔ یہ تو لیگی وزارت کا کارنامہ تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کی کارگذاری پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے کلکتہ کے مشہور مسلم لیگی اخبار ''عصر جدید'' نے اپنی اشاعت مورخہ ۳۱ اگست ۱۹۴۳ء میں تحریر کیا:

مسلم لیگ نے سیاست کے سوا روز مرہ پیش آنے والے مسائل کے سوچنے والوں اور ان کے لیے سرگرمی دکھانے والوں کو بہت کم پیدا کیا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ آج بنگال میں ریلیف کے کاموں میں مسلمان ››

دنیاوی معاملات اور غیر مسلم کی رہنمائی:

مجتبیٰ حسین جہاں آباد ضلع رائے بریلی (اودھ) کے نام ایک خط میں ایک اہم بحث دنیاوی معاملات میں غیر مسلموں کی رہنمائی کے بارے میں مکتوب الیہ کے سوال کے جواب میں آگئی ہے، حضرت فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کی عبادت خالصہ مثل جماعات خمسہ ظہر و عصر وغیرہ میں غیر مسلم قائد نہیں ہوسکتا، مگر جس طرح جسمانی معالجات، بنا عماراتِ دینیہ، مثل مساجد و مدارس وغیرہ و

◄◄ مجموعی طور سے دوسروں کے مقابلہ میں بہت پیچھے ہیں۔ بڑی وجہ تو وہی ہے جو ہم چند دن پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مسلمان مال دار طبقہ سیاسیات میں نام نمود کے لیے داخل ہوتا ہے اور پبلک کے کاموں میں اسی وقت حصہ لیتا ہے جب وہ اس میں اپنا کوئی ذاتی فایدہ دیکھتا ہے، پھر ہر کام میں اپنی ذات کو مرکز بنانے پر اصرار کرتا ہے، ایسی صورت میں جماعتی کام کا جماعت کے نام سے ہونا ممکن نہیں ہے، آج سے نہیں ڈیڑھ مہینہ سے کلکتہ ضلع مسلم لیگ کی طرف سے کلکتہ و اطراف کلکتہ میں لیگ کی وساطت سے ریلیف کے کاموں کے جاری رکھے جانے کی اپیلیں کی جارہی ہیں، لیکن کیا تعجب کا مقام نہیں کہ کلکتہ کے مالدار تاجروں کی انجمن نے کلکتہ ضلع مسلم لیگ یا بنگال صوبہ مسلم لیگ سے کوئی تعاون نہیں کیا۔ (بحوالہ مدینہ: دسمبر ۱۹۴۳ء)

روز نامہ آزاد جو بنگالی زبان کا مشہور لیگی اخبار ہے اس نے تحریر کیا تھا:

جس وقت سے لیگ کے قاید نے وزارت قبول کی ہے صوبہ لیگ نے کوئی ایسا کارنامہ نہیں کیا ہے جو اس وزارت کے وجود کو جائز بھی قرار دے سکے، اس لیے صوبہ لیگ کی شاخوں اور اس کے حامیوں کو ایسی رائے عامہ پیدا کرنی چاہیے، جو صوبہ لیگ کو اس مجرمانہ بے پرواہی کے ترک کرنے پر مجبور کردے۔ (مدینہ: ۱۷ر ستمبر ۱۹۴۳ء)

معاصر پانیر نے اپنے نامہ نگار دہلی کی وساطت سے یہ خبر شائع کی ◄◄

عمارات دنیویہ مثل مکانات، چاہہا وغیرہ وزراعات واسفار دینیہ ودنیویہ وحروب سیاسیہ وغیر سیاسیہ وایجاد واصطناع آلاتِ حروب وجہاد وغیرہ میں غیر مسلم کی رہنمائی بالاتفاق جاری و جائز ہے، اسی طرح آزادی وطن کی جنگ میں بھی جائز ہونی چاہیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اریقط دیلی جو کہ مشرک تھا، ہجرت مدینہ کے وقت اسی کو اپنا قائد اور رہنما بنایا تھا، وہ تمام راستوں سے واقف تھا، اور وعدے کا سچا اور پکا تھا، اسی کے ساتھ آپ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ غارِ ثور مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچے ہیں، لَایَتَّخِذُوا الْکَافِرِیْنَ اَوْلِیَا کا ترجمہ قرآن میں دیکھ لیجیے، آیا یہاں وہ صادق آتا ہے یا نہیں، علاوہ ازیں موجودہ تحریک میں غیر مسلم کو طریقِ جنگ میں قائد بنایا گیا ہے، نفس جنگ میں نہیں، جنگ تو حسب نصوص شرعیہ واجب وفرض تھی ہی، جیسے مسجد بنانے میں، بیماری دور کرنے میں غیر مسلم کو قاید بنایا جاتا ہے، آیت میں دلی دوست بنانے کی ممانعت ہے یہ لفظ بمعنی محبوب یا ناصر ہے، ان سے دلی دوستی کو آیت میں منع کیا گیا ہے، یا ان سے مناصرت طلب کرنا منع کیا گیا، وہ اور چیز ہے اور اشتراکِ عمل اور چیز ہے۔ سوچ لیجیے۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔ ۱۹؍ ذی الحجہ

«یہاں کے ذمہ دار سرکاری حلقوں میں یہ کہا جاتا ہے کہ اگر چہ مرکزی حکومت ایک ہزار ٹن غلہ روزانہ کلکتہ بھیج رہی ہے، مگر آج تک اس کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ غلہ کہا چلا جاتا ہے، کیوں کہ فاقہ کشی کی مصیبت میں تخفیف ہونے کے بجائے روزانہ اضافہ ہورہا ہے۔ حکومت ہند نے اس ایک ہزار ٹن غلہ کے متعلق بار بار حکومت بنگال سے استصواب کیا، مگر وہ کوئی قابل اطمینان جواب نہ دے سکی، اگر چند روز کے اندر بنگال کی حالت نہ سنبھلی تو وزارت کو توڑ کر صوبہ کا نظم ونسق گورنر کے حوالے کر دیا جائے گا، کیوں کہ بغیر اس کے علاج کی صورت نہیں''۔

کہا جاتا ہے کہ جو غلہ حکومت ہند کلکتہ بھیج رہی ہے، اس سے بنگال اسمبلی کے کچھ ممبروں کے لیے ارزاں نرخ پر دوکانیں کھول دی گئی ہیں، اور تمام غلہ بلیک مارکیٹ میں چلا جاتا ہے۔ (مدینہ: ۱۷؍ ستمبر ۱۹۴۳ء، ج ۳۲)

اس مکتوب میں تاریخ تحریر ۱۹ر ذی الحجہ کے ساتھ سنہ درج نہیں ہے، اگر چہ یہ ایک اصولی مسئلہ ہے جس پر حضرت نے روشنی ڈالی ہے، اس کا سال تحریر معلوم نہ ہونے سے مسئلے پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لیکن اس قسم کی بحثیں عام طور پر ۱۹۴۳ء کے بعد پیدا ہوئی تھیں۔

جناح صاحب کا اندازہ:

۲۹ر فروری ۱۹۴۴ء: ۲۹ر فروری ۱۹۴۴ء مسٹر محمد علی جناح نے ۲۹ر فروری کو نیوز کرانیکل لندن کی دعوت پر جو بیان پاکستان کے مسئلے پر دیا تھا، مدینہ بجنور نے اس کا ذیل کا اقتباس نقل کیا ہے، جناح صاحب نے فرمایا:

> اگر برطانوی حکومت ملک کے دو ٹکڑے کر دے تو تھوڑے عرصے کے بعد جو ۳ ماہ سے زیادہ نہ ہوگا ہندو لیڈر خاموش ہو جائیں گے اور جب تک دونوں ٹکڑے آپس میں امن سے نہ رہیں تب تک برطانوی حکومت کا فوجی اور خارجی کنٹرول ضروری ہے، اس صورت میں مصر کی طرح کم از کم ہم اندرونی طور پر تو آزاد ہوں گے، آج بھی اصولاً پانچ صوبوں میں پاکستانی حکومتیں مسلم لیگ کے ماتحت کام کر رہی ہیں''
>
> (مدینہ بجنور، ۵ر مارچ ۱۹۴۴ء)

ملک کے ٹکڑے ہوئے نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، ابھی تک تو وہ خاموش ہوئے نہیں!

پاکستان کے لیے قربانی کی اپیل:

۲۵ر مارچ ۱۹۴۴ء: مدینہ بجنور جلد ۷ اصفحہ ۳۳ پر مسٹر جناح نے اپنے پرانے بیان کو دہراتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے لیے ہندوستان کے تین کروڑ مسلمانوں کو قربان ہو جانا چاہیے، جب کہ لاکھوں مسلمانوں اپنا خون بہانے کے لیے تیار ہیں، پاکستان صرف ایک نعرہ نہیں ہے، پاکستان ہی میں مسلمانوں کی نجات ہے، ان کی مدافعت ہے، ان کی قسمت ہے، ایک بار دنیا اس اعلان سے گونج اٹھے گی کہ ایک اسلامی ریاست قائم ہوگئی ہے جو اسلام کی گذشتہ شان و شوکت کو پھر زندہ کرے گی۔ (حسرت موہانی، ایک سیاسی ڈائری)

جناح صاحب کے بیان پر ڈاکٹر سید عبداللطیف کا تبصرہ:

۶ر مارچ ۱۹۴۴ء: مسٹر محمد علی جناح کا جو بیان نیوز کرانیکل لندن کے حوالے سے اخبارات میں شائع ہوا ہے، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عبداللطیف حیدر آبادی نے ایک بیان میں کہا ہے:

اب مسلمانوں کو دیکھنا چاہیے کہ ان کے قاید اعظم ان کو کدھر لے جا رہے ہیں، میں ابتدا ہی سے جانتا تھا کہ مسٹر جناح پاکستان کے لیے سنجیدہ نہیں ہیں۔ اب انھوں نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ قطعی آزاد پاکستان کی خواہشمند نہیں ہیں، وہ والی ملک کے بغیر ایک ایسی ریاست کے خواہشمند ہیں اور چاہتے ہیں کہ زیر سایۂ برطانیہ ایک طویل مدت میں یہ علاقے مصر کی حقیقت تک پہنچ جائیں، جو قانونی طور پر تو آزاد ہے مگر اپنے ہر کام میں برطانیہ کے چشم و ابرو کا منتظر ہے، انھوں نے کراچی میں تقسیم کرو اور ہندوستان سے چلے جاؤ کا نعرہ لگایا تھا، مگر وہ اب کہہ رہے ہیں، کہ اس سے ان کا مقصد ''تقسیم کرو اور رہو'' تھا، وہ چاہتے ہیں کہ برطانوی طاقت ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہ رہے اور دفاع و خارجی مسائل کی مالک بنی رہے۔ یہ ہے مسٹر جناح کا آئینی ترقی کے متعلق نظریہ! کیا کوئی انگریز اس کے لیے ان کا شکریہ ادا کرے گا؟ میرے خیال میں برطانوی رجعت پسند بھی اس پالیسی پر افسوس ظاہر کریں گے، برطانیہ نے کرپس اسکیم کی رو سے وعدہ کیا ہے کہ جنگ کے بعد ہندوستان کو متحدہ طور پر یا علاقوں کی تقسیم کے بعد مکمل آزادی حاصل ہو جائے گی، بجائے اس کے کہ مسٹر جناح اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسری جماعتوں سے اتحاد کرتے وہ موجودہ غلامی ہی پر قانع ہیں! کیا مسلم لیگ کے عام ممبران اس روش کی تائید کریں گے''؟

(اجمل بمبئی مورخہ ۶ر مارچ ۱۹۴۴ء/ ج ۷ از زیر عنوان مسلمانوں دیکھو کہ تمہارے قاید اعظم تم کو کدھر لے جا رہے ہیں؟)

جناح کے بیان پر اجمل بمبئی کا تبصرہ:

۷ر مارچ ۱۹۴۴ء: اخبار اجمل بمبئی نے اپنے ایک ایڈیٹوریل میں مسٹر محمد علی جناح کے بیان پر مزید تبصرہ کیا ہے، اخبار لکھتا ہے:

مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ! ''مسلم لیگ کے قاید اعظم مسٹر جینا نے لندنی اخبار نیوز کرانیکل کے نمایندے کو جو رجعت پسندانہ بیان دیا ہے، ہم اس سے قبل تبصرہ کر چکے ہیں، اس بیان نے پاکستان کے بارے میں مسٹر جینا اور انھی کے ساتھ پوری مسلم لیگ کی (کیوں کہ اس کے کرتا دھرتا مسٹر جینا ہی ہیں) پوزیشن کو حد درجہ مضحکہ خیز بنا دیا ہے اور درحقیقت انھیں بے نقاب کر دیا ہے، اس وقت ہمارے سامنے اس بیان پر ڈاکٹر سید عبد اللطیف صاحب کی تنقید ہے جو انھوں نے اسی بیان سے متاثر ہو کر کی ہے، ڈاکٹر سید عبد اللطیف اُن لوگوں میں نہیں ہیں جنھیں پاکستان کا مخالف کہا جا سکے، بلکہ وہ تو اس بات کے مدعی بھی ہیں، کہ پاکستان کا خیال انھی نے پہلے پیش کیا اور کلچرل یا تہذیبی منطقوں میں ہندوستان کے متعلق ایک اسکیم کے وہ مرتب بھی ہیں، جسے انھوں نے اپنی ایک تصنیف میں پیش بھی کیا ہے، جب ایک ایسا شخص بھی مسٹر جینا کے طرز عمل پر اتنی سخت تنقید کرتا ہے جتنی کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے کی ہے تو اسے محض سیاسی مخالفت کی بنا قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، ڈاکٹر سید عبد اللطیف صاحب نے جو باتیں کہی ہیں وہ حقیقت پر مبنی ہیں، انھوں نے جو اعتراضات مسٹر جینا پر کیے ہیں وہ مسٹر جینا کے بیان کی روشنی میں حرف بحرف صحیح ہیں، ڈاکٹر لطیف صاحب کہتے ہیں کہ مسٹر جینا نے کراچی میں نہایت بلند آہنگی سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ انگریز ہندوستان کو تقسیم کر کے یہاں سے چلے جائیں مگر اس سے ان کا مقصد وہ نہیں تھا جو ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ ان کا مقصد اس کے خلاف یہ تھا کہ انگریز ہندوستان کو ہندو مسلمانوں میں تقسیم کریں اور پھر بھی یہاں رہیں اور رہیں بھی تو اس طرح پر کہ مسٹر جینا اور ان کی لیگ کے مجوزہ پاکستان اور ہندوؤں کے قبضے کے ہندوستان دونوں پر انگریز ہی مسلط رہیں، کیوں کہ فوج اور امور خارجہ پر انھیں کا قبضہ رہے نیز ان دونوں ریاستوں کے جنھیں ممکن ہے کہ مسٹر جناح اور ان کے ساتھی اپنا جی خوش کرنے کے لیے آزاد ریاستیں کہیں، چودھری بنے رہیں اور جب تک ان دونوں ریاستوں کے آپسی

تعلقات اس طرح پر طے نہ پا جائیں جس سے انگریز بھی مطمئن ہوں انگریزوں کی
ہندوستان میں مداخلت کا سلسلہ جاری رہے۔ یہ باتیں ڈاکٹر عبداللطف نے اپنی طرف
سے مسٹر جینا کی طرف منسوب نہیں کی ہیں، نہ ہم اس میں اضافہ اپنی طرف سے کررہے
ہیں، بلکہ یہ باتیں پوری وضاحت کے ساتھ مسٹر جینا کے بیان میں صاف الفاظ میں موجود
ہیں اس بیان نے واضح کردیا کہ مسٹر جینا کے ذہن میں ہندوستان کی آزادی کا یا تو سرے
سے تصور ہی نہیں ہے یا اگر ہے تو وہ ایسی آزادی ہے، جس سے کوئی خوددار ہندوستانی خواہ وہ
متحدہ ہندوستان کا حامی ہو خواہ تقسیم ہند یعنی پاکستان کا یہی نہیں کہ مطمئن نہیں ہوسکتا بلکہ
بلاشک وشبہہ مضطرب اور پریشان ہوگا، مسٹر جینا نے اپنے اس بیان میں وہ بات کہی ہے جو
رجعت پسند انگریز بھی کم ازکم اپنے منہ سے نہیں کہتا خواہ اس کی نیت میں کتنا ہی فتور کیوں نہ
ہو۔ ایسی حالت میں ڈاکٹر عبداللطیف صاحب یہ کہنے میں قطعاً حق بجانب ہیں کہ مسٹر جینا
کی اس روش کو دیکھتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا کہ وہ پاکستان کے بارے میں کبھی سنجیدہ تھے ہی
نہیں، وہ جو چیز چاہتے تھے یا ان کا دماغ جو چیز سوچتا تھا وہ کوئی آزاد اسلامی ریاست یا اُسی
کے ساتھ جیسا کہ وہ اکثر کہا کرتے تھے، غیر پاکستانی علاقوں کی آزاد ہندوستانی ریاست نہ
تھی، بلکہ وہ انگریز کی غلامی میں ایسی ریاستوں کا خواب دیکھ رہے ہیں جن کی حیثیت تقریباً
وہی ہو جو ہندوستانی ریاستوں کی ہے اور ایک مدت مدید کے بعد بھی (جس کا فیصلہ یاد رہے
کہ انگریز ہی کرے گا) اُن کی حیثیت مصر کی ہوجائے جسے باوجود اپنی آزادی کے ہر کام میں
برطانیہ کے اشارۂ چشم وابرو کا منتظر رہنا پڑتا ہے، بہرحال ایک لحاظ سے بہت اچھا ہوا کہ مسٹر
جینا نے سالہا سال کے بعد پہلی بار صفائی کے ساتھ بتادیا کہ پاکستان کے متعلق ان کا اپنا
تخیل کیا ہے، اب مسلمانوں کو عام طور پر اور خاص کر اُن مسلم لیگی حضرات کو جو مسٹر جینا کی
ہر بات پر آمنا وصدقنا کا نعرہ بلند کرنے کے عادی بن گئے ہیں، سوچنا چاہیے کہ مسٹر جینا
انھیں کدھر لے جارہے ہیں، وہ چیز ہے جو ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کا منتہائے نظر
ہونی چاہیے اور کیا مسلم لیگ کی وہ نشاۃ ثانیہ جس کے راگ الاپتے مسلم لیگی حضرات کی
زبانیں نہیں تھکتیں، اسی مقصد عظیم کے لیے ہے؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو ہمیں
اس پوری تنظیم اور اس کے مقصد دونوں پر فاتحہ پڑھ دینا چاہیے، اور اسی کے ساتھ یہ بھی کہہ
دینا چاہیے کہ اگر ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان اب بھی اسی چکر میں رہیں جس میں مسٹر

جینا اوران کے ساتھی انھیں رکھنا چاہتے ہیں تو اُن کا بس اللہ ہی حافظ ہے کیوں کہ اس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہوسکتا کہ مسلمان خود بھی برطانیہ کا غلام بنا رہے اور اپنے ساتھ اپنے دوسرے کروڑوں ہم وطنوں کو بھی غلامی پر مجبور کرے، ہمیں امید ہے کہ مسلم لیگیوں کا سنجیدہ طبقہ اس مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور کرے گا! اور سوچے گا کہ آخر وہ ان چیزوں کو کب تک برداشت کریں گے، خیر مسلم لیگی خواہ کچھ سوچیں اور کچھ کریں ہمیں تو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ مسلمانانِ ہند کی زندگی میں وہ نفسیاتی گھڑی اب قریب آتی جاتی ہے، جب حالات انھیں اس بات پر مجبور کریں گے کہ وہ اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کریں اور اس میں بتدیلی کریں"۔
(اجمل، بمبئی/ ۷ر مارچ ۱۹۴۴)

مسٹر جناح کے مطالبہ پاکستان پر انصاری دہلی کا تبصرہ:

۹ر مارچ ۱۹۴۴ء: روزنامہ انصاری رقم طراز ہے کہ مسٹر جناح کو نہ تو ہندوستان کی آزادی کی پروا ہے اور نہ مسلمانوں کی آزادی کی، مسلمانوں کو مطالبۂ پاکستان کے سیاسی ڈھونگ کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ یہ مسلمانوں کی آزادی کا مطالبہ ہے یا دوسری قوموں سے برسرِ پیکار رکھنے کی ترغیب ہے"۔ (حسرت موہانی۔ ایک سیاسی ڈائری: ص ۴۴۹)

مطالبۂ پاکستان پر مدینہ بجنور کا تبصرہ:

۱۳ر مارچ ۱۹۴۴ء: ڈاکٹر عبداللطیف حیدرآبادی کا جو بیان مسٹر محمد علی جناح کے بیان پر تنقید میں شائع ہوا تھا، اس پر مدینہ، بجنور نے ان الفاظ پر تبصرہ کیا ہے:

> "مسٹر جناح کے پاکستان کی آزادی کا تصور بقول ڈاکٹر عبداللطیف اس سے آگے نہیں بڑھتا کہ رفتہ رفتہ وہ مصر کی موجودہ حیثیت کو پہنچ جائے اور مصر کی موجودہ آزادی کی حیثیت کیا ہے، مسٹر ولکی جیسے ہوش مند اور باخبر سیاست داں کی زبان سے سنیے، آپ نے اپنی مشہور تازہ تصنیف "ایک دنیا" میں لکھا ہے کہ مصر تمام عملی اغراض کے لیے برطانی سفیر سر مائکس لیمپس کا محتاج ہے اس کی رضامندی کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا، مسٹر جناح چاہتے ہیں کہ ہندوستان اور پاکستان بھی اس بالا دستی کی نعمت سے بہرہ

مند ہوں''۔ (مدینہ، بجنور/جلد ۳۳ نمبر ۱۹/۱۳/مارچ ۱۹۴۴ء)

سرحد میں لیگی حکومت کا نام:

۲۷/مارچ ۱۹۴۴ء: کننگھم اپنی ڈائری میں لکھتا ہے: ''میں نے آج صبح اورنگ زیب سے کہا کہ وہ جیل میں قید بعض ارکان اسمبلی کو رہا کرنا شروع کر دے کیوں کہ اس سلسلے میں پورا صوبہ بدنام ہو رہا ہے، اس نے کہا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرے گا، لیکن میں نے اسے بتایا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں میری مراد بھی وہی ہے، اس میں شبہ نہیں کہ آج کل مسلم لیگ کی حکومت کا نام محض ''بدمعاشی'' ہے۔ کیوں کہ یہ جس طرح ووٹ خریدتے ہیں وہ اسکینڈل بن جاتا ہے، سیاسی تبدیلیوں کے معاملے میں ان کی وزیروں کے ساتھ بے تکلفی درحقیقت اپنے سیاسی مخالفین کے نقصانات سے بچنے کا طریقہ تھا اور یہ اس کے اعتماد اور وقار کی ایک اور علامت تھی، ۲۷/مئی کو یہی واقعہ دوبارہ ہوا'' وزیر اعلیٰ چھانگلا سے ایبٹ آباد جاتے ہوئے اس شام مجھ سے ملنے آئے انھوں نے مجھ سے دس دن قبل جو وعدہ کیا تھا اس کے مطابق انھوں نے کانگریس کے چار ارکان اسمبلی کو رہا کر دیا تھا، مجھے معلوم ہوا کہ انھیں پیرول پر رہا کیا گیا ہے تاکہ ان سے سمجھوتہ کیا جا سکے اگر سمجھوتا نہ ہو سکے تو انھیں واپس جیل بھیج دیا جائے، میں نے ان پر واضح کر دیا کہ مجھے چوہے بلی کے کھیل کی یہ پالیسی پسند نہیں! انھوں نے مجھے اس سمجھوتے کا مسودہ دکھایا، جس پر وہ ان سے دستخط کرانا چاہتا تھا، یہ ایک مضحکہ خیز سمجھوتا تھا جس سے انھیں بعض کو آپریٹو اسٹورز کو چلانے کی مبہم پیش کش کی جا رہی تھی، میں نے اس پر واضح کر دیا کہ مجھے یکم جون تک لازمی طور پر بتایا جائے کہ وہ کیا کارروائی کرنا چاہتا ہے؟ میں نے اس سے ایسے الفاظ میں گفتگو کی جو عام طور پر وزیر اعلیٰ سے نہیں کی جاتی۔

کانگریس کے ارکان اسمبلی کے مسئلے پر میری تنقید سے اورنگ زیب کچھ پریشان دکھائی دیتا تھا۔ اس نے صاف طور پر کہا کہ اس کا خیال تھا کہ وہ ان ارکان سے ضمانت نامے حاصل کر کے جنگ کے لیے مفید کام کر رہا ہے، لیکن اس سے کہا کہ جیسے ہی مجھے یہ گمان گزرے گا کہ اس کی اب کوئی ضرورت نہیں رہی ہے تو وہ استعفیٰ دے دے گا، میں نے کہا کہ میں استعفیٰ نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ اپنی حکومت کو کامیاب بنائے۔

اس قسم کے دباؤ کے اثرات ظاہر ہونے شروع ہوئے اور جولائی میں کانگریس کے بعض ایم، ایل، اے (ارکان اسمبلی) رہا کر دیئے گے، اس کے بعد سے یہ سلسلہ جاری رہا۔

درحقیقت معاملات اتنی عمدگی سے چلتے رہے کہ انھیں نظم و نسق کے ایک سنجیدہ مسئلے پر غور کرنے کا موقع مل گیا۔

۳۱ر مارچ: ''بخاری ڈائریکٹر جنرل آل انڈیا ریڈیو مجھ سے ملنے آیا، وہ مشکل میں گرفتار تھا کیوں کہ میونسپلٹی نے طوائفوں کو شہر سے نکال دیا تھا، اس لیے اسے پشتو گانے والیاں نہیں مل رہی تھی''۔ (ہند میں انگریز ریاست: ص ۹۷، ۹۸)

جناح خضر حیات کش مکش:

۳۰ر مارچ ۱۹۴۴ء: ۱۹۳۷ء میں سکندر جناح پیکٹ ہوگیا تھا کہ سکندر حیات کل معاملات میں جناح کی قیادت کو قبول کرتے ہیں اور جناح صاحب پنجاب کے اندرونی صوبائی معاملات سکندر حیات پر چھوڑتے ہیں ان میں وہ مداخلت نہ کریں گے، لیکن جناح صاحب معاہدے کے پابند نہ رہ سکے، سکندر حیات، نے علامہ اقبال کے سامنے اپنا دکھڑا رویا، علامہ مرحوم نے جناح صاحب سے سکندر جناح پیکٹ کی نقل مانگی، لیکن انھوں نے نقل فراہم نہیں کی، ۱۹۴۳ء کے آغاز تک دونوں پارٹیوں میں کشیدگی حد سے بڑھ گئی، بالآخر ۳۰ر مارچ کو جناح صاحب لاہور پہنچ گئے تاکہ معاملات کو درست کرلیں، چودھری خلیق الزماں لکھتے ہیں:

پہلا اقدام انھوں نے اس سلسلے مین یہ کیا کہ ملک خضر حیات خان نے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے ہندو اور سکھ وزرا کو فہمائش کریں کہ وہ ایک مسلم لیگ گورنمنٹ میں شرکت پر رضامندی ظاہر کردیں اور اس طرح وہ اپنی وزارتوں پر فائز رہیں۔ پنجاب پریمیر نے ہندو اور سکھ وزرا سے بات کی اور خود مسٹر جناح نے ان سے کئی ملاقاتیں کیں، مگر کوئی کار آمد نتیجہ برآمد نہیں ہوا، ملک خضر حیات خان کے ہندو اور سکھ وزرا نے یہ مطالبات پیش کیے:

۱۔ پنجاب کی وزارت کا مسئلہ آل انڈیا مفاہمت کا جز ہے۔

۲۔ اختتام جنگ تک مسلم لیگ پاکستان کے مطالبہ کو ترک کردے تاکہ اس درمیان

میں اور قوموں کو اس اسکیم کی صحت اس کی پوری سیاسی اور دستوری معنے پوری طور پر ظاہر ہو جائیں۔

اور جب تک کہ پنجاب کے جغرافیائی حدود پاکستان کی اسکیم کے متعلق معلوم نہ ہو جائیں آپ کو وہ اصول نہ معلوم ہو جائیں جو ان حدود کے قایم کرنے میں پیش نظر ہیں۔

۳۔ مسلم لیگ ایک واضح ضمانت دے کر جب تک مکمل فتح نہ ہو جائے وہ جنگ میں ہر قسم کی امداد بلاشرط دیتی رہے گی۔

مسٹر جناح نے کہا کہ ایک صوبہ کی اقلیت کو آل انڈیا سیاسی مسائل کے متعلق مطالبات پیش کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ ملک خضر حیات خان نے مسٹر جناح کو مطلع کر دیا کہ ہندو اور سکھ وزرا مسلم لیگ گورنمنٹ میں شرکت کے لیے تیار نہیں ہیں، اس کے بعد مسٹر جناح نے ۲۷/اپریل ۱۹۴۴ء کو ملک خضر حیات خان سے دریافت کیا کہ وہ باقاعدہ ان کو مطلع کریں کہ وہ خود مسلم لیگ گورنمنٹ بنانے کے لیے تیار ہیں یا نہیں؟ جب مسٹر جناح کو اس کا کوئی جواب نہ ملا تو انھوں نے نواب ممدوٹ اور میاں ممتاز دولتانہ کو ملک خضر حیات خان کے نام ایک خط لکھ کر دیا کہ وہ اس کو ملک خضر حیات خان کو باخذ رسید پہنچا دیں، ملک خضر حیات خان کو یہ طریقہ کار ناگوار ہوا۔ اس درمیان میں کچھ گفتگو مسٹر جناح نے ملک خضر حیات خان سے ٹیلیفون پر کی جس کے متعلق مسٹر سیتہ رمیا نے اپنی کانگریس کی تاریخ میں لکھا ہے کہ مسٹر جناح نے خضر حیات خان سے بہت ترش اور تلخ گفتگو کی مگر خود خضر حیات خان کے بیان سے کانگریس ہسٹری کی تائید نہیں ہوتی۔

۲۷/اپریل ۱۹۴۴ء کو مسٹر جناح نے اخبار ٹریبون میں اپنا ایک بیان شائع کرایا جس میں ملک خضر حیات خان پر سخت نکتہ چینی کی کہ انھوں نے ان کے خط کا جواب نہیں دیا، جو تجاویز مسٹر جناح نے خضر حیات خان اور ان کے ہندو اور سکھ وزرا کے لیے پیش کی تھیں۔

۱۔ پنجاب اسمبلی کے تمام مسلم لیگ پارٹی کے ممبران اعلان کریں کہ وہ صرف مسلم لیگ پارٹی کے وفادار ہیں نہ کہ یونینسٹ پارٹی یا کسی اور پارٹی کے۔

۲۔ پارٹی کا موجودہ نام یعنی کوئیلیشن پارٹی خارج کر دیا جائے۔

۳۔ یونینسٹ پارٹی کا نام مسلم لیگ کوئیلیشن پارٹی رکھا جائے، ملک خضر حیات نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ (شاہرہ پاکستان: ص ۹۴۶۔۹۴۵)

آزاد ہند فوج اور قومی بینک کا قیام:

۵/اپریل ۱۹۴۴ء: نیتا جی سبھاش چندر بوس کے ذریعے آزادی کی لکھی جا رہی کہانی کا ایک اور تاریخی دن آج کی تاریخ کو نیتا جی نے برما کی راجدھانی رنگون میں ''آزاد ہند'' کے ''اول قومی بینک'' کا قیام کر کے دنیا کو دکھلا دیا کہ اگر حوصلہ بلند ہو تو ہر قدم پر میل کے پتھر گاڑے جا سکتے ہیں، قومی بینک کے قیام کے بعد فوج کا ہیڈ کوارٹر سرحد کے درمیان لایا گیا، تاکہ لڑائی اور تیز کی جا سکے اور ہر نازک موقع پر مقابلہ کیا جا سکے''۔
(کرنل محبوب احمد: ص ۲۷)

بنگال کا قحط، کتنے مرے؟

۲۷/اپریل ۱۹۴۴ء: روز نامہ حقیقت لکھنو رقم طراز ہے کہ حالیہ قحط میں بنگال میں مرنے والوں کی تعداد وزیر ہند نے اٹھارہ لاکھ بہتر ہزار سات سو انچاس بتلائی ہے، اگرچہ حکومت ہند کی بے ضابطگی اور عدم توجہی سے تقریباً نوے لاکھ کی تعداد دوسرے اخباروں نے دی ہے۔ (مولانا آزاد۔ ایک سیاسی ڈاری)

جمعیت علما کا امدادی وفد:

۲۸/اپریل ۱۹۴۴ء: جمعیت علمائے ہند کا ایک امدادی وفد چاٹگام گیا تھا۔ اس نے وہاں چھ ہفتے قیام کے دوران میں عوام کی خدمات انجام دیں اور واپس آکر رپورٹ پیش کی۔ (مدینہ، بجنور: ۲۸/اپریل ۱۹۴۴ء)

جناح، خضر حیات، تنقید اور جواب تنقید:

۲۹/اپریل ۱۹۴۴ء کو مسٹر جناح نے سیال کوٹ کانفرنس میں ملک خضر حیات خاں کے متعلق کہا کہ انھوں نے پارٹی ڈسپلن کی سخت خلاف ورزی کی ہے، انھوں نے جو طریقہ عمل اختیار کیا وہ کسی ملک کی سیاسی پارٹی کے شایان شان نہیں اور اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔
(شاہراہ پاکستان)

۳۰ر اپریل ۱۹۴۴ء: خضر حیات خان نے مسٹر جناح کی اس تنقید کے جواب میں دوسرے دن ایک بیان نکالا اور مختصراً اس میں حسب ذیل معاملات پر روشنی ڈالی گئی۔

۱۔ سکندر جناح پیکٹ اس لیے وجود میں آیا تھا کہ مسٹر جناح کو ہندوستان کی سیاست میں ذمہ داری کے ساتھ بولنے کا حق ہو جائے۔

۲۔ اس پیکٹ کے حوالے ۱۹۳۷ء سے اس وقت تک برابر دیے گئے مگر مسٹر جناح نے کبھی اس کی تردید نہ کی۔

۳۔ جناح سکندر پیکٹ میں شرط تھی کہ یونینسٹ پارٹی مع اپنے نام کے قایم رہے گی: حال آں کہ اب مسٹر جناح اس کا نام مسلم لیگ کولیشن رکھنا چاہتے ہیں، جو سکندر جناح پیکٹ کے بالکل منافی ہے میں اور میرے دوسرے وزراء سکندر جناح پیکٹ کے حامی ہیں۔

۴۔ میرے ہندو اور سکھ ساتھیوں نے اس پر آمادگی ظاہر کر دی تھی کہ ''وہ مسلم لیگ کو پنجاب کی واحد مسلم لیگ پارٹی مان لیں گے اور تا اختتام جنگ وہ اس پارٹی کے ساتھ صوبہ کی حکومت میں شریک رہیں گے''۔ اگر یہ مان لیا گیا ہوتا تو مسلمانوں میں اتحاد باقی رہتا اور اس کی یہ خوبی ہوتی کہ پنجاب کی سیاسی زندگی میں مناقشات نہ ہوتے یونینسٹ پارٹی نے اپنے قیام کے دوران مزارعین سے متعلق قوانین بنا کر پنجاب کے مسلمانوں کو اقتصادی طور پر عظیم فائدہ پہنچایا تھا۔

۵۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے لاہور رزولیشن کی میں پوری تائید کرتا ہوں مسلمانوں کو قطعاً حقوق خود اختیاری ملنے چاہیے''۔

مسٹر جناح نے یہ معاملہ کمیٹی آف ایکشن کے سپرد کر دیا جس نے اس کو ۷رمئی ۱۹۴۴ء دلی میں طلب کیا، اور ان کو یہ بھی اجازت دی کہ وہ کمیٹی کو جواب تحریری صورت بھی دے سکتے ہیں۔ ملک خضر حیات خان نے بذریعۂ تحریر ان سے پوچھا کہ پہلے کمیٹی یہ بتائے کہ وہ جناح سکندر پیکٹ کو تسلیم کرتی ہے یا نہیں اور اس کی پابند ہے یا نہیں؟

۱۴رمئی ۱۹۴۴ء کو کمیٹی آف ایکشن نے ان کو ۲۲رمئی ۱۹۴۴ء تک مہلت دی کہ وہ اپنے رویے کی وضاحت کریں، اس خط میں کمیٹی آف ایکشن نے اپنی حیرت کا اظہار کیا کہ وہ غیر ضروری تنقیحات اٹھاتے ہیں، جن سے کمیٹی کو کوئی واسطہ نہیں۔ بالآخر ایک خط کے ذریعے کمیٹی آف ایکشن نے ملک صاحب کو حسب ذیل خط لکھا کہ یہ پیش نظر رہے کہ وہ

جس کو سکندر جناح پیکٹ کہا جاتا ہے اسے سر سکندر حیات خان نے اکتوبر ۱۹۳۷ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسہ میں ایک بیان دیا، جس میں انھوں نے پنجاب میں کچھ اقدامات کرنے کے لیے وعدہ کیا تھا، سارے بیان کو بڑھا چڑھا کر ایک پیکٹ کہہ دیا گیا ہے اور اسے ایک بڑا لقب دے دیا گیا ہے جو کہ محض ایک طرفہ بیان تھا۔

بالآخر کمیٹی آف ایکشن نے ان کو مسلم لیگ سے خارج کر دیا۔

(شاہراہ پاکستان/ص ۹۴۸-۹۴۲)

۳۰/اپریل ۱۹۴۴ء: ۳۰/اپریل ۱۹۴۴ء کو سیال کوٹ میں صوبائی پنجاب مسلم لیگ کانفرنس میں مسٹر جناح نے کہا کہ ۲۷/اپریل کو ملک خضر حیات خان، سر چھوٹو رام اور سردار بلدیو سنگھ کے سامنے رکھے گئے، تین نکات کے سلسلے میں خضر حیات خان نے غلط بیانی اور دھوکا دہی کی کوشش کی ہے، ان کا فرض تھا کہ وہ یہاں آ کے بتاتے کہ جناح غلطی پر ہے، ان کے رویے سے پتا چلتا ہے کہ انھیں مسلم لیگ سے کوئی تعلق نہیں اور جغرافیائی وحدت کو خود برطانیہ نے کس حکومت میں توڑا ہے، جناب وزیر سرحد عبدالرب نشتر صدر منتخب کانفرنس نے بھی بڑی جوشیلی تقریر کی۔ (مولانا آزاد۔ایک سیاسی ڈائری: ص ۳۵۰)

جاپانی فوجیں، آسام برما کا محاذ جنگ:

۸/مئی ۱۹۴۴ء کو محاذ آسام کے تمام علاقوں میں جاپانی فوجیں اب دفاعی حالت میں پہنچ گئی ہیں، برما، آسام، کوہیما، اور منی پور کے محاذ پر جاپان نے سخت بمباری شروع کر دی، تاہم امفال کے علاقے میں اتحادی پیش قدمی جاری ہے، اور جاپانیوں سے دو گاؤں چھین لیے ہیں، اور ایک جاپانی بیڑے کو گھیر کر آٹھ جاپانی جہازوں کو نشانہ بنایا ہے۔

مسٹر جناح کا اتحاد سے گریز:

۲۷/مئی ۱۹۴۴ء: جمعیت علمائے ہند کے اجلاس میں شرکت سے معذرت۔ سمجھوتے سے مسٹر جناح کا گریز، مولانا احمد سعید دہلوی کے خط کا جواب۔

(زمزم۔ لاہور: ۲۷/مئی ۱۹۴۴ء/ص ٦)

جناح، خضر حیات اختلافات!

۳؍جون ۱۹۴۴ء: لاہور ۲۷؍مئی آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عمل کا اجلاس آج یہاں ملک خضرت حیات خان وزیر اعظم پنجاب کے معاملے پر آخری فیصلہ کرنے کے لیے منعقد ہوا، نواب محمد اسماعیل خان نے صدارت کے فرائض انجام دیئے، مجلس عمل نے کافی غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا، کہ چوں کہ ملک خضرت حیات خان وزیر اعظم پنجاب نے مسلم لیگ کے ڈسپلن کو توڑا ہے، اس لیے انھیں مسلم لیگ سے نکال دیا جائے۔ معلوم ہوا ہے کہ یہ فیصلہ قطعی ہے، اور اس پر آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کی تصدیق کرانے کی بھی ضرورت نہیں۔

وزیر اعظم پنجاب مجلس عمل میں موجود نہیں تھے، اور نہ ان کا کوئی نمایندہ ہی حاضر تھا، مجلس عمل نے دس صفحوں پر مشتمل ایک طویل بیان تیار کیا ہے، جس کا ملخص یہ ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عمل نے ملک خضر حیات خان کو لامحدود عرصے کے لیے لیگ کے دایرۂ رکنیت سے خارج کر دیا ہے، جب تک ورکنگ کمیٹی اس پابندی کو دور نہ کردے، آپ مسلم لیگ میں شامل نہیں ہو سکتے۔ اور قرار دیا ہے کہ قاید اعظم سے بات چیت کا سلسلہ ٹوٹ جانے کے بعد ملک صاحب نے جو طویل بیان دیا ہے، وہ آل انڈیا مسلم لیگ کی پالیسی کے منافی تھا، اور اس کے بعض حصے لیگ کے بنیادی اصول، آئین اور قواعد کے خلاف تھے، انھوں نے نام نہاد سکندر جناح پیکٹ کی آڑ لینے کی کوشش کی ہے، حال آں کہ لوگ کی ساری تاریخ اور اس کی تمام قراردادوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں، مجلس عمل نے اعلان کیا ہے کہ نام نہاد سکندر جناح پیکٹ کو سر سکندر حیات خان مرحوم کے ایک بیان سے زیادہ حیثیت حاصل نہیں جس میں انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ میں پنجاب جا کر اپنے رفقا کو مسلم لیگ میں شامل کرلوں گا، جب یونینسٹ پارٹی کی اکثریت مسلم لیگ کے دایرۂ رکنیت میں شامل ہوگئی، تو یونینسٹ پارٹی ختم ہوگئی۔

یونینسٹ پارٹی کے قواعد و ضوابط اور دستور اساسی کا مطالعہ کرنے کے بعد مجلس عمل اس نتیجہ پر پہنچی ہے، کہ کوئی دیانتدار انسان بیک وقت مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی دونوں کا ممبر نہیں رہ سکتا، کیوں کہ دونوں کے بنیادی اصول ایک دوسرے کے خلاف ہیں، ملک صاحب کا یہ کہہ کر کہ میں سکندر جناح پیکٹ کی وجہ سے لیگ میں شامل ہوا تھا، اور اس وجہ

سے مجھ پر کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی، جو رویہ اختیار کیا ہے وہ مسلم لیگ کے بنیادی اصول کے صریح مخالف ہے، میاں فضل حسین مرحوم نے یونینسٹ لیبل ہندوؤں کی طاقت کم کرنے کے لیے تجویز کیا تھا، لیکن اب اس کی کوئی ضرورت نہیں، کیوں کہ اب پنجاب اسمبلی میں اکثریت مسلم لیگی ممبروں کی ہے۔ (زمزم، لاہور: ۳ر جون ۱۹۴۴ء)

خضر حیات خاں کا جوابی بیان:

۶ر جون ۱۹۴۴ء خضر حیات خان کے معاملے کو جناح صاحب نے کمیٹی آف ایکشن کے حوالے کر دیا تھا، کمیٹی نے غور و فکر کے بعد خضر حیات خاں کو مسلم لیگ سے خارج کر دینے کا فیصلہ کیا، اس سے متاثر ہو کر ۶ر جون کو خضر حیات خان نے مندرجہ ذیل بیان جاری کیا ہے:

سر سکندر اس پیکٹ کو مسٹر جناح اور اپنے درمیان ایک معاہدہ سمجھتے تھے جو دونوں لیڈروں کے لیے قابل پابندی تھا، یہ واقعہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے جو ۲۸ر اکتوبر ۱۹۳۷ء کو سیکریٹری پنجاب پروونشل مسلم لیگ نے شائع کر دیا تھا، جس میں یہ تحریر تھا کہ سر سکندر کے بیان کے بعد پیکٹ کا مسودہ بنانے کے لیے سر سکندر اور ملک برکت علی کو اختیار دیا گیا تھا، اور جب وہ مسودہ تیار ہو گیا تو اس کو آل انڈیا مسلم لیگ نے منظور کیا، ملک خضر حیات خان نے علامہ اقبال کے ایک خط کا حوالہ دیا جس میں انھوں نے مسٹر جناح کو لکھا تھا کہ پریس میں دونوں فریق سکندر جناح پیکٹ کے متعلق اپنی اپنی تاویلیں کرتے ہیں، جہاں تک میرا خیال ہے سکندر جناح پیکٹ میں یہ تحریر نہیں ہے۔ ۱۰ر نومبر ۱۹۳۷ء کو علامہ نے مسٹر جناح کو اور خط میں لکھا۔

> ان سے (سر سکندر) آپ کے پیکٹ میں یہ مذکور ہے کہ پارلیمنٹری بورڈ کی تشکیل دوبارہ ہوگی اور یونینسٹ کی اس بورڈ میں اکثریت ہوگی، سر سکندر مجھ کہتے ہیں کہ آپ نے ان کو بعد میں اکثریت دینے کی رضا مندی ظاہر کی تھی۔

ان واقعات کی بناء پر پنجاب کے پریس نے کہا کہ مسٹر جناح کے لیے یہ مناسب نہ تھا کہ اس پیکٹ کو وہ محض یک طرفہ بیان قرار دیتے، اس بیان میں ملک خضر حیات خان نے

کہا کہ وہ مسلم لیگ کے پاکستان ریزولیوشن کے دل وجان سے موئید ہیں۔

(شاہراہِ پاکستان: ص۹۴۹۔۹۴۸)

حضرت شیخ الاسلام کا ایک تاریخی خط

حافظ سید سادات حسن کے نام:

۲۴ر جون ۱۹۴۴ء

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج شریف آپ کا والا نامہ محررہ ۲۵ر جمادی الاول، ۲۷ جمادی الثانی کو ملا نہ معلوم اس قدر تاخیر کیوں اور کہاں ہوئی، آپ کے اسی والا نامہ سے معلوم ہوا کہ صوبہ دار صاحب نے یکم مئی سے قبل کوئی والا نامہ بھیجا تھا اور اس میں حامد میاں سلمہٗ کے متعلق اپنی اور اپنی والدہ صاحبہ دام مجدہا اور آپ حضرات کی پسندیدگی کا میری تجویز کے متعلق اظہار فرمایا تھا مجھے افسوس ہے کہ وہ والا نامہ آج تک نہیں پہنچا۔ میں انتظار میں ہوں اور میں سخت تعجب میں تھا کہ کیا باعث ہوا کہ صوبہ دار صاحب نے لا یا نعم میں سے کوئی طریقہ نہیں ذکر فرمایا، بہر حال آپ کے اس والا نامہ سے خوشی ہوئی، اب میں مولانا عبدالحق کو بھی لکھتا ہوں، میرے نزدیک مناسب یہ ہوگا کہ آپ حضرات اس کی تحریک شروع کردیں اور اگر ضرورت سمجھیں تو میرا تجویز کرنا بھی ذکر کردیں، میں زوردار طریقہ پر لکھ رہا ہوں، مگر میرے نزدیک چار سال کی تاخیر بالکل غلط ہے نوجوان اولاد کی شادی میں تاخیر اس زمانہ میں سم قاتل ہے، صوبہ دار صاحب کو حامد میاں سلمہٗ کی تعلیم کی بنا پر شاید یہ خیال ہو، مگر یہ غلط ہے اور رخصتی کے بعد بھی تعلیمی سلسلہ جاری رہ سکتا ہے، بحمد اللہ طرفین علمی خاندان کے ہیں، میں تو یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ اس مبارک کام کو حضرت والدہ ماجدہ اپنے ہی سامنے اور اپنے ہی ہاتھوں انجام کو پہنچادیں اور میں جب کہ حاضری سے فیضیاب ہوں تو مبارک بادی کا گلدستہ پیش کرکے مٹھائی کا خواستگار ہوں۔

حقیقت اخبار لکھنو اور پھر قاری صاحب دیو بند اور مولانا عبدالحق صاحب کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ مولانا محمد میاں صاحب ۸ر جون کو بلاشرط رہا ہوگئے، اور مولوی محمود

فیض آبادی ۱۰ر جون کو رہا ہوئے اور دونوں نے اجلاس جمعیت مراد آباد میں شرکت کی۔ اس سے بیحد خوشی ہوئی الحمد اللہ، والدہ صاحبہ ام ظلہا کی خدمت میں خصوصی طور پر مبارک باد پیش کر دیجیے۔ اخباروں وغیرہ سے جلسۂ مراد آباد کی کامیابی بھی اعلیٰ پیمانہ پر معلوم ہوئی، مخالف قوتوں کی ناکامی بھی معلوم ہوئی۔ فللہ الحمد و المنة

مدینہ اخبار میں حافظ ابراہیم صاحب کا خطبہ بھی آ گیا ہے، ماشاء اللہ خوب لکھا ہے، جزاهم الله خير الجزا۔ مسلم مجالس کی کارروائی بھی معلوم ہوئی، مدنی صاحب کے والا نامہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مالی حیثیت سے جلسہ میں کامیابی وہم وگمان سے زیادہ ہوئی، مصارف منہا کرنے کے بعد پس انداز رقم بھی معتد بہ تھی۔

ذکر میں پست ہمتی اور سستی کرنا سخت غلطی ہے، آدمی کو عالی ہمت اور جفاکش ہونا چاہیے زاد راہ آخرت مہیا کیجیے، مشہور ہے، ہمت مرداں مدد خدا، رحمت خداوندی سے مایوس مت ہوجیے۔

والدہ صاحبہ دام مجدہا سے سلام مسنون عرض کر دیجیے کہ وہ ناکارہ خادم نہایت سکون اور اطمینان اور راحت و آرام سے ہے، آپ بالکل مطمئن رہیں، دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو، اور اپنی مرضیات میں ہمیشہ رکھے، آمین'

نیز دیگر متعلقین سے بھی سلام عرض کر دیں۔

بابو قطب الدین صاحب، حکیم مشتاق صاحب، شیخ رفیع الدین صاحب، سید احمد صاحب عمر میاں صاحب، عثمان میاں صاحب وغیرہ سے بھی سلام مسنون عرض کر دیں مرزا حسن یار بیگ صاحب سے بھی سلام عرض کر دیں۔

غالباً اب تو مولانا اسماعیل صاحب کی طبیعت بالکل صاف ہوگئی ہوگی ان سے سلام مسنون کہہ دیں، حکیم انظار احمد صاحب کو جلسہ کی کامیابی پر خصوصی مبارک باد پیش کر دیں۔

والسلام

دُعا گو چراغ محمد ۳ر رجب ۱۳۶۳ھ (م ۲۴ر جون ۱۹۴۴ء)

میرا یہ خط مولوی عبدالحق صاحب کو ایک وفد کے ساتھ پیش کیجیے اور اگر مناسب ہو تو عورتوں میں سے ایک دو عورتیں بھی جائیں اور گھر میں زور دیں، حکیم انظار احمد صاحب سے کہہ دیجیے کہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سہاروی کے مرسلہ گنڈور سے (بنا ہوا گڑ) آپ

نے لے کر کھائے حال آں کہ وانھوں نے اپنے گوشہ نشین خدام کے لیے بھیجے تھے، اس کا سخت دعویٰ آپ پر دایر ہوگا اور مع سود در سود آپ کو ادا کرنا پڑے گا، ہوشیار رہیے۔

(مکتوب نمبر ۱۰۳، مکتوبات شیخ السلام۔ جلد چہارم)

حاشیہ مکتوب ۱۰۳:

حافظ سید سادات حسن صاحب مراد آبادی کی لڑکیاں ماشاء اللہ چار ہیں، لڑکا ایک ہی ہوا تھا، حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز نے جعفر نام تجویز کیا مگر بچہ صرف چند ہفتوں کی عمر لے کر آیا تھا، بچہ رخصت ہو گیا، کنیت باقی رہ گئی، اس موقع پر کنیت سے کام لیا گیا تھا، حافظ سادات حسن صاحب احقر کے برادر نسبتی ہیں اصل وطن دیو بند ہے عرصہ سے مراد آباد رہتے ہیں، غالباً پیر بھائی نہیں ہیں، کیوں کہ یہ حضرت میاں جی کریم بخش صاحب رامپوری سے بیعت ہیں اور حضرت میاں جی صاحب نور محمد صاحب جھنجھانوی ہیں جن سے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب بیعت تھے۔ البتہ شاید رام پور سے وہ رام پور مراد ہے جو دیو بند کے قریب ہے اور رام پور منہیاواں کہلاتا ہے، ریاست رام پور نہیں، واللہ اعلم (محمد حامد میاں) ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ میاں جی کریم بخش صاحب سے بیعت ہوئے ہوں، جناب حافظ حاجی سید محمد عابد صاحب دیو بند کے مشہور بزرگ تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے پیر بھائی، دیو بند میں ایک مدرسہ کی تجویز آپ ہی کی تھی، یہی مدرسہ تھا جس کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ العزیز کی جدو جہد نے یہ عروج بخشا کہ آج دار العلوم دیو بند کے نام سے مشہور ہے، حافظ سادات حسن صاحب انھی حاجی محمد عابد صاحبؒ کے پڑپوتے ہیں، (محمد میاں) (۱) حسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ یہ گرامی نامۂ رجب میں لکھا گیا تھا اور دو ماہ بعد ابتداء رمضان ۶۳ھ میں حضرت رہا ہو گئے، پھر یہ نکاح حضرت نے خود پڑھایا اور سونے کے جھمکے اپنی طرف سے عطا فرمائے، احقر کی جانب سے بھی دلہن کو زیور دیا گیا تھا اور بس۔ (محمد میاں) صوبہ دار سے مراد محمد میاں ہیں کیوں کہ اس زمانہ میں جمعیت علما صوبہ متحدہ کا ناظم تھا، (محمد میاں) (۲) قاری اصغر علی صاحب خلیفہ مجاز حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ واستاد دار العلوم دیو بند۔ ۳۔ عبد الحق صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ

راجہ جی فارمولا اور پاکستان:

۳ر جولائی ۱۹۴۴ء: حقیقت یہ ہے کہ یہ پاکستان مسٹر جناح اور لیگ کی مکمل شکست اور راج گوپال اچاریہ اور ان کے ہم نو ہندوؤں کی مکمل فتح ہے۔ کیوں کہ یہ وہی پاکستان ہے جس کو راج گوپال اچاریہ ۱۹۴۴ء میں پیش کرر ہے تھے اور مسٹر جناح صاحب نے اس کو مسترد کر دیا تھا۔

چناں چہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے فیصلے کے بعد ''انقلاب'' نے تحریر کیا:

پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا فیصلہ ہوگیا، حد بندی کے کمیشن مقرر کر دیے گئے، اب اس بحث سے کیا حاصل ہوسکتا ہے کہ ۱۹۴۴ء میں لیگ کے سامنے جو پیش کیا گیا تھا جو آج قبول کیا گیا ہے، اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ حقیقت یہی ہے تو کیا لیگ موجودہ فیصلے کو بدل دے گی؟ ہرگز نہیں لہذا یہ بحث اب بداہۃً فضول اور عبث ہے، تاہم واقع یہی ہے کہ اب جو قبول کیا گیا ہے وہ وہی ہے جو ۱۹۴۴ء میں کانگریس دے رہی تھی۔ ہمارے ایک معاصر کو خدا جانے کیوں اصرار ہے کہ اس باب میں جو کچھ کہا جارہا ہے وہ جھوٹ ہے، اس غلط فہمی کے سد باب کے لیے ضرورت ہے کہ حقیقت حال پھر واضح کی جائے اور جھوٹ کو اس کے اصل مرجع و مآب تک پہنچادیا جائے۔

۱۰ر اپریل ۱۹۴۴ء کو مسٹر راج گوپال اچاریہ نے ایک خط کے ذریعہ چند تجاویز مسٹر جناح کے پاس بھیجی تھیں، یہ چھ دفعات پر مشتمل تھیں، مقصود یہ تھا کہ انھیں کانگریس اور لیگ کے درمیان سمجھوتے کی بنیاد قرار دیا جائے دوسری اور چوتھی دفعہ کا متن یہ تھا:

جنگ کے خاتمہ پر ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا، جو ہندوستان کے شمال مغرب اور مشرق میں ان متصل اضلاع کا تعین کرے گا، جن میں مسلمانوں کو مطلق اکثریت حاصل ہے، اس طرح متعین شدہ علاقوں کے تمام باشندوں سے بالغوں کے حق رائے دہی یا کسی دوسرے ذریعہ سے

لیکن اصل حق رائے دہی کی بناء پر استصواب کیا جائے گا، اگر اکثریت کا فیصلہ ہو کر ہندوستان سے الگ خود مختار اسٹیٹ بنائی جائے تو اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنا دیا جائے گا، علیحدگی کی حالت میں دفاع، تجارت، وسائلِ حمل و نقل اور دوسرے ضروری مقاصد کے تحفظ کے لیے باہمی معاہدے ہو جائیں گے۔

مسٹر راج گوپال اچاریہ کے دعوے کے مطابق گاندھی جی ان تجاویز کے حامی تھے، مسٹر جناح نے ۲؍جولائی ۱۹۴۴ء کو جواب دیا کہ میں خود ان کے قبول یا عدم قبول کا فیصلہ نہیں کر سکتا، البتہ گاندھی جی یہ تجاویز براہ راست میرے پاس بھیج دیں تو انھیں مجلس عاملہ لیگ کے سامنے پیش کر دوں گا۔

مسٹر راج گوپال اچاریہ نے سمجھا کہ جب مسٹر جناح خود ان کی حمایت کے لیے تیار نہیں ہیں انھیں مجلس عاملہ کے سامنے پیش کرنے سے کیا حاصل ہوگا، اس طرح یہ معاملہ التوا میں پڑ گیا، مسٹر راج گوپال کے نزدیک لیگ کی قراردادِ لاہور کے تمام مطالبات ان تجاویز میں آ گئے تھے۔

لیگ کونسل کا اجلاس اور مسٹر جناح کی تقریر:

۳۰؍جولائی ۱۹۴۴ء کو لاہور میں لیگ کونسل کا اجلاس ہوا جس میں مسٹر جناح نے ایک لمبی تقریر فرمائی۔ ان کا خاص موضوع یہی تجاویز تھیں، ہم پوری تقریر کو یہاں پیش نہیں کر سکتے، لیکن اس کے دو فقرے خاص توجہ کے محتاج ہیں:

> ''ان کا (راجہ جی کا) فارمولا لیگ کی مارچ ۱۹۴۰ء والی قرارداد کا غلط چربہ ہے، یہ اس کی نفی ہے، اس کا مدعا یہ ہے کہ قرارداد مذکور کو تارپیڈو مار کو فنا کر دیا جائے اور جب وہ یہ کہتے ہیں کہ ان کے فارمولے میں لیگ کے تمام مطالبات آ گئے ہیں، جو مسلم لیگ نے اپنی قرارداد میں پیش کیے تھے، تو یہ اس قرارداد کی بدترین تخریب ہے''۔

چوں کہ گاندھی جی بھی ان تجاویز کے حامی تھے لہٰذا مسٹر جناح کے آخر میں فرمایا:

> ''جس حد تک تجاویز کی حقیقی حیثیت کا تعلق ہے میں کہتا ہوں کہ گاندھی جی

جو کچھ پیش کر رہے ہیں یہ محض سایہ ہے، چھلکا ہے، پوپلا ہے، لنگڑا، اپاہج اور کرم خوردہ پاکستان ہے"۔

(علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے (حصہ دوم) ص ۸۷۔۴۸۶)

جناح صاحب اور ملک کی آزادی:

۱۷ر جولائی ۱۹۴۴ء: علی گڑھ ۱۴ر جولائی، مسٹر عبدالمجید خواجہ صدر آل انڈیا مسلم مجلس نے نمایندہ پریس سے دوران انٹریو مسٹر جناح کی جانب سے گاندھی جی کی پیش کش کو جو کہ راجہ جی کی معرفت کی گئی تھی، نامنظور کیے جانے کے بارے میں کہا کہ مجلس کی طرف سے کسی قسم کی نکتہ چینی کے بغیر میں ذاتی طور پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اس پر ذرا تعجب نہیں ہوا، شکر کا مقام ہے کہ میرا یہ خیال بالکل صحیح ثابت ہوا کہ مسٹر جناح ہندوستان کی آزادی میں سد راہ بننا چاہتے ہیں، اور پاکستان، ہندوستان کو غلام رکھنے کے لیے محض ایک ڈھونگ ہے۔

(مدینہ، بجنور۔ ۱۷ر جولائی ۱۹۴۴ء)

اجلاس مجلس عاملہ جمعیت علمائے ہند:

۱۷ر جولائی ۱۹۴۴ء: حضرت مولانا حفظ الرحمٰن تقریباً دو سال کی طویل نظر بندی کے بعد ۱۴ر جولائی کو سنٹرل جیل بریلی سے رہا ہو کر ۱۸ر جولائی ۱۹۴۴ء کو دہلی تشریف لائے، اور اجلاس میں شرکت فرمائی، اگرچہ دورۂ دردسر کے قدیم عارضہ کا آپ پر حملہ تھا مگر فطری دلچسپی اور طبعی جذبہ اس حملہ پر غالب رہا، اور حسب دستور پوری توجہ اور انہماک سے مباحث اور فیصلوں میں حصہ لیا۔

مولانا شاہ حسین علی صاحب میانوالی خلیفہ مرشد کامل قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز، مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب بستی نظام الدین اولیا، حضرت مولانا قاری عبد اللہ صاحب مراد آبادی، حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم صاحب پوپلزئی کی وفات پر تعزیتی تجاویز اور دیگر دفتری امور طے کرنے کے بعد مندرجہ ذیل تجاویز پاس کی گئیں۔

تجویز نمبر ۱: جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ حکومت ہند سے پرزور مطالبہ

کرتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے ان کے اہم فریضۂ حج کی ادائیگی کے راستہ سے موانع اور مشکلات کو دور کرے۔ دو سال سے وہ اس فرضہ حج کی ادائیگی سے محروم ہیں اور اس وجہ سے ان میں سخت اضطراب و ہیجان ہے، مسلمانوں کو یقین ہے کہ اگر گورنمنٹ مسلمانوں کے احساسات کا لحاظ کرے اور ان کے لیے جہازوں کا انتظام کرنا چاہے تو اس کے لیے زیادہ دشوار نہیں ہے، وقت کم ہے گورنمنٹ کا فرض ہے کہ جلد از جلد اس امر کا اعلان کرے کہ اس سال حج کا راستہ کھل گیا ہے اور جہازوں کا انتظام کر دیا جائے گا تا کہ مسلمان مطمئن ہو کر انتظامات شروع کر دیں۔

تجویز نمبر۲: جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ حجاز مقدس کے قحط اور گرانی کی ہیبت ناک صورت حال پر اپنی سخت تشویش کا اظہار کرتا ہے اور ضروری سمجھتا ہے کہ اس نازک اور اہم معاملے میں جس قدر جدو جہد ہو سکے کی جائے اور ضرورت ہو تو حجاز مقدس میں غلہ بھیجنے اور پہنچانے کے انتظامات کے متعلق گورنمنٹ ہند کے افسران متعلقہ سے بات چیت کی جائے اور غلہ اور ضروری اشیاء بھیجنے کا انتظام کیا جائے اس سلسلہ میں یہ جلسہ مولانا احمد سعید صاحب، مولانا بشیر احمد صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کو اس گفتگو کے لیے منتخب کرتا ہے۔ (جمعیت علما کیا ہے؟ (حصہ دوم)/ص ۵۹۔۲۵۸)

قادیانیوں کے بارے میں مولانا بدایونی کی قرارداد:

۳۰ر جولائی ۱۹۴۴ء کاروان احرار جلد ۶ میں مرزا غلام نبی جانباز نے ''مسلم لیگ اور مرزائیت'' کے عنوان سے ۲۰ر جولائی ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۵ء کے اواخر میں الیکشن کے زمانے تک کی بعض اہم خبروں کو اپنے تبصرے کے ساتھ مرتب کر دیا ہے، تفصیل یہ ہے:

''۳۰ر جولائی ۱۹۴۴ء کو لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا سالانہ اجلاس ہو رہا تھا اس موقع پر مولانا عبد الحامد بدایونی نے کونسل کے اجلاس میں مرزائیوں کو مسلم لیگ سے خارج کرانے کی ایک قرارداد پیش کرنے کا نوٹس دیا، یہ بات کونسل کے ایجنڈے میں درج کر لی گئی۔

۳۰ر جولائی ۱۹۴۴ء کے روزنامہ ''زمیندار'' نے اس قرارداد کو بڑی اہمیت دی اور اسے جلی عنوان سے شائع کیا۔

''قادنیوں کے اخراج سے متعلق قرارداد''

''کہ مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی نے لکھا ہے کہ دنیائے اسلام اور ہر طبقہ وخیال کے مقتدر علماء نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے پیرو دایرہ اسلام سے خارج ہیں، لہذا انھیں مسلم لیگ کے دایرے میں شرکت کی ہرگز اجازت نہیں ہونی چاہیے، اب قادیانیوں کی مسلم لیگ میں شمولیت یا عدم شمولیت کے متعلق بعض حلقوں میں بڑا چرچا ہے، اس لیے آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس قرار دیتا ہے کہ علمائے اسلام کے متفقہ فیصلے کے احترام میں کوئی قادیانی مسلم لیگ میں شریک نہیں ہوسکتا''۔

مولانا عبدالحامد صاحب نے اپنی قرارداد پیش کی، مگر مسٹر جناح نے اس پر بحث کی اجازت نہ دی، شائع شدہ ایجنڈا میں مرزائیوں کو مسلم لیگ سے خارج کرنے کا ذکر بھی گیا، مگر جب وقت آیا تو مسٹر جناح کی آواز لیگ کے اندر اور باہر سب علماء کی آواز سے زیادہ کارگر نکلی۔

مسلم لیگ اور قادیانی:

یکم اگست ۱۹۴۴ء: اس قرارداد کے پیش نہ ہونے پر روز نامہ ''زمیندار'' نے اپنی (یکم اگست ۱۹۴۴ء) ۱۱رشعبان ۱۳۶۳ھ کی اشاعت میں پریس نوٹ لکھا، عنوان تھا: ''مسلم لیگ اور قادیانی''

''مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں مولانا عبدالحامد بدایونی کی وہ قرارداد پیش نہ ہوسکی جس کے ذریعے سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ قادیانی چوں کہ خارج از اسلام ہیں، لہذا انھیں مسلم لیگ کی رکنیت سے نکال دیا جائے، یہ قرارداد اپنی اہمیت کے اعتبار سے فوری توجہ کی مستحق تھی، لیکن بدقسمتی سے جدید تعلیم کے دلدادہ قادیانی اور اسلامی اختلافات کو شیعہ سنی مناقشت کی طرح محض فرعی مسئلہ سمجھ رہے ہیں، اس لیے وہ صحیح اندازہ لگانے سے قاصر ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص مرزائی نہیں ہوسکتا جب تک وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر قرار نہ دے لے اور یہ قادیانیت کے بنیادی عقیدے کا تقاضا ہے، کیوں کہ مرزائی مرزا غلام احمد قادیانی کو ''نبی'' سمجھتے ہیں اور نبی کا منکر مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہوسکتا، لہذا جب قادیانی مسلمانوں کو صحیح معنوں میں مسلمان نہیں سمجھتے، مسلمان کو کافر کہنے والا بھی کسی صورت

میں مسلمان قرار نہیں دیا جا سکتا، اس اختلاف کے باعث قادیانیت اور اسلام میں زمین و آسمان کا فرق ہے، نہ قادیانی کو مسلمانوں سے کوئی مجلسی تعلق ہو سکتا ہے، نہ مسلمانوں کے کسی ادارے میں قادیانی کو رہنا چاہیے اور خلیفہ قادیان تو پاکستان کی مذمت کر کے مسلم لیگ سے بے تعلقی کا اظہار کر چکے ہیں اور اپنے مریدوں کو بھی اس مجلس سے علیحدہ رہنے کا مشورہ دے چکے ہیں، ان حالات میں مسلم لیگ کو تو خاص طور پر قادیانیت سے قطع موالات کا اظہار کرنا چاہیے تھا، لیکن اس کے تغافل نے ان غلط فہمیوں کا دائرہ خود ہی وسیع کر دیا ہے، جو مسلم لیگ کے مخالفین پھیلا رہے تھے، اس فرض ناشناسی سے مسلم لیگ کے وقار و اقتدار کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا بلکہ صحیح الخیال مسلمان مضطرب ہوئے بغیر نہ رہیں گے اور اس اضطراب کا اثر یقیناً ناگوار ہوگا۔ مقامِ حیرت ہے کہ جب مسلم لیگ محض فرعی و جزوی اختلاف کے باعث مسلمان خاکساروں سے قطع تعلق کا اعلان کر سکتی ہے تو غیر مسلم قادیانیوں کے متعلق کیوں خاموش ہے، شاید اس نے مسئلے کی نزاکت کا اندازہ نہیں لگایا، قاید اعظم کا فرض ہے کہ قادیانیت کے متعلق مسلم لیگ کی پوزیشن واضح کریں ورنہ اس افسوس ناک، رواداری کے نتائج بہت زیادہ افسوس ناک ہوں گے"۔

مجلسِ احرار نے الیکشن کے ضمن میں مسلم لیگ کی متذکرہ کارروائی کو "مسلم لیگ کی مرزائیت نوازی" کے عنوان سے ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا، چوں کہ مجلس احرار ۱۹۳۴ء سے قادیانیوں کو سیاسی جماعت کے طور پر انگریزوں کی ایجنٹ ثابت کرتی چلی آ رہی تھی، اس پروپیگنڈے نے مرزائیت کو بری طرح بے نقاب کر دیا تھا، لہذا جیسے ہی عوام کو لیگ کے اجلاس کی اس کارروائی کا پتہ چلا، لیگی حلقوں میں کافی ہلچل پھیل گئی۔

(کاروان احرار: ج ۶، ص ۸۹ ـ ۲۸۷)

سکھ آزاد ریاست:

۱۴ راگست ۱۹۴۴ء سکھ لیڈر ماسٹر تارا سنگھ نے ۱۴ راگست ۱۹۴۴ء کو ایک بیان میں کہا کہ:

"۲۰ راگست کو امرتسر میں آل پارٹیز سکھ کانفرنس ہو رہی ہے جس میں سکھوں کی ایک خود مختار سلطنت بنانے کی اسکیم بنانے پر غور کیا جائے گا، اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے

لیے لازمی ہوگا کہ جبری طور پر آبادیوں کا تبادلہ کیا جائے اور سکھوں کی زیادہ سے زیادہ آبادی اس مجوزہ آزاد سکھ سلطنت کی حدود میں آجائے۔

آزاد پنجاب اسکیم پر بھی نظر ثانی کی جائے گی، گو سکھ رائے عامہ کا زور اب سکھ سلطنت قایم کرنے کی طرف زیادہ ہوگیا ہے، آزاد پنجاب اسکیم کا مطلب یہ ہے کہ دریائے جمنا اور چناب کے درمیان ایک علیحدہ علاقائی یونٹ بنایا جائے جو دہلی کے مغرب میں اور لاہور کے ساٹھ میل مغرب میں جوہر آباد تک پھیلا ہوا ہو، اس علاقے میں سکھوں کی آبادی گو بیس فیصد ہوگی اور مسلمان اور ہندو چالیس چالیس فیصد ہوں گے، اس طرح طاقت کا توازن سکھوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ (سہ روزہ زمزم، لاہور: ۱۹ر اگست ۱۹۴۴ء)

فرانس میں جرمن فوج کی پسپائی:

۱۷ر اگست ۱۹۴۴ء کو اتحادیوں نے زبردست تیاری کے ساتھ جنوبی فرانس پر سخت ترین حملہ کر دیا کہ فوجوں کی تاریخ میں اس قسم کے حملے کی کوئی مثال نہیں ملتی گویا یہ چراغ صبح کی آخری بھبھک تھی، پیرس کی جرمن فوجوں نے اتحادیوں کے روبرو ہتھیار ڈال دیے، برسلیز جرمنی سے چھین لیا گیا، اور جنگ کا پانسہ تیزی سے پلٹنے لگا اور محوری طاقتوں کا زوال شروع ہوگیا، اس سال کے آخر تک جرمنی تقریباً نہتا اور تنہا تھا، اتحادی اس کی کمر توڑ چکے تھے مگر پھر بھی ساری دنیا ایک خلفشار میں پڑی ہوئی تھی، کیوں کہ جاپان کی دست درازی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی، اور امن کی غارت گری برابر جاری تھی۔

(حسرت موہانی۔ ایک سیاسی ڈایری/ص ۲۳۰)

مولانا حسین احمد مدنی کی رہائی:

۲۷ر اگست ۱۹۴۴ء: لکھنؤ ۲۷ر اگست مولانا حسین احمد مدنی صدر جمعیت علماے ہند آج نینی سنٹرل جیل سے رہا کر دیے گئے، مولانا ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت نظر بند کر دیے گئے تھے، ان کی رہائی دو سال دو مہینے کے بعد ہوئی ہے۔

(روزنامہ عصر جدید۔ کلکتہ، ۲۹ر اگست ۱۹۴۴)

۳۰ر اگست ۱۹۴۴ء: لکھنؤ ۲۷ر اگست حضرت مولانا حسین احمد مدنی پریذیڈنٹ

جمعیت علماے ہند ۳۱ مہینے کی قید کاٹنے کے بعد نینی جیل سے رہا کر دیے گئے۔
(زمزم، لاہور۔ ۳۰ راگست ۱۹۴۴ء)

دہلی۔ ۲۸ راگست، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیت علماے ہند پرسوں ۲۶ راگست کو رہا کر دیے گئے، حضرت مولانا ۲۴، ۲۵ رجون ۱۹۴۲ء درمیانی شب میں گرفتار کیے گئے تھے اور بچھراؤں کی ایک تقریر کے سلسلے میں مراد آباد جیل میں مقدمہ چلایا گیا تھا، ۲۵ رجولائی ۱۹۴۲ء کو سزا کا فیصلہ سنا دیا گیا، اس کے بعد جنوری ۱۹۴۳ء میں دفعہ ۱۲۶ کے ماتحت نظر بندی کا نوٹس تعمیل کرایا گیا اور مراد آباد جیل سے نینی سنٹرل جیل الہ آباد تبدیل کر دیا گیا تھا، حضرت مولانا دو سال دو مہینے دو دن کے بعد ۲۶ ر اگست ۱۹۴۴ء کو نینی سنٹرل جیل الہ آباد سے بلا کسی شرط کے رہا کر دیے گئے ہیں، انڈی پنڈنٹ نیوز سروس کی اطلاع ہے کہ مولانا صاحب جون پور روانہ ہو گئے جہاں سے وہ اپنی وطن ٹانڈہ جائیں گے۔ ۳۰ راگست کو مولانا صاحب لکھنؤ جائیں گے اور وہاں سے دیو بند تشریف لے جائیں گے۔ (مدینہ،... ...اگست ۱۹۴۴ء)

گاندھی جی راجہ جی فارمولا:

اگست ۱۹۴۴ء میں مہاتما گاندھی کی رہائی کے بعد مصالحت کی کوششیں از سر نو شروع ہوئیں اگست میں مشہور گاندھی جناح مذاکرات ہوئے جس میں مسلم لیگ کے مطالبہ کو پورا کرنے کے لیے ایک فارمولا پیش کیا گیا، جو گاندھی، راجہ جی فارمولا کے نام سے مشہور ہوا اور جو حسب ذیل ہے:

"انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے درمیان سمجھوتے کی بنیاد حسب ذیل شرائط ہیں جن کو گاندھی جی اور مسٹر جناح منظور کرتے ہیں اور جسے وہ اپنی اپنی انجمنوں یعنی کانگریس اور مسلم لیگ سے منظور کرانے کی کوشش کریں گے۔

۱۔ آزاد ہندوستان کے لیے ایک نظام حکومت مرتب کرنے سے متعلق حسب ذیل شرائط کے ماتحت مسلم لیگ ہندوستان کے مطالبۂ آزادی کی توثیق کرتی ہے اور وہ عبوری دور میں ایک عارضی حکومت بنانے میں کانگریس کی مدد کرے گی۔

۲۔ جنگ کے خاتمے کے بعد ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا، جو شمال مغربی اور مشرقی

ہندوستان میں، ان متجانس اضلاع کی حدود و بندی کرے گا جہاں مسلمان واضح طور پر اکثریت میں ہوں اس طرح حدود بندی کیے ہوئے تمام اضلاع کا ایک عام استصواب رائے بالغ کی حق رائے و ہندگی کی بنا پر (Plebiscite) ہوگا جس میں ان خطہ کے تمام باشندے شریک ہوں گے یہ رائے شماری ہی اس علاقے کے ہندوستان سے علیحدگی کا فیصلہ کردے گی، اگر اکثریت نے ہندوستان سے علیحدہ ہوکر آزاد (Sovereign) حکومت کے قیام کا فیصلہ کیا تو اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنایا جائے گا، لیکن سرحدی اضلاع کو یہ حق حاصل رہے گا کہ وہ دونوں میں سے جس حکومت کو چاہیں پسند کریں۔

۳۔ ہر جماعت کو رائے شماری سے پہلے اس امر کا پورا اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اپنا اپنا نقطۂ نظر لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کرے۔

۴۔ علیحدگی کی صورت میں دفاع صنعت و تجارت، رسل و رسائل اور دوسرے ضروری امور سے متعلق باہمی سمجھوتے کر لیے جائیں گے۔

۵۔ آبادی کا تبادلہ بالکل لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے گا۔

۶۔ ان شرائط پر صرف اس صورت میں عمل ہوگا کہ برطانیہ ہندوستان کی حکمرانی کے مکمل اختیارات اور ذمہ داری منتقل کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

راجہ جی کا فارمولا، ڈاکٹر عبداللطیف کا تبصرہ:

اگست ۱۹۴۴ء: گاندھی و جناح کی متوقع ملاقات کے متعلق جن حضرات کے بیانات شائع ہوئے ہیں ان سب میں غالباً سب سے زیادہ مختصر اور سب سے زیادہ معقول بیان ڈاکٹر عبداللطیف حیدر آبادی کا ہے آپ فرماتے ہیں:

> راجہ جی کے فارمولے پر ناگوار تنقید نہ کی جائے، اس طرح گاندھی و جناح کو پریشانی کا سامنا ہوگا جو ایک نازک ترین مسئلے پر بات چیت کرنے والے ہیں، اگر بحث و اعتراض کا سلسلہ جاری رہا، تو وائسرائے کے چیلنج کا کیا جواب ہوگا جو انھوں نے گاندھی جی کو دیا ہے راجہ فارمولا آخری چیز نہیں کہ اسے مستقل تنقید و جدال کا موضوع بنالیا جائے، یہ ایک تجویز ہے، جس کے نقائص گاندھی و جناح دور کریں گے۔

یہ معتدل تریں مشورہ ہر ہندوستانی کے لیے صحیح و صالح پیغام ہے، لیکن ہندوؤں کو کون سمجھائے جو قبل از مرگ واویلا کر رہے ہیں اور مہا سبھائی حلقوں میں معقولیت کی تلاش بھی فضول ہے۔ ان لوگوں کو لاکھ سمجھایا جائے لیکن جب مسلمانوں کے حق خودارادی کا سوال آئے گا تو سپند آتش دیدہ کی طرح اچھل کر عقل و ہوش کی حدیں، پھاند جائیں گے، ورنہ ڈاکٹر صاحب کا مشورہ صحیح ہے، کیوں کہ اب تک تو قاید اعظم نے بھی اس پر مہر تصدیق ثبت نہیں کی تھی، لاہور کی تقریر میں اعتراضات کی جھڑی باندھ دی تھی، لہذا ممکن ہے یہ فارمولا خارج از بحث ہی قرار دیا جائے لہذا جو لوگ اس اسکیم پر ماسٹر تارا سنگھ اور ہندو اخبارات کی طرح غیر معقول و ناپسندیدہ بحث کر رہے ہیں، ان کا مقصد وطن کی فضا خراب کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ اہل وطن کو ان دشمنانِ امن کی مذموم حرکتوں سے دور رہنا چاہیے۔
(خیام، لاہور، یکم ستمبر ۱۹۴۴ء)

گاندھی جناح سمجھوتا:

ستمبر ۱۹۴۴ء کا مہینہ ہے گاندھی اور جناح کے درمیان حسب ذیل باتوں پر سمجھوتا ہو گیا ہے جسے دونوں لیڈر اپنی اپنی پارٹی سے منظور کرانے کی کوشش کریں گے۔

۱۔ آزاد ہندوستان کے لیے ایک نظام حکومت مرتب کرنے سے متعلق حسب ذیل شرائط کے ماتحت مسلم لیگ ہندوستان کے مطالبۂ آزادی کی توثیق کرتی ہے اور وہ عبوری دور میں ایک عارضی حکومت بنانے میں مدد کرے گی،

۲۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا، جو شمال، مغربی اور مشرقی ہندوستان میں ان متجانس اضلاع کی حدود بندی کرے گا جہاں مسلم واضح طور پر اکثریت میں ہوں، اس طرح حدود بندی کیے ہوئے تمام اضلاع کا ایک عام استصواب رائے بائع حق رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوگا جس میں اس خطے کے تمام باشندے شریک ہونگے، یہ رائے شماری ہی اس علاقے کے ہندوستان سے علیحدگی کا فیصلہ کرے گی۔ اگر اکثریت نے ہندوستان سے علیحدہ ہو کر آزاد حکومت کے قیام کا فیصلہ کیا تو اس کو عملی جامہ پہنایا جائے گا لیکن سرحدی اضلاع کو یہ حق حاصل رہے گا کہ وہ دونوں میں سے جس حکومت کو پسند کریں اس کے ساتھ شریک ہو جائیں۔

۳۔ ہر جماعت کو رائے شماری سے پہلے اس امر کا پورا اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اپنا نقطۂ نظر لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کرے۔

۴۔ علیحدگی کی صورت میں دفاع، صنعت، تجارت، رسل و رسائل اور دوسرے ضروری امور سے متعلق باہمی سمجھوتے کر لیے جائیں گے۔

۵۔ آبادی کا تبادلہ کلیتہً لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے گا۔

۶۔ ان شرائط پر صرف اس صورت میں عمل ہوگا کہ برطانیہ ہندوستان کی حکمرانی کے تمام اختیارات اور ذمہ داری کو منتقل کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

(حسرت موہانی۔ ایک سیاسی ڈائری/ص ۲۳۱۔۲۳۰)

گاندھی جناح ملاقات، ایک تبصرہ:

ستمبر ۱۹۴۴ء: ۶ رمئی ۱۹۴۴ء کو گاندھی جی طبّی رپورٹوں کی بنا پر غیر مشروط طور پر رہا کر دیے گئے۔ عام طور پر خیال یہ تھا کہ آپ کی رہائی ہندو مسلم مفاہمت کے لیے مفید ہوگی، چناں چہ آپ نے رہائی کے بعد مسٹر جناح صاحب سے گفتگو کی سلسلہ جنبانی شروع کر دی۔ بالآخر ۱۰ ر ستمبر ۱۹۴۴ء کو وہ وقت آ گیا کہ گاندھی جی نے مالا بار ہل پہنچ کر مسٹر جناح سے ملاقات کی، لوگوں کا خیال تھا کہ یہ ملاقات ایک دو دن رہے گی یا زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ میں ختم ہو جائے گی لیکن وہ نصف ماہ کے قریب جاری رہی اور ۲۵ ر ستمبر کو ناکامی کے ساتھ ختم ہو گئی اور جن لوگوں نے اس ملاقات سے ہندو مسلم سمجھوتے کی اُمیدیں باندھی تھی وہ مایوس ہو کر رہ گئے، بقول شاعر:

معرکہ ختم یوں ہوا، فتح شکست ہو گئی
عشق نبرد آزما اپنے یہ فتح یاب تھا
پھر وہی آہ آہ تھی پھر وہی دورِ ابتلا
پھر وہی سوز ہجر تھا پھر وہی التہاب تھا

۱۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لاہور کے ریزولیشن کے اصول کو تسلیم کر لیا جائے یعنی پاکستان کے اصول کو تسلیم کر لیا جائے اور اگر اس کے لیے رائے عامہ کا استصواب ضروری سمجھا جائے تو فقط مسلمانوں کی کثرت رائے پر فیصلہ کیا جائے۔

۲۔ صوبہ سرحد، پنجاب، سندھ، بنگال اور آسام کو بحالت موجودہ مسلم اکثریت کے صوبہ تسلیم کر کے ان کو پاکستانی علاقہ قرار دیا جائے۔

۳۔ کانگریس اگست ۱۹۴۲ء والا ریزولیوشن (۱) واپس لے لے، کیوں کہ یہ ریزولیوشن ہندوستان کے مسلمانوں کے مفاد کے منافی ہے۔

۴۔ یہ تسلیم کیا جائے کہ مسلمان ہندوستان میں علیحدہ قوم ہیں۔

۵۔ گاندھی جی تسلیم کریں کہ وہ صرف ہندوؤں کی نمایندگی کر سکتے ہیں۔

۶۔ آخری فیصلہ ہونے سے پیشتر ضروری ہے کہ گاندھی جی نمایندہ حیثیت اختیار کریں۔ (۲)

گاندھی جی کے مطالبات کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ راجہ جی فارمولا (۳) میں مسلم لیگ کے لاہور کے ریزولیوشن کے تمام بنیادی

---

(۱)۔ یعنی انگریز سے ہندوستان چھوڑ دینے کا مطالبہ نہ کرے۔ (۲)۔ حال آں کہ اس وقت تک آل انڈیا کانگریس خلافِ قانون تھی، مجلس عاملہ کے ارکان جیل میں بند تھے، کانگریس کے نام پر کوئی اجتماع نہ ہو سکتا تھا، اور مستقبل قریب میں کوئی توقع ہی نہ تھی کہ یہ پابندیاں اٹھا دی جائیں گی۔ (۳)۔ لیگ کا لاہور ریزولیوشن پہلے نقل کیا جا چکا ہے، چند صفحات بعد مسٹر جناح کے بیان کے حاشیہ پر اس کو دوبارہ نقل کر دیا گیا ہے، راجہ جی کا فارمولا حسب ذیل تھا۔ انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے درمیان سمجھوتے کی بنیاد حسب ذیل شرائط ہیں، جن کو گاندھی جی اور مسٹر جناح منظور کرتے ہیں اور جسے وہ اپنی انجمنوں یعنی کانگریس اور مسلم لیگ سے منظور کرانے کی کوشش کریں گے۔

۱۔ آزاد ہندوستان کے لیے ایک نظامِ حکومت مرتب کرنے سے متعلق حسب ذیل شرائط کے ماتحت مسلم لیگ ہندوستان کے مطالبہ آزادی کی توثیق کرتی ہے اور وہ عبوری دورمیں ایک عارضی حکومت بنانے میں کانگریس کی مدد کرے۔

۲۔ جنگ کے خاتمے کے بعد ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا، جو شمال مغربی اور شمال مشرقی ہندوستان میں متجانس اضلاع کی حدود بندی کرے گا جن میں مسلمان واضح طور پر اکثریت میں ہوں، جن علاقوں کی اس طرح حد بندی کی جائے گی، ان میں بالغوں کی حق رائے ہی یا کسی دوسرے قابل عمل حق رائے دہی کی بنا پر تمام باشندوں کی رائے معلوم کی جائے گی اور یہ رائے ہندوستان ››

اصول کو تسلیم کرلیا گیا ہے، اس لیے اسی کو گفت وشنید کی بنیاد قرار دیا جائے۔

۲۔ استصواب رائے بالغ رائے دہندگی کے اصول پر کیا جائے۔

۳۔ پاکستان کی حد بندی کا سوال حکومتِ برطانیہ کے اختیارات منتقل کرنے کے بعد طے کیا جائے۔

۴۔ فوج، تجارت، معاملاتِ خارجہ ایک مرکزی مشترکہ کنٹرول بورڈ کے سپرد کیا جائے۔

۵۔ مسلمانوں کا حق علیحدگی تسلیم کرلیا جائے بشرطیکہ وہ ہندوستان کی آزادی کے لیے متحدہ مطالبات پیش کرنے اور اُن کے حصول کے لیے جدوجہد کرنے کو تیار ہوں۔

۶۔ ہندوستان کو ایک قوم تصور کیا جائے اور علیحدگی پسند عناصر کو خاص معاہدہ کی رو سے الگ ہونے کا اختیار دیا جائے۔(۴)

اس ملاقات کا باضابطہ نتیجہ معلوم ہونے سے پہلے آزادی خواہ مسلم جماعتوں کو یہی امید تھی جو ہوا، لیکن انھوں نے دوران ملاقات میں دانائی سے کام لے کر خاموشی اختیار کی، اور روڑا نہ اٹکایا، حال آں کہ اُن کو اپنی جگہ اس امر کا کافی احساس تھا کہ اس وقت جب کہ

◄◄ سے علیحدگی کے سوال کا فیصلہ کرے گی، اگر اکثریت نے ہندوستان سے الگ ایک بالادست حکومت قیام کا فیصلہ کیا تو اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنایا جائے گا، لیکن سرحدی اضلاع کو یہ حق حاصل رہے گا کہ وہ دونوں میں سے جس ریاست میں چاہیں شامل ہو جائیں۔

۳۔ ہر جماعت کو رائے شماری سے پہلے اس امر کا پورا اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اپنا اپنا نقطۂ نظر لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کرے۔

۴۔ علیحدگی کی صورت میں دفاع صنعت، تجارت، رسل ورسائل اور دوسرے ضروری امور سے متعلق باہمی سمجھوتے کرلیے جائیں گے۔

۵۔ آبادی کا تبادلہ بالکل لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے گا۔

۶۔ ان شرائط پر صرف اس صورت میں عمل ہوگا کہ برطانیہ ہندوستان کی حکمرانی کے مکمل اختیارات اور ذمہ داری منتقل کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

(نئی زندگی، الہ آباد، مئی ۱۹۴۶ء، وزارتی مشن نمبر)

(۴)۔ روحِ روشن مستقبل صفحہ ۱۵۱ و ۱۵۲۔

لیگی وزارتوں کو تمام صوبوں میں شکست ہو چکی ہے اور خضر حیات خاں کو بغاوت نے مسٹر جناح کے رہے سہے وقار کو بھی ختم کر دیا ہے، گاندھی کا قاید لیگ کے پاس جانا مردہ کو دوبارہ زندگی بخشنے اور گرتے ہوئے کو سنبھالنے کے ہم معنی ہے، دورانِ گفتگو میں گاندھی جی نے تجویز پیش کی کہ معاملہ ثالث کے سپرد کر دیا جائے مگر مسٹر جناح نے اس کو منظور نہ کیا، گاندھی جی نے ایک تجویز یہ پیش کی کہ انھیں لیگ کونسل یا لیگ کے کھلے اجلاس میں اپنا نظریہ پیش کرنے کا موقع دیا جائے، مسٹر جناح نے اس کو انوکھی تجویز کہہ کر ٹھکرا دیا۔

گفتگو ختم ہونے کے بعد مسٹر جناح اور گاندھی جی نے جو بیانات پریس کو دیے اُن کا نقل کر دینا مناسب ہے تا کہ خود ان کے بیان سے وجوہاتِ ناکامی کا علم ہو جائے۔

مسٹر جناح صاحب نے بیان دیا۔(۵)

ہندو مسلم اختلافات طے کرنے کا حقیقی اور عملی طریقہ یہی ہے کہ ہندوستان کو دو آزاد ریاستوں یعنی ہندوستان اور پاکستان میں تقسیم کر دیا جائے، اور تمام سندھ، سرحد،

---

(۵)۔لاہور ریزولیوشن کا ترجمہ یہ ہے:

جغرافیائی طور پر ملحقہ واحدوں کی حد بندی ایسے علاقوں کی صورت میں کی جائے جو اس طرح مرتب ہوں کہ :اور جن میں حسب ضرورت علاقہ وارانہ ردو بدل اس صورت میں ہو کہ جن علاقوں مثلاً شمال مغربی اور شمال مشرقی منطقوں مین مسلمان تعداد کے اعتبار سے اکثریت میں ہیں وہاں آزاد ریاستیں بن جائیں جن کے مرتب واحدے خود مختار اور بالا دست ہوں۔ اس ریزولیوشن کی بنا پر صوبہ آسام پاکستان میں داخل ہی نہیں ہوتا کیوں کہ وہاں مسلمان صرف ۳۴ فیصدی ہیں، ہندو مسلمانوں کی بہ نسبت ۱۶ فیصدی زیادہ ہیں، نیز پنجاب کا انبالہ ڈویژن نیز بنگال کے مغربی اضلاع جہاں مسلمان اکثریت میں نہیں ہیں اس تجویز کی رو سے پاکستان سے خارج ہو جائیں گے۔لہذا مسٹر جناح کا یہ مطالبہ کو موجودہ حدود کے ساتھ پورا پنجاب پورا بنگال نیز صوبہ آسام پاکستان کا علاقہ قرار دیا جائے خود لاہور ریزولیوشن کے مخالف ہے۔

مفاہمت کی صورت میں جب کہ ایک دوسرے کے قریب ہونے کی کوشش کی جاتی ہے، مسٹر جناح نے پاکستان کی تشریح ایسی کی جو خود ریزولیوشن کے بھی مخالف ہے اور جس سے قریب ہونے کے بجائے ایک دوسرے سے زیادہ بعید ہو گیا، اس سلسلے میں انصاف کا فیصلہ یہی ہے کہ راجہ فارمولا لاہور ریزولیوشن کے زیادہ قریب ہے۔

بلوچستان، پنجاب، بنگال اور آسام کو بحالتِ موجودہ مسلم علاقہ تسلیم کرلیا جائے، ہمیں یہ یقین رکھنا چاہیے کہ مسلم سلطنت میں ہندو اقلیتوں کے ساتھ اور ہندو سلطنت میں مسلم اقلیتوں کے ساتھ انصاف کیا جائے گا مجھے تو اپنی طرف سے یقین ہے (۶) اور میں ڈھائی کروڑ مسلمانوں کو ہندوؤں کے ہاتھوں میں سونپنے کو تیار ہوں، مسٹر گاندھی نے ہمیں جو پیش کش کی وہ عقل سوز تھی، مجھ سے انھوں نے کہا کہ جہاں مسلمان مکمل اکثریت میں نہ ہوں وہاں رائے عامہ لی جائے (۷) اور جب میں نے پوچھا کہ مکمل اکثریت سے کیا مراد ہے تو انھوں نے کہا کہ جہاں مسلمان ستر فیصدی سے زیادہ ہوں، اس معاملے میں ان کا اور مسٹر راج گوپال اچاریہ کا اختلاف ہے، کیوں کہ مسٹر راج گوپال اچاریہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم مکمل اکثریت کے قانونی معنی تسلیم کریں جس کے معنی انتخابی علاقہ کی آبادی کے ۵۱ فیصدی کے ہیں نہ کہ ووٹ دینے والوں میں سے ۵۱ فیصدی، ایک بچہ بھی جان سکتا ہے کہ کوئی پارٹی ایسے ووٹ حاصل کرنے کی امید نہیں کرسکتی۔ (بمبئی ۷/اکتوبر)

گاندھی جی نے نیوز کرانیکل لندن کے نمایندہ کو بیان دیا کہ:

''مسٹر جناح نے کہا ہے کہ انھیں آزادی میں گہری دلچسپی ہے لیکن مجھے ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اس کو بڑی اہمیت دیتے ہیں وہ تو فوراً پاکستان منوانا چاہتے ہیں، لیکن میرا

---

(۶)۔ یقین اس لیے ہونا چاہیے کہ پاکستان میں غیر مسلم اکثریت اتنی کثیر اور اتنی طاقتور ہوگی کہ مسلمان اگر خلافِ انصاف کرنا بھی چاہے تو اس کے لیے ناممکن ہوگا، کیوں کہ پاکستان میں غیر مسلموں کی مجموعی تعداد تقریباً ۴۵ فیصدی ہوگی اور مسلمانوں کی تعداد ۵۵ فیصدی، ہندو منظم، صاحبِ ثروت، تعلیم یافتہ، اور مسلمان اس کے برعکس، جب کہ ہندو ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کسی صوبہ میں بھی ۱۴ فیصدی سے زیادہ نہ ہوگیا اور وہ بھی منتشر مفلوک الحال، پراگندہ۔ (محمد میاں)

(۷)۔ یہ بات خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ ایسے اضلاع جہاں مسلمان اکثریت میں نہ ہوں، لاہور ریزولیوشن کے بموجب ''پاکستان'' سے خارج ہو جاتے ہیں، مسٹر گاندھی نے اگر ان کو پاکستان میں داخل کرنے کے لیے رائے عامہ کی شرط لگادی تو لاہور ریزولیوشن کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ جو اضلاع لاہور ریزولیوشن کی رو سے پاکستان میں داخل نہیں ہوسکتے تھے، ان کو پاکستان میں داخل کرنے کی صورت پیدا کردی۔

خیال برابر یہ رہا ہے کہ ہم آپس میں اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتے جب تک سامراجی غلبہ سے آزاد نہ ہوں، بہر حال ہم دوستوں کی طرح سے الگ ہوئے ہیں، دن بیکار نہیں گئے مجھے تو مسٹر جناح کے نیک انسان ہونے پر وشواش ہے، میں امید کرتا ہوں کہ ہم پھر ملیں گے، میں تو پرارتھنا کرنے والا آدمی ہوں اور میں یہ پرارتھنا کروں گا (التجا کروں گا) کہ سمجھوتا ہو جائے، اسی اثناء میں عوام کا یہ فرض ہے کہ وہ حالات کو دماغ پر بیٹھائیں اور ہم پر اپنی رائے کا دباؤ ڈالیں گاندھی جی نے کہا کہ ہماری گفتگو کی ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ مسٹر جناح دو قوموں کی تھیوری منوانا چاہتے تھے، اور میں اسے مان نہیں سکا۔

وہ چاہتے ہیں کہ سرحد، سندھ تمام پنجاب، بنگال اور آسام کو بالا دست اور مکمل آزاد پاکستان مان لیا جائے، مسٹر جناح ان علاقوں کے باشندوں کو اُن سے پوچھے بغیر تمام ہندوستان سے الگ کرنا چاہتے ہیں، انھوں نے راجہ جی کا فارمولا بھی نامنظور کر دیا''

جب یہ پوچھا گیا کہ آیندہ سمجھوتا کس بنیاد پر ہو سکتا ہے، تو گاندھی جی نے کہا کہ میں یہ بالکل واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں مسٹر جناح کو مخلص مانتا ہوں لیکن میرے خیال میں وہ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ ہندوستان کی غیر قدرتی تقسیم عوام کے لیے خوش حالی یا بہبودی کا باعث ثابت ہوگی۔ (تیج، مؤرخہ ۴راکتوبر ۱۹۴۴ء)

سید طفیل احمد بنگلوری کا تبصرہ:

بزرگ محترم سید طفیل احمد صاحب مرحوم کا خیال تھا کہ گاندھی جناح ملاقات کی ناکامی سے متاثر ہو کر وایسرائے ہند نے ہندوستان کے سیاسی جمود کا حل کرنے کی ضرورت محسوس فرمائی، مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ اس مقصد کے حصول کے لیے جو پہلی تقریر وایسرائے نے کلکتہ میں دسمبر ۱۹۴۴ء میں کی، اس میں صاف صاف کہہ دیا کہ گاندھی جناح کے باہم سمجھوتا نہ ہونے میں پاکستان کی تجویز آڑے آئی۔ اس کے متعلق آپ نے سیاسی طبیب کی حیثیت سے فرمایا کہ ہندوستان کی خوشحالی کا علاج پاکستانی عملِ جراحی سے نہیں ہو سکتا اور اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ کانگریس کا مجوزہ علاج ''ہندوستان چھوڑ دو'' اور ستیہ گرہ کی گولیاں بھی ہندوستان کے مرض کو دور نہیں کر سکتیں، اس تقریر کا لب لباب یہ تھا کہ نہ تو مسلم لیگ کی پاکستانی تجویز نہ کانگریس کی ستیہ گرہ حصول آزادی کا ذریعہ ہو سکتی ہے بلکہ اس

کے لیے ضرورت ہے کہ ہندوستان برطانیہ پر اعتماد رکھے، اور یہ کہ فرقہ وارانہ انتخاب کا مسئلہ اہم نہیں ہے، لیکن انھوں نے اس موقع پر یہ نہ بتایا کہ فرقہ وارانہ اختلاف کے شور و غوغا ہونے کی اصل وجہ کیا ہے اور وہ کیوں اہم نہیں ہے؟

وایسرائے کی تقریر پر رائے زنی کرتے ہوئے ایک اخبار نے لکھا تھا کہ جُداگانہ انتخاب اصلاحات کی پہلی قسط دیے جانے کے وقت عارضی طور پر رائج کیا گیا تھا، بیس برس کے تجربہ کے بعد معلوم ہوگیا کہ وہ ہندوستان میں جمہوریت کا صحیح اصول رائج نہیں کر سکا، اور بعد کو یہی جداگانہ انتخاب پاکستان کی تجویز کی صورت میں رونما ہوا، جس کو وایسرائے ہند نے ناکام عملِ جراحی نے منسوب کیا ہے۔

بہ ہر حال دسمبر ۱۹۴۴ء کو وایسرائے کی تقریر سے عوام پر یہ ظاہر ہوگیا کہ گاندھی جناح ملاقات کی ناکامی کا اثر لارڈ ویول پر بہت کچھ ہوا ہے اور وہ باہمی سمجھوتے کے خیال کو چھوڑ کر خود کوئی ایسی صورت نکالیں گے جو ہندوستان کا سیاسی جمود دور کر کے سکون اور اطمینان کی حالت پیدا کردے۔ (روح روشن مستقبل: ص ۵۴۔۱۵۳)

بہرحال یہ تو سید صاحب مرحوم کا حسن ظن تھا لیکن ایک خیال یہ بھی تھا، جو بظاہر صحیح تھا کہ ۱۹۴۲ء کی تحریک حریت کے باعث کانگریس نے جو اقتدار ملک میں حاصل کرلیا ہے بالخصوص مسلم قوم پر ور طبقہ کی جو عزت دلوں بیٹھ میں گئی ہے اس کو زائل کرنے کے لیے سیاسی اسٹیج پر ایک کھیل کھیلا جارہا ہے۔ (علماے حق اور............: ص ۴۹۔۲۴۲)

مولانا محمد یوسف انصاری کا انتقال:

۱۲/اکتوبر ۱۹۴۴ء: ۱۲/اکتوبر ۱۹۴۴ء دہلی، قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرۂ العزیز کے نواسے مولانا حافظ محمد یوسف صاحب انصاری ممبر مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند نے آج ۱۲/اکتوبر ۱۹۴۴ء کو بہ وقت ۱۲ بجے دن طویل علالت کے بعد قرول باغ دہلی میں رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون آپ بہ غرض علاج دہلی تشریف لائے ہوئے تھے۔ (ہفت روزہ زمزم، لاہور: ۲۳/اکتوبر ۱۹۴۴ء، ص ۴)

جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا جلسہ:

۸، ۹ ر نومبر ۱۹۴۴ء: حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی سوا دو سالہ اسارت اور نظر بندی کے بعد یہ پہلا اجلاس تھا جس کو حضرت موصوف کی صدارت کا شرف حاصل ہوا، حسب ذیل تجاویز اجلاس میں منظور کی گئیں:

"جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ فلسطین کے متعلق مسٹر روز ویلٹ صدر امریکہ کے اظہار خیال اور مسٹر چرچل وزیر اعظم برطانیہ کے اس بیان کو جو صدر امریکہ کے بیان کے بعد انھوں نے دیا ہے، سخت غم وغصہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔

ان دونوں بیانوں سے مترشح ہوتا ہے کہ صدر امریکہ برطانوی حکومت کے قرطاس ابیض ۱۹۳۹ء میں کیے ہوئے حتمی وعدہ کو بدلنا چاہتے ہیں اور مسٹر چرچل اپنی سیاسی مصالح کی بنا پر صدر امریکہ کو خوش رکھنے کے لیے اپنے حتمی وعدہ سے ہٹ جانے کی آمادگی ظاہر کر رہے ہیں۔

جمعیت علمائے ہند جو اس قرطاس ابیض کو بھی اہل فلسطین کے حق میں ناانصافی سمجھتی تھی اس سے انحراف کو سخت ترین وعدہ خلافی اور اہل فلسطین کے حق میں صریح ظلم سمجھتی ہے اور حکومت برطانیہ کو مطلع کرتی ہے کہ فلسطین میں یہودی آبادی قایم کرنے کا خیال عالم اسلامی کے لیے ایک کھلا چیلنج ہوگا اور تمام دنیا کے مسلمان ان لوگوں کو جو ایسا کرنے یا برطانیہ کو اس کی ترغیب دینے یا بزور اس کو آمادہ کرنے کی کوشش کریں، سخت نفرت وحقارت سے دیکھتے ہیں اور اس حرکت کو تمام مسلمانوں کے ساتھ بغض وعناد پر محمول کرتے ہیں، نیز یہ جلسہ لندن کی اس کمیٹی کو جو یہودیوں کی مقصد برآری اور فلسطین کو وطن الیہود بنانے کے لیے قایم ہوئی ہے، اور یہودیوں کی ان وحشیانہ اور متشددانہ کارروائیوں کو جو فلسطین میں وہ کر رہے ہیں اور ان کا مقصد برطانوی حکومت کو اہل فلسطین کے حقوق غصب کرنے پر مجبور کرنا ہے، سخت نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے، اور تمام مساعی کو انسانیت کے خلاف ایک قبیح اور بدنما دھبہ سمجھتا ہے۔

جمال الدین افغانی کی نعش کی منتقلی:

۲۷ر دسمبر ۱۹۴۵ء: پٹھان بڑے کٹر قسم کے قوم پرست واقع ہوئے ہیں، اگر کسی کو اس دعویٰ میں شک ہے تو اسے اس بڑے مظاہرے پر غور کرنا چاہیے جو ۲۷ر دسمبر ۱۹۴۴ء کو پشاور میں ہوا تھا، تب ایک عظیم پٹھان خلاسفر اور سیاستدان سید جمال الدین افغانی کی میت استنبول سے افغانسان لے جائی جا رہی تھی، تا کہ اسے وہاں دفن کیا جا سکے، پٹھان اپنے افغان بھائیوں کے لیے بڑی گہری محبت اور لگاؤ رکھتے ہیں، جو ان کی نسل سے ہیں اور افغانستان میں آباد ہیں، یہ لوگ نہیں چاہتے کہ افغانستان کی آزادی پر روس یا برطانیہ کی طرف سے حملہ ہو، سرحد کے پٹھان باعمل لوگ ہیں اور تمام امور کو حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھتے ہیں، خاص طور پر ان لوگوں کی نسبت جنھوں نے ہندوستان میں برطانوی تسلط میں رہ کر زیادہ مغربی تعلیم حاصل کر لی ہے، مسلم لیگ کے پروپیگنڈ کے باوجود پٹھان اس کا ادراک رکھتے ہیں کہ ان کی آزادی کا مسئلہ ہندوستان کی آزادی کے بڑے مسئلے سے منسلک ہے، ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بسنے والے ہم مذہبوں کی مانند پٹھان ہندوؤں کے تسلط کے خوف سے کمپلیکس کا شکار نہیں ہوئے، یہ پٹھانوں کی عزت نفس کے منافی ہے ن کے نزدیک نا قابل تصور ہے، کہ وہ ہندوستان کے کسی بھی طبقے نے تحفظ کا خواستگار بنے خواہ وہ عددی اعتبار سے کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو، جب وہ آزادی حاصل کرے گا تو وہ اس کی حفاظت اپنے قوت بازو سے کرے گا۔

اس لیے ہم اپنی آزادی کی جنگ خود لڑیں گے، اس مقصد کے لیے ادھر ادھر نہیں دیکھیں گے، حقیقت میں اس قسم کی ضمانت پر انحصار کرنا حماقت کے مترادف ہے، ہمیں اپنے سیاسی مستقبل کو تشکیل دینے کا حق حاصل ہونا چاہیے، ہمیں پٹھانوں کی آزاد اور خود مختار اکائی ہونا چاہیے، جو برعظیم کی دوسری آزاد اور خود مختار قومیتوں کے ساتھ رضا کارانہ الائنس کرے، مشترکہ مفادات اور وسیع تر خوشحالی کی خاطر اپنی خود مختاری سے کچھ حقوق سرنڈر کرے اور ہمیں اس امر کا حق حاصل ہونا چاہیے کہ جب بھی ہم محسوس کریں تو ہندوستانی فیڈریشن سے علیحدگی اختیار کر سکیں، رضا کارانہ طور پر ہندوستانی فیڈریشن میں شامل ہونے سے ہمیں فائدہ حاصل ہوگا، ہمیں سمندر تک رسائی حاصل ہوگی، ہم وہ تمام فوائد حاصل کریں گے جو

ایک بڑی ہندوستانی ترقی پسند ریاست میں شامل ممبر کو مل سکتے ہیں، مثلاً تعلیم، اعلیٰ مواصلات، صنعت کاری، زراعت، سائنسی ترقی، اپنا موروثی جوہر دکھانے کے مواقع، اچھی خوشحال زندگی اور اس امر کی توقع کہ اپنی پسند کی آزاد اور ترقی پذیر حکومت، پٹھانوں کو دوسروں پر حکمرانی کا شوق نہیں ہے، لیکن وہ اس طرح یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان پر بھی کوئی حکومت نہ جمائے اور نہ ہی کسی طرف سے امتیازی سلوک روا رکھا جائے۔

(پختون قوم اور باچا خان: ص ۲۷۔۱۲۶)

آزاد ہند فوج کی کارگذاری:

دسمبر ۱۹۴۴ء ہندوستانی فوج کا ایک زبردست جتھا برطانوی کمانڈر مائٹ کی سپردگی میں جاپانیوں کی سرکوبی کے لیے کلکتہ سے برما اور سنگاپور کے لیے روانہ ہوا لیکن ان کے مقابلے کی تاب نہ لاکر اپنی فوج کو جاپانیوں کے حوالے کر دیا، اب بابو سوباش چندر بوس سنگاپور پہنچ چکے تھے، اس لیے انھیں جاپان نے بوس بابو کی سپردگی میں دے دیا، تب بوس بابو نے اپنی جادو اثر تقریروں کے ذریعے ان میں غلام زندگی کو آزاد موت پر ترجیح دینے کا مقدس جذبہ پیدا کر کے اس کا نام انڈین آرمی، آزاد ہند فوج رکھ دیا اور اس کی کمان جنرل شاہنواز خاں کے سپرد سونپ کر خود برما چلے گئے، یہاں آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے مزار پر پھولوں کی چادر بچھا کر سرِ نیاز خم کیا اور آزادیٔ وطن کی قسمیں کھائیں، جلد ہی انڈین آرمی اور جاپانی فوجیں منی پور اور امفال پر نیم قابض ہوگئیں ہر طرف ہائے ہائے مچ گئی اب کلکتہ سے اتحادیوں کا ایک لشکر جرار جا پہنچا، گھمسان کی لڑائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ منی پور اور امفال پر اتحادی فوجیں قابض ہوگئیں، اس میں انڈین آرمی کے بہت سے سپاہی کام آگئے، اور بڑی تعداد گرفتار ہوگئی، یہیں سے بابو سوباش چندر بوس مفقود الخبر ہو گئے۔

(مولانا آزاد۔ایک سیاسی ڈائری)

مولانا مدنی کا ایک تاریخی خط:

۱۹۴۴ء حضرت کا یہ خط مولوی اسد اللہ خان کے نام ہے، حضرت کو مکتوب الیہ سے خاص تعلق تھا، ان کے والد حضرت گنگوہی سے رشتۂ بیعت رکھتے تھے اور اس حیثیت سے

حضرت کے خواجہ تاش تھے اور اس تعلق سے مکتوب الیہ حضرت کے لیے مثل برادرزادہ کے تھے، حضرت نے یہ خط نینی جیل الہ آباد سے ۱۹۴۴ء میں تحریر فرمایا تھا۔ اس کے کچھ عرصے کے بعد حضرت رہا ہو گئے، حضرت کا خط یہ ہے:

محترم المقام زید مجدکم: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج شریف، آپ کا اس طرح فوراً تشریف لے جانا اور واپس آجانا بالکل خلافِ توقع واقع ہوا، جس کا وہم وگمان بھی نہ تھا، بہت ہی زیادہ آپ نے تکلیف اٹھائی جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء فی الدارین آمین۔

مرسلہ اشیاء حسب تحریر پہنچ گئیں، سنتروں اور انار کے پہنچانے کا شکریہ کس دل اور زبان سے ادا کروں بجز اس کے کہ بارگاہ الٰہی میں استدعاے فاز المرامی اور اپنی رضوان و رحمات غیر متناہیہ سے نوازنے کی کروں اور کیا مجھ عاجز و نابکار سے ہو سکتا ہے۔

آپ نے نہ صرف ان میوہ جات پر خرچ فرمایا ہے بلکہ آمد ورفت میں بھی بہت زیر بار ہوئے ہیں اس لیے میری استدعا ہے کہ آپ مالی بار اپنے آپ نہ اٹھائیں صرف جسمانی تکلیف فرمائی پر کفایت کریں، جو خرچہ آمد و رفت میں ہوا ہے اور جو مصارف ان میوہ جات پر پڑے ہیں ان کو بلا کم و کاست قاری صاحب کو لکھ کر وصول فرمالیں ان کے پاس میرا حساب ہے اور روپے موجود ہیں، جو چیزیں اور مصارف میری طلب پر ہوں ان کا لینا یقیناً ضروری ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ نے نہایت اخلاص اور ہمدردی سے یہ احساس فرمایا ہے، مگر قاعدہ یہی ہے کہ طلب پر جو خرچ ہو اس کو ضرور وصول کیا جائے، ہمشیرہ محترمہ کے لیے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت اور عافیت کے ساتھ فائز المرام فرمائے، آمین۔

نواز صاحب کے یہاں کے حوادث سے رنج ہوا، ان کو بعد از سلام مسنون تعزیت اور صبر و شکر کی تاکید فرمادیں اللہ تعالیٰ ان کو صبر جزیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین

توکل حسین صاحب کی ملاقات اسپیشل تھی، ان کو معلوم تھا کہ اب باقاعدہ مہینہ میں ایک ملاقات ہو سکتی ہے اور نہ یہاں مجھ سے باقاعدہ دریافت کیا گیا کہ فلاں شخص مجھ سے ملنا چاہتا ہے تو بھی اس کو چاہتا ہے یا نہیں، بوقت ملاقات جب کہ میں نے آفس جیلر سرکل ا کے جیلر سے احتجاج کیا اور کہا کہ آپ نے مجھ سے پوچھا کیوں نہیں، میں اپنے لڑکے اور بھتیجے کو لکھ چکا ہوں وہ آئیں گے تو خالی جائیں گے اور بہت زیر بار ہوں گے تو انھوں نے کہا

یہ اسپیشل ملاقات نہ ہے ہم کوشش کریں گے کہ ان سے بھی ملاقات ہو جائے۔ اس لیے آپ ان کو لکھ دیجیے کہ اگر فرصت ہو تو اسعد اور مولوی فضل الرحمٰن اور مولوی حمید الدین تینوں اور اگر ریحانہ کی صحت اور قوت مساعد ہو تو وہ بھی آجائیں اور دس بجے صبح سے گیارہ بجے تک مین دروازہ پر پہنچ کر ملاقات کی عرضی دیں اور اس میں یہ ظاہر کریں کہ ہم فلاں شخص کے رشتہ دار ہیں، اور ہمارا رشتہ یہ یہ ہے اس لیے حسب قانون ہماری ملاقات ہونی چاہیے، مولوی حمید بھانجے ہونے کے علاوہ دوسرے رشتوں کو بھی ذکر کریں اور یہ عرضی اندرون دروازہ جو کانسٹیبل ہو اس کو دے دیں وہ حسب ضابطہ کارروائی کرے گا میں اس سے کہہ دوں گا اور اگر کوئی افسر یہ کہے کہ اس کی ملاقات تو کل حسین سے ہو چکی ہے تو یہ کہہ دیں کہ وہ تو اسپیشل ملاقات تھی وہ بغیر بلائے قریب سے آئے تھے ہم تو بلائے ہوئے دور دور سے آتے ہیں آپ خود (حسین احمدؒ) سے دریافت کرلیں اور اگر اس پر بھی کوئی چون و چرا کرے تو کہہ دیں کہ آپ آفس جیلر صاحب سے دریافت کرلیں (میں ان سے تذکرہ کر چکا ہوں) اور اگر اس پر بھی چون و چرا ہو تو کہیں کہ اب ہم تو آگئے اور بہت خرچ کر کے آئے ہیں، اب ملاقات اگلے مہینہ کے حساب میں کرا دیجیے، اس مہینے میں کوئی ملاقات مت کرا دیئے گا، ان شاء اللہ ملاقات ہو جائے گی، آپ یہ جملہ تفصیلات مولوی فضل الرحمٰن کو اپنی طرف سے لکھ دیں ان کا پتہ حسب ذیل ہے۔

مولوی فضل الرحمٰن صاحب معرفت شیخ الطاف حسین صاحب ٹھیکیدار جنگلات بمقام کچھی پور ضلع گورکھ پور۔

حضرت والد ماجد اور والدہ ماجدہ اور اہلیہ محترمہ اور دیگر متعلقین کی صحت و عافیت معلوم کر کے بہت خوشی اور اطمینان ہوا، سب حضرات سے سلام مسنون عرض کر دیں، پیداوار مشکیر وغیرہ کی حالت سے بھی افسوس ہوا اللہ تعالیٰ دستگیری فرمائے اور تمام آفاتِ ارضی وسماوی سے محفوظ رکھے آمین، میں بحمد اللہ خیر و عافیت اور اطمینان وسکون سے ہوں کوئی خاص تکلیف اور شکایت نہیں ہے، وللہ الحمد والمنتہ، دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں، واقفین پرسان حال سے سلام مسنون کہہ دیں میں حسب ارشاد دعا کرتا ہوں۔ والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

اسکندر مرزا کی یادداشتیں۔ سرحد کی سیاست پر ایک نظر:

یہ مارچ ۱۹۴۴ء کی بات ہے کہ جب نواب آف بھوپال نے اسکندر مرزا کو اپنے ہاں شیر کے شکار کی دعوت دی، شکار سے واپسی پر اسکندر مرزا نے دہلی میں مختصر قیام کیا، وہاں قیام کے دوران اسکندر مرزا نوابزادہ لیاقت علی خان سے ملنے گئے جوان کے دوست تھے، لیاقت علی خان نے اسکندر مرزا کو بتایا کہ قاید اعظم ان سے فوری ملاقات کے خواہش مند ہیں، قاید، اسکندر مرزا کی والدہ دلشاد بیگم سے واقف تھے اور ان کے درمیان سماجی میل جول بھی رہا تھا۔

قاید اعظم نے اسکندر مرزا سے دریافت کیا کہ کیا وہ مسلمان ہیں؟ انھوں نے جواب دیا ''ہاں! میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے مسلمان ہوں، ہم نے بعد میں اسلام قبول نہیں کیا''۔ پھر قاید اعظم نے دریافت کیا ''کیا تم مجھے ہندوستان کے مسلمانوں کا رہنما تسلیم کرتے ہو؟ اسکندر مرزا نے اثبات میں جواب دیا، قاید اعظم اب مطلب کی بات پر آگئے، انھوں نے بتایا کہ وہ ان علاقوں میں مسلم لیگ کی حکومت بنانے کے لیے کوشاں ہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، لیکن مسلم لیگ کسی بھی صوبہ میں حکومت کے قیام میں کامیاب نہیں ہوئی، بات چیت کے دوران قاید اعظم نے مزید کہا کہ انھیں معتبر ذرایع سے یہ اطلاع ملی ہے کہ وہ (اسکندر مرزا) واحد شخص ہیں جو سرحد میں مسلم لیگ کی حکومت کے قیام میں مدد دے سکتے ہیں اور اگر وہ قاید کو پورے ہندوستان کے مسلمانوں کا رہنما سمجھتے ہیں تو انھیں یہ کام کرنا چاہیے۔

اسکندر مرزا نے قاید کو بتایا کہ وہ محض ایک ڈپٹی کمشنر ہیں، یہ کام گورنر کننگھم کے سوا کوئی اور نہیں کرسکتا، انھوں نے قاید کو وضاحت کے ساتھ بتایا کہ صوبہ سرحد میں تو مسلم لیگ کا وجود ہی نہیں، وہاں مسلم لیگ کی قیادت کا دعویدار سردار اورنگ زیب ایک بدعنوان شخص ہے، مگر قاید نے اصرار کیا کہ اسکندر مرزا مسلم لیگ کے لیے حالات کو موزوں بنانے میں مدد دیں اور صوبہ میں مسلم لیگ کی عدم موجودگی اور سردار اورنگ زیب کی بری شہرت کو نظر انداز کرتے ہوئے ہندوستان کے مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ کریں، اسکندر مرزا نے ایک بار پھر قاید کے سامنے وضاحت کی کوشش کی اگر چہ کننگھم ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا

ہے لیکن وہ ایسا شخص نہیں جو اپنی مرضی کے خلاف کسی اور کی تجویز کو تسلیم کرے۔

اسکندر مرزا قاید اعظم کو قائل نہ کر سکے کہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کو مضبوط بنانے کی کوشش کا کوئی فایدہ نہیں تاہم یہ بات اپنی جگہ درست تھی کہ اسکندر مرزا شاید انگریز حکومت کے ان چند افسروں میں سے تھے جو مسلم لیگ کے معاملات سے گہرا تعلق رکھتے تھے، مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری میاں ضیاء الدین کا بیان ہے کہ ''مرزا ہمیشہ مسلم لیگ کی حمایت اور مدد کرتے رہے، وہ اس مقصد کے لیے اپنے تمام تر سرکاری اختیارات بھی بروئے کار لاتے اور مسلم لیگ کی امداد کے لیے جو کچھ بھی کر سکتے تھے، ضرور کرتے'' لیکن اسکندر مرزا سرحد میں اورنگ زیب خاں کی قیادت کے سخت خلاف تھے، جیسا کہ اورنگ زیب خاں نے خود دعویٰ کیا ہے کہ ۱۹۴۳ء کے موسم بہار میں اسکندر مرزا نے صوبہ میں مسلم لیگ کی حکومت کے قیام کی کوشش اور مسلم لیگ کے ہائی کمان کے اجلاس میں سردار اورنگ زیب خاں کی شدید مخالفت کی، ۱۱ر مارچ ۱۹۴۳ء کو سردار اورنگ زیب نے قاید اعظم کو لکھا ''صوبہ سرحد عجیب و غریب خطہ ہے، یہاں مسلم لیگ کا اپنے فطری دشمنوں کے علاوہ دیگر دشمنوں سے بھی مقابلہ ہے''۔ جو مسلمان سرکاری افسروں کی صورت میں موجود ہیں، یہاں ایسے دھڑے موجود ہیں، جو صوبہ میں مسلم لیگ کی حکومت کے خواب کو شرمندہ تعبیر ہوتے نہیں دیکھ سکتے، ان میں سے ایک دھڑے کا سربراہ میجر اسکندر مرزا اور دوسرے دھڑے کا میجر عبدالرحیم ہے''۔

(۴۳-۳-۱۱ کیو اے پی فائل، ۲۳۹)

جون ۱۹۴۴ء میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عمل نے صوبہ سرحد کا دورہ کیا، تو قاضی عیسیٰ اسکندر مرزا کے ہاں ٹھہرے جب کہ لیاقت علی خان نے میاں ضیاء الدین کے گھر پر قیام کیا، کمیٹی کے باقی ارکان سردار اورنگ زیب کے ہاں مقیم ہوئے، اسکندر مرزا مجلس عمل کے یہاں قیام کے دوران بحث مباحثہ میں بڑی سرگرمی سے شریک ہوئے، شام کے وقت اسکندر مرزا میاں ضیاء الدین کے ہاں جاتے جہاں لیاقت علی مقیم تھے۔ میاں ضیاء الدین کے مطابق ''لیاقت علی خاں (سردار جہانگیر سے نہیں بلکہ) مجھ سے اور اسکندر مرزا سے ان لوگوں کے بارے میں دریافت کرتے جو دن بھر ان سے ملاقات کے لیے آتے، چناں چہ ہم ان لوگوں کے متعلق تمام ضروری معلومات نواب زادہ کو فراہم کیا کرتے تھے'' ایک اور سرکاری افسر جو مسلم لیگ کے معاملات میں گہری دلچسپی لیا کرتے تھے، میجر عبدالرحیم تھے،

لیکن میجر صاحب اسکندر مرزا کے شدید مخالف بلکہ دشمن تھے۔

گورنر سر کننگھم قبل ازیں صوبہ میں مسلم لیگی حکومت کے قیام کے حق میں نہیں تھا۔ ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک کے دوران لارڈ لنلتھ گو نے ایک بار پھر سرحد میں ''مسلمان حکومت'' قایم کرنے کا سوال اٹھایا اور اس سلسلے میں جارج کننگھم سے گفتگو کی، لیکن گورنر کننگھم کا خیال تھا کہ ایسی حکومت کے قیام کے امکانات کچھ زیادہ نہیں لیکن یہ مسئلہ موسم خزاں کے دوران ''زندہ'' رکھا گیا۔

۱۹۴۳ء کے اوائل میں صوبہ سرحد میں کانگریس کی پوزیشن کافی کمزور ہوگئی۔ گورنر کننگھم ان شدید مشکلات سے بچ گیا جو سال گزشتہ میں بھاری گرفتاریوں کے باعث، اگر یہ کی گئی ہوتیں، پیدا ہوسکتی تھیں، کننگھم کے سوانح نگار نورول مچل کا کہنا ہے کہ اس وقت صوبہ میں لوگوں کا جھکاؤ مسلم لیگ کی حکومت کے قیام کی طرف تھا۔

پشاور واپس پہنچنے کے کوئی دو ہفتے بعد اسکندر مرزا کو ایک دوست کے توسط سے قائد اعظم کا ٹیلی فونی پیغام ملا کہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی حکومت کے قیام میں جلدی کی جائے، اسکندر مرزا کے بقول ''میں سخت حواس باختہ ہوا، میں نے اس سلسلے میں ذرا سا کام بھی نہیں کیا، تاہم اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے شامل حال تھی، ان دنوں گورنر سر جارج کننگھم کابل کے دورے پر تھا، جونہی وہ واپس آیا، اس نے مجھے بلا بھیجا، میں گورنر سے ملاقات کے لیے گیا میں کرسی پر بیٹھا بھی نہ تھا کہ گورنر بولا کہ حکومت ہند اس صوبہ میں نئی وزارت کے قیام کے لیے دباؤ ڈال رہی ہے کیوں کہ حکومت ہند یہ دکھانا چاہتی ہے کہ کانگریس واحد نمائندہ جماعت نہیں ہے اور ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک کے باوجود صوبہ میں عوام کی نمائندہ حکومت قایم رہ سکتی ہے''۔

اسکندر مرزا نے مزید لکھا ہے کہ صورت حال بالکل معمول کے مطابق تھی اور وہ دیانت داری سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ وقت بھی بہت مناسب تھا، ''میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میں کسی بھی نوع کے حالات میں گورنر کو اپنی دیانت دارانہ رائے کے سوا کوئی اور مشورہ دینے کا خواب میں بھی تصور نہیں کرسکتا تھا کیوں کہ گورنر کا میرے دل میں بڑا ہی احترام تھا''۔

جب گورنر سے استفسار کیا گیا کہ پھر کسے حکومت بنانے کے لیے کہا جائے تو گورنر

نے خود ہی مسلم لیگ کا نام لیا کیوں کہ مسلم لیگ ہی واحد پارٹی تھی جو سیاسی اکھاڑے میں موجود تھی، چوں کہ سردار اورنگ زیب ہی صوبہ میں مسلم لیگ کا لیڈر تھا لہٰذا اسے ہی اس کام کے لیے چنا گیا، یوں اسکندر مرزا سردار اورنگ زیب کا نام خود پیش کرنے کے کراہت آمیز فرض کی ادائیگی سے بچ گئے۔

اپریل ۱۹۴۳ء میں وایسرائے نے صوبہ سرحد کا دورہ کیا تو صوبہ میں مسلم لیگ کی وزارت کے امکانات پر بھی غور کیا گیا، فیصلہ یہ ہوا کہ اس خیال کی عمومی انداز میں حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے، سردار اورنگ زیب اپریل تک وزارت قایم کرنے کے قابل ہو گئے، اسمبلی کے ارکان دوسری طرف سے ٹوٹ کر ان سے آملے تھے، اپریل کے اواخر اور مئی کے اوائل میں حکومت بنانے کے ضمن میں سردار صاحب بہت زیادہ پرامید تھے، سر جارج کنّاھم نے بعد میں اپنی یادداشتوں میں لکھا ''۱۳ رمئی کو نو بجے صبح سردار اورنگ زیب مجھ سے ملاقات کے لیے آئے، انھوں نے مجھے ایک خط دکھایا جس پر تحریر تھا کہ اسمبلی کے دو سکھ ارکان بھی ان کی حمایت کریں گے، چناں چہ میں نے مصمم ارادہ کرلیا کہ سردار اورنگ زیب کو وزارت بنانے کی دعوت دی جائے، تاہم میں نے اسے شام کو دوبارہ آنے کے لیے کہا تا کہ اس دوران میں بعض آئینی نکات کا مطالعہ کرسکوں۔ وہ شام کے ساتھ بجے دوبارہ آئے، میں نے انھیں رسمی طور پر دعوت دی کہ وہ صوبہ میں وزارت کے قیام میں میری مدد کریں، انھوں نے کہا کہ انھیں کابینہ سازی میں آٹھ دس دن لگیں گے، انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ مجھے روزانہ حالات کی رفتار سے باخبر رکھیں گے، میں نے محسوس کیا کہ گزشتہ ہفتہ عشرہ کے دوران خواتین میں اورنگ زیب کے لیے پسندیدگی کے جذبات پیدا ہو چکے تھے''۔

۲۵ رمئی ۱۹۴۳ء کو صبح آٹھ بجے اورنگ زیب خاں نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ مجریہ ۱۹۳۵ء کے تحت کابینہ بنانے کی کارروائی شروع کی اور ۱۰ بجے اکالی دل اور مسلم لیگ کی مخلوط وزارت نے حلف اٹھالیا، نئی کابینہ میں سردار اورنگ زیب خاں (وزیر اعلیٰ) سردار عبدالرب نشتر (وزیر خزانہ) محمد ثمین جان (وزیر تعلیم) عبدالرحمان خاں (وزیر اطلاعات) اور سردار اجیت سنگھ (وزیر تعمیرات عامہ) شامل تھے۔

صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی وزارت کا قیام، جو برائے نام ہی مخلوط حکومت تھی، آل انڈیا مسلم لیگ کے لیے بڑا ہی سنسنی خیز واقعہ تھا، اس سے کانگریس کو ایک ایسے

صوبہ میں محدود کرنے اور لوگوں کی وفاداریاں مسلم لیگ کے حق میں تبدیلی کرنے کے زبردست امکانات پیدا ہوگئے جو مستقبل میں پاکستان کا ایک نہایت حصہ بننے والا تھا۔ چناں چہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی حکومتی بالادستی اور ایوان اقتدار میں جاگزین ہونے کا ثمر جلد ہی ملنا شروع ہوگیا، حتی کہ اس سے قاید اعظم کو بھی یہ یقین ہوگیا کہ صوبہ سرحد کے مسلمانوں نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا ہے۔

صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی وزارت کے قیام کے متعلق اسکندر مرزا نے پس منظر میں جو کردار ادا کیا، وہ بہت اہم تھا، ان کے اپنے لفظوں میں "مجھے علم نہیں اگر قاید اعظم یہ سمجھتے تھے کہ سرحد میں مسلم لیگ کی وزارت صرف میری وجہ سے ممکن ہوسکی ہے، مجھے یقین ہے کہ قاید اعظم اتنے فراست مند تھے کہ وہ ایسا سوچ نہیں سکتے تھے، سردار اورنگ زیب اب میرے ہاتھ سے نکلا جارہا تھا، اس نے مجھ سے وزارت سازی میں امداد کی درخواست کی تھی، میری نظر سردار عبدالرب نشتر پر تھی، وہ ایک انتہا پسند مسلم تنظیم احرار کے رہنما تھے، احراری مسلم لیگ کے سخت مخالف تھے اور بوجوہ کانگریس کے حلیف تھے، نشتر مسٹر جناح کو پسند نہیں کرتے تھے، انھوں نے گزشتہ سال ہی مسجد مہابت خاں میں ان کے خلاف ایک تند و تیز توہین آمیز تقریر کی تھی، اس وقت میرے ایک دوست مولانا جمال خان مسجد میں موجود تھے۔ نشتر پشاور شہر میں پیدا ہوئے تھے اور میں انھیں بخوبی جانتا تھا۔ میں نے ان سے مسلم لیگ میں شامل ہونے کی اپیل کی اور وہ رضامند ہوگئے، چناں چہ سردار اورنگ زیب نے انھیں بھی کابینہ میں شامل کرلیا۔

مسلم لیگ صوبہ سرحد میں انگریز حکومت کی امداد اور تعاون سے حکومت بنانے میں کامیاب ہوئی، لیگ کی وزارت کا قیام سیاسی جوڑ توڑ کا نتیجہ تھا، سرحد کے عوام کے اس مطالبے سے کہ سرحد کو صوبائی خودمختاری دی جائے مسلم لیگی وزارت کے قیام سے کوئی تعلق نہ تھا۔

جیسا کہ گزشتہ باب میں ذکر کیا جاچکا ہے، مارچ ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگی حکومت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک منظور ہوئی اور ڈاکٹر خان صاحب نے کانگریس کی وزارت تشکیل دی۔ (ہند میں انگریز ریاست: ص ۱۵-۱۱۰)

جمال الدین افغانی کی تدفین کابل:

۲؍جنوری ۱۹۴۵ء: ۲؍جنوری ۱۹۴۵ء پشاور، حضرت سید جمال الدین افغانی کا جسم مبارک جوترکی سے لایا گیا تھا آج کابل میں دفن کردیا گیا، تدفین سرکاری طور پر عمل میں آئی، اس موقع پر افغانستان کے وزراے حکومت اور دوسرے اعلیٰ احکام موجود تھے۔

(زمزم، لاہور: ۷؍جنوری ۱۹۴۵ء)

۴؍جنوری ۱۹۴۵ء قلعہ معلّٰی (دہلی) میں جنرل شاہنواز خاں کے فوجی ساتھیوں نے بلاترددیہ اعتراف کرلیا کہ ہم نے وطن عزیز ہندوستان کے لیے جنگ کی تھی۔

(مولانا آزاد۔ایک سیاسی ڈائری)

مہتمم دارالعلوم دیوبند کا مکتوب گرامی:

۷؍جنوری ۱۹۴۵ء: سیکرٹری انجمن خدام الاولیاء لاہور کے نام:

دارالعلوم دیوبند سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کی اطلاع کے لیے یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ تحریک ستیارتھ پرکاش میں انجمن کو دارالعلوم دیوبند کا کلی تعاون حاصل ہے۔ اس سلسلے میں مہتمم دارالعلوم دیوبند کا حسب ذیل مکتوب موصول ہوا:

برادر عزیز ومکرم السلام علیکم!

مکتوب موصول ہوا، ستیارتھ پرکاش کے معاملے میں درالعلوم ہر مناسب و موزوں تحریک کا حامی ہے، اس سلسلے میں سب سے پہلی چیز یہ ہے، کہ جدوجہد کی بنیاد اتحاد و اتفاق پر ہو اور جماعتیں جذبات سے بالاتر ہوکر جملہ امور کو انجام دیا جائے۔

میں اس سے پہلے تحریک کی حمایت کا اعلان کرچکا ہوں اور اب بھی قانونی کارروائی کی کامیابی کا متمنی ہوں۔

اس مقدمے کے سلسلے میں جو پہلو تحقیق طلب ہوں، آپ ان کو متعین کرکے اطلاع دیجیے، ہر ممکن امداد کی جائے گی، حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ حضرات کو اسلامی مقاصد میں کامیاب فرمائے۔آمین۔

میں آپ سے اور ان تمام اصحاب سے جو دیوبند سے وابستہ ہیں، امید رکھتا ہوں کہ

وہ جدوجہد کی منزل میں اعلیٰ خلوص اور بلند اسلامی کردار کا ثبوت دیں گے۔ کیوں کہ کامیابی کے لیے یہ اولین شرط ہے۔ (محمد طیب عفی عنہ مہتمم دارالعلوم دیوبند)

انجمن دارالعلوم دیوبند سے ہمدردی رکھنے والے حضرات کی خدمت میں ملتمس ہے کہ وہ مہتمم صاحب مدظلہ العالی کے ارشاد گرامی پر عمل پیرا ہو کر تحریک ستیارتھ پرکاش میں انجمن کا ساتھ دیں۔ (جوائنٹ سیکرٹری انجمن خدام الاولیاء)

مجلس منتظمہ جمعیت علمائے آگرہ کا جلسہ:

مورخہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۴۴ء جلسہ منتظمہ جمعیت علما آگرہ بصدارت مولوی محمد اسرائیل صاحب منعقد ہوا۔ اور حسب ذیل قرارداد پاس ہوئیں۔

ستیارتھ پرکاش باب ۱۴ کے متعلق احمد امین صاحب فیضی نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، جو کہ اخبارات میں شائع ہو چکا ہے، وہ ان کے ذاتی خیالات تھے، جمعیت علما آگرہ محمد امین فیضی کے خیالات کو بالکل غلط سمجھتی ہے اور ستیارتھ پرکاش باب چودہ میں جو کچھ پنڈت دیانند نے لکھا ہے وہ نہایت دل آزاد اور امن سوز ہے مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کا فتویٰ اس کے متعلق شائع ہو چکا ہے، وہ بالکل درست ہے، اور ہمیں اس سے بالکل اتفاق ہے، لہٰذا جلسۂ منتظمہ کمیٹی میں محمد امین فیضی سے جواب طلب ہوا، چوں کہ انھوں نے کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دیا اس لیے یہ ضروری سمجھا گیا، کہ ان کو جمعیت علما آگرہ کے عہدہ نظامت سے علیحدہ کر دیا جائے۔ مجید الدین غفرلہٗ

(زمزم۔ لاہور، ۷ر جنوری ۱۹۴۵ء)

۱۲ر جنوری ۱۹۴۵ء: ۱۲ر جنوری ۱۹۴۵ء لاہور، گزٹ میں اعلان کیا گیا ہے کہ گورنر پنجاب نے ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت ایک حکم کے ذریعے ماتم، شادی اور لائنس یافتہ جلوسوں کے علاوہ پنجاب کے ۹۲ شہروں اور قصبوں کے اندر ہر قسم کے پبلک جلسوں اور جلوسوں کی ممانعت کر دی گئی ہے، اسی طرح کا حکم گزشتہ سال بھی جاری کیا گیا تھا، نئے احکام سے پرانے حکم کی میعاد میں مزید ایک سال کی توسیع ہو گئی ہے۔

(زمزم، لاہور، ۱۵ر جنوری ۱۹۱۵ء)

تحریک پاکستان اور برطانوی سفارت خانہ:

۱۶؍جنوری ۱۹۴۵ء: مشہور ہندوستانی صحافی مسٹر چمن لال جو حال ہی میں امریکہ کے دورے سے لوٹے ہیں، سندھ سیکریٹریٹ کراچی کے ریسٹورنٹ میں اپنے دوستوں کی ایک دعوت میں اپنے دورے کے تاثرات بیان فرمائے، اس میں انھوں نے یہ انکشاف بھی فرمایا:

> امریکہ کا برطانوی سفارت خانہ پاکستان کے حق میں انگلینڈ میں پمفلٹ وغیرہ چھپواتا ہے اور اسے ہوائی جہازوں کے ذریعے امریکہ مفت تقسیم کرنے کی خاطر بھیجا جاتا ہے، اس کے علاوہ امریکہ میں ایک مسلم لیگ بھی کھولی گئی ہے، مسٹر احمد اس کے انچارج ہیں برطانوی سفارت کی طرف سے انھیں تنخواہ دی جاتی ہے۔

(ملاپ روزانہ جلد ۲۲ نمبر ۲۵۵۔ ۱۶؍جنوری ۱۹۴۵ء)

۱۹؍جنوری ۱۹۴۵ء دہلی، معلوم ہوا ہے کہ بنگال کے قحط کے متعلق جو تحقیقاتی کمیشن مقرر ہوا تھا، اس نے اپنی رپورٹ گورنمنٹ آف انڈیا کو پیش کردی ہے، کمیشن کے صدر سر جان وڈہیڈ فروری میں واپس انگلستان چلے جائیں گے ۷۵ کروڑ روپے کے چاول خرید کی گڑبڑ پکڑی گئی ہے جس کے سلسلے میں کلکتہ کے مسٹر اصفہانی کو دہلی جواب دہی کے لیے بلایا گیا تھا۔ (زمزم۔ لاہور: ۱۹؍جنوری ۱۹۴۵ء)

تحریک پاکستان اور ہندوستان کی آزادی قاید اعظم کا بیان:

۱۹؍جنوری ۱۹۴۴ء: ۱۴؍جنوری ۱۹۴۵ء احمد آباد، کل احمد آباد میونسپلٹی کی طرف سے قاید اعظم کی خدمت میں ایک سپاس نامہ پیش کیا گیا، قاید اعظم نے ایڈریس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے حصول کا جذبہ ہرگز یہ مطلب نہیں رکھتا کہ غیر مسلموں کے خلاف کوئی اقدام کیا جارہا ہے، پاکستان سارے ہندوستان کی آزادی کے بغیر نہیں ہوسکتا، اس لیے پاکستان کی تحریک آزادی ہند کے لیے بہت بڑی مددگار ثابت ہورہی ہے اگر ہم دوسروں کی امداد سے پاکستان حاصل کریں، یا یہ مقصد دوسرے کی امداد کے بغیر ہی حاصل

ہو، اس تحریک سے براعظم ہندوستان کی آزادی کی تحریک کو پوری تقویت پہنچتی ہے، میں جانتا ہوں کہ ملک کے بہت سے اشخاص اس جذبے سے بالکل ناآشنا ہیں، ہندوستان کی آزادی کے حصول کا سب سے اچھا ذریعے ہے کہ جلدی سے جلدی پاکستان کے متعلق اتفاق کیا جائے ایک دن آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ پاکستان کی مخالفت غیر مسلموں کی نسبت ہمارے حکمرانوں (مسلمانوں؟) کی طرف سے زیادہ کی جائے گی۔

(زمزم۔لاہور: ۱۹؍جنوری ۱۹۴۵ء)

تحریک پاکستان اور آزاد ہند:

۱۶؍جنوری ۱۹۴۵ء: ۱۶؍جنوری ۱۹۴۵ء احمد آباد، مسٹر جناح نے آج ایک پریس کانفرنس میں رائے ظاہر کی کہ اگر مسلم لیگ کے لاہور ریزولیوشن (پاکستان) کے بنیادی اصولوں کو منظور کر لیا جائے، ''انگریز ہندوستان چھوڑ دیں'' کے متعلق ریزولیوشن میں ترمیم کی جائے اور جگت نارائن کے ریزولیوشن کو جو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ۱۹۴۲ء میں پاس کیا تھا، منسوخ کر دیا جائے تو اس کے نتیجے کے طور پر متحدہ محاذ قایم ہو جائے گا اور ملک کی آزادی کا دن قریب تر آ جائے گا۔

مسٹر جناح نے مزید کہا کہ ''ہندوستان چھوڑ دو'' میں کئی ایسے جذبات کا اظہار کیا گیا ہے، جن سے مجھے دلی ہمدردی ہے اور جن کی کئی ہندوستانی حمایت کریں گے لیکن میں ریزولیوشن کے اس حصے کے خلاف ہوں جو مسلم مفاد کے منافی ہے، اس ریزولیوشن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مجوزہ عارضی گورنمنٹ نمایندہ اسمبلی کی اسکیم تیار کرے گی، اور یہ نمایندہ اسمبلی تمام طبقوں کے لیے قابل قبول اسکیم تیار کرے، اور جب تک اس ریزولیوشن میں یہ تجویز درج ہے ہے مسلمان اسے منظور نہیں کر سکتے، مسلمان اس اصول کے بھی خلاف میں کہ مجوزہ آئین فیڈرل نوعیت کا ہو اور فیڈریشن میں شامل ہونے والے صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری حاصل ہو اور بچے کچھے اختیارات مرکزی گورنمنٹ کے ہاتھ میں رہیں، ہندوستان کا مسئلہ اس کی تقسیم ہی سے حل ہو سکتا ہے اس کا کوئی اور حل نکالنے کی کوشش نہ کرو۔

مسٹر جناح نے گاندھی جی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ آپ ۲۵ سال تک اپنی چلاتے

رہے ہیں مجھے دوسال کے لیے موقع دواور میرے پیچھے چلو، اس فقرے کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ ''میرے پیچھے چلو'' کا مطلب یہ نہیں کہ میں سب کا لیڈر یا ڈکیٹیٹر بننا چاہتا ہوں، پاکستان اور ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے پہلی عارضی شرط یہ ہے کہ متحدہ محاذ قایم ہواور اس محاذ میں میں اپنا پارٹ ادا کروں گا اور مشورہ دوں گا، مسئلے کا حل صرف اس سوال کے جواب میں ملتا ہے، کیا آپ اپنی اقلیتوں کو ہمارے سپرد کر سکتے ہیں اور ہم اپنی اقلیتوں کو آپ کے سپرد کرنے کو تیار ہیں اور کیا ہم سب یہ پوزیشن منظور کرنے کو تیار ہیں کہ جہاں آپ کی اکثریت ہے وہاں گورنمنٹ میں آپ کا غلبہ ہوگا اور جہاں ہماری اکثریت ہے وہاں گورنمنٹ میں ہمارا غلبہ ہوگا۔

مسٹر جناح نے اس بات کی تردید کی کہ گاندھی جی نے پھر سے ملاقات کرنے کی کئی کوششیں کی ہیں، یہ بات حقیقی اہمیت نہیں رکھتی کہ آپ مجھ سے ملاقات کرنے کے لیے آتے ہیں یا میں آپ سے ملاقات کے لیے جاتا ہوں، میں گاندھی جی سے ملاقات کرنے کے لیے کسی بھی جگہ جانے کو تیار ہوں، میں غریب تر شخص کے ساتھ ملاقات کرنے کو تیار ہوں، گاندھی جی تو کروڑوں ہندوؤں کے لیڈر ہیں، جب گاندھی جی نے ۱۹۳۸ء میں مجھ سے ملاقات کی تو وہ جو چاہتے تھے حاصل کرتے آئے، اگر میں گاندھی جی سے ملاقات کرنے جاؤں اور کہوں کہ میری شرائط مان لو اور وہ ماننے سے انکار کردیں تو ان پر نکتہ چینی کرنا مناسب نہیں، ہم ہندوستان کی تقسیم کی بنا پر ہندو قوم سے بات چیت کرنے اور سمجھوتا کرنے کو تیار ہیں ورنہ کوئی گفت وشنید کامیاب ہو ہی نہیں سکتی، یہ بات چنداں اہمیت نہیں رکھتی کہ میں گاندھی جی سے ملاقات کرنے جاؤں یا وہ میرے پاس آئیں۔

مسٹر جناح نے مزید کہا کہ جب تک برطانوی غلبہ ختم نہیں ہوگا پاکستان نہیں ہوگا، میں ہندوؤں سے پاکستان حاصل نہیں کرسکتا نہ ہی ہندو مجھ سے اکھنڈ ہندوستان حاصل کرسکتے ہیں اس پر انگریز کا قبضہ ہے اور مسلمان اور ہندو متحدہ محاذ قایم کر کے ہی اپنے مطالبے کو زوردار بنا سکتے ہیں۔ انگریز منظور کر بھی لے تب بھی یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکتا، اگر ہمارے درمیان معاہدہ ہو جائے تو کوئی جھگڑا باقی نہ رہے گا، اس کے بعد یہ ہندوستان اور پاکستان کا کام ہوگا کہ وہ حکمرانوں کو ہر چیز سے دستبردار کرائیں اس وقت ہم اپنی حکومت بنانے میں آزاد اور خودمختار ہوں گے اور انگریز کہتے ہیں کہ وہ بھی یہی بات چاہتے ہیں۔

وائسرائے کی کلکتہ والی تقریر کا ذکر کرتے ہوئے جس میں انھوں نے کہا تھا کہ ہندوستان کا آپریشن نہیں ہوسکتا، مسٹر جناح نے کہا کہ مسلمان وائسرائے کی دلیل کو قبول نہیں کرسکتے جب انگریز متحدہ ہندوستان کا نعرہ بلند کرتے ہیں تو ان کا مقصد وہ نہیں ہوتا جو ہندوؤں کا اکھنڈ ہندوستان سے ہیں۔ انگریزوں کا مقصد اس سے یہ ہوتا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو عارضی طور پر متحد کردیا جائے اور حقیقی اختیارات اپنے پاس رکھے جائیں۔

(زمزم، لاہور: ۱۹ر جنوری ۱۹۴۵ء)

سپرو کمیٹی کا سوال نامہ:

۲۳ر جنوری ۱۹۴۵ء دہلی، دفتر جمعیت علماے ہند کو سپرو مصالحتی کمیٹی کا سوال نامہ موصول ہوگیا ہے۔

جمعیت علماے ہند کی مجلس عاملہ کا جو جلسہ ۳۱ر جنوری و یکم فروری کو دہلی میں ہورہا ہے اس میں یہ سوال نامہ بھی زیر بحث آئے گا، کیوں کہ ہندوستان کے موجودہ دستوری اور آئینی معاملات کے سلسلے میں یہ جلسہ خصوصی طور پر طلب کیا گیا ہے، اس جلسہ میں ارکان مجلس عاملہ کے علاوہ جمعیت مرکزیہ (کونسل) کے بھی چند مشہور اہل الرائے ذمہ دار حضرات کو طلب کیا گیا ہے۔

مولانا محمد اطہر کی رہائی و نظر بندی:

۲۳ر جنوری دہلی، جناب مولانا محمد اطہر صاحب کٹکی رکن جمعیت علماے ہند، صوبہ اڑیسہ کے مشہور قومی کارکن تقریباً ڈھائی سال کی نظر بندی کے بعد ۶ر جنوری کو رہا کردیا گیا لیکن حکم رہائی کے ساتھ ان کو یہ نوٹس بھی دیا گیا ہے کہ وہ چھ ماہ تک اپنے مکان واقع سونگڑہ (اڑیسہ) سے باہر نہیں جاسکتے۔

مجلس عاملہ جمعیت علماے ہند کا جلسہ:

۲۳ر جنوری دہلی، جمعیت علماے ہند کا جو جلسہ ۳۱ر جنوری یکم فروری کو دہلی میں ہورہا ہے اس میں حسب ذیل حضرات کو بھی مدعو کیا گیا ہے۔

۱۔ حافظ محمد ابراہیم صاحب سابق وزیر صوبہ یوپی۔
۲۔ ڈاکٹر شوکت اللہ صاحب انصاری جنرل سیکرٹری آل انڈیا مسلم مجلس۔
۳۔ سید محمد جعفری صاحب دہلی۔

محمد وحید الدین قاسمی
دفتر جمعیت علماے ہند دہلی
(زمزم، لاہور: ۲۷ر جنوری ۱۹۴۵ء)

دارالعلوم دیوبند کے محدث باصفا کی وفات:

۲۳ر جنوری ۱۹۴۵ء راس لاتقیاء فخر المحدثین حضرت مولانا الحاج سید اصغر حسین صاحب نور اللہ مرقدہٗ دیوبندی، المعروف بہ حضرت میاں صاحب کا مورخہ ۸ر جنوری ۱۹۴۵ء یوم دوشنبہ کو راندہیر ضلع سورت میں وصال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لہٰذا جملہ مسلمانوں اور بالخصوص متوسلین و معتقدین و منتسبین اور شاگردوں سے درخواست ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ایصال ثواب کریں۔

(سید اختر حسین خلف اکبر حضرت رحمۃ اللہ علیہ دیوبند)

علمی اور مذہبی حلقوں میں یہ خبر نہایت رنج و غم کے ساتھ سنی گئی ہوگی کہ دیوبند کے مشہور بزرگ فخر علما حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین صاحب حالت سفر میں ۲۲ر محرم ۱۳۶۴ھ کو پیر کے دن سہ پہر کے وقت راندہیر ضلع سورت میں رحلت فرما گئے، میری ہندوستان کے تمام علمی مذہبی حلقوں اور جمعیت علماے ہند کے متوسلین سے درخواست ہے، کہ وہ مرحوم کے لیے ایصال ثواب کریں۔

(محمد حفظ الرحمٰن ناظم اعلیٰ جمعیت علماے ہند)

جمعیت علماے ہلدوانی کا انتخاب:

ہلدوانی ضلع نینی تال ۱۲ر جنوری کو ایک عام جلسہ زیر صدارت مولانا اخلاق حسین صاحب منعقد ہوا، تلاوت قرآن شریف اور قومی نظم کے بعد ناظم جمعیت نے سالانہ روئیداد پڑھ کر سنائی بعد ازاں حسب ذیل عہدیداران منتخب ہوئے۔

صدر، مولانا مفتی اخلاق حسین صاحب فاضل دیوبند، نائبین صدر مولانا حکیم عبد الرشید صاحب و مولانا شمائل خان صاحب، ناظم، مولانا حکیم اللہ صاحب، نائب ناظم، حافظ محمد اسماعیل صاحب، خازن، حاجی صوفی بشیر احمد صاحب، سالار، منشی محمد ابراہیم صاحب، نائبین سالار، جناب بشیر احمد صاحب و ماسٹر عبد الحکیم صاحب، پریڈ کپتان جناب علاؤ الدین صاحب (نائب کپتان)، بابو عبد الوحید صاحب و رحیم بخش صاحب۔

(زمزم، لاہور: ۲۳ر جنوری ۱۹۴۵ء)

یوم آزادی پر جلسے اور جلوس پر پابندی:

۲۴ر جنوری ۱۹۴۵ء: ۲۴ر جنوری ۱۹۴۵ء لاہور، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور نے آج زیر دفعہ ۱۴۴ ضابطہ فوجداری ایک حکم جاری کیا ہے جس میں ۲۶ر جنوری کو ''یوم آزادی'' کانگریسی پروپیگنڈا کے سلسلے میں تمام قسم کے جلسوں، جلوسوں، جھنڈا لہرانے کی رسموں اور پربھات پھیروں جیسے مظاہروں وغیرہ کی ممانعت کی گئی ہے، یہ حکم ۲۴ر جنوری سے ضلع لاہور میں نافذ کیا گیا ہے۔

اسی طرح چیف کمشنر دہلی نے ۲۵، ۲۶، ۲۷ جنوری کو سرکاری اجازت کے بغیر جلسوں اور جلوسوں کی ممانعت کردی ہے، ان کے علاوہ ضلع شیخوپورہ، لائل پور، لدھیانہ، فیروزپور، امرتسر، صوبہ بہار، کراچی، حیدرآباد سندھ، ضلع کٹک میں بھی ممانعت کردی ہے، لیکن کلکتہ کارپوریشن نے اپنے چیف ایگزکٹو آفیسر کو اختیار دیا ہے کہ ۲۶ر جنوری کو سالہائے سابقہ کی طرح یوم آزادی منایا جائے، اس تحریک کا نوٹس ۳۳ ممبروں نے دیا تھا۔ مسلم لیگ اور یورپین گروپ کے ممبروں نے اس کی مخالفت کی، اور تحریک ۲۵ کے مقابلے میں ۳۱ کی آراء سے پاس ہوگئی۔ (زمزم، لاہور، ۲۷ر جنوری ۱۹۴۵ء)

یوم آزادی پر گاندھی جی کا مشورہ:

۲۴ر جنوری ۱۹۴۵ء: ۲۴ر جنوری ۱۹۴۵ء، احمد آباد، گاندھی جی ایک مقامی کارکن کو ایک خط کے دوران میں لکھتے ہیں کہ میں ۲۶ر جنوری کو کسی انتہا پسندانہ پروگرام کا حامی نہیں ہوں، میرے نقطۂ نظر کے مطابق تعمیری پروگرام ہی واحد پروگرام ہے اور اسے اس دن

دوگنے جوش وخروش کے ساتھ عملی جامہ پہنانا چاہیے، حلف نامہ آزادی کے ساتھ جھنڈے کی سلامی ضروری ہے اور ادا کرنا چاہیے، لیکن میں چاہتا ہوں کہ جلسوں اور جلوسوں کا پروگرام منسوخ کردیا جائے، میرے مشورے پر آپ اسی صورت میں عمل کریں اگر یہ آپ کو صحیح معلوم ہو۔ (زمزم، لاہور: ۲۷ر جنوری ۱۹۴۵ء)

لندن میں یوم آزادی:

لندن ۲۶ر جنوری، سوراجیہ پارٹی کے ماتحت آج یوم آزادی کی تقریب منائی گئی، مسز ونٹرنگھم نے کامن ویلتھ پارٹی کی طرف سے تقریر کرتے ہوئے کہا، کہ اس کی پارٹی ہمیشہ ہندوستان کے مطالبہ آزادی کی حمایت کررہی ہے، ڈاکٹر گنگولی نے کہا کہ مسٹر جناح سیاسی بلیک میل سے پاکستان قایم کرنا چاہتے ہیں، ہندوستانی ملاحوں کے لیڈر مسٹر صورت علی نے کہا کہ جب تک پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا آزاد اور سردار ولبھ بھائی پٹیل کو رہا نہیں کیا جاتا، ہندوستان کے سیاسی ڈیڈلاک کا حل نہیں ہوسکتا۔

(زمزم، لاہور۔ ۳۰ر جنوری ۱۹۴۵ء)

ملک میں یوم آزادی کی تقریبات:

۳۰ر جنوری ۱۹۴۵ء: ۲۶ر جنوری ۱۹۴۵ء لاہور، گاندھی جی کی ہدایت کے مطابق لاہور میں یوم آزادی نہایت پرامن طریق سے منایا گیا، ہزاروں کی تعداد میں کانگریسی جھنڈے کارکنوں کی طرف سے شہرت کے مختلف حصوں میں تقسیم کیے گئے۔ بہت سے کالج اور اسکول بند رہے۔

مدراس ۲۶ر جنوری، مدراس میں یوم آزادی منایا گیا، طلبہ نے وسیع پیمانے پر شہر کے مختلف حصوں میں جھنڈے تقسیم کیے۔ بہت سے طلبہ کالجوں سے غیر حاضر رہے۔

لکھنؤ ۲۶ر جنوری، مقامی کانگریسیوں نے کھادی بیچ کر اور قومی جھنڈے فروخت کر کے یوم آزادی منایا، حلف نامہ پڑھا گیا بہت سے مکانوں پر قومی جھنڈے لہرائے گئے اور نئے حلف نامۂ آزادی کی اہمیت بتائی گئی، یونیورسٹی اسٹوڈنٹس کلاسوں سے غیر حاضر رہے۔

۲۶ ر جنوری پونا، شہر کے مختلف حصوں میں یوم آزادی منایا گیا، مختلف جگہوں پر سرکردہ کانگریسیوں نے جھنڈے لہرانے کی رسم ادا کی۔

واردھا ۲۶ ر جنوری، سیوا گرام میں آج یوم آزادی منایا گیا، جھنڈے لہرائے گئے اور سوت کاتا گیا، پولیس کے بھی کافی انتظامات تھے تاکہ گاندھی جی کی ہدایات کے باوجود کوئی اینٹی گورنمنٹ مظاہرہ نہ ہو۔

۲۶ ر جنوری بمبئی، آج شہر کے کئی وارڈوں میں یوم آزادی منایا گیا، ایک پرائیویٹ بلڈنگ کے احاطے میں جھنڈا لہرانے کی رسم ادا کی گئی، سروجنی نائیڈو نے حلف آزادی کی اہمیت پر تقریر کی، مسز نیڈو نے کہا کہ جب تک کانگریس زندہ ہے ہم آزادی کی لڑائی جاری رکھیں گے، جب آزادی حاصل ہوگئی، کانگریس اپنے آپ کو ختم کرلے گی۔

۲۶ ر جنوری الٰہ آباد، ڈاکٹر کاٹجو نے آج صبح بابو پرشوتم داس ٹنڈن پریزیڈنٹ کانگریس اسمبلی کے مکان پر جھنڈا لہرایا۔ بندے ماترم کے ساتھ شروع ہوکر ''جھنڈا اونچا رہے ہمارا'' کے گیت کے ساتھ کارروائی ختم ہوگئی۔

۲۶ ر جنوری احمد آباد، پانچ کانگریسی کارکنوں نے حکام کو یہ نوٹس دیا تھا کہ وہ فلاں مقام پر حلف نامہ آزادی پڑھیں گے۔ ان میں سے چار کو علی الصبح گرفتار کرلیا، پانچواں کارکن موقعے پر نہ پہنچا۔

۲۶ ر جنوری کراچی، آج صبح پولیس نے پانچ کانگریسیوں کو گرفتار کرلیا جب کہ شارع عام پر حلف نامہ آزادی پڑھ رہے تھے گرفتار کرلیا، گرفتار شدہ گان میں دو عورتیں بھی شامل ہیں۔

۲۶ ر جنوری لائل پور، یوم آزادی کے سلسلے میں غلہ منڈی بند رہی، پرائیویٹ مکانات اور دکانوں پر جھنڈے لہرائے گئے، کئی طلبہ اپنی جماعتوں سے غیر حاضر رہے، کانگریس ورکروں نے ۱۸ ہزار کے قریب جھنڈے فروخت کیے۔

۲۶ ر جنوری دہلی، یوم آزادی کے سلسلے میں جھنڈا لہراتے ہوئے کناٹ محل کے نزدیک تین کانگریسی جن میں ایک عورت بھی شامل ہے گرفتار کرلیے گیے، جھنڈے لہرائے اور فروخت کیے گیے، طلبہ اسکول سے غیر حاضر رہے۔ (زمزم، لاہور: ۳۰ ر جنوری ۱۹۴۶ء)

حروں کے خلاف حکومت سندھ کی کارروائی:

۳ر فروری ۱۹۴۵ء: ۳۰ر جنوری ۱۹۴۵ء، کراچی: حروں کو ان کے گڑھ مکھی ونڈ سے نکال باہر کرنے کے لیے حکومت سندھ نے ہنگامی کارروائی کرنے کا اعلان کر دیا ہے، حکومت سندھ نے فیصلہ کیا ہے کہ زمین پر لوگوں کے تمام کو اپنے قبضہ میں لے لے، معلوم ہوا ہے کہ حروں کا یہ گڑھ بہت دشوار اور بنجری زمین میں ہے، جہاں کے زمیندار حکومت کے تئیں اپنے فرائض پورے نہیں کر سکے، اس لیے اس علاقہ کی تمام زمین کو اپنے قبضہ میں لے لیگی، اور پھر زمین کو صرف ان قوموں، قبیلوں یا خاص افراد میں بانٹ دے گی، جو تسلی بخش طور پر حکومت کے وفادار رہنے کا یقین دلائیں، اور امن و امان برقرار رکھنے میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں، معلوم ہوا ہے کہ قبیلہ کو ۵۰۰/ ایکٹر زمین سے زیادہ اراضی نہیں دی جائے گی، زمین لینے والے کو نمبردار سمجھا جائے گا، حکومت نے اس علاقے میں سڑکوں کا جال بچھانے کا بھی فیصلہ کر لیا ہے، اس سلسلے میں ساٹھ لاکھ روپے کی رقم صرف کی جائے گی۔

(زمزم، لاہور: ۳ر فروری ۱۹۴۵ء)

جمعیت علماے ہند کا فارمولا (۱۹۴۵ء):

۳۱ر جنوری تا ۲ر فروری ۱۹۴۵ء جمعیت علماے ہند کی مجلس عاملہ کا اجلاس بصدارت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ صدر جمعیت علماے ہند ۳۱ر جنوری، یکم و ۲ر فروری ۱۹۴۵ء کو دفتر جمعیت علماے ہند دہلی میں منعقد ہوا۔ مجلس عاملہ نے تین دن کی بحث و تمحیص کے بعد ہندوستان کے موجودہ جمود و تعطل کو دور کرنے اور مسلمانان ہند کے آئینی درجہ کو واضح کرنے کے لیے حسب ذیل فیصلہ کیا ہے:

جمعیت علماے ہند کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس اس جمود و تعطل کی حالت کو ملک و قوم کے لیے نہایت مضر اور ملی حیات و ترقی کے لیے مہلک سمجھتا ہے۔ وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ ملک کی تمام معتدبہ جماعتیں اور عام پبلک حصول آزادی کے لیے بے چین و مضطرب ہے اور ہر جماعت اپنی اپنی جگہ اور تمام افراد مختلف خیالات اور فارمولے تجویز کر رہے اور شائع کر رہے ہیں، مجلس عاملہ اپنی رائے اجلاس لاہور منعقدہ ۱۹۴۲ء کی تجویز ۴ میں ظاہر کر چکی ہے۔

آج پھر اس کی تجدید کرتی ہے اور اس کے آخری حصہ کی رفع اجمال کی غرض سے قدرے توضیح کر دینا مناسب سمجھتی ہے۔ یہ بات بدیہی اور مسلمات میں سے ہے کہ ہندوستان آزادی کی نعمت سے اس وقت تک متمتع نہیں ہوسکتا، جب تک ہندوستان کی طرف سے متفقہ مطالبہ اور متحدہ محاذ قایم نہ کیا جائے اور ہندوستانی کسی متفقہ مطالبہ کی تشکیل اور متحدہ محاذ قایم کرنے میں جتنی دیر لگائیں گے اسی قدر غلامی کی مدت طویل ہوتی جائے گی۔ جمعیت علمائے ہند کے نزدیک تمام ہندوستانیوں کے لیے عموماً اور مسلمانوں کے لیے خصوصاً یہ صورت مفید ہے کہ وہ حسب ذیل نکات پر اتفاق کرلیں اور اسی بنیاد پر حکومت برطانیہ کے سامنے متفقہ مطالبہ پیش کردیں۔

الف: ہمارا نصب العین آزادی کامل ہے۔

ب: وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے۔ ان کا مذہب آزاد ہوگا۔ مسلم کلچر اور تہذیب و ثقافت آزاد ہوگی۔ وہ کسی ایسے آئین کو قبول نہ کریں گے۔ جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

ج: ہم ہندوستان میں صوبوں کی کامل خودمختاری اور آزادی کے حامی ہیں۔ غیر مصرحہ اختیارات صوبوں کے ہاتھ ہوں گے اور مرکز کو صرف وہی اختیارات ملیں گے جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالے کریں اور جن کا تعلق تمام صوبوں سے یکساں ہو۔

د: ہمارے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا وفاق ضروری اور مفید ہے مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب و ثقافت کی مالک نو کروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم وکرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو، ایک لمحہ کے لیے بھی گوارا نہ ہوگی یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اصول پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔

تشریح: اگرچہ اس تجویز میں بیان کردہ اصول اور ان کا مقصد واضح ہے کہ جمعیت علمائے مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی اور تہذیبی آزادی کو کسی حال میں چھوڑنے پر آمادہ نہیں وہ بیشک ہندوستان کی وفاقی حکومت اور مرکز پسند کرتی ہے، کیوں کہ اس کے خیال میں مجموعۂ ہندوستان خصوصاً مسلمانوں کے لیے یہ مفید ہے مگر وفاقی حکومت کا قیام اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ صوبوں کے لیے حق خود ارادیت تسلیم کرلیا جائے اور وفاق کی تشکیل اس طرح

ہو کہ مرکز کی غیر مسلم اکثریت مسلمانوں کے مذہبی، سیاسی، تہذیبی حقوق پر اپنی عددی اکثریت کے بل بوتے پر تعدی نہ کرسکے مرکز کی ایسی تشکیل جس میں اکثریت کی تعدی کا خوف نہ رہے باہمی افہام وتفہیم سے مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کسی صورت پر یا ان کے علاوہ کسی اور ایسی تجویز پر جو مسلم وغیر مسلم جماعتوں کے اتفاق سے طے ہو جائے ممکن ہے۔

مثلاً:

ا۔ مرکزی ایوان کے ممبروں کی تعداد کا تناسب یہ ہو، ہندو ۴۵، مسلم ۴۵، دیگر اقلیتیں ۱۰۔

۲۔ مرکزی حکومت میں اگر کسی بل یا تجویز کو مسلم ارکان کی ۲/۳ اکثریت اپنے مذہب یا اپنی سیاسی آزادی یا اپنی تہذیب وثقافت پر مخالفانہ اثر انداز قرار دے تو وہ بل یا تجویز ایوان میں پیش یا پاس نہ ہو سکی گی۔

۳۔ ایک ایسا سپریم کورٹ قایم کیا جائے۔ جس میں مسلم وغیر مسلم ججوں کی تعداد مساوی ہو اور جس کے ججوں کا تقرر مسلم وغیر مسلم صوبوں کی مساوی تعداد کے ارکان کی کمیٹی کرے، یہ سپریم کورٹ مرکز اور صوبوں کے درمیان تنازعات یا صوبوں کے باہمی تنازعات یا ملک کی قوموں کے اختلافات کا آخری فیصلہ کرے گا۔ نیز تجویز نمبر ۲ کے ماتحت اگر کسی بل کے مسلمانوں کے خلاف نہ ہونے میں مرکز کی اکثریت مسلم ارکان کی ۲/۳ اکثریت کے فیصلہ سے اختلاف کرے تو اس کا فیصلہ سپریم کورٹ سے کرایا جائے گا۔

۴۔ یا اور کوئی تجویز جسے فریقین باہمی اتفاق سے طے کریں۔

نوٹ: تشریح کے ماسوا باقی فارمولہ اجلاس لاہور ۱۹۴۲ء میں منظور ہو گیا تھا۔ مجلس عاملہ منعقدہ ۳۱ر جنوری یکم و ۲ر فروری نے اس میں تشریح کا اضافہ کیا۔ پھر جمعیت علماے ہند کے اجلاس عام منعقدہ ۴، ۵، ۶، ۷ر مئی ۱۹۴۵ء میں یہ فارمولا دوبارہ پیش کیا گیا تا کہ اجلاس لاہور کے فارمولے کی تشریح جو مجلس عاملہ نے ۳۱ر جنوری اور یکم فروری ۱۹۴۵ء کے اجلاس میں کی تھی۔ اس کے متعلق اجلاس عام کی رائے حاصل کی جائے۔ چناں چہ بہت کافی بحث و تمحیص کے بعد (جس میں تقریباً ڈیڑھ دن صرف ہو گیا۔ جس کے باعث اجلاس کو مزید ایک دن کی وسعت دینی پڑی)۔ یہ فارمولا منظور ہو گیا۔

محمد میاں عفی عنہ ناظم جمعیت علماے ہند

راجاؤں کی کمیٹی کا جلسہ:

۴؍فروری ۱۹۴۵ء: ۴؍فروری ۱۹۴۵ء بمبئی، راجاؤں کی اسپیشل کمیٹی کا اجلاس جو کہ زیندر منڈل کی اسٹینڈنگ کمیٹی کے اجتماعی طور پر مستعفی ہو جانے کے بعد قایم کی گئی تھی، کل بمبئی میں منعقد ہوا، نواب بھوپال نے صدارت کی، جام نگر آف نوانگر، مہاراجہ گوالیار، مہاراجہ بیکانیر اور مہارانا دھول پور نے شرکت کی، بیان کیا کہ پیدا شدہ تعطل کو حل کرنے کے لیے چند تجاویز پر غور کیا گیا۔ (زمزم، لاہور: ۷؍فروری ۱۹۴۵ء)

ستیارتھ پرکاش، گاندھی جی کا مشورہ:

۶؍فروری ۱۹۴۵ء: ۶؍فروری ۱۹۴۵ء، سورت، گاندھی جی کے سیکرٹری نرہری پارکھ نے اخبار ''گجرات متر'' کو ایک خط لکھا ہے جس میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ گاندھی جی کی یہ راے ہے کہ ترقی پسند آریہ ساجیوں کو ستیارتھ پرکاش میں تبدیلی کے قابل اعتراض جملے حذف کر دینے چاہئیں۔ اس راے کے باوجود گاندھی جی کا خیال ہے کہ سندھ گورنمنٹ کی طرف سے ستیارتھ پرکاش پر عاید کردہ پابندی لوگوں کے مذہبی حقوق میں مداخلت ہے، لہذا یہ پابندیاں مناسب نہیں اس لیے یہ ضروری ہے کہ سندھ گورنمنٹ پابندیاں منسوخ کرے تاکہ ترقی پسند آریہ ساجیوں کی طرف سے اس کتاب میں ضروری تبدیلی کرنے کی راہ میں رکاوٹ نہ ہو۔ (زمزم، لاہور۔ ۱۱؍فروری ۱۹۴۵ء)

صدر جمعیت علماے ہند کا تار بہ نام مہاراجہ الور:

۷؍مارچ ۱۹۴۵ء: ۷؍مارچ ۱۹۴۵ء ریاست الور میں دھولی درب کی مساجد و مزارات کے ساتھ جو نازیبا سلوک ہو رہا ہے، اس پر شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب صدر جمعیت علماے ہند کی جانب سے حسب ذیل تار مہاراجہ الور اور وزیر اعظم کے نام روانہ کیا گیا ہے۔

''دھولی درب کی مسجد اور مزارات میں مسلمانوں کے داخلے کی ممانعت سے نہ صرف مسلمانانِ الور بلکہ برطانوی ہند کے مسلمان بھی سخت بے

چین ہیں۔ مسلمانوں کو مسجد میں داخلے سے روکنا مذہب میں صریح مداخلت ہے۔ اس لیے آپ کی دوراندیشی اور معاملہ فہمی سے اپیل کرتا ہوں کہ جلد جلد اس حکم کو منسوخ کر کے مسلمانوں کو مطمئن فرمائیے"۔ محمد وحیدالدین قاسمی، دفتر جمعیت علمائے ہند، دہلی

(زمزم، لاہور: ۷/مارچ ۱۹۴۵ء)

ستیارتھ پرکاش کی زبان اور اسلوب کے بارے میں مولانا مناظر احسن گیلانی نے گاندھی جی کا ایک جملہ نقل کیا ہے۔

"اتنے کر بہہ فحش لہجے والی کتاب غالباً دنیا میں دوسری نہ ہوگی"۔ (دارالعلوم کے بانی کی کہانی......: دارالعلوم دیوبند (ماہنامہ) بابت ماہ شوال ۱۳۶۰ھ/ص ۲۶۲)

خان بہادر اللہ بخش کا قتل اور مزید دھمکیاں

۷/فروری ۱۹۴۵ء، کراچی، آج سب ڈویژنل آفیسر شکارپور نے سندھ کے سابق وزیراعظم مسٹر اللہ بخش کے قتل کے سلسلے میں خان بہادر کھوڑو، ان کے بھائی محمد نواز اور تین دیگر ملزمان کو سیشن سپرد کر دیا، نیز سماعت کنندہ مجسٹریٹ نے تمام ملزمان کے خلاف سازش اور قتل کے الزام میں فرد جرم عائد کر دی۔

سندھ کے رہنماؤں کو قتل کی دھمکی:

کراچی، ۷/فروری، مسٹر جی۔ ایم سید صدر سندھ پراونشل مسلم لیگ کو ایک تہدید آمیز چھٹی موصول ہوئی ہے جس میں مسٹر سید، مسٹر گذر اور مسٹر اللہ بخش کے بھائی خان بہادر مولا بخش کو قتل کی دھمکی دی ہے، یہ چھٹی سندھی زبان میں لکھی گئی ہے اور برائے تفتیش پولیس کو بھیج دی ہے، اس چھٹی میں لکھا ہے کہ مسٹر، سید! آپ دشمنانِ اسلام کے ہاتھ میں پھنس گئے ہیں اور آپ کے افعال مسلمان جماعت کے لیے نقصان دہ ہیں، میں مسٹر گذر اور خان بہادر مولا بخش کو جنھوں نے خان بہادر کھوڑو کو مسٹر اللہ بخش کے قتل کے سلسلے میں پھنسایا ہے، متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ایسا کرنے سے باز نہ رہے تو ان کی موت بہت قریب ہے۔ (زمزم۔ لاہور: ۱۱/فروری ۱۹۴۵ء)

جنگ عظیم کا خرچ:

۷؍فروری ۱۹۴۵ء: اس جنگ میں اتحادیوں نے آج تک جو خرچ کیا ہے وہ پانچ کھرب ڈالر کے قریب ہے۔ اس رقم میں سے امریکہ تقریباً نصف خرچ کر چکا ہے۔ ۱۹۴۰ء سے روس نے تقریباً ایک کھرب ڈالر خرچ کیا ہے۔ ۱۹۳۹ء سے برطانیہ نے ۹۶؍ارب ڈالر، چار نو آبادیات نے ۱۹؍ارب ۵؍کروڑ، امریکہ برطانیہ دونوں روس سے ۳۳؍ارب ۴۵ کروڑ ڈالر زیادہ خرچ کر چکا ہے، یہ بھی اندازہ لگایا گیا ہے کہ جرمنی کا کل خرچ ایک کھرب ۳۰؍ارب ڈالر ہے۔ جاپانیوں نے آج تک اس جنگ میں کل کتنا خرچ کیا ہے۔ یہ پتا نہیں۔

(زمزم، لاہور: ۷؍فروری ۱۹۴۵ء)

ڈاکٹر اشرف کی مولانا مدنی سے ملاقات:

۱۴؍فروری ۱۹۴۵ء: ۱۴؍فروری ۱۹۴۵ء دیوبند، مشہور کمیونسٹ لیڈر جناب ڈاکٹر کنور محمد اشرف صاحب حضرت صدر محترم (مولانا حسین احمد مدنی) جمعیت علمائے ہند سے ملنے کے لیے تشریف لائے۔

مولانا وحید الدین احمد قاسمی دفتر مرکزی جمعیت علما (دہلی)

(زمزم، لاہور: ۲۳؍فروری ۱۹۴۵ء)

۱۵؍فروری ۱۹۴۵ء دیوبند، آج سہ پہر کی ٹرین سے حضرت مولانا امیر الہند شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رڑکی ضلع سہارن پور تشریف لے گئے۔

(زمزم، لاہور: ۲۳؍فروری ۱۹۴۵ء)

جنگ عظیم میں ہندوستان کی مدد:

۱۷؍فروری ۱۹۴۵ء: چیتھم ہاؤس، لندن میں رائل انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل افیرز کے زیر اہتمام نمائندگان دولتِ مشترکہ (کامن ویلتھ) کی ایک کانفرنس میں انڈیا انسٹی ٹیوٹ کے ایک وفد نے بہ سرکردگی سر ظفر اللہ خان جج فیڈرل کورٹ آف انڈیا شرکت کی، ظفر اللہ خان نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> ہندوستان میں ۱۹۳۸ء سے جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں، وہ زیادہ تر عالمی جنگ سے تعلق رکھتی ہیں، جنگ نے ہندوستان کو اپنی اہمیت کا پورا پورا احساس دلایا ہے، اور اس کی نہایت اہم دفاعی حیثیت کا اثر آسٹریلیا سے لے کر مغربی افریقہ کے ساحلوں تک پہنچ چکا ہے۔

ظفراللہ خان نے ہندوستان کی دفاعی اہمیت کے چند خاص پہلوؤں کی نشان دہی بھی کی، انھوں نے کہا:

۱۔ پرل ہاربر سے قبل جنگ کے ابتدائی ایام ہی سے ہندوستان اس وسیع وعریض رقبے میں سامان پہنچانے کا اڈا بن چکا ہے۔

۲۔ جنگ میں جاپان کی مداخلت نے ہندوستان کی مضبوط پوزیشن کو (جنگی سپلائی کے لحاظ سے) اور بھی قوی اور اہم بنا دیا ہے۔

۳۔ ہندوستان صرف بنیادی پیداوار اور خام مال کی سپلائی کا اہم ذریعہ ثابت نہیں ہوا۔ ''اہم متحدہ'' کے اس حصہ گلوب میں بڑی تیزی سے اپنی بنائی ہوئی مصنوعات اور سامانِ حرب کا بھی اہم اور بنیادی اڈا بن گیا ہے۔

۴۔ اس ضمن میں ہندوستان کی مساعی جمیلہ کا کچھ اندازہ یوں بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ہندوستان جو ''مقروض تھا'' اس نے گزشتہ پانچ سال کے دوران اتنی مالی امداد (بہ طور جنگی قرض) دی ہے کہ اب وہ بہت بڑا قارض بن گیا ہے۔

جہاں تک میدان جنگ میں سپاہ بھجوانے کا تعلق ہے، افرادی قوت کے اعتبار سے بھی ہندوستان امتیازی شان رکھتا ہے،

الف: اس نے بغیر کسی چیز کے رضا کارانہ طور پر ۲۵؍لاکھ فوج میدان جنگ میں بھجوادی ہے، جس میں ایک معقول تعداد ہندوستان افسروں کی بھی ہے، جو مختلف جنگی محاذوں پر نمایاں خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں اور دے رہے ہیں۔

ب: اور اگر ضرورت پڑے تو یہ تعداد بہ آسانی دوگنی بلکہ شاید چار گنی بھی کی جا سکتی ہے۔ (ہفت روزہ لاہور، لاہور: ۱۳؍مئی ۱۹۹۵ء، ص ۷، بہ حوالہ ٹرانسفر آف پاور: ج ۵، ص ۴۸۔۶۴۶)

جنگ عظیم کے ہلاک شدگان اور دیگر:

۱۹ر فروری ۱۹۴۵ء نئی دہلی، آج مرکزی اسمبلی میں ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ موجودہ جنگ میں ہندوستان کی سرحدوں کے اندر اور سرحدوں پر ۱۵۱۸۵۶ر اشخاص ہلاک، زخمی اور قیدی بنائے گئے ہیں، ان میں سے ۱۷۳۶۲ ہلاک، ۴۵۹۱۵ زخمی اور ۳۵۴۳، لاپتہ ہیں، ۵۲۰۹۹۸ جنگی قیدی ہیں، ۲۴۰۳۶ رہا چکے ہیں۔

(زمزم، لاہور: ۲۳ر فروری ۱۹۴۵ء)

لیگ کو اسلامی بنانے کی ایک مبارک تجویز:

۱۹ر فروری ۱۹۴۵ء ہندوستان میں ایک عرصے سے اسلام کو سیاسیات کے لیے اور سیاسیات کو اپنے اغراض کے لیے استعمال کیا جارہا ہے اور جب غرض پوری ہو جاتی ہے تو حامیاں اسلام کا قالب بھی بدل جاتا ہے، اور ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ انھیں اسلام سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا، لیکن ان لوگوں کو آپ کیا کہیں گے جو زبان سے اسلامی تہذیب اور اسلامی اصولوں کی حفاظت کا شور مچاتے ہیں مگر عمل سے ان کی مخالفت کرتے ہیں؟ اردو زبان کی حمایت بھی اور تقریروں میں انگریزی الفاظ کی بھرمار بھی، اسلامی تہذیب کا شور بھی اور یورپی تہذیب معاشرت کا مظاہرہ بھی، زبان پر اسلام اسلام تقریروں میں اسلام کے لیے بے شمار خطروں کا اظہار مسلمانوں کی بقا کے لیے پاکستان کا مطالبہ مگر عمل یہ کہ نماز تک ندارد، نماز اور روزوں کا احترام بھی غائب، حج اور زکوٰۃ سے عملاً بے تعلقی، اس کے باوجود اسلامی تہذیب کی حفاظت ان کا فرض اور اسلامی شعائر کی بقا ان کی زندگی کا نصب العین۔

اسلام زمین و آسمان کے درمیان کوئی معلق چیز نہیں ہے کہ شور مچانے سے اس کی حفاظت ہو جائے گی، وہ تو عملی دنیا کی عملی حقیقت ہے اور باعمل انسان ہی اس کے محافظ ہو سکتے ہیں اور جب تک اس کے پیرو اپنے عمل سے اس کا ثبوت نہ دیں گے، اسلام خود درختوں سے گر کر یا بادلوں سے برس کر اپنی حقیقت کا ثبوت نہیں دے سکتا۔ بدگمانی ہوگی اگر ہم اس سلسلے میں مسلم لیگیوں کا نام لیں، لیکن آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک رکن مولانا عبدالستار صاحب نے لیگ کونسل کے آئندہ اجلاس کے لیے جو تجویز

پیش کی ہے اس سے مسلم لیگیوں کے قول وعمل کا تضاد بالکل آشکارا ہو جاتا ہے، تجویز یہ ہے کہ جب مسلم لیگ اسلامی تہذیب اور اسلامی قومیت کی اساس پر اپنی جداگانہ تنظیم کی دعویدار ہے تو اس جماعت کے ارکان کو سب نے پہلے اسلامی تہذیب کا نمونہ اور اسلامی احکام کا سختی کے ساتھ پابند ہونا چاہیے۔

مولانا موصوف کو یقیناً افسوس ہوتا ہوگا کہ کہاں اسلام اور کہاں لیگ کے ارکان، کہاں اسلامی تہذیب اور کہاں لیگیوں کی مغرب زدگی! انھوں نے بہت اچھا کیا کہ لیگیوں کے دعاوی کو پرکھنے کے لیے ایک کسوٹی مہیا کردی اگر اس تجویز کے بعد بھی لیگیوں کی تہذیب میں فرق نہ آیا تو مولانا محترم کو اس کا افسوس نہ کرنا چاہیے، کیوں کہ اسلامی تہذیب کے شور سے خدانخواستہ ان کا مقصد اسلام نہیں بلکہ سیاست ہے اور سیاست کا مقصد ذاتی مفاد واغراض! (زمزم: لاہور، ۱۹رفروری ۱۹۴۵ء)

مولانا مدنی کی رہائی، آرام کرنے کی ضرورت:

۲۳رفروری ۱۹۴۵ء: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی صدر جمعیت علماے ہند جب سے نینی جیل الہ آباد سے رہا ہوکر تشریف لائے ہیں آپ کی صحت ابھی تک اصلی حالت پر نہیں آئی۔ حضرت اقدس مدظلہ کی منظوری سے یہ اعلان کیا جارہا ہے کہ ہر قمری مہینے کے ابتدائی تین ہفتوں میں حضرت سفر نہ کریں گے۔ صرف آخری ہفتے میں جلسوں کی شرکت فرماسکیں گے۔ جو لوگ حضرت کی شرکت کسی جلسے میں ضروری سمجھیں وہ قمری مہینے کی صرف ۲۲رتاریخ کے بعد کے لیے مدعو کریں۔ محمد حفظ الرحمٰن، ناظم اعلیٰ جمعیت علماے ہند، دہلی۔ (زمزم، لاہور: ۲۳رفروری ۱۹۴۵ء)

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب کے نام:

ایک شائع شدہ مراسلہ کی تردید،

اخبار تیج دہلی مورخہ ۷رفروری ۱۹۴۵ء میں لکھنؤ کے کسی عبدالرحمٰن خان صاحب کی طرف سے ایک مراسلہ شائع ہوا ہے جس میں دیدہ دانستہ غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جمعیت علماے ہند ایک انتخابی جماعت ہے اور مقامی، ضلع، صوبہ،

مرکزی جمعیت علمائے ہند کے عہدیدار بذریعہ انتخاب منتخب ہوتے ہیں، اہل حدیث جماعت کے مقتدر رہنما مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی آج بھی جمعیت علمائے ہند کے نائب صدر ہیں، عبدالرحمٰن خان صاحب نے اہل حدیث طبقے کے اور جن علما کرام کے نام گنائے ہیں۔ ان میں سے ایک دو کو چھوڑ کر باقی سب جمعیت علما میں شریک ہیں، اس سلسلے عبدالرحمٰن خان صاحب سے گذارش ہے، کہ وہ اپنے شکوک وشبہات کو بذریعہ مراسلت رفع فرمالیں، اور اخبارات میں غلط بیانی سے کام نہ لیں، رہا جلسوں میں علمائے کرام کو مدعو کرنے کا معاملہ سو یہ انتظامی معاملہ ہے اور اس کا تعلق مقامی منتظمان جلسہ سے ہے۔

(محمد وحیدالدین قاسمی دفتر جمعیت علمائے ہند، دہلی)

جمعیت علمائے قصبہ اپرہ کا انتخاب:

جمعیت علمائے قصبہ اپرہ ضلع جالندھر کا عام اجلاس ہوا جس میں مولانا محمد انور نے جمعیت علمائے ہند کے اغراض و مقاصد نہایت ہی واضح طور پر سنائے اور فرمایا کہ آج ہندوستان میں صرف جمعیت علمائے ہند ہی مسلمانان ہند کی صحیح رہنمائی کر رہی ہے، اسی کے پروگرام پر چل کر مسلمان منزل مقصود پر پہنچ سکتے ہیں، آخر میں ذیل کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔

صدر چوہدری عبدالرحمان خاں صاحب، ناظم اعلیٰ مولوی محمد انور صاحب، خازن، چوہدری غلام محمد صاحب۔ (زمزم، لاہور)

جمعیت الانصار پٹی کا انتخاب:

مورخہ ۱۱ر فروری ۱۹۴۵ء کو قصبہ پٹی ضلع لاہور میں انصار برادری کا ایک جنرل اجلاس ہوا، جس میں ایک جمعیت قایم کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور اس کا نام جمعیت الانصار پٹی رکھا گیا، جس کے عہدیدار مندرجہ ذیل مقرر ہوئے، صدر، مولوی عبدالعظیم انصاری، نائب صدر، میاں......

جی ایم سید کو لیگ سے نکالنے کا فیصلہ:

۲۵ر فروری ۱۹۴۵ء: کراچی، اطلاع ملی ہے کہ سر غلام حسین ہدایت اللہ وزیر اعظم سندھ نے ٹیلیفون پر مسٹر جناح کے ساتھ تازہ واقعات کے متعلق بات چیت کی، بعد ازاں سر غلام حسین ہدایت اللہ کی طرف سے مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کی ایک میٹنگ بلائی گئی جس میں ۲۸ ممبران میں سے گیارہ نے شمولیت کی، اس اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ مسٹر ایم، ایچ گزدر اور مسٹر جی، ایم سید کو پارٹی میں سے نکال دیا جائے۔

(زمزم، لاہور: ۳ر مارچ ۱۹۴۵ء)

مسلمانان ہند:

زمزم کا ایک فکر انگیز شذرہ:

۲۷ر فروری ۱۹۴۵ء: رائے پور کی ہندو مسلم اتحاد کمیٹی کے صدر ڈاکٹر ایم اے لطیف یزدانی نے، مسلمانوں کو ایک بڑے خطرے سے آگاہ کیا ہے اور مسلم لیگ کے جمود سے ایک عبرت انگریز، نتیجہ نکالا ہے، آپ نے پاکستان اور دو قوموں کے نظریے کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ کہیں متمول اور سرمایہ دار یہودیوں کی طرح مسلمانوں کا حشر نہ ہو جائے، یہودیوں کا گناہ صرف یہ تھا کہ وہ ضرورت کے وقت حبِ وطن کا مظاہرہ نہ کر سکے، مسٹر جناح بھی مسلمانوں سے یہی جرم صادر کرانا چاہتے ہیں!

بلاشبہ مسٹر جناح کی پالیسی مسلمانوں کے حق میں بڑی خطرناک ہے، پاکستان کا مقصد نہ صرف جمود اور بے حسی ہے بلکہ یہ بھی کہ مسلمانوں کے حوصلے ہمیشہ کے لیے پست ہو جائیں، اور ان کی خود اعتمادی اور عزت نفس کی حفاظت کمزور پڑ جائے، حتیٰ کہ عین وقت پر پشت دکھا جائیں اور جنگ آزادی میں کامیابی کا کوئی نقش نہ چھوڑ سکیں!

یہ سب کچھ صحیح ہے لیکن ڈاکٹر یزدانی صاحب کا فرض ہے کہ تصویر کے دوسرے رخ پر نظر ڈالیں اور اس بات کا کھوج لگائیں کہ مسلمانوں کی رجعت کا ذمہ دار کون ہے اور وہ کون سی جماعت ہے جو صدیوں سے مسلمانوں کے اندر علیحدگی کا احساس پیدا کرتی رہی

ہے، مسلمان کا جرم یہ ہے کہ وہ ہندوستان کی اکثریت کے سلوک سے دل برداشتہ ہو گیا ہے، اس نے نہ سوچا کہ یہ دل برداشتگی انتقام نہیں ہے خود اپنا ہی نقصان ہے۔ اس نے دیکھا کہ ہندو نے اس کا اقتصادی بائیکاٹ کر رکھا ہے اس نے محسوس کیا کہ ہندو اس کے سایے سے بھی نفرت کرتا ہے، اسے تجربہ ہوا کہ ہندو کو اس کی زبان، اس کی تہذیب اور اس کے مقومات تک سے اختلاف ہے، اور یہ تمام چیزیں دیکھ کر وہ ہمت ہار بیٹھا اور اس پر آمادہ ہو گیا کہ ہندوستان کو تقسیم کر لے اور اس قوم سے کوئی سروکار نہ رکھے جو صدیوں سے اسے چھوڑ چکی ہے! گو یہ دل برداشتگی، شکست خوردہ ذہنیت اور غیر دانش مندانہ انتقام کا نتیجہ ہے مگر سچ یہ ہے کہ اسی کی ترقی یافتہ صورت کا دوسرا نام خودکشی ہے! لیکن مسلمان بھی کیا کرے؟ وہ یہ تسلیم کرے کہ ہندو مسلمانوں کی قومیت ایک ہے یا یہ دیکھے کہ ہندو کا سلوک مسلمان سے کیا ہے اور عملاً ہندو کس حد تک مسلمانوں کو اپنے قومیت کا جز تصور کرتا ہے؟ ہندو نے مسلمان کو پاکستان پر آمادہ کیا مگر مسلمان نے اس کا مقصد پورا کر کے اپنی حماقت کا ثبوت دیا اور یہ نہ سوچا کہ جو ہندو، ہندوستان کی وحدت کا نعرہ لگاتا ہے، اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ مسلمان بدک کر ہمیشہ کے لیے علیحدہ ہو جائے اور اس کے پاکستان کو مکفول کر کے اس کی رہی سہی زندگی بھی ختم کر ڈالے۔

مسلمان حب وطن کے جذبہ سے سرشار ہے، وہ جہاد آزادی کا شہسوار ہے، اے کاش اسے کوئی صحیح قاید ملے جو اس کی عملی قوتوں کو صحیح راہ پر لگا دے اور اسے سمجھا دے کہ عین وقت پر عذر تراشنا اور پاکستان کی آڑ لینا اس کے اسلامی اور قومی شرف کو زیب نہیں دیا“۔

(زمزم، لاہور: ۲۷ر فروری ۱۹۴۵ء)

آزاد اور نہرو کی رہائی کے لیے خوشامد سے گاندھی جی کا انکار:

۲۷ر فروری ۱۹۴۵ء: خوشامد کی رہائی سے ان کا جیل ہی میں مرجانا بہتر ہوگا۔

ہندوستانی زبان کی اشاعت کانفرنس میں گاندھی جی تقریر۔

۲۷ر فروری وردھا گنج، آل انڈیا ہندوستانی پرچار سبھا کے زیر اہتمام پہلی کانفرنس جو کل گاندھی جی کی زیر صدارت شروع ہوئی تھی آج متفقہ طور پر ریزولیشن پاس کرنے کے بعد ختم ہوئی، پہلا ریزولیشن دیوناگری اور اردو رسم الخط کو پاپولر بنانے کے متعلق ہے اس میں

درج ہے کہ جس شخص کو ان دونوں رسم الخطوں میں سے ایک کی مہارت ہے وہ دوسری بھی سیکھے۔ نیز جو اشخاص ہر دو رسم الخطوط سے بے بہرہ ہیں انھیں ان دو میں سے کم از کم ایک رسم الخط کی مہارت ضرور حاصل کرنی چاہیے تاکہ ہندوستان کے تمام باشندے ہندی اور اردو دونوں قسم کی ہندوستانی زبان کو لکھ اور پڑھ سکیں۔

دوسرے ریزولیشن کے ذریعے گاندھی، ڈاکٹر تاراچند اور علامہ سلیمان ندوی سے درخواست کی گئی کہ ڈکشنری مرتب کرنے اور صحیح قسم کا لٹریچر تیار کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ ۱۵ ممبروں پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی جائے، یہ کمیٹی گاندھی جی کی منظوری حاصل کرنے کے لیے اس کام کے لیے خرچ کا تخمینہ لگانے اور وقتاً فوقتاً گاندھی جی کو اپنے کام کی ترقی سے آگاہ کرے گی، گاندھی جی نے ایک مختصری تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ ہر ہندوستانی کو ہندوستانی زبان کا دیوناگری اور اردو رسم الخط سیکھنا چاہیے، بعض لوگ سستی کی وجہ سے دوسری زبانیں نہیں سیکھتے، اگر کوئی میرے پاس آئے تو میں اُسے نہ صرف ہندوستانی ہی بلکہ دس بارہ دوسری زبانیں پڑھانے کا بھی انتظام کر سکتا ہوں۔

سلسلہ تقریر ختم کرتے ہوئے گاندھی جی نے کہا کہ اگر ہم دو رسم الخطوں کی دقت پر بھی عبور حاصل نہیں کر سکتے، تو ہم زیادہ مسائل کو کس طرح حل کر سکتے ہیں۔ اس تحریک سے ہندوستان میں فرقہ وارانہ یگانگت اور باہمی اتحاد پیدا ہوگا، میں اپنی دقتیں جانتا ہوں لیکن مجھے پوری اُمید ہے کہ آج اپنے ہم وطنوں کی مدد سے ہمیں اس نیک کام میں کامیابی نصیب ہوگی، یہ میری بدقسمتی ہے کہ آج پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام جیسے ساتھی ابھی تک نظر بند ہیں، میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ خوشامد کر کے رہائی حاصل کریں، اس طرح رہائی حاصل کرنے کی نسبت میں جیلوں میں ان کی موت کو ترجیح دوں گا، اگر اس حالت میں وہ جیل میں مر جائیں تو میں کوئی آنسو نہ بہاؤں گا۔ انھوں نے کافی قربانیاں کی ہیں، میں ان کی قربانیوں کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، آخر میں گاندھی جی نے حاضرین سے اپیل کی کہ وہ ہندوستانی پرچار سبھا کے کام کو فروغ دینے کے لیے مالی امداد کریں۔

یہ کانفرنس کل سے شروع ہے اور اس میں شمولیت کے لیے ہندوستان کے دور دراز شہروں سے اردو اور ہندی کے کئی سرکردہ لیڈر تشریف لائے ہوئے ہیں۔

(زمزم، لاہور: ۳؍مارچ ۱۹۴۵ء)

انتخاب نائب امیر شریعت بہار:

۲۹ر فروری ۱۹۴۵ء ۸ر ربیع الاول ۱۳۶۴ھ: پھلواری، کو مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی کو نائب امیر شریعت کے منصب پر مقرر کیا گیا ہے، اس سے پہلے بھی مولانا غیر رسمی طور پر اس منصب کے بعض امور کو سرانجام دیتے رہے تھے۔

(زمزم، لاہور: ۱۵ر اپریل ۱۹۴۵ء)

جمعیت علما کی عظیم الشان کانفرنس سلہٹ:

۳ر مارچ ۱۹۴۵ء: یکم مارچ ۱۹۴۵ء مونگیر، بہار صوبائی جمعیت علما کانفرنس ۳، ۴، ۵ر اپریل کو سہلٹ ضلع بھاگل پور میں منعقد ہو رہی ہے، کانفرنس کی صدارت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب جنرل سیکرٹری جمعیت علمائے ہند فرمائیں گے، بہار اور دیگر صوبجات کے مقتدر علما اور لیڈر شرکت فرمائیں گے جن میں سے حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہٗ کا اسم گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ (زمزم، لاہور: ۳ر مارچ ۱۹۴۵ء)

ایک دل چسپ افواہ، لیاقت ڈیسائی معاہدہ - زمزم لاہور کا ایک شذرہ:

۷ر مارچ ۱۹۴۵ء: آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر اور جنرل سیکرٹری کی طرف سے کئی بار اس افواہ کی تردید کی جا چکی ہے کہ بھولا بھائی ڈیسائی کے ساتھ مفاہمت کے لیے کوئی گفت وشنید نہیں ہوئی نہ کسی شرط پر کوئی سمجھوتا ہوا، اس کے باوجود بعض جرائد وقتاً فوقتاً کانگریس اور لیگ کے درمیان خفیہ مفاہمت ہو جانے کی خبریں شائع کرتے رہتے ہیں، پچھلے دنوں پھر ایک مسلم لیگی روزنامہ نے اپنے نامہ نگار خصوصی کی اطلاع کی بنا پر یہ خبر شائع کی کہ مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان اس شرط پر سمجھوتا ہوا ہے کہ مرکزی حکومت میں دونوں جماعتوں کو فی صد چالیس چالیس نشستیں حاصل ہوں اور باقی بیس ملک کی دوسری اقلیتوں میں تقسیم کر دی جائیں، ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس قسم کی خبروں کی اشاعت سے کس کے مفاد کی تقویت مقصود ہوتی ہے؟ اور اس سعی کا حاصل کیا ہے؟

نواب زادہ لیاقت علی خاں اور قائد اعظم کے صاف بیانات کی موجودگی میں کس

طرح یقین کیا جاسکتا ہے کہ ملک کی ان حریف جماعتوں میں باہم کوئی خفیہ معاہدہ ہوگیا ہے، اوراس کے اعلان واظہار کے لیے کسی وقت معین کا انتظار کیا جارہا ہے۔ قاید اعظم نے تو اپنے بیان میں یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ایسی لغو اور بے بنیاد خبروں کی اشاعت جس قدر کم ہو غیر ذمہ دار اخباروں کے لیے اتنا ہی بہتر ہوگا۔

نواب زادہ لیاقت علی خان کا بیان:

نواب زادہ لیاقت علی خان نے دوران سفر مدراس اسی قسم کی ایک خبر کی اشاعت پر ایک بیان میں واضح کیا تھا کہ ''بھولا بھائی ڈیسائی سے ملاقات ضرور ہوئی تھی لیکن اس میں کسی معاہدے یا سمجھوتے کے متعلق کوئی گفت وشنید نہیں ہوئی۔ لیگ اور کانگریس میں مفاہمت کی خبر کسی نامہ نگار کی ذہنی اختراع ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔

اس بیان کی اشاعت کے چند روز بعد پھر یہ خبر شائع ہوئی کہ مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان سمجھوتا تو ہوچکا ہے لیکن بعض نامعلوم مصالح کی بناپر اس کا اعلان نہیں کیا گیا۔

ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ مسلم لیگی حلقوں کی طرف سے اس کی بھی پرزور تردید کردی گئی اور بظاہر یہ قصہ ختم ہوگیا، لیکن اب پھر یہ کہا جارہا ہے کہ مساوی نمایندگی کی بناپر دونوں جماعتوں نے سمجھوتا کرلیا ہے، اگر اس افواہ کی حقیقت کو سمجھ لیا جائے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ دوسری اقلیتیں جن کے نمایندوں کی غیر حاضری میں یہ سمجھوتا کیا گیا ہے کس طرح اس خفیہ معاہدے کی پابندی ۔۔ لیے رضامند ہوں گی، کیا یہ فیصلہ جو صریحاً یک طرفہ ہے کس طرح پسماندہ اقلیتوں کو مطمئن کرسکے گا؟

کس ساعت مفید کا انتظار ہے؟:

اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ باقی اقلیتیں ان دونوں بڑی جماعتوں کے فیصلے کو تسلیم کرلیں گی تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ حصول اقتدار کی سب سے بڑی شرط بجالانے کے بعد مرکز میں قومی حکومت کا قیام کس مصلحت سے معرض تاخیر میں ڈالا جارہا ہے اور وقت کی اس اہم ترین ضرورت کو کس وجہ سے نظر انداز کیا جارہا ہے، مسلم لیگ اور کانگریس کو حکومت کی ذمہ داریاں قبول کرنے میں یہ تامل کیوں ہے؟ اگر اتحادیوں کے جشن فتح کا انتظار نہیں تو

ظاہر ہے ملک کی صحیح خدمت اور مفاد وطن کی حفاظت کے لیے اس سے بہتر وقت نہیں آئے گا اور یہ حقیقت دونوں بڑی جماعتوں پر اچھی طرح ظاہر ہے۔

ارباب غرض کی قیاس آرائیاں:

بحالاتِ موجودہ ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان خفیہ مفاہمت کی افواہ ارباب غرض کی دلچسپ قیاس آرائی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی اور یہ مفاہمت اسی وقت ہوگی جب قوت مسلطہ طوعاً یا کرہاً انتقال اقتدار واختیار کے لیے آمادہ ہو جائے، برطانیہ کو اس وقت ایسے مقامی اور غیر اہم جھمیلوں میں پڑنے کی فرصت کہاں؟

(زمزم، لاہور: ۷؍مارچ ۱۹۴۵ء)

سرحد میں لیگی حکومت کی زوال۔ بلوچ اور بعد کے حالات پر تبصرہ:

۱۲؍مارچ ۱۹۴۵ء کو مسلم لیگ کی حکومت کے خلاف جس کے قاید اورنگ زیب تھے تحریک عدم اعتماد ۱۸ کے مقابلے میں ۲۴ ووٹوں سے کامیاب ہوگئی، اس طرح مسلم لیگ کی حکومت ختم ہوگئی، کننگھم نے اس شام ڈاکٹر خان صاحب کو بلایا جس نے عبدالغفار خان سے جو اس وقت بھی ہری پور جیل میں تھا مشورہ کے لیے وقت مانگا، ۱۴؍مارچ کو ڈاکٹر خان صاحب کننگھم سے ملے اور بتایا کہ انھوں نے اور عبدالغفار خان نے وزارت بنانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ''وہ چاہتے تھے کہ میں عبدالغفار خان کو فوراً رہا کردوں لیکن میں نے انکار کردیا اور کہا کہ اس وقت تک نہیں جب تک کہ آپ عہدہ سنبھال نہیں لیتے''۔

اس کے بعد ۱۶؍مارچ کو ۱۰ بجے اورنگ زیب اور ان کے رفقاء آئے اور باضابطہ طور پر مستعفی ہوگئے ۱۱ بجے میں نے ڈاکٹر خان بھنجو رام اور عباس خان سے حلف لیا۔ چوتھے وزیر کا ابھی فیصلہ نہیں ہوا تھا، نئی وزارت کے متعلق اہم تبصرہ یہ تھا کہ یہ حکومت کی فتح ہے کیوں کہ کانگریس ۱۹۳۹ء اور ۱۹۴۲ء کو اپنی قراردادوں سے منحرف ہوگئی ہے، یہ صاف طور پر میری پالیسی کی کامیابی تھی جو میں نے ۱۹۴۲ء میں اختیار کی تھی، اب بالکل واضح ہوگیا تھا کہ اگر ہم نے کانگریس کو خلاف قانون قرار دے دیا ہوتا تو ہم بھی دوسرے صوبوں کی طرح مشکلات میں مبتلا ہو جاتے اور اس وقت کانگریس بالکل وزارت تشکیل نہ دیتی،

اب یہ دیکھنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ دوسرے صوبے اور گورنر کیا رائے قایم کرتے ہیں''۔

ان کے نزدیک نئی وزارت ''سمجھ دار اور کام کی تھی'' اور ۱۶ر جون کو انھوں نے اپنے اور ڈاکٹر خان صاحب کے درمیان باہمی اعتماد کا ایک اور واقعہ درج کیا ہے۔

''ڈاکٹر خان صاحب ملنے آئے انھوں نے ۱۹۴۲ء کے سال کے متعلق مجھے بعض دلچسپ باتیں بتائیں، بنگال نے انتہا پسند کانگریسیوں کے گروپ کے ایلچی اور ان کے نمائندے موسم خزاں میں سرحد آئے اور سرخ پوشوں کو پل وغیرہ تباہ کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، خان صاحب نے کہا کہ انھوں نے اس کی اجازت دینے سے بالکل انکار کر دیا، مجھے خان صاحب کی اس بات پر کوئی شبہ نہیں ہے، یہ اس بات کا ایک اور ثبوت ہے کہ ہم نے کانگریس کے تمام رہنماؤں کو گرفتار نہ کر کے کتنی دانش مندی کا مظاہر کیا تھا۔ ڈاکٹر خان صاحب کو پورا یقین تھا کہ کانگریس میں شامل ان ہی انتہا پسند گروہوں نے ہنگامے کرائے ہیں اور کانگریس کی اصل ہائی کمان کا اس میں کوئی ہاتھ نہیں۔

جولائی (۱۹۴۵ء) کے پہلے ہفتہ میں وایسرائے لارڈ ویول شملہ کانفرنس میں ہندوستان کے آئینی مستقبل کے متعلق کانگریس اور مسلم لیگ میں سمجھوتا کرانے کی کوشش کرتے رہے، اس کی ناکامی کی اطلاع کننگھم کو ۱۴ر جولائی کو ملی جس کے بعد یکم اور ۲ر اگست کو دہلی میں گورنر کانفرنس منعقد ہوئی جس کے متعلق انھوں نے لکھا ہے۔

''گورنر کانفرنس میں اس کے سوا کچھ اور طے نہ ہو سکا کہ اس سال سردیوں میں انتخابات کرائے جائیں، میں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ جن صوبوں میں دفعہ ۹۳ نافذ ہے ان میں وزارتیں قایم کرنا انتہائی ضروری ہے تاکہ ویول کی شملہ کانفرنس سے کانگریس کے رویہ میں جو تبدیلی آئی ہے اس سے فائدہ اٹھایا جائے، میرے نزدیک انتخابات اگرچہ ضروری ہیں لیکن ان سے مسئلہ کا کوئی حل نہیں نکلے گا''۔

کننگھم فطری طور پر سرحد کے مستقبل سے دلچسپی رکھتے تھے جس کے متعلق انھوں نے ۱۲ر ستمبر کو لکھا ''دو دن قبل میں نے قبائل کے انتظام اور انصرام کے متعلق خان صاحب سے طویل گفتگو کی، اس کے اہم نکات یہ تھے کہ قبائل کو صوبائی حکومت کے تحت آنا چاہیے اور ہر قبیلہ کے ایک یا دو نمایندے اسمبلی میں ہونے چاہییں اور ان پر ہمیں عام نظم و نسق مسلط

نہیں کرنا چاہیے اور انھیں اپنا سرشتہ جاری رکھنے کی اجازت ہونی چاہیے اور ان تمام پریشانیوں کا بہت بڑا سبب سخت قسم کی انتظامی سرحد ہے، ہمیں ہر قبیلہ کو ملحقہ ضلع سے منسلک کرنا چاہیے اور ایک قبیلہ کی داخلی تنظیم میں کوئی پیچیدگی نہ ہے اور نہ کبھی تھی اور اس کی تحقیقات کے لیے باہر سے کسی ماہر کو بلانے کی کبھی بھی ضرورت نہیں رہی ہے۔ حقیقت میں یہی میرے خیالات بھی تھے"۔ (ہند میں انگریز ریاست: ص ۱۰۱-۹۹)

سر ظفر اللہ کا بیان، کیبنٹ پلان کے بجائے ایک نیا پلان:

۱۵؍ مارچ ۱۹۴۵ء: لندن، سر ظفر اللہ خان نے ایک اخباری نامہ نگار کو بتایا کہ سان فرانسسکو کانفرنس کے لیے مناسب فضا پیدا کرنے کے لیے عنقریب برطانی حکومت ہندوستان کو درجہ نوآبادیات دینے کا اعلان کرے گی، بیان کیا جاتا ہے کہ اس اعلان میں جنگی کیبنٹ کی اُن تجاویز میں ترمیم کی جائے گی، جنھیں سر اسٹیفورڈ کرپس نے پیش کیا تھا، یہ ترمیمیں نو آبادیاتی حکومت کے آئین کے مطابق ہوں گی اور ان کے علاان وہ کوئی کو اور عملی تجاویز پیش نہیں کی جائیں گی۔ اس کے علاوہ یہ بھی تجویز کی گئی ہے کہ درجہ نوآبادیات کے اعلان کے بعد کانگریسی لیڈروں کو رہا کر دیا جائے گا۔

سر ظفر اللہ نے اخبار اسپکٹیٹر کے ایک مضمون میں ہندوستان کے ڈیڈلاک کو حل کرنے کے متعلق رائے ظاہر کی ہے کہ مناسب موقع حاصل ہونے سے پہلے کانگریس کو لازم ہے کہ وہ مسٹر جناح اور برٹش گورنمنٹ کو سیدھے راستے پر لانے کے لیے نیشنل گورنمنٹ قایم کرنے کا مطالبہ عوام کے سامنے پیش کرے، انڈیا آفس میں اس وقت ہندوستان کے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے آٹھ کمیٹیاں کام کر رہی ہیں جو اپنی تجاویز کو عملی صورت میں پیش کریں گی، اس وقت ان کمیٹیوں کی رہنمائی ہیگی کوب لینڈ، ہمپل دوڈ ہڈسن ایسے ماہرین کر رہے ہیں، یہ ماہرین ہندوستان کے متعلق ان برطانی تجاویز کو نوآبادیات کے آئین کے مطابق مرتب کریں گے بشرطیکہ ہندوستان کی سیاسی پارٹیاں کوئی متفقہ آئین پیش نہ کر سکیں۔ (زمزم، لاہور: ۱۹؍ مارچ ۱۹۴۵ء)

جمعیت علماے ہند اور اہل حدیث افراد؟

نادان دوستوں سے ضروری گذراش:

۱۵/ مارچ ۱۹۴۵ء: بعض مجہول الحال افراد جمعیت علماے ہند اور اہل حدیث کے عنوان سے اخبارات میں غلط فہمی اور غلط بیانی کا انتہائی افسوسناک ثبوت دے رہے ہیں، اس سلسلے کی جن صاحب نے ابتدا کی تھی اُن کو جواب دیتے ہوئے عرض کیا گیا تھا کہ اس قسم کی غلط فہمی سے پیدا شدہ شکایات کے لیے جمعیت علماے ہند کے مرکزی دفتر سے معلومات حاصل کر کے اپنی تسلی و تشفی کر لی جائے لیکن افسوس کہ ہمارے مہربان نادان دوستون نے اس طرف توجہ نہیں فرمائی اور خدا جانے کن مصالح کی بنا پر غلط الزامات بے بنیاد اتہامات کا سلسلہ غالباً فرضی ناموں سے جاری کر رکھا ہے۔

اگر عبدالرحمٰن خاں صاحب، عبدالقدیر صاحب و شاید رجل رشید ہوں، اور مجاز اعظمی صاحب دل درد مند رکھتے ہیں اور اسلام و مسلمانوں کی خدمت کا شوق ہے تو وہ اس غلط بیانی اور اتہام تراشی کے راستے کو چھوڑیں اور اپنے اپنے حلقہ اثر میں جمعیت علماے ہند کا کام شروع کر دیں اس سلسلے میں مرکزی دفتر سے ہر ممکن مدد مل سکتی ہے، لیکن اگر وہ اس کی ہمت و جرأت نہیں رکھتے تو دور سے بیٹھ کر بہ راہِ کرم تبرہ بازی نہ فرمائیں، ضلع اعظم گڑھ وغیرہ کے اہل حدیث افراد کا جو طرزِ عمل آزاد خیال علماے کرام کے ساتھ ہے اس کا حال میں اخبارات میں لانا نہیں چاہتا، شائقین حضرات سے میری آخری صرف یہی درخواست ہے کہ وہ براہ راست ازالۂ شکوک کے لیے مرکزی دفتر سے مراسلت فرمالیا کریں لیکن اگر ان کے مصالح اس کی اجازت نہ دیں تو ان کو اختیار ہے۔

جمعیت علما کے تمام عام و خاص جلسوں میں متعلق اہل حدیث علماے کرام کو برابر دعوتِ شرکت دی جاتی ہے اور اس کا ریکارڈ دفتروں میں موجود ہے، علاوہ ازیں جمعیت مرکزیہ میں ہر صوبے مثلاً دہلی اور بالخصوص پنجاب کے ممتاز و مشہور آزاد خیال اہل حدیث علماے کرام شریک ہیں، شائقین حضرات دفتر میں آ کر تصدیق فرما سکتے ہیں۔

مولانا وحید الدین قاسمی۔ دفتر جمعیت علماے ہند، دہلی

(زمزم، لاہور: ۱۵/ مارچ ۱۹۴۵ء)

حضرت شیخ الاسلام کی ایمان افروز تقریر:

۱۶؍مارچ ۱۹۴۵ء لاہور، آج تنظیم اہل سنت کے سلسلے میں پہلا شاندار اجلاس دہلی دروازے کے باہر بعد از نماز جمعہ زیر صدارت حضرت مولانا ظفر الملک علوی شروع ہوا۔ پنڈال نہایت وسیع بنا ہوا تھا۔ حاضرین میں اپ ٹوڈیٹ مسلمانوں کے علاوہ پرانی وضع کے بزرگ بکثرت تھے، مولانا نور الحسن صاحب نے اس جلسہ اور تنظیم اہل سنت کی غرض اور غایت اور شدید ضرورت کے متعلق مختصری تقریر فرمائی ان کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے تبلیغی انداز میں ایک طویل بصیرت افروز تقریر فرمائی دوران تقریر میں نعرۂ تکبیر گونجتے رہے، ضمنی طور پر مولانا نے سیاسی امور کا بھی ذکر کیا، اور کہا کہ کاش پاکستان بنانے والے یہاں اسلامستان بنانے کی فکر کریں، اور اس کنیڈے کے مسلمان پھر پیدا ہوں، جن کی اقلیت ہمیشہ ہر اکثریت پر بھاری رہے۔

(زمزم، لاہور۔ ۱۹؍مارچ ۱۹۴۵ء)

جناح صاحب کا ارشاد:

۱۶؍مارچ ۱۹۴۵ء کو مسٹر جناح نے کوئٹہ کی ایک تقریر میں نیشنلسٹ مسلمانوں کو کانگریس کا زرخرید خیمہ بردار کہتے ہوئے کرچیین نژاد فتویٰ دیا کہ یہ مسلمان ہی نہیں ہے۔

(مولانا آزاد۔ ایک سیاسی ڈائری: ۳۶۳)

سرحد کی خان وزارت، آغازِ کار، سرحد کے سیاسی قیدیوں کی رہائی:

۱۶؍مارچ ۱۹۴۵ء: پشاور، ڈاکٹر خاں صاحب نے وزارت سنبھالتے ہی پہلا کام یہ کیا ہے کہ خان عبد الغفار خاں نیز دیگر آٹھ کانگریسیوں کے جن میں ۴ کانگریسی ممبران بھی شامل ہیں فوراً رہائی کے احکام جاری کردیے ہیں، خان عبد الغفار خاں کو لانے کے لیے گاڑی کا ایک اسپیشل ڈبہ ہری پور بھیجا گیا ہے اور اُمید ہے کہ وہ آج شام پشاور پہنچ چکے ہوں گے، رہا کردہ چار ممبران اسمبلی قاضی عطاء اللہ سابق وزیر تعلیم، مسٹر امیر احمد، مسٹر عبد العزیز اور مسٹر کیول رام ہیں، دیگر چار رہا شدگان میں مسٹر محمد یونس بھی شامل ہیں، ڈاکٹر خان صاحب

اوران کے دوساتھیوں دیوان بھنجو رام اور خاں عباس خاں نے آج حلف وفاداری اُٹھالیا جس کے بعدوہ اپنے دفاتر میں گئے، ڈاکٹر خاں صاحب نے سیکرٹریٹ کا چکر کاٹا اور افسران وکلرکوں کے ساتھ ہاتھ ملائے۔

محکمہ کی تقسیم کے متعلق کل سرکاری اعلان جاری ہو جائے گا، لیکن معلوم ہوا ہے ڈاکٹر خاں صاحب قانون وامن، خوارک اور پولیس کے شعبہ جات کوسنبھالیں گے، دیوان بھنجو رام وزیر فنانس ہوں گے اور خاں عباس خاں وزیر ترقیات ہوں گے، ایک اور اطلاع ہے کہ گیارہ رہائیاں عمل میں لائی گئی ہیں۔

خان عبدالغفار خان نے رہا ہونے سے انکار کردیا:

۱۶ر مارچ ۱۹۴۵ء پشاور، خان عبدالغفار خان کی رہائی کے احکام بھی جاری کر دیے گئے تھے، مگر انھوں نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ جب تک ان کے دوسرے ساتھیوں کو جو سیکیورٹی قیدیوں کی حیثیت سے نظر بند ہیں، رہا نہیں کیا جاتا وہ جیل سے باہر نہیں نکلیں گے، تاہم توقع ہے کہ کل دوسرے سیکورٹی قیدیوں کی رہائی کے احکام جاری ہو جائیں گے، جس کے بعد شام کے وقت خاں عبدالغفار خاں جیل سے باہر آجائیں گے، ان حالات میں سرحد اسمبلی کا اجلاس ۱۷ر مارچ کی بجائے ۱۹ر مارچ پر ملتوی کر دیا گیا ہے، اب اجلاس ۲۹ر مارچ تک جاری رہے گا۔ (زمزم، لاہور، ۱۹ر مارچ ۱۹۴۵ء)

برٹرانڈرسل کا مشورہ، ہندوستان کی آزادی:

۱۹ر مارچ ۱۹۴۵ء: انگلستان کے مشہور فلسفی مسٹر برٹرانڈ رسل نے حکومت برطانیہ سے کہا تھا کہ وہ ہندوستان کی آزادی کے لیے کوئی تاریخ مقرر کر دے مثلاً یہ کہ ہندوستان مارچ ۱۹۴۷ء میں خود بخود آزاد ہو جائے گا، کیمبرج یونیورسٹی کے ایک اجتماع میں آپ نے فرمایا کہ چوں کہ ہندوستان اور برطانیہ کے مابین کوئی تہذیبی اتحاد نہیں ہے، اس لیے ہندوستان کے لیے درجہ نوآبادیات موزوں نہیں ہوگا، اگر ہندوستان کو درجہ نوآبادیات دے بھی دیا گیا تو ہندوستان علیحدگی کے حق کا استعمال کر کے برطانیہ سے جدا ہو جائے گا۔

بلاشبہ برطانی نوآبادیات اور انگلستان میں تہذیبی وحدۃ موجود ہے اس لیے ان کی

سیاست بھی ایک ہے لیکن ہندوستان کا معاملہ بالکل جدا ہے اور اس کی سیاست بھی جدا، یہاں جو صرف کامل آزادی کی فضا ہے اور جو نظام حکومت اس فضا سے ہم آہنگ ہوگا وہی یہاں بار آور ہوسکے گا۔

ہمیں معلوم ہے کہ ہندوستان کامل آزادی کے بعد بھی مغرب کا دست نگر رہے گا مگر یہ دست نگری صرف صنعت و حرفت تک محدود رہے گی، ہندوستان کو صنعتی ملک بننے کی ضرورت ہے اور اس کی پہلی شرط کامل آزادی ہے۔

ہندوستان کی آزادی کے لیے تاریخ مقرر کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ آزادی اور غلامی کے درمیانی عرصہ میں ہندو مسلم معاملہ بہت جلد طے ہو جائے گا۔ ہر پارٹی مجبور ہوگی کہ آزادی کی روشنی میں ہندوستان کا متفقہ دستور وضع کرے اور اس کے لیے ہر ممکن کوشش عمل میں لائے اس وقت یہ نہ ہوگا کہ مسٹر جناح پارلیمنٹری کرسی پر بیٹھے ہوئے بیانات دیتے رہیں اور راجہ جی، گاندھی جناح ملاقات کے لیے تگ و دو کرتے پھریں، بلکہ یہ ہوگا کہ کسی نہ کسی طرح آپس میں سمجھوتا ہو اور ایک جماعت کو دوسری جماعت کا تعاون حاصل ہو جائے، اب یہ برطانیہ کے اختیار میں ہے کہ اس جمود کو باقی رکھے یا جلد سے جلد ختم کر دے''۔

یہ اخبار زمزم کا شذرہ ہے۔ (زمزم، لاہور، ۱۹ / مارچ ۱۹۴۵ء)

۱۶ / مارچ ۱۹۴۵ء: کراچی، معلوم ہوا ہے کہ شیخ عبد المجید نے آج ہدایت اللہ وزارت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک کا نوٹس دیدیا ہے، اس سے پہلے وہ مطالبۂ رز میں تخفیف کا نوٹس بھی دے چکے ہیں۔ (زمزم، لاہور، ۱۹ / مارچ ۱۹۴۵ء)

مسٹر اللہ بخش کا قاتل، پولیس سے لڑتے ہوئے مارا گیا:

۱۶ / مارچ ۱۹۴۵ء: کراچی، آج سندھ اسمبلی میں ہوم منسٹر میر غلام علی خاں تالپور نے یہ اعلان کیا کہ مسٹر اللہ بخش سابق وزیر اعظم سندھ کا قاتل علی صمد شہداد پور کے نزدیک پولیس سے لڑتے ہوئے مارا جا چکا ہے، اس لڑائی میں مزید تین اشخاص بھی مارے گئے۔

سندھ گورنمنٹ کے خلاف عدم اعتماد کا نوٹس:

کراچی، ۱۶ر مارچ، معلوم ہوا ہے کہ شیخ عبدالمجید نے آج ہدایت اللہ وزارت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک کا نوٹس دے دیا ہے، اس سے پہلے وہ مطالبہ زرین تخفیف کا نوٹس بھی دے چکے ہیں۔ (زمزم، لاہور: ۱۹ر مارچ ۱۹۴۵ء)

کھل بلی! مسز وجے لکشمی پنڈت کی کارگزاری:

''مسز وجے لکشمی پنڈت نے امریکن باشندوں کو ہندوستان کی سیاسی صورت حال سے کیا آگاہ کیا کہ امریکہ اور برطانیہ میں کھلبلی پڑ گئی ہے، طاقت، دلیل کا مقابلہ نہیں کر سکتی، دلیل ہر طاقت کا مؤثر جواب ہے اور یہ حقیقت مسز پنڈت کی چند تقریروں سے ظاہر ہو چکی ہے!

اخبار ''ڈیلی میل'' کے نامہ نگار نے بالکل صحیح کہا ہے کہ مسز پنڈت امریکہ اوز برطانیہ کے لیے خطرہ بن چکی ہیں۔ ان کی ہر تقریر کا نتیجہ یہ ہے کہ لندن اور واشنگٹن کی سرکاری ٹیم کو کام کرنا مشکل ہو گیا ہے، اس خطرے کو روکو! اس خطرے سے ہوشیار رہو!

پس طاقت کی اتنی ہمت ہے کہ امریکہ کے سیاسی میدان میں لاکھوں روپیہ خرچ کر کے ہندوستان کے خلاف جو فضا پیدا کی گئی تھی، وہ دلیل اور واقعات کے ایک ہی، چھینٹے سے صاف ہونی شروع ہو گئی اور صرف چند تقریروں سے برطانیہ کی پروپیگنڈا مشین سر پکڑ کر رہ گئی! اگر امریکہ میں بھی طاقت کا بس چلتا تو مسز پنڈت جیل میں ہوتیں اور طاقت کے ایجنٹ کھل کھلا کر ہنستے کہ آخر دلیل کا یہ انجام ہوتا ہے! مگر وہاں مسز موصوفہ کو دلیل سے گفتگو کرنے کا موقع مل گیا اور شور ہونے لگا کہ امریکہ اور برطانیہ کو بچاؤ! اس سے نئے خطرے کا قلع قمع کرو۔ اور نہ امریکہ اور برطانیہ کی ٹیم حرکت نہ کر سکے گی!

بہتر ہے کہ حکومت برطانیہ خود ہندوستان کو اپنی حالت بیان کرنے کا موقع دے اور دلیل کے میدان میں آ کر دلیل کا فیصلہ سنے اور دلیل کے ذریعے خود قائل ہو یا دوسروں کو قائل کر دے''! زمزم اخبار کا ایک شذرہ (زمزم، لاہور: ۱۹ر مارچ ۱۹۴۵ء)

لارڈ ویول کی لندن طلبی:

۲۱؍مارچ ۱۹۴۵ء: نئی دہلی، سرکاری طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ ملک معظم کی گورنمنٹ نے فیلڈ مارشل وسکونٹ ویول وایسرائے اور گورنر جنرل ہند کو لندن آنے کی دعوت دی ہے، انہیں ذاتی مشورے کے لیے بذریعے ہوائی جہاز لندن آنے کے لیے کہا گیا ہے، ملک معظم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہندوستان سے ان کی عدم موجودگی کے دوران رایٹ نرسپل سرجان گو سویل گورنر بمبئی جو پریذیڈنسی گورنروں میں سب سے سینئر پریوی کونسلر ہیں، گورنر جنرل اور وایسرائے کے فرایض سرانجام دیں گے، اور ہرسری فالیاس بمبئی کے گورنر ہوں گے، وایسرائے بذریعے ہوائی جہاز لندن روانہ ہو گئے ہیں۔

سرکاری طور پر یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ گذشتہ ستمبر میں جب وایسرائے نے اپنے عہدے کا پہلا سال ختم کیا کیا تھا، انھوں نے کہا تھا کہ سال کے اختتام پر وہ انگلستان جا کر ذاتی طور پر ہندوستان کے حالات کے متعلق ملک معظم کی گورنمنٹ کو رپورٹ پیش کریں گے، گورنمنٹ نے وایسرائے کی اس تجویز کو منظور کرلیا اور انھیں مطلع کیا کہ یہ بات چیت ۱۹۴۵ء کے موسم خزان میں موزوں رہے گی، چناں چہ اس تجویز کے مطابق اب وایسرائے اور ملک عظیم کی گورنمنٹ کے درمیان بات چیت کا انتظام کیا گیا ہے، بات چیت کا دایرہ بہت وسیع ہوگا اور وہ اس میں جرمنی کی شکست کے بعد جاپان کے خلاف ہندوستان کو بطور اڈے کے استعمال کرنے کا سوال بھی زیر بحث آئے گا۔

(زمزم، لاہور: ۲۷؍مارچ ۱۹۴۵ء)

حضرت شیخ الاسلام کا ایک اہم خط:

۲۱؍مارچ ۱۹۴۵ء: حضرت کا یہ مکتوب گرامی محمد حنیف صاحب لاوڈ ضلع میرٹھ کے نام ہے، مکتوب کے ساتھ سوالات درج نہیں لیکن جوابات سے سوالات کا اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے، حضرت فرماتے ہیں:

محترم المقام زید مجدکم　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ مزاج شریف!

میرے محترم! آپ کی جوانی کا زمانہ ہے اس عمر میں تھوڑی سی محنت بھی وہ کچھ ثمرات

اور نتائج پیدا کرتی ہے جو کہ بوڑھاپے میں بڑی بڑی جانفشانیوں سے بھی نہیں پیدا ہوتے، اس لیے اس وقت کو غنیمت سمجھ کر ذکر وفکر میں جہاں تک ممکن ہو مردانہ وار اس کو خرچ کرنا چاہیے، کسل اور تن پروری سے حتی الوسع گریز رکھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیے، وہ کریم کارساز کسی کے عمل کو ضایع نہیں کرتا، اتباع شریعت میں پوری جدوجہد جاری رکھنی چاہیے۔

خواب میں جو کچھ دیکھا ہے اس سے مقصود رائج مولود نہیں ہے جس کو شرعاً ناپسندیدہ کہا جاتا ہے اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وغیرہ کہاں معلوم ہوتی ہے، بلکہ اس سے مقصود اُن کتابوں کا مطالعہ کرنا اور ان کی مندرج شدہ باتوں کی اشاعت ہے جن سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح صحیح احوال معلوم ہوتے ہیں اور قلب میں طمانیت اور محبت پیدا ہوتی ہے، اس کی جہاں تک ممکن ہو تبلیغ بھی کیجیے تاکہ لوگوں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا شوق پیدا ہو۔

جوابات: ۱۔ دار الحرب کا رہنے والا مسلمان حربی محارب کافر سے دار الحرب میں سود لے سکتا ہے۔

۲۔ افغانستان کے لوگ بھی محارب حربی کافر سے یہاں سود لے سکتے ہیں۔

۳۔ ہندوستان کا مسلمان امریکہ، انگلینڈ میں سود پر روپیہ قرض دے سکتا ہے۔

۴۔ زمین دار اگر مسلمان کاشت کاروں سے سود لے گا تو گنہ گار ہوگا کیوں کہ وہ کافر اور محارب حربی نہیں ہے جس کی اجازت تھی، والسلام

(ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۶ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ)

کریس اسکیم ابھی تک قایم ہے۔

۲۴ر مارچ ۱۹۴۵ء: لندن، مسٹر ایمری وزیر ہند نے آج ایک پریس کانفرنس میں لارڈ ویول کے دورہ انگلستان کے متعلق کہا کہ ہندوستان کے کانسٹی ٹیوشن اور پولیٹیکل مستقبل کے متعلق معاملہ زیر بحث آئے گا، آپ نے مزید کہا کہ ہز میجسٹی گورنمنٹ کا اعلان جو مارچ ۱۹۴۵ء میں کریس اسکیم کے نام سے کیا گیا تھا وہ ابھی تک قایم ہے۔

آپ نے مزید کہا کہ ہز میجسٹی کی گورنمنٹ اور وایسرائے دونوں کو افسوس ہے کہ

ہندوستان کی دو بڑی پارٹیوں میں ابھی تک سمجھوتا نہیں ہوسکا، اور وہ اس کے خاتمہ کے خواہشمند ہیں، آخر میں آپ نے کہا کہ سرتیج بہادر سپرد کی کمیٹی کے کاموں کو ہم نہایت ہمدردی سے دیکھتے ہیں، اور اس کے نتیجے کے متعلق بھی جائزہ لے رہے ہیں۔ ان اٹھارہ مہینوں میں بہت کچھ ہو چکا ہے، اور لارڈ ویول اس دوران میں ہندوستان میں رہے ہیں، تو یہ میری کیبنٹ میں میرے ساتھیوں کے لیے تمام صورت حالت کے متعلق ذاتی طور پر اس وقت وائسرائے سے بات چیت کرنا اچھا ہوگا، اور میرے متعلق یہ کہنا غلط ہوگا کہ وائسرائے کے دورے کے سلسلے میں کسی تصفیہ کی حوصلہ افزائی نہ کردں۔

(زمزم، لاہور، ۲۷؍ مارچ ۱۹۴۵ء)

سہارن پور میں جلسۂ جمعیت:

۲۳؍ مارچ ۱۹۴۵ء: سہارن پور، آج بعد نماز جمعہ جامع مسجد سہارن پور میں زیر صدارت حضرت مولانا فخر الحسن صاحب دامت برکاتہم عظیم الشان جلسہ ہوا، تلاوت قرآن کریم اور ایک مؤثر قومی نظم کے بعد جناب مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیت علمائے صوبہ نے انتخاب امیر کی ضرورت پر نہایت اہم تقریر فرمائی، مولانا منظور النبی صاحب نے ضروریات اجلاس بیان کیں، آخر میں جناب صدر نے نہایت جوشیلی تقریر فرماتے ہوئے اجلاس کو کامیاب بنانے کی پُر زور اپیل کی۔ خادم ملت محمد اسحاق سنبھلی، آفس سکریٹری۔

(زمزم، لاہور: ۳۰؍ مارچ ۱۹۴۵ء)

جمعیت علمائے ہند کا وفد اور ریاست دھار:

۳۰؍ مارچ ۱۹۴۵ء: جمعیت علمائے ہند سے درخواست کی گئی تھی کہ مسلمانوں کی شکایات کی جانچ کرنے کے لیے جو وفد دھار آرہا ہے اس کا پروگرام دس روز کا ہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔

اس کے جواب میں حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ جمعیت علمائے کا وفد تین روز سے زیادہ دھار میں قیام نہیں کر سکے گا، اتنے ہی وقت میں حالات کی تکمیل کرادی جانا چاہیے۔ لہٰذا مسلمانان باشندہ ریاست دھار کو مطلع کیا جاتا ہے

کہ اراکین وفد کا قیام شہر دھارا ہی میں رہے گا۔ پرگنات اور دیہات کے مسلمانوں کو دھار آکر ہی ملاقات کرنی چاہیے، وفد کی آمد کی اطلاع بروقت کردی جائے گی۔

(زمزم، لاہور: ۳۰ر مارچ ۱۹۴۵ء)

جمعیت علماے ہند کے اجلاس کی شاندار تیاریاں

مولانا بشیر احمد صاحب میرٹھی کی تقریر:

۲۴ر مارچ ۱۹۴۵ء: سہارن پور، آج رات ساڑھے دس بجے چوک فوارہ میں جلسہ استقبالیہ کے اہتمام سے زیر صدارت مولانا منظور النبی صاحب عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں مولانا بشیر احمد صاحب رکن مجلس عاملہ مرکزیہ جمعیت علماے ہند نے ہنگامہ خیز اور معرکۃ الآرا تقریر فرماتے ہوئے جمعیت علماے ہند کے مقاصد و خدمات بیان کیں اور جمعیت علما کے اجلاس کو کامیاب بنانے کی پُرزور اپیل کی۔

مولانا وحید الدین قاسمی سہارن پور میں:

سہارن پور ۲ر مارچ، جناب مولانا وحید الدین احمد قاسمی صدر دفتر مرکزیہ جمعیت علماے ہند دہلی سے تشریف لائے ہیں اور استقبالیہ کے کام اور دفتر وغیرہ معائنہ فرمارہے ہیں۔

(محمد اسحاق سنبھلی آفس سکریٹری)

سہارن پور میں محلہ وار جلسے:

۲۶ر مارچ سہارن پور، جمعیت علماے ہند کے اجلاس کو کامیاب بنانے کے لیے محلہ وار جلسے شروع ہوگئے ہیں، اور محلوں کی طرف سے بہت زیادہ دعوتیں آرہی ہیں، رات محلہ بنجاران میں مولانا حکیم محمود علی صاحب کی صدارت میں عظیم الشان جلسہ ہوا، جس میں مولانا وحید الدین احمد قاسمی نے پرجوش تقریر فرمائی آخر میں مولانا منظور النبی صاحب نے پرمغز تقریر فرمائے ہوئے حاضرین سے جمعیت علما کو کامیاب بنانے کی اپیل کی۔

پنڈال کا نقشہ:

۲۷ مارچ سہارن پور، جمعیت علماے ہند کے اجلاس عاملہ کے لیے شاندار پنڈال کا نقشہ ایک تجربہ کار انجینئر صاحب نے تیار کیا ہے۔ اسی کے مطابق، تعمیر شروع کر دی ہے، ٹھیکدار عبد السبحان صاحب نظامی کی نگرانی میں پنڈال اور کیمپ کے انتظامات ہو رہے ہیں۔

رضا کار خدمات:

شیخ محمد ابراہیم صاحب میونسپل کمشنر سالار مجلس استقبالیہ کے مکان پر ایک میٹنگ ہوئی، جس میں جناب سالار اور حافظ بشیر احمد صاحب نے اجلاس جمعیت علما کے لیے رضا کار بننے کی اپیل کی، عوام نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ اپنے تعاون کا یقین دلایا۔

(زمزم، لاہور: ۳۰ اپریل ۱۹۴۵ء)

بنگال میں لیگی وزارت کی مشکلات:

۲۸ مارچ ۱۹۴۵ء: کلکتہ، بنگال کی وزارت کو آج شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا، جب بجٹ کے ایک مطالبہ زر پر اپوزیشن جیت گئی۔ حکومت کو صرف ۹۷ ووٹ ملے، اس کے خلاف اپوزیشن کو ۱۰۶ ووٹ ملے۔ اس سے پہلے کی اطلاع مظہر ہے کہ جب بنگال اسمبلی کا اجلاس آج دو پہر کے بعد شروع ہوا تو اسمبلی میں بھاری جوش وخروش پھیلا ہوا تھا۔ سوالات کے وقت اگر حکومت کے اٹھارہ حامی ممبر سرکاری بنچوں سے اٹھ کر اپوزیشن کے ساتھ جا بیٹھے، ان کے ساتھ نواب بہادر ڈھاکہ سابق وزیر بھی تھے۔

حکومت کی شکست کا اعلان ہونے کے بعد وزیر اعظم بنگال سر ناظم الدین نے اعلان کیا کہ یہ ایک سرسری شکست ہے، اس کے علاوہ ہم اس رائے شماری کو اسمبلی کی روایت کے خلاف سمجھتے ہیں، آج میں مزید مطالبات زر پیش نہیں کروں گا، اس لیے مسٹر اسپیکر اسمبلی کا اجلاس برخاست کر دیں۔ اجلاس کل پر ملتوی کر دیا گیا۔

(زمزم، لاہور: ۳ اپریل ۱۹۴۵ء)

پنڈت جواہر لال اور مولانا آزاد، دہرہ دون بھیجے جائیں گے:

۲۸؍ مارچ ۱۹۴۵ء: الہ آباد، سرحد میں کانگریسی وزارت کے قیام کے بعد دوسرے صوبوں میں بھی کانگریسی وزارتوں کی بحالی یقینی سمجھی جارہی ہے، یہ بھی اغلب معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبران کا ان کے صوبوں کو تبادلہ ان کی رہائی کے سلسلہ میں ہی پہلا قدم ہے، پنڈت جواہر لال نہرو کے نینی سنٹرل جیل کو تبادلہ کی یہاں کوئی اطلاع نہیں۔ یہاں یہ خبر ہے کہ انھیں دہرہ دون رکھا جائے گا، اور مولانا ابوالکلام آزاد بھی ان کے ساتھ رہیں گے۔ (زمزم، لاہور: ۳؍اپریل ۱۹۴۵ء)

ڈیول کی واپسی ہند۔توقعات کی نئی فصل:

۲۹؍ مارچ ۱۹۴۵ء: ۲۹؍ مارچ ۱۹۴۵ء لندن سے آمدہ اطلاعات مظہر ہیں کہ لارڈ ڈیول ۱۴؍اپریل کو دہلی واپس آجائیں گے۔ آپ نیشنل ڈیفنس کونسل کی صدارت کریں گے۔ جس کا اجلاس ۱۶؍اپریل کو منعقد ہوگا۔ امید ہے کہ آپ اس اجلاس میں کوئی اہم اعلان کریں گے۔ یہ اعلان اس گفت وشنید کا نتیجہ ہوگا، جو لارڈ ڈیول اور مسٹر چرچل اور مسٹر ایمری کے درمیان ہوئی۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا ہندوستان کے سیاسی قیدی اس اعلان کے ساتھ ہی رہا کردیئے جائیں گے۔ یا اس معاملے میں تاخیر روا رکھی جائے گی۔ اس کے علاوہ یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ اس اعلان میں مختلف صوبوں میں ذمہ دار حکومت کے قیام کا اعلان ہوگا یا نہیں، لیکن ایک بات یقینی ہے کہ اس اعلان کی رو سے ہندوستان کو درجہ نوآبادیات دے دیا جائے گا، اور سان فرانسسکو کانفرنس میں ہندوستان اسی حیثیت سے شرکت کرے گا۔

سندھ کانگریس کے رہنماؤں کی رہائی:

کراچی ۲۹؍ مارچ، حکومت سندھ نے سات کانگریسی لیڈروں کی رہائی کے احکام جاری کردیئے ہیں، ان میں ڈاکٹر چوئتھ رام گڈوانی، مسٹر والیچھا، پروفیسر گھنشام، سوامی کرشنانند، مسٹر گھاس والا، مسٹر چھپگارام کے نام قابل ذکر ہیں۔ (زمزم، لاہور: ۳؍اپریل ۱۹۴۵ء)

بنگال کی لیگی وزارت کی مشکلات:

۲۹ر مارچ ۱۹۴۵ء کلکتہ، بنگال اسمبلی کے اسپیکر مسٹر نوشیر علی نے وزارت بے حلاف اپوزیشن کی فتح کے متعلق رولنگ دیتے ہوئے کہا کہ اسمبلی میں مزید کارروائی اس وقت تک نہیں ہوسکتی، جب تک نئی وزارت نہ بنائی جائے۔ اس لیے انھوں نے اسمبلی کا اجلاس غیر معین عرصے کے لیے ملتوی کر دیا ہے۔

یونائیٹڈ پریس آف انڈیا کا کہنا ہے کہ وزیر اعظم بنگال سر ناظم الدین کو اب اسمبلی میں اکثریت حاصل نہیں رہی۔ کانگریس پارٹی کے لیڈر مسٹر کرن شنکر رانے نے اعلان کیا ہے کہ بنگال میں آل پارٹیز وزارت بنانے کی تیاریاں شروع ہوگئی ہیں۔ کانگریس پارٹی آل پارٹیز حکومت کی امداد و حمایت کرے گی، آپ نے کہا کہ کانگریس پارٹی فی الحال عہدے قبول نہیں کرے گی، لیکن ہم اقلیت کی جگہ اکثریت کی حکومت کی حمایت کریں گے۔

۲۹ر مارچ کلکتہ یقین کیا جاتا ہے کہ سر ناظم الدین کل یا سوموار کو وزارت کا استعفیٰ پیش کر دیں گے اور ان کے بعد مسٹر فضل الحق آل پارٹیز گورنمنٹ بنائیں گے، کانگریس پارٹی، نیشنلسٹ پارٹی اور مسٹر فضل الحق کی پارٹی میں سمجھوتا ہوگیا ہے۔

(زمزم، لاہور: ۳ر اپریل ۱۹۴۵ء صفحہ ۱)

قاید اعظم لاہور نہیں آئیں گے:

۲۹ر مارچ ۱۹۴۵ء لندن، معلوم ہوا ہے کہ خرابی صحت اور جسمانی کمزوری کی وجہ سے مسٹر محمد علی جناح آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی غرض سے لاہور تشریف نہیں لا سکیں گے، بہر کیف یہ اجلاس اپریل کے آخر میں ہوگا۔

(زمزم، لاہور: ۳ر اپریل ۱۹۴۵ء)

ہندوستان میں بخار سے اموات:

۲۹ر مارچ ۱۹۴۵ء: آج مرکزی اسمبلی میں مسٹر جے ڈی ٹائی سن نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بیان کیا ہے کہ جنگ سے پہلے ہندوستان میں کونین کی کھپت تخمیناً دو

لاکھ دس ہزار پونڈ تھی، اس وقت کونین اور کونین کے بدل کی مجموعی تعداد پانچ لاکھ پونڈ موجود ہے ۱۹۳۸ء سے لے کر ۱۹۴۳ء تک برطانی ہندوستان میں نوے لاکھ اناسی ہزار چار سو اٹھارہ افراد موسمی بخار سے دوسری دنیا جا پہنچے، وبا کا زور، بنگال، آسام، بہار، یوپی اور برار میں رہا، جنگ کے بعد ملیریا کا زیادہ زور ۱۹۴۳ء اور ۱۹۴۴ء میں رہا۔

(زمزم، لاہور: ۳/اپریل ۱۹۴۵ء)

سہارن پور میں جمعیت کا سالانہ جلسہ:

۳۰/مارچ ۱۹۴۵ء: ۳۰/مارچ ۱۹۴۵ء جمعیت علماے ہند کا چودھواں سالانہ اجلاس عام بمقام سہارن پور ۴، ۵، ۶/مئی ۱۹۴۵ء کو منعقد ہو رہا ہے، اس سلسلہ میں جمعیت علماے ہند کی تمام صوبائی اور ماتحت جمعیتوں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اپنے موجودہ عہدیداروں کی مکمل فہرستیں مرکزی دفتر کو بھیج دیں، اور ہر جمعیت کے صدر یا ناظم یا کسی اور ذمہ دار کارکن کا مکمل پتہ مراسلت کے لیے تحریر کیا جائے، جن صوبہ یا ماتحت جمعیتوں کا انتخاب جمعیت علماے ہند کے سالانہ اجلاس سے پہلے ہونے والا ہے، وہ انتخاب کے بعد ہی اطلاع دیں، لیکن جن جمعیتوں کا انتخاب ہو چکا ہے یا جو اپنا کسی خاص مجبوری کی بنا پر سابقہ انتخاب باقی رکھنا چاہتی ہیں، وہ موجودہ عہداروں کی ہی فہرستیں روانہ کریں، صوبہ جمعیتوں سے خصوصی گذارش یہ بھی ہے کہ وہ ساتھ ہی اپنی تمام جمعیتوں کی مکمل فہرست بھی ارسال کریں۔ محمد حفظ الرحمٰن، ناظم اعلیٰ جمعیت علماے ہند

(زمزم، لاہور: ۳۰/مارچ ۱۹۴۵ء)

۲۵ مارچ ۱۹۴۵ء سہارن پور، آج مجلس استقبالیہ کی منتظمہ کمیٹی کی میٹنگ زیر صدارت خواجہ اظہر حسن صاحب منعقد ہوئی جس میں امیر شریعت یوپی کے انتخاب کے لیے ۲/مئی ۱۹۴۵ء منظور کی گئی۔ مولانا حافظ سید محمد اسحاق صاحب سنبھلی کو ناظم اور مستقل آفس سیکرٹری منتخب کیا گیا، نیز اجلاس کو کامیاب بنانے کے لیے نہایت اہم امور منظور ہوئے اور شاندار پروگرام تیار کیے گئے۔ سیکرٹری (زمزم، لاہور ۳۰/مارچ ۱۹۴۵ء)

مارچ ۱۹۴۵ء جنگ عظیم دوم ختم ہونے کے قریب ہے، اس کے ختم ہوتے ہی ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ زور شور سے اٹھایا جائے گا، حکومت نے حالات کا اندازہ کر لیا

ہے لارڈ ویول وائسرائے ہند نے حالات سے نمٹنے کے لیے ایک منصوبہ بنالیا ہے اور اس کی منظوری کے لیے انگلینڈ گئے ہیں۔ ۲۳/ مارچ کو لندن پہنچے۔ ۲۶/ مارچ سے یکم جون تک ''انڈیا کمیٹی'' کے چھبیس اجلاس ہوئے، جن میں ان کا منصوبہ زیر بحث آیا بالآخر انھیں منصوبے کی منظوری مل گئی۔

سپرو کمیٹی کی سفارشات:

۱۹۴۵ء کے اوائل میں سر تیج بہادر سپرو کی سرکردگی میں ہندوستان کے آئینی سوال کا حل دریافت کرنے کے لیے ایک کمیٹی وجود میں آئی جس نے بڑے غور و فکر کے بعد ایک دستور پیش کیا، اس دستور کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے پہلی بار مرکز میں ہندو اور مسلمانوں کی مساوی نمائندگی کا اصول پیش کیا، اس دستور کی اہم دفعات درج ذیل ہیں:

مجلس دستور ساز کمیٹی کی رائے میں مجلس دستور ساز کی تشکیل انھی اصولوں پر ہونی چاہیے جو کرپس کی تجاویز کی دفعہ (D) میں درج ہیں لیکن مندرجہ ذیل رد و بدل کے ساتھ۔

مجلس دستور ساز میں کل ملا کر ۱۶۰ ممبران ہوں گے جو فرقہ وارانہ بنیادوں پر چنے جائیں گے۔ نمائندگی کا تناسب یہ ہوگا۔

۱۔ مخصوص طبقے یعنی صنعت پیشہ، تجارت پیشہ، زمین دار، یونیورسٹی، مزدور طبقہ اور عورتیں	۱۶
۲۔ ہندو (اچھوتوں کو چھوڑ کر)	۵۱
۳۔ مسلمان	۵۱
۴۔ اچھوت	۲۰
۵۔ ہندوستانی عیسائی	۷
۶۔ سکھ	۸
۷۔ پس ماندہ علاقے اور قبیلے	۳
۸۔ اینگلو انڈین	۲
۹۔ یورپین	۱

۱۰۔ دوسری جماعتیں ۱

میزان ۱۶۰

وفاق ہند کی مجلس قانون ساز:

۱۔ مرکزی مجلس قانون ساز کے انتخاب کا یہ طریقہ ہوگا کہ ہر دس لاکھ آبادی پر ایک رکن منتخب کیا جائے گا۔

۲۔ نشستوں کی مجموعی تعداد کا ۱۰ فیصد حصہ مندرجہ ذیل طبقوں کی نمایندگی کے لیے مخصوص رہے گا، تجارت پیشہ، صنعت پیشہ، مزدور طبقہ، عورتیں

ہندو (اچھوتوں کو چھوڑ کر) مسلمان، سکھ، ہندوستانی عیسائی، دوسرے فرقے

۴۔ اگر مسلمان فرقہ مخلوط انتخاب پر راضی ہو جائیں تو ہندوؤں کو چاہیے کہ وہ وفاق کی مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کو برابر کی نشستیں دینے پر راضی ہو جائیں۔

مرکزی مجلس منتظمہ

۱۔ وفاق کی مجلس منتظمہ (ایگزیکٹیو کونسل) میں حسب ذیل فرقوں کے نمایندے شامل ہوں گے۔

۱۔ ہندو (اچھوتوں کو چھوڑ کر)، ۲۔ مسلمان، ۳۔ اچھوت، ۴۔ سکھ، ۵۔ ہندوستانی عیسائی، ۶۔ اینگلو انڈین۔

مجلس منتظمہ میں فرقوں کا تناسب وہی ہوگا جو مرکزی مجلس قانون ساز میں ہوگا۔

بنیادی حقوق:

ہندوستان کے آیندہ دستور میں مندرجہ ذیل بنیادی حقوق کا شامل اور تسلیم ہونا ضروری ہے، ۱۔ شخصی آزادی، ۲۔ انجمنیں بنانے اور تحریر و تقریر کی آزادی، ۳۔ تمام فرقوں کو مساوی شہری حقوق، ۴۔ عقاید اور مذہب کی مکمل آزادی، ۵۔ تمام فرقوں کی زبان تہذیب اور تمدن کی حفاظت، ۶۔ اچھوت ذاتوں کے خلاف تمام پرانے رسم و رواج کی منسوخی۔

سپرد کمیٹی کی تجاویز کے بارے میں جمعیت علمائے ہند کے چودھویں سالانہ اجلاس میں جو ۴ تا ۶ رمئی ۱۹۴۵ء سہارن پور میں حضرت شیخ الاسلام کی صدارت میں ہوا تھا، ذیل کی قرارداد پاس کی تھی۔

جمعیت علمائے ہند کے اس اجلاس کے نزدیک سپرد کمیٹی کی سفارشات میں سیاسی قیدیوں کی رہائی اور ملک معظم کی طرف سے ہندوستان کے لیے آزاد مملکت ہونے کا شاہی اعلان اور صوبوں میں گورنری راج کے خلاف مجالس آئین ساز اور وزارتوں کی بحالی اور موجودہ ایکزیکٹیو کونسل کی بجائے قومی حکومت کے قیام کا مطالبہ تو تمام ہندوستانیوں کے مطالبات کی ترجمانی ہے مگر جہاں تک کہ آزادی ہند کی نوعیت کا تعلق ہے، نیز حق خود ارادیت کی کلیتاً نفی اور دستور ساز اسمبلی میں اچھوتوں کے لیے جداگانہ نیابت کا استحقاق اور آیندہ آزاد حکومت کی تشکیل اور اس کی بعض تفصیلات چوں کہ جمعیت علمائے ہند کے فیصلوں اور اس کی سابقہ منظور شدہ تجاویز کے خلاف ہیں اس لیے جمعیت علما ان سفارشات کو ہندوستان کے مسئلہ کا صحیح حل اور ملک کے لیے مفید نہیں سمجھتی۔

مولانا مدنی کی ایک غیر مرتب تقریر:

۳ر اپریل ۱۹۴۵ء: حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی مدظلہٗ نے مرکزی تنظیم کے اجلاس اولین میں یکم ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ کو ارشاد فرمایا:

''اہل سنت والجماعت فرقہ ناجیہ ہے، اور روے زمین پر یہی فرقہ سب سے بڑا ہے، سواد اعظم اہل سنت والجماعت ہے اور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے: لا تجتمع امتی علے الضلالة۔ شیطان اس کے پیچھے برابر لگا ہوا ہے، اس کی کوششوں سے اہل سنت کے خلاف بے بنیاد اعتراضات کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے۔ مختلف طریقوں سے اس جماعت کی جڑ اکھیڑنے کی کوشش کرنا شیطان کا کام ہے، ہر ملک میں ایسی کوششیں جاری ہیں، مگر چوں کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ہے، اسی ہندوستان میں چالیس کروڑ میں دس کروڑ بدنصیب مسلمان ہیں۔ اس لیے کفر کے حملے کامیاب نہیں ہوتے، آج تمام فرقے مسلمانوں کے خلاف جماعت بندی کر رہے ہیں، مسیحیت ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا رہی ہے، حکومت کے بجٹ میں مسیحیت کی اشاعت کے لیے کافی رقم

رکھی جاتی ہے۔ دوسری جماعتیں بھی مسلمانوں کو مرتد کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہی ہیں، لالہ لاجپت رائے کا مضمون میں نے پڑھا تھا، انھوں نے ایک دفعہ لکھا تھا کہ ہندوستان میں جتنی قومیں آئیں، سب ہندوؤں میں جذب ہو گئیں سبھی نے دھوتی پہن لی، وہی طریقہ، وہی تہذیب اختیار کر لی، جو ہندوؤں کی تھی، مگر مسلمان جب سے آئے ہیں۔ اپنی تہذیب کو زندہ کیے ہوئے ہیں، یہ ہم میں مدغم نہیں ہو گئے۔ ان سے صلح جب ہو سکتی ہے کہ یہ ہندوؤں کی تہذیب اختیار کر لیں، نام رکھیں تو محمد رام، علی رام، دھوتی پہنیں، صورت بھی ہماری جیسی بنائیں، منہ پر داڑھی نہ ہو، جب ان سے ہماری صلح ہو سکتی ہے، اس کا جواب انھی دنوں ایک اخبار نے دیا تھا کہ مسلمان ایسی ہڈی ہیں، جو ہندوؤں کے گلے میں ہڈی بن کر اٹک گئے ہیں اب یہ ہڈی نہ اندر جاتی ہے نہ باہر نکل سکتی ہے۔

مسلمانوں کی یہ بڑی تعداد تبلیغ کا ثمرہ ہیں، باہر سے کتنے مسلمان یہاں آئے، زیادہ سے زیادہ دو تین چار پانچ لاکھ کہہ لو مگر آج یہ دس کروڑ ہو گئے ہیں۔ یہ سب علما کی کوششوں اور اسلام کی حقانیت اور سچائی سے مسلمان ہوئے ہیں۔ بادشاہوں نے کبھی تبلیغی مشن قایم نہیں کیے۔ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔ میں نہیں کہتا، یورپین مصنفین لکھتے ہیں، مسٹر آرنلڈ نے لکھا ہے کہ اگر اسلام تلوار کے زور سے پھیلتا، تو دہلی کے نواح میں مسلمان ۱۴ فیصد اور غیر مسلم ۸۶ فیصد نہ ہوتے، دہلی شاہانِ اسلام کا مرکز تھا، اگر ان کی تلوار کی دھار سے اسلام پھیلتا، تو دہلی اور یوپی میں ۱۰۰ فیصد مسلم آبادی ہونی چاہیے تھی، نہ کہ سلہٹ اور بنگال کے مرکز سے دور افتادہ علاقوں میں ۸۰، ۹۰ فیصد مسلمان ہوتے۔

الغرض شاہانِ اسلام نے کبھی اس کے لیے تلوار کے استعمال کی اجازت نہیں دی۔ ہاں صداقت، حقانیت اور نیکی کی تلوار، حکمت و دلیل اور برہان کی تلوار سے بہت لوگ مسخر کیے گئے ہیں۔

غالباً مسٹر آرنلڈ لکھتے ہیں کہ ترکی میں ایک دفعہ تین ہزار خاندان بیک وقت مسلمان ہوئے، یہ حقانیت اور سچائی کی تلوار سے ہی مسلمان ہوئے۔ اولیاء اللہ نے لاکھوں بندگانِ خدا کو مسلمان بنایا۔ حضرت خواجہ معین الدین صاحب اجمیری قدس اللہ سرہ العزیز کی تبلیغ و توجہ سے لاکھوں آدمی مسلمان ہوئے۔ اسی طرح شیخ داؤد چشتی اور دوسرے اکابر اولیا کے دم قدم سے بہت سے لوگ اسلام کی دولت سے بہرہ یاب ہوئے۔ ہندوستان میں تو اسلام

اہل اللہ اور علما کی کوششوں ہی سے پھیلا۔ بادشاہ تو عموماً آپس میں ہی لڑتے رہے۔ انھوں نے کوئی مشن قایم نہیں کیا۔ تزک جہانگیری میں صریح بات بادشاہ کی منقول ہے کہ دین کے معاملے میں کسی پر جبر نہ کیا جائے۔ خود قرآن میں مذکور رہے۔ لا اکراہ فی الدین۔ تو جبر و تشدد سے منع کیا جاتا ہے، مردم شماری کی رپورٹیں دیکھ لو۔.......... جب کہ یہاں مسلمانوں کی حکومت تھی، پانچ اور چھ کروڑ کے درمیان بمشکل مسلمانوں کی تعداد تھی، یہ تعداد آج دس کروڑ ہوگئی۔ آج کہاں مسلمانوں کی بادشاہت اور تلوار کا زور ہے؟

تمہارے اسلاف نے اسلام پھیلایا تھا۔ تمہارا فریضہ بھی یہی ہے، اسلام کی اشاعت، امن و امان کا قیام، ملک کی آزادی یہ سب تمہارا فرض ہے، انگریز نے ہم سے ہندوستان لیا تھا، اسی لیے ہمیں ہی اس سے اپنا ملک واپس لینا چاہیے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تم غیر ملکی ہو تو ہندوستان سے نکل جاؤ، ان سے کہہ دو کہ یہ غلط ہے، ہندوستان تو ہر حیثیت سے مسلمان کا وطن ہے، یہ ہمارا ملک ہے، تاریخی حیثیت سے دیکھ لو، حضرت آدم علیہ السلام کہاں اُترے تھے؟ اسی ہندوستان میں، مذہبی حیثیت سے دیکھو، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں کئی انبیا علیہم السلام کی قبور مبارکہ ہیں۔

مسلمان یہاں آئے، مگر انگریز کی طرح نہیں کہ لوٹ کھسوٹ کر پھر انگلستان چلے جائیں۔ انھوں نے تو ہندوستان کو اقامت گاہ بنالیا، یہ صرف زندگی ہی میں نہیں، مرنے کے بعد بھی ہندوستان کو لے کر بیٹھا ہے، مسلمان عقیدہ رکھتا ہے کہ مرنے کے بعد اسی جگہ کی مٹی سے اٹھوں گا۔ اور جنت میں جاؤں گا۔ تو میرا تعلق تو ہندوستان سے قیامت تک ہے، بلکہ قیامت کے بعد بھی ہے۔ ہندو صرف زندگی میں ہندوستانی ہے، مرنے کے بعد وہ خدا جانے گھاس پھوس یا کسی جانور کے قالب میں ڈھل جائے یا چرچل یا اسٹالن بن جائے۔ مگر مسلمان تو مرنے کے بعد زندگی سے زیادہ جگہ لے کر ہندوستان میں بیٹھ جاتا ہے، جیتے جی دو فٹ جگہ لیتا ہے تو مرنے کے بعد چھ فٹ کی قبر بنتی ہے پھر کسی مسلمان کے باپ یا بھائی کی قبر کو ہاتھ تو لگا کر دیکھو کہ وہ مرنے مارنے کو تیار ہو جاتا ہے، بخلاف اس کے ہندو کی تو راکھ بھی ہندوستان میں نہیں رہتی، گنگا اسے بہا کر خلیج بنگال میں پھینک دیتی ہے۔

بہر حال ہندوستان مسلمان کا وطن ہے اور مسلمانوں کا فرض اولین ہے کہ ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے سب سے زیادہ جدوجہد کریں۔ ہندو کو غلامی سے اتنا نقصان نہیں جتنا مسلمان کو ہے۔ اسی ہندوستان کے لیے تمام عالم اسلامی کو برباد کیا جاتا ہے شعائر اسلامی برباد کیے جا رہے ہیں۔ افسوس کہ آج مسلمان بزدل ہیں، محمد بن قاسم ۱۷، ۱۸ برس کا نوجوان چند ہزار کی جمعیت لے کر کروڑوں پر حملہ کر دیتا ہے اور فتح پاتا ہے، مگر آج تم ڈرتے ہو کہ انگریز کا سایہ چلا گیا، تو زندگی ممکن نہیں۔ آج تم پاکستان پاکستان کا نعرہ لگاتے ہو، مگر قربانی اور ٹکر لینے کے لیے تیار نہیں ہو، کوئی قوم باتیں بنانے سے کامیاب نہیں ہوتی۔ صرف باتوں سے پاکستان نہیں بنے گا پاکستان بنانا منظور ہے، تو اس کے لیے بھی کچھ کام تو کرو۔

خیر میں دور چلا گیا، یہ اسٹیج اس قسم کی باتوں کا نہیں ہے، مولوی نور الحسن نے شروع میں کہہ دیا تھا کہ یہ بالکل غیر سیاسی اور خالص دینی تبلیغی اسٹیج ہے، بہر حال تبلیغ دینی ہم سب کا فرض ہے، اسلام دنیا بھر کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہے اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اسے ہر جگہ پہنچائے، حضور کا ارشاد ہے، بلغوا عنی ولو آیة۔ تو ہمیں ہر حیثیت سے ہندوستان میں اسلام کا کام کرنا چاہیے۔ مگر صلح سے، محبت سے، پریم سے کام نہ کرو گے، تو کامیابی مشکل ہے آج اسلام پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ ان سب کا جواب دو، مگر میٹھے طریقے سے مخالف کے اعتراضات کا جواب دینا چاہیے، جواب دو منظم طریقے سے جواب دو، مناظرہ کا جواب مناظرہ ہے، اخباروں کا جواب اخباروں سے، پمفلٹوں کا جواب پمفلٹوں سے، تحریر کا جواب تحریر سے، تقریر کا جواب تقریر سے دو، مگر جواب میٹھا اور شیریں ہونا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ کسی کا نام تک نہ لیتے تھے، کسی کی کوئی بات ناگوار ہوتی، تو عام الفاظ میں اس کی اصلاح فرما دیتے تھے، اس کا نام خاص طور پر نہ لیتے تھے، تو تمہارا وظیفہ استاد اور شاگرد باپ اور بیٹے کا ہے، تو قوم کے پیچھے دوڑ و اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرو، یہ تمہارا وظیفہ ہے۔

یہ تحریک ان مبارک مقاصد کو لے کر اٹھی ہے، خدا سے دعا کرتا ہوں، کہ اپنے فضل و کرم سے مرکز تنظیم اپنے مقاصد حالیہ میں کامیاب ہو۔ آمین۔

(زمزم۔ لاہور: ۳۰/اپریل ۱۹۴۵ء)

مولانا ابوالکلام آزاد کا ۴۵ پونڈ وزن کم

مسلمانانِ ہند میں ہیجان اضطراب اور غم وغصہ کا امڈتا ہوا طوفان:

۴ر پرایل ۱۹۴۵ء: دہلی، ۴ر پرایل ۱۹۴۵ء مسٹر آصف علی ممبر کانگریس ورکنگ کمیٹی سے منسوب اعلان مظہر ہے کہ کانگریس کے صدر حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مدظلہٗ کا جیل میں ۴۵ پونڈ وزن کم ہوگیا ہے، اس کمی وزن کے سبب مولانا کی تشویش ناک علالت ہے، اس اعلان سے دنیائے انسانیت اور خصوصاً مسلمانانِ ہند کے دلوں میں ہیجان واضطراب اور غم وغصہ موج زن ہے مولانا کی علالت اس حلقہ میں بھی باعث تشویش بنی ہوئی ہے، جو مولانا کے سیاسی افکار سے اختلاف رکھتا ہے، چناں چہ مسلم لیگ کا ترجمان روزنامہ ''نوائے وقت (لاہور)'' اپنے مقالۂ افتتاحیہ کے دوران میں رقم طراز ہے:

> ہمیں مولانا کے سیاسی مسلک سے شدید اختلاف ہے اور ہم اسے مسلمان قوم کی بدقسمتی سمجھتے ہیں کہ مولانا آزاد کے دماغ کی صلاحیتیں اپنی قوم کے کام نہیں آرہی ہیں، لیکن مولانا ابوالکلام آزاد کے خلوص تبحر علمی اور بلندی مرتبہ سے انکار مولانا کی نہیں خود مسلمان قوم کی توہین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی علالت ہمارے نزدیک قوم کے لیے باعث تشویش ہونی چاہیے، وزن میں ۴۵ پونڈ کی کمی معمولی بات نہیں، ہم حکومت ہند پر زور دینا چاہتے ہیں کہ وہ حضرت مولانا آزاد کو ان کی علالت کے پیش نظر فوراً رہا کردے؟
>
> (زمزم، لاہور: ۱۱ر اپریل ۱۹۴۵ء)

لیبر پارٹی کی کامیابی:

۵ر اپریل ۱۹۴۵ء: ۵ر اپریل ۱۹۴۵ء کو برطانیہ میں لیبر پارٹی برسر اقتدار آگئی اور مسٹر ونسٹن چرچل نے بہ ثبات عقل وہوش اپنا استعفیٰ پیش کرکے ڈاؤننگ اسٹریٹ لندن کی کوٹھی نمبر ۱۰ سے غمگین وپژمردہ صورت رخصت ہوگئے۔

(مولانا حسرت موہانی۔ ایک سیاسی ڈائری)

جمعیت علماے ہند کا اجلاس، گذارشات ومعروضات:

۷؍اپریل ۱۹۴۵ء: زمزم کا ادارتی نوٹ یہ امر باعث اطمینان ہے کہ عنقریب جمعیت علماے ہند کا سالانہ اجلاس سہارن پور میں منعقد ہوگا جس میں ہندوستان کے علماے حق اور اساطین علم وشریعت جمع ہوکر اسلامی فکر کی روشنی میں مسلمانانِ ہند کی مذہبی اور سیاسی رہنمائی فرمائیں گے، اور اس دور میں جو فرائض ان پر عاید ہوتے ہیں، ان کا تجزیہ کر کے بتائیں گے کہ اس وقت انھیں احساس ذمہ داری کا ثبوت کس طرح دینا چاہیے۔ بلا شبہ مستقبل قریب کے چندِ ایام ہندوستان کے لیے بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور ان میں جو آئینی اور سیاسی انقلاب آنے والا ہے اس کا مسلمانوں پر اثر انداز ہونا ضروری ہے۔ ایسے نازک دور میں ہر اسلامی جماعت کو نہ صرف بیداری کا بلکہ عمل وکردار، فکر وشعور، دور اندیشی اور گہرے تدبر کا بھی ثبوت دینا ہوگا، اور ہمیں بجاطور پر امید رکھنی چاہیے کہ علما قایم بالحق کا جو اجتماع سہارن پور میں ہونے والا ہے، وہ احوال وظروف کا صحیح اندازہ لگا کر آنے والی آئینی تبدیلیوں کے بارے میں تعمیر کا کوئی ایسا تھا کہ اور اجتماع عناصر کا کوئی ایسا نقشہ تیار کرے گا، جو ملکی سیاست، داخلی معاملات اسلامی خطوں کے خارجی مسایل، حقوق کی تقسیم، شریعت کے تحفظ اور بین الاقوامی حالات وضروریات پر حاوی ہوگا، اور جس سے امت اسلامیہ کو پوری رہنمائی حاصل ہوسکے گی۔

علما اور غیر علما:

ہماری اور ہر مسلمان کی دلی آرزو ہے کہ جمعیت علماے ہند کا یہ اجلاس پوری طرح اور ہر اعتبار سے کامیاب ہو، اور اس کے فیصلے مسلمانان ہند کے لیے مشعل ہدایت بنیں۔ لیکن یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ خود مسلمان، علم وعلما کے اس ادارۂ خصوصی کو اپنی نمائندگی اور ترجمانی کا ذریعہ بنائیں۔ اور اس سلسلے میں جمعیت علماے ہند بھی اپنی وسیع النظری کا ثبوت دے، اور اس ادارے کا دایرہ اتنا وسیع کردے کہ اس میں ہر مسلمان کی آواز مؤثر اور مسموع ہوسکے۔ ہمارے خیال میں اس وقت جمعیت علما کے حدود اربعہ کو کافی حد تک وسیع اور کشادہ ہوجانا چاہیے۔ مسلمان محسوس کررہے ہیں کہ جمعیت کا دائرہ بہت تنگ ہے، اور انھیں اس

پلیٹ فارم پر خدمت کا کوئی موقع نہیں مل سکتا۔ ان کی خواہش ہے کہ جمعیت کا دروازہ کھلے تو وہ اس میں داخل ہوں اور اپنے ایثار اور قربانیوں سے اسے طاقتور بنائیں، جمعیت کے آئین و دستور کے مطابق اس کے دربست میں صرف ایک تہائی مسلمان دخیل ہو سکتے ہیں، باقی دو تہائی تعداد علمائے کرام کی ہوگی، جو اپنی کثریت سے عوام کی آواز کو غیر موثر اور کمزور کرتی رہے گی، یہ صحیح ہے کہ خالص مذہبی معاملات میں عوام کی شرکت اور عدم شرکت برابر ہے اور ان کی اکثریت کو بھی جرأت نہ ہوگی کہ مذہبی امور میں اپنی آرا کا آزادانہ استعمال کر سکیں۔ یہ ایسا معاملہ ہے جس کے معلق ہر شخص کو بلا تامل کہہ دینا چاہیے کہ مذہبی امور میں عوام کو مداخلت کا حق حاصل نہیں ہو سکتا، اور نہ اس باب میں آرا شماری کے لیے کوئی گنجایش نکل سکتی ہے۔ عوام مذہب و شریعت سے متعلق تمام امور میں صرف علما کے فیصلے کو منظور کریں گے اور ان ہی کے احکام کی پابندی کو اپنی سعادت سمجھیں گے اور یہ صرف علما کا حق ہے کہ شرعی معاملات کے اور خالص اسلامی امور مین اپنی مجتہدانہ بصیرت کو کام میں لائیں اور اپنے اس حق کو سو فیصد محفوظ رکھیں۔ لیکن جہاں تک ملکی مسایل، سیاسی امور اور عام حقوق کا تعلق ہے، اس میں غیر علما کی آواز کو بھی موثر اور جمہوری ہونا چاہیے۔ تاکہ عام مسایل میں جو فیصلہ ہو وہ کثرت آرا سے ہو اور اس دایرے میں غیر علما اگر ہو سکے تو علما کی رہنمائی بھی کر سکیں۔

قابلیت یا سند؟

اگر جمعیت علمائے ہند کے ارکان کانگریس اور مسلم مجلس سے تعاون کر سکتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ عام ملکی مسایل میں غیر علما کی رہنمائی کے محتاج ہیں، یا کم از کم غیر علما کو اپنی سطح پر لانے کے اصول کو تسلیم کر چکے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو ہم عرض کریں گے کہ جمعیت علما کے اندر بھی عام مسایل میں غیر علما کو موثر نمایندگی دی جائے اور اس میں تعداد کا تناسب کارفرما نہ ہو، اس طریقہ سے جمعیت علما کا دایرہ اثر کافی وسیع ہو سکتا ہے اور اسے عوام میں بہت بڑی حد تک مقبول بھی بنایا جا سکتا ہے۔ رہے وہ مسایل جن کا تعلق خالص مذہبی معاملات سے ہے، ان میں غیر علما کو در انداز ہونے کی ضرورت نہیں۔ مذہب و شریعت کے باب میں صرف علما ہی کا فیصلہ قول فیصل ہوگا۔ لیکن اس بارے میں بھی ذرا وسعت نظر سے

کام لینا چاہیے، اور ہمارا خیال ہے کہ اگر عالم کے لیے درس نظامیہ کی سند کو نہیں بلکہ قابلیت کو معیار قرار دیا جائے، اور اس قابلیت کے لیے جمعیت علما کو ایسا معیار قرار دیا جائے اور اس قابلیت کے لیے جمعیت علما کوئی ایسا امتحان مقرر کر دے جس میں قابل لوگ آسانی سے کامیاب ہو سکیں، تو یہ مشکل بھی آسانی سے حل ہو سکتی ہے اور علما کے دایرے میں وہ لوگ بھی آسکتے ہیں جو اسلامی افکار و علوم میں بہترین قابلیت کے مالک ہیں، مگر درس نظامیہ کی اپنے پاس سند نہیں رکھتے جمعیت علما کو بہترین دماغ مل سکتے ہیں، بشرطیکہ معیار قابلیت ہو اور قابلیت کا بھی کوئی معیار مقرر کر لیا جائے۔

تجاویز اوران کا نفاذ:

مشہور ہے کہ مسلمانوں کے اجتماعات کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ بیٹھنا، بولنا اور پھر اٹھ جانا عام دستور ہو گیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ کم از کم علماے کرام کے مقدس اجتماعات کو اس عام کلیے سے مستثنیٰ ہونا چاہیے۔ مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ مستثنیٰ نہیں ہیں اور وہاں بھی اگر کوئی ثبوت ملتا ہے تو یہی کہ بیٹھے، بولے اور اٹھ کر تشریف لے گئے۔ پھر سال بھر تک کوئی نہیں پوچھتا کہ جو قرار دادیں منظور ہوئیں ان کا کیا حشر ہوا، جو فیصلے کثرت رائے سے منظور ہوے، ان کے نفاذ کے لیے کیا صورت اختیار کی گئی اور ان پر کس حد تک عمل ہوا، گذشتہ اجلاس کو نظر انداز کیجیے صرف لاہور کے اجلاس کو لیجیے کہ اس میں منظور شدہ قرار دادوں کی مقدار کیا ہے، انھیں منظور کرنے میں کیسی کیسی مشکلات پیش آئیں، ایک ایک تجویز پر کس قدر وقت صرف ہوا، کیسے کیسے دماغوں نے راتوں کی نیند حرام کی، لیکن انجام کیا ہو؟ نتیجہ کیا نکلا؟ ہر تجویز اجلاس کے ساتھ ختم، ہر قرار داد اور جسٹروں کی زینت! ان کے نفاذ کا کوئی انتظام، نہ اس کے لیے کوئی جدوجہد، نہ ان کے عدم نفاذ پر کوئی شکایت! اب سہارن پور میں بھی قرار دادیں منظور ہوں گی اور اجلاس کے خاتمہ کے ساتھ ختم ہو جائیں گی، کیا ہم توقع رکھیں کہ سہارنپور کے اجلاس میں اس کوتاہی کی طرف توجہ دی جائے گی، اور تجاویز منظور کرنے سے پہلے ان کے نفاذ کا انتظام کر لیا جائے گا؟ یہ چند گذارشات ہیں اور ہمیں توقع ہے کہ جمعیت علما کے مفکرین اپنی پہلی فرصت میں ان پر غور فرمائیں گے۔

(زمزم، لاہور: ۷راپریل ۱۹۴۵ء)

قحط اور بنگال گورنمنٹ کا حسن انتظام:

۷/اپریل، ۱۹۴۵ء: کلکتہ، معلوم ہوا ہے کہ ۷۵/ہزار من چاول سرکاری گوداموں میں خراب ہوگیا، یہ فروخت نہیں ہوا۔ کیوں کہ قیمت مارکیٹ قیمت سے زیادہ اونچی تھی، ۲۰ ہزار من گندم بھی اسی طرح خراب ہوگئی، اور وہ بھی بداری پور کے گوداموں میں پڑی ہے۔
(زمزم، لاہور: ۱۱/اپریل ۱۹۴۵)

صرف علما کے لیے:

۷/اپریل ۱۹۴۵ء، بمبئی کے ایک اخبار نے مجلس احرار اور جمعیت علماے ہند کے اختلافات کی بنیادی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس راز کو بے نقاب کیا ہے کہ جمعیت علماے ہند حکومت الٰہیہ کی تحریک میں کیوں شامل نہیں ہوتی، ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہندوستان کی ان دو موقر جماعتوں میں کوئی اختلاف ہے بھی ہے یا نہیں! اگر ہے تو اس کی حقیقت بنیادی اور اصولی ہے یا سطحی اور فروعی، البتہ یہ سوال بار بار زبان پر آتا ہے کہ جو لوگ دین الٰہی پاسبان، اتحاد اسلامی کے علم بردار اور قرآنی حکمت و دعوت کے مبلغ ہیں وہ اپنے اختلافات کو دور نہیں کر سکتے! ایک پلیٹ فارم پر ایک مقصد کے لیے جمع نہیں ہو سکتے، تو انھیں عام مسلمانوں کو اتحاد کی تلقین کرنے کا کیا حق ہے؟ حکومت الٰہیہ ہو یا کوئی اور تحریک سب جانتے ہیں کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ اور اس میں زندگی، پایداری اور یقین کی کس قدر مقدار شامل ہے۔ اس کے باوجود علماے حق کا آپس میں تقسیم ہونا بیحد تشویش ناک ہے، ہر پلیٹ فارم سے آواز بلند ہوتی ہے کہ مسلمانو! متحد ہو جاؤ اب ضرورت ہے کہ مسلمان بھی علماے حق کو مخاطب کر کے یہ گذارش کریں کہ اے پاسبان ملت! پہلے یہ تو ثابت کرو کہ تم بھی آپس میں متحد ہو جاؤ ہمیں متحد کرنے کے لیے پہلے اپنا اسوۂ حسنہ پیش کرو، اس کے بعد ہمیں پھانسی پر چڑھا دو، اگر ہم متحد ہو کر نہ دکھائیں۔ (شذرہ۔ زمزم لاہور: ۷/اپریل ۱۹۴۵ء)

جمعیت علماے ہند کی مجلس عاملہ کا جلسہ:

۷/اپریل ۱۹۴۵ء: جمعیت علماے ہند کے چودھویں سالانہ اجلاس عام کے سلسلے میں تربیت ایجنڈا اعلان صدارت وغیرہ اہم مسائل کا تصفیہ کرنے کے لیے ۱۴/اپریل ۱۹۴۵ء کو

ہفتہ کے دن دفتر جمعیت علماے ہند میں دس بجے سے مجلس عاملہ کا جلسہ منعقد ہوگا۔ ارکان مجلس عاملہ کی خدمت پر دعوت نامہ اور ایجنڈا بھیج دیا گیا ہے، اراکین سے درخواست ہے کہ وہ دہلی ایسے وقت پر تشریف لے آئیں کہ ٹھیک وقت پر جلسہ شروع ہو سکے، اور انتظار نہ کرنا پڑے۔ جواب سے اطلاع دیں۔ (محمد حفظ الرحمٰن ناظم اعلیٰ جمعیت علماے ہند)

اجلاس عام، تجاویز روانہ کی جائیں:

جمعیت علماے ہند کا چودھواں سالانہ اجلاس عام بمقام سہارن پور ۴، ۵، ۶ رمئی ۱۹۴۵ء کو منعقد ہو رہا ہے، جمعیت مرکزیہ (کونسل) کے ارکان سے التماس ہے کہ وہ اپنی اپنی تجاویز اجلاس عام کے ایجنڈے مین شامل کرنے کے لیے جلد سے جلد روانہ کریں۔ ۱۳ر اپریل تک تجاویز کا یہاں پہنچ جانا ضروری ہے ۱۳ر اپریل کے بعد جو تجاویز موصول ہوں گی، ان کا شریک ایجنڈا کیا جانا ضروری نہ ہوگا۔ براہِ کرم جلد توجہ فرمائیں۔

(زم زم، لاہور: ۷ر اپریل ۱۹۴۵ء)

رسالہ پرچارک اندر کو ضبط کیا جائے!

۷ر اپریل ۱۹۴۵ء: حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن، نائب ناظم اعلیٰ جمعیت علماے ہند نے مہاراراجہ کو بذریعہ تار اطلاع دی ہے کہ رسالہ ''پرچارک'' کی اشاعت سے نہ صرف مسلمانانِ ریاست اندور بلکہ تمام برطانوی ہند کے مسلمانوں میں اضطراب و ہیجان پھیل ہے، رسالہ ''پرچارک'' نے اسلام اور تعلیماتِ اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق جو بکواس کی ہے، اس کو کوئی مہذب انسان برداشت نہیں کر سکتا امید ہے کہ مہاراجہ اندور رسالہ پرچارک کو ضبط قرار دے کر اس کے ایڈیٹر پر مقدمہ چلائیں گے، تاکہ مسلمانوں کو اطمینان ہو جائے۔ (نامہ نگار)

جمعیت علماے ہند کے لیے امدادی کانفرنسیں:

یہ طے کیا گیا ہے کہ سہارنپور میں ہونے والے اجلاس عام کے لیے ضلع کی بڑے بڑے مقامات پر امدادی کانفرنسیں منعقد کی جائیں، چنانچہ نکوڑ، انبیٹھ، گنگوہ، نیتر ور، رام پور

اور نانوتہ میں یہ کانفرنسیں اسی ہفتہ میں منعقد ہوں گی، ان میں شرکت کے لیے مولانا عبد الوحید صاحب صدیقی، مولانا محمد عثمان صاحب نبیرہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سلطان الحق قاسمی روانہ ہوگئے، ضلع کے عام جوش وخروش اور دعوتی خطوط سے یہ امید کی جاتی ہے کہ ان شاء اللہ یہ کانفرنسیں شاندار طریقہ پر کامیاب ہوں گی۔ (سیکریٹری)

(زمزم، لاہور: ۷/اپریل ۱۹۴۵ء)

اگست ۱۹۴۲ء کے قیدیوں کی رہائی کی کارروائی:

۷/اپریل ۱۹۴۵ء: بمبئی، ڈاکٹر پٹا بھٹی سیتارامیہ ممبر کانگریس ورکنگ کمیٹی کل رات احمد نگر جیل سے دیلور میں تبدیل کر دیے گئے ہیں، راستہ میں ڈھنڈ ریلوے اسٹیشن پر آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔

معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس کو آئندہ ہفتہ احمد نگر جیل سے کہیں باہر لے جایا جائے گا، اور مسٹر شنکر راؤ دیو کو پرودا جیل میں منتقل کر دیا جائے گا۔ اس طرح آیندہ ہفتہ کے آخر تک احمد نگر جیل کیمپ کو بند کر دیا جائے گا۔

(زمزم۔ لاہور: ۱۱/اپریل ۱۹۴۵ء)

سپرو کمیٹی کی آئینی تجاویز:

مرکز میں ہندو ۵۱، مسلم ۵۱ اور دیگر حلقوں کے ۴۸ نمایندوں کی تجویز، جداگانہ انتخاب اور اصول پاکستان کی مخالفت۔

۸/اپریل ۱۹۴۵ء: نئی دہلی، سپرو کمیٹی نے ہندوستان کی آئینی گتھی سلجھانے کے لیے اپنی آئینی تجاویز شائع کر دی ہیں جو چار حصوں میں منقسم ہیں، پہلا حصہ اس وقت تک کے انتظام کے لیے ہے جب تک نئے آئین پر عمل شروع نہ ہو، اس میں وہ تجاویز شامل کی گئی ہیں جن کی نقل چند روز پیشتر تار کے ذریعے لارڈ دیول کو خاص طور پر انگلستان بھیجی گئی تھی، دوسرا حصہ آئین بنانے والی جماعت سے متعلق ہے تیسرے حصے میں بحث کی گئی ہے کہ کن اصولوں کو سامنے رکھ کر ہندوستان کا آیندہ آئین مرتب کرنا چاہیے، چوتھے حصے کے آخر میں حکومت برطانیہ اور ہندوستانی عوام سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ ان تجاویز کو منظور کر لیں تاکہ

ہندوستان کی گتھی سلجھ جائے اور ملک میں امن قایم رہے، یہ تجاویز صرف برطانوی ہند سے تعلق رکھتی ہیں۔ چنانچہ کمیٹی کے اعلان مین کہا گیا ہے کہ ہندوستان کی ریاستیں ہندوستانی یونین میں شامل ہونے پر آمادہ ہوں تو ان سے بات چیت کرنے کے بعد کوئی فیصلہ ہوسکتا ہے۔ کمیٹی کی طرف سے یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ اقلیتوں، ریاستوں، اچھوتوں اور بعض دوسرے مسایل کے بارے میں کمیٹی کی طرف سے چند اور تجاویز شایع کی جائیں گی۔

کرپس اسکیم:

سپرو کمیٹی نے تجویز کیا ہے کہ ہندوستان کا آئین کرپس اسکیم کی دفعہ ۴ کے مطابق بنایا جائے مگر اس نے اس تجویز کو پیش کیا ہے، اس دفعہ میں بعض ضروری ادل بدل کر دینا چاہیے تا کہ ہندوستانی قومی خواہشات پوری ہوسکیں جائیں۔ اس کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ آئین بنانے والی جماعت ۱۶۰ نمایندوں پر مشتمل ہو جس میں ہندوستان کی ساری قوموں کے نمایندے لیے جماعت میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے نمایندے بالکل مساوی ہوں گے۔ تفصیل حسب ذیل ہے: ہندو ۵۱، مسلمان ۵۱، اچھوت ۲۰، تجارت صنعت و حرفت مزدور اور عورتیں ۱۶، ہندوستانی عیسائی ۷، سکھ ۸، پسماندہ علاقہ جات و قبائلی ۳، اینگلو انڈین ۲، یورپین ۱، دیگر ا

کمیٹی نے جداگانہ انتخاب کی سخت مخالفت کی ہے اور سفارش کی ہے کہ ملک میں مخلوط انتخاب رائج ہونا چاہیے ہر فیصلے کے لیے ضروری ہے کہ ممبروں کی تین چوتھائی اس کے حق میں راے دے، اگر کسی ممبر اور اگر کسی امر کے متعلق تین چوتھائی ممبروں کی اکثریت نہ مل سکے تو اسے برطانیہ پر چھوڑ دیا جائے تا کہ حکومت برطانیہ اس کے بارے میں ثالثانہ فیصلہ کر سکے۔

پاکستان کی سخت مخالفت:

کمیٹی نے اصول پاکستان کی سخت مخالفت کی ہے اور لکھا ہے کہ ہندوستان کو ہر حالت میں اکھنڈ رہنا چاہیے۔ کسی صوبے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ہندوستانی یونین سے علیحدہ ہو سکے، کیوں کہ علیحدگی سے یہ ملک بالکل بلقان بن جائے گا، کسی ریاست کو یہ حق

حاصل نہیں ہوگا کہ ایک دفعہ ہندوستان کی یونین میں شامل ہونے کے بعد اس سے علیحدہ ہو سکے، کمیٹی نے لکھا ہے کہ آئین میں اس امر کی گنجائش رکھنی چاہیے کہ جو ہندوستان کی ریاست یونین میں شامل ہونا چاہیے اسے شامل کرلیا جائے مگر واضح کر دیا جائے کہ ہندوستان کی آزادی یا فیڈرل سسٹم مشروط نہیں ہونا چاہیے، یعنی اس میں یہ شرط نہیں ہونی چاہیے کہ اگر اس میں ریاستیں شامل ہوئیں تو فیڈرل سسٹم نافذ کیا جائے گا ورنہ نہیں، یا اگر ریاستوں کی اس قدر تعداد اس میں شامل ہوئی تو فیڈریشن بن سکے گا ورنہ نہیں، کمیٹی نے لکھا ہے کہ ہندوستانی ریاستوں کے لیے فیڈریشن میں شامل ہونے کا دروازہ ہر وقت کھلا رہنا چاہیے مگر کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہندوستان کی یونین کی تجویز پر جلد سے جلد عمل ہو سکے۔

ہیڈ آف دی اسٹیٹ:

کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ ہندوستان کے سارے داخلی امور اور خارجی امور کو سلجھانے کے لیے ایک ہیڈ آف دی اسٹیٹ بنتا چاہیے، اسے وہی اختیارات ملنے چاہییں، جو ملک معظم کو حاصل ہیں، ہندوستانی ریاستوں سے متعلق اختیارات بھی اُسے سونپ دینے چاہییں، ہیڈ آف دی اسٹیٹ ۵ سال کے لیے مقرر ہونا چاہیے۔

مرکزی پارلیمنٹ:

ہندوستان کی مرکزی پارلیمنٹ کے دو ہاؤس ہونے چاہییں، ۱۔ ایوان اعلیٰ اور ۲۔ ایوان تحت (کونسل آف اسٹیٹ اور سنٹرل اسمبلی) یونین اسمبلی کے انتخابات بالغوں کے حق رائے دہی کے مطابق عمل میں آنے چاہییں اور کونسل آف اسٹیٹ کے قیام کی ضروری باتیں آئین بنانے والی جماعت پر چھوڑ دینی چاہییں۔

مرکزی کابینہ:

مرکزی کابینہ میں ہندو، مسلمان، اچھوت، سکھ، عیسائی اور اینگلو انڈین وزیر مقرر کیے جائیں، کابینہ میں نمایندگی اسی تناسب سے عمل میں آنی چاہیے، جس طرح کہ مرکزی اسمبلی میں عمل میں لائی گئی ہو، کابینہ ہر حالت میں اسمبلی کے آگے جوابدہ ہو، یعنی اگر اسمبلی عدم

اعتماد کا ووٹ منظور کر لے تو کابینہ خود بخود علیحدہ ہو جائے گی، وزارت کولیشن کے اصول پر بنی چاہیے وزارت کے قیام کے لیے ایسے لیڈر کو دعوت دی جائے جس کو اپنی پارٹی یا دوسری پارٹیوں کی آمیزش سے اس کی پارٹی کو ہاؤس میں اچھی خاصی اکثریت حاصل ہو، کابینہ میں نائب وزیر اعظم آسامی ضرور رکھنی چاہیے، مگر عہدہ اسی قوم کے نمایندے کو نہیں ملنا چاہیے جس قوم سے وزیر اعظم تعلق رکھتا ہو، کابینہ میں ریاستوں کے امور کو سرانجام دینے کے لیے ایک خاص وزیر مقرر ہونا چاہیے، اگر کوئی قوم کابینہ میں شامل نہ ہو تو اس کے لیے جو آسامیاں مخصوص ہیں انھیں خالی نہیں رہنے دیا جائے گا بلکہ انھیں دوسری قوموں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

سپریم کورٹ:

مرکز میں سپریم کورٹ قایم کی جائے گی، جس کا چیف جسٹس وزیر اعظم کی طرف سے مقرر کیا جائے گا، صوبوں میں ہائی کورٹ کام کریں گے جن کی اپلیں سپریم کورٹ میں ہوں گی۔ ہندوستان اپنی قومی فوج بنائے گا اور ڈیفنس منسٹر (وزیر جنگ) اس کا اپنا ہوگا جو وزیر اعظم کے آگے جوابدہ ہوگا صوبوں میں آئین میں ترمیم کرنے کے لیے ممبروں کی تین چوتھائی کی اکثریت ضروری ہے۔

کمیٹی نے اس امر پر زور دیا ہے کہ آئین کے نفاذ سے ۵ سال تک مرکزی آئین میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔

پبلک سروس کے ممبروں کا تقرر ہیڈ آف دی اسٹیٹ اور وزیر اعظم کے باہمی مشورے کے مطابق عمل میں آئے گا۔ آخیر میں کمیٹی کی طرف سے اپیل کی گئی ہے کہ حکومت برطانیہ اور ہندوستانی عوام کو یہ تجاویز منظور کر لینی چاہییں اور لکھا ہے کہ اگر یہ تجاویز منظور نہ ہوں تو اس صورت میں برطانیہ کی طرف سے کوئی آئین بن جانا چاہیے، مگر اسے عارضی آئین سمجھ کر اس پر عمل کرنا چاہیے اور ہندوستانی لیڈروں پر مشتمل ایک آئینی کمیٹی بنا دینی چاہیے تاکہ یونین کے اصول پر جلد سے جلد عمل شروع ہو جائے۔

(زمزم، لاہور: ۱۱/اپریل ۱۹۴۵ء)

مولانا آزاد کی صحت (شذرہ):

۱۱/اپریل ۱۹۴۵ء: مولانا ابوالکلام آزاد کی بین الاقوامی شخصیت اوران کا فضل وکمال شہرت وتعارف سے بالاتر ہے، عالم انسانیت کا یہ دماغ آج جیل میں مقفل ہے اور اسکی کنجی ان نالایق ہاتھوں میں ہے جو مولانا محترم کی جوتیوں کا تسمہ کھولنے کی بھی اہلیت نہیں رکھتے، مولانا موصوف جو اپنی فکر اور عملی صلاحیتوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتے جیل میں بند ہوں، اور نہ صرف بند ہوں بلکہ وہاں ان کا ۴۵ پونڈ وزن بھی کم ہو جائے اور برطانیہ کا ایمری جو علم وانسانیت کا سب سے بڑا دشمن ہے کھلے بندوں آزاد پھرے، موجودہ سیاست کی ستم گاریوں کا عبرت انگیز عجوبہ ہے!

ہندوستان کا ہر فرد وبشر اس خبر سے بے حد مضطرب ہے کہ مولانا محترم کی صحت اپنے معیار سے بہت زیادہ گر چکی ہے اور آپ کا وزن دو چار پونڈ نہیں ۴۵ پونڈ کم ہو گیا ہے اس خبر سے برطانیہ پر کوئی اثر نہ ہوگا اور حکومت ہند کی قہارت میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ البتہ ہندوستان یہ معلوم کر کے سخت بے چین ہو گیا ہے اور اس کی بے چینی حق بجانب ہے کہ اس کا رہنمائے اعظم انتہائی بے کسی کی حالت میں ہے اور اس قابل بھی نہیں ہے کہ عالم انسانیت کو اپنے حال سے آگاہ بھی آسکے!

ہمارے نزدیک حکومت سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ مولانا محترم کو رہا کردے قطعاً بے سود ہے، حکومت اغراض کی بندہ ہے، گرفتاری اور رہائی دونوں میں اس کی غرض پوشیدہ ہے۔ جب تک اس کی غرض پوری نہ ہوگی وہ کسی کو رہا نہ کرے گی اور جب اس کی مصلحت کا تقاضا ہوگا کہ رہا کردے تو اسے رہا کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا، اس سلسلے میں ہمارے مطالبات کی کوئی قیمت نہیں، البتہ ہم یہ ضرور عرض کریں گے کہ حکومت اپنی انسانیت کا ثبوت دیتے ہوئے مولانا محترم کے معاملے پر خصوصی توجہ مبذول کرے اور خاص سرکاری بلیٹن کے ذریعے یہ بتائے کہ حضرت مولانا کی صحت کا معیار کیا ہے! ۴۵ پونڈ وزن کم ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں اور پبلک یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین ہے کہ مولانا کی صحت میں اب تک کس قدر ترقی ہوئی ہے۔

(زمزم، لاہور: ۱۱/اپریل ۱۹۴۵ء)

مولانا آزاد اور مولانا مدنی کی توہین:

۱۳/ اپریل ۱۹۴۵ء: مسٹر جناح نے بی بی سی کے نمایندوں کے سامنے مولانا آزاد اور مولانا مدنی کو انگریزی زبان کی سب سے بڑی گالی دی اور کہا ہر قوم میں کوئزلنگ ہوا کرتے ہیں۔ آپ کے لارڈ ہاہا کہاں ہیں۔ (مدینہ بجنور)

اسی طرح چودھری خلیق الزماں صاحب لیڈر لیگ پارٹی یو۔پی اسمبلی نے ایک تقریر میں کہا تھا کہ میں نے مولوی حسین احمد مدنی کے سامنے سے پلاؤ کا پلیٹ چھین لیا ہے، (علماے حق) غالباً چودھری صاحب بھی انگریز ٹوڈیوں ہی کے چٹے بٹے تھے۔

(حسرت موہانی۔ ایک سیاسی ڈائری)

جمعیت کے اجلاس کی تجاویز:

۱۵/ اپریل ۱۹۴۵ء: جمعیت علماے ہند کی مجلس عاملہ کا جلسہ ۱۴، ۱۵/ اپریل کو بصدارت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیت علماے ہند منعقد ہوا، فیصلہ کیا گیا کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی مدظلہ کے اسم گرامی کا اس اجلاس کی صدارت کے لیے اعلان کر دیا جائے، دوسری تجویز میں سپرو کمیٹی کی سفارشات پر مجلس عاملہ نے حسب ذیل قرارداد منظور کی ہے:

جمعیت علما کی ورکنگ کمیٹی نے سپرو کمیٹی کی سفارشات کو غور سے پڑھا، اس میں سیاسی قیدیوں کی رہائی اور ملک معظم کی طرف سے ہندوستان کے لیے آزاد مملکت ہونے کے شاہی اعلان اور صوبوں میں گورنری راج کے خلاف مجلس آئین ساز اور وزارتوں کی بحالی اور موجودہ ایگزیکٹیو کونسل کے بجائے قومی حکومت کے قیام کا مطالبہ تو تمام ہندوستانیوں کے مطالبات کی ترجمانی ہے، مگر جہاں تک آزادی ہند کی نوعیت کا تعلق ہے نیز حق خود ارادیت کی کلیۃً نفی اور دستور ساز اسمبلی میں اچھوتوں کے لیے جداگانہ نیابت کا استحقاق اور آیندہ آزاد حکومت کی تشکیل اور اس کی بعض تفصیلات چونکہ جمعیت علما کے نصب العین اور اس کی سابقہ منظور شدہ تجاویز کے خلاف ہیں، اس لیے جمعیت علماے ان سفارشات کو ہندوستان کے مسئلے کا صحیح حل اور ملک کے لیے مفید نہیں سمجھتی۔

تیسری تجویز میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا منیز الزماں اسلام آبادی، مولانا نور الدین بہاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا اوران حضرات کی علالت پر اظہار تشویش کیا گیا، چوتھی تجویز میں آسام لائین سسٹم کی مخالفت کی گئی اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ مسلمانوں پر وہاں جو زیادتیاں ہو رہی ہیں ان کی غیر جانب دار کمیشن سے تحقیقات کرائی جائے، پانچویں تجویز میں حکومت ہند اور حکومت آسام سے مطالبہ کیا گیا کہ آسام کے اسکولوں میں جو تاریخ یا اس کے نام سے کتاب داخل کورس ہے اس میں سے تصاویر کو خارج کر دیا جائے، وہ تصاویر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرضی تصاویر ہیں، علاوہ ازیں مجلس عاملہ نے جمعیت علما کے سالانہ اجلاس کے لیے ایجنڈا بھی مرتب کیا جو ارکان اور نمایندوں کے نام ارسال ہوگا۔ اس اجلاس میں صدر محترم کے علاوہ مولانا کفایت اللہ صاحب، مولانا فخر الدین صاحب، مولانا احمد سعید صاحب، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا طفیل احمد صاحب، مولانا محمد میاں صاحب مولانا محمد نعیم صاحب، مولانا شاہد صاحب، مولانا بشیر احمد صاحب، مولانا عبد الحلیم شامل تھے۔ (محمد وحید الدین قاسمی)۔ (زمزم، لاہور: ۲۷/اپریل ۱۹۴۵ء)

محمود نگر کی تعمیر:

۱۵/اپریل ۱۹۴۵ء: سہارن پور، جمعیت علماے ہند کے اجلاس کے لیے عظیم الشان دل کش پنڈال تیار ہو رہا ہے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے نام نامی کی مناسبت سے پنڈال کا نام محمود نگر تجویز کیا گیا ہے۔ (زمزم، لاہور: ۱۵/اپریل ۱۹۴۵ء)

۱۵/اپریل ۱۹۴۵ء: نائب صدر جمعیت علماے صوبہ آگرہ کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا ہے:

> بعض لوگوں نے مشہور کیا ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی احرار کانفرنس بجنور میں شرکت فرمائیں گے جو ۱۴، ۱۵/اپریل کو منعقد ہونے والی ہے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب ۱۴/اپریل کو جمعیت علماے ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں شریک ہونے کے لیے دہلی جائیں گے، احرار کانفرنس میں شریک نہ ہوں گے۔

(زمزم، لاہور: ۱۵/اپریل ۱۹۴۵ء)

ہیئت اجتماعیہ اسلامیہ کی تشکیل کا اہم فریضہ:

انتخاب امیر کے اہم ترین اور مبارک مقصد کے لیے علما و مشائخ و عمائدین صوبہ یوپی کا نہایت ضروری اور اہم اجتماع بتاریخ ۲۰ ر جمادی الاولی ۱۳۶۴ھ مطابق ۳ ر مئی ۱۹۴۵ء بروز پنج شنبہ بمقام سہارن پور ہوگا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انتخاب امیر کے متعلق مختصر طور پر شرعی حیثیت سے اپنے خیالات ونظریات کو ظاہر کر دیا جائے تا کہ کسی قسم کی کوئی غلط فہمی نہ رہے اور شکوک واوہام کا ازالہ ہو جائے۔

جناب والا! اس مسئلے کی اہمیت اور ضرورت بظاہر محتاج بیان نہیں کہ جب مسلمانوں کے بلاد پر کفار کا استیلا وغلبہ ہو جائے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے نظام شرعی کے قیام وبقا کے لیے مسلم والی (امیر محکمہ شرعیہ) منتخب کریں۔

سلطنت مغلیہ کے زوال یعنی تقریباً ڈیڑھ سو برس سے مسلمانانِ ہند پر یہ فرض عاید گیا ہے، سیدنا حضرت شاہ عبد العزیز صاحب قدس اللہ سرہ العزیز اور ان کے جانشینوں نے اس اہم ترین فریضہ کی طرف توجہ فرمائی اور تعمیل فرمان شریعت کا حق ادا کر دیا، مگر افسوس ان بزرگوں کے بعد غفلت تساہل، باہمی مخالفت یا عدم مساعدتِ اسباب کے باعث تقریباً اسی (۸۰) سال پیشتر سے مسلمانان ہند نے اس عظیم الشان فریضہ کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا جس کا لازمی نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا۔

کیا آج مسلمانانِ ہند کی اجتماعی زندگی باہمہ زہد وتقویٰ حقیقتاً ایک غیر شرعی زندگی نہیں ہے؟ ہم نے شخصی اور اجتماعی زندگی کے باہمی امتیاز اور ان کے احکام کی طرف کبھی توجہ نہیں کی، نہ اجتماعی زندگی کی اہمیت کو کبھی مدنظر رکھا ہم نے تنظیم شرعی کے بغیر صرف ادائیگی فرایض شخصی کو سعادت عظمیٰ اور وثیقہ نجات سمجھ لیا حالانکہ نص حدیث کے بموجب یہ رہبانیت ہے جس سے اسلام نے برأت کا اعلان کیا ہے۔

اور اگر خدانخواستہ آج بھی ہماری جماعت کے تنافس وتفاخر کا پہاڑ سنگ راہ بنا رہا اور فروعی اختلافات کی خلیج اس راہ میں حائل ہوتی رہی تو یاد رکھیے کہ سرزمین ہند میں جو حالت ہماری آج ہے مستقبل میں وہ اس سے بھی بدتر ہو جائے گی اور ہمارے علما و مشائخ کی یہ محترم

جماعت اپنے طرز عمل سے تمام دنیا پر ثابت کر دے گی کہ ان میں کام کرنے کی صلاحیت نہیں، اور پھر اس اجتماع کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہے گا کہ اصلاح امت اور وراثت انبیا کے دعووں سے ہمیشہ کے لیے دست بردار ہو جائے۔

محترما! غور فرمایئے، ہدایت امت، فلاح و بہبود ملت، نظام شرعی کے قیام و تحفظ وغیرہ کی ذمہ داریاں عنداللہ کس جماعت پر عاید ہوتی ہیں؟ صرف علمائے کرام اور ذی علم مشائخ ذی احترام پر اور صرف انہی پر کہ یہی حضرات قدرتاً اور من جانب اللہ مسلمانوں کے قاید ہیں، قیادت اور رہنمائی کی تمام ذمہ داری انھیں حضرات کے سر ہے، یہی حضرات شرعاً ارباب حل وعقد ہیں لہٰذا اس اہم فرض کی بحسن وخوبی انجام دہی صرف انہی حضرات کا کام ہے اور اس کے لیے جس قدر بھی ایثار وقربانی کی ضرورت ہو اور جتنی بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے، پامردی اور نہایت دلیری کے ساتھ ان کو برداشت کرنا ان کا طرہ امتیاز ہے اور موجب صد افتخار۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ فریضہ ایسا دشوار نہیں جیسا کہ عموماً خیال کر لیا جاتا ہے، صرف ایک چیز کی ضرورت ہے یعنی ذاتی اغراض اور مزعو شخصیت کی بے محل داشت و پرداخت کو قربان کر دیا جائے، ظنون فاسدہ اور وساوس واوہام کاسدہ سے سینہ پاک کر لیا جائے، پھر قادر ذوالجلال کے واسطے اور دین اسلام کی خاطر، ایک متحدہ مقصد میں اتحاد خیالات اور اتفاق عمل پیدا کر لیا جائے۔ صرف نفی اور اثبات وثیقہ کامیابی ہے، ایک غلط تخیل ہمارے محترم علما اور مشائخ کو اس فریضہ کی جانب اقدام سے مانع ہوتا ہے اور یہی غلط تخیل ہے جو ضرورت و وجوب کے اعتراف واقرار کے باوجود ہمارے محترم بزرگوں کو متردد متفکر بنائے رکھتا ہے، یعنی یہ خیال کہ امیر شریعت کے اختیارات غیر محدود ہوں گے، اتباع واطاعت کی کوئی حد نہ ہوگی، امیر مطلق العنان ہوگا، اور اس لیے یہ امیر جس خیال ومشرب کا ہوگا اسی کے مطابق احکام نافذ کرے گا، جس کی اتباع تمام لوگوں پر شرعاً واجب ہوگی، اور بصورت عدم اتباع نقض بیعت ہوگا جو بدترین معصیت ہے، اور اگر اپنی تحقیق کے خلاف امام کی ظاہری اتباع کی جائے تو تدین کے خلاف ہوگا یہی خطرات ہیں جو اس سلسلے میں اکثر حضرات کو پیش آتے ہیں۔

خطرات کا ازالہ:

بے شک اگر امیر ایسا مطلق العنان ہو تو ہر ایک ذی علم اور متدین شخص کے یہ شبہات اپنے مقام پر بہت صحیح ہیں۔

مگر واقعہ یہ ہے:

ا۔ امیر کے اختیارات محدود ہوں گے وہ نہایت مدبر اور مصالح شریعت سے واقف شخص ہوگا۔

۲۔ مسائل متفقہ منصوصہ کو نافذ کرے گا۔

۳۔ مقاصد و وسائل اعلاء کلمۃ اللہ پر ہمیشہ نگاہ رکھے گا، اور ان کے متعلق خصوصیت سے احکام نافذ کرتا رہے گا۔

۴۔ وہ ایسے احکامات نافذ کرے گا جن سے بلا امتیاز فرق تمام امت مسلمہ کی فلاح و بہبود متصور ہو۔

۵۔ ایسے فروعی و مختلف فیہ مسایل کے اجرا اور تنفیذ کا اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا جن کی اجتماعی زندگی میں حاجت نہیں ہوتی۔

۶۔ مختلف فیہ مسایل کی بحث و تحقیق کو نہیں روکے گا، البتہ جنگ وجدال اور فساد کو رفع کرنے کی ہمیشہ کوشش کرتا رہے گا۔

۷۔ یہ نہیں ہوگا کہ اس کا ہر عمل، ہر خیال تمام فرق اسلامیہ کے لیے واجب الاتباع ہو، چنانچہ جس عالم کی تحقیق کے خلاف ہو اور اس بنا پر اس مسئلے خاص میں امیر کی اتباع نہ کرے تو وہ عالم ہرگز مستحق طعن نہیں ہوگا۔ اس کی بیعت ٹوٹے گی، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ کتنے مسایل میں جن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد ماجد خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اختلاف رکھتے تھے، کتنی جزئیات ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عثمانؓ سے متفق نہ تھے تو کیا آج تک کسی نے اس اختلاف کو نقض بیعت سمجھا؟ اور کیا ان حضرات نے اس فروعی اختلاف کے باعث دوسرے اجتماعی، احکامات میں امیر کی اطاعت واتباع سے روگردانی کی؟ ہرگز نہیں!

شرائط انتخاب امیر:

ایک سوال یہ ہے کہ موجودہ وقت میں اس صوبہ کے امیر کے لیے کیا کیا شرائط ہونے چاہییں، انتخاب کن اصولوں پر ہو اور امیر کا طریق کار کیا ہو؟

جواباً عرض ہے کہ چونکہ یہ کام شرعی اور سیاسی نقطہ نظر سے انجام دینا ہے اس لیے ہر پہلو کا لحاظ ضروری ہے۔ پس اس قحط الرجال کے زمانے میں اغراض و مقاصد شریعت کو مدنظر رکھ کر جن شرایط کے ساتھ امیر کا انتخاب ہونا چاہیے وہ ہمارے نزدیک حسب ذیل ہیں، ہمیں امید ہے کہ آپ بھی ان کو پسند فرمائیں گے:

۱۔ عالم عمل، صاحب تقویٰ جس کا علمی حیثیت سے زمرۂ علما میں وقار اور اثر ہو تاکہ علمائے کرام اس کے اقتدار کو تسلیم کریں اور صاحب بصیرت ہو، تاکہ نہایت تدبیر کے ساتھ احکام نافذ کرے۔

۲۔ اگر وہ مشائخ طریقت میں بھی صاحب وجاہت ہو اور اس کے حیطۂ اثر میں صوبہ کے مسلمانوں کی ایک معتد بہ جماعت بھی اس حیثیت سے موجود ہو تو یہ بہت ہی بہتر اور ''نور علیٰ نور'' کا مصداق ہو۔ تاکہ عوام و خواص اس کے اثر سے متاثر ہوں اور شرعی تنظیم اور اجتماعی قوت جلد سے جلد پیدا ہو سکے۔

۳۔ حق گوئی و حق بینی میں نہایت بے باک ہو اور کسی مادی طاقت سے متاثر و مرعوب ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

۴۔ مسایل حاضرہ میں بھی ایک حد تک صاحب بصیرت ہو اور تدبیر کے ساتھ کام کر رہا ہو تاکہ ہمارا کام بحسن و خوبی تیزی کے ساتھ آگے بڑھے۔

۵۔ لاپرداہی اور خود رائی کے مرض سے پاک ہو۔

ہمارے خیال میں موجودہ وقت میں یہی شرایط مع لحاظ احکام شریعت بہت کافی ہیں بلکہ وہ معیار ہیں جس پر صوبہ ہذا میں دو ایک آدمی ہی پورے اتر سکتے ہیں۔

اب رہا اصول انتخاب تو ظاہر ہے کہ یہ کام شرعاً ارباب حل وعقد کا ہے جس کے مصداق علمائے کرام اور ذی علم مشائخ ہیں اور یہ حق شرعاً انھیں کو حاصل ہے، اس کے بعد عوام کا فرض انقیاد و اتباع ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تمام صوبہ کے ہر عالم اور ہر شیخ طریقت کا

انتخاب کے وقت موجود رہنا یا کل کا انتخاب کرنا بھی ضروری نہیں خلیفۂ اول رضی اللہ عنہ کا انتخاب آپ کے پیش نظر ہے کہ بغیر موجودگی جملہ ارباب حل وعقد، انتخاب عمل میں آیا اور اس کی صحت پر اجماع ہوا بلکہ تمام اہل مدینہ اور بلاد اسلامیہ میں انتخاب کے لیے کوئی بھی اعلان نہیں ہوا تھا۔

پس جمعیت علماے کے اعلان عام اور دعوت خاص کے بعد جس قدر بھی علما و مشائخ تاریخ مقررہ پر مجتمع ہو کر انتخاب فرمالیں گے شرعا وہ بالکل درست ہوگا اور بقیہ حضرات پر تسلیم وانقیاد واجب ہوگا، امیر کا طریق کار یہ ہوگا کہ چند چیدہ چیدہ علما کی ایک مجلس شوریٰ ہوگی جس سے مشاورت کے بعد باصول شریعت امیر فیصلہ کرے گا، احکام جاری و نافذ کرے گا، جن کی نظیریں قرون اولیٰ کے اندر موجود ہیں۔

محترما! آخر میں جناب والا سے مکرر گذارش کی جاتی ہے کہ ان تمام معروضات کو غور سے مطالعہ فرمایئے، اگر آپ کو اس سے اتفاق ہو تو اسی معیار کے مطابق ہمارے میں نے جن حضرات کو آپ اہل سمجھتے ہوں اور بہتر سمجھتے ہوں مہربانی فرما کر ان سے بھی استصواب کر کے تشریف لایئے اور اگر اس معیار کے علاوہ اس سے بہتر کوئی معیار نظر بحالات حاضرہ باصول شریعت جناب کے خیال میں آئے تو ۲۲/اپریل ۱۹۴۵ء تک مولانا محمد میاں صاحب مدرسہ شاہی مرادآباد کے نام بھیج دیں۔

مولانا ابو الوفا (صاحب) صدر جمعیت علماے آگرہ (مولانا، سید) محمد شاہد صاحب، فاخر نائب صدر جمعیت علماے صوبہ آگرہ وسجادہ نشین دایرہ شاہ اجمل صاحب قدس اللہ سرہ العزیز الہٰ آباد وغیرہ ہم۔ (زمزم، لاہور: ۱۹/اپریل ۱۹۴۵ء)

جمعیت علماے بنگال کی کانفرنس:

کلکتہ، ۱۰/اپریل، مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیت علماے ہند نے جمعیت علماے بنگال کانفرنس کی کامیابی پر بیان دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ کانفرنس نتائج کے اعتبار سے بہت کامیاب رہی، چند افراد نے گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کی تھی لیکن جمعیت کے رضا کاروں نے انھیں جلسہ گاہ سے نکال دیا، کانفرنس کی کارروائی معین اوقات میں شاندار کامیابی کے ساتھ ختم ہوئی۔ (زمزم، ۱۹/اپریل ۱۹۴۵ء)

مرکز تنظیم اہل سنت کے خلاف بہتان عظیم:

۱۹/ اپریل ۱۹۴۵ء: اخبار شیعہ نے بعنوان ''لاہور میں مدح صحابہ کا شاخسانہ'' قابل توجہ حکومت پنجاب تحریر فرمایا:

> گزشتہ ہفتے دہلی دروازے کے باغ میں جمیعت العلما کے اجلاس ہوئے جن میں مفتی کفایت اللہ، مولانا حسین احمد مدنی، ظفر الملک، نے شیعوں کے خلاف تقاریر کیں۔ (شیعہ لاہور، ۲۴/ مارچ ۱۹۴۵ء)

ہم حیران ہیں کہ ان سطور کے جواب میں سوائے اِنْ ھذا الا بہتان عظیم کے اور کیا کہیں، اگر معاصر محترم اپنے اس بیان پر بقائی ہوش وحواس تھوڑی سی توجہ مبذول کر لیتا تو اسے حکومت پنجاب کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی، دہلی دروازہ کے باہر جمیعت العلما کا اجلاس گزشتہ ہفتہ بجائے خود گزشتہ دو تین سال میں بھی نہیں ہوا، گزشتہ ہفتے مرکز تنظیم کا اجلاس بے شک ہوا، مگر اس میں بھی ان حضرات نے شیعوں کے خلاف کوئی تقریر نہیں کی۔

شہباز، زمیندار، اور زمزم وغیرہ اخبارات میں حضرت مفتی صاحب اور حضرت شیخ الاسلام مدظلہم کی تقاریر لفظ بہ لفظ شائع ہو چکی ہیں، ہم چیلنج کرتے ہیں کہ ان تقاریر میں شیعہ کا لفظ تک دکھا دیا جائے۔

اس سے بڑھ کر بہتان وافترا یہ کہ ظفر الملک نے شیعوں کے خلاف تقریر کی، حالانکہ سارے جلسہ میں مولانا ظفر الملک صاحب نے اسٹیج پر ایک لفظ بھی ارشاد نہیں فرمایا:

کیا یہی حقائق پیش کر کے ''شیعہ'' حکومت پنجاب کو متوجہ کرنا چاہتا ہے؟ کیا وہ حکومت پنجاب کو ادارہ شیعہ کی طرح اس قدر غیر ذمہ دار سمجھتا ہے کہ وہ سراسر غلط خبروں اور بے سروپا افواہوں پر کوئی توجہ مبذول کرے گی؟

اگر محترم ایڈیٹر صاحب شیعہ قلم اٹھاتے وقت اپنے ضمیر کی آواز نہیں سنتے یا ان کے دل کے کسی گوشے میں بھی خوف خدا نہیں ہے تو کاش وہ کم از کم اس خیال ہی سے قلم روک لیتے کہ خلق خدا یہ الفاظ پڑھ کر کیا کہے گی۔

ہم محترم ایڈیٹر صاحب پوچھتے ہیں کہ ان حضرات نے شیعوں کو کون سی فحش گالیاں

دی ہیں؟ شیخ الاسلام یا مفتی اعظم یا امام اہلسنت تو بجائے خود کیا کوئی شریف انسان کسی آدمی کو گالی دے سکتا ہے؟

ایڈیٹر صاحب شیعہ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہمیں موعظۂ حسنہ کے ذریعے سے دعوت الی الحق اور ارشاد الی اللہ کا حکم دیا گیا ہے، ہمارے نزدیک مقام نبوت اور تبلیغی اسٹیج پر تو درکنار کسی بھی موقعے پر کسی کو گالی دینا حرام اور قطعاً حرام ہے۔

(زمزم، لاہور، ۱۹/اپریل ۱۹۴۵ء)

جمعیت علماء کی تعلیمی کمیٹی کے ممبروں سے اپیل

مولانا سید محمد میاں کا بیان:

جو نصاب آزاد مدارس میں نصاب نظامی کے نام سے رائج ہے، اگرچہ اس میں دار العلوم دیوبند نے چند ترمیمیں کر دی ہیں۔ تاہم عام خیال یہی ہے کہ اس میں مزید ترمیم و اصلاح ہونی چاہیے۔

مرکزیہ جمعیت علمائے ہند کے اجلاس عام منعقدہ لاہور (۱۹۴۲ء) نے ترمیم نصاب کے متعلق ایک تجویز منظور کی تھی، مگر چونکہ دو ماہ بعد جناب صدر جمعیت علمائے ہند حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب گرفتار کر لیے گیے، اور پھر کچھ دنوں بعد عام گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، لہٰذا وہ تجویز جامۂ عمل سے عریاں ہی رہی۔

جولائی ۱۹۴۴ء کے وسط میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیت علمائے ہند رہا ہوئے، آپ نے رہائی کے بعد جو مجلس عاملہ طلب کی تو اس میں اس تجویز پر عمل کرنے کے لیے ایک کمیٹی بنا دی گئی، یہ کمیٹی ہندوستان کے دس چیدہ علما پر مشتمل ہے، جن کی گراں قدر عمریں تعلیم و تدریس ہی میں صرف ہوئی ہیں، یہ حضرات تشریح ابدان کے ماہر ڈاکٹروں کی طرح نصاب نظامی کی رگ رگ سے واقف ہیں۔

احقر نے اس کمیٹی کی خدمت میں اک یادداشت پیش کی ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قوم و ملت کی اصلاح اور اس کے ذہنی انقلاب کے لیے تعلیم اور

صرف تعلیم ہی وہ سنگ بنیاد ہے جس پر ترقی قوم کی بلند ترین تعلیم کی جا سکتی ہے۔

لہذا ہر بہی خواہ ملت سے استدعا ہے کہ وہ اس عرضداشت پر غور کرے اور جس طرح احقر نے اپنی رائے کے بموجب ایک یادداشت مرتب کر کے اس کمیٹی کی خدمت میں پیش کی ہے وہ بھی اپنی رائے سے حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیت علماے ہند گلی قاسم جان، دہلی کی معرفت جمعیت علما کی تعلیمی کمیٹی کے سامنے پیش کر دیں۔

اور اگر احقر کی یادداشت سے اتفاق ہو تو کم از کم اس کی تائید فرمادیں۔ (محمد میاں ناظم جمعیت علماے ہند)

نصاب نظامی میں ترمیم و اصلاح کے وقت استدعا ہے کہ مندرجہ ذیل معروضات بھی پیش نظر رہیں۔

حصہ اول: ۱۔ علماً اور عملاً خالص مذہبیت پیدا کرنا درس نظامی کی روح ہے، اصلاح و ترمیم کے وقت اس روح کو محفوظ رکھنا۔

۲۔ تعلیم کے ساتھ عملاً تربیت کو بھی نصاب کا لازمی جز قرار دیا جائے۔

۳۔ مدارس اسلامیہ کی تعلیم کا مقصود اگر یہ ہے کہ دور حاضر کے امراض و ضروریات کی تشخیص کر کے ان کا علاج اور تدارک کیا جائے، تو وہ عربی نصاب کی اصلاح ہی نہیں بلکہ ابتدائی تعلیم میں بھی ترمیم و جاذبیت پیدا کرنی ضروری ہے۔

۴۔ اس بنا پر ضروری ہے کہ تعلیم یعنی قرآن شریف، فارسی، اردو اور ریاضی کی اتنی تعلیم دی جائے جو پرائمری اسکولوں مین ہوتی ہے۔

حصہ دوم: وہ تعلیم جو مدارس عربیہ میں نصاب نظامی کے نام سے رائج ہے۔

حصہ سوم: فضلاے مدارس عربیہ کی تربیت (ٹریننگ)۔

۵۔ پرائمری اور اسلامی مکاتب میں جو تصادم چل رہا ہے صرف دہریت نوازی پر اس کو محمول کر لینا بڑی غلطی ہے، ہمیں اپنے مکاتب کی تعلیم سے ان نقائص کو دور کرنا چاہیے، جن کی بنا پر چند مفلس اور نادار لڑکوں کے علاوہ ہمارے مکاتب میں تعلیم پانے کے لیے بچے نہیں آتے، ابتدائی تعلیم کا مقصود یہ ہونا چاہیے کہ لازمی تعلیم کی آخری عمر یعنی گیارہ سال تک کی عمر تک مدارس اسلامیہ عربیہ میں تعلیم پانے والے بچے

الف: ناظرہ قرآن شریف ختم کرلیں۔

ب: عقاید اور اسلام کی ابتدائی تاریخ کے حافظ ہو جائیں۔

ج: فرض عبادات کے عادی ہو جائیں۔

د: نشست و برخاست، باہمی ملاقات، لباس و پوشاک، خور و نوش وغیرہ مجلسی امور میں سنن و مستحبات پر کاربند ہوں۔

ہ: اس کے ساتھ جو مضامین پرائمری اسکولوں میں پڑھائے جاتے ہیں وہ پڑھائے جائیں۔

و: کوشش کی جائے کہ ہمارے مکاتب و مدارس کے بچوں کو کسی امتحان میں شامل کیا جائے اور ان کو بھی سارٹیفکیٹ دیا جائے تاکہ جو مسلمان اپنے بچوں کو دینوی تعلیم دلانا چاہیں ان کا یہ عذر باقی نہ رہے کہ ان مکاتب میں تعلیم دلوانا بچے کی عمر ضائع کرنا ہے۔

۶۔ نمبرج اور د (یعنی تربیت) کا مقصد ان درجات میں بظاہر اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک مدارس کو اتالیق اور مربی کے فرائض کا ذمہ دار نہ گروانا جائے۔ اس کو صرف اتنے لڑکے سپرد کیے جائیں جن کی وہ تربیت بھی کر سکے، اور پھر اس کے لیے دار التربیت بھی قایم کیا جائے۔ ہر مدرسہ دار التربیت نہ قایم کر سکے گا نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر بچہ دار التربیت میں ہی داخل ہو، لیکن یہ تو ہو سکے گا کہ نمبرج اور د یعنی تربیت کی ذمہ داری کے علاوہ باقی اصلاح شدہ نصاب جاری کر سکے، اور اگر ایسا نہ کر سکے تو وہ مدرسہ یقین کر لے کہ ملت کے لیے مفید نہیں بلکہ مہلک ہے، اگر ایسا نصاب تجویز کر دیا جائے جو پرائمری تعلیم پر حاوی ہو اور حکومت کا سررشتہ تعلیم اس کو درجہ چار کے پاس شدہ کی حیثیت دے یا کم از کم اس کے پڑھے ہوئے بچوں کو درجہ چہارم کے امتحان میں شامل کر لے تو اس صورت میں مدارس عربیہ کے ذمہ دار حضرات کو حق ہوگا کہ عام مسلمانوں کے بچوں کو اپنے مدارس میں تعلیم دینے کی دعوت دیں اور یقین ہے کہ مسلمانوں کے بچے اتنی اکثریت کے ساتھ ایسی تعلیم کو حاصل کرنے کے لیے داخل ہوں گے کہ ایسے مدارس کو جو اپنے شہر میں خاص اہمیت رکھتے ہیں اپنے ماتحت ابتدائی تعلیم کی شاخیں شہر کے متعدد مقامات میں قایم کرنی ہوں گی، اور اس عمومیت سے سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوگا کہ مسلمانوں کے بچے ابتدائی عمر میں اسلامی تعلیم سے آشنا ہو جائیں گے، اور خود مدارس کے مفاد کے لیے یہ ہوگا کہ ان کا اثر و رسوخ جس قدر عام ہوگا، اسی قدر ان کی آمدنی میں اضافہ ہوگا اور اس صورت میں یہ بھی ممکن ہوگا کہ مستطیع بچوں

سے وہ فیس حاصل کریں۔

ابتدائی درجات کی تعلیم کا دوسرا جزوہ ہوگا جوان بچوں کو عربی تعلیم کے قابل بنائے اور جس میں فارسی اور جغرافیہ، حساب، تاریخ وغیرہ اس حد تک ہو جو اردو اسکولوں کے مڈل کلاس میں ہوتی ہے، تربیت اخلاق مذہبی جذبات کی پرورش اور اسلامی احکام وعقائد کی تعلیم ان درجات کے نصاب کے اہم اجزا ہوں گے۔

حصہ دوم: عربی تعلیم جس کو درس نظامی کہا جاتا ہے اس میں ضروری ترمیم لابد ہے یعنی تاریخ جغرافیہ وغیرہ کی کچھ کتابیں پڑھائی جائیں، شرح ملا جامی جیسی قلیل المنفعت صعب و دشوار کتابوں کو حذف کیا جائے، اس کے علاوہ مذہبی جذبات وآداب کی پرورش و تربیت جو اس نصاب کی روح ہے اس کی تقویت کی صورتیں تجویز کی جائیں، اس درجہ میں انگریزی زبان نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ اس سے اصل روح کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا یہی تجربہ ہے، ہاں یہ ضروری ہے کہ متن قرآن کی تعلیم وتفہیم کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ مبذول کرائی جائی کفایۃ المحتفظ کے بجائے اگر لغات قرآن سے متعلق کوئی کتاب پڑھائی جائے تو فہم قرآن اور تفقہ فی الدین کے لیے زیادہ کارآمد اور مفید ہو۔

(حصہ سوم) درجہ تکمیل:

سیاسی اور ملی لحاظ سے علمائے کرام کا تفوق اس پر موقوف ہے کہ وہ سیاست اور اقتصاد سے واقف ہوں۔ اسلامی سیاست اور اسلامی نظام واقتصاد کے وہ ماہر ہوں خود اعتمادی اور ایثار کا جذبہ رکھتے ہو، اس حد تک عسکری تربیت ان کو حاصل ہو، کہ وہ ملت میں عسکریت پیدا کر سکیں خدمت خلق، یعنی آتش زدگی، ڈاکا اور حملہ وغیرہ کے وقت ضرورت مند کی کامیاب امداد کر سکیں واقف ہوں۔

ان مقاصد کے لیے سیاسی اور تبلیغی تربیت گاہوں کے قیام کی ضرورت ہے جس میں انگریزی ہندی کی تعلیم لازمی، اخلاق، سیاست اموال اور سیر کے متعلق متقدمین کی کتابیں پڑھائی جائیں اور اس طرح اسلام کے سیاسی واقتصادی نظریے ذہن نشین کرائے جائیں۔

سیاست معیشت اقتصاد وغیرہ کے متعلق جو کتابیں اردو میں لکھی جا چکی ہیں ان کا مطالعہ کرایا جائے اور ان کی روشنی میں موقع بموقع مذاکرہ ہو، تبلیغ کے طریقوں کی مشق کرائی

جائے جفاکشانہ طریقہ زندگی کا عادی بنایا جائے مناسب صنعتوں کی تعلیم سے جذبات خود داری کی تقویت کی جائے اور قوتِ دبازو سے رزق حاصل کرنے کی مبارک سنت قایم کی جائے۔

۷۔اگر ہم اصطباغ بصبغۃ اللہ اور دین الٰہی کی رنگت پیدا کرنے کے لیے تعلیم عربی کو ضروری سمجھتے ہیں تو ہمارے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ عربیت کو زیادہ سے زیادہ آسان بنانے کی کوشش کریں، ایک ایسا مختصر نصاب تیار کیا جائے کہ اگر شبینہ مدارس کے طرز پر کوئی درس گاہ قایم کرکے کاروباری انسانوں کو محدود وقت میں تعلیم دی جائے تو فقہ، عربی، حدیث اور تفسیر کی کتابیں سرسری طور پر وہ پڑھ سکیں اور سمجھ سکیں عربی کو مشکل بنا کر مرعوب کرنے کے بجائے اس کو سہل بنا کر اور آسان بنا کر سواد طالبین کو کثیر کرنا چاہیے،

بالخصوص ایسی کتابیں اور ایسا ترجمہ قرآن تجویز فرمایا جائے، جس میں گریجویٹوں کی مناسبت اور استعداد کا بھی لحاظ ہو۔

اور دین اور اصطباغ بدین اللہ کے لیے بظاہر نہایت مفید اور ٹھوس شکل ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ صرف اردو ہی کی کتابوں کا ایک نصاب مرتب کیا جائے جس سے زیادہ مشغول حضرات بھی دینیات سے بہ قدر ضرورت واقف ہوجائیں۔

(محمد میاں عفی عنہ، ناظم جمعیت علمائے ہند۔مرادآباد)

(زمزم، لاہور: ۱۹/جولائی، ۱۹۴۵ء)

یہ حوالہ اگرچہ زمزم لاہور مورخہ ۱۹ جولائی کا ہے لیکن یہ ایک ایسے مسئلے پر ہے جس پر یہاں درج ہوجانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لیے اسے اسی جگہ رہنے دیا گیا ہے۔

(ا۔س۔ش)

مولانا آزاد کی بانکوڑا منتقلی:

......اپریل ۱۹۴۵ء: مولانا ابوالکلام آزاد کو قلعہ احمد نگر سے بانکوڑا جیل منتقل کردیا گیا ہے، ان کے بعض ساتھی جورہا ہوئے ہیں، ان کے ذریعے سے مولانا کی صحت کے بارے میں خبروں نے عوام میں بے چینی پیدا کردی تھی، ان خبروں سے متاثر ہو زمزم، لاہور نے یہ اداریہ شائع کیا ہے۔

''مولانا ابوالکلام ہندوستان کی ان محبوب ہستیوں میں ہیں جن کا احترام ان لوگوں کے دل میں بھی موجود ہے جو سیاسی دنیا میں ان سے زبردست اختلاف رکھتے ہیں، خصوصاً مسلمانوں میں موصوف کی شخصیت کو جس محبت و عظمت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے وہ ناقابل بیان ہے، لیکن افسوس ہے کہ حکومت کی طرف سے مولانا کے ساتھ جیل میں جو سلوک روا رکھا جا رہا ہے اس میں عوام کے ان جذبات کے ساتھ بڑی بے رحمی کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کی جارہی ہے، مولانا کی صحت عرصے سے خراب اور مجلس عاملہ کے جو ممبر اُن کے ساتھ جیل میں محبوس تھے اُن میں سے بعض نے رہا ہونے پر ذمہ دارانہ طور سے آپ کی صحت کی نسبت تشویش ناک بیانات دیے ہیں، ہمارا خیال تھا کہ حکومت کے متعلقہ افراد اتنے بے حس نہ ہوں گے کہ اپنے رویے میں کوئی مناسب تبدیلی کی ضرورت محسوس نہ کریں لیکن تازہ اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارا یہ خیال غلط تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ مولانا کو احمد نگر جیل سے بنگال کے ایک مقام بنکوڑا میں منتقل کر دیا گیا ہے اور یہ ہدایت کی گئی ہے کہ آپ کے کھانے پینے پر صرف سو روپیہ ماہوار صرف کیا جائے، بنکوڑا آب و ہوا کے لحاظ سے بہت مرطوب جگہ ہے جہاں مچھروں کی کثرت اور ملیریا کی شدت کی وجہ سے بھلے چنگے آدمی کا بیمار ہو جانا یقینی ہے چہ جائے کہ ایک بیمار آدمی کو وہاں رکھا جائے، ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمام دوسرے مقامات کو نظر انداز کر کے بنکوڑا جیل کو مولانا کے لیے منتخب کرنے میں اگر انتقامی سلوک کی بو نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے، اگر حکومت میں اتنی عاقبت اندیشی نہیں ہے کہ وہ مولانا کو رہا کر کے ملک کی فضا کو درست کرنے کی کوشش کرے تو کم از کم اتنا احساس تو اسے ہونا چاہیے کہ موصوف کے رہنے کے لیے کوئی صحت بخش مقام منتخب کیا جائے۔

قید بند کی گھٹی ہوئی فضا اور تقاضائے عمر کے علاوہ اس تین سال کے دوران مولانا کو اپنی محبوب بہن اور عزیز بیگم کی دائمی مفارقت کا صدمہ بھی

برداشت کرنا پڑا ہے۔ اس لیے اب موصوف کو اپنے سیاسی ساتھیوں سے علیحدہ کر کے ایک غیر صحت بخش مقام میں تنِ تنہا محبوس کر دینا ایک ایسا فعل ہے جس کی تائید میں کوئی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی"۔

(زمزم، لاہور: ۲۷ر اپریل ۱۹۴۵ء، ص ۲)

جمعیت علماے ہند کے اجلاس کی شاندار تیاریاں:

۱۹ر اپریل ۱۹۴۵ء: سہارن پور، حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی کی پر مغز تقریر، مولانا منظور النبی صاحب ناظم استقبالیہ کی زیرِ صدارت چوک فوارہ میں جمعیت علما کے سالانہ اجلاس کو کامیاب بنانے کے لیے ایک عظیم الشان جلسہ ہوا، جلسہ کا نظم بہت سے رضا کار کر رہے تھے، تلاوت قرآن کریم کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی نے موجودہ تحریکات ک متعلق جمعیت علماے ہند کے نظریہ کی وضاحت فرمائی، اور لوگوں سے جمعیت علما کے سالانہ اجلاس کو کامیاب بنانے کی پر زور اپیل کی جس سے حاضرین نہایت متاثر ہوئے، اور ہر قسم کی امداد کا وعدہ فرمایا اور بہت سے نوجوانوں نے جلسہ میں رضا کارانہ خدمات پیش کیں۔ (آفس سیکریٹری)

(زمزم، لاہور: ۳۰ر اپریل ۱۹۴۵ء)

آزاد ہند فوج کی پسپائی:

۲۴ر اپریل ۱۹۴۵ء: اسی درمیان جولائی ۱۹۴۴ء میں بہت سارے فوجی ملیریا اور پیچش کا شکار ہو گئے، انہیں مورچے سے ہٹا کر مانڈلے اور رنگون کے اسپتالوں میں بھرتی کرانا پڑا۔ حال آں کہ ان تمام مشکلوں سے نبٹا جا سکتا تھا اور کسی حد تک ہم نبٹ بھی رہے تھے، لیکن نجات دہندہ فوج کا پانسہ اس لیے بھی پلٹا کہ برطانوی افواج اپنی ہوائی طاقت اور مشینی ساز و سامان بڑھا کر مکتسلا میں گھس آئی اور آخرش اسے رنگون پہنچنے میں بھی کامیاب ہو گئی، ان حالات میں یہ ضروری تھا کہ ہماری فوج برما سے ہٹ جائے اور پھر آزاد ہند کی عارضی سرکار کے حکم پر آزاد ہند فوج نے ۲۴ر اپریل ۱۹۴۵ء کو پیچھے ہٹنا شروع کر دیا، ہماری فوج کو پیچھے ہٹنے میں لگ بھگ تین ہفتے لگ گئے۔ (کرنل محبوب احمد: ص ۲۸۔۲۷)

مجلس عاملہ کا اجلاس:

۲۵؍اپریل ۱۹۴۵ء: دہلی، ۱۷؍اپریل، جمعیت العلماے ہند کی مجلس عاملہ کا جلسہ ۱۴، ۱۵؍اپریل کو شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی صدارت میں منعقد ہوا، مجلس عاملہ نے غور وفکر کے بعد متعدد تجاویز پاس اور منظور کیں، ایک تجویز میں جمعیت علماے ہند کے چودھویں سالانہ اجلاس عام سہارن پور کے لیے صوبائی جمعیتوں کی مرسلہ آرا کے پیش نظر فیصلہ کیا گیا کہ مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے نام کا اس اجلاس کی صدارت کے لیے اعلان کیا جائے، دوسری تجویز میں سپرو کمیٹی کی سفارشات پر مجلس عاملہ نے حسب ذیل فیصلہ کیا۔

جمعیت کی ورکنگ کمیٹی نے سپرو کمیٹی کی سفاشات کو غور سے پڑھا، اس میں سیاسی قیدیوں کی رہائی اور ملک معظم کی طرف سے ہندوستان کے لیے آزاد مملکت ہونے کے شاہی اعلان اور صوبوں میں گورنری راج کے خلاف مجلس آئین ساز اور وزارتوں کی بحالی اور موجودہ ایگزیکٹیو کونسل کے بجائے قومی حکومت کے قیام کا مطالبہ تو تمام ہندوستانیوں کے مطالبات کی ترجمانی ہے، مگر جہاں تک آزادی ہند کی نوعیت کا تعلق ہے، نیز حق خوداردیت کی کلیۃً نفی اور دستوار ساز اسمبلی میں اچھوتوں کے لیے جداگانہ نیابت کا استحقاق اور آیندہ آزاد حکومت کی تشکیل اور اس کی تفصیلات چوں کہ جمعیت کے نصب العین اور اس کی سابقہ منظور شدہ تجاویز کے خلاف ہیں، اس لیے جمعیت علما ان سفارشات کو ہندوستان کے مسئلے کا صحیح حل اور ملک کے لیے مفید نہیں سمجھتی۔

ایک تجویز کی رو سے مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا منیر الزماں صاحب، اسلام آبادی، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا نوار الدین بہاری جو آج کل مختلف جیلوں میں نظر بند ہیں، ان کی رفتار صحت پر اظہار تشویش کرتے ہوئے حکومت سے ان حضرات کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا گے، اور برہم پتر پولیس کے رویہ پر اظہار احتجاج کرتے ہوئے حکومت سے ایک غیر جانبدار تحقیقاتی کمیشن کے ذریعے واقعات کی تحقیقات کا بھی مطالبہ کیا گیا، تاکہ ذمہ دار مجرمین واقعی سزا پا سکیں، ورکنگ کمیٹی نے ایک اور تجویز کے ذریعے کرنل بی، ایم سائیکس کی کتاب ہسٹری آف پرشیا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فرضی تصویر شائع کرنے

پر اپنے انتہائی غم وغصہ کی ساتھ تجویز کیا کہ مسلمان اس گستاخی کو نا قابل برداشت سمجھتے ہیں۔

گورنمنٹ آف انڈیا سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اس کتاب سے ایسی تمام تصاویر کو خارج کرے جس کو مسلمان اپنے تصور میں بھی صحیح نہیں سمجھ سکتا۔

ان تجاویز کے علاوہ ورکنگ کمیٹی نے جمیعت کے ہونے والے اجلاس سہارن پور کے لیے ایجنڈا مرتب کیا جو عنقریب ارکان مرکزیہ اور نمایندگان کی خدمت میں روانہ کیا جائے گا، مخصوص شرکاء میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی، مولانا محمد کفایت اللہ، مولانا سید فخر الدین، مولانا احمد سعید، مولانا حفظ الرحمٰن، مفتی محمد نعیم، مولانا سید طفیل احمد، مولانا سید محمد میاں، مولانا شاہد فاخری، مولانا بشیر احمد، اور مولانا عبدالحلیم صاحبان۔

(مدینہ: ۲۵/اپریل: ۱۹۴۵ء، ص ۴)

موسولینی کی گرفتاری اور ہٹلر کی خود کشی:

۲۷/اپریل ۱۹۴۵ء کو مسولینی دوبارہ گرفتار ہو گیا، یکم مئی ۱۹۴۵ء کی شام کو ہٹلر نے خودکشی کرلی، ڈونٹیز اس کا جانشین مقرر ہوا، برلن پر روسی فوجوں کا قبضہ ہو گیا، ۷/مئی ۱۹۴۵ء کو یورپ کے ہر محاذ پر جرمن فوجوں نے بلا کسی شرط کے ہتھیار ڈال دیئے اور روس اور امریکہ اور برطانیہ کی طرف سے اتحادی فوجوں کے نام اعلان کیا گیا کہ ۹/مئی شروع ہوتے ہی جنگ بند کردی جائے، اس کے بعد تین ماہ تک جاپان مقابلہ کرتا رہا، مگر ایٹم بم کے ایجا نے اس کی ہمت پست کردی، چنانچہ اس نے ۱۰/اگست ۱۹۴۵ء کو شکست تسلیم کرلی، ۱۵/ اگست ۱۹۴۵ء کو لندن سے مسٹر ایٹلی وزیر اعظم نے اور واشنگٹن سے صدر ٹرومین نے بیک وقت اعلان کیا کہ جاپان نے بلا کسی شرط کے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔

(علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے: ص ۲۴۱،۴۲)

مولانا مدنی اور تفسیر بالرائے:

۳۰/اپریل ۱۹۴۵ء: حال ہی میں اخبار زمیندار میں کسی ''احمد سعید یوسفی'' نے ایک مضمون کے ذریعے مولانا مدنی پر تفسیر بالرائے کا الزام لگا کر اپنی قرآن دانی کے جوہر دکھلائے ہیں۔ مولانا مدنی نے جمیعت علما کو کناڈا کے خطبۂ صدارت میں ایک آیت نقل

کر کے اس کا ترجمہ لکھا ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ علی اللّٰه اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَاِنْ يُرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰه۔

اگر غیر مسلم قومیں صلح و آشتی کی طرف مائل ہوں اور ہاتھ بڑھائیں تو تم بھی کی طرف ہاتھ بڑھاؤ اور خدا پر اعتماد رکھو، بے شک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے، اور اگر وہ اس صلح و آشتی سے تم کو دھوکا دینے کا ارادہ کریں تو (اس کا خیال نہ کرو کیونکہ) اللہ تعالیٰ تم کو کافی ہے۔

اس کی تشریح میں مولانا نے فرمایا ہے:

''اسی آیت نے یہ بھی بتلا دیا کہ مفاد ملت اور دھوکے کا شبہ اس میں صارج نہیں ہو سکتا، خداوند تعالیٰ کافی ہے''۔

خدا جانے احمد سعید صاحب یوسفی کو ان الفاظ سے یہ شبہ کیسے ہو گیا کہ مولانا فریق مخالف کے فریب اور دغابازی کے کھل جانے کے بعد بھی معاہدہ کی پابندی کے قائل ہیں۔ صاحبِ مضمون نے آیت کے مفہوم کو غلط سمجھا اور پھر مولانا کی تشریح کو اس کے مطابق نہ پا کر اس پر تفسیر بالرائے کا الزام لگا دیا، احمد سعید صاحب آیت کا مستند ترجمہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا درج کرتے ہیں کہ

''اگر وہ جھکیں صلح کو تو تو بھی جھک اس طرف اور بھروسا کر اللہ پر بے شک وہی سنتا جانتا، اور اگر وہ چاہیں کہ تجھ کو دغا دیں تو تجھ کو بس ہے اللہ''۔

اور پھر مولانا محمد علی مرحوم کے مندرجہ ذیل الفاظ کو اس آیت کی تشریح قرار دیتے ہیں۔

''انھوں نے ہم سے علیحدگی اختیار کی اور مدراس کا ہندو مسلم معاہدہ توڑا، پس اب ہماری مرضی کا معاملہ نہیں رہا بلکہ ہمیں قرآن کے احکام پر چلنا ہے جو یہ ہیں، اگر تمہیں کسی قوم کی طرف سے غداری، دھوکے اور عہد شکنی کا خوف ہو، تب وہ عہد نامہ اس کے منہ پر دے مارو۔ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہیں غداروں اور عہد شکنوں کی حرکات''۔

واقعی مولانا مدنی اور مولانا محمد علی کی تشریحوں میں بین اختلاف ہے اور اسی اختلاف کو

دیکھ کر احمد سعید صاحب آپے سے باہر ہوئے ہیں، ان کو خود خدا نے قرآن کریم پڑھنے کی توفیق نہیں دی، ترجمے دیکھے اور اپنے آپ کو قرآن کریم کا عالمِ اجل سمجھنے لگے، حال آں کہ واقعہ یہ ہے کہ مولانا محمد علی مرحوم کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے ہی نہیں، وہ جس آیت کی تشریح فرمارہے ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہے۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ ۝

اور اگر تجھ کو ڈر ہو کسی قوم سے دغا کا تو پھینک دے ان کا عہد ان کی طرف، ایسی طرح پر کہ ہو جاؤ تم اور وہ برابر۔ بے شک اللہ کو خوش نہیں آتے دغا باز۔

خدا را اپنی حالت زار پر رحم فرمایئے اور اپنے منصب کو پہنچانتے ہوئے اپنے رہنماؤں پر کیچڑ اچھال کر غیر قوموں کے سامنے اپنے اخلاق کا بدترین مظاہرہ کرنے سے باز آیئے۔

ایک اور شکایت ہے کہ غیر مسلم کی قیادت میں مسلم کی جدوجہد کے بارے میں ۵۰۰ علمائے حق نے عدم جواز کا فتویٰ دیا تھا اور مولانا مدنی اس فتویٰ کا خلاف کر رہے ہیں۔ ان علما حق میں یوسفی صاحب نے جن لوگوں کے نام گنائے ہیں وہ سب تحریک خلافت میں مسٹر گاندھی کے زیر قیادت کام کرتے رہے ہیں اور ان میں مولانا محمد علی مرحوم وغیرہ سب شامل ہیں، یہ شکایت پہلے ان لوگوں سے کرنی چاہیے تھی، اور حقیقت یہ ہے کہ اگر تحریک خلافت کا نظریہ یوسفی صاحب کے سامنے ہوتا تو ان کو بھی اس طرح لب کشائی کی جرأت نہ ہوتی۔

(زمزم۔ لاہور: ۳۰/اپریل ۱۹۴۵ء)

جمعیت علمائے صوبۂ متحدہ کا انتخاب امیر:

۳/مئی ۱۹۴۵ء: جمعیت علمائے صوبہ یوپی کے منصب صدارت کے سلسلے میں مولانا سید محمد میاں صاحب کا ایک گشتی مراسلہ شائع ہوا ہے، جس میں کہا گیا ہے:

مرادآباد (ڈاک سے) ۱۔ انتخاب امیر کے سلسلے میں یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ جمعیت علمائے صوبہ آگرہ کی تجویز کے بموجب صرف صوبہ یوپی کے لیے امیر کا انتخاب

مقصود ہے، لہذا جو نام پیش کیا جائے یا جو مشورہ دیا جائے وہ اسی شرط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہونا چاہیے۔

۲۔ دعوت ناموں کے جواب میں زیادہ تر ایسے خطوط بھی موصول ہو رہے ہیں جن میں اس تحریک پر مسرت کا اظہار کیا گیا ہے، صرف چند خطوط موصول ہوئے ہیں جن میں اس تحریک کے متعلق شکوک ظاہر کیے گئے ہیں، احقر کے خیال میں ہر دو فریق شکریے کے مستحق ہیں اور ہر دو فریق سے استدعا ہے کہ صفائی کے ساتھ اپنی رائیں ظاہر فرما کر ذمہ داران جمعیت کی صحیح رہنمائی فرمائیں۔

۳۔ انتخاب امیر کے سلسلے میں جو حضرات مدعو ہیں وہ صرف ۳/ مئی کو یعنی مسئلہ انتخاب کے حل ہونے تک مجلس استقبالیہ کے مہمان ہوں گے۔

۴/ مئی سے مرکزیہ جمعیت علمائے ہند کے اجلاس شروع ہو جائیں گے اور ۴/ مئی سے صرف وہی حضرات مجلس استقبالیہ کے مہمان ہوں گے جو مرکزیہ جمعیت علمائے ہند کے رکن ہوں یا جن کو مجلس استقبالیہ اپنے ضوابط کے بموجب مہمان قرار دے۔

(محمد میاں ناظم دفتر جمعیت علمائے صوبہ آگرہ)

سہارن پور میں صدر جمعیت علمائے ہند کی آمد:

۱۶/ اپریل ۱۹۴۵ء کو حضرت مولانا شیخ الہند سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی صدر جمعیت علمائے ہند قصبہ سہس پور ضلع بجنور میں دہلی سے تشریف لائے اور دفتر جمعیت علماء سہس پور پر جمعیت علماء کا جھنڈا لہرایا گیا۔ اسی روز شب کو دیوبند تشریف لے گئے۔

بلیا بازار مونگیر میں جمعیت علما کی سرگرمیاں:

بلیا بازار (ڈاک سے) مولوی عبد الحمید اعظمی یہاں تشریف لانے اور ہمدردان جمعیت العلماء کا پبلک جلسہ منعقد ہوا، جس میں کہا گیا کہ ایک سال کے اندر دس ہزار انصار اللہ (رضا کار) لیے جائیں، اور ہر ایک علاقہ میں جمعیت علما کی شاخیں پھیلائیں۔ مولوی عبد الحمید صاحب نے مقامی جمعیت العلماء کے دفتر پر اسلامی جھنڈا نصب کیا اور اس کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالی۔ (ناظم جمعیت) (زمزم، لاہور: ۳۰/ مئی ۱۹۴۵ء)

دھام پور میں جمعیت علما کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس:

۲۳/اپریل ۱۹۴۵ء کو بعد نماز عشاء قصبہ دھام پور میں جمعیت علما کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا، جس میں جمعت العلماء کے عہدہ داران کا جدید انتخاب عمل میں آیا ضلع کانفرنس کی آمد و صرف کی تفصیل پیش کی گئی، انتخاب ذیل ہے:

۱۔ جناب مولانا مولوی عبدالرحیم صاحب (صدر)،
۲۔ جناب منشی محمد یامین صاحب، آئرن مرچنٹ (نائب صدر)،
۳۔ جناب منشی محمد اسحاق صاحب آئرن مرچنٹ (نائب صدر)،
۴۔ جناب منشی عبدالرحمٰن صاحب مدرس (ناظم اعلیٰ)،
۵۔ جناب شیخ محمد صدیق صاحب (نائب ناظم)،
۶۔ جناب شیخ بشیرالدین صاحب (نائب ناظم)،
۷۔ جناب منشی محمد یاسین صاحب ناظم مدرسہ (خازن)،
۸۔ جناب حافظ عبدالشکور صاحب (سالار)۔

(ناظم اعلیٰ)

جمعیت علمائے سہس پور سے ارکان ضلع کا انتخاب:

جمعیت علمائے سہس پور ضلع بجنور سے مندرجۂ ذیل اشخاص ضلع جمعیت کی رکنیت کے لیے منتخب کئے گے۔

۱۔ حکیم احمد اختر قریشی، ۲۔ منشی زین العابدین صاحب

مولوی مسعود احمد کو ریاست بدر کر دیا گیا:

اندو، (ڈاک سے) انجمن عوام گوالیار کے ممبر مولوی مسعود احمد کو ریاست بدر کر دیا گیا، ۴۸ گھنٹے کی مہلت دی گئی تھی، پولیس نے لاری کے ذریعے مولوی صاحب کو اقلام پہنچا دیا، ریاست اقلام کی پولیس نے بھی انہیں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی، مولوی صاحب اب اندرو میں مقیم ہیں، آپ نے ایک بیان میں کہا کہ میں حکام گوالیار سے خط و کتابت کر رہا

ہوں، اور ابھی اس معاملے پر کوئی بیان دینے کو تیار نہیں۔

مسلمانانِ ریاست دھار کے مطالبات:

دھار (ڈاک سے) قاضی محمد خورشید صاحب قاضی ریاست دھار کے مکان پر بصدارت مولانا سید محمد شاہد سیال صاحب طلحہ آبادی رکن مجلس عاملہ جمعیت العلمائے ہند مسلمانان دھار کا ایک جلسہ منعقد ہوا، فیصلہ کیا گیا۔

ا۔ مسلمانان دھار کی ایک انجمن قایم کی جائے جو مسلمانوں کے مذہبی اور وطنی حقوق کی حفاظت کرے، اور ان کے درمیان اتحاد و اتفاق بڑھائے، مذہبی تعلیمی اخلاقی اور اقتصادی اصلاح کرے، مذہب کی تبلیغ اور اشاعت کا فرض بجالائے، اس غرض کے لیے ابتدائی مدارس، اور شبینہ مکاتب قایم کیے جائیں، حدود ریاست میں مسلمانوں کے آثار قدیمہ کی نگہداشت، شرعی حدود کے اندر غیر مسلم برادران وطن کے ساتھ ہمدردی کے تعلقات قایم کرنا۔ انجمن کا صدر دفتر دھار میں ہو اور اس کی شاخیں دیگر مقامات پر بھی قایم کی جائیں۔

۲۔ انجمن کی ایک مجلس منتظمہ ہو، جس کے کم از کم ۲۱ اور زیادہ سے زیادہ ۴۱ ممبر ہوں، مندرجہ ذیل عہدے دار منتخب کیے گئے۔

(صدر) منشی محمد اسماعیل صاحب سابق تحصیلدار، (نائب صدر) منشی امیر الدین ٹھیکے دار، (ناظم) منشی عبدالواحد صاحب سوداگر، (نائب ناظم) بابو محمد عمر صاحب، منشی فضل الرحمن صاحب اور عبدالعزیز صاحب، خزانچی حافظ نذیر محمد صاحب ٹھیکے دار، سالار اعظم عبد الکریم صاحب۔ (زمزم، لاہور: ۳ رمئی ۱۹۴۵ء)

قلعہ احمد نگر جیل، افکار و حوادث:

مئی ۱۹۴۵ء: مولانا آزاد لکھتے ہیں:

ورکنگ کمیٹی کے نو اور ممبر میرے ساتھ احمد نگر لائے گئے تھے، یعنی جواہر لال، سردار پٹیل، آصف علی، شنکر راؤ دیو، گووند بلبھ پنت، ڈاکٹر پٹابھی سیتارمیا، ڈاکٹر سید محمود، اچاریہ کرپلانی اور ڈاکٹر پرفولا گھوش، راجن بابو ورکنگ کمیٹی کے ممبر تھے مگر چوں کہ بمبئی کے جلسے

میں شرکت کے لیے نہیں آسکے تھے، اس لیے ان کو پٹنہ میں گرفتار کر کے وہیں نظر بند کر دیا گیا۔

ہم کو قلعے کے اندر لے گئے، ایک ایسی عمارت میں جو فوجی بیرک معلوم ہوتی تھی، اس کا کوئی دو سو فٹ لمبا صحن تھا، جس کے چاروں طرف کمرے تھے، بعد میں معلوم ہوا کہ پہلی جنگ عظیم کے زمانے میں غیر ملکی قیدی یہاں رکھے جاتے تھے، پونا سے ایک جیلر یہاں منتقل کر دیا گیا تھا، ہمارا سامان جب اتارا جانے لگا، تو اس نے اس کی چیکنگ کی، میرے پاس ایک چھوٹا سا ریڈیو تھا جسے میں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا، میرا اور سامان اندر بھیج لیا گیا، مگر ریڈیو روک لیا گیا اور رہا ہونے کے وقت تک میں نے اس کی شکل نہیں دیکھی، ہمارے پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد، لوہے کی طشتریوں میں کھانا چنا گیا، ہمیں یہ بات پسند نہیں آئی اور میں نے جیلر سے کہا کہ ہم چینی کی پلیٹوں میں کھانا کے عادی ہیں، جیلر نے معذرت کرتے ہوئے کہا آج تو ڈنر سیٹ کا انتظام نہیں ہو سکے گا، مگر کل ضرور ہو جائے گا، پونا سے جو قیدی کھانا پکانے کے لیے لایا گیا تھا، وہ ہماری پسند کے مطابق نہیں پکا سکتا تھا، وہ جلد ہی بدل دیا گیا، مگر نیا آدمی بھی اس سے کچھ بہتر نہیں تھا۔

ہماری نظر بندی کا مقام راز میں رکھا گیا تھا، مجھے یہ بات حماقت آمیز معلوم ہوئی، کیوں کہ ایسی کوئی بات زیادہ عرصے تک چھپائی نہیں جا سکتی تھی، بہر حال حکومت کے اس طرز عمل پر زیادہ تعجب نہیں ہوا، غالباً ایسے موقعوں پر سب ہی حکومتیں کچھ اسی قسم کی حماقتیں کرتی ہیں۔

دو تین دن بعد بمبئی کے جیل خانوں کا انسپکٹر جنرل ہم کو دیکھنے آیا، اس نے ہمیں بتایا کہ سرکاری حکم یہ ہے کہ ہمیں اپنے عزیزوں کو بھی خط لکھنے کی اجازت نہ دی جائے، کسی کا خط ہم کو نہ دیا جائے اور ہم کو کوئی اخبار بھی پڑھنے کو نہ ملے، اس نے بہت معذرت کی، مگر ساتھ ہی کہا کہ یہ احکامات بہت تاکیدی ہیں اور اسے ان پر عمل کرنا ہوگا، پھر بھی اس نے کہا کہ ہماری اور ضروریات کو وہ خوشی سے پورا کرے گا۔

۳ر اگست کو جب میں کلکتہ سے بمبئی کے لیے روانہ ہوا تھا، تو طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ مجھے انفلوئنزا تھا اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسے کے ایام میں بھی بخار رہا، حکومت کو بخوبی اس کا علم تھا، انسپکٹر جنرل ڈاکٹر تھا اور میرا معائنہ کرنا چاہتا تھا، مگر میں اس پر راضی نہیں ہوا۔

ہمارا دنیا سے کسی قسم کا تعلق نہیں رہا تھا اور بالکل نہیں معلوم تھا کہ قلعے کے باہر کیا ہو رہا ہے، ہم نے محسوس کیا کہ اپنی صحت اور ہمت کو قایم رکھنے کے لیے ہمیں کچھ نہ کچھ کرنے کا پروگرام بنالینا چاہیے، میں لکھ چکا ہوں ہمارے کمرے ایک صحن کے چاروں طرف تھے، میں ایک طرف کے پہلے کمرے میں تھا، اس کے بغل کے کمرے میں جواہر لال تھے اور تیسرے کمرے میں آصف علی اور ڈاکٹر سید محمود، اس طرف کا اخری کمرہ ڈائننگ روم تھا۔ ہم صبح کو آٹھ بجے ناشتے کے لیے ملتے، پھر گیارہ بجے دوپہر کے کھانے کے لیے، اس کے بعد سب لوگ میرے کمرے میں جمع ہوتے اور ایک دو گھنٹے مختلف موضوعوں پر بحث کیا کرتے۔ پھر کچھ دیر آرام کرتے اور چار بجے چاے کے وقت پھر ملتے۔ چاے کے بعد صحن میں کچھ ورزش کرتے، رات کا کھانا آٹھ بجے ملتا تھا اور عام طور پر ہماری بحث و گفتگو دس بجے تک جاری رہتی، اس کے بعد ہم لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے جاتے۔

ہم جب یہاں آئے تو صحن میں پھول پتی کا نام نہ تھا، جواہر لال نے تجویز پیش کی کہ اس میں پھول لگانے چاہییں، اس طرح ہم مشغول رہ سکیں گے اور جگہ خوبصورت ہو جائے گی، یہ خیال ہم سب کو پسند آیا اور ہم نے سپرنٹنڈنٹ سے کہا کہ پونا سے بیج منگوا دے، اس کے بعد ہم لوگ کیاریاں تیار کرنے میں لگ گئے۔ اس میں جواہر لال سب سے آگے آگے تھے، ہم نے کوئی تیس یا چالیس قسم کے بیج بوئے، ان میں پانی دیا کرتے اور کیاریوں کی ترائی کیا کرتے، ہم نے بڑے ذوق اور محویت سے پودوں میں کلیاں نکلتے دیکھیں، جب پھول کھلنے لگے، تو صحن حسن اور لطف کا مقام بن گیا۔

ہم کو قید خانے میں آئے کوئی پانچ دن ہوئے تھے کہ ایک آفیسر آیا، جس کے متعلق، ہمیں معلوم ہوا کہ ہماری دیکھ بھال کے لیے جیل کا سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوا ہے، وہ شہر میں رہتا تھا اور روزانہ آٹھ بجے صبح کو آتا اور شام کو چلا جاتا تھا، ہمیں اس کا نام معلوم نہ تھا اس لیے ہم لوگوں نے سوچا کہ اس کا کوئی نام رکھنا چاہیے، مجھے یاد پڑا کہ جب چاند بی بی اسی جیل میں نظر بند تھیں تو ایک حبشی ان کا جیلر تھا جس کا نام چیتا خاں تھا، میں نے تجویز کیا کہ ہمیں اپنے سپرنٹنڈنٹ کا نام بھی یہی رکھنا چاہیے، میرے ساتھی خوشی سے مان گئے اور یہ نام اس قدر مقبول ہوا کہ ہر شخص اس کو چیتا خاں کہنے لگا، مجھے تعجب ہوا کہ جب تین چار روز کے بعد جیلر نے آکر بتایا کہ آج سویرے چیتا خاں چلا گیا ہے۔

جسے ہم چیتا خاں کہتے تھے، وہ اس وقت پورٹ بلیر میں تھا، جب جاپانیوں نے حملہ کر کے انڈمان کے جزیروں پر قبضہ کیا تھا۔

۲۵/اگست کو میں نے ایس اے کو ایک خط لکھا کہ مجھے اس کی شکایت نہیں ہے کہ حکومت نے مجھے اور میرے رفقا کو گرفتار کرنا مناسب سمجھا، البتہ ہمارے ساتھ جو سلوک کیا جا رہا ہے، اس کی شکایت ضرور ہے، اخلاقی مجرموں تک کو اپنے عزیزوں سے خط و کتابت کرنے کی اجازت ہوتی ہے، مگر ہم کو اس سے بھی محروم رکھا گیا ہے، اگر حکومت کی طرف سے اطمینان بخش جواب موصول نہ ہوا تو میں اور میرے رفقا سوچیں گے کہ اس کے بعد کیا کارروائی کریں۔

۱۰/ستمبر کو چیتا خاں نے آ کر اطلاع دی کہ حکومت نے ہمیں اپنے عزیزوں کو ہفتہ میں ایک مرتبہ خط لکھنے کی اجازت دے دی ہے اور ہمیں روزانہ ایک اخبار بھی مل جایا کرے گا، چنانچہ ٹائمز آف انڈیا میری میز پر رکھ دیا گیا اور اس کے بعد وہ برابر آتا رہا، اس رات کو میں دیر تک اخبار پڑھتا رہا۔ ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا تھا کہ ہم لوگوں کو کوئی خبر نہیں ملتی تھی۔ اب ہمیں اپنی گرفتاری کے بعد کے واقعات اور جنگ کے حالات معلوم ہوئے۔

دوسرے روز میں نے چیتا خاں سے پچھلی تاریخوں کے اخبار مانگے، چوں کہ حکومت نے اب اخبارات کی اجازت دے دی تھی، اس لیے میرے مطالبے پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا تھا، چیتا خاں نے اس بات سے اتفاق کیا اور دو تین دن میں اس نے میری گرفتاری سے اس وقت تک کا ٹائمز آف انڈیا کا مکمل فائل مہیا کر دیا۔

خبروں کے پڑھنے سے میرے اس قیاس کی تصدیق ہو گئی کہ ہماری گرفتاری کے بعد ملک میں گڑبڑ اور شورش پھیل جائے گی، بنگال، بہار، یوپی اور بمبئی کے صوبے حکومت کے خلاف جدوجہد میں پیش پیش تھے، رسل و رسائل کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا تھا اور کارخانے بند کر دیے گئے تھے، تھانوں پر حملے ہوئے تھے اور وہ جلا دیے گئے تھے۔ ریلوے اسٹیشنوں پر حملے کیے گئے اور لاریاں بھی بڑی تعداد میں جلا دی گئی تھیں، کارخانے بند ہونے کی وجہ سے جنگی سامان کی پیداوار یا تو ختم ہو گئی تھی یا بہت کم ہو گئی تھی۔ مختصراً حکومت کے بہیمانہ ظلم و تعدی کے خلاف پورا ملک اٹھ کھڑا ہوا تھا اور تحریک عدم تشدد کی پابند نہیں رہی تھی۔ یہ سب کچھ میرے اندازے اور قیاس کے مطابق ہوا تھا اور ایک حد تک یہ وہی کام تھے، جن کے

بارے میں کارکنوں سے گفتگو ہوئی تھی اور جنھیں کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔

سنہ ۱۹۴۲ء کے باقی مہینوں میں کوئی اہم واقعہ پیش نہیں آیا۔

سنہ ۱۹۴۳ء کے شروع میں فضا پھر بدلی، فروری میں ہم نے اخباروں میں پڑھا کہ گاندھی جی نے وایسرائے کو لکھا ہے کہ وہ اکیس دن کا برت رکھیں گے۔ ان کے بیان کے مطابق یہ برت تزکیہ نفس کے لیے تھا، مجھے یقین تھا کہ گاندھی جی کے اس اقدام کے دو بڑے سبب ہیں، میں اوپر بتا چکا ہوں کہ گاندھی جی کو اس کا اندیشہ نہیں تھا کہ حکومت کانگریسی رہنماؤں کو اس طرح گرفتار کرلے گی، بلکہ انھیں اتنی مہلت مل جانے کی امید تھی کہ عدم تشدد کے طریقوں پر، اپنے مخصوص خیالات کے مطابق تحریک کو آگے بڑھائیں، ان کی یہ دونوں توقعات غلط ثابت ہوئیں، ملک میں جو کچھ ہوا تھا اس کی ذمہ داری انھوں نے خدا پر ڈال دی تھی، لیکن اس حرکت کی ذمہ داری خدا پر ڈالنے کے باوجود صورت حال میں کوئی بہتری پیدا نہیں ہوئی۔ گاندھی جی اس طرح کے تمام معاملات میں بہت فراخ دل تھے۔ ڈاکٹر سید محمود جب ان سے ملے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا تو انھیں ان پر ترس آگیا اور انھوں نے یہ بیان دیا کہ اگرچہ ڈاکٹر سید محمود کے لیے یہ مناسب نہ تھا کہ جیل میں اپنے دوستوں کو بتائے بغیر وایسرائے کو اس طرح کا کوئی خط لکھتے مگر ہندوستان کے عوام کو چاہیے کہ ان کی ندامت کے پیش نظر ان کے بارے میں زیادہ سخت رویہ اختیار نہ کریں۔

اگرچہ یقین کے ساتھ نہیں معلوم تھا، مگر ہم محسوس کرتے تھے کہ ہماری اسیری کا زمانہ ختم ہونے والا ہے۔ ۱۹۴۴ء کے نصف آخر میں، حکومت ہند اس نتیجے پر پہنچی کہ اب ہمیں احمد نگر میں نظر بند رکھنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، ہمیں وہاں رکھنے کے کئی سبب تھے، حکومت کا خیال تھا کہ ہم وہاں نظر بند کیے گئے تو کسی کو اس کا علم نہیں ہوگا، اس کا یہ بھی خیال تھا کہ اگر ہم کو سول جیل میں رکھا گیا تو ممکن ہے کہ ہم جیل کے باہر کے لوگوں سے رابطہ قایم کرلیں، فوج کی نگرانی میں نظر بندی ہوگی، تو اسے روکا جاسکے گا، احمد نگر کیمپ جیل میں صرف یورپی فوجی تھے اور وہ یقینی طور پر ہمیں بیرونی دنیا سے رابطہ نہ پیدا کرنے دیتے، ہمارے پاس اس کا ثبوت موجود ہے کہ جونہی ہم احمد نگر پہنچے تو حکومت کو فکر ہوئی کہ باہر کی دنیا سے ہمارا رابطہ قایم نہ ہوسکے، جن بیرکوں میں ہمیں رکھا گیا تھا، ہمارے پہنچنے تک وہ سوکھا بھی نہیں تھا، ہم نے اپنی ساڑھے تین سال کی نظر بندی کے زمانے میں شاید ہی کبھی باہر کے کسی

ہندوستانی کو دیکھا ہو۔ ایک دو مرتبہ اس عمارت کی معمولی مرمت کی ضرورت پیش آئی، مگر اس کے لیے بھی ہندوستانی مزدوروں سے کام نہیں لیا گیا، اس طرح مکمل طور پر دنیا سے ہمارا تعلق منقطع کر دیا گیا تھا۔

حکومت اس میں کامیاب ہوئی کہ باہر کی دنیا سے ہمارا کوئی تعلق پیدا نہ ہو، مگر اس کا پہلا مقصد پورا نہیں ہوا۔ پبلک کو ہمارے پہنچنے کے ایک ہفتے کے اندر اندر معلوم ہو گیا کہ ہم سب کو قلعہ احمد نگر کی جیل میں رکھا گیا ہے، اس کے بعد واقعے کو پوشیدہ رکھنے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی، برطانیہ کی فتح اب نظروں کے سامنے تھی، اس لیے حکومت ہند نے سوچا کہ اب ہمیں اس فوجی قید میں رکھنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے اور ہم کو بغیر کسی خطرے کے اپنے اپنے صوبوں کے سول قید خانوں میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔

سردار پٹیل اور شنکر راؤ دیو کو سب سے پہلے منتقل کر کے پونا جیل میں بھیج دیا گیا، آصف علی کو بٹالا بھیجا گیا، جہاں عام طور پر دہلی کے سیاسی قیدی رکھے جاتے تھے، جواہر لال کو پہلے الہ آباد کے قریب نینی بھیجا گیا، اس کے بعد الموڑا، جواہر لال نے روانگی کے وقت کہا کہ غالباً ہماری رہائی کے دن قریب آ رہے ہیں، انھوں نے مجھ سے درخواست کی کہ رہا ہونے پر فوراً ہی ورکنگ کمیٹی یا آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی میٹنگ نہ بلائی جائے، انھوں نے کہا کہ وہ آرام اور تفریح کے لیے کچھ وقت چاہتے ہیں اور اس کتاب کو جو وہ ہندوستان پر لکھ رہے ہیں، مکمل کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے جواہر لال سے کہا کہ میں بھی یہی چاہتا ہوں، مجھے بھی آرام اور صحت یابی کے لیے تھوڑا سا وقت درکار ہے، مجھے اس وقت کی کیا خبر تھی کہ ہم ایسے حالات میں آزاد کیے جائیں گے کہ فوری اور ہیجانی سیاسی اقدامات ضروری ہوں گے اور ہماری زندگی کا جو بچا کھچا حصہ ہے شاید اس میں آرام کا سوال ہی پیدا نہ ہو گا۔

جب میری منتقلی کا وقت آیا تو چیتا خاں نے کہا کہ چوں کہ میری صحت ٹھیک نہیں ہے اس واسطے میرے لیے کلکتہ کی مرطوب آب و ہوا مناسب نہیں ہوگی، اس نے اشارۃً کہا کہ مجھے بنگال کے کسی خشک مقام پر بھیجنا چاہیے، ایک دن دوپہر کے بعد انھوں نے مجھ سے تیار ہونے کو کہا، جب میرا سامان کار میں رکھا جا چکا، تو وہ مجھے احمد نگر اسٹیشن کے بجائے ایک میل کے فیصلے پر ایک دیہاتی اسٹیشن پر لے گئے اس کا سبب یہ تھا کہ اگر میں احمد نگر سے روانہ

ہوتا، تو سب کو فوراً خبر ہو جاتی، حکومت نہیں چاہتی تھی کہ میری آمد و رفت کے بارے میں کسی قسم کی تشہیر ہو۔

احمد نگر کے قید خانے میں میرا بیشتر وقت ذہنی اعتبار سے بہت گراں گزرا، اس کا میری صحت پر بہت ہی برا اثر پڑا، گرفتاری کے وقت میرا وزن ۱۷۰ پونڈ تھا اور جب میں احمد نگر سے منتقل کیا گیا تو صرف ۱۳۰ پونڈ تھا، اشتہا ختم ہو چکی تھی، بہ مشکل میں کچھ کھا سکتا تھا۔

بنگال سے ایک سی آئی ڈی انسپکٹر مع چار کانسٹیبلوں کے میرے ساتھ جانے کے لیے آیا تھا، جب ہم اسٹیشن پہنچے تو چیتا خاں نے مجھے ان کے حوالے کر دیا، ہم نے احمد نگر سے آسنسول تک کلیان کے راستے سے سفر کیا، آسنسول میں مجھے ریٹائرنگ روم میں ٹھہرایا گیا، جہاں میرے لیے مخصوص انتظام کیا گیا تھا، حکومت کی انتہائی کوشش تھی کہ سارا معاملہ صیغہ راز میں رہے، مگر پھر بھی اخباروں نے کسی نہ کسی طرح پتا چلا ہی لیا، مجھے آسنسول میں کلکتہ کے کچھ نامہ نگار اور الہ آباد کے کچھ احباب نظر آئے، مقامی لوگوں کا ایک مجمع بھی اکٹھا ہو گیا تھا۔

آسنسول کے سپرنٹنڈنٹ پولیس نے اسٹیشن پر میرا استقبال کیا اور مجھ سے ذاتی طور پر درخواست کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں پبلک سے ملنا چاہوں تو وہ مجھے روکے گا نہیں، لیکن میں نے ایسا کیا تو حکومت اس سے سخت باز پرس کرے گی، اس لیے وہ بہت ممنون ہوگا، اگر میں اوپر کی منزل پر چلا جاؤں اور پبلک سے نہ ملوں، میں نے اس کو یقین دلایا کہ میں اس کو کسی قسم کا نقصان پہنچانا یا حکومت کی نظر میں معتوب کرنا نہیں چاہتا تھا، چنانچہ میں اس کے ساتھ اوپر کے کمرے میں چلا گیا۔

سپرنٹنڈنٹ پولیس کا نواب ڈھاکہ سے کچھ رشتہ تھا، انھوں نے اور ان کی بیوی نے میری خاطر مدارات کی، ان کی بیوی نے اصرار کے ساتھ میرے آٹو گراف لیے اور دونوں نے مجھے آرام پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ میں بان کوڑا بھیجا جاؤں گا، کوئی ۴ بجے شام کو گاڑی اسٹیشن پر پہنچی اور تھوڑی دیر بعد مجھے میرے کمپارٹمنٹ میں پہنچا دیا گیا، اس وقت پلیٹ فارم پر آدمیوں کا بڑا ہجوم ہو گیا تھا، مقامی لوگوں کے علاوہ بہت سے لوگ کلکتہ، الہ آباد اور لکھنؤ سے آئے تھے، سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ان کے انسپکٹروں کو بہت فکر تھی کہ میں لوگوں سے نہ ملوں، دھوپ بہت تیز تھی اس لیے پولیس نے میرے لیے چھتری کا بھی انتظام کیا تھا، انسپکٹر اسے پکڑے ہوئے تھا، اس خیال سے کہ مجمع مجھے دیکھ

نہ لے، اس نے چھتری کو اس قدر نیچے کر لیا کہ تقریباً میرے سر پر رکھ دی، اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ میرا چہرہ نہ دیکھ پائیں، اس کا خیال تھا کہ اس طرح وہ مجھے میرے ڈبے میں پہنچا دیں گے اور لوگوں کو خبر بھی نہ ہوگی، مجھے لوگوں سے ملنے کی کوئی خاص خواہش نہیں تھی مگر جب میں نے دیکھا کہ کلکتہ، الہ آباد اور لکھنو سے لوگ محض مجھے دیکھنے کے لیے آئے ہیں تو میں نے سوچا کہ یہ بہت ہی نامناسب بات ہوگی کہ یہ لوگ میری جھلک بھی نہ دیکھ سکیں، اس لیے میں نے انسپکٹر سے چھتری لے لی اس کو بند کر دیا لوگ میرے طرف دوڑ پڑے، لیکن میں نے انہیں روک دیا، ظاہر ہے کہ میرے لیے یہ ناممکن تھا کہ ہر ایک سے فرداً فرداً ملوں، اس لیے میں نے اجتماعی طور پر سب سے خطاب کیا اور ہنس کر کہا کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور انسپکٹروں کی پریشانیاں دم بہ دم بڑھتی جا رہی ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ گرمی میں ان کو دردِ سر ہو جائے۔

میں نے لوگوں کو ہاتھ اٹھا کر خدا حافظ کہا اور اپنے ڈبے میں داخل ہو گیا، مجمع چاروں طرف امنڈ پڑا، پلیٹ فارم پر جو لوگ تھے ان کے علاوہ بہت سے لائن پار کر کے میرے ڈبے کی دوسری طرف آ گئے، جلد ہی گاڑی روانہ ہوگئی اور سات بجے تک ہم لوگ بانکوڑا پہنچ گئے، بانکوڑا کے سپرنٹنڈنٹ پولیس اور دوسرے آفیسر مجھے اسٹیشن پر ملے اور شہر کے باہر ایک دو منزل بنگلے میں لے گئے۔

یہ اپریل کا شروع تھا اور دن بدن گرمی بڑھتی جا رہی تھی، مگر جب میں شام کو دوسری منزل کے برآمدے میں بیٹھا تو چہرے پر ہوا کے خوش گوار جھونکے لگے، صبح اور شام زیادہ ناگوار نہ ہوتی تھی، مگر دن کے وقت گرمی بہت بڑھ جاتی تھی، میرے پاس بجلی کا پنکھا تھا اور برف بھی مل جایا کرتی تھی مگر دوپہر میں اتنی سخت گرمی پڑتی کہ ان سے بہت کم فائدہ پہنچتا، کلکٹر ہفتے میں ایک مرتبہ میرے پاس آیا کرتا، ایک دن اس نے بتلایا کہ اس نے حکومت کو لکھا ہے کہ اب مجھے بانکوڑا میں نہیں رہنا چاہیے، اس کے جواب کا انتظار ہے، جوں ہی موصول ہوگا، وہ مجھے کسی ٹھنڈی جگہ بھیج دے گا۔

اچھے باورچی کا ملنا ہمیشہ مشکل ہوتا ہے، بانکوڑا میں بھی شروع میں یہی دقت پیش آئی، مگر جلد ہی ایک اچھا باورچی مل گیا، مجھے یہ اس قدر پسند آیا کہ رہا ہونے کے بعد میں اسے کلکتہ لے آیا۔

میں لکھ چکا ہوں کہ جب میں قلعہ احمد نگر جیل میں داخل ہوا تھا تو میرا ریڈیو مجھ سے لے لیا گیا تھا، چند دنوں کے بعد چیتا خاں نے اس کو استعمال کرنے کی اجازت مانگی، میں نے خوشی سے اس کو اجازت دے دی تھی، جب تک احمد نگر میں رہا، دوبارہ ریڈیو دیکھنے میں نہیں آیا، جب مجھے بنگال منتقل کیا جا رہا تھا تو میرے اسباب میں ریڈیو بھی رکھ دیا گیا، مگر جب میں نے اس کو استعمال کرنا چاہا، تو معلوم ہوا کہ وہ خراب ہو گیا ہے، بان کوڑا کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے مجھے دوسرا ریڈیو عنایت کیا، ایک طویل عرصے کے بعد میں نے براہ راست دوسرے ملکوں کی خبریں سنیں۔

اپریل کے آخری دنوں میں اخبارات سے معلوم ہوا کہ آصف علی بٹالا جیل میں بہت سخت بیمار ہیں، وہ بہت دیر تک بے ہوش رہے اور ان کے بچنے کی امید نہ رہی، اس کی وجہ سے حکومت نے فیصلہ کیا کہ ان کو رہا کر کے دہلی واپس بھیج دیا جائے۔

مئی سنہ ۱۹۴۵ء میں لارڈ ویلول ہندوستان کی سیاسی صورت حال پر مزید مشورہ کرنے کے لیے انگلستان گئے، مئی کے آخر میں وہ ہندوستان واپس آئے، جون کی ایک شام کو میں نے ریڈیو پر دہلی کی خبروں میں سنا کہ وایسرائے نے اعلان کیا ہے کہ برطانیہ کی سابقہ یقین دہانیوں کے مطابق ہندوستان کے سیاسی مسائل کو حل کرنے کے لیے از سر نو کوشش کی جائے گی، شملہ میں ایک کانفرنس ہو گیا سی پارٹیوں کے لیڈروں کو بلایا جائے گا، کانگریس کے صدر اور ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہا کر دیے جائیں گے، تاکہ وہ اس کانفرنس میں شرکت کر سکیں۔

دوسرے روز میں نے سنا کہ میری اور میرے ساتھیوں کی رہائی کے احکامات جاری کیے جا چکے ہیں، میں نے یہ خبر کوئی نو بجے رات میں سنی تھی، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے بھی ریڈیو پر یہ خبر سنی تو دس بجے رات میں مجھے یہ پیغام بھیجا کہ اگرچہ انھوں نے یہ خبر سنی ہے، مگر ابھی سرکاری طور پر انھیں کوئی حکم نہیں ملا ہے، جوں ہی ان کو حکم ملے گا، وہ مجھے اطلاع کر دیں گے، چنانچہ آدھی رات کو جیلر نے آ کر اطلاع دی کہ رہائی کے احکامات آ گئے ہیں، اتنی رات گئے کوئی کارروائی نہیں جا سکتی تھی اس لیے دوسرے روز صبح سویرے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مجھ سے ملنے آیا، اس نے رہائی کا حکم پڑھ کر سنایا اور مجھے بتایا کہ کلکتہ ایکسپریس پانچ بجے شام کو بان کوڑا سے روانہ ہوتی ہے، اس میں ایک فرسٹ کلاس کوچ میرے لیے ریزرو کرایا جا رہا ہے۔

چند گھنٹوں میں کلکتہ سے نامہ نگار مجھ سے ملنے کے لیے آپہنچے، ہزاروں کی تعداد میں مقامی عوام بھی جمع ہو گئے، ساڑھے تین بجے سہ پہر کو مقامی کانگریس کمیٹی نے ایک پبلک میٹنگ کا انتظام کیا، جس میں میں نے ایک مختصر سی تقریر کی، میں ایکسپریس سے کلکتہ کے لیے روانہ ہوا، اور دوسرے روز صبح کو ہوڑا پہنچا۔

ہوڑا اسٹیشن اور پلیٹ فارم پر انسانوں کا ایک سمندر موج زن تھا، میں بڑی ہی مشکلوں سے اپنے ڈبے سے باہر نکلا اور کار میں سوار ہوا، بنگال کانگریس کمیٹی کی صدر مسز لبائیا پر بھادتا اور متعدد دوسرے مقامی لیڈر میرے ساتھ کار میں تھے۔ ہم روانہ ہونے والے ہی تھی کہ میری نگاہ بینڈ بجانے والوں پر پڑی، جو میری کار کے سامنے کھڑے تھے، میں نے مسز دتا سے پوچھا کہ وہ بینڈ باجا کس لیے آیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میری رہائی کی خوشی منانے کے لیے، مجھے یہ بات پسند نہیں آئی، میں نے ان سے کہا کہ یہ خوشی منانے کا وقت نہیں ہے، یہ صحیح ہے کہ میں آزاد ہو گیا ہوں، مگر ہزاروں میرے دوست اور ساتھی اب بھی جیلوں میں ہیں۔

میری درخواست پر بینڈ بجنا بند ہو گیا اور وہاں سے ہٹا دیا گیا، جس وقت کار پل پر سے گزر رہی تھی، مجھے گزرا ہوا زمانہ یاد آنے لگا، تین سال پہلے کا وہ دن یاد آیا جب میں ورکنگ کمیٹی کے جلسوں میں شرکت کرنے کی غرض سے بمبئی کے لیے روانہ ہو رہا تھا، میری بیوی گھر کے دروازے تک مجھے رخصت کرنے آئی تھیں، اب میں تین سال کے بعد واپس آرہا تھا، مگر وہ قبر کی آغوش میں تھیں اور میرا گھر خالی تھا، مجھے ورڈس ورتھ کا یہ شعر یاد آیا:

But she's in her grave, and, oh, the difference to me.

مگر وہ اب اپنی قبر میں ہے اور ہائے، میری دنیا کیسی بدل گئی ہے۔

میں نے اپنے ساتھیوں سے کار واپس کرنے کے لیے کہا، کیوں کہ گھر جانے سے پہلے میں ان کی قبر پر جانا چاہتا تھا، میری کار ہاروں سے لدی ہوئی تھی۔ میں نے ان میں سے ایک ہار لے کر قبر پر چڑھایا اور خاموشی کے ساتھ فاتحہ پڑھا۔

(انڈیا ونس فریڈم: ۸۰۔۱۶۷)

حواشی:

۱۔ اس واقعے کی صحیح تفصیل ہمایوں کبیر کے حافظے میں محفوظ نہیں رہی، غبار خاطر کے ۱۱؍ اپریل سنہ ۱۹۴۳ء کے خط میں جو زلیخا بیگم کے حادثہ انتقال کے صرف دو روز بعد کا ہے، مولانا آزاد نے اپنے قلم سے تفصیل بیان فرمائی ہے۔

مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''۳ ۲؍ مارچ کو مجھے پہلی اطلاع اس کی خطرناک حالت کی ملی۔ گورنمنٹ بمبئی نے ایک ٹیلی گرام کے ذریعے سپرنٹنڈنٹ کو اطلاع دی کہ اس مضمون کا ایک ٹیلی گرام انہیں کلکتہ سے ملا ہے۔ یہ تار جو ۲۳؍ مارچ کو یہاں پہنچا فوجی خط رمز (Code) میں لکھا گیا تھا۔ اس لیے پورا دن اس کے حل کرنے کی کوشش میں نکل گیا، رات کو اس کی حل شدہ کاپی مجھے مل سکی، دوسرے دن سپرنٹنڈنٹ میرے پاس آیا اور یہ کہا کہ اگر میں اس بارے میں حکومت سے کچھ کہنا چاہتا ہوں تو وہ اسے فوراً بمبئی بھیج دے گا اور یہاں کی پابندیوں اور مقررہ قاعدوں سے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں پڑے گی۔ لیکن میں نے اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں حکومت سے کوئی درخواست کرنی نہیں چاہتا، پھر وہ جواہرلال کے پاس گیا اور ان سے اس بارے میں گفتگو کی، دوسرے پہر کو میرے پاس آئے اور بہت دیر تک اس بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ میں نے ان سے بھی وہی بات کہہ دی، جو سپرنٹنڈنٹ سے کہہ چکا تھا، بعد کو معلوم ہوا کہ سپرنٹنڈنٹ نے یہ بات حکومت بمبئی کے ایما سے کہی تھی''۔

اس تفصیل سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا نے اس سلسلے میں حکومت سے کوئی درخواست یا مراسلت کی ہی نہیں تھی، اس تفصیل کے لیے انڈیا ونس فریڈم کے مقابلے میں غبار خاطر میں مولانا کی تحریر زیادہ مستند ہے، مولانا آزاد کا یہ خط اپنی بیگم کے حادثہ انتقال کے صرف دو روز بعد کا ہے۔

۲۔ مولانا خیرالدین مرحوم کی چھوٹی بیٹی جو مولانا آزاد سے دو سال بڑی تھیں جون سنہ ۱۹۴۳ء میں انتقال ہوا۔ بہنوں میں مولانا سب سے زیادہ انھی سے مانوس تھے، اوائل عمر میں جب مولانا آزاد کے مذہبی خیالات میں انقلاب پیدا ہو گیا تھا، اور رسمی روایتی زندگی سے ان کا اعتقاد اٹھ گیا تھا اور گھر کے تمام افراد ان سے ناراض ہو گئے تھے تو یہی مولانا کی غم گسار تھیں۔

ہندستان کی آزادی اور مسلمان

یوں تو حضرت شیخ الاسلام کے تمام خطبات ہی وقت کے اہم ترین سیاسی اور قومی و ملی مسایل وافکار کے جامع ہیں لیکن خطبہ سہارن پور تحریک آزادی کے ہنگامہ خیز دور میں پیش کیا گیا تھا، اس لیے اس میں ہندوستان کی آزادی کی اہمیت، جدوجہد میں مسلمانوں کی شرکت اور ایثار وقربانی کی قدر و قیمت، راہ کی مشکلات اور صبر استقامت کی دعوت، جمعیت علما کانگریس اشتراک واتحاد کے حدود ونوعیت مسلم لیگ کی رجعت پسندی اور استعمار دوستی، جمعیت علما کے انقلابی مزاج اور اس کی حریت پسندی، اس کے بزرگوں اور رہنماؤں کی بصیرت، دور بینی، اخلاص اور ایثار وقربانی اور آخر میں مسلمانوں کے لیے راہ عمل کی نشان دہی کو نہایت موثر الفاظ میں پیش کیا ہے۔

جمعیت علماے ہند کا قیام ۱۹۱۹ء میں عمل میں آیا تھا، ۱۹۲۱ء میں حضرت شیخ الہند کے خطبۂ صدارت دہلی اور حضرت کے فرمودہ اصولوں اور ہدایات کی روشنی میں اس نے اپنا سیاسی سفر شروع کیا تھا، حضرت شیخ الاسلام کا خطبہ سہارن پور اس سفر کا آخری سنگ میل تھا، یہ تحریک آزادی کے دور کا آخری خطبہ تھا، اس کے بعد اگست ۱۹۴۷ء میں قیام آزادی تک اس کا کوئی اور سالانہ اجلاس نہیں ہوسکا، جمعیت علماے ہند کے سیاسی سفر کا آغاز اور اختتام دونوں نہایت، شان دار تھے، یہاں حضرت شیخ الاسلام کے فکر انگیز اور بصیرت افروز خطبۂ صدارت سے حضرت کے افکار عالیہ دوح حصہ کے چند جواہر ریزے پیش کیے جاتے ہیں، جمعیت علماے ہند کا یہ چودھواں سالانہ جلسہ تھا اور ۴ تا ۶ رمئی ۱۹۴۵ء بہ مقام سہارن پور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کی صدارت میں منعقد ہوا تھا، من جملہ بے شمار افکار وحقایق، حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا:

ہندوستان کی آزادی کے لیے جدوجہد اور قربانیوں کی اشد ضرورت:

میرے محترم بزرگو! وہ وجوہ ہندوستان کی آزادی کی اشد ضرورت اور اس کے لیے انتہائی جدوجہد کی فرضیت کی جو کہ تحریک خلافت کے وقت سے بلکہ اس سے پہلے سے آپ کے سامنے لائی گئی تھیں اور لائی جاتی رہیں وہ سب تو بعینھا باقی ہی ہیں، اور بار بار آپ

کے سامنے دہرائی گئی ہیں ان کے ساتھ اس تیرہ و تاریک محکومیت کے یہ واقعات جو کہ مشتے نمونہ از خروارے ہیں، پیش کر کے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا اب بھی کسی صاحب دین و دل اور صاحب غیرت کو اس میں شبہ کرنے یا گفتگو کرنے کا موقع باقی رہ جاتا ہے کہ یہ آزادی کی جدوجہد انتہائی ضروری ہے اور اس کے لیے ہر قسم کی قربانی کے لیے ہر ہندوستانی کو تیار ہونا عقلاً، شرعاً، انسانیۃً فرض ہے۔ ایسی غلامی میں نہ مذہب محفوظ ہے، نہ زندگی، نہ رفاہیہ و امن ہے، نہ خوشحالی نہ جماعتوں کے لیے زندگی ہے نہ افراد کے لیے، نہ ہندوستان کے لیے امن و چین ہے، نہ آپ کی بیرون ہند کی اسلامی اور انسانی برادریوں کے لیے! یہی وہ امور ہیں جن کی بنا پر جمعیت علما ۱۹۱۹ء سے سر بکف چلی آتی ہے۔ وہ اپنے اصول پر برابر قایم ہے۔ یقیناً اس راستے میں امن و امان کو ہاتھ سے دینا تشدد اور اہنسا کو اختیار کرنا ہمارے لیے موجودہ گرد و پیش میں کسی طرح درست نہیں ہے مگر آزادی کی جدوجہد سے تقاعد اور تکاسل یا روگردانی بھی کسی طرح جائز نہیں ہے، وطن اور ابنائے وطن کی بربادی اور اس کے اسباب کسی خاص مذہب، کسی خاص شخص تک محدود نہیں ہو سکتے۔ وطن اور ملک کی بربادی جملہ ساکنین ملک کو برباد کرے گی اور کر رہی ہے، ناؤ ڈوبتی ہے تو تمام اس کے سوار ڈوبتے ہیں، گاؤں میں آگ لگتی ہے تو سبھی کے گھر جلتے ہیں، زلزلہ آتا ہے تو سبھی کے گھر بار گرتے ہیں، سوکھا پڑتا ہے تو سبھوں کی کھیتیاں اور باغات برباد ہوتے ہیں وبائی امراض آتے ہیں تو سبھی مرتے ہیں، ژالہ باری ہوتی ہے تو سبھوں کا نقصان ہوتا ہے، اسی طرح یہ کالی غلامی اور محکومیت جملہ اہل وطن کو موت کے گھاٹ اتار رہی ہے آپ نے دیکھا کہ صوبہ بنگال میں جو قحط ڈلوایا گیا (خود انگلینڈ کے اخبار اقرار کرتے ہیں کہ یہ قحط انسان کے ہاتھوں کا لایا ہوا تھا) کیا اس میں فقط ہندو مرے یا فقط مسلمان مرے نہیں نہیں! سبھوں کی بربادی ہوئی۔ ایسے وقت میں ہر ادنی سمجھ والا بھی اپنے داخلی اور خارجی جھگڑوں کو چھوڑ کر ضروری سمجھتا ہے کہ مصیبت عامہ کو سب سے پہلے زایل کر دینا چاہیے اور اس وقت تک چین نہ لینا چاہیے اور نہ اپنے داخلی اور خارجی جزئی جھگڑوں کو چھیڑنا چاہیے، جب تک یہ عام مصیبت نہ ٹل جائے، جب کبھی گاؤں یا محلہ میں آگ لگتی ہے یا سیلاب آتا ہے یا ڈاکو چڑھ آتے ہیں تو کیا آپ اپنے گھر بار کے جھگڑوں پٹی داری اور برادری کے تنازعات کو لے کر بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک ان کا فیصلہ نہ ہو جائے گا میں آگ کو نہ بجھاؤں گا، بند باندھ کر سیلاب

کو نہ روکوں گا، ڈاکوؤں کو نہ ہٹاؤں گا، میرے محترم حضرات! اس ملعون غلامی کے اثرات آگ سے زیادہ، سیلاب سے بڑھ کر، ڈکیتی سے مہلک تر ہیں۔ ان سے اگر نقصان ہوتا ہے تو صرف ایک بستی اور ایک گاؤں میں، اگر ضرر پہنچتا ہے تو محض دنیاوی سامان میں مگر اس غلامی کی لعنت تو ہندوستانیوں کو جس طرح برباد کر رہی ہے، اسی طرح افغانستان کو بلوچستان کو ایران کو شام کو عراق کو فلسطین کو حجاز کو یمن کو حضر موت کو مصر کو سوڈان کو الجیریا کو ٹیونس کو ٹرکی وغیرہ کو اور آپ کے ان برادران اسلام کو جو کہ بیرون ہندساؤتھ افریقہ یا ایسٹ افریقہ یا ہند چینی یا جزائر جاوا، برہما، ملایا وغیرہ میں بستے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ کس طرح اسی زمانہ میں آزاد قبائل پر پانچ مہینہ برابر وحشیانہ بمباری جاری رہی اور فوجی ممبر نے اسمبلی میں کس قدر تلخ اور دور از حقیقت جواب دیا۔

جمعیت علما کا جدوجہد آزادی میں کانگریس کے ساتھ شریک ہونا:

بسا اوقات لوگ کہتے ہیں کہ یہ امر تو صحیح ہے کہ ہندوستان کو آزاد کرانا فرض اور ضروری ہے مگر جمعیت کے ساتھ ہم کس طرح ہوں وہ تو کانگریس کے ساتھ اور اس کی تابع ار اور دم چھلا ہے، بلکہ بعض تو جمعیت کو کانگریسی جمعیت کہتے ہیں۔ اس لیے اس میں شبہ کے ازالہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہم لوگ ہندوستان کے باشندے ہیں۔ یہاں ہی پیدا ہوئے اور یہاں ہی ہم کو رہنا ہے۔ ہندوستان چھوڑ کر ہم دس کروڑ مسلمان کسی دوسرے ملک میں نہیں بس سکتے، ہندوستان مختلف المذاہب انسانوں کا گہوارہ ہے۔ دس کروڑ مسلمان اور تیس کروڑ غیر مسلم یہاں کے باشندے ہیں، ہر جگہ اور ہر صیغہ میں مسلم اور غیر مسلم کا اشتراک ہے۔ غلامی اور محکومیت بھی سبھی کو برباد کر رہی ہے۔ جس طرح مسلمان اپنے لیے، اس غلامی کی زنجیروں کو توڑنا ضروری سمجھتا ہے، اسی طرح ہندو اور دیگر غیر مسلم دیکھتا ہے کہ میں اپنے وطن میں راحت و آسائش بلکہ زندگی کے سانس بجز آزادی کے نہیں لے سکتا اس لیے وہ بھی اپنا نصب العین وہی بناتا ہے جو کہ مسلمان کا تھا جب کہ دو شخصوں کو ایک ہی منزل پر جانا ہوگا تو یقیناً راستہ اور سڑک میں اتحاد ہوگا ہاں اگر ایک منزل کی سڑکیں متعدد ہوں تو ممکن ہے کہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ سڑک پر گامزن ہو کر منزل مقصود کو پہنچ جائے مگر یہاں پر بدقسمتی سے موجودہ احوال میں ایک ہی سڑک ہے، اب

سے پہلے متعدد مسلم جماعتوں اور غیر مسلم جماعتوں نے دوسری سڑکیں اختیار کیں مگر تجربہ نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ منزل تک نہیں پہنچا سکتیں، اس لیے ہر دو فریق کے لیے ایک ہی راستہ رہ گیا، جس پر جمعیت اور کانگریس دربارہ آزادی گامزن ہیں، جمعیت کے مقاصد (جیسا کہ دستور اساسی میں مفصل مذکور ہے) علاوہ آزادی ہندوستان اور بھی ہیں، مگر آزادی ہندوستان کے نصب العین ہونے میں ہر دو شریک ہیں۔ اس لیے عمل میں بھی شراکت ہوگی اس کو اشتراک عمل کہا جائے گا، تقلید یا اتباع کہنا یا استمداد اور استعانت قرار دینا غلط ہے، جمعیت نے کبھی بھی آنکھ بند کر کے کانگریس کی تقلید نہیں کی۔ جمعیت نے ابتدائے آفرینش یعنی ۱۹۱۹ء سے ہی اپنا نصب العین آزادی کامل قرار دیا تھا، مگر کانگریس سوراج کی بھول بھلیاں میں پڑی ہوئی تھی اور عام طور سے اس کی تفصیل ہوم رول یا حکومت خود اختیاری سے کی جاتی تھی۔ چونکہ موجود غلامی سے نکلنے اور مکمل آزادی تک پہنچنے میں ایک سیڑھی ہوم رول کی بھی آتی ہے، اس لیے اس زمانے میں بھی کوئی اختلاف عمل نہیں ہوا، جس زمانہ میں نہرو رپورٹ تیار کی گئی اور لکھنؤ میں آل پارٹیز کو بلا کر سبھوں پر نہرو رپورٹ پیش کی گئی۔ جو کہ اس زمانہ میں کانگریس کی تیار کرائی اور پاس کی ہوئی تھی تو اس کے ان دفعات میں جن میں مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا، جمعیت نے مخالفت برسر اجلاس کی، اس مخالفت میں خلافت کمیٹی بھی علاوہ پنجاب پارٹی کے جمعیت کے ہم نوا تھی۔ جمعیت نے ایک پمفلٹ بنام تبصرہ لکھا اور اس میں ان غلطیوں کی توضیح کی جو نہرو رپورٹ میں واقع ہوئی تھیں اور وہ شایع کر دیا۔ نہرو رپوٹ میں نصب العین ڈومنین اسٹیٹس قرار دیا گیا تھا۔ اس زمانے میں آپس میں جدائی زیادہ رہی، کانگریس نے جب کہ وہ اس رپورٹ کی جدوجہد میں ناکام رہی تو لاہور کے اجلاس مین کنڈم کر کے دریائے راوی میں غرق کرتے ہوئے مکمل آزادی کا اعلان کر دیا، اب اس کا اور جمعیت نصب کا العین ایک ہی ہوگیا اور دونوں میدان عمل میں برابر گامزن رہیں۔ ہاں! ایسے اعمال جو کہ شریعت اسلامیہ کے خلاف تھے ان میں افتراق رہا، راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے وقت میں جمعیت نے سہارن پور میں ورکنگ کمیٹی کا اجلاس کر کے مستقل فارمولا تیار کیا اور ممبروں کو کانفرنس میں پیش کرنے کے لیے دیا، کانگریس نے ولائتی کپڑوں اور شراب کی دوکانوں پر پکٹنگ کرنے کے لیے عورتوں کی والنٹیر کور کو مقرر کیا، جمعیت نے اس میں خلاف کیا، علاوہ ازیں جمعیت نے دوسرے مذہبی امور میں بغیر

اشتراک کانگریس کام کیے، شدھی کے زمانے میں اپنے وفود میدان ارتداد میں بھیجے، دیہاتوں میں ابتدائی مدارس قایم کیے اور تقریباً ۱۱ ہزار مرتدین کو اسلام کی طرف کھینچا، ایک سو تیس سے زیادہ مکاتب قایم کیے، موپلوں کے لیے فنڈ جمع کر کے ان کی امداد کی، ساردا ایکٹ، وقف بل، شریعت بل، حج بل، معلم بل وغیرہ میں اپنی پوری جدو جہد عمل میں لاتی رہی، فلسطین کے متعلق حجاز اور ابن سعود کے متعلق اور دیگر اسلامی امور میں اس نے کبھی بھی حتی المقدور کوتاہی نہیں کی، ظاہر ہے کہ یہ امور کانگریس سے تعلق نہیں رکھتے، الغرض جمعیت اپنے استقلال اجتماعی کے ساتھ خودداری رکھتے ہوئے محض آزادی کی جدوجہد میں اشتراک عمل کانگریس سے رکھتی ہے نہ اس میں منضم ہے، اور نہ تابعدار محض! ۳۲۔۱۹۳۱ء میں جس زمانے میں پنڈت جواہرلال نہرو کانگریس کے صدر تھے اور کانگریس سول نافرمانی کر رہی تھی جمعیت بھی سول نافرمانی کا پروگرام لیے ہوئے میدان عمل میں اتری ہوئی تھی مگر سرمایہ کی کمی کی وجہ سے جمعیت کی سول نافرمانی کمزور تھی، پنڈت جی نے مالی امداد دینا چاہا ہی تو صاف الفاظ میں جمعیت نے انکار کر دیا کہ ہم آپ اور کانگریس سے امداد لینا نہیں چاہتے، ہم اپنا فریضہ ادا کر رہے ہیں، ہم مسلمانوں ہی سے مدد طلب کریں گے اور جو کچھ ان سے ملے گا اسی سے کام چلائیں گے، ریکارڈ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

جمعیت کے کارکنوں کے متعلق غلط اور جھوٹا پروپیگنڈا کہ وہ کانگریس کے تنخواہ دار ہیں:

بہت مرتبہ یہ پروپیگنڈا کیا گیا اور مفسدوں نے شہرت دی کہ جمعیت والے کانگریس کے تنخواہ دار ہیں، اور ہندوؤں کے خریدے ہوئے ہیں مگر یہ بالکل جھوٹ اور افترا تھا اور ہے بارہا برسر اجلاس حضرت مولانا احمد سعید صاحب، مولانا مفتی کفایت اللہ اور کاتب الحروف نے قسمیں کھائیں کہ کبھی ایسا نہ شخصی طور پر ہوا نہ اجتماعی طور پر حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے تو یہاں تک بھرے مجمع میں کہہ دیا کہ اگر میں نے یا جماعت کے کسی ذمہ دار نے ایسا کیا ہو تو خدا ہم کو مرتے وقت کلمہ نصیب نہ کرے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم کر دے، اس سے زیادہ اطمینان دلانے کے لیے ہمارے

پاس کیا طریقے ہو سکتے تھے، واقعہ یہی ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی ذمہ دار جمعیت ایسی بے غیرتی اور بے ایمانی کا مرتکب نہیں ہوا، اگر ہم کو ایمان فروشی کرنی ہی ہوتی تو انگریز کے ہاتھ کرتے جس کے پاس دولتوں کے خزانے اور حکومت کی طاقت ہے کانگریس تو ہماری طرح غلام اور مسکین ہی ہے اس کے پاس جو کچھ سرمایہ ہے وہ انگریز کے سرمایہ کے سامنے ایسی بھی نسبت نہیں رکھتا جو کہ ذرے کو پہاڑ سے ہوتی ہے، ہم نے قسمیں کھا کھا کر اور مغلظ قسمیں کھا کر مجامع میں لوگوں کو یقین دلایا، مگر وہ بے ایمان جو کہ اغراض فاسدر رکھتے ہیں یا حکومت کے ایجنٹ ہیں یا خود اسی کے عادی ہیں اپنی زبانوں اور قلموں کو نہیں روکتے اس کا علاج بجز تفویض الی اللہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

قد قیل ان الالٰہ ذو ولد　　　وقیل ان الرسول قد کھنا
ما نجی اللہ والرسول معا　　　من لسان الوری فکیف انا

کانگریس کی حقیقت اور اس میں شرکت:

مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ خود کانگریس کی شرکت کا کیا حکم ہے اور کیا وہ اس لائق ہے کہ اس سے مسلمان نفرت کریں یا اس میں داخل ہو کر اپنے ملکی حقوق حاصل کرنے کے لیے سعی کرنی چاہیے؟ اس لیے عرض ہے کہ موجودہ غلامی کی بنا پر تمام ہندوستان کے باشندے برباد ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی سعی آزادی اور انقلاب میں ہندوستانی ناکام ہوئے اور انگریزوں کو کامیابی ہوئی انھوں نے تمام ہندوستان کے باشندوں پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً سخت اور دردناک مظالم کیے، ان کے تمام حقوق وطنیہ اور ملکیہ اپنے قبضہ میں کر لیے، عہود اور مواثیق جو سابق سے چلے آتے تھے سب کو توڑ ڈالا، خود غدار تھے مگر ہندوستانیوں کو غدار مشہور کیا، آزادی کی سعی کو غدر قرار دیا، حالاں کہ یہ فریضہ وطنی اور سیاسی اور انسانی تھی، کمپنی کے مطلق العنان بدکار رجعت پسند ظالم ڈائریکٹروں اور جرنیلوں کے سیاہ کارناموں پر مطلع ہو کر تاج برطانیہ نے ہندوستان کو اپنے زیر سایہ لینا اور براہ راست انتظام کرنا ضروری سمجھا اور کمپنی سے پونے چار کروڑ پونڈ کے بدلے ہندوستان کو خرید لیا (افسوس کہ وہ مقدار اب تک ہندوستان پر قرض چلی آتی ہے اور ہندوستان کو سالانہ اس کا سود اور سود در سود ادا کرنا پڑتا ہے، جس کو بیچا تھا، اسی سے قیمت دلوائی جاتی ہے۔ تاج برطانیہ

نے افریقہ وغیرہ میں ناگر یا وغیرہ کو کمپنیوں سے خرید اگر ان کی قیمتیں تاج برطانیہ کے خزانوں سے ادا کی گئیں، کوئن وکٹوریہ نے اپنا مشہور اعلان ہندوستان میں نشر کیا اور تمام ہندوستانیوں کو مستقبل کے متعلق اطمینان دلایا، ہندوستانی مطمئن ہو گئے اور یقین کر بیٹھے کہ بادشاہی اقتدار سچائی اور انصاف کے ساتھ ہماری پوری نگرانی کرے گا۔ اس کے وعدے اور عہود سچے ثابت ہوں گے، کمپنی کے عہود اور مواثیق افراد کے تھے ان میں سچائی اور انصاف کا نہ ہونا مستبعد نہ تھا وہ تاجر دل اور سرمایہ کے حریصوں کے وعدے تھے جو کہ کوڑی کوڑی کے لیے ایمان فروش ہوا کرتے ہیں، مگر افسوس کہ ہندوستانیوں کا شہنشاہی اعلان کے متعلق بھی حسن ظن غلط ثابت ہوا۔ اعلان مذکور میں گذشتہ معاہدات کی جو کمپنی سے ہندوستانیوں کے ہوئے تھے تقدیس کی گئی اور ان کے بحال رکھنے کا قوی وعدہ کیا گیا تھا اور دیگر اور عہود بھی کیے گئے تھے مگر رجعت پسند اور قاسی القلب انگریز حکام نے کوئی پروانہ کی انھوں نے سب کو بالائے طاق رکھ دیا اور نہ صرف پرانے عہود کو بلکہ کوئن وکٹوریہ کے اعلان کو بھی شرمندۂ عمل نہ ہونے دیا اور انتہائی استبداد اور ڈکٹیڑی کو ہر صیغہ میں جاری کر دیا اور نہایت بے پروائی کے ساتھ من مانی کارروائی عمل میں لاتے رہے عام ہندوستانی ۱۸۵۷ء کی سنگینوں اور گولیوں، پکڑ دھکڑ، قید و بند سے اس قدر مرعوب ہو چکے تھے کہ حق تلفیوں پر حق تلفیاں، مظالم پر مظالم، ناانصافیوں پر ناانصافیاں دیکھتے تھے اور چوں نہ کرتے تھے مگر تابکے آخر کار نئے تعلیم یافتہ پیدا ہوئے زمانہ نے پلٹی کھائی لوگوں میں اپنے حقوق کا شعور، حق طلبی کی جرأت، مظالم اور استبدادیت سے اکتانا پیدا ہو، زبانیں کھلیں، شکوے شکایت ہونے لگے، تحریری بیانات اور کاغذی گھوڑے دوڑنے لگے اور استبداد و مطلق العنانی کی شکایات کی گئیں، حقوق طلب کیے گیے، پروٹسٹ کیا گیا مگر سخت دل کنسرویٹیو خیال کے انگریزوں پر کوئی اثر نہ ہوا تاہم بعض انصاف پسند رحمدل انگریز اس استبداد اور مطلق العنانی سے متاثر ہوئے اور انھوں نے رائے دی کہ انفرادی شکایات اور خواہشات موثر نہیں ہو سکتیں اجتماعی طور پر باقاعدہ احتجاج کرو، اپنی ضروریات پیش کرو، گورنمنٹ سے اصلاحات کی خواہش کرو تو اس پر دھیان دیا جا سکتا ہے، اگر یہاں نہ شنوائی ہو تو پارلیمنٹ اور وزرائے انگلینڈ کو توجہ دلاؤ کم و بیش کامیابی ضرور ہو گی، بنا بریں ۱۸۸۵ء میں بزمانۂ لارڈ ڈفرن اس کی بنیاد بمبئی میں رکھی گئی، اس کے مشورے میں لارڈ ڈفرن موصوف کا ہاتھ ضرور تھا مگر آگے چل کر چند برسوں کے بعد جب

کانگریس کے مطالبات بڑھے اور اس نے اچھی خاصی مقبولیت عامہ پیدا کرلی اور اجتماعی قوت ایسی پیدا ہوگئی کہ انگریز قوم اور وطن کے مفادات کے لیے خطرے معلوم ہونے لگے تو وہ خود اس کے مخالف ہوگئے۔

اس کا پہلا اجلاس بمبئی میں ہوا، اور اس میں کانگریس کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ سے کی گئی:

''کانگریس ایک قومی مجمع ہے جو فکر اور تدبیر کے ساتھ اس غرض سے قایم کیا گیا ہے کہ ایسے طریقوں سے جو قانوناً جائز ہوں اور اصول سلطنت انگلستان کے خلاف نہ ہوں جناب قیصرۂ ہند کی رعایا ہندوستان کی بہبودی اور ترقی کی کوشش کی جائے''۔ (لیکچر آنریبل پنڈت اجودھیا ناتھ وکیل ہائیکورٹ الہ آباد ممبر کونسل، ۲۰/اپریل ۱۸۸۸ء)

یہ اجلاس ماہ دسمبر ۱۸۸۵ء زیر صدارت سر سریندر ناتھ نبرجی وکیل ہائی کورٹ کلکتہ شہر بمبئی میں ہوا۔ اس اجلاس میں ۷۸ ممبر شریک ہوئے جن میں دو مسلمان تھے ان ہی میں سے ایک مسٹر رحمت اللہ سیانی مرحوم بھی تھے ۳ بنگالی تھے، جو الفاظ کانگریس کی تعریف میں، ہر قسم کی ''رعایائے ہندوستان'' کے ذکر کیے گئے ہیں وہ بتلاتے ہیں کہ یہ ادارہ فقط ہندوؤں کے لیے نہیں بنایا گیا تھا بلکہ تمام ہندوستانیوں کے لیے بنایا گیا تھا۔

دوسرا اجلاس اس کا کلکتہ میں زیر صدارت دادا بھائی نورو جی پارسی ماہ دسمبر ۱۸۸۶ء میں منعقد ہوا، اس میں کل ممبر ۴۳۶ تھے جن میں ۳۳ مسلمان تھے۔

تیسرا اجلاس مدراس میں زیر صدارت بدر الدین طیب جی دسمبر ۱۸۸۷ء میں منعقد ہوا اس کے ممبروں کی تعداد ۶۰۴ ہے اس میں مسلمان ممبر ۸۳ تھے، تفصیلات سے پتا چلتا ہے کہ دور دور کے صوبجات سے بڑے بڑے مسلمان وکلا اور زمیندار تعلقہ دار اس میں شریک ہوتے رہے۔

چوتھا اجلاس الہ آباد میں زیر صدارت مسٹر جارج یول عیسائی یورپین تاجر کلکتہ ہوا۔ اس میں کل ممبروں کی تعداد ۱۲۴۸ ہے۔

چوتھے اجلاس کے زمانے میں حکومت ہند اور انگریزوں نے جو کنسرویٹو تھے کھلی مخالفت شروع کی، انھوں نے دیکھا کہ کانگریس کا وقار بڑھ رہا ہے ملک میں اس کی بے حد

مقبولیت حاصل ہوتی جارہی ہے وہ ایسے ایسے ریزولیوشن پاس کر رہی ہے جس سے انگریزوں کے استبداد اور مطلق العنانی کو ٹھیس لگتی ہے اس لیے اس کو مٹانا چاہیے، چنانچہ مسٹر بیک پرنسپل علی گڑھ مسلم کالج نے (جو کہ پہلے ہی سریندر ناتھ بنرجی کی تقریروں پر چراغ پا ہو گئے تھے اور سرسید کو دن رات جدوجہد کر کے کانگریس کا مخالف بنا چکے تھے) سر آ کلینڈ کالون لیفٹننٹ گورنر یوپی کو کانگریس کے مقابل کھڑا کر دیا اور کھلے بندوں یہ کوشش ہوئی کہ الہ آباد میں کانگریس کے اجلاس کے لیے کوئی جگہ نہ ملے، مگر باوجود ان مخالفتوں کے کانگریس کا اجلاس کامیاب ہوا اور وہ آگے بڑھتی رہی اور روز بروز اس کی مساعی اور ہمتوں میں ترقی ہوتی رہی، رجعت پسند انگریزوں کی مساعی بھی اس کے خلاف میں بطور ردعمل ترقی پذیر رہیں، علاوہ مسٹر بدرالدین طیب جی کے کانگریس کے مندرجہ ذیل صدر مسلمان ہوئے۔

۱۸۹۶ء میں مسٹر محمد رحمت اللہ سیانی کلکتہ کے اجلاس میں صدر ہوئے اور سال بھر تک خدمات صدارت انجام دیتے رہے۔

۱۹۱۳ء میں نواب سید محمد بہادر کراچی کے اجلاس میں صدر ہوئے اور سال بھر تک خدمات صدارت انجام دیتے رہے۔

۱۹۱۸ء میں مسٹر سید حسن امام بمبئی کے اسپیشل اجلاس میں صدر ہوئے اور سال بھر تک خدمات صدارت انجام دیتے رہے۔

۱۹۲۱ء میں مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب مرحوم احمد آباد کے اجلاس میں صدر ہوئے اور سال بھر تک خدمات صدارت انجام دیتے رہے۔

۱۹۲۳ء میں مولانا ابوالکلام آزاد دہلی کے اسپیشل اجلاس کے صدر ہوئے اور خدمات صدارت انجام دیتے رہے۔

۱۹۲۳ء ہی میں مولانا محمد علی صاحب مرحوم کوکناڈا کے اجلاس میں صدر ہوئے اور سال بھر تک خدمات صدارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۹۲۷ء میں ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری مرحوم مدراس کے اجلاس میں صدر ہوئے اور سال بھر تک خدمات صدارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۹۴۰ء میں مولانا ابوالکلام آزاد اورام گڑھ کے اجلاس میں صدر ہوئے اور اب تک صدارت کر رہے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اب تک کانگریس کے ۹ صدر مسلمان مقرر ہو چکے ہیں ٦ صدر عیسائی رہے جن میں مسز اینی بسنٹ بھی ہیں، ۴ صدر پارسی ہیں، اگر کانگریس تمام ہندوستانیوں کی بلا تفریق مذہب جماعت نہ ہوتی بلکہ مثل مہاسبھا اور مسلم لیگ وغیرہ فرقہ وارانہ جماعت ہوتی تو یہ لوگ کیوں صدر مقرر کیے جاتے جس طرح کہ مہاسبھا کا صدر مسلمان اور لیگ کا صدر غیر مسلم نہیں ہوسکتا، اس کا صدر بھی کوئی غیر ہندو نہ ہوتا۔

واقعہ یہ ہے کہ رجعت پسند اور مطلق العنان کنسرویٹیو انگریزوں کو کانگریس سے نہایت زیادہ دشمنی ہے ان کو کسی طرح اپنے اقتدار اور استبداد میں تل برابر کی کمی گوارا نہیں ہے اس لیے وہ کانگریس کو ہمیشہ سے اپنا بدترین دشمن دیکھتے ہیں اور اس سے لوگوں کو متنفر کرانے اور اس کے اقتدار اور مقبولیت کو گھٹانے کی فکروں میں دن رات لگے رہتے ہیں، اسی ادھیڑ بن میں مسٹر بیک، مسٹر ماریسن، مسٹر ارچبولڈ علی گڑھ کالج کے یکے بعد دیگرے ہونے والے پرنسپل لگے رہے، یہ شیشی دور پچیس سال تک قایم رہا، کانگریس کی دشمنی میں بار بار انجمنیں بنائی گئیں تحریریں شائع کی گئیں، پمفلٹ چھاپے گئے، بے شمار لکچر دیے گئے، جس کی بنا پر مسلمانوں میں کانگریس سے نفرت اور فرقہ وارانہ دشمنی بہت بڑے پیمانے پر پیدا کر دی گئی (دیکھو روشن مستقبل از صفحہ ۲۸۸ تا صفحہ ۳۷۵) اور پھر اسی پالیسی کے ماتحت ۱۹۰٦ء میں مسلم لیگ اور مہاسبھا کی بنیاد رکھائی، دونوں کی ابتدا ایک ہی سال میں لارڈ منٹو اور ان کے ہوم سیکرٹری کی توجہات عالیہ سے ہوتی ہے اور دونوں جماعتیں ایک ہی راہ پر بمد مقابل گامزن ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انڈین نیشنل کانگریس تمام ہندوستانیوں کی بلا تفریق مذہب و نسل جماعت ہے اس کا مقصد تمام ہندوستانیوں کی بھلائی ہے، کسی فرقہ اور مذہب کی اس خصوصیت نہیں ہے ہاں اس وجہ سے کہ ملک ہندوستان میں ہندو اکثریت میں ہیں اور مسلمان اقلیت میں اور اس وجہ سے کہ ہندو رجعت پسند انگریزوں کے دام نگر میں اتنا نہیں پھنسا جتنا کہ مسلمان پھنسے اور اسی بنا پر وہ کانگریس سے متنفر رہے، کانگریس میں ہندو کی اکثریت ہونی طبعی ہے، مگر کیا یہ امر کانگریس سے تنفر اور علیحدگی کا سبب بن سکتا ہے اور اگر اس کو کوئی شخص سبب قرار دے تو کیا وہ حق پرست کہا جا سکتا ہے؟ نہیں نہیں! ہم دیکھتے ہیں کہ ٹاؤن ایریا میں، نوٹیفائڈ ایریا میں، میونسپل بورڈوں میں، لوکل بورڈوں میں، ڈسٹرکٹ

بورڈوں میں، صوبوں کی کونسلوں میں، مرکزی اسمبلی میں، تجارتی، تعلیمی بورڈوں وغیرہ بسا اوقات غیر مسلم ممبروں ہی کی اکثریت ہوتی ہے۔ بالخصوص، یوپی، بہار، مدراس، بمبئی، برار وغیرہ اقلیت کے صوبوں میں اور اسی طرح مرکزی اداروں میں اور پھر انتہائی جدوجہد کی جاتی ہے کہ اس میں شرکت کی جائے۔ الیکشن لڑے جاتے ہیں، ہزاروں روپے خرچ کیے جاتے ہیں، مقابلے سخت سے سخت عمل میں لائے جاتے ہیں، یہاں تک کہ مسلمان خاندانوں اور افراد میں سخت سے سخت رنجشیں بلکہ عداوتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور ووٹ نہ دینے والوں سے سلام کلام، آمد ورفت، بیاہ شادی، شرکت موت و جنازہ وغیرہ بھی بسا اوقات چھوٹ جاتی ہیں۔ حال آں کہ انقطاع تعلقات کی کارروائیاں ناجائز اور حرام ہیں اگر غیر مسلم کی اکثریت ان ملکی اور سیاسی اداروں میں شرکت سے مانع نہیں ہے بلکہ اپنے حقوق وطنیہ ملکیہ سیاسیہ دینیہ وغیرہ کی حفاظت اور حصول کے لیے ان میں شرکت ضروری ہے اور بے شک ضروری ہے تو کانگریس نے کیا قصور کیا ہے وہ بھی تو ایک سیاسی ادارہ ہے اور وہ بھی اپنے ملکی اور سیاسی حقوق کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ ہاں! فرق اتنا ضرور ہے کہ مندرجہ بالا ادارے انگریز کی غلامی کے دم بھرنے والے ہیں، وہاں جانے سے صاحب بہادر کی پیشانی پر شکن نہیں پڑتی اور کانگریس صاحب بہادر کی مٹی سے اپنے ملکی حقوق نکلوانا چاہتی ہے اور ہضم کی ہوئی چیزوں کو اگلوانا اس کا نصب العین ہے، کیا یہ وہی معاملہ نہیں ہے کہ گڑ کھائیں اور گلگلوں سے پرہیز ہو! ملکی اداروں میں خواہ تعلیمی ہوں یا انتظامی، پوسٹ آفس کے ہوں یا ریلوے کے، ٹیلیفون کے ہوں یا ٹیلی گرام کے، فوجی ہوں یا پولیس کے، تجارتی ہوں یا صنائع کے، عموماً اکثریت ہندوؤں کی ہوتی ہے اور بسا اوقات اس ادارہ کا افسر بھی غیر مسلم ہی ہوتا ہے مگر ان میں ملازمت حاصل کرنے اور پہنچنے کے لیے کیا کیا جدوجہد نہیں کی جاتی؟ یہاں یہ تک کہ یہ ادارہ ہائے حکومت حاکم وقت کے ماتحت ہیں، اس کے اوفیسر خودمختار نہیں ہیں۔ ان کا کارکن افسر قانون حکومت کے چلانے اور اتباع پر مجبور ہے اس لیے وہاں جانے میں حرج نہیں ہے ہمارے سوال کا جواب نہیں ہو سکتا، کیوں کہ

(الف) وہ حکومت اور اس کے بالائی کارکن بھی تو غیر مسلم ہی ہیں خواہ عیسائی ہوں یا ہندو۔

(ب) ان کے قوانین بھی غیر اسلامی ہیں اور پردیسی ہونے کی بنا پر اپنے دیس اور

قوم کی خودغرضیاں ہر قانونی دفعہ میں ملحوظ رکھتے ہیں۔

(ج) کسی ڈیپارٹمنٹ کا افسر اگر چاہتا ہے تو ماتحتوں کو ہر طرح تنگ کرتا ہے اور حکام بالا تک پہنچنے کی صورتیں ہی نہیں ہونے دیتا حکام بالا کو ان ماتحتوں سے بدظن کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، آئے دن ایسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں، تو چاہیے کہ ان صیغوں میں جانا اور ملازمت کرنا متروک ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ چونکہ یہ جواب بالکل لچر اور پوچ ہے، اگر اکثریت غیر مسلمہ کی وجہ سے شرکت ناجائز ہے تو پھر ہندوستان میں بودوباش ہی کس طرح جائز ہے ملک میں صوبوں، شہروں میں قصبوں میں اور دیہاتوں اور محلوں وغیرہ میں بسا اوقات غیر مسلموں کی اکثریت ہی پائی جاتی ہے، اگر کہا جائے کہ اسی بنا پر تو ہم پاکستان کے لیے جدوجہد کرتے ہیں تو میں کہوں گا کہ پھر آپ حکم صادر کر دیجئے کہ اقلیت والے صوبوں کے باشندے اپنی مساجد، خانقاہیں، مقابر، زمینداریاں، مکانات وغیرہ سب سے دستبردار ہو کر آپ کے مزعومہ پاکستان میں ہجرت کر جائیں ورنہ وہ گنہگار ہوں گے، اور آپ پاکستان حاصل کرنے سے پہلے کے مسلمانانِ ہند کو حرام موت مرنے والے یا گنہگار مرنے کا فتویٰ صادر کر دیں۔ والعیاذ باللہ۔

میرے محترم بزرگو! سوچیے آپ اپنی تجارتوں اور لین دین میں، کھیتی باڑی میں، درختوں کے نصب کرنے اور باغبانی میں، مقدمہ بازی اور کورٹوں کے کاروبار میں، رجسٹریشن اور تعلیمات وغیرہ میں زمینداریوں اور سیروسفر میں تو ہندوؤں کے پاس بیٹھنا ان سے صلاح اور مشورے لینا، ان سے بحث اور سوال کرنا وغیرہ ناجائز نہیں سمجھتے بلکہ بغیر اس کے اپنی زندگی نہیں گزار سکتے اور ضروری سمجھتے ہیں، پھر کیا تعجب کی بات نہیں ہے کہ ہندوستان کی آزادی اور غلامی سے نجات حاصل کرنے اور ملکی مفاد و ترقی کے لیے کانگریس میں جانے اور اجتماعی طور پر جدوجہد کو عمل میں لانے کو حرام و ممنوع قرار دیتے ہیں، یک بام و دو ہوائے کا معاملہ کیوں ہے اور کس طرح قرین قیاس ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ہندو تنگ دل ہے، وہ مسلمانوں کے لیے ہر چیز میں رکاوٹیں پیدا کرتا ہے اور بربادی ہی کی نیت رکھتا ہے اس سے ملنا نہ چاہیے، میں کہتا ہوں

(الف) ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ تنگ دل ہے، مگر اس کو ہونا بھی ایسا ہی چاہیے تھا وہ

ہزار ڈیڑھ ہزار برس سے غلام چلا آتا ہے غلامی کا اثر تنگ دلی ہوتا ہے، مگر آپ اپنے گریبان میں تو منہ ڈال کر دیکھیے! کیا آپ اس سے فراخ دلی اور فیاضی کا معاملہ کر رہے ہیں؟ کیا آپس میں آپ فیاضی کر رہے ہیں، آپ کے مختلف فرقے آپس میں اور آپ کے تعلقہ دار اور زمین دار اپنی برادریوں میں اور اپنے پٹی داروں میں اور آپ کے مختلف ادارے اپنے اپنے اداروں میں کیا کیا تنگ دلیاں نہیں برتتے، حال آں کہ آپ کو غلامی میں آئے ہوئے دوسو ہی برس گزرے ہیں، پھر ہندو پر کیا، اور کیوں ملامت ہے۔

(ب) کیا یہ تنگ دلی صرف سیاسی ادارہ کانگریس ہی میں مؤثر ہوگی اور حرمت پیدا کرے گی۔ اسمبلیوں، کونسلوں، بورڈوں وغیرہ میں مؤثر نہ ہوگی، اگر ایسا ہے تو حکومت کے جملہ اداروں کو بھی چھوڑ بیٹھیے، اور زاہدنہ زندگی اختیار کیجیے۔

(ج) یہ تنگ دلی تو اور اس کی موجب ہے کہ ہم اپنے حقوق کے لیے پرزور طریقے پر اور بکثرت داخل ہوں اور تنگ دلوں کے حلق سے اپنی چیزیں اور اپنے حقوق انگلی ڈال ڈال کر نکالیں اور اگلوائیں نہ کہ نفرت کر کے علیحدہ ہو جائیں، اور دوسروں کو اپنے حقوق دنگلنے اور ہضم کرنے دیں، ایک ایک انچ زمین اور ایک ایک پیسے کے لیے تو آپ فوجداری کرتے ہیں، مقدمہ بازی کرتے ہیں، ہزاروں جتن دن رات عمل میں لاتے ہیں اور کسی غیر کو خواہ غیر مسلم ہو یا مسلمان ہضم کرنے نہیں دیتے اور اس کے لیے ہر طرح جدو جہد کرنا ضروری سمجھتے ہیں، مگر ملک مین سیاسی حقوق کے حاصل کرنے اور غلامی سے نجات حاصل کرنے میں علیحدہ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور جب ہندو جدو جہد کر کے کچھ حاصل کر لیتا ہے، تو یا تو آپ شور وشغب مچاتے ہیں کہ ہندو کو یہ مل گیا وہ مل گیا ہم کو کیوں نہ ملا، یا شیعوں کی طرح ماتم اور سوگ وملال میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

محترم بزرگو! اس عالم اسباب کا یہ قانون نہیں ہے، جو جاگے گا قربانی کرے گا، جدو جہد کرے گا، وہ حاصل کرے گا، اور جو سوئے گا نامراد بنا ہوا رہے گا، تن پروری اور باتیں بنانے میں مصروف رہے گا، صرف رونے دھونے باتیں بنانے میں دن و رات کاٹے گا وہ محروم رہے گا، سوائے نکبت اور ذلت اس کو کہیں بھی کچھ حاصل نہ ہوگا۔

محترم بزرگو! اس غلامی کی لعنتوں سے نکلنا اور آزادی حاصل کرنا مسلمانوں کا بھی فرض اور نصب العین ہے اور ہندو، سکھ، پارسی وغیرہ کا بھی فریضہ اور نصب العین ہے! ہر ایک

اپنے لیے جدو جہد کرتا ہے اور کرے گا، کسی کا دوسرے پر احسان نہیں ہے، تمام باشندگان ہند اس ملعون غلامی سے برباد ہو رہے ہیں، ہاں مسلمان کا فریضہ سب سے زیادہ ہے کیونکہ

(الف) مسلمان برسر اقتدار تھے انگریزوں نے اقتدار اور حکومت مسلمانوں سے چھینی ہے۔

(ب) ہندوستان کی غلامی کی وجہ سے صوبہ سرحد کے مسلمان آزاد قبائل غلام بنائے گے اور بنائے جا رہے ہیں اور اب بھی ان کے لیے عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔

(ج) ہندوستان کی علامی کی بنا پر مسلمانوں کے ملک افغانستان پر چار دفعہ چڑھائی کی گئی اور کوشش کی گئی کہ وہاں پر مسلم حکومت کو ہٹا دیا جائے۔

(د) ایران پر سے آزادی کا پرچم اٹھا دیا گیا۔ بالخصوص اس جنگ میں آج تک وہاں انگریزی ہندوستانی فوجیں موجود ہیں اور ایران کے آزاد ہونے میں کھنڈت ڈال رہی ہیں۔

(ہ) عراق، شام دونوں جگہوں میں انگریزی ہندوستانی فوجیں بکثرت پڑی ہوئی ہیں اور ہر وقت دونوں کو تہدید کر رہی ہیں۔ اب بھی یہی منصوبے ہیں کہ شام اور لبنان کو پھر فرانسیسی انتداب میں دے دیا جائے۔ حال آں کہ ۴۳، ۱۹۴۲ء میں اس کی مکمل آزادی اور فرانس سے بے تعلقی کا اعلان ہو چکا تھا۔

(و) فلسطین کے مسلمانوں کو دبانے اور ہر طرح مجبوراً اور محروم الملکیت کر دینے کی صورتیں برابر جاری ہیں، یہودی لا لا کر بسائے جا رہے ہیں، ملکیت اور ثروت کی حیثیت سے تو یہودیوں کا قبضہ ہو ہی چکا تھا، مردم شماری کی حیثیت سے بھی مساوات ہونے میں تھوڑا سا ہی فرق رہ گیا ہے (دیکھو بیانات مسٹر عبدالرحمٰن صدیقی)۔

(ز) حجاز، یمن، نجد، عمان، حضرموت، صوبہ ہائے عرب ہر وقت برطانیہ کی تہدید میں آئے ہوئے ہیں ان کی زندگیاں تقریباً ہندوستانی ریاستوں جیسی ہو کر رہ گئی ہیں۔

(ح) وفاق عرب کی اسکیم زیر نظر و سایۂ برطانیہ جاری ہے۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس صورت میں کیا عرب ممالک اور عرب اقوام حقیقی آزاد ہوں گے اور کیا چالاک ڈپلومیٹ برطانیہ ان کے لیے چین اور راحت اور آزادی کامل کی زندگی حاصل ہونے دے گا اور کیا اگر وہ چاہیں بھی تو اس کمزوری کے ساتھ جو ان میں جغرافیائی سمندری اور پیداواری اور

اقتصادی حیثیت سے حاصل ہے وہ مکمل آزاد رہ سکتے ہیں۔

(ط) ممالک ترکیہ، مصر، سوڈان، الجیریا، تیونس، لیبیا وغیرہ کے مسلمان تمہاری غلامی کی وجہ سے ہر وقت خطرے میں ہیں جب بھی کوئی موقع ہوتا ہے ہندوستان سے بیشمار فوج، بے شمار رسد، بیشمار ہتھیار لے جا کر انہیں کچل دیا جاتا ہے۔

(ی) تمہارے احتجاج اور پروٹسٹ کو کبھی بھی دھیان بھی نہیں دیا جاتا۔ خواہ خلافت کے لیے ہو، ترکوں کے لیے ہو، مقامات مقدسہ کے لیے ہو، فلسطین کے لیے ہو یا دوسری جگہوں کی مسلم برادریوں کے لیے، غلام کی آواز ہی نہیں شمار ہوتی، آزاد قوم خواہ یونان ہی جیسی اقلیت والی کیوں نہ ہو دنیا میں اور دھم مچا دیتی ہے، مگر غلام قوم خواہ تمام دنیا کی پانچواں حصہ ہی ہو اس کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوتی ہے۔

(ک) تمہارے مذہبی اور وطنی ہر دو قسم کے بھائی ایسٹ افریقہ، ساؤتھ افریقہ، کیپ کالونی، ماریشیش جزائر، بحر ہند جنوبی وغیرہ میں بستے ہیں ان پر سخت سے سخت قانون پاس کیے گیے ہیں اور کیے جا رہے ہیں مگر آپ کی آواز آپ کا پروٹسٹ کچھ کارگر نہیں ہوتا، اگر آپ آزاد ہوتے تو کیا آپ کی آواز اسی طرح غیر موثر ہوتی، بہر حال مذکورہ بالا امور اور ایسے اور بھی متعدد امور ہیں جو کہ مسلمانوں پر موجودہ محکومیت اور غلامی سے آزاد ہو جانا زیادہ تر ضروری اور لازم ہونے کو بتلا رہا ہے خود ہندوستان میں موجودہ غلامی سے جس قدر ضرر مسلمانوں کو حاصل ہوا ہے اور حاصل ہو رہا ہے ہندوؤں کو نہیں ہوا۔ اگر چہ سب کے سب برباد ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ مگر مسلمان بہت برباد ہوا، دیکھو کتاب ڈبلو ڈبلو ہنٹر (ہمارے ہندوستانی مسلمان) نیز کتاب ''مسلمانوں کا روشن مستقبل'' (حال آں کہ ان میں بھی جو احوال اور اعمال درج ہیں دریا میں سے چند قطرے ہیں) برٹش گورنمنٹ کی پالیسی ہمیشہ سے یہی ہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کو کچلا جائے، آج یہی پالیسی تم کو سیاسیات اور کانگریس سے علیحدہ رکھنے میں برتی جا رہی ہے ہندوستان آزاد ہوگا اور ضرور آزاد ہوگا، ہاں لیگ وغیرہ کی مخالفتوں اور آپس کے نفاق اور رجعت پسند انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بننے کی وجہ سے ممکن ہے کہ دس بیس برس کی دیر لگ جائے تو سوچو اور سمجھو کہ اس وقت تمہاری کیا حالات ہوگی اور اس وقت کی حکومت کے سامنے کس درجہ کے مستحق سمجھے جاؤ گے، اگر اس وقت کانگریس معتوب ہے تو کیا ہے، غیر معتوبین کونسی جنت کے مزے اڑا

رہے ہیں، آزادی چاہنے والے ہر ملک میں مصائب اور تکالیف کے شکار رہے ہیں اور بالآخر وہ ہی برسرِ حکومت آئے اور انھوں نے غداروں اور خائنوں سے عبرت انگریز انتقامات لیے۔ دنیا کی تاریخیں اٹھا کر دیکھو۔

باقی رہا ہندوؤں کا تنگ دل یا دشمن ہونا تو اول تو آپ حضرات حسنِ اخلاق اور حسن معاملہ اور شرکت جدوجہد آزادی، شرکت مصائب کی بنا پر ان کو اپنا مخلص دوست بنا سکتے ہیں، قرآن شریف میں فرمایا جاتا ہے: وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ۔ الآیت یعنی بھلائی اور برائی برابر نہیں ہیں برائیوں کو بھلائیوں سے رفع کرو یعنی برائی کا بدلہ بھلائی سے دو تو جو تمہارا دشمن تھا وہ تمہارا مخلص دوست بن جائے گا یہی وہ تلوار تھی جس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت سے سخت اور جانی دشمنوں کو اپنا پروانہ بنا لیا، تم خوش اخلاقی سے دشمن کو دوست بنا سکتے ہو اور اسی طرح بد اخلاقی اور بدزبانی سے اپنوں کو بھی اپنا نہیں رکھ سکتے۔

(دوسرے) یہ کہ ہمارے ملک کے ہندو اگرچہ مذہب میں ہم سے جدا ہیں اور اگر رجعت پسند انگریزوں کی انسانیت کش پالیسی ”لڑاؤ اور حکومت کرو“، نے ان میں جذبہ ہائے نفرت پیدا کر دیے ہیں، مگر باوجود اس کے ان ہندوؤں کا اور ہمارا خون ایک ہی ہے ہمارے اور ان کے قدیمی رشتے ناتے ہیں، ہمارے ان کے تعلقات ہیں ہمارا ان کا رنگ ایک ہے، ہماری ان کی بود و باش کے طریقے اور بہت سی اشیا مشترک ہیں، ان کی زمین داریوں میں مسلمان رعایا اور کاشتکار و کارکن ہیں، ہماری زمین داریوں ہندو رعایا اور کاشت کار اور کارکن ہیں، ہماری اور ان کی زندگیوں میں اکثر ایک کو دوسرے کی حاجت ہے۔

بیرون ہندوستان سے آنے والے مسلمان ایک کروڑ بھی نہیں ہیں، آدھے کروڑ بھی نہیں، چوتھائی کروڑ بھی نہیں ہیں، اسلام کی حقانیت اور صداقت نے سمجھدار انصاف پسند لوگوں اور قوموں کو مسلمان ہو جانے اور باپ دادا کے غلط طریقوں کو چھوڑنے پر آمادہ کر دیا، وہ مسلمان ہو گئے۔ جو مسلمان باہر سے آئے تھے، عموماً اپنے ساتھ عورتوں کو لے کر نہیں آئے تھے، یہاں آ کر یہاں کی عورتوں سے شادیاں کیں اس لیے اس کلیہ میں ذرا بھی شک نہیں کہ مسلمانانِ ہند اور ہندوان ہند دونوں کے خون آپس میں ملے ہوئے ہیں اور آپس میں رشتہ دار ہیں، قدیمی زمانے میں آپس میں بہت میل ملاپ اور محبت والفت پائی جاتی تھی، مگر برطانوی رجعت پسند پالیسی نے ایسی بے شمار باتیں پیدا کیں جس سے آپس میں منافرت

اور جذبات دشمنی پیدا ہو گئے، سر جان مینارڈ اور دوسرے مؤرخین اس کا اقرار کرتے ہیں یہ منافرت اور تنگ دلی برطانیہ کی پیداوار ہے، مذہب اس کا پیدا کرنے والا نہیں ہے۔ پرانے لوگ اب کے لوگوں سے زیادہ تر مذہبی تھے، ہندو بھی اور مسلمان بھی، مگر ان میں یہ منافرت اور تنگ دلی نہ تھی، بلکہ بجائے اس کے محبت اور میل جول تھا، اگر چہ کبھی کبھی جھگڑا لڑائی بھی کسی دنیاوی بات سے یا مذہبی بات سے ہو جاتی تھی مگر وہ گاہے ماہے ہوتی تھی۔ خود مسلمانوں میں آپس میں بھی ایسے جھگڑے قدیم زمانے میں بہت ہوئے ہیں اور اب بھی ہوتے رہتے ہیں، ہاں ہر دو قوم میں بکثرت ایسے ایجنٹ بھی پائے جاتے ہیں جو کہ باطن میں رجعت پسندوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ظاہر میں نیشنلسٹ معلوم ہوتے ہیں اور وہ نفاق وعداوت کی آگ بھڑکاتے رہتے ہیں، نیز ہر دو قوم میں جس طرح چور، ڈاکو، شرابی، بدمعاش ہیں، کوئی بڑی سوسائٹی ایسے غلط کاروں سے خالی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح ہندوؤں اور مسلمانوں میں بھی غلط کار بے سمجھ بھی ہیں ہاں چوں کہ ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس لیے ان میں بے سمجھ اور غلط کار بھی زیادہ ہوں گے اور چونکہ ان میں غلامی ایک ہزار برس سے زیادہ سے چلی آتی ہے، اس لیے اس کا اثر بھی ان میں زیادہ ہوگا، مگر جس طرح آپ اپنے غلط کاروں اور ناسمجھوں کی وجہ سے اپنی قوم مسلم کو نہیں چھوڑ سکتے اسی طرح ان غیر مسلم اپنے ناسمجھوں اور غلط کاروں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ان کی اصلاح کیجیے، ان سے میل ملاپ پیدا کیجیے، اور ملک کو آزاد کرا کر اپنی اور ان کی، اپنے مذہب اور ملک کی، زراعت اور تجارت کی، دین اور دنیا کی صلاح اور ترقی کی صورتیں کرتے ہوئے مصیبتوں کو زائل کیجیے۔

محترم بھائیو اور بزرگو! جو جودہ غلامی اور اس کی بے نہایت مصیبت پر اس وجہ سے قناعت کرنا اور راضی رہنا کہ ہندو سنگ دل اور دشمن ہے ایسا ہی ہے جیسے کوئی مچھروں اور بھڑوں کے کاٹنے کی وجہ سے سانپوں اور بچھوؤں کے چھتہ اور بل میں پناہ پکڑے، اس ملعون غلامی کی وجہ سے بربادی جس درجہ ہوئی ہے اور ہو رہی ہے وہ سانپ اور بچھو کے زہر سے بہت زیادہ ہے۔ تنگ دل اور غلط کار ہندو کی وجہ سے جو خطرات آپ کے سامنے ہیں وہ ان موجودہ مصائب کے سامنے اتنی بھی وقعت نہیں رکھتے جو مچھر اور زنبور کے کاٹنے کی سانپ اور بچھو کے زہر کے سامنے ہوتی ہے، بلکہ اتنی بھی اس کو وقعت نہیں ہے جو کہ ذرہ کو پہاڑ کے سامنے ہوتی ہے، غور کیجیے اور غلط کاری مت اختیار کیجیے، علاوہ ازیں کیا یہ ممکن نہیں

کہ آپ اپنی رواداریوں اور اخلاق حسنہ کی بنا پر اپنے مذہب پر مضبوط رہتے ہوئے ان کی دشمنی اور سنگ دلی کو دور کریں، کیا مسلمانوں نے زمانے ہائے سابق میں ایسا نہیں کیا، آپ دور کیوں جاتے ہیں شاہان مغلیہ کے کارناموں ہی پر نظر ڈال لیجیے۔

محترم بزرگو! اگر آپ کو ان کی طرف سے مایوسی ہی ہے اور ان کو اپنا ایسا ہی دشمن سمجھتے ہیں کہ جن کو اپنانا ممکن نہیں (حال آں کہ یہ آپ کا مذہبی فریضہ بھی ہے) تو وہ معاملہ کیجیے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں پہنچ کر کیا تھا کہ دو دشمنوں میں سے بڑے دشمن سے جنگ کی اور چھوٹے اور کمزور دشمن یہود سے صلح کی اور ہر دو یعنی مسلمانوں اور یہود کو اپنے اپنے مذاہب پر مضبوط رہتے ہوئے مصالح وطنیہ وغیرہ میں ایک قوم بنایا، کانگریس میں داخل ہونا اور باشندگانِ ہند کے لیے ایسے اصولی قوانین بنانا جن سے سب کا تحفظ، سب کے لیے ترقی اور خوشحالی ہو سکے اور مسلمانوں کے لیے ایسے تحفظات اصول (فنڈامنٹل) میں مقرر کرانے جن کی بنا پر وہ اکثریت کی دست درازیوں سے محفوظ اور مطمئن ہو سکیں، نیز حکومت میں ایسی اطمینانی صورتیں بنوانی جن کی بنا پر اقلیتیں اکثریتوں کے رحم و کرم پر گزاران کرنے کے لیے مجبور نہ ہوں، یہی اقدام اور عمل دو۔آمد جمعیت کا ہے، اس کی تجاویز پر غور کیجیے جن کا اعلان جمعیت کی طرف سے بار بار ہو چکا ہے۔

بعض حضرات ایسے مقام پر کہنے لگتے ہیں کہ تمام خطرات اور مشکلات کا مکمل علاج پاکستان ہی میں ہے، کیوں کہ جو معاملے ہندو اپنی اکثریت والے صوبوں میں مسلمانوں کے ساتھ کریں گے وہی ہم بھی پاکستان میں کریں گے،

اولاً عرض یہ ہے کہ اس کا تو موقع آپ کو آج بھی بغیر پاکستان حاصل ہے ہر صوبے کی کونسل کو اپنے داخلی معاملات میں اختیار ہے کہ کثرت رائے پر فیصلہ کر کے من مانی کارروائی کرے، جن صوبوں میں آپ کی اکثریت ہے ووٹوں کی مجارٹی سے آپ جو چاہتے ہیں کر لیتے ہیں۔ البتہ مرکز میں اندیشہ ہے کہ ان امور میں جو کہ مرکز کو دیے جائیں گے ہم کچھ نہ کر سکیں گے، کیوں کہ وہاں ہم اقلیت میں ہوں گے ہمارا مفاد کچلا جائے گا، مگر اس کا علاج تو یہ ہے کہ مرکز کو وہی امور دیے جائیں جن میں فرقہ وارانہ اندیشہ نہ ہو یا اگر ایسے امور ان کو دیے بھی جائے تو یا تو مرکز کے ممبروں کا عدد مساوی ہو، یا ایسے امور کے لیے سپریم کورٹ مقرر کر دیے جائے جس کے مسلم اور غیر مسلم ممبر برابر ہوں یا اور کوئی ایسی دفعہ رکھ دی

جائے جس سے اکثریت کی دست درازی کا خطرہ باقی نہ رہے۔
(ثانیاً) یہ عرض ہے کہ واقعات تاریخیہ اس کے خلاف شہادت دے رہے ہیں، ہم نے دیکھا کہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے ہندوستان میں سب کچھ کیا مگر افغانستان کے کانوں پر جوں نہ رینگی، ٹرکی کی رگِ خلافت وحمیت میں گرمی پیدا نہ ہوئی، انگریزوں سے پروٹسٹ بھی نہ کیا گیا، فیروز شاہ مرحوم استنبول تک پہنچے اور ان کو یقین تھا کہ چوں کہ ہمارے دادا تیمور لنگ نے سلطان بایزید یلدرم مرحوم کے بیٹے کو تخت پر بیٹھایا تھا (سلطان مرحوم کو قید کر لینے کے بعد) اس لیے ہماری مدد کی جائے گی مگر کوئی توجہ نہ کی گئی بلکہ کچھ تنخواہ مقرر کر کے مکہ معظمہ میں رہنے کا سامان کر دیا گیا اور ان کی وہاں ہی وفات ہوئی، اندلس میں مسلمانوں پہ کس قدر مظالم ہوئے ترکی حکومت اس وقت شباب پر تھی مگر عیسائی دنیا کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا گیا نہ اندلس قرطبہ وغیرہ سے عیسائیوں کی نکال کر مسلمانوں کو قبضہ دلایا گیا، نہ یہ ہی کیا گیا کہ رومانیہ، بلگیریا، بوسینیا، ہرزی گونیا، مانٹی نیگرو، البانیہ، یونان وغیرہ کے عیسائیوں سے وہ معاملہ کیا جاتا جو عیسائیوں نے اندلس اور قرطبہ واشبیلیا وغیرہ میں مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔ دور کیوں جایئے فلسطین میں کیا کچھ نہیں ہوا، مسلمانوں پر کیا کیا مظالم نہیں ڈھائے گے، جینہ جیسے قبضے کو جس کی آبادی سات ہزار مسلم نفوس سے زیادہ تھی اور عمارات وباغات وغیرہ اس قدر اور ایسے تھے کہ اس کو چھوٹی جنت کہا جاتا تھا مگر سب کو ایک رات میں ڈائنامیٹ سے معدوم محض کر دیا گیا۔ ٹرکی کو، مصر کو، شریف عبداللہ والیٔ شرق اردن کو، عراق کو، ابن سعود کو ذرا بھی حرکت نہ ہوئی، یہ تو بیرون ہند کا واقعہ ہے، خود ہندوستان میں یوپی، بہار وغیرہ میں نام نہاد پیر پور رپورٹ والے مظالم ہوئے، مگر لیگی وزارتوں اور پاکستانی حکومتوں کی رگ حمیت میں ذرا بھی گرمی پیدا نہ ہوئی۔ یہ بھی نہ ہو سکا کہ ہندوؤں سے وہ معاملات کرتے جو پیر پور رپورٹ میں مزعومہ مظالم مسلمانوں پر کیے گئے تھے، مسٹر فضل حق نے باوجود لے کہ لکھنؤ کے اجلاس لیگ میں کہا تھا کہ اگر ہندوؤں نے اپنی اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں پر کوئی تعدی کی تو ہم اس کا بدلہ اپنے صوبے میں ہندوؤں سے لیں گے۔ وہ بدلہ تو کیا لیتے لکھنؤ ہی میں جب ہندو رپورٹروں نے جلسے کے بعد گفتگو کی تو ان سے معافی مانگنے لگے۔ الغرض یہ امر نہ واقعات عالم کی حیثیت سے ممکن ہے اور نہ عقلاً درست ہے۔ اگر کسی مجرم نے یوپی میں جرم کیا ہے، تو پنجاب کے غیر مجرم کو سزا

دینا کونسی عقل اور دیانت کی بات ہے۔ یہ محض دھوکا دینے یا دھوکا کھانے کی باتیں ہیں، بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو یہ دھوکا ہے یا دھوکا دیا جا رہا ہے کہ پاکستان میں خالص اسلامی حکومت بطرز خلفاے راشدین قایم کی جائے گی۔ یہ خواب تو نہایت شریں ہے۔ کاش ایسا ہو اگر اس کا ذمہ دارانِ لیگ اطمینان دلا دیں تو ہم اراکین جمعیت سب سے پہلے اس آواز پر لبیک کہنے کے لیے تیار ہیں، کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ وہ لوگ کہ جن کو دین اور مذہب اسلام اور شعائر اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں، نہ صورت اسلامی ہے، نہ سیرت وہ اسلامی حکومت قایم کریں اور مذہب کے اصول وضوابط پر بطرزِ خلفاے راشدین چلائیں، وہ حضرات جن میں اور دین و مذہب میں وہ تعلق ہو جو اندھیرے کو روشنی سے ہے اور آگ کو پانی سے ہے وہ دین و مذہب کا احیاء کریں! کیا مسٹر محمد علی جناح اور راجہ محمود آباد یا دوسرے ممبران ہائی کمان لیگ، حضرت عمر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے طریقے کا احیا کریں گے اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی تو کیا وہ اقلیت پنجاب اور بنگال کی جو کہ معمولی اقلیت ہے یعنی صرف پانچ یا سات عدد سے۔ وہ ایسا ہونے دے گی اور بالفرض ایسا ہو بھی گیا تو کیا مسلم اقلیت والے صوبوں میں اس کا ایسا ردعمل نہ ہوگا کہ وہاں پر خالص ہندو راج اور رام راج قایم کیا جائے اور حسب خواہشات آریہ مسلمانوں کو ہندو بنانے کے سامان کر دیے جائیں۔ ان صوبوں میں جن میں مسلمانوں کی اقلیت ہے وہ بہت ہی کمزور اور حقیر اقلیت والے ہیں، ان کو ہر طرح دبا لینا اور مجبور کر دینا بات ہی کیا ہے۔ قاید اعظم کے وہ بیانات جو انھوں نے نیوز کرانیکل کے نمایندے کو دیے ہیں پڑھیے اور عبرت حاصل کیجیے۔ انھوں نے اس میں صاف طور پر سے کہا ہے کہ پاکستان کی حکومت یورپین جمہوریت کے طریقے پر ہوگی، ہندو اور مسلمان اپنی اپنی آبادی اور مردم شاری کی حیثیت سے راے شاری کر کے فیصلے صادر کریں گے اور وزارتوں اور لجس لیچر میں سب حصہ دار ہوں گے، نیز لیگ کی وزارتوں کے طرزِ حکومت اور طرزِ عمل سے حقایق کا اندازہ کیجیے۔

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

سیاسی جمود:

حضرات! گذارشات کے بعد میں آپ کی توجہ اس آئینی جمود کی طرف مبذول کرانا

چاہتا ہوں جو پچھلے چار سال سے ہندوستان کی سیاسی فضا میں پیدا کر دیا گیا ہے اور جس پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے حال ہی میں برطانوی پارلیمنٹ نے مزید ایک سال کے لیے گورنروں کے ڈکٹیٹرانہ اختیار کی توسیع کی ہے، یہ جمود موجودہ جمہوری دور کا ایک زبردست سانحہ ہے اور اس کی تمام تر ذمہ داری حکومت برطانیہ پر ہے، جو دنیا میں جمہوریت اور آزادی کا ڈھنڈورا پیٹ رہی ہے ایک طرف وہ اپنی زبان سے جمہوریت کے نعرے بلند کرتی ہے اور دنیا کی دوسری قوموں کو اس کی حمایت وحفاظت کی دعوت دیتی ہے اور دوسری طرف اس کے کارندے ہندوستان میں بدترین قسم کی آمریت کی داد دے رہے ہیں۔

اس جمود کے جواز میں برطانوی مدبرین کی طرف سے ہمیشہ ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے باہمی اختلافات کو بہت زیادہ نمایاں کر کے پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ چوں کہ خود ہندوستانی آپس میں ہندوستان کے کسی دستور پر متفق نہیں ہیں، اس لیے برطانوی حکومت مجبور ہے جب تک تمام عناصر کسی دستور پر متفق نہ ہوں، ہم آئینی ترقی کی طرف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے اور ان کے مفادات کو نظر انداز کر کے ان پر زبردستی کوئی فیصلہ نافذ نہیں کر سکتے بلاشبہ ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے درمیان اختلافات موجود ہیں، جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ صرف برطانوی حکومت کے لائے ہوئے ہیں اور خود ہی وہ ان کو ہندوستان کی آئینی ترقی کو روکنے کے لیے بہانہ بنا رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اختیارات منتقل کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اور بدنیتی کے ساتھ وہ ہندوستانیوں کے باہمی اختلافات کو تمام دنیا میں اچھال رہی ہے، ورنہ ہندوستان کا یہ اختلاف ان فیصلوں کے لیے کبھی رکاوٹ نہیں بنا جو اس کے اپنے مفاد میں تھے جب بھی اس نے اپنے کسی فیصلہ کو نافذ کرنا چاہا ہے تو تمام اختلافات اور مزاحمتوں کو نظر انداز کر کے ان کو عملی جامہ پہنایا ہے، برطانیہ کی بارگاہ سے جب فرقہ وارانہ سمجھوتا صادر کیا گیا تو ہندوستان کی اکثریت اس فیصلے کو تسلیم نہیں کرتی تھی۔ ہندو اس سے اس وجہ سے متفق نہیں تھے کہ وہ اس ایوارڈ کو اپنے حقوق میں دست اندازی سمجھتے اور مسلمانوں کے لیے وہ اس لیے قابل اطمینان نہیں تھا کہ اس میں ان کا جائز حق پوری طرح تسلیم نہیں کیا گیا تھا، اس اختلاف کے باوجود حکومت نے اس ایوارڈ کو برقرار رکھا، اسی طرح ۱۹۳۵ء کے دستور کو ہندو اور مسلمانوں نے متفقہ طور پر مسترد کر دیا تھا، لیکن حکومت اس کے نفاذ پر مصر تھی، آخر کار ہندوستان کی متحدہ مزاحمت اور استرد

کے باوجود اس ایکٹ کو اس کے سر پر تھوپ دیا گیا۔ موجودہ جنگ میں بھی حکومت نے اپنے عزائم اور فیصلوں کو بروے کار لانے کے لیے اس کا انتظار نہیں کیا کہ ہندوستان کے تمام عناصر متفقہ طور پر ان کو تسلیم کریں اور اس کے بعد ان کو نافذ کیا جائے۔ اس لیے ہندوستان کی آئینی ترقی کے سلسلے میں اس کی قومی زندگی کے ان اختلافات کو نمایاں کرنا یقیناً کسی دیانت دارانہ احساس پر مبنی نہیں تھا۔ تاہم یہ ہندوستان کے لیے ایک چیلنج تھا اور ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کا یہ اولین فریضہ تھا کہ وہ اپنے تمام اختلافات کو نظر انداز کر کے برطانیہ کے اس چیلنج کو قبول کرتیں اور باہمی رواداری کے ساتھ کسی ایک نتیجے پر پہنچ کر ہندوستان کی دستوری ترقی کے متعلق کوئی متحدہ نظریہ پیش کرتیں۔

سپرو کمیٹی کی سفارشات:

حضرات! اس وقت ہندوستان کے سیاسی جمود کو دور کرنا قومی و ملکی ضروریات کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے، ملک کی اہم جماعتیں جمود کو حل کرنے اور ملکی ترقی کی طرف قدم بڑھانے کے لیے مضطرب ہیں۔ صوبوں میں نمایندہ حکومتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے عوام کو غیر معمولی مشکلات پیش آرہی ہیں۔ ملک کی بعض جماعتوں کی طرف سے اس جمود کو حل کرنے کے لیے متعدد بار کوششیں بھی کی گئی ہیں، حال ہی میں سپرو کمیٹی نے اس سلسلے میں چند سفارشات کی ہیں اور ان کی بنیاد پر ہندوستان کے مسئلے کو حل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے، جمعیت علماے ہند کی ورکنگ کمیٹی ان سفاشات کے متعلق اپنا نقطۂ نگاہ واضح کر چکی ہے، ورکنگ کمیٹی نے سفارشات کے اس حصے سے اتفاق کیا ہے جس میں سیاسی قیدیوں کی رہائی، شہنشاہ برطانیہ کی طرف سے ہندوستان کے لیے اعلانِ آزادی، صوبوں میں آئین کی بحالی اور مرکز میں ذمہ دار قومی حکومت قایم کرنے کے مطالبات کیے گئے ہیں۔ لیکن ورکنگ کمیٹی کو ان اصولوں سے اختلاف ہے جن پر یہ سفارشات مبنی ہیں۔ ان سفارشات کو پیش کرتے ہوئے بطور اصول یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ انگریزوں کو بہر حال ہندوستان میں رہنا چاہیے! اس لیے کمیٹی کے نزدیک ہندوستان کی آزادی کا تصور انگریز کی بالا دستی سے آزاد نہیں ہے، اور اسی بنیاد پر کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ اگر ہندوستان کی سیاسی جماعتیں کسی متفقہ حل تک نہ پہنچ سکیں تو برطانوی پارلیمنٹ کو خود ہی کوئی دستور مرتب کر کے

نافذ کردینا چاہیے ظاہر ہے کہ یہ اصول ہندوستان کے آزادی پسند جذبات کو مطمئن نہیں کرسکتا۔اس کے علاوہ کمیٹی نے نمایندہ اسمبلی میں نمایندگی کے جس تناسب کی سفارش کی ہے جمعیت علما کے نزدیک وہ ناقابل قبول ہے، اگرچہ بظاہر مسلمانوں کو ہندوؤں کے مساوی نمایندگی دی گئی ہے، لیکن اچھوتوں کے لیے جداگانہ نمایندگی تجویز کرکے اس توازن کو ختم کردیا گیا ہے۔مجموعی حیثیت سے ۱۶۰ کی تعداد میں مسلمانوں کا تناسب ۳۱ فیصدی رہ جاتا ہے جو ان کے موجودہ تناسب سے بھی کم ہے، ہمارے نزدیک یہ دیانتدارانہ پوزیشن نہیں ہے کہ ایک طرف اچھوتوں کو ہندو قومیت کا ایک ناقابل انفصال جزو بتایا جاتا ہے اور ان کے مسئلے کو ہندوؤں کا ایک داخلی مسئلہ ظاہر کیا جاتا ہے، گاندھی جی ان کی جداگانہ نمایندگی کے سوال پر برت رکھ کر آخری قربانی دینے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں اور پونا کا مشہور پیکٹ کرتے ہیں، لیکن دوسری طرف ان کے لیے جداگانہ نمایندگی کی سفارش کی جارہی ہے۔ نیز یہ کہ مسلمانوں کو جو نام نہاد مساوی تناسب دیا گیا ہے وہ مخلوط انتخاب کے ساتھ اس طرح مشروط کردیا گیا ہے کہ اگر یہ سفارش بہ تمام وکمال منظور نہ کی گئی تو ہندو آزاد ہوں گے کہ نہ صرف مساوی نمایندگی کو منظور نہ کریں بلکہ فرقہ وارانہ سمجھوتے پر بھی نظر ثانی کا مطالبہ کریں۔

جہاں تک مخلوط انتخاب کا تعلق ہے جمعیت علما اس کو مسلمانوں کے جملہ حقوق کی قابل اطمینان حفاظت کے ساتھ ملک اور مسلمانوں کے لیے مفید سمجھتی رہی ہے، تاہم اس فیصلہ کا حق صرف مسلمانوں ہی کو ہے کہ وہ کسی طریق انتخاب کو منظور کرتے ہیں، کوئی جماعت ان کو مخلوط انتخاب قبول کرنے پر مجبور نہیں کرسکتی۔

کمیٹی نے ہندوستان کی وحدت پر زور دیتے ہوئے صوبوں کے حق خود ارادیت کی بھی کلیتہً نفی کی ہے، جو نہ ملک کے بہترین مفاد کے مطابق ہے اور نہ مسلمان اس حق کو کسی قیمت پر نظر انداز کرسکتے ہیں، اس لیے ہمارے نزدیک کمیٹی کی یہ سفارشات ملک کے موجودہ آئینی جمود کا منصفانہ حل نہیں ہوسکتیں۔

جمعیت علما کا نقطۂ نگاہ:

حضرات! ہندوستان کے آئینی مسئلے کے متعلق جمعیت علمائے ہند بارہا اپنے نظریے

کا اظہار کر چکی ہے، لاہور کے گذشتہ اجلاس میں اپنی ایک تجویز کے ذریعے جمعیت نے اپنا نقطۂ نظر واضح کر دیا تھا۔ آج بھی جمعیت علما اس اصول کو ہندوستان کے مسئلے کا آخری حل سمجھتی ہے، جس کو ہندوستان کے حالات اور مسلمانوں کے مخصوص حقوق و مسایل کے تحفظ کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے لاہور کی تجویز میں پیش کیا تھا، اور جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱۔ ہندوستان کا دستور حکومت وفاقی اصول پر مرتب کیا جائے۔

۲۔ تمام صوبے (یا وفاقی وحدتیں) مکمل طور پر آزاد ہوں اور غیر مصرحہ اختیارات انہیں کو حاصل ہوں۔

۳۔ وفاقی مرکز کو صرف وہی اختیارات حاصل ہوں جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالے کریں۔

۴۔ وفاقی وحدتوں کے لیے حق خود ارادیت تسلیم کیا جائے۔

۵۔ وفاق کی تشکیل ایسے اصول پر کی جائے جس میں مسلمانوں کے مذہبی سیاسی اور تہذیبی حقوق کا اس طرح تحفظ کیا جائے جو مسلمانوں کے لیے قابل اطمینان ہو، جمعیت علما کی رائے میں یہ اطمینان ذیل کے اصول میں سے کسی اصول پر وفاقی حکومت کی تشکیل سے حاصل ہوسکتا ہے۔

(۱)۔ مرکزی ایوان میں نمایندگی کا تناسب یہ ہو، ہندو ۴۵، مسلمان ۴۵، دیگر اقلیتیں ۱۰، جمعیت علما نے اس دفعہ کی روح کو بطور اصول پیش نظر رکھا ہے۔

(۲)۔ اگر کسی بل یا تجویز کو مسلم ارکان مرکزی کی ⅔ اکثریت اپنے مذہبی، سیاسی، تہذیبی اور ثقافتی آزادی کے خلاف قرار دے تو قانوناً وہ بل ایوان میں زیر بحث نہ آسکے۔

(۳)۔ ایسا سپریم کورٹ قایم کیا جائے جو مرکز اور صوبوں کے تنازعات، صوبوں کے باہمی نزاع اور ملک کی قوموں کے اختلافات کا آخری فیصلہ کرے اور جس میں مسلم و غیر مسلم ججوں کی تعداد مساوی ہو، سپریم کورٹ کے ججوں کے تقرر کا اختیار مسلم اور غیر مسلم صوبوں کی ایک ایسی کمیٹی کو دیا جائے جس میں مسلم اور غیر مسلم ارکان کی تعداد مساوی ہو۔

(۴)۔ یا اس کے علاوہ کوئی اور اصول جو مسلم اور غیر مسلم جماعتوں کے اتفاق سے طے کیا جائے۔

جمعیت علما کے نزدیک اگر مذکورہ اصول پر وفاق کی تشکیل کی جائے تو وفاقی مرکز میں

مسلم اور غیر مسلم جماعتوں کے حقوق کی حفاظت کا مسئلہ فریقین کے لیے قابل اطمینان طور پر حل ہو جاتا ہے لیکن ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں جمعیت علما کا جو اصول کار رہا ہے، اس کے پیش نظر اس نے دفعہ ۲ میں مجوزہ صورتوں کے علاوہ کسی ایسے اصول کے لیے گنجایش باقی رکھی ہے جو وفاق میں مسلمانوں کے مذہبی سیاسی اور ثقافتی حقوق کے تحفظ کی ضمانت ہو سکے۔

علما کا نصب العین اور اصول فکری:

محترم بزرگو! علما کا وہ نصب العین جو ایک ازلی و ابدی صداقت کے طور پر ہمیشہ ان کے پیش نظر رہا ہے، اسلام کا اجتماعی اور سیاسی نظام ہے۔ تاریخ کے مختلف دوروں میں انھوں نے اسی نظام زندگی میں انسانوں کی تمام مشکلات کا حل تلاش کیا ہے اور ان ہی اصول کے ماتحت مسلمانوں کے تمام مسایل میں راہنمائی کی ہے۔ آج بھی ایک مسلمان کی حیثیت سے یہی نظام ان کا آخری نصب العین ہے، اس نصب العین تک پہنچنے کے لیے انھوں نے مسلمانوں کی سیاسی اور اخلاقی تنظیم کے ہر اس موقع سے استفادہ کیا ہے جو مختلف احوال و ظروف میں ان کو میسر آیا ہے۔ مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی آزادی کی راہ میں انھوں نے ہر وہ قدم اٹھایا، جس کا اٹھانا ممکن تھا اور اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے سے بھی کبھی دریغ نہیں کیا۔ حالات بدلتے رہے ان کے ساتھ جدوجہد کی نوعیتیں بھی بدلتی رہیں، لیکن حالات کے اختلاف اور مصائب کے ہجوم میں ان کا نصب العین کبھی ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوا۔ آج میں اپنے مقدس بزرگوں کے عظیم الشان ملی و مذہبی کارناموں کو سامنے رکھ کر یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں کہ ان کی حمیت دینی و ملی جوش عمل اور قربانی نے علما کی دینی و ملی جدوجہد کی ایک شاندار تاریخ مرتب کی ہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد حکومت نے مسلمانوں کے متعلق جو پالیسی اختیار کی تھی اس نے ان کی صفوں میں ایک انتشار پیدا کر دیا، ان کی قومی اور سیاسی زندگی پراگندہ ہوگئی، ان کے معاشرتی نظام کا شیرازہ بکھر گیا، تعلیمی و فکری نظام درہم برہم ہو گیا، غرض مجموعی حیثیت سے مسلمانوں پر ایک یاس انگیز جمود چھا گیا۔ علما نے اس انتشار کو محسوس کیا اور انفرادی طور پر مسلمانوں کی تنظیم کے لیے متعدد مذہبی و سیاسی علمی و فکری اور اصلاحی تحریکات پیدا کیں،

بالآخر ۱۹۱۹ء میں مسلمانوں کی قومی زندگی کی تنظیم کے لیے علما و ملت کی ان کوششوں کو ایک جماعتی نظام کے ماتحت منظم کیا گیا، پچھلے چھبیس سال میں علما نے اسی نظام کے ماتحت اپنی کوششوں کو مصروف عمل رکھا، اس سلسلے میں انھوں نے اپنے پیشرو بزرگوں کی طرح اسلامی اصول اجتماع ہی کو مشعل راہ بنایا اور مسلمانوں کے تمام ملی و ملکی مسایل کو ان ہی کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی۔

جمعیت علما کی مذہبی و ملکی خدمات:

جمعیت علما نے چوتھائی صدی کی اس طویل جدوجہد میں اسلامی اصول کو بروے کار لانے کے لیے ملک و ملت کی جو زبردست خدمات انجام دی ہیں، وہ نہ صرف جمعیت علما بلکہ مسلمانانِ ہند کی مذہبی و سیاسی جدوجہد کا ایک شاندار باب ہیں اس موقع پر جمعیت کی خدمات کے تفصیلی تذکرے کی گنجایش نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ مسلمانون کی مذہبی، تبلیغی، سیاسی معاشرتی اور شرعی زندگی کا کوئی میدان ایسا نہیں ہے جہاں جمعیت علما کی شاندار خدمات کا سنگ نشان موجود نہیں ہے، جمعیت علما ہی تھی جس نے ہندوستانی مسلمانوں کی تنظیم و ترقی اور ممالک اسلامی کی آزادی و زندگی کی حفاظت کے لیے ہندوستان کی آزادی کو ایک مذہبی و ملکی فریضہ کی حیثیت سے محسوس کیا، اور اسی نے ہندوستان کی دوسری سیاسی جماعتوں کی مکمل آزادی کا نصب العین عطا کیا۔

اگر چہ چھبیس سالہ جدوجہد میں جمعیت علما کو اپنے نصب العین کی حد تک کامیابی حاصل نہ ہو سکی لیکن جہاں تک عزم و عمل کا تعلق ہے، جب بھی کسی قربانی پیش کرنے کی ضرورت پیش آئی، جمعیت نے کبھی پس و پیش نہیں کیا اور آج بھی میں جمعیت کے ارکان اور ممبران عموی کی طرف سے اس آخری فیصلہ کا اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم اپنے مقصد کی طرف قدم بڑھانے میں کبھی پس و پیش نہیں کریں گے اور مجھ امید ہے کہ اس فیصلے کو تمام آزادی پسند مسلم عوام کی تائید حاصل ہے، ہمیں یقین ہے کہ ہماری راہ خواہ کتنی ہی کٹھن ہو لیکن آخر کار ہم اپنی منزل پر پہنچیں گے۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ۔

علما کی پالیسی سے اختلاف:

حضرات! علماے ہند کی مذہبی و سیاسی سرگرمیوں کی تاریخ جس قدر قدیم ہے، ان کی مخالفت اوران کے سیاسی و مذہبی افکار سے اختلاف بھی اسی قدر پرانا ہے، ہندوستان میں انگریزی اقتدار قایم ہو جانے کے بعد جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، ان میں دو خیال پیدا ہو گئے تھے جو بنیادی طور پر ایک دوسرے سے مختلف تھے، ایک طرف آزادی پسند علما اور مسلم عوام کا وہ گروہ تھا جو اپنے مذہبی اور قومی افکار کی روشنی میں اپنے لیے نئی حکومت کے ساتھ تعاون کی کوئی راہ نہیں پاتا تھا انھوں نے جس طرح ۱۸۵۷ء اوراس کے بعد ہندوستان کی آزادی کے لیے عظیم الشان کوششیں کی تھیں، اسی طرح اس دور میں بھی جب کہ سیاسی اعتبار سے مسلمانوں پر ایک جمود چھا گیا تھا، ہراس ترقی پسند کوشش کا ساتھ دیا جو ہندوستان کی آزادی کے لیے اس ملک کی دوسری قوموں کے ساتھ مل کر جدوجہد کرنے کے جواز میں فتوے دیے اوران انجمنوں میں شرکت کو ناجائز قرار دیا جو برطانوی حکومت سے وفاداری، برطانوی سلطنت کے استحکام اوراس کی حفاظت اور گورنمنٹ سے عرض داشتوں کے ذریعے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا نصب العین لے کر اٹھیں تھیں اور مسلمانوں کو سیاسی شورشوں میں حصہ لینے سے روکتی تھیں۔ علما کی اس پالیسی کی وجہ سے نہ صرف حکومت نے شدومد کے ساتھ ان کی مخالفت کی بلکہ مسلمانوں کے ایک طبقہ نے بھی ان کی مخالفت اوران کے متعلق غلط بیانیوں کو اپنا شعار بنالیا۔

رجعت پسندانہ افکار کی تنظیم:

اس کے بالمقابل مسلمانوں کی ایک قلیل جماعت ایسی بھی تھی جو نہ صرف حکومت کی وفادارانہ غلامی ہی کو مسلمانوں کی مذہبی وسیاسی ترقی کا وسیلہ سمجھتی تھی بلکہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیمات وروایات اوران کی تہذیب و معاشرت کو انگریزوں کی منشا اور مزاج کے مطابق ڈھال دینا چاہتی تھی یہ طرز فکر چوں کہ ہندوستان میں برطانوی سلطنت کے استحکام کے لیے سازگار تھا، اس لیے حکومت نے اس کی سرپرستی کی، علما کے خلاف ایک زبردست جدوجہد کی گئی جن کو حکومت انتہائی خطرے کی نظر سے دیکھتی تھی۔ مسٹر بیک، ماریسن اور آرچ بولڈ جیسے

انگریز مفکرین اس رجعت پسندانہ طرز فکر کی تنظیم میں مصروف ہو گئے اور اس کے خط و خال درست کر کے اس کو مسلم عوام میں متعارف کرانے کی کوشش کرتے رہے، چنانچہ نیشنل کانگریس کا مقابلہ کرنے کے لیے جس میں شرکت کے لیے ملک کے مستند اور بارسوخ علما مسلمانوں کو دعوت دے رہے تھے اور جس کو مسٹر بیک براہ راست انگریزوں کے خلاف سمجھتے تھے، انھوں نے محمڈن ڈیفنس ایسوسی ایشن قایم کی، اس انجمن کی افتتاحی تقریر میں موصوف نے اس کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:

> ''مسلمانوں اور انگریزوں کو اتحاد کر کے ان تحریکوں کا مقابلہ کرنا چاہیے اور جمہوری طریق سلطنت کے اجرا کو اس ملک میں روکنا چاہیے جو اس ملک کے حسب حال نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں حقیقی وفاداری اور اتحاد عمل کی تبلیغ کرنی چاہیے''۔

مسلم لیگ کی سیاسی پالیسی:

محمڈن ڈیفنس ایسوسی ایشن کا یہی نصب العین بعد کو مسلم لیگ کا مرکزی فکر بن گیا، چنانچہ مسلم لیگ کے قیام کے بعد اس کے سب سے پہلے سیکرٹری نے لیگ کی پالیسی کی تشریح کرتے ہوئے کہا:

> ''ہماری تعداد بمقابلہ دوسری قوموں کے ہندوستان میں ایک خمس ہے اب اگر کسی وقت ہندوستان میں خدانخواستہ انگریزی حکومت نہ رہے تو ہمیں ہندوؤں کا محکوم ہو کر رہنا پڑے گا، اور ہماری جان ہمارا مال، ہماری آبرو، ہمارا مذہب سب خطرہ میں ہو گیا۔ اگر کوئی تدبیر ان خطروں سے محفوظ رہنے کی ہندوستان کے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے تو وہ یہی ہے کہ انگریزی حکومت ہندوستان میں قایم رہے ہمارے حقوق کی حفاظت تب ہی ہو سکتی ہے جب کہ ہم گورنمنٹ کی حفاظت پر کمربستہ رہیں اور ہمارا وجود اور گورنمنٹ کا وجود لازم وملزوم ہیں۔ انگریزوں کے بغیر ہم عزت و آسودگی کے ساتھ نہیں رہ سکتے''۔

لیگ کی بنیادی پالیسی کی اس تشریح کی روشنی میں اگر آپ ان بیانات کا جائزہ لیں جو

مسلم لیگ کے موجودہ صدر نے حال ہی پاکستان کے متعلق ظاہر کیے ہیں تو پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ آج بھی مسلم لیگ کے افکار و نظریات اسی محور و فکر کے گرد گھوم رہے ہیں۔ جو اس کو رجعت پسند انگریز مدبرین سے بطور وراثت پہنچا تھا۔

۲۹ رفروری ۱۹۴۵ء کو مسٹر جناح نے پاکستان کے متعلق اخبار نیوز کرانیکل لندن کے نامہ نگار کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

> ''اگر برطانوی حکومت ملک کے دو ٹکڑے کر دے تو تھوڑے عرصے کے بعد (جو تین ماہ سے زیادہ نہ ہوگا) ہندو لیڈر خاموش ہو جائیں گے اور جب تک دونوں ٹکڑے آپس میں امن سے نہ رہیں تب تک برطانوی حکومت کا فوجی اور خارجی کنٹرول ضروری ہے۔ اس صورت میں مصر کی طرح کم از کم ہم اندرونی طور پر تو آزاد ہوں گے''۔

۲۲ رمارچ کو پاکستان کی پانچویں سالگرہ کے سلسلے میں اپنے ایک مطبوعہ پیغام میں آپ نے فرمایا:

> ''اسلامی ہند کے لیے یہ موت اور زندگی کی جدوجہد ہے حصول پاکستان میں ہماری نجات، سلامتی اور عزت و وقار کا راز مضمر ہے، اگر ہم اس مقصد کے حصول میں ناکام رہیں گے تو فنا ہو جائیں گے اور اس بّرِ کوچک میں مسلمانوں یا اسلام کا نام و نشان باقی نہیں رہے گا''۔

مذہبی مسایل میں مسلم لیگ کا رویہ:

جہاں تک مذہبی مسایل کا تعلق ہے اسلام اور اسلامی احکام کے متعلق بظاہر اس قدر تشویش کا اظہار کرنے کے باوجود ان کی طرف لیگ کے ذمہ دار لوگوں نے کبھی کوئی خاص توجہ نہیں کی، بلکہ اکثر ان کا رویہ اسلام کی واضح تعلیمات کے خلاف رہا ۱۹۳۵ء میں جمعیت علماے ہند کی تحریک پر جب مرکزی اسمبلی میں شریعت بل پیش کیا گیا جو مسلمانوں کے حقوق وراثت میں قانونِ رواج کی بجاے اسلامی قانون کے اطلاق کو ضروری قرار دینا تھا تو خود مسلم لیگ۔ کے ہ رر مسٹر محمد علی جناح نے اسلام کے صریحی احکام کے خلاف آئین میں ترمیم پیش کر کے اس نون کی روح کو ختم کر دیا۔ اسی طرح جمعیت علما نے قانون فسخِ نکاح کا ایک

مسودہ مرتب کر کے بعض ارکان اسمبلی کے ذریعے اس کو مرکزی اسمبلی میں پیش کیا تو بعض دفعات کے حذف و اضافہ کے بعد اس کو ایک ایسی شکل دے دی گئی جو نہ صرف اصول دین کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی معاشرت میں شدید قسم کے نتائج پیدا ہوتے ہیں، جمعیت علما نے اس کے خلاف شدید احتجاج کیا اور ممبران اسمبلی کو اس کے مضر نتائج کی طرف توجہ دلائی لیکن مسلم لیگ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

مسلمانوں کے لیے واحد راہ عمل

حضرات! فکری و عملی اختلاف اور علما کے متعلق غلط بیانیوں کا وہی قدیم سلسلے آج تک بدستور قایم ہے۔ ایک طرف علما ہیں جو آزادی پسند مذہبی طبقہ کی نمایندگی کرتے ہوئے اسلام کے اجتماعی اصول اور سیاسی احکام کی روشنی میں ملک وملت کی رہنمائی کا فرض انجام دے رہے ہیں، اور دوسری طرف وہ فکری اصول ہیں جو کل کی طرح آج بھی برطانوی خواہشات کی تکمیل کا ذریعے بنے ہوئے ہیں۔ اکثریت کا خوف، ہندوستان میں جمہوری طرزِ حکومت کی مخالفت مسلمانوں کے مستقبل کے متعلق اندیشے اور وسوسے کل کی طرح آج بھی بدستور قایم ہیں، شریعت مطہرہ کی روشنی سے، جس طرح وہ کل بے بہرہ تھے آج بھی وہ اس سے اسی طرح محروم ہیں۔ جمعیت علما اور دوسری سیاسی جماعتوں کے اس فکری و عملی اختلاف کو پوری طرح سمجھ لینے کے بعد ہمارے لیے صرف ایک ہی راہ باقی رہ جاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی زندگی کے لئے جمعیت علما ہی پر اعتماد کریں جس کے افکار و نظریات میں اسلام کے اجتماعی و سیاسی اصول کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور جو آج بھی جدوجہد عمل اور ایثار و قربانی کے معاملے میں سلف ہی کی راہ پر گامزن ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين محمد واله وصحبه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين۔

(خطبات صدارت: ص ۸۱۔ ۳۵۱)

ہندوستان کا نظام حکومت اور شیخ الاسلام:

آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے مستقبل اور نظام حکومت کے بارے میں حضرت شیخ الاسلام نے نہایت بصیرت افروز تبصرہ فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت نے تین گروہ یا تین سیاسی مکاتب فکر کی نشان دہی فرمائی ہے اور ان کے سیاسی افکار کا تجزیہ فرمایا ہے۔

ان میں پہلا گروہ انتہا پسند ہندوؤں کا ہے جو اکثریت کی مضبوط حکومت قایم کرنے کے خواہاں ہیں اور مسلمانوں کو ایک اقلیت کے مقام اور حقوق اور محض تحفظات سے زیادہ کچھ دینا نہیں چاہتے۔

دوسرا گروہ ان مسلمانوں عافیت کوشوں کا ہے جو اپنے لیے ایک خطہ حاصل کر کے پورے ہندوستان میں مسلمانوں کی صدیوں کی میراث سے دستبردار ہو جانا چاہتے ہیں۔

تیسرا گروہ یا تیسرا سیاسی مکتب فکر ان آزاد خیال، بلند ہمت، اولوالعزم مسلمانوں کا ہے جن میں خود حضرت شیخ الاسلام بھی شامل ہیں، مسلمانوں کی آزادی خواہ اور ترقی پسند جماعتیں اور کانگریس اسی نظریے کی حامل ہے۔

حضرت شیخ الاسلام نے اپنے خطبۂ صدارت میں ان تینوں گروہوں اور ان کے مسالک پر ان الفاظ میں اظہار خیال فرمایا ہے:

''آیندہ آزاد ہندوستان میں برطانیہ نے اپنے مقاصد میں استعمال کرنے کی غرض سے مسلمانوں کے لیے کون سا سیاسی مقام تجویز کیا ہے، میں اس وقت اس بحث کو چھیڑ کر تلخیوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا، لیکن خود ہندوستان کے سیاسی مفکرین کے سیاسی تصورات کا جہاں تک تعلق ہے انہیں تین گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، ایک گروہ وہ ہے جو ہندوستان کے آیندہ آئین حکومت کی تشکیل اس طریق پر کرنا چاہتا ہے کہ فرقہ وارانہ اکثریت کی ایسی مستحکم مرکزی حکومت قایم ہو کہ مسلمانوں کو تمام ہندوستان میں ایک اقلیت کی جگہ ملے اور ان کی زندگی اور بقا تمام تر ایک طاقتور اور ناقابل تسخیر اکثریت کی مرضی سے وابستہ ہو لیکن یہ تصور محض ایک پریشان کن خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا، یہ تصور اندھی سیاست ہونے کے علاوہ صائب الرائے مفکرین کے نزدیک ناقابل عمل بھی ہے اس تصور کو جس قدر جلد دماغوں سے محو کر دیا جائے اسی قدر ہندوستان کے مجموعی مفاد کے لیے

بہتر اور ہندوستانیوں کے لیے مفید ہوگا۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو پہلے گروہ کے تصور اور اس کے عواقب و نتائج سے گھبر کر مسلمانوں کی نجات اور خوش عیشی کے لیے صرف یہ راستہ تجویز کرتا ہے کہ ہندوستان کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے اپنے جداگانہ سیاسی منطقہ بنا کر براہ راست تاج برطانیہ کے ساتھ اپنی قسمت کو وابستہ کر دے، اس گروہ نے اپنے تقسیم ہند کے مطالبہ کو تو نہایت بلند آہنگی اور شدت کے ساتھ منظر پر لانا شروع کر دیا ہے، لیکن اس کے کسی پہلو پر ہلکی سی روشنی بھی نہیں ڈالی۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان کے ہر صوبے میں مسلمانوں کی آبادی ان کے مذہبی مقدس شعائر، مساجد، مزارات، علمی ادارے اوقاف وغیرہ اس قدر کثیر تعداد میں موجود ہیں کہ مسلمان کسی حالت میں ان کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور تقسیم ہند کی صورت میں ان کا حشر کیا ہوگا اس پر مجوزین تقسیم بالکل خاموش ہیں۔ اس لیے جب تک یہ نظریہ پوری تفصیل کے ساتھ روشنی میں نہ آئے اس وقت تک اس پر کوئی بحث بے سود اور بے نتیجہ ہے۔

یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ مجوزہ تقسیم کے نزدیک بھی اسلامی منطقہ میں قایم ہونے والی حکومت کا دستور اساسی بھی اسلامی اور الہی حکومت کا دستور نہ ہوگا، اس کی بنیاد بھی یورپین طرز حکومت پر ہوگی اور اپنے تحفظ کے اطمینان ہو جانے پر اسے قبول کرنے میں وہی اہون البلیتین اختیار کرنے کا اصول برتنا ہوگا، نیز اس نظریے کے ماتحت ہندو منطقے اور مسلم منطقے قایم ہو جانے کی صورت میں ہندو منطقوں میں مسلمان جن کی پوزیشن زیادہ سے زیادہ ۱۴ فی صدی اور اکثری طور پر ۷ یا پانچ فی صدی ہوگی۔ بالکل بے دست و پا اور زندہ درگور ہو جائیں گے اور مسلم منطقوں میں غیر مسلم جن کی تعداد ۴۵ فی صدی تک ہوگی، مسلم حکومت کے لیے وبال جان ہوں گے۔

پس مسلم منطقے ہندو منطقوں کے تقریباً ساڑھے تین کروڑ مسلمانوں کی تباہی اور اور بلاکت کی دستاویز پر خود دستخط کر کے اور اپنی جگہ ایسی حکومت جس میں غیر مسلم متعصب موثر اقلیتیں ان کے لیے وبال جان ہوں، حاصل کر کے کون سی فلاح و بہبود اور اطمینان و مسرت حاصل کر سکیں گے یا یہ غضب کچھ کم ہے کہ مسلم اقلیتوں کے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے جو کام کیا گیا ہو وہ ایسے طرز پر کیا جائے کہ انہیں غریب بے کس مسلمانوں کی ساڑھے تین کروڑ کی تعداد ہلاک و برباد کر دی جائے اور اپنی اکثریت بھی شدید خطرات میں مبتلا ہو جائے۔

تیسرا گروہ وہ ہے جو ہندوستان کے آیندہ آئین کو وفاقی لامرکزی اصول پر مرتب کرنا ہندوستان کے لیے اور اس کے تمام صوبوں اور قوموں کے لیے مفید اور قابل عمل سمجھتا ہے، وفاق میں شامل ہونے والی حکومتیں اپنی اپنی جگہ کلیتہً آزاد اور خود مختار ہوں گی، مرکزی حکومت ان کی آزادی میں کوئی مداخلت نہیں کر سکے گی، مرکز کو صرف وہ اختیارات ملیں گے جو وفاق کے اجزا اس کو اتفاق رائے سے سپرد کریں گے اور غیر مصرحہ اختیارات صوبائی حکومتوں کو حاصل رہیں گے، ہر حکومت میں اقلیتوں کے تہذیبی سیاسی، مذہبی حقوق کی حفاظت کی جائے گی اور ان کی صواب دید کے موافق تحفظات دیے جائیں گے، اکثریت اپنے حقوق اکثریت سے مستفید ہوگی اور اقلیتیں امن و امان کی زندگی بسر کریں گے، غیر مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمان اقلیت کو کسی تکلیف اور بے انصافی کا خوف نہ ہوگا، ان کے تمام سیاسی اور مذہبی حقوق اور مقدس شعائر بجائے خود محفوظ ہو جائیں گے اور مسلم اکثریت کے صوبوں میں غیر مسلم اقلیتیں امن و اطمینان سے زندگی بسر کریں گی اور ان کے ساتھ کوئی بے انصافی نہ کی جائے گی اور ان کے تمام سیاسی اور مذہبی حقوق اور شعائر محفوظ ہو جائیں گے ہندوستان کے ذی بصیرت اصحاب رائے اس تجویز کو موجودہ ماحول میں قابل عمل اور ہندوستان کے پیچیدہ مسایل کے حل کرنے کا واحد راستہ سمجھتے ہیں۔ آزاد مسلم کانفرنس منعقدہ دہلی کی تجویز اس رائے کی آئینہ دار ہے جس کا اجمالی خاکہ یہ ہے کہ ہندوستان کے آیندہ دستور اساسی میں مندرجۂ ذیل اصول کو پیش نظر رکھا جائے:

۱۔ مسلمانوں کے شخصی قانون (پرسنل لا) اور ان کے مذہب اور تہذیب کی حفاظت۔

۲۔ مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور ان کی حفاظت

۳۔ آیندہ حکومت کی ایسی تشکیل جس میں صوبہ وار کامل خود مختاری کے ساتھ لامرکزیت کے اصول پر وفاق کے لیے ناگزیر وفاقی امور کی تشریح۔

۴۔ مسلمانوں کے اقتصادی، معاشرتی، تمدنی حقوق اور ملازمتوں میں تناسب کی تفصیل اور ان کے لیے تحفظات۔ (خطبۂ صدارت، جمعیت علماے ہند، لاہور ۱۹۴۲ء)

(خطباتِ صدارت: گوجرانوالہ: ص ۱۵۔۳۱۲)

۶ رمئی ۱۹۴۵ء: آل انڈیا اچھوت فیڈریشن کے اجلاس میں ۶ رمئی ۱۹۴۵ء کو تقریر کرتے ہوئے، ڈاکٹر بی۔ آر۔ ابیڈکر نے حسب ذیل فارمولا پیش کیا، آپ کے فارمولے کا

لب ولباب یہ ہے کہ ہندوستان کی مرکزی حکومت یا کسی صوبے میں بھی اکثریت کو اکثریت نہ دی جائے خواہ وہ مسلمان کی اکثریت ہو یا ہندوؤں کی اور ان کی نمایندگی کا تناسب ۴۰ فیصدی سے بڑھنے نہ دیا جائے۔

مرکز	اصل تناسب آبادی	مجلس قانون ساز میں کتنا دینا چاہیے
ہندو	۵۴ فیصدی	۴۰ فیصدی
مسلمان	۲۸ فیصدی	۳۲ فیصدی
اچھوت	۱۴ //	۲۰ //
ہندوستانی عیسائی	۱ //	۳ //
سکھ	۱ //	۱ //
اینگلو انڈین	۱ //	۱ //

بمبئی

ہندو	۷۶ ر فیصدی	۴۰ فیصدی
مسلمان	۹ ر فیصدی	۲۸ ر فیصدی
اچھوت	۹ ر فیصدی	۲۸ ر فیصدی
ہندوستانی عیسائی	۱ ر فیصدی	۲ ر فیصدی
اینگلو انڈین	۱ ر فیصدی	۱ ر فیصدی

پنجاب

مسلمان	۵۷ فیصدی	۴۰ فیصدی
ہندو	۲۲ //	۲۸ //
سکھ	۱۳ //	۲۱ //
اچھوت	۴ //	۹ //
ہندوستانی عیسائی	۱ //	۲ //

مولانا احمد سعید کا برقیہ:

۷ر مئی ۱۹۴۵ء: وایسرائے کے نام مولانا احمد سعید صاحب کا تار

دہلی (ڈاک سے) حضرت مولانا احمد سعید صاحب نائب صدر جمعیت علمائے صوبہ دہلی نے حسب ذیل برقیہ وایسرائے ہند کے نام روانہ کیا ہے:

مولانا ابوالکلام آزاد کو ایسی حالت میں جب کہ ان کی صحت انتہائی کی خراب ہو چکی ہے اور ان کا وزن بہت کم ہو گیا ہے، کسی ایسے مقام پر تنہا رکھنا جو مختلف بیماریوں کے لیے عموماً اور ملیریا کے لیے ضرب المثل ہے، ایک ایسی کارروائی ہے، جس کی مثال کسی مہذب حکومت میں ملنی دشوار ہے، کیا آپ کی گورنمنٹ مہربانی فرما کر ایک ایسے فیصلے پر نظر ثانی کرے گی، جس نے ملک کے مسلمانوں اور ہندوؤں کی بڑی اکثریت کو بے چینی کر رکھا ہے۔ ناظم جمعیت علما صوبہ دہلی،

(زمزم، لاہور: ۷ر مئی ۱۹۴۵ء)

قحط بنگال کی دوسری سرکاری رپورٹ:

۷ر مئی ۱۹۴۵ء: حکومت ہند نے قحط بنگال کے اسباب کی تحقیق کے لیے جو کمیشن قایم کر رکھا ہے، اگر چہ اس کی رپورٹ ابھی شایع نہیں ہوئی، تاہم بمبئی کے اخبار ''پانیر'' نے اپنے ۲ر مئی کی اشاعت میں یہ اطلاع شایع کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا ہے کہ قحط بنگال کی تمام تر ذمہ داری حکومت ہند اور حکومت بنگال پر عاید ہوتی ہے، قحط میں مرنے والوں کی تعداد پندرہ لاکھ بتائی گئی ہے نیز یہ انکشاف بھی کیا گیا ہے کہ ۱۹۴۳ء میں چاول کی خرید و فروخت کے ذریعے ڈیڑھ ارب روپیہ کمایا گیا ہے، حکومت بنگال چاہتی تو بروقت قحط کا انسداد کر سکتی تھی۔ (سہ روزہ زمزم، لاہور: ۷ر مئی ۱۹۴۵ء)

جرمنی کا اعتراف شکست:

۷ر مئی ۱۹۴۵ء: جرمنی کے جرنیلوں کی ایک جماعت نے شکست کے اعتراف اور حوالگی کی دستاویز پر دستخط کر دیے۔

مفتی اعظم فلسطین کی گرفتاری:

۹ رمئی ۱۹۴۵ء: لندن ۹ رمئی، حضرت مفتی اعظم فلسطین جرمنی سے طیارہ کے ذریعے برلن کے قریب ایک ذنمائی اڈہ میں اترے دو جرمن ہوا باز بھی ان کے ساتھ تھے۔ جرمن ہوا بازوں اور مفتی صاحب کو حراست میں لے لیا گیا۔

برلن میں صلح نامہ پر دستخط:

جرمنوں کی طرف سے مارشر کلیٹن نے دستخط کئے۔

لندن، ۹ رمئی، برلن میں صلح نامہ . جنرل ایمن ہوار. کے نائب نے اتحادی ہائی کمان جنرل زدکوف نے روس اور مارشل کلیٹن ۔ ، جرمنی کی طرف سے دستخط ثبت کیے، اور جنرل فرانک نے فرانس کی طرف سے دستخط کیے۔ (زمزم، لاہور: ۱۱رمئی ۱۹۴۵ء)

جمعیت علماے ہند کا شان دار اجلاس:

دولت، عزت، شہرت اور انسانوں کا جم غفیر علما کے قدموں پر

۱۱رمئی ۱۹۴۵ء: سہارن پور (ڈاک سے) اس ماہ کی ۴، ۵، ۶ اور ۷ تاریخوں میں مسلسل چار روز تک مرکزی جمعیت علماے ہند کے سالانہ اجلاس سہارن پور میں ہوتے رہے، اس سے قبل ۲، ۳ تاریخ کو یوپی کی صوبائی جمعیت کا سالانہ اجلاس بھی اسی پنڈال میں منعقد ہوا۔ اس طرح مجموعی طور پر یہ شاندار اجتماع ایک ہفتے تک جاری رہا، جلسے میں داخلہ بذریعہ ٹکٹ تھا جو کم سے کم چار آنے اور زیادہ سے زیادہ سو روپے تک تھ، حاضرین کی تعداد روزانہ پچیس ہزار ۔ لگ بھگ رہتی تھی، پنڈل بہت شان دار بنایا گیا تھ ور بجلی کے قمقموں کا انتظام بھی بڑ ے اعلیٰ پیمانے پر تھا، تین سو سے زاید نمایندوں اور مدعوشدہ لوگوں کے قیام و طعام کا مفت انتظام مجلس استقبالیہ کی طرف سے تھا، قیام کے لیے کئی سو خیمے نصب کیے گیے تھے، کھانے میں رمہ، نان اور پلاؤ کے علاوہ چاے اور ناشتہ بھی دیا جاتا تھا، اجلاس کی صدارت مولانا ‹ مین احمد مدنی نے فرمائی جن کا بڑے شاندار جلوس کی شکل میں اجلاس سے قبل استقبال کیا گیا، شہر میں مختلف مقامات پر بڑے بڑے دروازے ان علماے کرام کے

نام سے بنائے گئے تھے، جنہوں نے ہندوستان کی جنگ آزادی میں بیش بہا قربانیاں پیش کی ہیں۔ جمعیت علما کے اراکین کے علاوہ ہندوستان کے ہر صوبے کے نمایندے، لیڈر اور مشاہیر اس میں شریک تھے، مثلاً خواجہ عبد المجید صدر مسلم مجلس، ڈاکٹر شوکت اللہ انصاری سیکرٹری مسلم مجلس، حافظ محمد ابراہیم سابق وزیر صوبہ یوپی، شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ، ڈاکٹر سید محمود رکن مجلس عاملہ کانگریس۔

اس جلسے میں جمعیت علما کی ذاتی عمارت کے لیے ایک لاکھ روپے کی اپیل کی گئی تھی جس میں سے ۴۰ ہزار کے قریب اسی وقت جمع ہوگیا، ہندو مسلم مفاہمت کے متعلق ایک بہت اہم فارمولا پاس کیا گیا جو اگلی اشاعت میں شائع کیا جائے گا اس کے علاوہ ایک تجویز میں یہ طے کیا گیا کہ آیندہ الیکشن میں جمعیت اور مسلم مجلس اشتراک عمل سے کام لیں، امیر شریعت کے سوال پر بحث کے بعد غور کے لیے ایک سب کمیٹی بنائی گئی، تفصیلات آیندہ اشاعت میں ملاحظہ فرمایئے۔ (زمزم، لاہور: ۱۱ر مئی ۱۹۴۵ء)

۱۵ر مئی ۱۹۴۵ء: ۴، ۵، ۶ر مئی کو جمعیت علمائے ہند کا چودھواں سالانہ اجلاس حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کی صدارت میں سہارن پور میں منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس میں حضرت شیخ الاسلام نے نہایت مفصل اور بلیغ خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا، لیکن اجلاس کی فکر انگیز کیفیت جس میں جمعیت علمائے ہند اور اس کے اکابر کی پوری سیرت سمٹ آئی ہے، اس کا اندازہ زمزم لاہور کے نامہ نگار خصوصی کی درجہ ذیل روداد سے ہوتا ہے:

''سہارن پور اپنی شہری خصوصیتوں کے لحاظ سے ہندوستان میں تیسرے درجے کا شہر قرار دیا جاتا ہے لیکن پچھلے ہفتے جمعیت علمائے ہند کے شاندار اجلاسوں کی وجہ سے کم از کم چھ سات روز تک اس نے اول درجے کی اہمیت حاصل کرلی تھی، جمعیت کے نمایندوں کے سوا ہندوستان کی جدو جہد آزادی کے تمام نمایاں فرزندانِ اسلام یہاں جمع تھے، ظاہری شان وشوکت، حاضرین کی تعداد اور عوام کے جوش وخروش کے لحاظ سے یہ اجلاس غالباً جمعیت کی تاریخ میں پہلا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ حالات کی نزاکت کا احساس مسلمانوں میں روز بروز بڑھتا جارہا ہے اور وہ کسی فیصلہ کن جدو جہد کے لیے بہت بے چین نظر آتے ہیں، چنانچہ اس اجلاس کا ہر مظاہرہ مسلمانوں کے اسی احساس بے چینی کی صحیح آئینہ داری کررہا تھا، صدر اجلاس حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی تشریف آوری پر لوگ انہیں

جلوس کی شکل میں جلسہ گاہ تک لے گئے، مگر اس جلوس میں تصنع اور بناوٹ سے کہیں زیادہ دلی جوش و جذبات کام کر رہے تھے، ظاہری اعتبار سے اس جلوس کی ترتیب میں کوئی خاص اہتمام نہ تھا، نہ اس میں ہاتھی تھے، نہ اونٹ، نہ گانے والی پارٹیاں نہ اور کوئی ایسا اہتمام جو اس قسم کے دوسرے جلوسوں کے موقع پر نظر آتا ہے، لیکن اس کے باوجود لوگوں کی تعداد اتنی تھی کہ شاعرانہ زبان میں انسانی جوش و خروش کا ایک ناپیدا کنار دریا سہارن پور کے اس سرے سے اس سرے تک لہریں لے رہا تھا''۔

جلسے کے لیے پنڈال بہت وسیع بنایا گیا تھا، جو ہر اجلاس کے وقت پورا بھرا رہتا تھا، حاضرین کی تعداد کا اندازہ لگانے میں آپ کے نامہ نگار نے پوری حسابی احتیاط سے کام لیا یعنی طول و عرض کی دونوں صفوں اور پھر ان صفوں کے آدمیوں کا حسابی اصول سے جو جائزہ لیا گیا وہ بیس ہزار کے لگ بھگ تھا، لیکن ہمارے یہاں جلسوں میں حاضرین کی تعداد بتانے کا جو دستور عام طور پر سے رائج ہے اس کی رو سے اس اجتماع کو پچاس ہزار فرزندانِ توحید کا اجتماع کہنا چاہیے، اور مولانا ظفر علی خاں کی زبان میں ایک لاکھ بلکہ ڈیڑھ لاکھ!

مسلم لیگ سے مقابلہ:

حاضرین کی تعداد اور ظاہری شان و شوکت کے لحاظ سے مسلم لیگ کے اجلاس بھی کچھ کم بارونق نہیں ہوتے لیکن جمعیت علما کا یہ اجتماع اپنی مندرجہ ذیل خصوصیات کے لحاظ سے مسلم لیگ کے مقابلے میں غیر معمولی امتیاز رکھتا تھا!

۱۔ مسلم لیگ کے جلسوں میں جو تصنع، تکلف اور بناوٹ نظر آتی ہے، وہ یہاں بالکل نہ تھی، اس کے برعکس جوش و جذبے اور خلوص و بے تکلفی کا ایک بے پناہ نظارہ ہر طرف دکھائی دیتا تھا۔

۲۔ خطاب یافتہ حضرات ایسے ندارد تھے جیسے گدھے کے سر سے سینگ، علما کی صف میں کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جو ''شمس العلماء'' ہو، اس لحاظ سے جمعیت کا یہ اجتماع گویا لیگ کی بالکل ضد تھا۔

۳۔ ساری کارروائی اردو میں ہوئی اور انگریزی کے خلاف اس درجہ نفرت و حقارت کا اظہار کیا گیا دو ایک بار کسی نے ''پوائنٹ آف آرڈر'' یا آرڈر پلیز'' کے الفاظ استعمال کیے

توان پر بھی شدید احتجاج ہوا، لیگ کے جلسوں میں بمشکل یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کسی ایسی خود دار قوم کے افراد کا اجتماع ہے جو اپنی کوئی مستقل زبان، مستقل تہذیب اور مستقل آداب معاشرت رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس ہر چیز میں انگریزوں کی نقالی نظر آتی ہے، لیکن جمعیت کے اس اجلاس میں قومی و ملی غیرت و خودداری کا وہ شاندار مظاہرہ تھا جو اس دورِ غلامی میں بہت کم نظر آتا ہے، البتہ اس لحاظ سے صرف کانگریس کے اجتماعوں کو مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے، مسلم لیگ کے اجلاس میں ڈائس پر بیٹھنے والوں کی وضع قطع، بات چیت اور نشست و برخاست کو دیکھ کر حاضرین کے دل میں ''انگریزیت'' کی تقلید کا شوق پیدا ہوتا ہے، لیکن جمعیت کے اس اجلاس میں ڈائس پر بیٹھنے والے قائدانِ کرام کو دیکھ کر دین و وطن کی محبت کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔

۴۔ اظہار خیال میں ہر شخص کو پوری پوری آزادی تھی، حد یہ ہے کہ خود علما کی جماعت پر من حیثیت الجماعت اعتراضات کیے گئے اور انھیں گوارا کیا گیا، جو لوگ مسلم لیگ کے اجلاس کا نظارہ اندر سے دیکھ چکے ہیں ان کے لیے یہ چیز خاص طور سے قابل توجہ تھی۔

۵۔ لیڈروں میں غرور، خود پسندی اور خود کو عوام سے برتر سمجھنے کے رئیسانہ جذبات کے بجائے انکسار و فروتنی کے وہ جذبات نظر آتے تھے، جو ''محمود و ایاز'' کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیتے ہیں، اس لحاظ سے جمعیت کے اس اجتماع کو گویا مسلم لیگ سے کوئی نسبت ہی نہ تھی۔

۶۔ لیکن غالباً لیگ کے مقابلے میں جمعیت کے اس اجتماع کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان کے لیڈروں کی صف میں کوئی ایسا نہ تھا جو اپنے ''قاید اعظم'' کی خود سری، بے توجہی یا بے پروائی کا شاکی ہو، کس پرسی یا بے بسی کا احساس کسی میں نہ تھا، اس کے برعکس ہر شخص اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتا تھا اور اس سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش میں پوری طرح مصروف تھا۔

۷۔ لیگ کے اجلاسوں میں ہر تقریر کرنے والا اپنی لیڈری کا چراغ جلانے کے لیے قاید اعظم کی شان میں قصیدہ خوانی کرنا ضروری سمجھتا ہے، اس لحاظ سے جو جتنی خوشامد کرتا ہے، وہ اتنا ہی بڑا لیڈر سمجھا جاتا ہے چاہے وہ جمال میاں کی قسم کا کوئی ''طفل نوخیز'' ہی کیوں نہ ہو، لیکن جمعیت کے اس اجلاس میں کسی کی خوشامد و چاپلوسی کی مدد سے لیڈری حاصل

کرنے کا کوئی ایسا مظاہرہ دیکھنے میں نہ آیا، مولانا حسین احمد کی قربانیاں بے اندازہ ہیں اور لوگوں کو ان سے عقیدت و محبت اس سے بھی زیادہ ہے، لیکن پھر بھی ان کی رائے سے اختلاف کرنے کی پوری پوری آزادی لوگوں کو حاصل تھی، خوشامد کا تو ذکر ہی کیا۔

آج کل کے حالات میں کسی بڑے جلسے کا اہتمام کرنا جتنا مشکل ہے وہ ظاہر ہے خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ تین چار سو نمایندوں کے قیام و طعام کا انتظام بھی کیا جائے اس لیے خواجہ محمد اطہر (چیئرمین میونسپل بورڈ سہارن پور) صدر استقبالیہ اور مولوی منظور النبی صاحب سکریٹری استقبالیہ قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اس نازک دور میں جمعیت جیسی ''باغی'' جماعت کا اجتماع حکومت کی تمام کج نگاہیوں کے باوجود سہارن پور میں منعقد کرا دیا، پنڈال بہت شاندار طریقے پر سجایا گیا تھا اور جگہ جگہ نہایت خوبصورت دروازے بھی بنائے گئے تھے۔ سب سے پہلے دروازے کا نام ''بابِ انقلاب'' رکھا گیا تھا جو دلچسپ بھی تھا اور معنی خیز بھی! باقی دوسرے دروازوں کے نام عموماً علمائے دیوبند میں سے کسی کے نام پر تھے۔ اگرچہ یہ چیز بعض ان علما کو کھٹک رہی تھی جو دیوبند کے حلقے سے تعلق نہیں رکھتے تھے، لیکن چونکہ جلسہ گاہ کا محل و مقام دیوبند کا ضلع ہی تھا اس لیے مقامی رجحانات کا تھوڑی سی اہمیت حاصل کر لینا قدرتی تھا۔

خبر رساں ایجنسیوں کا تعصب:

جمعیت کا یہ اجلاس اپنی اہمیت کے لحاظ سے کچھ کم نہ تھا لیکن ایسوسی ایٹڈ پریس یا یونائیٹڈ پریس کی قسم کی کسی ایجنسی کی طرف سے خبروں کی اشاعت کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا، انگریزی اخبارات کے نمایندے بھی برائے نام ہی تھے، ذمے دار حلقوں میں اس چیز کو بہت افسوس کی نظر سے دیکھا جا رہا تھا بلکہ خواجہ عبدالمجید صدر مسلم مجلس اور شیر کشمیر، شیخ عبداللہ نے تو یہ انکشاف کیا کہ ہندو پریس جو خود کو نیشنلسٹ کہتے نہیں تھکتا وہ مسلم نیشنلسٹو کی صرف ان خبروں کو تو شایع کر دیتا ہے جو لیگ کے خلاف پڑتی ہیں، لیکن اس کے علاوہ باقی اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اسے حذف کر دیتا ہے، اس سلسلے میں ایسوسی ایٹڈ پریس اور یونائیٹڈ پریس کے تعصب کا چرچا خاص طور سے کیا گیا۔ خواجہ عبدالمجید صاحب نے بتایا کہ پرشوتم داس ٹنڈن کی اردو دشمنی کے خلاف انھوں نے کئی بیانات ایسوسی ایٹڈ پریس کو دیے مگر اُس نے کسی

ایک کو بھی شائع نہ کیا۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی افسوسناک ہے کہ جمعیت کے محکمۂ نشرواشاعت کی طرف سے بھی اخبارات کو کوئی اطلاع بروقت نہ دی گئی، حتیٰ کو خطبۂ صدارت اور تجاویز تک کو مناسب طریقے سے اخبارات تک نہیں پہنچایا گیا۔

تجاویز:

اس کانفرنس میں جو تجاویز پاس ہوئیں ان میں سب سے پہلی تجویز بابو پرشوتم داس ٹنڈن اور ان جیسے دوسرے افراد کی اردو دشمنی کے خلاف تھی، مولانا شاہد فاخری نے اس تجویز کو پیش کرتے ہوئے بتایا کہ اس قسم کے بیوقوف ہندو اپنے آپ کو قوم پرور کہتے ہیں لیکن یہی دراصل قوم کی جڑ کاٹ رہے ہیں اور اس لیے ہر حیثیت سے ہماری لعنت ونفرت کے سزاوار ہیں۔

ایک تجویز مسلمانوں کی تعلیم کے بارے میں تھی جس میں مذہبی تعلیم پر زور دیا گیا اور موجودہ طریق تعلیم کو ناقص بتایا گیا۔

لیکن اس اجلاس کی غالباً سب سے اہم تجویز وہ تھی جس میں ہندوستان کے آیندہ دستور کا خاکہ پیش کیا گیا تھا۔ اس میں ہندو مسلمانوں کے لیے مرکز میں ۴۵، ۴۵ فیصد نشستوں کا مطالبہ کیا گیا ہے اور اچھوتوں کو ہندوؤں میں شامل کیا گیا۔ دس فیصدی میں سکھوں عیسائیوں، پارسیوں کو رکھا گیا۔ اب مزید براں پرسنل لا وغیرہ کے سلسلے مسلمانوں کی ⅔ اکثریت کے بغیر کوئی فیصلہ قبول کرنے کی مخالفت کی گئی ہے، مختلف فیہ مسایل کے ایسی عدالت العالیہ کا مطالبہ بھی کیا گیا ہے جس میں ہندو مسلم ججوں کی تعداد مساوی ہو۔

اسمبلیوں اور کونسلوں کے آیندہ انتخابات سے متعلق بھی ایک اجمالی تجویز پاس کی گئی، جس میں یہ طے کیا گیا کہ جمعیت اگر کسی کے ساتھ اتحادِ عمل کرے گی تو صرف مسلم مجلس جیسی جماعتوں کے ساتھ کر سکتے گی۔

امارت شرعیہ

مرکزی جمعیت کے اس اجلاس سے قبل یو پی کی جمعیت کا صوبائی جلسہ بھی اسی پنڈال میں ہوا تھا، اس جلسے میں سب سے اہم اور خاص مسلہ امیر شریعت سے متعلق تھا،

سوال یہ تھا کہ یوپی میں کسی عالم باعمل کو امیر مقرر کرلیا جائے، مگر مدرسہ مظاہر العلوم (سہارن پور) کے علماء نیز چند اور افراد نے اس تجویز کی شدت کے ساتھ مخالفت کی، بالآخر اس کے لیے ایک سب کمیٹی بنادی گئی جو غور وخوض کے بعد اپنی رائے پیش کرے گی، بالفاظ دیگر فی الحال یہ سوال ملتوی ہوگیا۔

ڈاکٹر سید محمود (ممبر کانگریس ورکنگ کمیٹی) نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانوں پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں پورا حصہ نہیں لیتے، لیکن جب میں اپنے سامنے اتنا بھاری مجمع دیکھتا ہوں تو بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ یہ الزام بے بنیاد ہے، میری رائے ہے کہ اگر ہندوستان کے مسلمان اپنے ملک کو آزاد کرانے میں کامیاب ہوجائیں تو وہ بلاد اسلامیہ کے مسلمانوں کو بھی آزاد کرا سکیں گے۔

شیر کشمیر شیخ عبداللہ نے اپنی تقریر میں اس بات پر بہت زور دیا کہ اگر ہندو پورے ہندوستان میں ایک قومیت دیکھنا چاہتے ہیں اور پاکستان کے قیام کو روکنے کے آرزومند ہیں تو مسٹر جناح یا لیگ کو برا بھلا کہنے کے بجائے پہلے خود اپنے گریبان مین منہ ڈال کر اپنی بداعمالیوں کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کررہے ہیں۔ آپ نے کہا کہ جب تک ہندوؤں کے اندر چھوت چھات موجود ہے، جب تک ہندو محلوں اور ہندو علاقوں میں مسلمانوں کے رہنے پر اعتراض ہے، جب تک ہندو ہوٹلوں اور ہندو عبادت گاہوں میں مسلمانوں کے قدم کو منحوس سمجھا جاتا ہے، اس وقت تک ہندوؤں کا یہ کہنا کہ وہ ہندوستان میں ایک قومیت دیکھنا چاہتے ہیں یا پاکستان کے مخالف ہیں ایک بے بنیاد دعویٰ ہے۔ آپ نے کہا کہ ہم قوم پروروں کی وہ باتیں تو ہندو پریس لے اڑتا ہے، جو ہم مسلم لیگ کے خلاف کہتے ہیں یا جو اس کی مرضی کے مطابق ہوتی ہیں لیکن جو باتیں ہم ہندوؤں کے خلاف کہتے ہیں، انھیں یہ نام نہاد نیشنلسٹ پریس صاف ہضم کرجاتا ہے، لیکن اس طرح وہ ہم کو اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے بے وقعت بنادیتا ہے جس سے پاکستان کی عمارت خود بخود مضبوط ہوجاتی ہے۔

حافظ ابراہیم (سابق وزیر یوپی) بھی تقریر کے لیے کھڑے ہوئے تھے مگر چند منٹ ہی بولنے پائے تھے کہ انھیں چکر آگیا اور بیٹھ گئے، معلوم ہوا کہ موصوف کا مزاج عرصے سے علیل ہے مگر پھر بھی اس اجتماع کی اہمیت کی بنا پر شریک ہونے کے لیے آگئے تھے۔

خواجہ عبدالمجید صدر مسلم مجلس نے بھی ایک مختصر سی تقریر ارشاد فرمائی جس میں ہندو مسلمان دونوں کو صحیح قسم کا اتحاد پیدا کرنے کی تلقین کی۔

جمعیت علما کے اجلاسوں کی یہ کارروائی چار روز جاری رہی۔ چار روز مرکزی جمعیت کے اجلاس اور یوپی کی صوبائی جمعیت کے الاسوں میں شرکا کی تعداد ابتدا سے آخر تک کافی تھی، پھر چونکہ داخلہ پاک کے بغیر نہ تھا اس لیے بیس ہزار کی تعداد بھی بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ (زمزم، لاہور: ۱۵ر مئی ۱۹۴۵ء)

ہندو مسلم سمجھوتے کی بنیادیں کیا ہونی چاہئیں

پاکستان کے حامیوں کے لیے ایک غور طلب سوال

۱۹ر مئی ۱۹۴۵ء: دہلی، آل انڈیا مسلم مجلس نے ہندوستان کی آزادی اور ہندو مسلم مفاہمت کے سلسلے میں مندرجہ ذیل چند تجویزیں ملک وملت کے غور کے لیے مرتب کی ہیں اور ہندوستان کی ہر جماعت کو ان پر غور کرنے کی دعوت دی ہے۔ دعویٰ یہ کیا گیا ہے کہ ان تجویزوں میں سے ہر تجویز پاکستان کی تجویز سے کہیں زیادہ مسلم مفاد کا تحفظ کرتی ہے! قارئین زمزم کے غور کے لیے ان تجاویز کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

تجویز نمبر ا:

ا۔ ہندوستان بدستور ایک متحدہ ملک رہے، مگر شرط یہ ہے کہ آزادی ملنے کی اس مدت کے بعد جو باہمی مفاہمت سے طے ہو جائے، ہر صوبے کو کلا یا جزءً مرکز سے علیحدگی کا اختیار ہوگا۔

۲۔ ہندوستان کے موجودہ صوبے قایم رہیں گے تا آں کہ ان میں ایک متحدہ کمیشن کے ذریعے ردوبدل نہ کیا جائے۔

۳۔ ہر صوبہ کلیتہً آزاد اور خود مختار ہوگا اور صرف حسب ذیل اختیارات مرکز کو سپرد کیے جائیں گے، (الف) رسل ورسائل یعنی آل انڈیا سڑکیں، ڈاک، تار، ریلیں، وغیرہ، (ب) آل انڈیا فوجیں، بری، بحری، ہوائی وغیرہ اور مقامات دفاع وغیرہ، (ج) تمام

ہندوستان کے لیے ایک کرنسی، (د) محصولات درآمد و برآمد یعنی کسٹم واکسائز وغیرہ، (ہ) فیڈرل کورٹ۔

۴۔ مذکورہ اختیارات کے علاوہ جملہ اختیارات صوبوں کو حاصل ہوں گے۔

۵۔ ہر صوبے کو حق ہوگا کہ وہ اپنے صوبے کی مجموعی آبادی کی کثرت رائے سے (جس میں ہر عاقل و بالغ کو حق رائے دہی ہوگا یا اس طریقے پر رائے دی جائے گی جو اس صوبے کی آبادی کے ہر حلقے کے تناسب سے شمار کی جاسکے)۔ ہندوستان کو آزادی ملنے کے بعد ان شرایط پر جو بہ غور صلح نامہ آپس میں ملے ہوں کلاً یا جزءً وہاں سے علیحدہ ہو جائے۔

۶۔ ہندوستان میں رہنے والے ہر فرقے اور ہر جماعت کو اپنے اپنے عقاید و رسوم کے ادا کرنے کی مکمل آزادی ہوگی اور کسی صوبے کو یا آل انڈیا گورنمنٹ کو قانون بنا کر یا کسی اور طریقے پر ان میں مداخلت کرنے کا کبھی اور کسی حال میں حق نہ ہوگا، ان حقوق میں اقلیتوں کے تمدنی، معاشرتی اور لسانی حقوق شامل ہوں گے۔

۷۔ ہر آئین ساز جماعت کو یہ لازم ہوگا کہ اگر کسی مذہبی جماعت کے نمایندوں کی ۲/۳ اکثریت یہ اعلان کردے کہ کوئی مجوزہ قانون یا ترمیم یا اضافہ یا قانون یا قرار داد اس جماعت کے حقوق کے منافی ہے تو اس مجوزہ قانون یا قرارداد کو بحث سے خارج کر دیا جائے گا۔

۸۔ فیڈریشن کی زبان ہندوستانی ہوگی جس کو فارسی اور سنسکرت رسم الخط میں لکھا جائے گا، لیکن ہر صوبے کو اختیار ہوگا کہ وہ ہندوستانی کے علاوہ اپنے صوبے کی زبان ہی کو اپنے صوبے کے لیے سرکاری زبان قرار دے۔

۹۔ ہر مذہبی جماعت کے ذاتی قوانین نافذ رہیں گے اور کسی قانون ساز جماعت کو حق نہ ہوگا کہ ان میں کسی طرح کی مداخلت کرے۔ اگر ان قوانین میں کوئی ترمیم ہو سکے گی تو اس جماعت کے مذہبی رہنماؤں کے فیصلے سے، جن کی تشریح قانون میں کر دی جائے گی۔

۱۰۔ ہر جماعت کے مذہبی قوانین نافذ کرنے کے لیے اس جماعت کی ایک مجلس ہوگی جو اس آئین کے ماتحت قواعد مرتب کرے گی جن کی تشریح میثاق ہند میں آ گئے گی جائے گی مثلاً مسلمانوں کے محکمہ قضا کا قیام اور اس کے قواعد و ضوابط۔

۱۱۔ ہر جماعت کے مذہبی قوانین صرف اسی جماعت کے افراد پر نافذ ہوں گے یعنی صرف اس وقت جب کہ دونوں فریق اسی جماعت کے ہوں۔ ورنہ مقدمات معمولی عدالتوں میں پیش ہوں گے۔

۱۲۔ صوبے سے مرکز کے لیے نمایندوں کا انتخاب مشترک رائے سے ہوگا، مگر شرط یہ ہے کہ ہر اقلیت کے لیے نشستیں ان کی آبادی کے تناسب سے محفوظ ہوں گی اور یہ بھی شرط ہے کہ اقلیتوں کے لوگ علاوہ اپنی محفوظ جگہوں کے دوسرے عام انتخابات میں بھی حصہ لے سکیں گے۔

تجویز نمبر ۲:

الف: ہندوستان بدستور ایک متحدہ ملک رہے۔

ب: ہندوستان کا دستور اساسی ہندوستان کے باشندے بنائیں۔

ج: کل ہندوستان کا ایک فیڈریشن ہو۔

د: فیڈریشن (وفاق) کے قیام کے اجزا کلی طور پر خودمختار ہوں اور اختیارات باقی بھی صوبوں ہی کو حاصل ہوں۔

ہ: ہر ایک جزا اپنے تمام بالغ باشندوں کی عام رائے شماری کے بعد وفاق سے علاحدگی کے لیے آزاد ہو۔ اقلیتوں کے مذہبی، اقتصادی اور کلچرل (معاشی معاشرتی) حقوق کے لیے باہمی رضامندی سے موثر تحفظات ہوں۔

تجویز نمبر ۳:

اب خودمختاری اور کامل آزادی جس میں غیر مصرحہ اختیارات بھی صوبوں کو ہی حاصل ہوں اور مرکز کو صرف وہی اختیارات ملیں جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالے کریں اور جن کا تعلق تمام صوبوں سے یکساں ہو۔

ہندوستان کے آزاد صوبوں کا سیاسی وفاق مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب و ثقافت کی مالک نو کروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو ایک لمحے کے لیے بھی گوارا نہ ہوگی یعنی مرکز کی

تشکیل ایسے اصول پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی، سیاسی، تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔

تجویز نمبر ۴:

الف: ہندوستان بدستور متحدہ ملک رہے۔

ب: ہندوستانیوں کا نظام حکومت ہندوستانیوں کا بنایا ہوا ہو۔

ج: کل ہند کا ایک ہی وفاق ہو۔

د: وفاق کے اجزا میں سے ہر جز خود مختار ہو اور اختیارات باقی بھی اسی کے پاس ہوں۔

ہ: وفاق کا ہر جز اس امر میں خود مختار اور آزاد ہوگا کہ وہ اپنی مجموعی آبادی کی کثرت رائے سے جس کا فیصلہ ہر عاقل و بالغ کی رائے سے ہو جب چاہے وفاق سے علاحدہ ہو جائے۔

و: اقلیتوں کے مذہبی، سیاسی، تہذیبی کلچرل حقوق باہمی معاہدے کی رو سے کامل طور پر محفوظ ہوں۔

تجویز نمبر ۵:

ا۔ بلا لحاظ صوبجات کی موجودہ حدود کے برٹش انڈیا کے وہ رقبے جو ایک دوسرے سے ملحق ہیں حسب ذیل اصول کے مطابق ریاستوں میں تقسیم کیے جائیں۔

الف: وہ علاقے جن میں ہندو یا مسلمان یا کسی اور قوم کی آبادی ۶۵ فیصدی یا اس سے زیادہ ملے ان کی جدا جدا ریاستیں بنائی جائیں۔

ب: باعتبار رقبہ کے ہر ریاست اتنی بڑی ہو جتنا ایک اوسط درجے کا صوبہ ہوتا ہے اور مالی اعتبار سے ایسا ہو کہ اپنا خرچ خود برداشت کر سکے۔

ج: یہ ریاستیں اسی طرح بنائی جائیں کہ ان کے باشندوں کی زبان اور تہذیب میں یکسانیت ہو۔

د: ہر ریاست کے لیے ایسی سہولتیں فراہم کی جائیں جو اس کی تجارتی اور صنعتی ترقی

میں ممد ہوں مثلاً کانوں اور معدنی پیداوار میں ان کے حقوق کا تعین ہو۔

۲۔ جو ریاستیں مذکورہ بالا طریق پر بنائی جائیں گی، وہ بالکل خود مختار اور آزاد ہوں گی۔ ان ریاستوں کی اقلیتوں کے مذہبی، ثقافتی، سیاسی، اقتصادی، انتظامی اور دیگر مفاد کے لیے ان کے مشورے سے ریاست کے آئین میں کچھ ایسی دفعات شامل کی جائیں گی جن سے ان کے حقوق کامل اور مؤثر طریقے پر محفوظ ہو جائیں اور من جملہ ان ذرائع کے جو اس پالیسی کے ماتحت تحفظ حقوق کی غرض سے اختیار کیے جائیں گے: جہاں وہ اپنے قومی اور مذہبی ادارے قایم کر کے اپنے نصب العین کے مطابق اپنی تہذیب کو ترقی دے سکیں۔

۳۔ اس ملکی تقسیم سے جو خود مختار اور آزاد ریاستیں بنیں گی، ان میں جداگانہ انتخاب اور پاسنگ کے موجودہ طریقے منسوخ کر دیے جائیں گے اور آبادی کی نسبت سے معین نشستوں کے ساتھ مخلوط انتخاب جاری کر دیا جائے گا۔

۴۔ ان تجاویز کے مطابق جو خود مختار اور آزاد ریاستیں بنائی جائیں گی یا تو ان کا ایک مرکزی وفاق ہو جس میں بلا تناسب آبادی مرکز میں ممبروں کی حسب ذیل قرارداد رہے گی۔

الف: ہندو جن میں ہندوؤں کی تمام ذاتیں شامل ہیں ۴۵ فیصدی۔

ب: مسلمان جن میں مسلمانوں کی تمام ذاتیں شامل ہیں ۴۵ فیصدی۔

ج: دوسری اقلیتیں جن میں سکھ، قدیم اقوام، یورپین، اینگلو انڈین وغیرہ شامل ہیں ۱۰ فیصدی یا دوسری صورت یہ اختیار کی جائے کہ جن حلقوں سے مرکز میں نمایندے آئیں ان میں ایسا ردوبدل کیا جائے کہ ہندو مسلمانوں کی تعداد ووٹ مساوی ہو جائے۔

۵۔ ریاستوں کی تعلیمی اور دفتری زبان وہی ہوگی جو اکثریت کی زبان ہے۔

۶۔ وفاق کی ہر ریاست کو یہ حق ہوگا کہ وہ اپنی مجموعی آبادی کی کثرت رائے سے جس میں ہر عاقل و بالغ شامل ہوگا جب چاہے وفاق سے علیحدہ ہو جائے۔

۷۔ انگلستان کی پارلیمنٹ جملہ اختیارات براہ راست ۶ ریاستوں کو تفویض کرے گی اور اس وقت تک کوئی شعبہ وفاق کے سپرد نہ کیا جائے گا جب تک کہ وفاق کے اجزائے ترکیبی یعنی ریاستیں اس پر رضامند نہ ہوں۔

۸۔ آئین میں ایک ایسے مستقل کمیشن کا تقرر کیا جائے جو اقلیتوں کے نقل مکان میں

سہولتیں پیدا کردے تاکہ اگر وہ چاہیں تو اپنی اکثریت کے علاقوں میں منتقل ہوسکیں، یہ کمیشن ترک سکونت کرنے والے کے لیے ان کی جائدادوں کا معاوضہ تجویز کرکے انھیں دلائے گا۔

تجویز نمبر ۶:

اس حقیقت کے پیش نظر کہ برطانوی حکومت نے ہندوستان میں مختلف عناصر کے اختلاف کو التوائے آزادی کا بہانہ بنا رکھا ہے، حکومت برطانیہ سے سب سے پہلا مطالبہ یہ کرنا چاہیے کہ وہ آزاد ہندوستان کے مختلف مسایل کا جو حل اسے نظر آتا ہے اسے اختیار کرے اور اس آئین کو دو برس کے اندر اندر نافذ کرنے کے ساتھ ہی ساتھ یہ اعلان بھی بطور آئین کردے کہ نئے آئین کے نافذ ہونے سے ایک سال بعد برطانیہ کی تمام فوجیں ہندوستان کو چھوڑ جائیں گی اور ہندوستانی اپنی حکومت چلانے میں پورے با اختیار ہوں گے، اور جو ترمیم و تنسیخ چاہیں باہمی رضامندی سے کرسکیں گے۔

تجویز نمبر ۷:

۱۔ جنگ کے خاتمہ پر ایک کمیشن مقرر کیا جائے۔ جو ہندوستان کے مشرق اور شمال مغرب میں ان متصلہ اضلاع کی حد بندی کرے جن میں مسلمانوں کی کامل اکثریت ہے۔ اس طرح جو علاقے متعین ہوں گے، ان میں بالغوں کی عام رائے دہندہی یا کسی اور رائے دہی کی بنیاد پر جو قابل عمل ہو ہندوستان سے ان علاقوں کی علیحدگی کا مسئلہ طے کیا جائے گا اگر اکثریت ہندوستان سے الگ ایک آزاد ریاست قایم کرنے کے حق میں فیصلہ کرے، تو اس فیصلے پر عمل درآمد ہوگا مگر اس فیصلے سے سرحد کے اضلاع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور وہ آزاد ہوں گے، کہ جس ریاست میں چاہیں شرکت کریں۔

۲۔ رائے دہی سے پہلے تمام پارٹیوں کو یہ حق ہوگا کہ اپنے اپنے خیالات کی تبلیغ کریں۔

۳۔ علیحدگی کی صورت میں ملک کی حفاظت، تجارت ذرائع آمد رفت وغیرہ کا ضروری انتظام کرنے کے لیے باہمی معاہدے کیے جائیں گے۔

۴۔ باشندوں کا ایک علاقے سے منتقل ہو کر دوسرے علاقے میں سکونت اختیار کرنا ان کی اپنی مرضی پر چھوڑ دیا جائے گا۔

تجویز نمبر ۸:

الف: ہندوستان کے جملہ سیاسی اداروں کا ایک مشترکہ کمیشن مسلم اکثریت کے علاقوں کی درجہ بندی کرے اور ان علاقوں کے باشندوں کی رائے معلوم کر کے اگر اکثریت رائے علیحدگی کے حق میں ہو، تو ہندوستان کے آزاد ہوتے ہی یہ علاقے اپنی آزاد ریاست بنا لیں گے، اور اس طرح دو آزاد خود مختار ریاستیں قایم ہو جائیں گی۔

ب: علیحدگی کے لیے ایک معاہدہ ہوگا جس میں اس کا لحاظ رکھا جائے گا کہ امور خارجہ رسل و رسایل، محاصل تجارت اور اس قسم کے دوسرے امور کا انتظام اطمینان بخش ہو، یہ امور معاہدے کرنے والی پارٹیوں کے درمیان مشترک ہوں گے۔

ج: معاہدے میں دونوں ریاستوں کی اقلیت کے حقوق کا تحفظ بھی شامل ہوگا۔

د: سمجھوتا ہوتے ہی تمام معاہد جماعتیں ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کے لیے ایک مشترک طریق عمل تیار کریں گی۔ بایں ہمہ اگر معاہد جماعتوں میں سے کوئی جماعت جنگ آزادی میں اپنے طور پر کوئی براہِ راست اقدام کرنے کا فیصلہ کرے، تو کسی بھی دوسری جماعت کو اس کی آزادی ہوگی کہ وہ اس اقدام میں شریک ہو یا نہ ہو!

تجویز نمبر ۹:

الف: اہل ہند کی مکمل آزادی کے حق کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہندوستان کو فوراً وہی درجہ نوآبادیات تفویض کر دیا جائے، جو کینیڈا، آسٹریلیا یا جنوبی افریقہ کو حاصل ہے۔

ب: ڈومینین اسٹیٹس کے اس درجہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے برطانیہ اپنے طور پر جو بھی دستور مناسب سمجھے بنا دے اور اس دستور میں اقلیتوں کے لیے جو بھی تحفظ وہ ضروری سمجھے رکھ دے۔ اس شرط پر کہ اس دستور کے نفاذ کے بعد سے ایک سال کی مدت میں برطانیہ کلیۃً اپنے اقتدار کو ہندوستان سے ہٹا لینے کا بھی آئینی طور پر پابند ہو۔

ج: اگر برطانوی حکومت کسی ایسے دستور کے بنانے سے قاصر ہو، جو ہندوستان کے

مختلف عناصر کے حقوق کا ضامن ہو، تو ایک ایسے بین الاقوامی ٹریبونل کے ذریعے جملہ اہم نزاعی مسایل کا تصفیہ کیا جائے جس کو خود ہندوستان کی بڑی پارٹیاں چنیں، اور جس کا فیصلہ سب کے لیے ناطق ہو۔

مسلم مجلس کی تجویز:

ان تجویزوں میں بہت سی باتیں مشترک ہیں، یہ تمام تجویزیں مسلم مجلس کی طرف سے ہندوستان کی تمام جماعتوں کو غور کے لیے بھیجی گئی تھیں، مگر معلوم ہوا ہے کہ جمعیت علما کے سوا اور کسی جماعت نے ان پر کسی خاص گرم جوشی کا اظہار نہیں کیا، اس کے بعد خود مسلم مجلس نے جو تجویز اپنے حالیہ اجلاس میں پاس کی ہے وہ یہ ہے۔

۱۔ ہندوستان بدستور ایک متحدہ ملک رہے۔

۲۔ ہندوستان کا نظام حکومت ہندوستانیوں ہی کا بنایا ہوا ہو۔

۳۔ کل ہندوستان کا ایک ہی وفاق ہو۔

۴۔ اس وفاق کے اجزا میں سے ہر جزو خود مختار ہو، اور اختیارات ماتحتی (ریزدرس) (Residuary Powers) بھی انھی کے پاس ہوں۔

۵۔ وفاق کا ہر جزو آزاد ہوگا کہ وہ اپنی مجموعی آبادی کی کثرت رائے سے جس کا فیصلہ ہر عاقل بالغ کی رائے سے ہو، جب چاہے وفاق سے علاحدہ ہو جائے۔

۶۔ اقلیتوں کے مذہبی، معاشی اور تہذیبی (کلچرل) حقوق باہمی معاہدوں کے ذریعے کامل اور مؤثر طور پر محفوظ ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام کی واپسی:

۲۷ رمئی ۱۹۴۵ء: دیو بند، کل رات حضرت سیدنا شیخ الاسلام امیر الہند مولانا سید حسین احمد مدنی صدر جمعیت علمائے ہند بذریع پسنجر ٹرین دہلی سے واپس تشریف لائے۔

(زمزم، لاہور: ۳۰ رمئی ۱۹۴۵ء: ص ۱)

سر غلام حسین کی وزارت سے دست برداری:

مئی ۱۹۴۵ء: سندھ مسلم لیگ نے ۱۲ رمئی ۱۹۴۵ء کو وزارت چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا، چناں چہ سر غلام حسین ہدایت اللہ، مسلم لیگ ہائی کمان کے حکم پر صدارت سے الگ ہو گئے، اس موقع پر جی ایم سید نے سابقہ وزیر اعظم کو یقین دلایا کہ میں دوبارہ لیگ کی حکومت بنانے کی کوشش کروں گا، چند دنوں بعد جی ایم سید نے بحیثیت صدر مسلم لیگ حکومت بنائی، مگر انھیں مرکزی مسلم لیگ کی حمات حاصل نہیں تھی، جیسے کہ ان کے مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

جی ایم سید کا بیان:

میری اور اسمبلی کے چھوٹے مسلمان گروپ کی حیثیت واضح ہے، میرا ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ عوام کا مفاد پارٹی بازی سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، مرکزی مسلم لیگ ہائی کمان اور اس کے محبوب ترین افراد سے میرے اختلاف کو سب جانتے ہیں، میں اس رائے سے متفق نہیں ہوں کہ مسلم لیگ کے ظاہری وقار کو قایم رکھنے کے لیے میں غریب مسلمانوں

کے مفاد کو قربان کردوں اور اس پارٹی کے نام پر صوبے میں بدعنوانی، بد اہلیت اور بے عملی کو برقرار رہنے کا ذریعہ بنوں۔ اگر مسلم لیگ کی تسلیم کردہ پارٹی سے تعاون کر کے ایک مضبوط وزارت بنانے کا ذرا بھی امکان دیکھتا تو انتخابات کے زمانے میں میں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے خلاف اس کے زہریلے پروپیگنڈے کے باوجود بھی اس کی پوری حمایت کرتا، لیکن اب ان موجودہ لیڈروں کی اس پارٹی میں میری شمولیت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

اب میرے سامنے دو راستے ہیں، پہلا راستہ مایوسی اور ناامیدی کا ہے کہ میں تھک کر بیٹھ جاؤں اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ میں اسمبلی کی کانگریس اور نیشنلسٹ پارٹی کو آزماؤں اور دیکھوں کہ آیا سندھ کے مسلمان ان پارٹیوں کے ساتھ اشتراک اور میل جول رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ میں سیدھے سادے الفاظ میں اپنا موجودہ رد یہ آپ کے سامنے پیش کر دینا چاہتا ہوں۔

میں اپنی مسلم لیگ کو چھوڑنا نہیں چاہتا کیوں کہ میں نے اس کو پرورش کیا ہے اور اس کی گود میں میں نے شہرت اور بلندی حاصل کی ہے اور اس لیگ کی بدولت مجھے اپنے بارے میں روشن اور شاندار مستقبل کے خواب نظر آ رہے ہیں۔

یہ عرض کرنا بھی ناموزوں نہیں ہوگا کہ ہم ہندوستان کے ہندو اور مسلمانوں میں کشیدگی اور منافرت پیدا کر کے اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے، بلکہ یہ تباہ کن جذبات تو ہماری غلامی کو مزید مستحکم اور مضبوط بنا دیں گے، ہم اپنے نصب العین کو ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہمی محبت اور خوشگوار تعلقات قایم کر کے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کی آزادی حاصل کیے بغیر آزاد پاکستان قایم کرنا ناممکن ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت ہر مسلمان کا خواہ اس کے سیاسی خیالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں، یہ فرض ہے کہ وہ سب سے زیادہ ہندوستان کی آزادی کے لیے اور اس کے ساتھ ہی آزاد ہندوستان میں مسلمان کا حق خود ارادیت حاصل کرنے کے لیے مسلمان قوم میں کام کریں۔ مجھے صدق دل سے یہ امید ہے کہ آیندہ بہت جلد ہندوستان کی مختلف قوموں میں صحیح قسم کا سمجھوتا ہو جائے گا اور ہمیں اپنے جھگڑے طے کرنے کے لیے انگریز قوم کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

مندرجہ بالا حالات کے پیش نظر اور سندھی مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی خاطر میرے

ساتھیوں نے قوم پرور مسلمانوں اور کانگریسیوں سے مل کر سندھ اسمبلی میں میری زیرِ قیادت ایک مشترک پارٹی بنانے کا فیصلہ کیا ہے، جو ایک مضبوط اور غیر متزلزل وزارت مرتب کرنے کی خواہش مند ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

(سید محمد حسین ہفت روزہ الجمعیۃ، دہلی: ۱۸رمئی، روزنامہ تیج: دہلی، ۱۵رمئی)

مسٹر جی ایم سید نے وزارت سنبھالتے ہی سندھ کے سیاسی قیدیوں کی رہائی کا حکم دے دیا۔ (کاروانِ احرار: جلد۲،ص ۱۵۴،۵۵)

لارڈ ویول کی واپسی:

یکم جون: لارڈ ویول ہندوستان لوٹ آئے۔

اپنے منصوبے کو کونسل کے علم میں لائے، منصوبے کے مطابق کونسل کو سیاسی جماعتوں کے نمایندوں پر مشتمل ہونا ہے، کونسل کے موجودہ ممبران کو یہ ہرگز پسند نہیں، وہ اس سلسلے میں کسی کانفرنس کے انعقاد کے مطابق ہیں یا بہ درجہ مجبوری اس پر آمادہ ہوئے کہ اگر کانفرنس بلائی جائے تو صرف ان افراد اور جماعتوں کی بلائی جائے جنھوں نے جنگ میں حکومت کی مدد کی ہے، ان کا مقصد کانگریس اور دوسری آزادی پسند جماعتوں کو نظر انداز کرنا ہے، لیکن کانگریس اور ایسی جماعتوں کو نظر انداز کر کے حکومت کیا حاصل کر سکتی ہے۔ یہ اسے اچھی طرح معلوم ہے۔

کانگریس کا اجلاس اور شیخ الاسلام کی شرکت:

۲۳ر جون ۱۹۴۵ء: ویول اسکیم کے بموجب عارضی حکومت کے لیے ناموں کی فہرست مرتب کرنے کے واسطے ۳ر جولائی ۱۹۴۵ء کو مولانا ابوالکلام صاحب آزاد (صدر کانگریس) نے ورکنگ کمیٹی کا اجلاس طلب کیا۔

آزاد خیال مسلم جماعتوں کے مشترک رہنما کی حیثیت سے حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی، چناں چہ حضرت موصوف اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیت علماے ہند نے ۳،۴ر جولائی کو ورکنگ کمیٹی کی چند نشستوں میں شرکت فرمائی۔

مسٹر کلارے بوتھ کا بیان:

۴؍ جون ۱۹۴۵ء: واشنگٹن ۴؍ جون، ریپبلکن نمایندہ مسٹر کلارے بوتھ نے ایک اعلان میں کہا کہ اگر برطانیہ اور امریکہ نے ہندوستان کی آزادی کے لیے کوئی تاریخ مقررہ کی تو وہ آیندہ دس سال کے اندر سویٹ یونین میں شامل ہو جائے گا اور یہ واقعہ آزادی کے لیے ایک بڑی مصیبت ہو گا اور خود ہندوستانی مبتلائے مصیبت ہوں گے۔

(زمزم، لاہور: ۷؍ جون ۱۹۴۵ء)

برطانیہ کی تباہی:

۴؍ جون ۱۹۴۵ء: اقوامِ یورپ کی باہمی جنگ ختم ہوتے ہی سلطنت برطانیہ کا دیوالیہ نکل گیا، حال آں کہ یہ فاتحین میں شمار تھی، لیکن معاشی اور صنعتی اعتبار سے سارا کچھ جنگ کی نذر ہو چکا ہے، انگلستان ملبے کا ڈھیر ہے، ملیں اور کارخانے سب کے سب جرمن بمباری سے تباہ ہو کر بے آب و گیاہ صحرا کا منظر پیش کر رہے ہیں۔ اس دیوانگی میں برطانیہ کی بین الاقوامی سیاست کو بھی نقصان پہنچا۔ جس حکومت کے دایرے میں سمندروں کی گہرائیاں اور پہاڑوں کی بلندیاں شامل تھیں، آج وہ اپنے ملک کے ملبے کے ڈھیر پر بیٹھی اپنے مقدروں کا تماشہ بنی ہوئی ہے، اس بے چارگی کے باوجود برطانیہ کا ہندوستان کے بارے رویہ منافقانہ ہے۔

لارڈ ویول کی واپسی:

۴؍ جون ۱۹۴۵ء کو لارڈ ویول اپنی حکومت سے مشورے کے بعد واپس ہندوستان پہنچے۔ (کاروان احرار: جلد ۶، ص ۱۸۵)

پنجاب کی شیعہ آبادی، ایک پنجابی رئیس کی جسارت:

پچھلے دنوں مسٹر حسین بھائی لال جی ایم ایل اے (مرکزی) نے مولانا سعید خلف شمس العلما مولانا ناصر حسین مجتہد لکھنؤ اور نواب احسان علی خاں صدر پنجاب شیعہ کانفرنس کی معیت میں اخبار نویسوں کی جو کانفرنس بمقام بمبئی منعقد کی تھی، اس میں ایسوسی ایٹڈ

پریس کے بیان کے بموجب آخرالذکر بزرگ نے اپنی تقریر میں ارشاد کیا تھا کہ

باوجودیکہ پنجاب کی مسلم آبادی میں شیعہ ۴۰ فی صدی ہیں مگر وہ پنجاب کی اسمبلی میں شعبہ صرف چودہ نشستیں حاصل کر سکے اور وزارت میں ایک بھی شیعہ نہیں ہے۔

مسٹر حسین بھائی لال جی کے اس بیان پر مولانا ظفرالملک علوی نائب صدر مرکز تنظیم اہل سنت ایک جوابی بیان میں فرماتے ہیں کہ

نواب احسان علی خاں مالیر کوٹلہ کے نوابی خاندان سے انتساب رکھتے ہیں اور شیعان پنجاب میں ایک ذمہ دار عہدہ پر فائز ہیں ان کا ایسی صریحی غلط بیانی کرنا حیرت انگیز ہی نہیں بلکہ لائق افسوس و ملامت بھی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ صوبہ جاتی خودمختاری ۱۹۳۵ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی تخلیق ہے، جس میں ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کو پیش نظر رکھ کر مجالس قانون ساز کے اراکین کی تعداد مقرر اور متعدد اقوام کے مابین تقسیم ہوئی ہے، اور ۱۹۳۷ء کے شروع میں جو انتخابات ہوئے تھے، ان کے بعد سے آج تک جنگ کے بدولت انتخابات نہیں ہو سکے، اب دیکھیے کہ ۱۹۳۷ء میں پنجاب کے اندر شیعوں کی عددی حیثیت کیا تھی۔

۱۹۳۱ء کی مردم شماری کی رپوٹ جلد ۱۷ حصہ اول کے صفحہ ۳۱۴ پر پنجاب کی مسلم آبادی تقسیم یوں درج ہے۔

سنی	۱۴۲۷۶۶۴۲
شیعہ	۳۳۸۷۷۹
اہلحدیث	۱۵۲۵۴۴
احمدی	۵۵۹۰۸
میزان	۱۴۸۴۳۸۷۳

۱ یعنی مسلم شمار ہونے والی مجموعی آبادی میں شیعہ صرف ۲٫۲۸ فیصدی تھے۔ اس حساب سے پنجاب اسمبلی کی ۹۰ مسلم نشستوں میں اگر ۱۴ جگہیں شیعوں کو ملیں تو ان کا تناسب ۵۵، ۱۵ فیصدی قرار پاتا ہے اب اور چاہتے ہو کیا پیمبری مل جائے۔

اس احسان ناشناسی کا کیا ٹھکانا کہ ۲٫۲۸ فیصدی کی آبادی کو ۱۵٫۵۵ فیصدی نیابت

ملی، جو واجبی حق سے ۷ گونہ زاید ہے، اور اس پر بھی شیعہ کانفرنس کا صدر منہ بسورے ٹسوے بہار رہا ہے اور مسلمانوں کے جور و ستم کے خلاف سرکار کی دہائی پکار رہا ہے۔

خدا کرے حکومت اور مسلمانوں دونوں کی سمجھ میں یہ بات آجائے کہ مسلمانوں کو شعبوں سے شدید نقصان پہنچ رہا اور ان کی بے حد حق تلفی ہو رہی ہے، اور وہ شیعوں کو بھی سکھوں کی طرح علیحدہ نمایندگی دے دیں جس کے بعد ان شاء اللہ یاروں کو دن میں تارے نظر آنے لگیں گے، اور اس جھوٹے پروپیگنڈے سے مسلمانوں کو نجات مل جائے گی۔

(خدام مسلمین ظفر الملک، نائب صدر مرکز تنظیم اہل سنت)

(زمزم، لاہور: ۷رجون ۱۹۴۵ء ص ۳)

لارڈ ویول کی نیا منصوبہ:

۱۴رجون ۱۹۴۵ء: لارڈ ویول نے اپنی نشری تقریر میں منصوبے کی تفصیلات بیان کی ہیں، جس کے مطابق وایسرائے کی کونسل نئے سرے سے تشکیل دی جائے گی اور اسے ملک کا نمایندہ ادارہ بنائے گی۔ منصوبے کے مطابق وایسرائے اور ہندوستانی افواج کے سپہ سالار کے سوا تمام کونسل ہندوستانی ممبران پر مشتمل ہوگی اور داخلہ، خارجہ اور مالیات کے محکمے بھی ہندوستان نمایندو کے سپرد کردیے جائیں گے۔ کونسل ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے دایرے میں کام کرے گی۔ اور وہ ہندوستان کے مستقل آئین بنانے کے سلسلے میں بھی باہمی رضامندی سے کام کر سکے گی۔

(ابوالکلام آزاد اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست: از محمد فاروق قریشی، ۲۶۴-۲۶۳)

۱۴رجون ۱۹۴۵ء: لارڈ ویول لندن میں دو مہینہ کے قیام کے بعد ۴رجون ۱۹۴۵ء کو ہندوستان واپس ہوئے اور ۱۴رجون ۱۹۴۵ء کو ان کی اسکیم بیک وقت ہندوستان اور انگلستان سے نشر کی گئی جس میں یہ اعلان ہوا کہ شملہ میں ۶رجولائی ۱۹۴۵ء کو تمام سیاسی جماعتوں کی ایک کانفرنس ہوگی اور اس میں وایسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل کے قیام کے متعلق شرایط طے کیے جائیں گے۔ وایسرائے نے اپنے بیان میں کہا کہ اچھوت اور نیز دیگر پارٹیوں کو چھوڑ کر ایگزیکٹیو کونسل میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی تعداد مساوی رہے گی۔ جس کے لیے انھوں نے ایک متفقہ فہرست علیحدہ علیحدہ کانگریس اور لیگ سے مانگی ہے اور اسی

اعلان کے ذریعے کانگریس ورکنگ کمیٹی کی رہائی کا بھی اعلان کیا گیا ہے۔

دیول اسکیم اور شملہ کانفرنس:

۱۴؍ جون ۱۹۴۵ء: مولانا سید محمد میاں علیہ الرحمہ ''حیات شیخ الاسلام'' میں دیول اسکیم اور شملہ کانفرنس'' کے عنوان سے تحریر فرمائے ہیں:

''مارچ ۱۹۴۵ء میں وایسرائے ہند لارڈ دیول ہندوستان کے جمود کو حل کرنے کے لیے لندن تشریف لے گئے، اور شروع جون ۱۹۴۵ء میں ہندوستان کے لیے نئی پیشکش لے کر واپس آئے۔ ۱۴؍ جون ۱۹۴۵ء کی صبح کو مولانا ابوالکلام آزاد، پنڈت جواہر لال نہرو وغیرہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے تمام ممبر جیل خانوں سے رہا کر دیے گئے، اور اسی روز شام کو نئی دہلی سے وایسرائے ہند نے وہ نئی پیشکش براڈ کاسٹ کی جو دیول اسکیم کے نام سے مشہور ہوئی، اور اسی وقت لندن سے مسٹر ایمری نے پیش کش کی تائید میں تقریر کی۔ اس کے بعد کانگریس اور مسلم لیگ کے لیڈروں کا اجتماع شملہ میں ہوا۔ اور تقریباً دو ہفتہ تک شملہ سیاسی شعبدوں کا تماشا گاہ بنا رہا۔

دیول اسکیم کی ترتیب کچھ ایسے انداز سے تھی کہ لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمایندہ اور کانگریس کو ہندوؤں کی نمایندہ جماعت ہونے کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

مسٹر جناح کی ذہین طبیعت نے ان اشاروں کو مضبوطی سے سنبھال لیا اور یہ اصرار شروع کر دیا کہ مسلمانوں کی طرف سے نمایندگی کا حق صرف مسلم لیگ کو ہے۔ حال آں کہ اس وقت لیگ کی آئینی پوزیشن یہ تھی کہ صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان کی کانگریس منسٹری برسر اقتدار تھی۔ پنجاب میں خضر حیات خان کی یونینسٹ وزارت تھی اور باوجودیکہ مسٹر جناح خضر حیات خان کو وزارت سے خارج کرنے اور شوکت حیات خاں کو وزیر اعظم بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے مگر کامیاب نہ ہو سکے تھے۔ بنگال میں سر ناظم الدین کی لیگی وزارت ختم کی جا چکی تھی دفعہ نمبر ۹۳ کے ماتحت حکومت کی باگ ڈور گورنر کے ہاتھ میں تھی۔ صرف سندھ میں لیگ کی وزارت قایم تھی۔ مگر وہ بھی کانگریس گروپ کی امداد سے۔

مولانا آزاد کی رہائی اور شملہ کانفرنس:

۱۴ ؍ جون ۱۹۴۵ء: کو مسٹر ایمری وزیر ہند نے دار العوام میں ایک بیان دیا، جس میں انھوں نے کہا کہ ہندوستان کو ایک آزاد ملک کی حیثیت سے جنگ کے بارے میں طے کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ اس کے بعد جب دریافت کیا گیا کہ کیا انڈین نیشنل کانگریس کے لیڈروں کو حکومت کا کام چلانے کا موقع دیا جائے گا تو مسٹر ایمری نے جواب دیا کہ وہ کانگریس اور لیگ کے نمایندوں کو حکومت قایم کرنے کی دعوت دے رہے ہیں، کانگریس کو پورا پورا اختیار ہوگا کہ جسے چاہے اپنا نمایندہ بنائے مولانا آزاد کو یا پنڈت نہرو کو۔

اس بیان نے ہندوستان میں عام طور پر یہ خیال پیدا کیا کہ ہندوستان کا سیاسی مسئلہ حل کیا جانے والا ہے، لوگ سمجھتے تھے کہ کانگریس کا پیش کش کو منظور نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، میرے پاس روزانہ سیکڑوں خط اور تار آنے لگے جن میں اس پر اصرار ہوتا تھا کہ کانگریس پیش کش کو منظور کرلے۔ ملک کی اس کیفیت کو دیکھ کر میں نے ایک مختصر سا بیان پریس کو بھیجا کہ کانگریس نے کبھی ذمہ داری قبول کرنے سے گریز نہیں کیا ہے، بلکہ اس کے برعکس ایسے مواقع کا خیر مقدم کیا ہے۔ اب اگر اس کا امکان پیدا ہوا کہ ہندوستان اپنے سیاسی اور انتظامی مستقبل کی خود تعمیر کرے، تو میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ اس چیلنج کو قبول کیا جائے۔ میں نے صاف صاف کہا کہ ہم معاملات کو تعمیر کے نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں، تخریب کی نظر سے نہیں دیکھتے۔

رہائی کے ایک دن بعد کلکتہ میں مجھے وایسرائے کی طرف سے گول میز کانفرنس میں شرکت کا دعوت نامہ ملا، جو ۲۵ ؍ جون کو شملے میں ہونے والی تھی۔ میں نے جواب دیا کہ میں ورکنگ کمیٹی کا ایک جلسہ بمبئی میں ۲۰ ؍ جون کو کرنے والا ہوں اور ورکنگ کمیٹی ان کے خط پر غور کر کے اپنے نمایندے مقرر کرے گی۔ میں نے یہ بھی کہا کہ میں کانفرنس سے پہلے ان سے ملنا چاہتا ہوں اور دریافت کیا ہے کہ انھیں اعتراض تو نہ ہوگا اگر میں اس خط وکتابت کو شایع کردوں جو میرے اور ان کے درمیان ہوئی تھی، جب میں قلعہ احمد نگر جیل میں تھا۔

اس زمانے میں میری صحت بہت خراب تھی۔ میرا وزن چالیس پاؤنڈ کم ہوگیا تھا اور مجھ سے کچھ کھایا نہیں جاتا تھا، مجھے بہت کمزوری محسوس ہورہی تھی اور قوا جیسے شل ہوگئے تھے،

ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ وایسراے سے کانفرنس کو کم از کم دو ہفتے کے لیے ملتوی کرنے کی درخواست کروں، کیوں کہ اس سے مجھے علاج اور طبیعت کو بحال کرنے کا موقع مل جائے گا۔ مگر میں نے اتنے اہم جلسے کو محض اپنی صحت کی خاطر ملتوی کرانا مناسب نہیں سمجھا۔

میں نے بنگال کی لیجسلیٹو کونسل کے ایک ممتاز رکن ہمایوں کبیر سے کانفرنس کے دوران اپنے سیکریٹری کی حیثیت سے کام کرنے کو کہا۔ اس طرح ان سے رفاقت کا ایک سلسلہ شروع ہوا جو اب (۱۹۵۷ء) تک قایم ہے، میں نے ان کو پہلے سے جواہر لال کے نام پیغام دے کر بمبئی بھیج دیا، جواہر لال سے میں نے کہا تھا کہ ورکنگ کمیٹی کے جلسے سے پہلے ہم دونوں کو مل کر اپنا طریق کار طے کر لینا چاہیے، انھوں نے مجھ سے اتفاق کیا، اس لیے کہ ان کے اپنے ذہن میں بھی یہی خیال تھا۔

لیڈرز کانفرنس، جناح ویول بات چیت

۱۵ رجون ۱۹۴۵ء: بمبئی، ۱۵ رجون، آج جب مسٹر جناح سے پھر یہ دریافت کیا گیا کہ کیا آپ لارڈ ویول کے اعلان پر کوئی راے ظاہر کریں گے، تو آپ نے بتایا کہ لارڈ ویول اور میرے درمیان مندرجہ ذیل برقی پیامات کا تبادلہ ہوا ہے، لارڈ ویول کا تار مجھے ملا ہے کہ آج آپ نے میرا براڈ کاسٹ سنا ہوگا، یہ تجاویز اور وزیر ہند کا پارلیمنٹ میں اعلان کل کے اخبارت میں شایع ہو جائے گا، مجھے امید ہے کہ آپ پہلی میٹنگ کے لیے ۲۵ رجون کو ۱۱ بجے وایسرائیگل لاج شملہ میں منعقد ہونے والی لیڈرز کانفرنس میں شمولیت کریں گے۔ اگر آپ کو میری دعوت منظور ہے تو میں یہ تجویز کروں گا کہ آپ کانفرنس سے پہلے میرے ساتھ بات چیت کے لیے وایسرائیگل لاج شملہ میں تشریف لائیں۔ میں نے اس خیال سے کہ آپ دعوت منظور کر لیں گے سیسل ہوٹل میں آپ کے لیے جگہ ریزرو کرالی ہے، اس کے جواب میں مسٹر جناح نے لارڈ ویول کو مندرجہ ذیل تار بھیجا، ''میں آپ سے ۲۵ رجون کو ملوں گا لیکن جہاں تک لیڈرز کانفرنس کے لیے آپ کی تجویز کا تعلق ہے، میں اس سلسلے میں کچھ وضاحت حاصل کرنا چاہتا ہوں، اور مجھے امید ہے کہ ۲۵ رجون کی میٹنگ میں آپ متعلقہ امور کی وضاحت کر دیں گے اس کے بعد آپ سے بات چیت کی روشنی میں میں آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی اور پھر کوئی فیصلہ کروں گا لہٰذا میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ

لیڈرز کانفرنس کی تاریخ دو ہفتے کے لیے ملتوی کردی جائے کیوں کہ اس قدر قلیل وقفے میں میرے لیے مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ بلانا مشکل ہے مجھے یقین ہے کہ مسلم لیگ کسی عارضی تصفیے کے سلسلے میں اپنا فرض ادا کرے گی، براہِ مہربانی جواب دیجیے۔

(زمزم، لاہور: ۱۹ر جون، ۱۹۴۵ء)

ویول مولانا آزاد سے بات چیت کریں:

۱۵ر جون ۱۹۴۵ء: پنچگنی، ۱۵ر جون، مہاتما گاندھی نے مندرجہ ذیل بیان جاری کیا ہے:

وایسرائے کی تقریر کے خالص سیاسی پہلو کے متعلق میں بہتر یہی سمجھتا ہوں کہ کچھ نہ کہوں، اب جب کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہا ہو گئے ہیں، میں انھیں صرف مشورہ دے سکتا ہوں، کانگریس کی پالیسی کو وضع کرنا ان کا کام ہے انھیں ہی کانگریس کی ترجمانی کرنے کا اختیار حاصل ہے، جونہی میں نے وایسرائے کا اعلان پڑھا، میں نے انھیں ایک تار ارسال کیا کہ میری کانگریس کے مسلمہ نمایندہ کی کوئی حیثیت نہیں، یہ کام صدر کانگریس کا ہے یا اس کا جسے خاص موقع کے لیے کانگریس کی نمایندگی کے لیے مقرر کیا جائے جب کبھی ضرورت ہوئی، میں کئی سال تک کانگریس کے غیر سرکاری مشیر کی حیثیت میں کام کرتا رہا ہوں۔ لوگوں کو یاد ہوگا، وایسرائے کے اعلان کے ایک پہلو سے واقعی مجھے دکھ ہوا ہے اور مجھے امید ہے کہ اس سے دوسرے سیاسی خیالات کے ہندوؤں کو بھی دکھ ہوا ہوگا، میرا مطلب ان کے ''اعلیٰ ذات کے ہندوؤں'' کے لفظ کے استعمال سے ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ کانگریس تو کیا کوئی اور شخص بھی ایسا نہیں، کانگریس تو ہندوستان کی نمایندہ جماعت ہے اور سیاسی آزادی کا مطالبہ کرتی ہے، مسٹر ساورکر اور ڈاکٹر شیام پرشاد مکرجی اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی نمایندگی کرتے ہیں، مگر کیا وہ دوسرے ہندوؤں کی بلا لحاظ ذات پات نمایندگی نہیں کرتے، کیا ان ہندوؤں میں نام نہاد اچھوت شامل نہیں؟

رجعت پسند عناصر کی سرگرمیوں کے باوجود یہ کہنا درست ہے کہ آج کل ہندوازم کو ذات پات کے بندھنوں سے آزاد کرانے کا جذبہ پایا جاتا ہے اس لیے میرا خیال ہے کہ وایسرائے لارڈ ویول نے یہ بات نہ جانتے ہوئے یہ لفظ استعمال کیا ہے میں انھیں اس بات

سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ انھوں نے ہندو سوسائٹی میں اختلافات پیدا کرنے کے لیے جان بوجھ کر ہندوؤں کے جذبات کو بری طرح مجروح کیا ہے، میں لیاقت علی اور بھولا بھائی ڈیسائی کے درمیان معاہدہ کو جو مجوزہ گول میز کانفرنس کی بنیاد ہے، اسی نظریے سے دیکھتا ہوں۔ اس لحاظ سے مجھے مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کی تجاویز میں دل چسپی تھی، اور میں نے انھیں یقین دلایا تھا کہ ان کی تجاویز کی منظوری کے سلسلے میں ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کو دلایل سے مطمئن کرلوں گا اور مجھے اب بھی یہ یقین ہے کہ اگر دونوں پارٹیاں ہندوستان کی آزادی کے سوال کو اپنے سامنے رکھ لیں، تو مجوزہ کانفرنس کامیاب ہو جائے گی، اس جگہ میرا کام ختم ہو گیا ہے، اور اگلا قدم اٹھانا ورکنگ کمیٹی کے ہاتھ میں ہے، تجاویز کے متعلقہ مسایل پر راے زنی کرنا یا کوئی فیصلہ دینا ان کے ہاتھ میں ہے۔ (زمزم۔ لاہور: ۱۹ر جون ۱۹۴۵ء)

ویول اسکیم:

۱۵ر جون ۱۹۴۵ء: مارچ ۱۹۴۵ء میں وایسراے ہند لارڈ ویول ہندوستان کے جمود کو حل کرنے کے لیے لندن تشریف لے گئے اور شروع جون ۱۹۴۵ء میں ہندوستان کے لیے نئی پیش کش لے کر واپس ہوئے، ۱۵ر جون ۱۹۴۵ء کی صبح کو مولانا ابوالکلام صاحب آزاد، پنڈت جواہر لال نہرو وغیرہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے تمام ممبر جیل خانوں سے رہا کر دیے گئے، اسی روز شام کو نئی دہلی سے وایسراے ہند نے وہ نئی پیش کش براڈ کاسٹ کی جو ویول اسکیم کے نام سے مشہور ہے اور اسی وقت لندن سے مسٹر ایمری نے پیش کش کی تائید میں تقریر کی، اسکیم کا حاصل یہ تھا۔

۱۔ ہندوستان کے لیے جدید آئین بننے تک جو وقفہ ہوگا اس کے لیے ایک انتظامی کونسل، ایگزیکٹو کونسل بنائی جائے جو زیادہ نمایندہ ہو۔

۲۔ اس کونسل کے تمام ممبر ہندوستانی ہوں گے البتہ ہندوستان کے فوجی نظام کے انچارج کی حیثیت سے کمانڈر انچیف اور وایسراے ہند بدستور اس میں شامل رہیں گے۔

۳۔ کونسل کے ممبران کا انتخاب گورنر جنرل سیاسی لیڈروں کے مشورے سے کریں گے، مگر ان کا تقرر ملک معظم کی منظوری سے ہوگا۔

۴۔ سواے فوج کے تمام محکمے جن میں ہوم ڈیپارٹمنٹ، مالیات اور امور خارجہ بھی

شامل ہیں اس کونسل کے سپرد ہوں گے۔

۵۔ وائسرائے اس کونسل کی اکثریت کے فیصلوں کو عام طور سے مان لیا کرے گا، اور انتہائی خاص حالتوں اور مجبوریوں میں ویٹو کا استعمال کرے گا۔(۱)

۶۔ یہ کونسل اور اس کا تمام دایرہ عمل ہندوستان کے موجودہ آئین کے ماتحت ہوگا جو ایکٹ ۱۹۳۵ء کی رو سے اس وقت نافذ ہے۔

۷۔ ہندوستان میں ایک برطانوی ہائی کمشنر رہے گا جو اقتصادی اور تجارتی معاملون میں برطانیہ کی نمایندگی کرے گا۔

۸۔ اس کونسل میں فرقوں کی نمایندگی اس طرح پر ہو کہ سورن ہندو اور مسلمانوں کی تعداد برابر ہو۔

نئی ایگزیکٹو کونسل کے کام یہ ہوں گے:

الف: جاپان کے خلاف لڑائی انتہائی سرگرمی سے جاری رکھی جائے جب تک جاپان کی بالکل شکست نہ ہو جائے۔

ب: برطانی ہند کی حکومت ان تمام کاموں سمیت چلائی جائے جو جنگ کے بعد کی ترقی کے معاملوں میں درپیش ہوں گے جب تک ایک نیا مستقل آئین باہمی رضامندی سے برسرِ عمل نہ آئے۔

ج: جب ممبران حکومت مناسب سمجھیں تو اس پر غور کیا جائے کہ ایسا سمجھوتا اور ایسا آئین کن ذریعوں سے حاصل ہو سکتا ہے۔

اس کونسل کی ترتیب کے لیے مندرجۂ ذیل اصحاب کو وائسرائیگل لاج میں بلایا جائے:

۱۔ جو لوگ صوبائی حکومتوں میں اس وقت وزیر اعظم کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

۱۔ ۱۶ر جون ۱۹۴۵ء کو مسٹر ایمری وزیر ہند نے کامن ویلتھ پریس کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے ویٹو کے اختیارات کے بارے میں کہا کہ وائسرائے اس اختیار کو ہندوستان کے مفاد کے لیے استعمال کریں گے اس سے یہ مقصد نہیں کہ برطانیہ کے مفاد کے لیے استعمال کیا جائے برطانی مفاد کی نگرانی کے لیے ہائی کمشنر مقرر کیا جائے گا۔ (تیج: ۱۸ر جون ۱۹۴۵ء)

۲۔ جن صوبوں میں دفعہ ۹۳ کی رو سے حکومت ہو رہی ہے ان صوبوں کے وہ لوگ جو پہلے وزیر اعظم کے عہدے پر رہے ہیں۔
۳۔ مرکزی اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے لیڈر (مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی)
۴۔ مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کے ڈپٹی لیڈر (نواب زادہ لیاقت علی خان)
۵۔ کونسل آف اسٹیٹ میں کانگریس پارٹی کا اور مسلم لیگ کا لیڈر۔
۶۔ اسمبلی میں نیشنلسٹ پارٹی اور یورپین گروپ کا لیڈر۔
مسٹر گاندھی اور مسٹر جناح دو خاص سیاسی پارٹیوں کو مسلمہ لیڈروں کی حیثیت سے۔ ۲۵ رجون ۱۹۴۵ء سے شملہ میں یہ کانفرنس شروع ہوگی۔ (تیج وغیرہ: ۱۷ رجون ۱۹۴۵ء)

وایسرائے کو گاندھی جی کا تار:

اس تقریر کے بعد گاندھی جی نے فوراً وایسرائے کو ایک طویل تار دیا، جس کا حاصل یہ تھا:

۷۔ کانگریس کا مسلمہ نمایندہ ہونے کی حیثیت سے میری کوئی پوزیشن نہیں یہ پوزیشن تو صدر کانگریس کی ہی ہو سکتی ہے، یا جس کسی کو یہی ایک خاص موقع کے لیے کانگریس نمایندہ بنا کر بھیجے، کئی سال سے ایسا ہوتا رہا ہے کہ جب کانگریس کو میری خدمات کی ضرورت ہوتی ہے تو میں پیش کر دیتا ہوں، پبلک کو یاد ہوگا کہ میں جب قاید اعظم جناح کے پاس بات چیت کے لیے گیا تھا تب میں غیر نمایندہ کی حیثیت سے گیا تھا۔ وایسرائے کی تقریر کے دوسرے پہلو سے نہ صرف میرے دل پر چوٹ لگی بلکہ ہر سیاسی ہندو اس سے تکلیف محسوس کرے گا۔ یہ ''سورن ہندو'' کا لفظ ہے، میرا یہ دعویٰ ہے کہ سیاسی حیثیت سے ''سورن ہندو'' کا کوئی وجود نہیں ہے، میرا تعلق تو کانگریس سے ہے جو تمام ہندوستان کی نمایندگی کا دعویٰ کرتی ہے، ہندو مہا سبھا کے صدر مسٹر ساورکر بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ صرف سورن ہندوؤں کے نمایندہ ہیں، ان کا دعویٰ بھی یہی ہے کہ بلا تفریق ذات وہ ہر قسم کے ہندوؤں کے نمایندہ ہیں۔ (تیج: ۱۷ رجون ۱۹۴۵ء)

وایسرائے ہند نے گاندھی جی کے دونوں اعتراضوں کو تسلیم کر لیا اور کانگریس کے مسلمہ نمایندہ کی حیثیت سے مولانا آزاد کو دعوت دی، اور سورن ہندو کے لفظ کی وضاحت کی

کہ سکھوں اور شودر اقوام کے لیے علاحدہ نمایندگی دینے کی بنا پر یہ امتیازی لفظ استعمال کیا گیا آپ نے گاندھی جی کو تار کے ذریعے اطلاع دی کہ "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے کاسٹ ہندو کا لفظ کبھی ایذا رسائی کے خیال سے استعمال نہیں کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ سکھوں اور شودروں کے علاوہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں مساوات ہونی چاہیے۔
(تیج: ۲۰ر جون ۱۹۴۵ء)

بہر حال اس اسکیم نے پہلے ہی نمبر پر یہ سوال پیدا کر دیا کہ کانگریس صرف ہندوؤں کی نمایندگی کرتی ہے، یا دوسری جماعتوں کی نمایندہ بھی ہے، اور یہ کہ مسلمانوں کی واحد نمایندہ صرف مسلم لیگ ہے، مسٹر جناح جیسے ذہن کے لیے یہ اشارہ بہت کافی تھا، انھوں نے پوری قوت اسی میں صرف کر دی کہ مسلمانوں کی واحد نمایندہ جماعت صرف لیگ ہے اور مسلمانوں کی طرف سے بولنے کا حق صرف مسٹر جناح کو ہے، مسٹر جناح۔ نے وایسرائے ہند کو تار دے کر درخواست کی کہ کانفرنس دو ہفتہ کے لیے ملتوی کر دی جائے، کیوں کہ ۲۵ر جون تک لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس نہ ہو سکے گا، مگر وایسرائے نے مسٹر جناح کی اس درخواست کی طرف کوئی التفات نہیں کیا۔ اور ۲۵ر جون ۱۹۴۵ء کے دوپہر سے شملہ میں یہ کانفرنس شروع ہو گی۔

گاندھی جی سے وایسرائے کی درخواست:

چوں کہ ۲۱ر جون کو کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بمبئی میں طے کیا گیا تھا اس لیے مولانا ابوالکلام آزاد اور رہائی کے بعد بمبئی تشریف لے گئے صرف ایک روز کے لیے کلکتہ جا سکے۔ چوں کہ مسٹر گاندھی نے کانگریس کا مسلمہ نمایندہ ہونے کی حیثیت سے کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیا تھا لہذا وایسرائے ہند نے مسٹر گاندھی کو تار دیا کہ آپ کی عملی حیثیت خواہ کچھ بھی ہو میں آپ کی امداد کی قدر کروں گا، کانگریس کی نمایندگی کے متعلق آپ مزید مشورہ کر کے جو رائے بھی قایم کریں اس کا آپ کو اختیار ہے مگر یہ بات آپ پر بخوبی واضح ہے کہ جو کام میں نے شروع کیا ہے وہ نہایت اہم ہے، اور میں اس کی کامیابی کے لیے آپ کی امداد کا محتاج ہوں۔

بہر حال ۲۱ر جون ۱۹۴۵ء کو کانگریس ورکنگ کمیٹی نے شملہ کانفرنس میں شرکت کا

فیصلہ کیا اور ۲۴؍جون کو مسٹر جناح نے وایسرائے سے ملاقات کے بعد لیگ کی نمایندوں کو شرکت کانفرنس کا حکم دے دیا، چناں چہ ۲۵؍جون کو کانفرنس شروع ہوئی، باتفاق آزاد لارڈ ویول (۱) صدر کانفرنس قرار دیئے گئے۔ اگر اس وقت مسٹر جناح دانش مندی اور فراخ حوصلگی سے کام لیتے تو ان کا پہلا کام یہ ہونا چاہیے تھا کہ وہ مولانا حسین احمد صاحب وغیرہ کو اور اپنے ان قوم پرور دوستوں کو جن کے ذریعے سے ۱۹۳۷ء کے الیکشن کی مہم سر کی تھی، اور جن کی جدوجہد سے ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کے مردہ نظام کو زندہ کر دیا تھا اس موقع پر اشتراک عمل کی دعوت دیتے اور باہمی مشورے سے پانچ مسلمان نامزد کر لیتے، اس صورت سے مسٹر جناح کی قیادت عظمی کو چار چاند لگ جاتے اور کانگریس یا کانگریس کے کسی رہنما کو یہ موقع ہی نہ ملتا کہ وہ مسلم نیشنلسٹ کا سوال پیدا کرے مگر افسوس جن کو ہندو تنگ نظری کی شکایت ہے وہ خود ہندو سے زیادہ تنگ نظر واقع ہوئے ہیں، مسلم نیشنلسٹ کو مدعو کر کے ان سے مشورہ کرنا تو درکنار مسٹر جناح نے مولانا آزاد کی اس پیش کش کو بھی ٹھکرا دیا کہ مسٹر جناح ایسے دو قابل اور موزوں مسلمانوں کو شامل کر لیں جو نہ لیگ میں ہوں نہ کانگریس میں۔ مولانا آزاد نے وعدہ کیا تھا کہ اگر ایسے دو مسلمان کو مسٹر جناح نامزد کریں تو پھر کسی کانگریسی مسلمان کے شامل کرنے پر زور نہ دیا جائے گا۔

(تیج: ۲۷؍جولائی ۱۹۴۵ء۔ علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے: ج ۲، ص ۱۷-۳۱۲)

مولانا آزادؒ کا بیان:

۱۸؍جون ۱۹۴۵ء: کلکتہ، ۱۸؍جون، مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس نے نے ایسوسی ایٹڈ پریس کے نامہ نگار کو بتایا کہ عاملہ کانگریس کمیٹی نے ویول تجاویز پر غور کیا ہے،

۱۔ لارڈ ویول نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا ہر طرف کچھ ایسی باتیں ہیں جن کو معاف کر دینا چاہیے اور بھلا دینا چاہیے، وایسرائے ہاؤس کے سامنے جو ستون کھڑا ہے جس کی چوٹی پر اسٹار آف انڈیا نصب ہے اس پر یہ الفاظ کندہ ہیں، خیالات میں یقین، الفاظ میں دانائی عمل میں دلیری، زندگی میں خدمت تاکہ ہندوستان عظمت حاصل کرے، یہ الفاظ ہماری کانفرنس کے لیے اچھے مشعل راہ ہوں گے، مولانا آزاد نے اعلان کیا کہ کانگریس کا رویہ تعمیری ہے تخریبی نہیں، چناں چہ کانگریس کے عمل نے اپنے پریذیڈنٹ کے اعلان کی تصدیق کی۔

اس کے متعلق میں کسی قسم کا اظہار نہیں کر سکتا، لیکن میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کانگریس کسی بھی صورت میں خود کو ہندو جماعت یا ایک فرقے کی جماعت یا کمیونل جماعت بننا تسلیم نہیں کرے گی، جب سے کانگریس نے جنم لیا ہے کانگریس قومی جماعت ہے، ورکنگ کمیٹی کا فیصلہ بھی یہی ہوگا کہ ایسی تجاویز قبول کی جائیں جو قومی بنیادوں پر ہوں، آپ نے مزید کہا کہ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کے بعد منصوری دو ہفتے قیام کروں گا۔

(زمزم، لاہور: ۲۳؍جون ۱۹۴۵ء)

گاندھی وایسرائے خط و کتابت:

۱۸؍جون ۱۹۴۵ء: نئی دہلی، ۱۸؍جون مسٹر گاندھی اور وایسرائے میں متعدد خطوط اور تاروں کا تبادلہ ہوا۔ مسٹر گاندھی نے ۱۶؍جون کو وایسرائے کو مندرجہ ذیل مفہوم کا ایک خط لکھا:

میں نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے مشورے سے کانگریس کے ساتھ اپنا تعلق توڑ لیا ہے، اس پوزیشن میں حسب منشا تبدیلی نہیں ہو سکتی، شملہ کانفرنس میں میں سرکاری حیثیت سے شرکت نہیں کر سکتا، بہر حال اگر آپ میری موجودگی ضروری سمجھیں تو میں کانفرنس سے پہلے اور اس کے دوران میں آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہو سکتا ہوں، بہ شرطے کہ کانفریس میں ورکنگ کمیٹی کا بھی یہی خیال ہو۔

آپ نے جس کام میں ہاتھ ڈالا ہے اس کے لیے آپ کو تمام پارٹیوں کے تعاون کی ضرورت ہے آپ کو کانگریس کی امداد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک اس کا فکر .... پر دعوت نہ دیں، اگر آپ نے صدر کانگریس یا ان کے کسی نمائندے کو شملہ کانفرنس میں مدعو نہ کیا تو کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کی رہائی کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ اگر آپ میرا مشورہ مانیں تو صدر کانفریس کو فوراً دعوت نامہ بھیج دیں۔

اس کے جواب میں وایسرائے نے گاندھی جی کو تار بھیجا کہ ۲۴؍جون کو جب وہ ان سے ملیں گے تو کانفرنس میں گاندھی جی کی شمولیت کا راستہ نکال لیا جائے گا وایسرائے نے گاندھی جی کو لکھا کہ وہ صدر کانگریس کو مطلع کر دیں کہ ان کو شملہ کانفرنس میں شمولیت کی دعوت دی گئی ہے، اس کے بعد گاندھی جی نے ۱۷؍جون کو مندرجہ ذیل مفہوم کا ایک خط لکھا کہ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکساں نشستیں دینے کی بجائے کانگریس اور مسلم

لیگ کو یک ساں نشستیں دی جائیں، تو یہ زیادہ قابل فہم ہے، اگر چہ کانفریس میں ممبروں کی بیشتر تعداد ہندوؤں پر مشتمل ہے، لیکن اس کے مقاصد بالکل سیاسی ہیں، میں کانگریس کو یہ مشورہ دینے کے لیے تیار ہوں کہ وہ تمام.......... کی نامزد کردے، میں آپ کی اور برطانوی عوام کی خدمت کرنے پر آمادہ ہوں، لیکن اس کے لیے بنیادی اصولوں کو قربان نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد گاندھی جی نے وایسرائے سے اپیل کی ہے کہ شملہ کانفرنس کی تاریخیں بدل دی جائیں، اس کے جواب میں وایسرائے نے گاندھی جی کو مطلع کیا ہے کہ انھوں نے مولانا ابوالکلام آزاد کو دعوت بھیج دی ہے اس کے علاوہ انھوں نے یہ بھی تحریر کیا کہ براڈ کاسٹ تقریر میں گاندھی جی کے حسب منشا تبدیلی نہیں کی جاسکتی اور جزئیات کے متعلق کانفرنس سے پہلے بحث نہیں ہوسکتی، کسی بھی شخص یا پارٹی سے یہ مطالبہ نہیں کیا جارہا کہ وہ مجوزہ اسکیم رد یا منظور کرے، اس وقت صرف اس سوال پر غور کیا جانا چاہیے کہ کیا یہ تجاویز اس قابل ہیں کہ ان پر ایک کانفرنس میں غور ہوسکے۔ میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ کانفرنس کو ۲۵ر جون کو شروع ہوجانا چاہیے۔(زمزم، لاہور: ۲۳ر جون ۱۹۴۵ء)

۱۹ر جون ۱۹۴۵ء: نئی دہلی، ۱۹ر جون، وایسرائے کے نام گاندھی کا ایک اور تار براے اشاعت جاری کردیا گیا ہے، اس میں انھوں نے یہ امر واضح کردیا ہے کہ اگر ایگزیکیٹو کونسل میں مسلمانوں اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی مساوی نمایندگی کے اصول کو ترک نہ کیا گیا تو وہ کانگریس کو مشورہ دیں گے کہ وہ ایگزیکیٹو کونسل کی ترتیب و تشکیل میں کوئی حصہ نہ لے۔

بہر حال گاندھی جی نے اپنے تار میں یہ بات واضح کردی ہے کہ چوں کہ شملہ کانفرنس میں شامل ہونے والے ویول تجاویز کو منظور یا نامنظور کرنے میں آزاد ہوں گے، اس لیے کانگریس کی طرف سے جن لوگوں کو مدعو کیا گیا ہے اور ورکنگ کمیٹی کی اجازت سے شملہ کانفرنس میں شرکت کرسکتے ہیں، گاندھی جی نے اپنے تار میں لارڈ ویول کو یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ۲۴ر جون کو شملہ پہنچ جائیں گے، لیکن ساتھ ہی یہ بات واضح ہے کہ چوں کہ میں اپنی راے بدلنے کو تیار نہیں ہوں، اس لیے اگر وایسرائے چاہیں تو ان سے مقرر کردہ ۲۴ر جون والی ملاقات کا پروگرام منسوخ کرسکتے ہیں، یہ تنسیخ مجھ پر ناگوار نہ گزرے گی۔

گاندھی جی کے مندرجہ بالا تار کے جواب میں وایسرائے نے لکھا ہے کہ انھیں یہ جان

کرخوشی ہوئی ہے کہ گاندھی جی سمجھتے ہیں کہ شملہ کانفرنس میں شمولیت کا میدان صاف ہے،
وائسرائے نے اپنے تار میں یہ امید ظاہر کی ہے کہ ورکنگ کمیٹی کی ۲۱ رجون کو منعقد ہونے
والی میٹنگ کے بعد وہ انھیں مزید حالات سے آگاہ کردیں گے۔

گاندھی جی پونہ روانگی:

پچگنی، ۱۹ رجون، آج دو بجے بعد دوپہر ایک سجی ہوئی کار کے ذریعے مہاتما گاندھی اوران کی پارٹی پونہ روانہ ہوئی سردار پٹیل گاندھی جی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آچاریہ کرپلانی، ڈاکٹر سید محمود، مسٹر جے رام داس دولت رام بھی پونہ روانہ ہوگئے۔

(زمزم۔لاہور: ۲۳ رجون ۱۹۴۵ء)

کانگریس کانفرنس میں شامل نہیں ہوگی؟

نئی دہلی، ۱۹ رجون، وائسرائے کے نام گاندھی جی کا ایک اور تار برائے اشاعت جاری کردیا گیا ہے، اس میں انھوں نے یہ امر واضح کردیا ہے کہ اگر ایگزیکٹیو کونسل میں مسلمانوں اوراعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی مساوی نمایندگی کے اصول کو ترک نہ کیا گیا تو وہ کانگریس کو مشورہ دیں گے کہ وہ ایگزیکٹیو کونسل کی ترتیب وتشکیل میں کوئی حصہ نہ لے۔

بہرحال گاندھی جی نے اپنے تار میں یہ بات واضح کردی ہے کہ چوں کہ شملہ کانفرنس میں شامل ہونے والے ویول تجاویز کو منظور یا نامنظور کرنے میں آزاد ہوں گے، اس لیے کانگریس کی طرف سے جن لوگوں کو مدعو کیا گیا ہے وہ ورکنگ کمیٹی کی اجازت سے شملہ کانفرنس میں شرکت کرسکتے ہیں، گاندھی جی نے اپنے تار میں لارڈ ویول کو یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ۲۴ رجون کو شملہ پہنچ جائیں گے، لیکن ساتھ ہی یہ بات واضح ہے کہ چوں کہ میں اپنی رائے بدلنے کو تیار نہیں ہوں، اس لیے اگر وائسرائے چاہیں تو ان سے مقرر کردہ ۲۴ رجون والی ملاقات کا پروگرام منسوخ کرسکتے ہیں، یہ تنسیخ مجھ پر ناگوار نہ گزرے گی۔

گاندھی جی کے مندرجہ بالا تار کے جواب میں وائسرائے نے لکھا ہے کہ انھیں یہ جان
کرخوشی ہوئی ہے کہ گاندھی جی سمجھتے ہیں کہ شملہ کانفرنس میں شمولیت کا میدان صاف ہے،
وائسرائے نے اپنے تار میں یہ امید ظاہر کی ہے کہ ورکنگ کمیٹی کی ۲۱ رجون کو منعقد ہونے

والی میٹنگ کے بعد وہ انھیں مزید حالات سے آگاہ کردیں گے۔

سندھ مسلم لیگ:

حیدرآباد، (سندھ) کے حالیہ فساد کے سلسلے میں سندھ کے ارباب لیگ نے جو رویہ اختیار کررکھا ہے اس کی نسبت کراچی کا ایک اخبار لکھتا ہے کہ ''جی ایم سید (صدر صوبہ مسلم لیگ) اوران کی پارٹی والے جب سے نچل داس وغیرہ سے ملے ہیں، اس دن سے وہ کوئی ایسی بات نہیں کرتے جس سے ہندو پریس ان سے ناراض ہو جائے، چناں چہ انہوں نے حالات کو اچھی طرح جاننے کے باوجود مجرمانہ طور پر خاموشی اختیار کرلی بلکہ بعض نے تو ہندوؤں کی ہاں میں ہاں ملائی''۔

سندھ کی سیاسی صورت حال:

اس کے بعد راشٹریہ سیوا سنگھ جو بنائے فساد ہوئی ہے اس کی نسبت معاصر مذکور لکھتا ہے: ''راشٹریہ سیوا سنگھ کے نام سے ہندو مہا سبھا نے ایک فوج تیار کررکھی ہے جس کے نعرے میں ہندوستان ہندوؤں کے لیے ہے، مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال دو سب کو ہندو بنا کر چھوڑیں گے، وغیرہ وغیرہ، کراچی اور حیدرآباد میں اس فوج کے ہزاروں سپاہی ہیں جو کھلے بندوں فوجی پریڈ کرتے ہیں اور وقتاً فوقتاً بے گناہ مسلمانوں پر حملے کر کے لڑائی کی پریکٹس کرتے ہیں، رام باغ، گاڑی کھاتہ، کراچی، ہیرآباد اور حیدرآباد میں اس قسم کے کئی واقعات ہو چکے ہیں، حیدرآباد کا حالیہ واقعہ بھی اسی فوج کے اشتعال دلانے پر ہوا''۔

کراچی میونسپل کارپوریشن بل جو گورنر کی منظوری کے لیے پیش ہے، اس کی نسبت لکھا گیا ہے کہ ''اس میں مسلم مفاد کو قربان کر کے ہندو وزیروں کو راضی رکھنے کی کوشش کی گئی ہے''۔

اگر یہ واقعات صحیح ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سے کام ہیں جو صوبہ سندھ میں لیگ یا لیگی وزارت مسلمانوں کے لیے کررہی ہے اور وہ کون سی امن واطمینان کی فضا ہے جس کی توقع لیگ کے ارباب حل وعقد مسلم اکثریت کے ان صوبوں میں دلا سکتے ہیں جہاں پاکستان کی ''اسلامی شریعت'' نافذ کرنے کے لیے دعوے کیے جارہے ہیں؟

(شذرہ: بحث ومذاکرہ) (زمزم۔لاہور: ۱۹؍جون ۱۹۴۵ء)

مسلم لیگ اور شریعت اسلامیہ کی مخالفت:

۱۹ر جون ۱۹۴۵ء: زمزم کی اشاعت مورخہ ۲۷ر مئی میں صوبہ مسلم لیگ کونسل کے اجلاس کی کارروائی شایع ہوئی تھی جس میں یہ لکھا گیا تھا:

منجملہ دیگر امور کے ایک مسئلہ اس اجلاس میں یہ پیش تھا کہ پاکستان میں کون سا قانون رائج ہونا چاہیے، چند دردمند مسلمانوں کی رائے تھی کہ پاکستان میں قرآن حکیم کا قانون رائج ہو، مگر اس تجویز کی مخالفت اور پرجوش مخالفت بعض بڑے مسلم لیگیوں نے کی اور اپنی مخالفت کی وجہ یہ پیش کی کہ اگر پاکستان میں شریعت اسلامی رائج کی گئی تو ہمیں مجبور کیا جائے گا کہ اپنی جائیدادوں سے لڑکیوں کو بھی حصہ دیں"۔

اس خبر کے شایع ہونے کے چند دن بعد ایک مقامی معاصر میں اس کی تردید بڑے پرزور الفاظ میں شایع ہوئی جس میں نہ صرف اس خبر کو غلط بتایا گیا بلکہ یہ بھی کہا گیا کہ مسلم لیگ کا کوئی ممبر شریعت اسلامیہ کے قانون کے رائج ہونے کی مخالفت کیسے کر سکتا ہے۔

اس کے بعد اس تجویز کے محترک مسٹر عبدالستار نیازی (صدر ڈسٹرکٹ مسلم لیگ میاں والی و ممبران آل انڈیا مسلم لیگ کونسل) نے ایک تردیدی تحریر ہمین بھی بھیجی جس مین اس خبر کو بے اصل بتایا گیا۔

لیکن ایک طرف تو تردید و تغلیط کا یہ زور شور ہے اور دوسری طرف خود معاصر مذکور کی اشاعت مورخہ ۲۲ر مئی میں اس اجلاس کی جو کارروائی شایع ہوئی ہے اس میں تحریر ہے کہ خان رب نواز خاں ایڈوکیٹ اور سید مصطفیٰ شاہ خاں گیلانی نے قرارداد کی مخالفت کی۔ اس کے بعد مزید تحریر کیا گیا ہے کہ "شاہ صاحب نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ حکومت الٰہیہ کے تصور کو میں سرے سے ہی غلط تصور کرتا ہے۔

بعد ازاں اس تجویز کا جو کچھ حشر ہوا، اس کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ

"لہٰذا ترمیم و تنسیخ کے بعد قرارداد پیش ہو کر اتفاق رائے سے پاس ہوئی"۔

اس عبارت میں ترمیم و تنسیخ کے بعد کے الفاظ صاف غمازی کر رہے ہیں کہ اصل قرارداد کے بعض اجزا پر لیگ کے بعض لیڈروں کو اعتراض تھا اور ان کے اس اعتراض کے احترام میں ترمیم تنسیخ تک نوبت پہنچی۔

مقامی لیگ معاصر کی اس تحریری شہادت کی موجودگی میں ہم انہیں سمجھ سکتے کہ زمزم کی مذکورہ بالا خبر کو غلط اور بے بنیاد کہنا کس طرح صحیح معلوم ہوسکتا ہے کہ ''زمزم'' کی اطلاع میں صرف یہی کہا گیا ہے کہ پاکستان مین شریعت اسلامیہ کو نافذ کرنے کی قرارداد کی ''مخالفت بعض ان بڑے مسلم لیگیوں نے کی جو شب و روز مسلمان عوام کو کانگریس اور ہندوؤں کی اسلام دشمنی کے قصے سنا سنا کر اُکسایا کرتے ہیں''۔

معاصر مذکور کی مذکورہ بالا خبر میں بھی اس کی تائید کی گئی ہے، صوبہ لیگ کے ممبر ظاہر ہے کہ ''بڑے مسلم لیگی بھی ہیں، پھر زمزم نے تو کسی کا نام بھی نہیں لیا تھا''۔ لیکن معاصر مذکور نے تو مخالفت کرنے والوں میں سے دو تین کے نام بھی پیش کر دیے۔

بہرحال جب تجویز کے ''ترمیم و تنسیخ'' کے بعد پاس ہونے کا اعتراف ہے اور اس کا بھی اعتراف ہے کہ اس کی مخالفت میں تقریریں کی گئیں، تو پھر ہم نہیں سمجھ سکتے کہ زمزم کی مذکورہ بالا خبر میں کون سی چیز تردید طلب رہ جاتی ہے۔

رہا یہ سوال کہ لیگ کے ممبر شریعت اسلامیہ کی مخالفت کیسے کر سکتے ہیں، سو اس پر تو کچھ کہنا ہی لاحاصل ہے، آج ایک نہیں بیسیوں مثالیں ایسی پیش کی جاسکتی ہیں کہ بڑے بڑے ذمے دار لیگیوں کی طرف سے عدالتوں میں یہ درخواستیں گزرتی رہتی ہیں کہ ہماری جائیداد کا فیصلہ شریعت محمدی کے مطابق نہیں بلکہ رواج کے مطابق کیا جائے۔

مزید برآں، سیکروں ایسی باتیں ہیں جو شریعت اسلامیہ کے خلاف ہیں اور جن کو بڑے دھڑے کے ساتھ لیگ کے ذمے دار ممبروں کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔ پانچ چھ سال ہوئے اسمبلی میں شریعت بل کا خون لیگ ہی کے ممبروں کے ہاتھوں ہوا، اس کے بعد پچھلے دنوں اسی سرکاری ایوان میں مسٹر کاظمی کے قاضی بل کا گلا بھی لیگ ہی کے ذمے داروں نے گھونٹا، ان صاف و روشن واقعات کی موجودگی میں یہ کہنا کہ بھلا لیگ کا ممبر، قانون شریعت کی مخالفت کیسے کر سکتا ہے۔ ایک بے معنی سی بات ہے۔

دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

لیکن اس کے باوجود ہم مسٹر نیازی کی قسم کے چند پرجوش و مخلص قسم کے نوجوانوں کی ہمت و حوصلے کی داد دیتے ہیں جو مسلم لیگ کے اس نوع کے ''بڑوں'' کے حلقے میں گھرے ہونے کے باوجود بھی اپنی بساط کے مطابق جو کچھ ہوسکتا ہے کرتے رہتے ہیں۔

وایسرائے سے مولانا آزاد کی ملاقات:

۲۱؍جون ۱۹۴۵ء: میں بمبئی، ۲۱؍جون کو پہنچا اور حسب معمول بھولا بھائی ڈیسائی کے یہاں ٹھہرا، کمرہ وہی تھا جہاں ۹؍اگست ۱۹۴۲ء کو گرفتار کیا گیا تھا، میں برآمدے میں بیٹھا اور دوستوں سے باتیں ہونے لگیں تو یقین نہیں آتا تھا کہ تین برس گزر گئے ہیں، معمول ہوتا تھا کہ جیسے میں کل ہی ان سے ملا تھا اور ۹؍اگست کے بعد جو واقعات پیش آئے وہ سب خواب وخیال تھے گرد وپیش کی چیزیں وہی تھیں، دوست وہی تھے اور وہی بحیرۂ عرب دور افق تک اپنا دامن پھیلائے ہوئے تھا۔

گاندھی جی اپنے دستور کے مطابق برلا ہاؤس میں ٹھیرے تھے، ورکنگ کمیٹی کا جلسہ وہیں ہوا، میں نے کمیٹی کو اس دعوت کے بارے میں مطلع کیا جو شملہ کانفرنس میں شرکت کے لیے مجھے بھیجی گئی تھی۔ کمیٹی نے وایسرائے کے خط پر غور کر کے فیصلہ کیا کہ میں گول میز کانفرنس میں کانگریس کی نمایندگی کروں اس کی اطلاع وایسرائے کو کی گئی اور انھوں نے بمبئی سے ہمارے سفر کا انتظام کیا، مجھے انبالہ تک پہنچانے کے لیے ایک ہوائی جہاز دے دیا گیا اور انبالہ سے شملہ تک کا سفر میں نے موٹر میں کیا، یہ اور بتادوں کہ بمبئی سے روانگی سے پہلے ہی مجھے وایسرائے کے پاس سے اس خط کا جواب مل گیا، جو میں نے کلکتہ سے لکھا تھا، وہ کانفرنس سے پہلے مجھ سے ملاقات کرنے پر خوشی سے راضی ہوگئے، مگر خط وکتابت کی اشاعت کے بارے میں انھوں نے لکھا کہ چوں کہ میں خود شملہ آرہا ہوں اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ ملاقات کے وقت اس پر گفتگو کریں، دن کو گرمی بہت سخت تھی اور میں جب انبالہ پہنچا تو بدن میں کچھ سکت نہ رہی تھی، انبالہ سے کالکا تک موٹر کا سفر اور بھی تکلیف دہ ثابت ہوا، راستے بھر لوگوں کے ہجوم ملتے رہے جنھوں نے موٹر کو گھیر لیا، پائیدانوں پر اور چھت پر بھی چڑھ گئے، اور ہم بڑی مشکل سے آگے بڑھ پائے، معلوم ہوتا تھا کہ لوگ دیوانے ہوگئے ہیں، وہ سامنے سے ہٹتے ہی نہیں تھے، جب تک کہ ہم ان کی خوشامد نہ کرتے کہ ہمیں روکیں نہیں، آگے جانے دیں، آخر کار قریب دس بجے رات کو شملہ پہنچا، اور سیدھا سیوائے ہوٹل گیا، جہاں میرے لیے کمرے طے کیے گئے تھے، مگر میں اس ہوٹل میں زیادہ دن تک رہ نہیں سکا، لارڈ ویول نے میری حالت دیکھ کر سوچا کہ میرا ہوٹل میں رہنا مناسب نہ ہوگا، انھوں نے

وایسرائیگل اسٹیٹ میں ایک مکان میرے لیے خالی کرادیا، اور میری دیکھ بھال اپنے عملے کے سپرد کردی۔ اس تواضع اور مروت کا میرے قلب پر بہت اثر ہوا، جہاں تک میرا ان سے سابقہ رہا، میں نے لارڈ ویول کو طبعی شائستگی کی مثال اور لحاظ کا نمونہ پایا۔

دوسرے دن صبح دس بجے میری وایسرائے سے ملاقات ہوئی، انھوں نے بہت اخلاق سے میرا استقبال کیا اور برطانوی حکومت کی طرف سے جو تجویزیں لائے تھے، انھیں بیان کیا، انھوں نے کہا کہ جنگ کے دوران میں کوئی بڑی دستوری تبدیلیاں نہ کی جاسکیں گی، مگر ایگزیکٹیو کونسل کے ممبر سب ہندوستانی ہو جائیں گے اور وہ اس کو ایک دستوری روایت بنانے کی کوشش کریں گے کہ وایسرائے کونسل کے مشورے پر عمل کرے، انھوں نے مجھ سے درخواست کی کہ حکومت پر اعتبار کیا جائے اور کہا کہ ان کی دلی خواہش ہے کہ جنگ کے ختم کرنے کے بعد ہندوستان کا مسئلہ حل کردیا جائے۔ اب چوں کہ لڑائی ختم ہونے والی ہے، ہندوستان کا اسی میں فائدہ ہے کہ جنگ کو ایک کامیاب انجام تک پہنچانے کے لیے انگریزوں کے ساتھ تعاون کرے۔ پھر انھوں نے مسلم لیگ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ کانگریس اور لیگ کے درمیان مفاہمت ضروری ہوگی۔

میں نے صاف صاف کہا کہ لیگ سے مفاہمت ہوسکنے کا مجھے کوئی اعتبار نہیں ہے، لیگ جن حضرات کے قابو میں ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ انھیں حکومت کی تائید حاصل ہے اور وہ معقول شرطوں کو بھی قبول کرنے پر راضی نہیں ہوں گے۔

وایسرائے نے زور دے کر کہا کہ حکومت لیگ کی حمایت نہ کرے گی، اگر مسلم لیگ کے لیڈروں کو ایسا کوئی خیال ہے تو وہ غلطی پر ہیں، انھوں نے مجھے یقین دلایا کہ حکومت غیر جانبدار رہی ہے اور رہے گی۔

اس کے بعد میں نے اس خط وکتابت کی اشاعت کا سوال اٹھایا جو قلعہ احمد نگر جیل سے میرے اور ان کے درمیان ہوئی تھی اور یہ امید ظاہر کی کہ انھیں اس کے شایع کرنے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

وایسرائے نے جواب دیا کہ وہ کوئی اعتراض نہ کریں گے، اگر میرا واقعی بہت جی چاہتا ہے کہ اسے چھاپ دوں، لیگ پر اس کی اشاعت کا اچھا اثر نہ پڑے گا، کیوں کہ ہم اس وقت ایک نئے جوش اور ولولے کے ساتھ ہندوستان کے سیاسی مسئلے کو حل کرنے کے لیے مل

بیٹھنے والے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دلوں سے پرانی کدورتیں نکال دیں۔ اگر اس موقع پر پرانی باتوں کی یاد تازہ کی گئی تو فضا بدل جائے گی اور دوستی اور خلوص کے بجائے بے اعتباری اور غصے کی فضا پیدا ہو جائے گی، انھوں نے مجھ سے درخواست کی کہ خط و کتابت کی اشاعت پر اصرار نہ کروں، اور کہا کہ اگر میں نے ان کی تجویز کو مان لیا تو وہ بہت ممنون ہوں گے۔

میں نے دیکھا کہ وایسرائے کا انداز مخلصانہ ہے اور وہ واقعی سیاسی فضا میں تبدیلی چاہتے ہیں، میں نے ان سے کہا، ان کی طرح مجھے بھی ایک نئی فضا پیدا کرنے اور اپنے مسائل پر دوستی کے ایک نئے انداز سے گفتگو کرنے کی خواہش ہے، اس لیے میں کوئی ایسی بات نہ کروں گا جو فضا کی تبدیلی کے حق میں مفید نہ ہو، چناں چہ میں نے ان کی تجویز کو مان لیا۔

وایسرائے نے دوبارہ کہا کہ وہ میرے اس رویے پر بہت شکر گذار ہیں۔

اس کے بعد وایسرائے نے اپنی تجویز کی تفصیلات بیان کیں، میرے اوپر پہلا اثر یہ پڑا کہ بنیادی طور پر یہ کرپس کی پیش کش سے مختلف نہیں ہے، مگر حالات میں ایک بڑا فرق یہ پیدا ہو گیا تھا کہ اس وقت انگریزوں کو ہندوستان کے تعاون کی انتہائی ضرورت ہے اور اس وقت یورپ میں لڑائی ختم ہو چکی تھی اور اتحادی ہٹلر پر نمایاں فتح حاصل کر چکے تھے، اس کے باوجود برطانوی حکومت نے ہندوستان میں ایک نئی سیاسی فضا پیدا کرنے کی خاطر اپنی پچھلی تجویز کو دوبارہ پیش کیا ہے۔

میں نے وایسرائے کو بتایا کہ انڈین نیشنل کانگریس نے مجھے اپنی طرف سے کارروائی کرنے کا مجاز کیا ہے، مگر اس کے باوجود میری خواہش ہے کہ قطعی جواب دینے سے پہلے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرلوں۔ اسی خیال سے میں نے ورکنگ کمیٹی کو تجویز پر غور کرنے کے لیے شملہ بلایا ہے، اس طرح میں کانگریس کا فیصلہ کانفرنس کے سامنے پیش کر سکوں گا، میں نے لارڈ ڈیول کو یقین دلایا کہ میری کوشش یہ ہوگی کہ کوئی حل نکل آئے اور دشواریاں پیدا نہ ہوں۔

وایسرائے تجویزیں بیان کر رہے تھے تو میں نے محسوس کیا کہ ان کے انداز میں ایک صفائی اور خلوص ہے، جس سے میں متاثر ہوا، میں نے دیکھا کہ ان کا رویہ ایک سیاست داں کا نہیں، بلکہ سپاہی کا ہے، انھوں نے معاملے کو طول نہیں دیا، بلکہ جو کچھ کہا صاف صاف اور

بغیر ہیر پھیر کے کہا، ان کے اور سر اسٹیفورڈ کرپس کے طریقے میں بہت فرق تھا۔ کرپس نے کوشش کی تھی کہ اپنی تجویزوں کو بہترین روشنی میں پیش کریں، انھوں نے ان کے ہر اچھے پہلو کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کیا اور کمزور پہلوؤں کو پس پشت ڈالنے کی کوشش کی۔ لارڈ ویول نے کسی قسم کی رنگ آمیزی نہیں کی اور مجھے محسوس ہوا کہ وہ میرے اوپر اچھا اثر ڈالنے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں۔ انھوں نے صاف طور سے کہہ دیا کہ لڑائی ابھی جاری ہے اور جاپان ایک بہت طاقت ور دشمن ہے، ایسی صورت میں برطانیہ کوئی اور اقدام کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس کے لیے جنگ کے خاتمے کا انتظار کرنا ہوگا، مگر دور اثر تبدیلیوں کا سلسلہ ابھی شروع کیا جا سکتا ہے، ایگزیکٹیو کونسل بالکل ہندوستانی ہو جائے گی اور اس طرح ملک کی حکومت کا مرکز ہندوستانیوں کے اختیار میں آ جائے گا اور جنگ کے بعد ترقی یقینی ہو جائے گی۔

لارڈ ویول سے میری ملاقات نے شملہ کی فضا بدل دی۔ رات کو وہ بڑی سرکاری دعوت دے رہے تھے اور میں نے سنا کہ کھانے کے دوران میں انھوں نے میری بہت تعریف کی: انھوں نے یہ بھی کہا کہ کانگریسی لیڈروں کے خیالات اور حکومت سے ان کے اختلافات چاہے جیسے ہوں، مگر وہ ہیں شریف آدمی! وائسرائے کا یہ قول پورے شہر میں دہرایا گیا اور اس نے سرکاری اور غیر سرکاری حلقوں میں ایک ہلچل پیدا کر دی، بہت سے لوگ جو اس وقت تک کانگریس کی طرف سے سرد مہر تھے اور میرے وجود کو بھی بس تکلفاً تسلیم کرتے تھے، یک بارگی ہم سے محبت کرنے لگے، وہ میرے پاس تحفے تحائف لے کر آنے لگے اور مجھے یقین دلانا چاہا کہ دل میں انھوں نے ہمیشہ کانگریس کو سراہا ہے اور اس کی طرف داری کی ہے۔

کانگریس ورکنگ کمیٹی کا جلسہ:

۲۴ر جون ۱۹۴۵ء: ۲۴ر جون کی سہ پہر کو ورکنگ کمیٹی کا جلسہ سردار ہرنام سنگھ کے مکان پر ہوا، جہاں گاندھی جی ٹھہرے ہوئے تھے، وائسرائے سے جو ملاقات ہوئی تھی اس کی میں نے مختصر رپورٹ پیش کی اور یہ رائے دی کہ ہمیں اس پیش کش کو منظور کر لینا چاہیے، اگر چہ وہ کرپس کی پیش کش سے مختلف نہیں ہے، اس کے لیے میں نے دلیل یہ دی کہ اب

حالات بدل گئے ہیں، یورپ کی جنگ ختم ہوگئی ہے اور جاپان بھی زیادہ دن تک مقابلہ نہیں کر سکے گا، جب لڑائی ختم ہو جائے گی تو برطانیہ کے لیے ہمارا تعاون حاصل کرنے کی کوئی خاص غرض نہ رہے گی، اس وجہ سے لارڈ ویول کی پیش کش کو نامنظور کر دینا مناسب نہ ہوگا، اور ہمیں کانفرنس میں اس مقصد سے شرکت کرنا چاہیے کہ اگر شرطیں کسی اعتبار سے بھی قابل قبول ہوں تو انھیں مان لیا جائے۔

اس پر ایک لمبی بحث ہوئی مگر آخر میں ورکنگ کمیٹی نے طے کیا کہ کانفرنس میں مندرجہ ذیل امور پر زور دینا چاہیے۔

۱۔ ہم کو اس بارے میں صاف اور واضح بیان ملنا چاہیے کہ ایگزیکٹیو کونسل کا وائسرائے سے کیا تعلق ہوگا؟ کیا ایسی صورت میں جب کہ کونسل متفقہ فیصلہ کرے، وائسرائے اس فیصلے کا پابند ہوگا یا اسے پھر بھی نامنظوری کا اختیار ہوگا؟

۲۔ فوج کی حیثیت واضح ہونا چاہیے، اس وقت فوج اور قوم کے درمیان ایک دیوار حائل ہے، اس صورت حال میں تبدیلی ہونی چاہیے تاکہ ہندوستان کے لیڈروں کو فوج سے تعلق پیدا کرنے کا موقع ملے۔

۳۔ برطانوی حکومت نے ہندوستان کی عام رائے معلوم کیے بغیر ملک کو جنگ میں شریک کر لیا تھا۔ کانگریس کو یہ پوزیشن منظور نہیں ہے، اگر کوئی باہمی فیصلہ ہوا اور ایک نئی اگزیکٹیو کونسل بنے تو کونسل کو حق ہوگا کہ ہندوستان کے جنگ میں آیندہ شریک رہنے کے مسئلے کو ہندوستان کو لیجس لیٹو اسمبلی میں پیش کرے۔ جاپان کے خلاف جنگ کرنے میں ہندوستان برطانیہ کے ایک فیصلہ کی بدولت نہیں بلکہ قومی نمایندوں کی رائے کی بنا پر شریک ہوگا۔

گاندھی جی ورکنگ کمیٹی کے جلسے میں شروع سے آخر تک موجود تھے اور اس فیصلے میں بھی شریک ہوئے، اس موقع پر انھوں نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ جنگ میں شرکت کا مطلب یہ ہے کہ کانگریس عدم تشدد کے اصول کو چھوڑ رہی ہے، یعنی انھوں نے تشدد [illegible] عدم تشد[illegible] بحث نہیں چھیڑی، ان کی طرح ورکنگ کمیٹی کے وہ ممبر جنھوں نے پہلے اس بنا [illegible] ستعفا دیا تھا، خاموش بیٹھے رہے۔

کانفرنس کا آغاز:

وایسرے کے اعلان کے مطابق انڈین نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کے صدر اور شیڈول کاسٹ اور سکھوں کے نمایندے کانفرنس میں شریک ہوئے، مرکزی اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے لیڈر اور مسلم لیگ کے ڈپٹی لیڈر، کونسل آف اسٹیٹ میں نیشنلسٹ پارٹی اور یورپین گروپ کے لیڈروں کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ ان کے علاوہ کانفرنس میں وہ لوگ بھی شریک ہوئے جو اس وقت صوبائی حکومتوں کے چیف منسٹر تھے یا حال تک رہ چکے تھے، ہندو مہا سبھا نے کوشش کی کہ اسے بھی دعوت دی جائے، مگر وایسرائے نے اس کے استحقاق کو تسلیم نہیں کیا، ہم سے کہا گیا کہ کانفرنس شروع ہونے کے وقت سے کچھ پہلے آجائیں، وایسرائے نے وایسرائیگل لاج کے چمن میں ہمارا استقبال کیا اور یہیں ہمارا ان سے باقاعدہ تعارف کرایا گیا، میں اس زمانے میں بہت کمزور تھا اور میرے لیے چند منٹ سے زیادہ کھڑے رہنا مشکل تھا، میں نے وایسرائے کے پرائیویٹ سیکریٹری سرایون جنکنز سے اس کا ذکر کیا، وہ مجھے ایک طرف کونے میں لے گئے، جہاں ایک صوفہ رکھا تھا مجھے وہاں بیٹھے ہوئے چند منٹ گزرے تھے، جب وہ ایک خاتون کو لے کر آئے اور تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ عربی زبان کی بہت اچھی عالم ہیں، شاید انھوں نے یہ سوچا کہ میں اکیلا بیٹھا ہوں، اس لیے کسی کو میرے پاس ہونا چاہیے، اور میرے لیے مشرقی علوم کے ماہر سے بہتر ساتھی کون ہوسکتا تھا، میں نے خاتون سے عربی میں بات چیت شروع کی، مگر معلوم ہوا کہ بے چاری کا علم ''نعم'' اور ''لا'' سے زیادہ وسیع نہیں تھا۔ پھر میں نے ان سے انگریزی میں پوچھا کہ آخر وایسرائے کے پرائیویٹ سیکریٹری کو یہ خیال کیسے ہوا کہ آپ عربی روانی سے بولتی ہیں؟ انھوں نے کہا کہ وہ چند مہینے بغداد میں رہ کر آئی ہیں اور رات کو کھانے کی دعوت میں انھوں نے کچھ مہمانوں سے کہا تھا کہ کسی عرب کو کسی بات پر تعجب ہو تو وہ ''عجیب! عجیب'' کے لفظ استعمال کرتا ہے، خاتون نے ہنستے ہوئے کہا کہ اس سے مہمان مرعوب ہوئے اور انھوں نے یہ رائے قایم کرلی کہ میں عربی زبان کی عالم ہوں!

تھوڑی دیر کے بعد لارڈ ویول آئے اور کہا کہ اب کانفرنس کے کمرے میں جانے کا وقت ہوگیا ہے۔ یہاں نشستوں کی ترتیب ایسی تھی کہ وایسرائے بیچ میں تھا، کانگریس سب

سے بڑی مخالف پارٹی کی حیثیت سے اس کے بائیں طرف تھی اور لیگ اس کے دائیں طرف! اس طرح شاید غیر شعوری طور پر اس کا اعتراف کیا گیا کہ لیگ حکومت کی حامی ہے۔

لارڈ ویول نے مختصر سی افتتاحی تقریر کی، جس کے بعد میں نے کانفرنس کے سامنے کانگریس ورکنگ کمیٹی کا نقطۂ نظر پیش کیا، میں نے جو تین مسئلے اٹھائے تھے ان کا وایسرائے نے موافقت میں جواب دیا، گفتگو دن بھر جاری رہی، صرف لنچ کے لیے وقفہ کیا گیا۔

کانفرنس عام پبلک کے لیے نہیں تھی اور اس میں اخباروں کے نمایندوں کو نہیں بلایا گیا تھا، پہلی نشست کے بعد میں نے لارڈ ویول سے کہا کہ اگر سرکاری طور پر اخباروں کو کوئی رپورٹ نہ بھیجی گئی تو ہماری گفتگو کے بارے میں بے بنیاد قیاس آرائیاں کی جائیں گی، اس لیے مناسب ہوگا اگر اخباروں کے لیے رپوٹ تیار کر لی جایا کرے، مگر یہ ایسی ہونا چاہیے جس پر تمام شرکا متفق ہوں، انھوں نے کہا کہ ہر نشست کے بعد ایک سرکاری بیان تیار کر لیا جائے گا اور اشاعت سے پہلے کانفرنس سے اس کی منظوری حاصل کر لی جایا کرے گی اسی کے مطابق شام کو مجھے ایک مسودہ بھیجا گیا، جسے میں نے ایک دو معمولی سی ترمیموں کے بعد واپس کر دیا۔ اخباروں کو بھیجنے سے پہلے یہ ترمیمیں بیان میں شامل کر لی گئیں کانفرنس کے دوران اس طریق کار پر عمل ہوتا رہا۔

کانفرنس شروع ہونے کے بہت جلد بعد کانگریس اور لیگ کے اختلافات منظر عام پر آ گئے، دوسرے دن تک کانفرنس چند خاص اصولوں پر متفق ہوگئی: جیسے کہ اقلیتوں کی نمایندگی، جنگ کی سرگرمیوں میں کھلے دل سے شرکت اور جنگ کے خاتمے تک نئے طریقے پر مرتب کی ہوئی ایگزیکیٹو کونسل کا قانون حکومت ہند کے ماتحت برقرار رہنا، لیکن کونسل کی رکنیت کے بارے میں اختلافات پیدا ہوئے، مسٹر جناح کا کہنا تھا کہ کانگریس تمام ہندو ممبروں کو نامزد کر سکتی ہے اور لیگ تمام مسلمان ممبروں کو نامزد کرے گی، میں نے کہا کہ کانگریس کسی ایسے مطالبے کو منظور نہیں کر سکتی، تمام سیاسی مسئلوں میں اس نے قومی نقطۂ نظر اختیار کیا تھا اور سیاسی معاملوں میں وہ ہندو مسلمان کے امتیاز کو صحیح نہیں تسلیم کر سکتی تھی۔ وہ کسی حالت میں بھی اس پر راضی نہیں ہو سکتی کہ اسے صرف ہندوؤں کی پارٹی قرار دیا جائے۔ اس لیے میں نے اصرار کیا کہ کانگریس کو اس کی آزادی ہونا چاہیے کہ جس ہندوستانی کو چاہے نامزد کرے، قطع نظر اس سے کہ وہ ہندو ہے یا مسلمان، عیسائی، پارسی ہے یا سکھ۔ کانگریس کو

ہندوستانی قومیت کی بنیاد پر شرکت کرنی چاہیے ورنہ شرکت ہی نہ کرنی چاہیے۔ مسلم لیگ کو اپنی طرف سے فیصلہ کرنے کا حق ہے کہ اس کے نمائندے کون ہوں گے۔

۲۶رجون ۱۹۴۵ء: کانفرنس کا ۲۶رجون کی صبح کو اجلاس ہوا، مگر نمایندوں کو آپس میں مشورہ کرنے کا موقع دینے کے لیے اجلاس برخاست کردیا گیا، مسٹر جناح نے کانگریس سے غیر رسمی طور پر گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی، میں نے اس کے لیے پنڈت گووند بلبھ پنت کو نامزد کیا، جنھیں میں مسٹر جناح سے گفت وشنید کرنے کے لیے سب سے مناسب شخص سمجھتا تھا، ان کے درمیان کئی دن تک گفتگو ہوئی، مگر آخر میں لاحاصل ثابت ہوئی، خضر حیات خان، جو پنجاب کے چیف منسٹر کی حیثیت سے کانفرنس میں شریک ہوئے تھے، اس دوران میں کئی بار مجھ سے ملے۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ انھوں نے ہر معاملے میں بہت معقول رویہ اختیار کیا، اور جیسے جیسے دشواریاں پیدا ہوئیں، انھوں نے ان کے حل کرنے میں مدد کی اور دوسروں سے اتحادِ عمل کیا۔

شملہ کانفرنس ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں حدِ فاصل کی حیثیت رکھتی ہے، یہ پہلا موقع ہے جب کہ مفاہمت کی کوشش برطانیہ اور ہندوستان کے بنیادی سیاسی اختلافات کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس فرقہ وارانہ مسئلے کی وجہ سے ناکام ہوئی جس نے مختلف ہندوستانی جماعتوں میں تفرقہ ڈال دیا تھا۔ (انڈیا ونس فریڈم، ۹۱-۱۸۵)

جمعیت علماے ہند کا تعمیری فنڈ:

وعدہ کرنے والے توجہ کریں،

دہلی، مولانا حفظ الرحمٰن ناظم اعلیٰ جمعیت علماے ہند اپنے ایک بیان میں فرماتے ہیں: جمعیت علماے ہند کے تعمیری فنڈ کے سلسلے میں جن حضرات خیر نے جمعیت علماے ہند کے سالانہ اجلاس سہارن پور کے موقع پر عطائے قوم کا وعدہ فرمایا تھا وہ جلد از جلد اپنے وعدے کا ایفا فرمائیں، اور رقوم موعودہ دفتر جمعیت علماے ہند گلی قاسم جان دہلی کے پتے پر روانہ کردیں۔

آپ مزید فرماتے ہیں کہ اس وقت دہلی کے مناسب مقامات پر چند بہترین عمارات فروخت ہو رہی ہیں، اگر جمعیت علماے ہند کی ایک لاکھ کی اپیل جمعیت اور مذہبی غیرت رکھنے والے مسلمان بہت عجلت کے ساتھ پوری کردیں، تو ان موقع کی عمارات میں سے کسی

عمدہ عمارت کا مل جانا آسان ہے کیوں کہ ہر وقت موقع کی جگہ کا دستیاب ہونا آسان نہیں۔

اس سلسلے میں عنقریب جمعیت علمائے ہند کے وفود بمبئی، مدراس اور کلکتہ کا دورہ کرنے والے ہیں، اور خاص دہلی میں بھی جو جمعیت علمائے ہند کا مرکزی مقام ہے، اس غرض کے لیے وفد کام شروع کرنے والا ہے۔ (زمزم۔لاہور: ۲۳؍جون ۱۹۴۵ء)

حماقت کی انتہا:

۲۳؍جون ۱۹۴۵ء: کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ایک دوسرے اہم رکن سردار پٹیل نے ویول اسکیم میں مسلمانوں کو اونچی ذات کے ہندوؤں کے برابر نمایندگی دیے جانے پر یہ فرمایا ہے کہ اگر یہ اصول برقرار رہا تو کانگریس شملہ کانفرنس میں شامل نہ ہوگی۔

لیکن اگر سردار جی سے پوچھا جائے کہ پھر اور کون سا طریقہ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کا ہونا چاہیے تو وہ جواب دیں گے کہ اس معاملے کو ہم پر چھوڑ دیا جائے، اس لیے کہ ہم صرف ہندوؤں کے لیڈر نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کے لیڈر بھی ہیں، ایک لحاظ سے یہ بات یقیناً معقول ہے لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کون سی خدمات ہیں جو سردار جی جیسے لوگوں نے مسلمانوں کی قومی ترقی کے لیے اختیار کی ہیں اور وہ کون سے احسانات ہیں جن کو یاد کر کے مسلمان انھیں اپنا لیڈر تسلیم کرلیں؟

کانگریس کا یہ اصول اپنی جگہ پر غلط نہیں کہ ملکی سیاسیات میں ہندو مسلمان ایک دوسرے کو ہندوستانی سمجھیں اور بلا امتیاز مذہب ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کریں۔ لیکن جب سردار پٹیل کی قسم کے لوگ کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کر سکتے، جس میں مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کی خاطر انھوں نے ایک چھوٹی انگلی بھی ہلائی ہو، تو پھر انھیں مسلمانوں کی طرف سے بولنے کا کیا حق رہ جاتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے یہ لیڈر اپنے نامۂ اعمال کی سیاہی دھونے کے بجائے انھیں اصولوں اور نظریوں سے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس طرح مولانا ابوالکلام اور ڈاکٹر سید محمود جیسے ان مخلص و بے ریا لوگوں کی پوزیشن بری کر دیتے ہیں جن کا ظاہر باطن ایک ہے اور جو پٹیلوں یا راجندوں کی طرح اس کی قائل نہیں کہ دل میں تو شرارت بھری ہو اور زبان سے شیرینی ٹپک رہی ہو، لیکن ایسی صورت میں ہندوستان کا وہ مسلم طبقہ جو مولانا ابوالکلام جیسے بزرگوں سے عقیدت رکھتا ہے،

یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ

چست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

(شرہ، زمزم۔ لاہور: ۲۳ر جون، ۱۹۴۵ء)

پاکستان کا مطلب کیا ہے؟

۲۳ر جون ۱۹۴۵ء: کراچی کے ایک معاصر نے مسٹر جی ایم سید صدر مسلم لیگ صوبہ سندھ کا ایک بیان شایع کیا ہے جس میں موصوف فرماتے ہیں:

''صوبے کی سب سے پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ سندھ سندھیوں کے لیے ہونا چاہیے، اس سے مراد یہ ہے کہ سندھ میں نہ تو سندھ سے باہر کے لوگوں کو زمین دی جائے، نہ سرکاری ملازمتوں میں حصہ دیا جائے بلکہ تمام سرکاری ملازمتیں سندھیوں کے لیے محفوظ ہونی چاہییں، مجھے بعض مسلمان وزراء کی اس بات سے سخت اختلاف ہے کہ سندھ کی سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے حقوق اور تناسب کو پورا کرنے کے لیے سندھ کے ہندوؤں کے مقابلے میں سندھ سے باہر کے مسلمانوں کو ترجیح دی جائے''۔

مطلب اس بیان کا یہ ہے کہ سندھیوں کی نظر صرف سندھ کی حدود تک محدود رہنی چاہیے، اور اگر کسی وقت مقابلہ یوں آپڑے کہ ایک طرف تو غیر سندھی مسلمان ہو اور دوسری طرف سندھی ہندو تو ہمیشہ سندھی ہندو کا ساتھ دیا جائے۔

وطن پرستی کے اصول کے لحاظ سے یہ چیز غلط نہیں ہے لیکن اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے تو لیگ نے مسلمانوں کو ایک قوم قرار دے کر ہندوؤں کے مقابلے میں پاکستان بنانے کا جو دعویٰ کیا ہے، اس کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے، اور ایسی صورت میں سید صاحب کو سب سے پہلے لیگ سے استعفیٰ دے دینا چاہیے، لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو اس کے معنی یہ ہے کہ وہ دھوبی کے کتے کی طرح نہ گھر کے رہیں گے نہ گھاٹ کے، یا تو انھیں پاکستان کے اصول سے علانیہ اختلاف کر کے یہ کہنا چاہیے کہ قومیں، مذہب سے نہیں، وطن سے بنتی ہیں اور یا پھر سندھی وغیر سندھی کا امتیاز دل سے نکال دینا چاہیے۔

ایک ایسی ہی تجویز پچھلے دنوں سندھ صوبہ لیگ کی مجلس عاملہ نے بھی پاس کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سندھ کی وزارت اور انتخابات میں نہ تو قاید اعظم جناح مداخلت کریں

اور نہ آل انڈیا لیگ ٹانگ اڑائے بلکہ اس صوبے کے باشندے اپنی صوابدید کے مطابق جو چاہیں کر سکیں۔

یہ تجویز، سید صاحب کے مذکورہ بالا بیان سے بھی زیادہ بے معنی ہے۔ اگر سندھ لیگ کو آل انڈیا لیگ کی قیادت منظور نہیں تو اسے یا تو انقطاع کا فیصلہ کرنا چاہیے یا استعفے دے دینے چاہییں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سندھ لیگ کے بڑے بڑے لیڈر بھی یا تو آئین و اصول کی مبادیات سے بھی ناواقف ہیں، یا کردار کے لحاظ سے اتنے کچے اور بودے ہیں کہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں اسے کھل کر نہیں کہہ سکتے، قابل ملامت ہیں بلکہ عام مسلمانوں کی لعنت وسرزنش کے بھی مستحق ہیں۔ (شذرہ، زمزم۔ لاہور: ۲۳ر جون ۱۹۴۵ء)

۲۴ر جون ۱۹۴۵ء: فرنٹیئر میل، ۲۴ر جون، معلوم ہوا ہے کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے گاندھی جی اور مولانا آزاد کو مکمل اختیارات دے دیے ہیں کہ جس طرح چاہیں موجودہ جمود و تعطل کا خاتمہ کرنے کے لیے سمجھوتا کرلیں۔ (زمزم۔ لاہور: ۲۷ر جون ۱۹۴۵ء)

پاکستان کے متعلق عربوں کی رائے۔ لیگ برطانیہ کا آلہ کار ہے

۲۴ر جون ۱۹۴۵ء: لندن، ۲۴ر جون، عرب پروپیگنڈا بیورو کے لیڈران مسٹر نشاشیبی، مسٹر عطیہ نے نمایندہ پریس کو ہندوستان میں نئی تجاویز کے سلسلہ میں بیان دیتے ہوئے کہ کہ ہم جناب فلسطین اور عرب کے مسئلہ کے متعلق مسٹر جناح کی ہمدردی کا شکریہ ادا کرتے ہیں، نیز مسٹر جناح کے پاکستان کو بھی سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ہمارا قیاس ہے کہ ہندوستان کی مسلم لیگ برطانوی قدامت پسندوں کا آلہ کار بنی ہوئی ہے، ہندوستان کی آزادی میں تاخیر پیدا کرنے کا کام کر رہی ہے۔ بعض اوقات ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کانگریسی مسلمان زیادہ قوم پرست ہیں۔ آپ نے کہا کہ ممالک عربیہ ہندوستان کے بارے میں بڑی دل چسپی کا اظہار کر رہے ہیں۔ ہمیں مسٹر جناح کے احسانات کا مرجو لینا منت ہونا پڑتا ہے جنھوں نے شام و لبنان اور فلسطین کے بارے میں مسلمانانِ ہندوستان کی پوری امداد کا یقین دلایا ہے۔ آپ نے کہا کہ اگر پاکستان بن جائے تو اس سے ممالک عربیہ کو فائدہ تو ضرور پہنچے گا لیکن ہندوستان کی آزادی اصل چیز ہے۔

(زمزم۔ لاہور: ۲۷ر جون ۱۹۴۵ء)

ہندوستان کے تین بڑوں کی وایسرائے سے ملاقاتیں:

۲۵/ جون ۱۹۴۵ء: شملہ، ۲۵/ جون۔ مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس پنڈت گووند بلبھ پنت کے ہمراہ ۱۲/ بجنے میں پانچ منٹ پر وایسرائیگل ہاؤس میں پہنچ گئے جہاں انھوں نے ۱۲ بجے وایسرائے سے ملاقات کرنی تھی۔

پروفیسر ہمایوں کبیر پرائیویٹ سیکرٹری مولانا ابوالکلام آزاد بھی تھوڑی دیر بعد پہنچ گئے۔

مولانا آزاد کی ملاقات:

ایک جم غفیر نے جو وایسریگل ہاؤس کے سامنے جمع تھا مولانا آزاد کا استقبال کیا جب کہ وہ رکھشا میں سوار ہو کر آئے۔ ٹھیک ایک بج کر تیس منٹ پر مولانا آزاد وایسرائے سے ملاقات کر کے وایسرائیگل ہاؤس سے باہر تشریف لائے، آپ کے ہمراہ پنڈت گووند بلبھ پنت بھی تھے آپ کی ملاقات ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہی۔

اخباری نمایندوں کے دریافت کرنے پر مولانا نے فرمایا کہ میں صرف اتنا کہہ سکا بالکل صحیح مجلس عاملہ کے سامنے رکھ دوں گا، جب مولانا آزاد سے دریافت کیا گیا کہ فضا پر امید ہے یا نہیں تو آپ نے جواب دیا انتظار کرو، سب چیزیں خدا کے ہاتھ میں ہیں۔

ایک سوال کیا آپ دوبارہ وایسرائے سے ملاقات کریں گے؟ مولانا آزاد نے فرمایا اگر ایسا ہوا تو کل ہوگا مگر آج نہیں!

صدر کانگریس نے مزید ارشاد فرمایا کہ اس وقت آپ کو کسی معاملہ کوئی معلومات بہم نہیں پہنچا سکتا، ہاں میں نے وایسرائے کے سامنے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے نظریے کو صاف اور واضح طور پر رکھ دیا ہے۔

کل مولانا آزاد صدر کانگریس کی حیثیت سے کانفرنس میں شمولیت کریں گے، آپ نے کانگریسی وزرائے اعظم کو بھی ہدایت کردی ہے کہ وہ کانفرنس میں شامل ہوں۔

گاندھی جی کی ملاقات:

گاندھی جی ۲½ بجے وایسرایگل لاج میں پہنچ گئے تھے، آپ نے ۳ بجے وایسرائے سے ملاقات کی، آپ راج کماری امرت کور کے ہاں سے ایک رکھشا میں سوار ہو کر آئے، جو وایسرائے کی طرف سے خاص طور پر بھیجی گئی تھی۔

گاندھی جی کی رکھشا کے پیچھے ایک دوسری رکھشا تھی جس میں گاندھی جی کے پرائیویٹ سیکرٹری مسٹر پیارے لال سوار تھے۔

گاندھی جی لارڈ ویول سے ملاقات کر کے ساڑھے چار بجے وایسرایگل لاج سے باہر تشریف لے گئے۔

مسٹر جناح کی ملاقات:

قاید اعظم مسٹر محمد علی جناح نے پانچ بجے وایسرائے سے ملاقات کی، ہزار ہا مسلمانوں نے وایسرایگل لاج کے سامنے آپ کو خوش آمدید کہی، آپ رکھشا میں سوار تھے، لارڈ ویول سے آپ کی گفتگو تقریباً ۱½ گھنٹہ تک جاری رہی، وایسرایگل لاج سے جب آپ باہر تشریف لائے تو آپ حسب سابق ہشاش بشاش تھے، آپ نے اخباری نمایندوں کو کسی قسم کا بیان نہیں دیا۔

وایسرایگل لاج سے باہر تشریف لانے پر ہزار ہا مسلمانوں نے جو منتظر کھڑے تھے استقبال کیا۔ (زمزم۔لاہور: ۲۷ر جون ۱۹۴۵ء)

منشورِ اقوام متحدہ:

۲۶ر جون ۱۹۴۵: اقوام متحدہ کی تنظیم سان فرانسسکو (ولایاتِ متحدہ) میں اقوامِ متحدہ کی کانفرنس کے ذریعے ۲۶ر جون ۱۹۴۵ء کو منظور کیے گئے ایک منشور پر مبنی ہے، اور اس کا دستور اساسی ہے، یہ منشور ایک بین الاقوامی معاہدہ ہے جس میں شامل ملکوں پر اس کی عاید کردہ ذمہ داریوں کو قبول کرنا لازمی ہے، اس منشور کے بنیادی مقاصد بین الاقوامی امن اور تحفظ کو برقرار رکھنا، اور اقتصادی، معاشرتی، ثقافتی اور انسانی مسایل کے حل کے لیے بین

الاقوامی تعاون کو فروغ دینا ہے۔

اس منشور کے افتتاحیہ (Preamble) میں انسانی نسل کو جنگ کی غارت گری سے بچانے، انسان کے بنیادی حقوق کی حفاظت کرنے، ایک مہذب بین الاقوامی نظام قایم کرنے، آزادی، انصاف اور خوش حالی کو فروغ دینے کے عزایم کا ذکر کیا گیا ہے۔

اقوام متحدہ کے یہ مقاصد بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ بین الاقوامی امن و تحفظ کو برقرار رکھنا، ۲۔ قوموں کے درمیان دوستانہ تعلقات بڑھانا، ۳۔ بین الاقوامی اقتصادی، معاشرتی، ثقافتی اور انسانی مسئلوں کو حل کرنے اور انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کا احترام بڑھانے میں بین الاقوامی تعاون کو بڑھانا اور ۴۔ اقوام متحدہ کی تنظیم کو ان اجتماعی مقاصد کے حصول میں رکن ملکوں کی سرگرمیوں کو مربوط کرنے کا مرکز بنانا۔

اقوام متحدہ کی کارکردگی کے لیے یہ اصول وضع کیے گئے ہیں:

۱۔ اس تنظیم کی بنیاد رکن ملکوں کی سائدانہ برابری پر ہے (یعنی تمام ملکوں کو برابری کا درجہ حاصل ہے اور عام اسمبلی میں سب کا ووٹ یکساں ہے) ۲۔ رکن ملکوں کو لازم ہے کہ وہ پوری نیک نیتی سے منشور کے ذریعے عاید کی گئی ذمہ داریوں کو پورا کریں، ۳۔ انھیں یہ بھی لازم ہے کہ وہ بین الاقوامی جھگڑوں کا پرامن ذرایع سے اور امن و سلامتی اور انصاف کو خطرے میں ڈالے بغیر تصفیہ کریں، ۴۔ اپنے بین الاقوامی روابط میں اور دوسرے ملکوں کے خلاف طاقت کے استعمال یا اس کی دھمکی سے پرہیز کریں، ۵۔ وہ اقوام متحدہ کی ان تمام کارروائیوں میں مدد کریں جو منشور کے تحت عمل میں لائی جا رہی ہوں اور ایسے ملکوں کو کوئی مدد نہ دیں جن کے خلاف اقوام متحدہ کے ذریعے کوئی امتناعی یا تنفیذی کارروائی عمل میں لائی جا رہی ہو، ۶۔ اقوام متحدہ اس بات کی نگہداشت رکھے گا کہ وہ ممالک جو اس کے رکن نہیں ہیں، جہاں تک کہ بین الاقوامی امن و تحفظ کے لیے ضروری ہے، منشور کے اصولوں کے مطابق کام کریں، ۷۔ منشور میں کوئی دفعہ ایسی نہیں رکھی گئی ہے جس میں رکن ملکوں کے داخلی معاملات میں مداخلت کی اجازت دی گئی ہو، ۸۔ اقوامِ متحدہ کی رکنیت تمام امن پسند ملکوں کے لیے کھلی ہوئی ہے، بہ شرطے کہ وہ اس کے منشور کے ذریعے عاید کی گئی ذمہ داریوں کو قبول کرتے ہیں اور تنظیم کی رائے میں ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی اہلیت اور

آمادگی رکھتے ہیں؛ ۹۔ بانی ارکان کے سوا دوسرے ملکوں کا داخلہ مجلس امن (سیکیورٹی کونسل) کی سفارش پر عام اسمبلی اپنی دو تہائی اکثریت سے کرے گی، ۱۰۔ مجلس امن کی سفارش پر عام اسمبلی اپنی دو تہائی اکثریت کے ووٹ سے کسی بھی رکن کو خارج یا معطل کر سکتی ہے۔ اگر مجلس امن کسی ملک کے خلاف تنفیذی کارروائی کرے تو اسے معطل کیا جا سکتا ہے، اور اگر کوئی ملک منشور کے اصولوں کی مسلسل خلاف ورزی کر رہا ہو تو اسے خارج کیا جا سکتا ہے۔ (فرہنگ سیاسیات: ص ۴۱۵)

امنِ عالم کی دستاویز تیار ہو گئی:

محکوم ممالک فی الحال بدستور محکوم رہیں گے۔

۲۷؍جون ۱۹۴۵ء: سان فرانسسکو، ۲۷؍جون۔ آج سان فرانسسکو کانفرنس نے دس ہزار الفاظ پر مشتمل ایک دستاویز امن تیار کرنے کے بعد ایک بین الاقوامی تنظیم کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جس کا نام "متحدہ اقوام" رکھا جائے گا، یہ ہے نتیجہ دنیا کی پچاس مختلف اقوام کے نمایندوں کی ان کوششوں کا جو انھوں نے گزشتہ نو ہفتے تک جاری رکھیں۔

یہ دستاویز جس پر زمانہ بعد از جنگ کے بین الاقوامی تعلقات کی بنا ہوگی، انیس ابواب پر مشتمل ہے، اس دستاویز کے مقاصد کے وضاحت کرتے ہوئے اس کے ضمیمے میں بتایا گیا ہے کہ آیندہ نسلوں کی جنگ کے ہول ناک اثرات سے حفاظت، انسانی حقوق میں یقین، مرد اور عورت اور چھوٹی بڑی طاقتوں میں مساوات، بلند معیار زندگی اور بنی نوع انسان کی عام آزادی اس کے مقصد ہیں۔

ضمیمہ میں آگے چل کر بتایا گیا ہے کہ ان مقاصد کے حصول کے لیے متحدہ اقوام کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ امن قایم کیا جائے اور جب تک باہمی مفاد اس امر کے متقاضی نہ ہوں طاقت کے استعمال سے گریز کیا جائے۔

نئی تنظیم کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں امن و تحفظ قایم کیا جائے اور اس امر کی مساعی کی جائے کہ اقتصادی معاشی، معاشرتی اور دیگر معاملات میں بین الاقوامی تعاون حاصل کیا جائے۔

اس نئی تنظیم کی ایک جنرل اسمبلی ہوگی جس میں تمام ممبر اقوام کو نمایندگی حاصل ہوگی۔

دوم: ایک تحفظ کونسل (سیکیورٹی کونسل) ہوگی، جو گیارہ ارکان پر مشتمل ہوگی ان میں سے پانچ بڑی طاقتیں اس کی مستقل رکن ہوں گی۔ اس کے علاوہ چھ غیر مستقل ارکان ہوگی جن کا انتخاب جنرل اسمبلی کرے گی۔

سوم: اقتصادی اور سماجی کونسل جس کے اٹھارہ ممبران کا انتخاب جنرل اسمبلی کرے گی، یہ کونسل بین الاقوامی اقتصادی سماجی، معاشرتی اور تعلیمی مسایل پر غور کر کے اپنی تجاویز جنرل اسمبلی کے سامنے پیش کرے گی۔

چارم: انتدابی کونسل جو ان ممالک کی نگرانی کرے گی جو انتداب کے نام سے دوسری طاقت کے محکوم ہیں۔

پنجم: بین الاقوامی عدالت انصاف جس کا قیام لیگ میں پرانی عدالت انصاف کے بجائے عمل میں لایا جائے گا۔

ششم: سیکریٹریٹ چارٹر میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ سیکریٹریٹ کے نام احکام کسی حکومت کی طرف سے نہیں بلکہ بین الاقوامی تنظیم کی جانب سے صادر کیے جائیں گے۔

اس دستاویز میں یہ اعلان بھی درج ہے کہ وہ طاقتیں جو محکوم ممالک پر قابض ہیں، اس اصول کو تسلیم کرتی ہیں کہ یہ ممالک ان کے پاس ایک ''مقدس امانت'' ہیں، اور ان کے باشندوں کے مفاد کا خیال کرنا اس کا اولین فریضہ ہے۔ (زمزم۔ لاہور: ۳۰؍ جون ۱۹۴۵ء)

جناح وائسرائے ملاقات:

۲۷؍ جون ۱۹۴۵ء: ۲۷؍ جون کو ساڑھے پانچ بجے بعد سہ پہر جناح وائسرائے سے ملنے آئے، لیڈی ویول کے ساتھ چائے نوش کی اور سوا سات بجے شام تک ٹھہرے، وائسرائے نے پنجاب کی اہمیت کا ذکر کیا اور جنگ کی مساعی میں افرادی قوت اور غلہ کے وسیع تعاون پر روشنی ڈالی۔ وائسرائے کا کہنا تھا کہ ان خدمات کے عوض پنجاب سے ایک مسلمان نمائندہ کونسل میں لینے کے خواہش مند ہیں۔ (۱) مسٹر جناح نے یہ سن کر ادھر ادھر کی

(۱) یہاں اس امر کو واضح کرنا ضروری ہے جیسا کہ بعض موزخوں نے غیر ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ وائسرائے پنجاب سے مسلمان نمائندہ لیگ کے پانچ نمائندوں میں سے نامزد کرنا چاہتا تھا۔ یہ درست نہیں، دراصل وائسرائے نے یہ نمائندہ ان چار نمائندوں میں سے لیتا تھا ››

باتیں شروع کر دیں۔ جس میں ۱۹۴۰ء کی پیش کش (۲) پنجاب میں یونی نسٹ پارٹی کی تشکیل اور اپنے استقبال کا تذکرتھا جب وہ کشمیر سے واپس آئے تھے اس کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ تمام کے تمام مسلمان ان کے اطاعت گذار ہیں۔

لارڈ ویول نے گفتگو کا رخ موڑتے ہوئے ان سے پنڈت پنتھ سے مذاکرات کے نتیجے کے بارے میں دریافت کیا۔ (۳) مسٹر جناح نے جواب دیا کہ کانگریس مسلمان ممبروں کے کوٹے سے دو کو نامزد کرنے کا مطالبہ کرتی ہے۔ (۴) اس لیے مذاکرات نتیجہ خیز نہیں ہوئے۔ مسٹر جناح کے مطابق پنڈت پنتھ سے مذاکرات کے دوران کونسل کے جملہ ممبران کا مسئلہ زیر بحث نہیں آیا۔ لیکن ان کا تاثر یہ تھا کہ کانگریس بلاشبہ سولہ افراد پر مشتمل کونسل قایم کرنے پر زور دے گی۔ اس میں کمانڈر انچیف اور وایسرائے بھی شامل ہوں گے۔ (۵) ویول نے ازخود بتایا کہ اس کی خواہش ہے کہ کونسل میں کل چودہ ممبر شامل کیے

«جنھیں اس نے اپنی صوابدید سے نامزد کرنا تھا۔ ان میں ایک مسلمان، ایک سکھ، دو شیڈولڈ کاسٹ ہندو وغیرہ تھے۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے پانچ پانچ نمایندے ان چار کے علاوہ تھے۔ (ویول: ص ۱۴۹)، ۲۔ مسٹر جناح نے یکم جولائی ۱۹۴۰ء کو وایسرائے کو ایک خط لکھا تھا جس میں حکومت کو یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ ایگزیکٹو کونسل میں نمایندگی ملنے کے عوض مسلم لیگ جنگ میں حکومت سے تعاون کرنے کے لیے تیار ہے۔ (ٹرانسفر آف پاور: ص ۱۱۷۱، جلد پنجم)

۳۔ کانگریس کی طرف سے گفتگو کرنے کے لیے مولانا آزاد نے پنڈت پنتھ کو مقرر کیا تھا۔ (ہماری آزادی: ص ۲۲۶)، ۴۔ کانگریس کا یہ مطالبہ کسی اور ذریعہ سے ثابت نہیں، بلکہ وایسرائے نے ۳۰ رجون کو صوبائی گورنروں کو ۲۹ رجون کے اجلاس کی جو کارروائی بذریعہ تار بھیجی ہے اس کے پیرا نمبر ۳ میں کہا ہے کہ کانگریس اور مسلم لیگ میں اور سمجھوتا طے نہیں پا سکا اس کی ایک وجہ تو کانگریس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ تمام فرقوں کے نام فہرست میں شامل کرنے کی مجاز ہے اور کم از کم ایک کانگریسی مسلمان کو شامل کرنے پر مصر ہے، جب کہ دوسری طرف مسٹر جناح تمام مسلمانوں کے مسلم لیگی ہونے پر اصرار کرتے ہیں، میرا خیال ہے کہ کانگریس کی طرف سے ایک غیر ہندو کی نامزدگی ایک معقول مطالبہ ہے، جب کہ صوبہ سرحد اور پنجاب کی صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے جناح کا دعویٰ معقول قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (ٹرانسفر آف پاور: ص ۱۱۷۵، جلد پنجم)، ۵۔ ٹرانسفر آف پاور: ص ۱۱۷۰، جلد پنجم،

جائیں (۶) مسٹر جناح نے کہا کہ وہ ۱۴ ممبروں کی کونسل چاہتے ہیں جس میں وائسرائے اور کمانڈر انچیف بھی شامل ہوں۔ (۷) دراصل مسٹر جناح کونسل کے ممبروں کی تعداد کم کر کے پنجاب سے ایک مسلمان ممبر کو روکنے کی راہ ہموار کر رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مسٹر جناح نے بڑی کونسل کو مسلمانوں کے لیے غیر مفید قرار دیا ان کے نزدیک ایسی کونسل میں مسلمانوں کے مفادات محفوظ نہیں تھے۔

اس پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے ویول نے کہا کہ اگر مسلم لیگ نے ہر مسئلہ کو فرقہ واری عینک سے ہی دیکھنا ہے تو اس سے نئی کونسل کے قیام کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ وائسرائے نے اپنے چار سالہ تجربہ اور مشاہدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے کونسل میں کسی ایک مسئلہ کو بھی خالص فرقہ وارانہ بنیادوں پر طے ہوتے نہیں دیکھا۔ آپ کس قسم کے مسائل کے بارے میں مسلمانوں کو ووٹ کے ذریعہ خسارہ میں دھکیل دینے کے بارے میں سوچتے ہو؟ ویول کہتا ہے کہ مسٹر جناح نے جو جواب دیا وہ صرف یہ تھا ''جنگ کے بعد صنعتی ترقی کے میدان میں''۔

جب ویول نے کونسل کے مسلمان ممبروں کی نامزدگی کے طریقہ کار کا استفسار کیا۔ تو مسٹر جناح نے جواب دیا کہ وہ سب لازمی طور پر مسلم لیگ نامزد کرے گی اور سب مسلم لیگی ہوں گے۔ ویول لکھتا ہے کہ یہ میرے لیے بالکل قابل قبول نہیں تھا۔ اس پر ویول نے کہا کہ آپ اس مسئلہ پر ساری کانفرنس کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔

(ابوالکلام آزاد اور قوم پرست............: ص ۲۷۰-۲۷۰)

۲۸؍ جون ۱۹۴۵ء: جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا ایک اجلاس دہلی میں ہو (۱)۔

اس اجلاس میں مجلس عاملہ جمعیت علمائے ہند کے علاوہ دوسری مجالس اور اداروں کے ذمے دار زعما کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ چناں چہ خواجہ عبدالمجید صاحب صدر مسلم مجلس، ڈاکٹر شوکت اللہ صاحب انصاری جنرل سکریٹری مسلم مجلس، خان بہادر شیخ محمد جان صاحب، ایم

۶۔ وائسرایز جرنل: ص ۱۴۹، ۷۔ ٹرانسفر آف پاور ایضاً۔ لارڈ ویول نے آزمائشی طور پر ممبران کی فہرست بنائی تھی جس میں کانگریس اور لیگ کے پانچ پانچ نمائندوں کے علاوہ ایک سکھ، دو شیڈولڈ کاسٹ اور چوتھا مسلمان نمائندہ پنجاب سے ملک خضر حیات تھا۔ (ہماری آزادی: ص ۲۲۳)۔

۱۔ وائسرایز جرنل: ۲۴۹۔

ایل سی بنگال، مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مسٹر ہلال احمد صاحب زبیری مدیر اخبار انصاری۔ مسٹر فخر الدین احمد صاحب ایم ایل اے آسام و سابق وزیر آسام وغیرہ مشاہیر ملک نے شرکت فرمائی۔ تقریباً چار گھنٹے کی بحث و تمحیص اور غور و فکر کے بعد مندرجہ ذیل تجویز منظور ہوئی:

''آزاد خیال مسلم جماعتوں کا یہ مشترکہ اجلاس اس امر کا اظہار ضروری سمجھتا ہے کہ ویول پلان جو موجودہ سیاسی جمود کو ختم کرنے اور ملک میں حکومت کا عارضی نظام جاری کرنے کے لیے زیر بحث ہے، وہ نہ صرف ہندوستانی مطالبات کے لحاظ سے قطعاً ناکافی ہے بلکہ اس میں ویٹو کا اختیار جمہوری اصول کے بھی سراسر منافی ہے۔ مگر چوں کہ یہ دوران جنگ کے لیے ہے اور لارڈ ویول اور وزیر ہند اس بات کا یقین دلا رہے ہیں کہ بغیر مجبوری کے ویٹو کا استعمال نہیں کیا جائے گا۔ ہم اس کو موجودہ عارضی وقت کے لیے مناسب سمجھتے ہیں۔

یہ جلسہ یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہے کہ مسلم لیگ ملک میں مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ آزادی پسند اور ملک کے حقیقی مفاد کی داعی اور اس کے لیے کام کرنے والی دوسری جماعتیں بھی ہیں۔ جن کی آزادی وطن کے لیے قربانیاں تمام ملک کے سامنے ہیں۔

مولانا آزاد عن قریب پنجاب کا دورہ کریں گے:

۲۸ / جون ۱۹۴۵ء: شملہ ۲۸ / جون۔ آج مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس تمام دن کانگریسی لیڈروں سے تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ مولانا محمد یاسین پریذیڈنٹ پنجاب کانگریس ورکرز اسمبلی نے صدر کانگریس سے دوپہر کے وقت بات چیت کی۔ صدر کانگریس نے آپ کو بتایا کہ ممکن ہے کہ میں بڑے بڑے اور فوری معاملات کے سمجھوتے کے فوراً بعد پنجاب کا دورہ کروں۔

میری ہدایات کا انتظار کریں، مولانا آزاد:

شملہ ۲۸ / جون، آج مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس نے آچاریہ کرپلانی جنرل

سیکرٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو ایک تار بھیجا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں، میری ہدایات کا انتظار کریں۔ (زمزم۔ لاہور: ۳۰؍ جون ۱۹۴۵ء)

ایشیا کی نوآبادیات اور ہندوستان:

۲۸؍ جون ۱۹۴۵ء: شملہ، ۲۸؍ جون۔ ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نامہ نگار خصوصی نے شملہ سے اطلاع دی ہے کہ کل مولانا ابوالکلام آزاد سے لیڈرز کانفرنس میں تجویز پیش کی تھی کہ ایشیا کی نوآبادیات کے انتظام میں ہندوستان کی آواز کو دخل ہونا چاہیے۔ ابھی تک کسی سرکاری اعلان میں مولانا کے متذکرہ صدر بیان کی تصدیق نہیں کی گئی، مگر باخبر حلقوں کا بیان ہے کہ مولانا نے اگست ریزولیوشن کی ایک دفعہ پڑھ کر سنائی تھی جس میں کہا گیا ہے کہ ہندوستان کو ایشیا کی دوسری نوآبادیات کے انتظام میں دخل ہونا چاہیے، برطانیہ کو اندازہ لگالینا چاہیے کہ اس وقت وہ جو سلوک ہندوستان سے کر رہا ہے، اگر ہندوستان کو برطانیہ کی دوسری نوآبادیات کے انتظام میں کچھ دخل حاصل ہوا تو وہ بھی اسی قسم کا سلوک برطانیہ سے کرے گا۔ ابھی تک یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ تجویز کانفرنس پر کس حد تک اثر انداز ہوگی۔ (زمزم۔ لاہور: ۳۰؍ جون ۱۹۴۵ء)

مجلس عاملہ جمعیت علما کا اجلاس:

۲۸؍ جون ۱۹۴۵ء: حضرت شیخ الاسلام نے مجلس عاملہ جمعیت علماے ہند کا اجلاس طلب کیا اور مجلس عاملہ کے ارکان کے علاوہ دوسری جماعتوں کے زعما کو بھی اجلاس میں شرکت کی دعوت دی۔ چناں چہ ۲۸؍ جون کو دفتر مرکزی جمعیت علماے ہند میں حضرت شیخ کی زیرِ صدارت یہ اجلاس ہوا۔

اس اجلاس میں ایک تجویز منظور کی گئی جس میں لارڈ ویول کی اسکیم پر موجودہ حالات کے لحاظ سے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے یہ واضح کیا گیا تھا کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت نہیں ہے، بلکہ ملک میں اور جماعتیں بھی ہیں جو اپنی پشت پر قربانیوں کی عظیم الشان تاریخ رکھتی ہیں اور ان قربانیوں کے سبب سے ملک میں نمایاں اور ممتاز عظمت حاصل کرچکی ہیں۔

اس تجویز کے علاوہ ملک کے تمام اطراف سے بے شمار تار دیے گئے جن میں مولانا آزاد کی قیادت پر اعتماد واطمینان کا اظہار کیا گیا۔
(حیات شیخ الاسلام: از مولانا سید محمد میاں)

کانگریس لیگ مذاکرات میں الجھن شملہ کانفرنس ملتوی:

۲۸؍جون ۱۹۴۵ء: شملہ ۲۸؍جون۔ آج شملے میں دو بڑے واقعات ہوئے:
ا۔ قاید اعظم نے وایسرائے سے ملاقات کی، ۲۔ پنڈت گووند بلبھ پنتھ (مولانا آزاد کے ترجمان) نے قاید اعظم سے پھر مبادلۂ افکار کیا۔

نامہ نگاروں نے اطلاع دی ہے کہ قاید اعظم آج شام ۵ بجے وایسرائے ہاؤس میں لارڈ ویول اور لیڈی ویول کے ساتھ چاے پی رہے تھے۔ پون گھنٹے کے بعد لیڈی ویول وایسرائے ہاؤس سے باہر جاتی دیکھی گئیں۔ اس سے نامہ نگاروں نے اندازہ لگایا کہ چاے کا وقت ختم ہو چکا ہے اور قاید اعظم اور وایسرائے کی گفت وشنید شروع ہو چکی ہے۔

نامہ نگاروں نے بیان کیا ہے کہ ملاقات ۱½ گھنٹے تک جاری رہی۔ قاید اعظم ۷½ بجے شام سیسل ہوٹل واپس پہنچے۔ جہاں لیڈرز کانفرنس کے پانچوں مسلم لیگی لیڈر جمع تھے۔ ذمہ دار حلقوں کا بیان ہے کہ قاید اعظم نے آتے ہی ان لیڈروں سے بات چیت شروع کر دی اور انھیں مطلع کیا کہ وایسرائے سے ان کی کیا بات چیت ہوئی ہے اور پنڈت پنتھ سے ان کا نیا مذاکرہ ہوا تھا۔ اطلاع ملی ہے کہ یہ کانفرنس ۹ بجے تک جاری تھی۔

شملہ ۲۸؍جون۔ آج لیڈرز کانفرنس کے اختتام پر حسب ذیل سرکاری اعلان شایع ہوا:

جناح پنتھ ملاقاتیں:

''لیڈرز کانفرنس صبح ۱۱ بجے منعقد ہو کر ۲ بجے دوپہر ختم ہوئی۔ کانفرنس کا آیندہ اجلاس ۲۹؍جون (جمعہ) کو منعقد ہوگا تا کہ لیڈر اپنے پرائیویٹ مذاکرات کو جاری رکھ سکیں، مولانا ابوالکلام آزاد نے وایسرائے ہاؤس سے واپس آ کر کانگریسی نمایندوں کی ایک کانفرنس بلائی

تھی جو ایک بجے تک جاری رہی۔ اس کانفرنس میں فیصلہ کیا گیا کہ پنڈت پنتھ کو ۳ بجے بعد دوپہر مسٹر جناح کی خدمت میں بھیجا جائے۔

پنڈت پنتھ پورے تین بجے سیسل ہوٹل پہنچ گئے تاکہ قاید اعظم سے مذاکرہ کرسکیں، دونوں لیڈروں میں فی الفور بات چیت شروع ہوگئی۔ اس جگہ اس امر کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کل بھی پنڈت پنتھ نے قاید اعظم سے مذاکرہ کیا تھا اور کل ۱۲ بجے رات تک اسی مذاکرے کی روشنی میں گاندھی جی اور پنڈت پنتھ اور قاید اعظم میں ایک گھنٹہ اور ۱۵ منٹ مبادلہ افکار ہوا۔ پنڈت پنتھ چار بج کر ۱۵ منٹ پر سیسل ہوٹل سے باہر نکلے، ہوٹل کے باہر اخبار نویس جمع تھے وہ پنڈت پنتھ کو دیکھ کر ان کے گرد جمع ہوگئے مگر پنڈت جی نے بیان دینے سے انکار کردیا۔

ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے سیاسی نامہ نگار نے اس مذاکرے کے ختم ہونے کے فوراً بعد قاید اعظم سے ملاقات کی تو آپ نے سب سے پہلے یہ کہا کہ مہربانی کرکے کوئی سوال نہ کیجیے۔

لیگی لیڈرز ملاقات:

شملہ ۲۸ر جون قاید اعظم نے کل شام پھر مسلم لیگی لیڈروں کی کانفرنس بلائی ہے۔ ایک مسلم لیگی لیڈر نے اپنے بیان میں کہا کہ جہاں تک لیگ اور کانگریس کے مذاکرات کا تعلق ہے ابھی تک صورت حالات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔

ایک اور جناح پنتھ ملاقات:

شملہ، ۲۸ر جون اطلاع ملی ہے کہ مسٹر جناح اور پنڈت پنتھ میں دو دفعہ بات چیت ہونے کے باوجود صورت حالات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ فریقین اپنے اپنے مطالبات پر اڑے ہوئے ہیں۔ مسلم لیگ کا مطالبہ یہ ہے کہ اسے مسلم نمایندوں کے انتخاب کا پورا حق ملے کیوں کہ وہ مسلمانوں کی واحد نمایندہ جماعت ہے، کانگریس کا دعویٰ ہے کہ وہ تمام فرقوں کی نمایندہ ہے اس لیے وہ ہندو جماعت نہیں کہلاسکتی، اور یہ کہ اگر اگزیکٹو کونسل میں پانچ مسلمان ممبر لیے جائیں تو ان میں سے ۲ نیشنلسٹ مسلمان ہونے چاہییں۔ آج اور

کل مختلف فارمولے پیش ہوئے لیکن صورت حالات نہ بدل سکی۔ اطلاع ملی ہے کہ بات چیت میں اڑچن پیدا ہوگئی ہے۔

مسٹر جناح کا اصرار:

شملہ، ۲۸؍جون۔ آج کانفرنس کا اجلاس فقط چند منٹ تک جاری رہا اور بالآخر مسٹر جناح کی خاص درخواست پر اسے ملتوی کر دیا گیا۔ آج کے اجلاس کی جو اطلاعات ملی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اجلاس بہت ہنگامہ خیز تھا جس میں خوب گرما گرمی ہوئی؛ بیان کیا جاتا ہے کہ آغاز میں ہی مسٹر جناح مطالبہ پیش کیا کہ ایگزیکٹیو کونسل کے مسلم ممبران کی نامزدگی کا حق سوائے مسلم لیگ کے کسی کو نہیں لہٰذا مسلم لیگ یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ کوئی مسلم بھی کسی اور جماعت یا فرد واحد کی طرف سے نامزد کیا جائے۔ یعنی عملی طور پر انھوں نے کانگریس سے مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کے معاملے میں دخل نہ دو۔ کہا جاتا ہے کہ اس دعویٰ سے ڈاکٹر خان صاحب وزیر اعظم سرحد اس قدر برہم ہوئے کہ وہ مارے غصہ کے کھڑے ہو گئے اور انھوں نے زوردار الفاظ میں مسٹر جناح کے دعوے کو چیلنج کیا۔ مولانا آزاد نے بصد مشکل ڈاکٹر خان صاحب کے غصے کو فرد کر کے انھیں نشست پر بیٹھا دیا۔

(زمزم۔ لاہور: ۳۰؍جون ۱۹۴۵ء)

کانگریس تخریب نہیں تعمیر چاہتی ہے:

۲۸؍جون ۱۹۴۵ء: شملہ، ۲۸؍جون۔ مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس نے مہاراجہ الور کو ایک تار بھیجا ہے جس میں آپ لکھتے ہیں کہ میری بہترین کوشش تخریبی کی بجائے تعمیری کام میں لگی ہوئی ہیں، مہاراجہ الور نے کانگریس پریذیڈنٹ کو مندرجہ ذیل تار بھیجا تھا۔ ملک معظم کی پیش کش نہایت فیاضانہ ہے۔ وائسرائے کا رویہ نہایت ہمدردانہ ہے اور مخلصانہ ہے، ان تجاویز میں ملک کے بہت سے مطالبات منظور کر لیے گئے ہیں۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ پیچھے دیکھنے کی بجائے آگے کی طرف دیکھ رہے ہیں اور کانگریس کی خواہش یہ ہے کہ اس کا رویہ تعمیری اور مدد کرنے والا ہو۔ امید ہے کہ آپ کی دانش مندی اور تدبر ہندوستان کے سیاسی مسئلے کو حل کرنے میں ہماری رہنمائی کریں گے۔ اگر تمام پارٹیاں مل کر

کام کرنے پر رضا مند ہو جائیں تو فضا بہت اچھی ہو جائے گی اور سیلف گورنمنٹ اور برطانوی سلطنت کے اندر متحدہ خوش حال ہندوستان کے لیے راستہ کھل جائے گا۔ یہ ایک سنہری موقع ہے اور مادر وطن کا مفاد اس میں ہے کہ اس کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔
(زمزم۔ لاہور: ۳ر جولائی ۱۹۴۵ء)

قوم پرور مسلمانوں کا اجتماع:

۲۸ر جون ۱۹۴۵ء: انھیں حالات سے متاثر ہو کر مجلس عاملہ جمعیت علماے ہند کا فوری اجلاس ۲۸ر جون کو دفتر مرکزیہ جمعیت علماے ہند میں طلب کیا گیا، تار کے ذریعے اس کا ایجنڈا بھیجا گیا۔ مجلس عاملہ کے اراکین کے سوا دوسری قوم پرور جماعتوں یعنی مسلم مجلس، مؤمن کانفرنس، انجمن وطن (بلوچستان) اور انڈی پنڈنٹ پارٹی (بہار) کے ذمے دار حضرات کو بھی مدعو کیا گیا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب کی زیر صدارت ان پانچوں جماعتوں کا مشترکہ اجلاس ہوا، اور مندرجہ ذیل تجویز پاس کر کے مولانا آزاد صاحب صدر کانگریس اور لارڈ ویول وایسرائے ہند وغیرہ کے پاس بھیج دی گئی۔ تجویز یہ تھی:

آزاد خیال مسلم جماعتوں کا یہ مشترک جلسہ اس امر کا اظہار ضروری سمجھتا ہے۔

”کہ ویول پلان جو موجودہ سیاسی جمود کو ختم کرنے اور ملک میں حکومت کا عارضی نظام جاری کرنے کے لیے زیر بحث ہے، وہ نہ صرف ہندوستانی مطالبات کے لحاظ سے قطعاً ناکافی ہے بلکہ اس میں ویٹو کا اختیار جمہوری اصول کے بھی سراسر منافی ہے، مگر چوں کہ یہ دوران جنگ کے لیے ہے اور لارڈ ویول اور وزیر ہند اس بات کا یقین دلا رہے ہیں کہ بغیر مجبوری کے ویٹو کا استعمال نہیں کیا جائے گا۔ لہذا ہم اس کو موجودہ عارضی وقت کے لیے مناسب سمجھتے ہیں۔

یہ جلسہ یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہے کہ مسلم لیگ ملک میں مسلمانوں کی واحد نمایندہ جماعت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ آزادی پسند اور ملک کے حقیقی مفاد کی داعی اور اس کے لیے کام کرنے والی دوسری جماعتیں بھی ہیں، جن کی اپنے وطن کے لیے قربانیاں تمام ملک کے سامنے ہیں“۔ (جمعیت علما کیا ہے؟ (حصہ دوم): ص ۲۸۰)

لارڈ ویول اختیار دے دیا گیا:

بہ ہر حال کانفرنس کی ہندو نشستوں میں بحث تمحیص کے بعد لارڈ ویول کی تحریک سے یہ طے کر دیا گیا کہ ہر ایک جماعت اپنی طرف سے ایگزیکٹیو کونسل کے ممبران کی ایک فہرست پیش کر دے، اور وایسرائے کو اس میں ردو بدل اور ترمیم کا اختیار دے دیا جائے۔ ایک مصالحانہ رویہ اختیار کرنے کے لیے یہ ایک بہتر صورت تھی، اور اگر چہ ابتدا میں کانگریس نے مطالبہ کیا تھا کہ ہندوستان کی مشترک قومی جماعت ہونے کی حیثیت سے مسلم کوٹے میں دو نشستوں ورنہ ایک نشست کی نامزدگی کا اس کو حق دے دیا جائے، مگر اس تجویز کے منظور کر لینے کے بعد کہ لارڈ ویول کو فہرست میں ردو بدل کا حق حاصل ہے، کانگریس عملاً اس مطالبہ سے دست کش ہو گئی تھی البتہ ایک نشست جس کا لارڈ ویول کو لازمی طور پر خیال رکھنا تھا وہ یونینسٹ پارٹی کی نسبت تھی جس کے لیے خضر حیات خان وزیر اعظم صوبہ پنجاب کا اصرار تھا۔ اور چوں کہ مسٹر جناح اور مسلم لیگ کی طرح زمانہ جنگ میں صوبہ پنجاب اور بالخصوص یونینسٹ پارٹی نے بھی حکومت برطانیہ کی بہت زیادہ امداد کی تھی حتی کہ غلہ اور روپیہ کے علاوہ ۹ لاکھ سپاہی برطانیہ کو دیے تھے لہذا مسٹر جناح کی طرف یونینسٹ پارٹی اور اس کے لیڈر خضر حیات خان کی رضا جوئی بھی لارڈ ویول اور چرچل وایمری کے لیے از بس ضروری تھی۔

بد قسمتی سے مسٹر جناح کی تنگ نظری نے اس کی اجازت ہی نہ دی کہ یونینسٹ پارٹی کو ایک سیٹ دے دی جائے، اور در حقیقت یونینسٹ پارٹی کے نمائندے کا مسئلہ ہی کانفرنس کی ناکامی کا سبب تھا۔

کانگریس کی مجلس عاملہ اور حریت پسند جماعتوں کا اجلاس:

۲۹ رجون ۱۹۴۵ء: ۲۹ رجون کے اجلاس کے بعد ۱۵ روز کے لیے وایسرائے ہند نے کانفرنس کا اجلاس ملتوی کر دیا کہ متعلقہ جماعتیں پوری طرح غور و خوض کر لیں اور اس عرصے میں فہرستیں مرتب کر کے پیش کر دیں۔ مولانا آزاد صدر کانگریس نے ۳ رجولائی کو مجلس عاملہ کے اجلاس کا اعلان کر دیا، اور مذکورہ بالا پانچ جماعتوں جمعیت علمائے ہند، مومن

کانفرنس، مسلم مجلس، انجمن وطن (بلوچستان)، انڈی پنڈنٹ پارٹی (بہار) کے مشترک صدر اور رہ نما کی حیثیت سے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کو بھی شرکت اجلاس کی دعوت دی۔ چناں چہ حضرت موصوف اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ نے ۳،۴؍جولائی ۱۹۴۵ء کو ورکنگ کمیٹی کی چند نشستوں میں شرکت فرمائی۔

۶؍جولائی ۱۹۴۵ء کو کانگریس نے پندرہ ناموں کی فہرست مرتب کر کے وایسرائے پاس بھیج دی جن میں پانچ سورن ہندو، پانچ مسلمان باقی دیگر اقلیتوں کے نمایندے اور وایسرائے اور کمانڈر انچیف تھے۔ لیکن مسلم لیگ کی جانب سے مسٹر جناح نے ایک خط وایسرائے ہند کو لکھا جس میں اس امر کا اطمینان چاہا کہ جو مسلم نمایندے لیے جائیں گے وہ صرف مسلم لیگ کے نامزد کردہ ہوں گے، لارڈ ویول نے ایسا اطمینان دلا کر اپنی صدارت کے اختیارات مسٹر جناح کے حوالے کرنا پسند نہیں کیا۔

(علماے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے: حصہ دوم، ص ۲۲، ۳۱۹)

لیگ کے سوا مسلم نمایندے منتخب کرنے کا کسی کو حق نہیں، مسٹر جناح کا اعلان:

۲۹؍جون ۱۹۴۵ء: شملہ ۲۹؍جون۔ چالیس اخباری نمایندوں کو بیان دیتے ہوئے آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر مسٹر جناح نے اعلان کیا کہ لارڈ ویول کی تجاویز نے بنیادی حیثیت سے مسلمانوں اور اچھوتوں کے علاوہ دوسرے ہندوؤں کے درمیان برابری کا اصول کر دیا ہے۔ مساوات ہمارے لیے کسی رعایت کا پیغام نہیں ہے کیوں کہ ایگزیکیٹو کونسل میں مسلم کوٹہ ایک تہائی سے زیادہ نہیں ہوگا۔ ساری اگر کوٹہ میں مسلمان اقلیت میں ہوں گے۔ کیوں کہ ہندوؤں کا کوٹہ تو مسلمانوں کے برابر ہوگا۔ ہندوؤں کے علاوہ اچھوت اور سکھ نمایندے بھی ہوں گے۔ ابھی یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کس کس قوم کو نمایندگی کا حق دیا جائے گا۔ کیوں کہ اس ایگزیکیٹو کونسل کے ممبروں کی کل تعداد کا معاملہ ابھی فیصلہ طلب ہے۔

(زمزم۔ لاہور: ۳؍جولائی ۱۹۴۵ء)

کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس:

۲۹؍جون ۱۹۴۵ء: شملہ، ۲۹؍جون۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اعلان کیا ہے کہ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس شملہ میں ۳؍جولائی کی دوپہر کو دو بجے ہوگا مولانا آج شام کو گاندھی جی کی خدمت میں حاضر ہوئے غالباً آپ نے گاندھی جی کو لیڈروں کی کانفرنس کے حالات مطلع کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا پنڈت نہرو کل شام آرہے ہیں۔

(زمزم۔لاہور: ۳؍جولائی ۱۹۴۵ء)

ہندوستان کی دردناک حالات کا نقشہ:

۳۰؍جون ۱۹۴۵ء: ماسکو، ۲۷؍جون۔ سوویٹ مصنف ایم منچیف جو ۱۹۴۲ء میں ہندوستان کی سیاحت کے لیے آئے تھے اب انھوں نے ماسکو کے ایک اخبار میں ہندوستان میں اپنے تاثرات بیان فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ ہم نے جو کچھ ہندوستان میں دیکھا ہے اسے ساری عمر فراموش نہیں کر سکتے۔ ہم نے دہاں ایسے انسان دیکھے جن کی چھاتیاں دھنسی ہوئی تھیں۔ جن کی ٹانگیں لکڑی کی طرح تھیں اور جو طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا تھے۔ وہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ہم نے ہندوستانیوں کو ایک نعرے پر متفق دیکھا اور وہ تھا ''ہمیں آزادی دو''۔

ایم منچیف کے خیال میں انسانی مزدوری کا معاوضہ دنیا بھر میں اتنا قلیل نہیں جتنا ہندوستان میں ہے۔ وہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ہم نے دہاں ایسی ریلوے گاڑیاں دیکھیں جو بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار پر چلتی ہیں۔ اور گورے لوگوں کے لیے ایسی ایکسپریس گاڑیاں بھی دیکھیں جن میں درجہ حرارت کم کرنے کا خاص انتظام ہے یہ ہے ''جنت نشان'' ہندوستان میں امیر اور غریب کا فرق۔

(زمزم۔لاہور۔۳۰؍جون ۱۹۴۵ء)

مسٹر جناح کے جواب میں ہمایوں کبیر کا بیان:

۷؍جولائی ۱۹۴۵ء: شملہ، ۲؍جولائی پروفیسر ہمایوں کبیر سیکریٹری صدر کانگریس مولانا ابوالکلام آزاد نے حسب ذیل بیان شایع کیا ہے:

''مسٹر جناح نے پریس کانفرنس میں بیان دیتے ہوئے مختلف اسمبلیوں میں مسلم لیگ کی طاقت واضح کی تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عام انتخابات میں کسی پارٹی کی صحیح طاقت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ گزشتہ عام انتخابات میں صرف چار فیصدی ووٹ مسلم لیگ نے حاصل کیے تھے۔ کوئی پارٹی دیانت داری سے ان ممبروں کو اپنا نہیں بتا سکتی جو اس کے ٹکٹ پر کامیاب نہ ہوئے ہوں۔ اس کے بعد ضمنی انتخابات بھی ہوئے ہیں، لیکن ضمنی انتخابات تائید عام کا ثبوت نہیں۔ تاہم ان میں بھی ہر جگہ مسلم لیگ کامیاب نہیں ہوئی۔ پنجاب میں ڈیرہ غازی خاں کے اندر یونینسٹ پارٹی کے مقابلہ میں اور سندھ میں خاں بہادر مولا بخش کے مقابلے میں لیگ کے امیدوار ناکام رہا۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کے انتخابات میں وہ ۵۰ فیصدی سے زیادہ کامیابی حاصل نہ کرسکی۔ اگرچہ وہاں انتخاب مخلوط تھا۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ مسلمان بڑی اکثریت میں ہیں اور آبادی کا ۱۰۰ فیصدی ہیں۔ سیالکوٹ اور شیخوپورہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے انتخابات میں ناکام رہی۔ کیمبل پور میں ایک نشست بھی حاصل نہ کرسکی۔

کلکتہ کارپوریشن میں مخلوط انتخاب نہیں ہیں۔ وہاں لیگ نے ۲۲ سے ۱۷ نشستیں حاصل کرلیں لیکن ۱۱ ہزار مسلم ووٹوں میں سے لیگ ۶ ہزار سے کچھ زیادہ ووٹ حاصل نہ کرسکی۔ چار ہزار ووٹ لیگ کے خلاف تھے۔ حال آں کہ لیگ شہری حلقوں میں بھی دیہاتی حلقوں کی نسبت زیادہ قوی ہے۔ جہاں تک مجالس وضع آئین کا تعلق ہے لیگ مسلم اکثریت کے صوبوں میں بھی اکثریت نہیں رکھتی۔ ہم نے بنگال میں مسلم لیگ کی مخلوط وزارت کو شکست دی، اگرچہ اسے یورپین پارٹی کی حمایت حاصل تھی۔

لیگ کے ٹکٹ پر ابتدا صرف ۱۳۹ امیدوار

غیر مسلم لیگی مسلمانوں کا مطالبہ۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے نام تار:

شملہ ۳/ جولائی، مولانا ابوالکلام آزاد کے نام ملک کے مختلف حصوں سے اس مضمون کے تار وصول ہوئے ہیں کہ محمد علی جناح مسلمانوں کے واحد نمایندہ نہیں آپ غیر مسلم لیگی مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کریں شمس الدین صدر...... بنگال کریشک پرجا پارٹی نے ایک تار بھی واضح کیا ہے کہ سر ناظم الدین سابق وزیر اعظم کو مسلمانانِ بنگال کی نمایندگی کا

کوئی حقوق نہیں۔

مسلم لیگ کی نمایندہ حیثیت کی مخالفت:

مومن کانفرنس اور شیعہ کانفرنس کا اعلان۔

شملہ ۳ر جولائی۔ مسٹر خلیل الرحمن سیکریٹری بنگال پروونشل مومن کانفرنس نے مولانا ابوالکلام آزاد کو تار دیا ہے کہ پانچ کروڑ مومن مسلم لیگ کی پالیسی کے حامی نہیں۔ مسٹر جناح مومنوں کی نمایندگی نہیں کر سکتے۔ عارضی حکومت میں مومنوں کی نمایندگی دی جائے۔

مرزا جعفر حسین سیکریٹری۔ شیعہ پولیٹیکل کانفرنس نے مطالبہ کیا ہے کہ شیعوں کو جداگانہ حقوق دیے جائیں۔ لیگ کلیتاً سنیوں پر مشتمل ہے اس نے ہمیشہ شیعوں کی نمایندگی کو نظر انداز کیا ہے ۳ر کروڑ شیعوں کو اس پر کوئی اعتماد نہیں۔ (زمزم۔ لاہور: ۷ر جون ۱۹۴۵ء)

مولانا آزاد سے مولانا حسین احمد مدنی کی ملاقات:

شملہ، ۳ر جولائی۔ مولانا حسین احمد مدنی یہاں وارد ہوئے اور مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات کی۔ گفت و شنید دیر تک جاری رہی۔

شملہ کانفرنس کے متعلق مولانا آزاد کی تصریحات:

شملہ کانفرنس کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد اپنے ایک بیان میں فرماتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض حلقوں میں کانگریس کی پوزیشن کے متعلق غلط فہمیاں ہیں جن کی وضاحت کر دینا ضروری ہے، وایسرائے کی طرف سے مجھے شملہ کانفرنس میں شمولیت کے لیے جو دعوت نامہ آیا۔ میں نے وہ ۲۱ر جون کو ورکنگ کمیٹی میں پیش کیا، ورکنگ کمیٹی نے گہرے غور و خوض کے بعد فیصلہ کیا کہ میں کانفرنس سے پہلے وایسرائے سے ملوں، اور اگر اس بات چیت کے بعد میں مناسب سمجھوں تو خود بھی کانفرنس میں شریک ہوں، اور دوسرے کانگریسی مدعوشدگان کو بھی ہدایت کروں کہ وہ اس میں شامل ہوں، میں نے ۲۴ر جون کو صبح وایسرائے سے ملاقات کی اور بعض ابتدائی نکات کی وضاحت حاصل کرنے کے بعد میں

نے کانفرنس میں شرکت کی اور اب تک اس میں حصہ لے رہا ہوں۔

میں اس کانفرنس میں ذاتی حیثیت میں شریک نہیں، بلکہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کی نمایندگی کر رہا ہوں جس نے مجھے پورے اختیارات دے رکھے ہیں، جو مختلف مسایل پیدا ہوں، ان کے متعلق میں جو ضروری سمجھوں، رویہ اختیار کروں، لہٰذا تفاصیل میں تبدیلیاں آرہی ہیں، یا تجاویز کی تفسیریں سامنے آرہی ہیں، ان کا مطالبہ کرنا اور ان کے متعلق فیصلہ کرنا میرا فرض ہے، جب تصویر کی ساری تفاصیل میرے سامنے آجائیں گی، میں ورکنگ کمیٹی کا اجلاس طلب کروں گا اور آخری فیصلہ کے لیے انھیں ان کے سامنے رکھوں گا۔ چوں کہ وہ ابھی مرحلہ نہیں پہنچا، اس لیے بھی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بلانے کا سوال پیدا نہیں ہوا۔ اگر جلد ہی ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ بلانے کی ضرورت محسوس ہوئی، تو یہ میٹنگ شملہ میں بلانے میں سہولت ہوگی، میں نے تمام ممبروں سے درخواست کی ہے کہ وہ تیار رہیں کیوں کہ کسی وقت بھی ہنگامی میٹنگ بلائی جاسکتی ہے، میرا خیال ہے کہ شملہ میں ورکنگ کمیٹی کا اجلاس طلب کرنے کے لیے چار دن کے نوٹس کی ضرورت ہوگی۔

(زمزم۔ لاہور: ۳ر جولائی ۱۹۴۵ء)

ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں:

۳ر جولائی ۱۹۴۵ء: معتبر ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ مولانا آزاد پریذیڈنٹ انڈین نیشنل کانگریس نے وایسرائے کو ایک میمورنڈم پیش کیا ہے، جو ان کی لیڈرز کانفرنس میں اردو میں کی گئی تقریر پر مبنی ہے، اس میں مولانا آزاد نے صدر کانگریس کی حیثیت میں مندرجہ ذیل نکات اٹھائے ہیں، ۱۔ کانگریس میں عارضی اور مستقل انتظام کے طور پر کوئی ایسی چیز قبول نہ کرے گی، جو بطور قومی جماعت کے اس کی حیثیت کو ختم کردے یا کمزور بنا دے، ۲۔ ویول پیش کش کو قبول کرنے کا قطعی اختیار آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو ہی ہے آخری فیصلہ وہی کرے گی اس لیے اس پر سے پابندی ہٹالی جائے، ۳۔ ہندوستان کی قومی فوج ہونی چاہیے۔

معلوم ہوا ہے کہ وایسرائے نے مولانا آزاد سے بات چیت کے دوران اس معاملے کے متعلق یہ رائے ظاہر کی کہ قرین مصلحت نہیں ہے کہ فوج اور عوام کو ایک دوسرے سے غلط

ملط کیا جائے، ۴۔ جاپان کے ساتھ جنگ ختم ہونے کے بعد ہندوستان جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک میں برطانیہ کی امپیریلسٹ پالیسی کی حمایت نہیں کرے گا، بلکہ اس کی مخالفت کرنے میں آزاد ہوگا، ۵۔ اس امر کی وضاحت کردی جائے کہ بعدِ جنگ تعمیری پروگرام میں والیان ریاست کیا حصہ لیں گے؟ (زمزم۔ لاہور: ۳/ جولائی ۱۹۴۵ء)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا بیان:

۴/ جولائی ۱۹۴۵ء: اپریل ۱۹۴۵ء میں لارڈ ویول وایسرائے ہند ملک کے سیاسی مسئلے کے حل کے بارے میں ایک منصوبے پر گفتگو کے لیے لندن گئے۔ وہاں انھوں نے برٹش حکومت کے ارکان سے گفتگو کی اور منصوبے کی منظوری حاصل کی۔ ۱۴/ جون کو مسٹر ایمری وزیر ہند نے دارالعوم میں ہندوستان کے سیاسی مسئلے کے حل کے بارے میں ایک بیان دیا۔ اس کے نتیجے میں ۱۵/ جون کو کانگریس کے تمام رہنما رہا کردیے گئے۔ ۲۵/ جون سے شملہ میں کانفرنس شروع ہوئی۔ کانگریس کے صدر کی حیثیت سے مولانا ابوالکلام آزاد نے اور مسلم لیگ کے لیڈر کی حیثیت سے مسٹر جناح نے اپنی اپنی پارٹیوں کے ساتھ کانفرنس میں حصہ لیا تھا۔

لارڈ ویول کے منصوبے کے مطابق ایگزیکٹیو کونسل میں کانگریس اور لیگ کے پانچ پانچ نمایندوں کے علاوہ چار نمایندے اور تھے، ایک سکھ، دو شیڈول کاسٹ کے اور ایک پنجاب کے چیف منسٹر خضر حیات خان کا، چوں کہ کانگریس کے پانچ نمایندوں میں بھی ایک مسلمان لیا جانا تھا۔ اس طرح کونسل کے چودہ ارکان میں سات مسلمان ہوتے۔ اگرچہ ہندوستان کی آبادی میں مسلم ایک تہائی سے بھی کم تھے لیکن کونسل میں انھیں پچاس فیصدی نمایندگی مل رہی تھی۔ لیکن مسٹر جناح کو یہ بات بہت بری لگی کہ ان میں دو مسلمان ایسے بھی ہوں جو ان کے نامزد کردہ نہ ہوں۔ انھوں نے اصرار کیا کہ کونسل میں تمام مسلمان نمایندوں کو نامزد کرنے کا حق صرف مسلم لیگ کو ہوگا۔ مولانا آزاد کے خیال میں مسلم لیگ اپنے کوٹے میں کسی کو نمایندہ نامزد کرسکتی تھی لیکن کانگریس کے کوٹے میں کوئی مسلمان ہو یا نہ ہو اور اگر ہو تو کون ہو، اس بارے میں انھیں حکم لگانے کا کوئی حق نہ تھا۔ مولانا آزاد نے لکھا ہے:

''ہم اس کے لیے تیار تھے کہ جہاں تک ممکن ہو مسلم لیگ کی خواہشوں کو پورا کریں، لیکن مسٹر جناح نے ایسا رویہ اختیار کیا کہ مفاہمت کی گنجایش نہ رہی.......... مسٹر جناح کے اس مطالبے کو وایسرائے بھی ماننے پر آمادہ نہ ہو سکے''۔

نیتجتاً مسٹر جناح کے اس بے جا اصرار کی وجہ سے شملہ کانفرنس ناکام ہوگئی۔(۱)

چوں کہ ملک کی جنگ آزادی کا ایک اہم عنصر قوم پرور مسلمان اور ترقی پسند سیاسی جماعتیں تھیں اور مولانا حسین احمد مدنی کی صدارت میں ان کے رہ نماؤں کا ایک اجلاس ہو چکا تھا اس لیے صلاح ومشورہ کے لیے مولانا آزاد نے حضرت مدنی کو شملہ بلایا تھا۔ حضرت مدنی نے مناسب سمجھا کہ ایک بیان کے ذریعے قوم پرور مسلمانوں کی طرف سے مولانا آزاد پر اپنے اعتماد کا اظہار کر کے ان کی حیثیت کو مضبوط کر دیا جائے۔ حضرت مدنیؒ کا بیان یہ ہے:

۴؍جولائی کو مولانا حسین احمد مدنی صدر جمعیت العلما نے اخبارات کو بیان دیتے ہوئے ''قوم پرور'' مسلمانوں کی جانب سے صدر کانگریس مولانا ابوالکلام آزاد کی لیڈری پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا اور کہا کہ وہ ملک کی ہر ترقی یافتہ طاقت کے ساتھ اپنے مشترکہ مقصد مکمل آزادی کے حصول کے لیے جس میں برطانوی دولت مشترکہ سے علاحدگی کا حق بھی حاصل ہو اشتراک عمل کرنے کے لیے تیار ہیں۔

انھوں نے کہا کہ میں شملہ میں صدر کانگریس کی دعوت پر اور ان کی ورکنگ کمیٹی کے روبرو اس تجویز کی وضاحت کرنے کے لیے آیا ہوں، جو قوم پرور مسلم جماعتوں کے اس جلسے میں پاس کی گئی ہے۔ جس کا اجلاس ۲۸؍جون کو میری زیر صدارت میں دہلی میں ہوا تھا۔ اس کانفرنس کا مقصد تمام قوم پرور مسلمان جماعتوں کے ویول تجاویز پر نظریات کی وضاحت کرنا تھا جس پر آج کل شملے میں بحث ہو رہی ہے نیشنلسٹ مسلمان اس تجویز کو اس حد تک لبیک کہنے کے لیے تیار ہیں جہاں تک اس سے ہندوستان کی آزادی کے حصول کی طرف قدم اُٹھتا ہے، اس لیے ہم اس پلان کو اس جدوجہد اور قربانیوں کی روشنی میں دیکھیں

۱۔ تفصیلی مطالعے کے لیے دیکھیے انڈیا ونس فریڈم (اردو) مولانا ابوالکلام آزاد مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری، باب ''شملہ کانفرنس''

گے جو پچھلے ۲۵ سال سے ان کی تاریخ بن گئی ہے اس لیے یہ چیز صاف ہے کہ شملہ کانفرنس کے نتیجے کا زیادہ تر انحصار لارڈ ویول کے طریقۂ عمل و نیت پر ہے مگر میں ساتھ ہی ساتھ قوم پرور مسلمانوں کی طرف سے صدر کانگریس مولانا ابوالکلام آزاد کی لیڈری پر اظہار اعتماد کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ وہ ملک کی ہر ترقی یافتہ طاقت کے ساتھ اپنے مشترکہ مقصد ایسی آزادی کے حصول کے اشتراک عمل کرنے کو تیار ہیں جس میں برطانوی دول مشترکہ سے علاحدگی کا حق ملے''۔ (ماہنامہ نئی زندگی، آلہ آباد: ستمبر ۱۹۴۵ء)

حضرت مولانا مدنی نے اپنے بیان میں ۲۸؍ جون کے جس اجلاس کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس کی تفصیل یہ ہے:

۲۸؍ جون ۱۹۴۵ء کو جمعیت علماے ہند کی مجلس عاملہ کا ایک اجلاس دفتر جمعیت علماے ہند (گلی قاسم جان) دہلی میں ہوا۔ اس میں ارکان عاملہ کے علاوہ دوسری مجالس اور اداروں کے ذمے دار زعما کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ چناں چہ اس اجلاس میں خواجہ عبدالمجید صدر مسلم مجلس، ڈاکٹر شوکت اللہ انصاری جنرل سکریٹری مسلم مجلس، خان بہادر شیخ محمد جان ایم ایل سی بنگال، مولانا محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند، ہلال احمد زبیری مدیر اخبار انصاری (دہلی)، فخرالدین احمد ایم ایل اے آسام و سابق وزیر آسام وغیرہم مشاہیر ملک نے شرکت فرمائی۔ تقریباً چار گھنٹے کی بحث و تمحیص اور غور و فکر کے بعد مندرجہ ذیل تجویز منظور ہوئی:

''آزاد خیال مسلم جماعتوں کا یہ مشترکہ جلسہ اس امر کا اظہار ضروری سمجھتا ہے کہ ویول پلان جو موجودہ سیاسی جمود کو ختم کرنے اور ملک میں حکومت کا عارضی نظام جاری کرنے کے لیے زیر بحث ہے، وہ نہ صرف ہندوستانی مطالبات کے لحاظ سے قطعاً ناکافی ہے بلکہ اس میں ویٹو کا اختیار جمہوری اصول کے بھی سراسر منافی ہے۔ مگر چوں کہ یہ دوران جنگ کے لیے ہے اور لارڈ ویول اور وزیر ہند اس بات کا یقین دلا رہے ہیں کہ بغیر مجبوری کے ویٹو کا استعمال نہیں کیا جائے گا۔ ہم اس کو موجود عارضی وقت کے لیے مناسب سمجھتے ہیں''۔

یہ جلسہ یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہے کہ مسلم لیگ ملک میں مسلمانوں کی واحد نمایندہ جماعت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ آزادی پسند اور ملک کے حقیقی مفاد کی داعی اور اس کے لیے کام کرنے والی دوسری جماعتیں بھی ہیں، جن کی آزادی وطن کے لیے قربانیاں تمام

ملک کے سامنے ہیں‘‘۔(۱)

لیگی لیڈر کا بیان:

۴؍جولائی ۱۹۴۵ء: شملہ،۴؍جولائی۔ایک مسلم لیگی لیڈر نے بیان کیا کہ مسلم لیگ حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی طاقت ور ہے اور وہ ہرگز کوئی ایسا اقدام نہیں کرے گی جس سے مسلمانان ہند کے مفاد اور مقصود کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔

(زمزم۔لاہور: ۷؍جولائی ۱۹۴۵ء)

کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس:

۴؍جولائی ۱۹۴۵ء: شملہ،۴؍جولائی، سہ شنبہ کو کانگریس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں مولانا ابوالکلام آزاد نے وایسرائے سے اپنی ملاقات اور موضوع گفت وشنید کے متعلق ایک طویل بیان دیا۔(یہ ملاقات لیڈروں کی کانفرنس سے پہلے ہوئی تھی) ایک مختصر تمہید کے بعد گاندھی جی نے تقریر شروع کی ابھی یہ ختم نہ ہوئی تھی کہ اجلاس برخاست ہوگیا۔

مولانا حسین احمد صاحب مدنی کو اجلاس میں شرکت کے لیے خاص طور سے مدعو کیا گیا ہے تاکہ وہ قوم پرور مسلمانوں کا نظریہ پیش کرسکیں۔

(زمزم۔لاہور: ۷؍جولائی ۱۹۴۵ء)

اصلاح وتجدید فقہ اسلامیہ کی مہم مولانا ابوالکلام آزاد کا بیان:

۴؍جولائی ۱۹۴۵ء: شملہ،۴؍جولائی۔مولانا ابوالکلام آزاد نے مندرجہ ذیل بیان شایع کیا ہے:

’’میں قلعہ احمد نگر میں نظر بند تھا کہ ریوٹر کی شایع کردہ ایک خبر سے میرا دل بہت متاثر ہوا۔خبر یہ تھی کہ علمائے فلسطین نے فقہا کی ایک مجلس قایم کی ہے جو اسلامی قانون پر نظر ثانی اور اس کو اسلام کے بنیادی اصول کے مطابق از سر نو منظم کرے گی تاکہ یہ قانون عصر حاضر کی ضرورتوں کا کفیل ہوسکے۔یہ مجلس فقہ حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی کو جمع کرے گی اور اس مجموعے

۱۔جمعیت العلماء کیا ہے؟ حصہ دوم: ص ۲۸۰۔

کے خاص مسایل کے متعلق موزوں اور مناسب احکام اور ہدایات مرتب کی جائیں گی۔ مجلس فلسطین کا مقصد مسلمانانِ عالم کی اہم ترین مذہبی اور معاشرتی ضرورتوں کا پورا کرتا ہے۔ وہ تمام مسلمان جو اصلاح اور ترقی کی شدید ضرورت محسوس کرتے ہیں، اس مجلس کا خیر مقدم کریں گے۔ اگر یہ مجلس اپنے عزایم اور مقاصد میں کامیاب ہوگئی تو ان تمام خوابوں کی تعبیر پوری ہو جائے گی جو ۱۹ ویں صدی عیسوی کے مسلمان مصلحین دیکھا کرتے تھے، یہ لوگ نشاۃ ثانیہ اور تجدید و تجدد کے خواب ہی دیکھتے رہے۔ اپنی زندگی میں دلی مقصود حاصل نہ کر سکے۔

شیخ محمد عبدہ مصری ۱۹ ویں صدی کے ممتاز ترین مصلح تھے۔ اعرابی پاشا کی ناکام بغاوت کے بعد شیخ موصوف کو بیروت میں جلا وطن کر دیا گیا۔ اس حالت میں آپ نے شیخ الاسلام قسطنطنیہ سے ایک مکتوب کے ذریعے اسلامی قانون کی اصلاح کے لیے درخواست کی چوں کہ وہ زمانہ سازگار نہ تھا اس وجہ سے یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ سلطان عبدالحمید خاں کا عہد سلطنت اس قدر رجعت پسند واقع ہوا تھا کہ اصلاح کا نام لینا بھی جرم تھا۔ علما فلسطین کا یہ اقدام کچھ نیا نہیں۔ اصلاح کی بنیاد آج سے صدیوں پیشتر رکھ دی گئی تھی۔ لیکن اس زمانے کے علما کی یہ تجویز رجحانات عصری سے بہت آگے تھی۔ اس وقت کی قدامت پسندی ان علما کے نئے خیالات کا تاب نہ لا سکے۔

مجلس فلسطین نے جو اصول اصلاحی قانون اسلامی کے لیے وضع کیا ہے شیخ احمد ابن تیمیہ اور ان کے پیرو ابن قیم اسی اصول کے مطابق اصلاح چاہتے تھے۔

یمن کے مشہور عالم قاضی محمد شوکانی نے اپنی مجوزہ اصلاح کی بنیاد انہی اصول پر رکھی تھی، جو ان کی مشہور کتاب ''نیل الاوطار'' میں درج ہیں۔ یہ کتاب موجود ہے اور اصلاح کی کوشش میں ہماری رہ نما ہوگی۔ ہمیں اسی بنیاد پر اصلاح کی ایسی عمارت بنانی ہے جو عصری ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

مصر عہد حاضر میں اسلامی تعلیم کا بڑا مرکز ہے۔ اس قسم کی اہم اصلاح کی تکمیل میں مصر کو پیش پیش ہونا چاہیے۔ سلطان ابن سعود ابن تیمیہ اور ابن قیم کے ہم عقیدہ ہیں، اور ان سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ تحریک اصلاح کے علم بردار بنیں، لیکن نہ مصر لے اصلاح کے میدان میں قدم آگے بڑھایا نہ حجاز نے حق رہ نمائی ادا کیا۔ اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی تو ایک غیر

متوقع مقام میں، فلسطین میں یہ اقدام اس لیے اور بھی سزاوار تحسین ہے کہ فلسطین سے کسی کو یہ توقع نہیں ہوسکتی تھی۔ ان حالات میں مجلس فلسطین کا قیام ایک بین الاقوامی اہمیت کا واقعہ ہے۔

افسوس ہے کہ علمائے فلسطین کی اس تحریک سے ہندوستان اور دوسرے ممالک نے کوئی اثر قبول نہیں کیا، میں نے حالت نظر بندی ہی میں تہیہ کرلیا تھا کہ رہا ہونے کے بعد مسلمانان ہندوستان کی طرف سے اس تحریک کا خیر مقدم کروں گا۔ آج میں مجلس فلسطین کو مخلصانہ تبریک پیش کرتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ ہندوستان کے روشن خیال اور ترقی پسند علما اس محترم مقصد کے حصول میں اس کے ساتھ تعاون کریں گے۔ اور امکانی مدد دیں گے۔

(زمزم۔ لاہور: ۱۹؍ جولائی ۱۹۴۵ء)

کانگریس ۱۱؍ نام پیش کرے گی:

۴؍ جولائی ۱۹۴۵ء: شملہ ۱۴ جولائی، یونائیٹڈ پریس کو معلوم ہوا ہے کہ کانگریس کی طرف سے مجوزہ ایگزیکیٹو کونسل کے لیے سولہ نام پیش کیے جائیں گے، جن میں تمام جماعتوں کے افراد شامل ہوں گے۔

ایسوسی ایٹڈ پریس کی اطلاع ہے کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی گیارہ نام پیش کرے گی جن کی تفصیل یہ ہے:

جاتی کے ہندو ۴، غیر کانگریسی ہندو ایک، ہندوستانی عیسائی ایک، سکھ ایک، قوم پرور مسلمان ۲، پس ماندہ اقوام ایک اور پارسی ایک۔ (زمزم۔ لاہور: ۷؍ جولائی ۱۹۴۵ء)

مسلمانانِ ہند کے نام مولانا آزاد کا پیغام:

شملہ ۴؍ جولائی۔ مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس نے ''بمبئی کرانیکل'' کے نامہ نگار خصوصی کو ایک بیان دیتے ہوئے مسلمانانِ ہند کو حسب ذیل پیغام دیا:

مسلمانانِ ہند کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ کانگریسی مسلمان ان کی جائز شکایات اور شکوک سے بے خبر ہیں، درحقیقت وہ دوسروں کی نسبت مسلمانوں کی شکایات کو زیادہ سمجھتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ان شکایات کو دور کرنے کا بہتر طریقہ کیا ہے؟ قوم پرور مسلمانوں اور مسلم

لیگ کے درمیان اصل مقصود کے متعلق اختلاف نہیں، دونوں یہ چاہتے ہیں مسلمان آزاد ہندوستان میں باعزت خوش حال زندگی بسر کریں۔ اختلاف اس مقصد کو حاصل کرنے کے طریقوں کے متعلق ہے۔ اگر ہم کوشش کریں تو طریق کار کے متعلق یہ اختلاف بھی دور ہوسکتا ہے، اس کے لیے وسیع النظری، فراخ دلی اور اخلاص مندی کی ضرورت ہے۔
(زمزم۔لاہور:۷رجولائی ۱۹۴۵ء)

مولانا لدھیانوی کی رہائی:

۴رجولائی ۱۹۴۵ء: لاہور: ۴رجولائی۔ کل حکومت پنجاب نے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کو رہا کردیا ہے۔ ایسوسی ایٹڈ پریس کا بیان ہے کہ یہ رہائی مولانا ابوالکلام آزاد کے ایما سے عمل میں آئی ہے۔ (زمزم۔لاہور:۷رجولائی ۱۹۴۵ء)

اچاریہ کرپلانی کا بیان:

شملہ، ۱۴رجولائی، اچاریہ کرپلانی نے ایک بیان میں واضح کردیا کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی ایگزیکٹیو کونسل کے ممبروں کے متعلق وایسرائے کے اعلان سے پہلے کوئی بیان شایع نہیں کرے گی۔ (زمزم۔لاہور:۷رجولائی ۱۹۴۵ء)

اکالی دل کو کانگریس میں شرکت کی دعوت:

۵رجولائی ۱۹۴۵ء: شملہ، ۵رجولائی۔ معلوم ہوا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے ماسٹر تارا سنگھ کو ایک مکتوب ملفوف بھیجا ہے جس میں اکالی دل کو بحیثیت مجموئی کانگریس میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔ اکالی دل کی ورکنگ کمیٹی اس دعوت پر غور کرے گی۔
(زمزم۔لاہور:۷رجولائی ۱۹۴۵ء)

کانگریس ورکنگ کمیٹی میں عام مسایل پر بحث:

۵رجولائی ۱۹۴۵ء: شملہ، ۵رجولائی۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس کل صبح ۹ بجے مولانا ابوالکلام آزاد کی قیام گاہ پر ہوا۔ دو گھنٹے تک بحث و تمحیص ہوتی رہی۔ دوسرا اجلاس

گاندھی جی کی قیام گاہ پر ہوا جو چار گھنٹے تک جاری رہا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اجلاس کے بعد نمایندگان اخبار کو بتایا کہ گفت وشنید عام مسایل پر ہوئی۔

(زمزم۔ لاہور: ۷ر جولائی ۱۹۴۵ء)

قوم پرور مسلمانوں کا مولانا آزاد پر اعتماد:

شملہ، ۵ر جولائی۔ مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے ایک بیان میں واضح کیا ہے کہ ہندوستان کے قوم پرور مسلمانوں کو مولانا ابوالکلام آزاد کی قیادت پر کامل اعتماد ہے اور ترقی پسند مسلمان ان کے ساتھ تعاون کے لیے تیار ہیں۔

(زمزم۔ لاہور: ۷ر جولائی ۱۹۴۵ء)

کانگریس کن مسلمانوں کو نامزد کرے گی:

شملہ، ۵ر جولائی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی وایسرائے کی ایگزیکیٹو کونسل کے لیے جو فہرست پیش کرے گی اس میں ڈاکٹر ذاکر حسین اور مسٹر آصف علی کا نام بھی شامل ہوگا۔ (زمزم۔ لاہور: ۷ر جولائی ۱۹۴۵ء)

کانگریس ویول اسکیم کو قبول کرلے گی:

شملہ، ۵ر جولائی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ کانگریس ویول اسکیم کو قبول کرلے گی۔ کانگریسی لیڈر یہ سمجھتے ہیں کہ عہدے قبول کرنے سے آئینی اسمبلی طلب کرنے میں آسانی ہوگی۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے شملہ کانفرنس کے انعقاد سے پہلے وایسرائے سے مل کر مندرجہ ذیل امور کے متعلق اطمینان حاصل کرلیا تھا۔

۱۔ وایسرائے کے ویٹو اختیارات کا استعمال، ۲۔ جنگ کے خرچ کا مسئلہ (یہ خرچ کمانڈر انچیف کے کنٹرول میں ہوگا اور اس کی بہم رسانی کی ذمہ دار فنانس ممبر پر ہوگی)، ۳۔ آیا لارڈ ویول کی اسکیم میں ہندوستان کی آیندہ آئینی ترقی کے امکانات ہیں، ویٹو کے اختیارات کے استعمال کے متعلق کانگریس کو جو شکوک وشبہات تھے لارڈ ویول اور مولانا

آزاد کی ملاقات کے بعد دور ہو گئے، مصارف جنگ کے متعلق ویسرائے نے مولانا آزاد کو بتایا کہ وزیر جنگ مصارف جنگ کے لیے بجٹ پیش کرے گا لیکن فنانس ممبر اس پر غور کرے گا، اور یہ کہہ نہ سکے گا کہ بجٹ میں کس حد تک تحقیق کی جائے گی اور مصارف کس حد تک برداشت کیے جائیں گے، مولانا آزاد نے ان شکوک کے ازالے کے لیے کانگریسی لیڈروں کو شملہ کانفرنس میں شریک ہونے کی ہدایت کردی۔ کانفرنس میں بھی یہ مسایل زیر بحث آئے تھے اور کانگریسی نمایندے لارڈ ویول کی تصریحات سے مطمئن ہو گئے۔

(زمزم۔ لاہور: ۷ر جولائی ۱۹۴۵ء)

۶ر جولائی ۱۹۴۵ء: ۶ر جولائی ۱۹۴۵ء کو کانگریس نے پندرہ ناموں کی فہرست مرتب کر کے وایسرائے کے پاس بھیج دی مگر مسٹر جناح صاحب نے یہاں بھی یورپین گروپ کے اشاروں پر رقص کرتے ہوئے طرح طرح کی شرطین لگائیں، اور نتیجہ یہ ہوا کہ لارڈ ویول نے اسی میں نجات سمجھی کہ ۱۴ر جولائی ۱۹۴۵ء کو کانفرنس کی ناکامی کا اعلان کردیا۔

شملہ کانفرنس ۱۴ر جولائی تک ملتوی ہو گئی:

۳۰ر جون ۱۹۴۵ء: شملہ ۳۰ جون، جس وقت کانفرنس شروع ہوئی تو معلوم ہوا ہے کہ پنڈت گووند بلبھ پنتھ نے ایک بیان دیا جس میں بتایا کہ لیگ اور کانگریس کے درمیان مفاہمت کی جو بات چیت ہو رہی ہے وہ منقطع ہو گئی ہے، اس کے بعد لارڈ ویول نے صدر لیگ سے پوچھا انھوں نے بھی اس بات کی تائید کردی؛ اس کے بعد معلوم ہوا کہ لارڈ ویول نے یہ اعلان کیا کہ کانگریس اور لیگ اپنے اپنے امیدواروں کے نام پیش کریں جو آٹھ سے لیکر بارہ تک ہوں، سکھوں سے کہا گیا کہ وہ اپنے تین نمایندوں کے نام پیش کریں، اسی طرح پارسیوں اور اچھوتوں کو اپنے اپنے امیدواروں کے نام پیش کرنے کی درخواست کی گئی، امیدواروں کی نامزدگی کا فیصلہ لارڈ ویول کریں گے۔ جب ملک خضر حیات خاں کے ایک سوال کے جواب میں لارڈ ویول نے بتایا کہ ان ناموں کے متعلق مکمل رازداری سے کام لیا جائے گا۔ اس کے بعد کانفرنس ۱۴ر جولائی تک ملتوی ہو گئی۔

شملہ ۳۰ر جون۔ ایک سرکاری اعلان مظہر ہے کہ آج لیڈرز کانفرنس ۱۱ بجے منعقد

ہوئی۔ اس کے بعد ملتوی کردی گئی تاکہ تمام لیڈر مزید گفت وشنید کرسکیں، یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ لیڈرز کانفرنس ۱۴ر جولائی کو شملہ میں ہی منعقد ہوگی۔

(زمزم۔ لاہور: ۳ر جولائی ۱۹۴۵ء)

مسلم ارکان کے انتخاب کا حق، جناح کا بیان:

شملہ، ۳۰ر جون۔ مسٹر ایم اے جناح پریذیڈنٹ آل انڈیا مسلم لیگ نے پریس کانفرنس میں ویول تجاویز کے سلسلے میں کہا کہ ان تجاویز کے مطابق ہندوؤں اور مسلمانوں کی نشستیں برابر ہوں گی۔ لیکن یہ برابری محض ایک دھوکا ہے، دراصل ایگزیکٹیو کونسل میں مسلمانوں کی نشستیں ایک تہائی ہوں گی اور وہ اقلیت میں ہوں گے۔ کیوں کہ ایگزیکٹیو کونسل میں اچھوتوں کے نمایندے بھی ہوں گے سکھوں کے بھی اور نہ جانے اور کس کس فرقہ کو نشست مل جائے گی۔ کیوں کہ ابھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایگزیکٹیو کونسل کے ممبروں کی کل تعداد کیا ہوگی۔ کسی بھی بات میں کانگریس اچھوتوں اور سکھوں کو اپنی طرف کرلے گی۔ اس کے باوجود ہم کسی بھی منصفانہ اور معقول فیصلہ میں شامل ہونے کے لیے تیار ہیں، کانگریس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ مسلم نشستوں کے لیے بھی نام دے سکتی ہے، ہوسکتا ہے کہ کوئی دوسری پارٹی بھی اس طرح کا دعویٰ کرے، ہم حل تو نکالنا چاہتے ہیں لیکن موجودہ حالات میں اس بات کو کہ کانگریس یا دوسری کوئی پارٹی مسلم ممبر کا انتخاب کرے، اصولی یا عملی طور پر کسی طرح بھی قبول نہیں کیا جاسکتا۔ (زمزم۔ لاہور: ۳ر جولائی ۱۹۴۵ء)

مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کا فیصلہ:

۷ر جولائی ۱۹۴۵ء: آل انڈیا مسلم لیگ کمیٹی کے فیصلے کے بارے میں محمد علی جناح نے ایک خط مورخہ ۷ر جولائی ۱۹۴۵ء کو وایسرائے کو لکھا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ جب اگست ۱۹۴۰ء میں آپ کے پیش رو لارڈ لن لتھگو نے اسی نوعیت کی تجویز پیش کی تھی تو ورکنگ کمیٹی نے اس کی مخالفت کی تھی جب وایسرائے کے علم میں مسلم لیگ کا اعتراض آیا تو اس نے اپنے خط مورخہ ۲۵ر ستمبر ۱۹۴۰ء میں متبادل طریق کار تجویز کیا تھا۔ اس کے مطابق پینل دینے کی پابندی ختم کردی تھی اور طے پایا تھا کہ وایسرائے اور پارٹی لیڈر کے درمیان رازدارانہ بات

چیت سے فیصلہ کیا جائے۔ مسلم لیگ نے اسے قبول کیا تھا۔ ورکنگ کمیٹی کی اب بھی یہی رائے ہے کہ سابقہ طریقہ کو اس مرتبہ بھی اختیار کیا جائے کم از کم مسلم لیگ کی حد تک۔

ورکنگ کمیٹی نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ مجوزہ ایگزیکٹو کونسل کے تمام مسلمان ممبر مسلم لیگ سے چنے جائیں اور ان کے بارے میں فیصلہ عزت ماب وایسرائے اور صدر آل انڈیا مسلم لیگ راز دارانہ بات چیت کے ذریعے کریں اور یہ فیصلہ فہرست کی تاج برطانیہ کی قطعی منظوری حاصل کرنے سے قبل ہونا چاہیے۔ ورکنگ کمیٹی اسے بنیادی اصول محسوس کرتی ہے۔ علاوہ ازیں دیگر معاملات کے ورکنگ کمیٹی نے اس امر پر بھی بطور خاص غور کیا ہے کہ اکثریت کے غیر منصفانہ فیصلوں کے خلاف موثر تحفظ فراہم کیا جائے۔ اس مسئلہ پر کونسل کے ممبروں کی تعداد اور تشکیل کے اصول طے پانے کے بعد غور کیا جا سکتا ہے۔ حسن امام کے مطابق ورکنگ کمیٹی ویویل پلان کو مسترد کرنے پر متفق نہ تھی۔ دراصل "وایسرائے کی کونسل جناح کو سخت موقف اختیار کرنے پر اکساتی تھی اور وایسرائے کو اس کا علم ہی نہ تھا"۔ ہڈسن لکھا ہے کہ "لیاقت علی خاں مفاہمت کے حق میں تھے"۔

جناح کے انکار سے مولانا کو شدید صدمہ ہوا:

وایسرائے لکھتا ہے کہ جب مولانا کو جناح کے انکار کا پتا چلا تو انھیں شدید صدمہ پہنچا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے لکھا ہے مسلم لیگ کے رویے کو دیکھتے ہوئے مولانا نے چھوٹے سیاسی گروہوں کو ساتھ ملانے کی کوششیں شروع کیں چناں چہ انھوں نے ماسٹر تارا سنگھ کو کانگریس کے مکمل تعاون کی پیش کش کی بہ شرطے یہ کہ سکھ کانگریس کے مشورے سے متفقہ نام تجویز کریں۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق مسٹر جناح نے ۹/جولائی کو ڈیڑھ گھنٹے تک وایسرائے سے ملاقات کی، اس دوران میں ان کی ساری کوشش یہ تھی کہ وایسرائے ان کے اس مطالبے کو تسلیم کرلے کہ تمام مسلمانوں کو نامزد کرنے کا مکمل اختیار صرف مسلم لیگ کو ہے، وایسرائے نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو مسٹر جناح نے مسلم لیگ کے ناموں کی فہرست دینے سے انکار کر دیا لیکن جاتے جاتے مسٹر جناح وایسرائے کو کہہ گئے کہ وہ اس کا تحریری جواب بھیجوا دیں، وایسرائے کا خیال ہے کہ یہ کہہ کر دراصل مسٹر جناح نے گفتگو کے لیے دروازہ

کھلا رکھا ہے تا کہ کانفرنس کی ناکامی کی ذمہ داری ان پر نہ آئے۔

۲۹ر جولائی کی کارروائی سے مترشح ہوتا ہے کہ کانگریس میں موجودہ دیگر کانگریسی رہ نماؤں نے مولانا کی تجویز کی مکمل تائید کی تھی اور انھوں نے بااصرار کہا تھا کہ کانگریس کی لسٹ میں شیڈولڈ کاسٹ، اینگلو انڈین اور مسلمان ممبر ضرور شامل کیا جائے گا۔ خضر حیات نے وایسرائے سے کہا تھا کہ ان کی طرف سے جو لسٹ فراہم کی گئی ہے اسے مخفی رکھا جائے میری قطعی تجویز کو کانگریس میں زیرِ غور نہ لایا جائے۔ وایسرائے نے یقین دلایا کہ لسٹ کی رازداری افشا نہیں ہوگی۔

خواجہ ناظم الدین نے پنجاب سے خضر حیات کے بجائے فیروز خاں نون کا نام شامل کرنے کی تجویز دی:

۳ر جولائی کو خواجہ ناظم الدین نے لارڈ ویول کو ایک انتہائی خفیہ اور ذاتی فوری تار دیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ مسٹر جناح ایسے پنجابی مسلمان کو کونسل میں قبول کرے گا۔ جو کانگریس یا مسلم لیگ کا ممبر نہ ہو۔ بہ شرطے یہ کہ اس پر اتفاق ہو جائے بمعہ چیف منسٹر پنجاب، اسے پنجابی مسلمان کہا جائے گا نہ کہ ''پنجاب یونین ممبر'' خواجہ ناظم الدین کو یقین تھا کہ ملک فیروز خاں نون مناسب پسند ہے۔ آگے چل کر خواجہ ناظم الدین نے کہا کہ اگر کانگریس کا مسلمان نمائندہ شامل کیا گیا تو وہ اس سے اتفاق نہیں کرے گا اور کانفرنس ناکام ہو جائے گی۔ (ابوالکلام آزاد اور قوم پرست.........: ص ۲۴۱-۲۴۰)

عجیب و غریب تجویز خفیہ بات چیت کا مطالبہ:

۷ر جولائی ۱۹۴۵ء: ۷ر جولائی ۱۹۴۵ء کو مسٹر جناح نے لارڈ ویول کے نام ایک خط لکھا اس کا اہم حصہ درج ذیل ہے:

میں نے کانفرنس کے آخری روز آپ کی طرف سے پیش کردہ تجویز ورکنگ کمیٹی کے سامنے رکھی، بعد از غور فیصلہ کیا گیا کہ کمیٹی کا نظریہ آپ کے روبرو رکھا جائے جو حسب ذیل ہے:

۱۔ اگست ۱۹۴۰ء میں جب آپ کے پیش رو لارڈ لنلتھگو نے ایک ایسی ہی پیش کش کی تھی اور ورکنگ کمیٹی نے اسے نامنظور کر کے اس کے خلاف اعتراضات روانہ کیے تھے۔ تو لارڈ لنلتھگو نے ان اعتراضات کو درست تسلیم کرتے ہوئے اپنی پہلی پیش کش کو واپس لے لیا، اور اس کے بجائے نئی تجویز کرتے ہوئے ایک مراسلہ لکھا جس کا اقتباس حسب ذیل ہیں:

''میں آپ کی طرف سے پیش کردہ اعتراضات اور آپ کی بیان کردہ مشکلات کا احساس کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے اسے ایگزیکیٹو کونسل کی ممبران کی فہرست پیش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی فہرست کا معاملہ اس کے صدر اور میرے درمیان خفیہ بات چیت میں طے ہونا چاہیے''

مسلم لیگ نے یہ نعم البدل منظور کر لیا، اب بھی کمیٹی کی رائے ہے کہ جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے اس کے ساتھ فہرست کے متعلق اسی قاعدے سے عمل کیا جانا چاہیے جو آپ کے پیش بنا گئے ہیں۔

۲۔ ورکنگ کمیٹی کی یہ زوردار رائے ہے کہ مجوزہ ایگزیکیٹو کونسل کے تمام مسلم ممبران کا انتخاب مسلم لیگ کے پیش کردہ ناموں میں سے ہی کیا جائے اور آخری فہرست کو حکومت برطانیہ کے سامنے پیش کرنے سے پہلے مسلم لیگ کے صدر اور وائسرائے کے درمیان ایک خفیہ ملاقات میں اس پر بحث کرنے کے بعد تمام معاملہ طے کیا جائے۔

(مدینہ: ۲۱ر جولائی ۱۹۴۵ء جلد ۳۴ نمبر ۵۴)

غالباً اسی تجویز کی بنا پر مسٹر جناح نے وائسرائے سے فہرست دیکھنے کی خواہش کی مگر وائسرائے نے انکار کر دیا۔ چناں چہ وائسرائے نے اپنے ۱۴ر جولائی ۱۹۴۵ء کے مذکورہ بالا بیان میں فرمایا:

''میں نے اپنا پورا انتخاب مسٹر جناح کو نہیں دکھایا، اور نہ ہی دوسرے لیڈروں کو اپنی فہرست دکھائی، کانفرنس ناکام ہوگئی''۔

بہ ہر حال اس تجویز نے اس پردے کو یقیناً فاش کر دیا کہ لارڈ لنلتھگو کے زمانے میں مسٹر جناح کی پالیسی وائسرائے کے ساتھ خفیہ سازباز کا نتیجہ تھی۔

(علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے: حصہ دوم)

ایک غلط خبر کی تردید:

۸؍جولائی ۱۹۴۵ء: میری توجہ منشور اخبار مورخہ ۸؍جولائی ۱۹۴۵ء پر دلائی گئی جس میں بتاریخ ۷؍جولائی ۱۹۴۵ء کے انجمن کے جلسے کی کارروائی درج ہے۔ میری وقتی صدارت میں محض ایک تجویز جو کہ امریکن مصنف کی ایک کتاب کے خلاف تھی منظور ہوئی تھی لیکن متذکرہ اخبار دیکھنے سے معلوم ہوا کہ تین تجویزیں اور ظہور احمد خان مسلم لیگی نے اپنی جانب سے شامل کر دیں ایک تجویز مسٹر جناح پر اعتماد کے متعلق تھی دوسری میں وایسرائے ہند کو خط لکھا گیا تھا تیسری میں پیشوائے اعظم حضرت مولانا ابوالکلام صاحب مدظلہ کے متعلق تھی، میں بذریعہ اخبارات یہ اعلان کرتا ہوں کہ یہ تینوں تجویزیں میری صدارت میں قطعی منظور نہیں ہوئیں میں ان کی تردید کرتا ہوں خادم ملت (مولوی) عبدالقیوم بقلم خود۔ (سہارن پور ۱۵؍اگست ۱۹۴۵ء)'(زمزم۔لاہور: ۲۳؍اگست ۱۹۴۵ء)

جمعیت علماے اسلام کا قیام:

۱۱؍جولائی ۱۹۴۵ء: ۱۱؍جولائی کو بمقام دارالدین اسلامی مچھوا بازار، کلکتہ میں علماء فضلا کے ایک اجتماع میں جو مولانا عبدالقادر آزاد سبحانی کی صدارت میں ہوا تھا ایک کل ہند جمعیت علماے اسلام قایم کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

جمعیت علماے اسلام کے ناظم مولانا سید محمد قریش شمسی نے ''نظام نامہ کل ہند جمعیت علماے اسلام'' کے عنوان سے ایک کتابچہ جو ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے، وایسرائن آرٹ پریس، کلکتہ سے چھپوا کر، ۲۶۔زکریا اسٹریٹ، کلکتہ سے شایع کیا ہے۔

۲۶ تا ۲۹؍اکتوبر کلکتہ میں اس نئی جمعیت کا پہلا عام اجلاس ہوا۔ یہ جمعیت جمعیۃ العلماء ہند کے مقابلے میں مسلم لیگ کی سیاسی ضرورتوں کے تحت قایم کی گئی ہے، جانشین شیخ الہند شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند و صدر جمعیۃ العلماء ہند کے مقابلے میں حضرت شیخ الہند کے فاضل شاگرد حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کو لایا گیا ہے اور انھیں اس نئی جمعیت کا صدر چنا گیا ہے۔ اگرچہ وہ خود اجلاس میں شریک نہیں ہوئے اور اجلاس مولانا عبدالقادر آزاد سبحانی کی صدارت میں ہوا۔ جلسے میں حضرت علامہ کا ایک

پیغام پڑھ کر سنایا گیا، اگر چہ حضرت علامہ کو حضرت مدنی سے رنجش نے مقابلے کے اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے لیکن جمعیۃ العلماء ہند کی خوبی مقاصد و عمل کے اعتراف سے وہ اپنے قلم کو روک نہیں سکے اگر چہ ترجیح و ضرورت انھوں نے نئی جمعیت کو دی ہے۔

حضرت علامہ موصوف جمعیۃ العلماء ہند کے قیام (۱۹۱۹ء) سے مئی ۱۹۴۵ء تک اس سے ذمہ دارانہ طور پر وابستہ رہے۔ وہ اس کی مجلس عاملہ کے رکن تھے اور جمعیت کے پلیٹ فارم سے ملک وقوم کی خدمت اور مسلمانانِ ہند کی رہ نمائی کے فرایض حضرت شیخ الہند کے مقرر کردہ اصول کے مطابق اپنے دیگر معاصر علما، رفقائے جمعیت اور ارا کین مجلس عاملہ کے ساتھ باہمی مشورت سے انجام دیتے رہے تھے۔ لیکن پچھلے چند ماہ سے حضرت علاما کے گرد ایک جال بن دیا گیا اور بہ قول ابو مشتاق قادری مسلم لیگ کے تخریب کاروں اور ضرورت مندوں کی سازش کا وہ شکار ہو گئے تھے، جمعیۃ العلماء ہند اور علمائے حق کے قدیمی دشمنوں نے حضرت علامہ کی سادہ لوحی سے فایدہ اٹھا کر انھیں ان کے ساتھیوں، استاد بھائیوں اور علمائے حق کی اس جماعت کے خلاف لا کھڑا کیا، جس کے قیام میں ان کے بزرگوں کے افکار و مساعی اور جس کی رہ نمائی میں ان کے ساتھیوں، استاد بھائیوں اور خود ان کے اپنے ذوق خدمت دین وملت کا سب سے زیادہ حصہ تھا۔ (تفصیل کے لیے: مسلم لیگ کی تائید میں حضرت علامہ عثانی کے تحریری سرقے ''از مشتاق قادری، طابع و ناشر محمد وحید الدین قاسمی، دفتر جمعیۃ العلماء ہند، دہلی)

جمعیت علمائے اسلام کے اجلاس اور اس کے ''نظام نامہ'' پر علامہ سید سلیمان ندوی نے معارف (اعظم گڑھ) کے شذرات میں تبصرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''پچھلے مہینے کلکتہ میں ایک نئی جمعیت علمائے اسلام کی بنیاد پڑی ہے، جہاں تک اس کے مطبوعہ نظام نامہ کا تعلق ہے، وہ بڑی اہمیت کا مستحق ہے اور اس سے بہت کچھ توقعات قایم کی جا سکتی ہیں، لیکن کاش یہ معلوم ہوتا کہ صرف کوئی ہنگامی محرک تو اس ساری گردشِ افکار کا محور نہیں ہے۔ ان کاموں کے لیے ضرورت ہے چند جان باز مخلصوں کی جو اس کے نصب العین کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں اور پیہم سرگرمیوں سے اپنے وجود کا یقین دلائیں، ورنہ سیاسی تماشوں میں ایسے سوانگ بہت دیکھنے میں آئے

ہیں۔ جمعیت کو ثابت کرنا چاہیے کہ وہ ایسی نہیں، اس سے جو توقعات قایم
کی جائیں، وہ پوری ہوں اور وہ متبوع ہو کر رہے گی تابع نہیں''۔

(معارف، اعظم گڑھ: دسمبر ۱۹۴۵ء، صفحہ ۳۳۸)

ان سطور میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نے بہ اسلوب لطیف جمعیت کے قیام کے پس منظر اور مقصد پر روشنی ڈالی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعیت کا قیام ایک ہنگامی تحریک اور جذبات کا ایک وقتی جوش ہے، رہ نماؤں اور کارکنوں میں اخلاص اور صحیح جوشِ عمل کی کمی ہے، یہ محض ایک سیاسی تماشہ ہے اور سوانگ رچایا گیا ہے اور چوں کہ مسلم لیگ کی سیاسی ضرورتوں نے اسے جنم دیا ہے اور مسٹر محمد علی جناح نے اس کے اجلاس کو کامیاب بنانے میں ذاتی دل چسپی لی ہے، اس لیے اس کی حیثیت محض تابع کی ہے، متبوع کی نہیں۔

اسی شذرے میں حضرت سید سلیمان ندوی مزید لکھتے ہیں:

''آج کل مسلمان اہل سیاست میں علما کو برا بھلا کہنے کا عام رواج ہو رہا
ہے............ کسی قوم کی حالت کا اس سے زیادہ بُرا منظر اور کیا ہوگا کہ اس کا
سب سے زیادہ دل چسپ مشغلہ غیبت، بدگوئی اور باہمی طعن و طنز ہو''۔

اس میں ''مسلمان اہل سیاست'' سے مراد ''مسلم لیگی'' ہیں، جنھوں نے ہندوستان کی تاریخ سیاست میں سب سے زیادہ گالیاں اپنے مخالفوں اور علماے حق خصوصاً مولانا سید حسین احمد مدنی کو دی ہیں۔ اور مشغلۂ غیبت، بدگوئی اور باہمی طعن و طنز کی معصیت سے روک نہ سکے، یا خانقاہ تھانہ بھون کی اس وقت کی ان صحبتوں کی طرف اشارہ ہے جن کی گرمی ہنگامہ غیبت و بدگوئی کی رہین منت تھی اور سید صاحب اس سے خوب واقف تھے۔

جمعیت علماے اسلام کا قیام چوں کہ مسلم لیگ کی ضرورت تھا اور چوں کہ اس کے رہ نماؤں میں اخلاص کی اور جوشِ عمل کی کمی تھی، اس لیے قیام پاکستان سے قبل اور کچھ عرصہ بعد جب تک مسلم لیگ کی ضرورت رہی، اس کے کارکن اس کے جلسوں کو کامیاب بناتے رہے، لیکن جب ان کی ضرورت پوری ہوگئی اور جمعیت کا ہنگامی محرک اور گردشِ افکار کا محور باقی نہ رہا تو جمعیت کی سرگرمیاں بھی ماند پڑ گئیں، ہندوستان میں تو تقسیم ملک کے ساتھ ہی اس کا وجود ہباءً منثورا ہو گیا تھا، پاکستان میں اس کی تاریخ کے ابتدائی برسوں ہی سے جمعیت علماے اسلام پر دیوبند کے انقلابی علماے حق کا قبضہ ہو گیا ہے اور وہ اپنی بہترین فکری اور عملی

صلاحیتوں کے مطابق دین اور قوم و ملک کی بیش از بیش خدمات انجام دے رہے ہیں:

کامل اس فرقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے
(آزردہ)

شملہ کانفرنس کی ناکامی

لارڈ ویول کا بیان:

۱۴؍جولائی ۱۹۴۵ء: ۱۴؍جولائی کو کانفرنس کا آخری اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں اس کی ناکامی کا اعلان کر دیا گیا لارڈ ویول نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ایگزیکٹیو کونسل کی تشکیل کے لیے اپنی مساعی کا تذکرہ کیا اور کہا:

''کانفرنس کی تجویز میں نے پیش کی تھی۔ میرا منصوبہ یہ تھا کہ کانفرنس پہلے فیصلہ کرے کہ نئی کونسل میں کس کس پارٹی کے کتنے کتنے نمایندے لیے جائیں اور کونسل کے ممبر کتنے ہوں؟ اس فیصلے کے بعد سب جماعتیں اپنے اپنے نمایندوں کی فہرست مجھے دیں۔ ان میں میں بھی کچھ نام شامل کروں گا۔ ان سب ناموں سے ایک فہرست بناؤں گا اور اس پر لیڈروں سے جدا جدا مشورہ کروں گا، اور فہرست کو آخری شکل دے کر ملک معظم کی حکومت کی منظوری کے لیے ارسال کروں گا۔ بدقسمتی سے کانفرنس اس مسئلے کا حل تلاش نہیں کر سکی، مجھے تمام پارٹیوں کی طرف سے ان کے نمایندوں کی فہرستیں موصول ہو گئیں لیکن یوروپین گروپ اور مسلم لیگ کی فہرست نہیں ملی، میں نے کانفرنس کو کامیابی سے ہم کنار کرانے کا تہیہ کر رکھا تھا اور میں نے اس کی کامیابی کے لیے اپنی پوری کوششیں صرف کیں۔ میں نے ایک فہرست اپنی صوابدید کے مطابق تیار کی جس میں مسلم لیگی بھی تھے اور اگر میرا انتخاب پارٹیاں منظور کر لیتیں تو ملک معظم کی حکومت بھی صادر کر دیتی، یہ کونسل قابل ترین اور اہل حضرات پر مشتمل ہوتی''۔

''میرے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ میں کسی پارٹی کی تمام مانگیں پوری کر سکتا، جب میں نے اپنا حل مسٹر جناح کو بتایا تو انھوں نے کہا کہ مسلم لیگ کو یہ منظور نہیں اور میں نے محسوس کیا

کہ اب بات چیت کا جاری رکھنا بے کار ہے"۔

"..........کانفرنس بلانے کی تجویز میری تھی اگر یہ کامیابی سے ہم کنار ہوتی تو اس کا سہرا میرے سر ہوتا۔ میں اس کی ناکامی کی ذمے داری کسی پارٹی پر نہیں ڈال سکتا۔ میں سب جماعتوں سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ ناکامی کے لیے ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرا کر ناراضگی ظاہر نہ کریں، فرقہ وارانہ فضا کو اور زیادہ خراب نہ کریں اور صبر سے کام لیں۔ (ابوالکلام آزاد اور قوم پرست..........ص ۲۸۲-۸۳)

ا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا بیان:

شملہ سے مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس نے ایک بیان جاری کیا ہے۔ جس میں انھوں شملہ کانفرنس کی ناکامی کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے۔ اس بیان میں مولانا نے کہا ہے:

آج دنیا کو معلوم ہوگیا ہے کہ شملہ کانفرنس کی ناکامی کس پر عاید ہوتی ہے، جہاں تک کانگریس کا تعلق ہے وہ نظم ونسق کی ذمہ داری لینے کے لیے تیار ہے، اگر برطانوی حکومت واقعی اس مسئلے کو حل کرنا چاہتی ہے تو اسے فرقہ وارانہ اور دوسری مشکلات کا پہلے ہی احساس کرنا تھا۔ کسی ایک پارٹی کو یہ حق نہیں دینا چاہیے تھا کہ وہ ہندوستان کی ترقی کو روک دے، جو لوگ آگے بڑھنا چاہتے ہیں، انھیں اس کی اجازت ہو، جو لوگ علاحدہ رہنا چاہتے ہیں وہ علیحدہ رہیں۔

ویول تجاویز سے میرے دل میں کوئی امید پیدا نہیں ہوئی تھی، وایسرائے کے ساتھ ملاقات کے بعد میں نے سمجھ لیا تھا کہ گفت وشنید ختم ہو جائے گی۔ کانگریس نے وایسرائے سے مندرجہ ذیل امور کی وضاحت طلب کی تھی، محکمہ امورِ خارجہ کا کام اور دایرۂ اختیار، ہندوستانی فوج کو قومی بنانے کی کوشش، قومی فوج اور عوام میں اشتراک اور تعاون پیدا کرنا، مشرق بعید کی جنگ کے خاتمے کے بعد حکومتِ ہند کسی ایسی پالیسی کی حمایت نہ کرے گی، جس کا مقصد جنوب مشرقی ایشیا کے کسی ملک پر امپیریل کنٹرول قایم کرنا ہو، ہندوستان کے وسایل کو کسی ملک کی آزادی سلب کرنے کے لیے استعمال نہیں کیا جائے گا، اگر حکمران طاقت کا یہ ارادہ ہو کر جنوب مشرقی ایشیا کے ملک میں سابق صورت بحال کر دی جائے تو نئی

حکومت اس کام میں شریک نہیں ہو سکتی۔

وایسرائے نے مجھے ان تمام مسایل کے جوابات تسلی بخش دیے، ایگزیکٹیو کونسل کے ممبروں کے متعلق مسٹر جناح کو اصرار تھا کہ تمام مسلمان ممبران کو منتخب کرنے کا حق مسلم لیگ کو ملنا چاہیے، کانگریس نے محسوس کیا کہ اس طرح اس کی قومی حیثیت ختم ہو جائے گی۔ مسٹر جناح نے فہرست پیش کرنے سے انکار کر دیا کانفرنس کی ناکامی کی ذمہ داری مسلم لیگ کے رویے پر ہے، اب یہ کام لارڈ ویول کا ہے کہ وہ آگے بڑھیں یا نہ، بہ ہر حال حکومت برطانیہ ہندوستان کی فرقہ واری کے مسئلے سے بچ نہیں سکتی۔ ہندوستان میں تیسری طاقت موجود ہے، یہ مسایل اسی طرح رہیں گے"۔ (کاروان احرار۔ ج ۲: ص ۲۹۔ ۲۲۸، نیز دیکھیے: زمزم، لاہور: ۱۴ر جولائی ۱۹۴۵ء، ص ۴)

شملہ کانفرنس کی ناکامی۔ مولانا آزاد کا تجزیہ:

اگست ۱۹۴۲ء میں جب ہم گرفتار ہوئے تھے تو برطانوی حکومت نے بعض اقلیتوں کو کانگریس کے خلاف مشتعل کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان اقلیتوں میں سے ایک پارسی بھی تھے، جن سے حکومت نے معاملہ کرنا چاہا۔ ان کی جماعت بہت چھوٹی ہے، لیکن تعلیم، دولت اور قابلیت کی وجہ سے اس کو قومی زندگی میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ اس جماعت کے ایک آدمی کے ساتھ بے انصافی کی گئی تھی، جب بمبئی میں پہلی بار کانگریسی وزارت بننے کے موقع پر نریمان کو نظر انداز کیا تھا۔ اس کے علاوہ کانگریس نے سنہ ۱۹۳۷ء میں ایک فیصلہ کیا تھا، جس سے پارسیوں کو نقصان ہوا کیوں کہ جب شراب بندی نافذ کی گئی تو دوسری جماعتوں کے لوگوں سے زیادہ کاروباری پارسیوں پر اس قانون کا اثر پڑا۔ شراب کی تجارت میں وہ اجارہ دار سے تھے اور شراب بندی نے کروڑوں کے لین دین کو ختم کر دیا۔ حکومت کو خیال تھا کہ ان واقعات کے بعد سے پارسی کانگریس کے خلاف ہوں گے، مگر ایک جماعت کی حیثیت سے انھوں نے حکومت کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بننا قبول نہیں کیا۔ ایک بیان میں، جس پر تقریباً تمام اہم اور معتبر پارسی لیڈروں کے دستخط تھے، انھوں نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ ہندوستان کی آزادی کے معاملے میں وہ کانگریس کے ساتھ ہیں اور اسی کے ساتھ رہیں گے۔

قلعہ احمد نگر کے جیل خانے میں جب میں نے یہ بیان پڑھا تو میرے اوپر بہت اچھا اثر پڑا، اور میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ پارسیوں نے اس بیان کو شائع کر کے ہندوستان کی بڑی خدمت کی ہے، میں نے یہ بھی تجویز کیا ہمیں اس احسان کا مناسب طریقے پر اعتراف کرنا چاہیے اور اگر چہ ان کی جماعت بہت چھوٹی ہے، مگر ہندوستان کی پہلی آزاد حکومت میں ان کا خیال رکھنا چاہیے، اس لیے جب بھی ہو، گاندھی جی کو میرا خیال پسند آیا، مگر وہ سمجھتے تھے کہ کسی پارسی کو شامل کرنا ممکن نہ ہوگا، اس لیے کہ کانگریس صرف پانچ اشخاص کو نامزد کر سکتی ہے، اس پر سب تیار تھے کہ آیندہ کوئی وزارت بنے تو اس میں ایک پارسی کے لیے جگہ نکالنے کی پوری کوشش کی جائے۔ مگر میں اس پر راضی نہیں ہوا۔ میں نے کہا کہ مستقبل کے بارے میں کچھ یقین نہیں ہے، اور اب جو ہمیں موقع ہے کہ اپنی پسند کے مطابق انتخاب کریں، ہمیں ایک پارسی کو اپنی فہرست میں ضرور شامل کرنا چاہیے، دو دن کی بحث کے بعد بالآخر میری بات مان لی گئی۔

میں نے ایک ہندوستانی عیسائی کو بھی فہرست میں شامل کرنے پر اصرار کیا، مجھے معلوم تھا کہ اس جماعت کا نمایندہ کسی اور ذریعے سے کونسل میں نہیں آسکتا۔ سکھوں اور شیڈول کاسٹ کے لوگوں کی نمایندگی بہرحال ہو جائے گی، لیکن جب تک کانگریس اس کی سرپرستی نہ کرے، کوئی ہندوستانی عیسائی حکومت کا رکن نہ بن سکے گا۔ مجھے یہ بھی یاد تھا کہ ہندوستانی عیسائیوں کی جماعت نے ہمیشہ کانگریس کی حمایت کی ہے اور سیاسی معاملات میں قومی نقطہ نظر اختیار کیا ہے۔

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ کانگریس نے جو فہرست داخل کی اس میں صرف دو ہندو نام تھے، اگر کسی ثبوت کی ضرورت تھی تو اس سے ثابت ہو گیا کہ کانگریس صحیح معنوں میں ایک قومی جماعت ہے، یہ خیال کیا جا سکتا تھا کہ ہندو، جن کی ہندوستان میں اکثریت تھی، اس تجویز پر اعتراض کریں گے، مگر یہ تعریف کی بات ہے کہ ہندوؤں نے استقلال کے ساتھ کانگریس کی تائید کی اور اس وقت بھی ان کے رویے میں فرق نہیں آیا، جب انھوں نے دیکھا کہ کانگریسی فہرست کے پانچ ناموں میں سے تین مسلمانوں، عیسائیوں اور پارسیوں میں سے لیے گئے ہیں، بعد کو ہندو مہا سبھا نے کانگریس کے اس فیصلے کو اپنی ترقی کا ذریعہ بنانا چاہا، لیکن سب جانتے ہیں کہ وہ کس بری طرح ناکام ہوئی۔ یہ قدرت کی عجیب ستم ظریفی

ہے کہ مہاسبھا کی طرح مسلم لیگ نے بھی کانگریس کی طرف سے ایک مسلمان کا نام پیش ہونے پر اعتراض کیا۔

دس برس کے بعد بھی جب میں ان واقعات پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے اس عجیب صورت حال پر حیرت ہوتی ہے جو مسلم لیگ کے رویے کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ لارڈ ویول نے خود آزمایشی طور پر ایک فہرست تیار کی تھی، جس میں کانگریس اور لیگ کے پانچ پانچ ناموں کے علاوہ چار نام اور تھے، ایک سکھوں کے نمایندے کا، دو شیڈول کاسٹ نمایندوں کے، اور چوتھا خضر حیات خان کا، جو اس وقت پنجاب کے چیف منسٹر تھے۔ مسٹر جناح کو یہ بات بہت بری لگی کہ ایگزیکٹیو کونسل میں دو مسلمان ہوں جو ان کے نامزد کردہ نہ ہوں۔ خضر حیات خاں مجھ سے ملنے آئے اور میں نے ان کو یقین دلایا کہ کانگریس کو ان کے شامل کیے جانے پر اعتراض نہ ہوگا۔ یہی میں نے لارڈ ویول سے بھی کہا، اس لیے اگر کانفرنس مسٹر جناح کی مخالفت کی وجہ سے ناکام نہ ہو جاتی تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کونسل کی چودہ ممبروں میں سے سات مسلمان ہوتے، اگرچہ پوری آبادی کے وہ صرف پچیس فی صدی تھے۔ یہ کانگریس کی فیاضی کا ثبوت ہے، اور اس سے مسلم لیگ کی حماقت پر ایسی روشنی پڑتی ہے جس میں وہ خاصی بھیانک معلوم ہوتی ہے، مسلم لیگ مسلمانوں کے حقوق کی محافظ سمجھی جاتی تھی، مگر اسی کی مخالفت کے سبب سے مسلمان غیر تقسیم شدہ ہندوستان کی حکومت میں ایک معقول حصہ حاصل کرنے سے محروم رہے، مسلم لیگ کی انتہا پسندی کا انجام یہ ہوا کہ کانفرنس ناکام قرار پا کر برخاست کردی گئی۔ (انڈیا ونس فریڈم: ص ۹۴، ۱۹۳)

کانفرنس کے بعد میں نے ایک بیان شایع کیا اور نامہ نگاروں کی ایک کانفرنس بھی کی، جس میں میں نے بتایا کہ شملہ کانفرنس میں شرکت کرنے میں کانگریس کو کیا دشواریاں پیش آئیں۔ ہمارے سامنے تجویزیں اچانک پیش کی گئیں، ۱۵ر جون سنہ ۱۹۴۵ء کو میرے ساتھی اور میں سب رہا کر دیے گئے۔

ہمیں وایسرائے کی دعوت کے بارے میں فوراً کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ ہم نے محسوس کیا کہ بین الاقوامی سطح پر وسیع تبدیلیاں واقع ہو چکی ہیں اور ان تبدیلیوں کا بلاشبہ ہندوستان کے مسئلے پر اثر پڑا ہے اور یہ اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ ہندوستان اور دوسرے ایشیائی ملکوں کی آزادی کے مسئلے نے اہمیت اختیار کر لی ہے۔ حالات کا صحیح جائزہ لینے کی دشواریوں کے

باوجود ورکنگ کمیٹی نے کانگرنس میں شرکت کرنے ہی کا فیصلہ کیا۔

میں نے نامہ نگاروں کو بتایا کہ گفتگو کی ہر منزل پر میں نے کانگریس کی قومی حیثیت پر زور دیا، میں نے وایسرائے پر بھی واضح کردیا کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی موجودہ سیاسی تعطل کو دور کرنے کی ہر معقول کوشش میں شریک ہونا چاہتی ہے۔

میں نے یہ کہا کہ اگر شملہ کانفرنس کامیاب ہوتی تو جاپان کے خلاف جنگ صرف برطانیہ کی نہ ہوتی۔ بلکہ ہندوستان کی بھی ہوجاتی۔ ہندوستان کا جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں کو آزاد کرنے کے مسئلے سے براہ راست تعلق ہے۔ اس لیے ہندوستان کی نئی حکومت کا یہ فرض ہوتا کہ جاپان کے خلاف جنگ جاری رکھے جب تک کہ یہ سب ملک آزاد نہ ہوجائیں۔ لیکن ہندوستان کی نئی حکومت کسی ایسی تجویز میں شریک نہ ہوسکتی جس کا مقصد یہ ہوتا کہ سابق یورپی امپیریلسٹ طاقتوں کی حکومت کو بحال کیا جائے۔ ہم جنگ سے پہلے کی نوآبادیاتی حکومتوں کو جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں میں دوبارہ قایم کرنے کے لیے، نہ ایک ہندوستانی سپاہی بھیجتے نہ ایک پائی خرچ کرتے۔

میں نے نامہ نگاروں کو یہ بتایا کہ جب ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں حکومت کا اختیار منتقل کرنے کا بنیادی مسئلہ طے ہوگیا تھا تو کانفرنس نئی ایگزیکیٹو کونسل کی تعداد رکنیت اور ترکیب پر غور کرنے لگی۔ اس کے اجلاس اس لیے ملتوی کیے گئے کہ مختلف پارٹیوں میں نج کی اور غیر رسمی گفتگو ہوسکے، مگر ان گفتگوؤں کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اس دوران میں مسٹر جناح نے یہ پوزیشن اختیار کی کہ نئی ایگزیکیٹو کونسل کے مسلمان ممبروں کو نامزد کرنے کا حق صرف مسلم لیگ کو ہوگا۔ کانگریس کو اس کا حق نہ ہوگا کہ کسی مسلمان کو نامزد کرے، کانگریس کے لیے ایسے کسی اصول کو تسلیم کرلینا اس کی بنیادی قومی حیثیت کے خلاف ہوتا، اس کے لیے یہ صرف نشستوں کا نہیں بلکہ ایک بنیادی اصول کا معاملہ تھا، ہم اس کے لیے تیار تھے کہ جہاں تک ممکن ہو مسلم لیگ کی خواہشوں کو پورا کریں لیکن مسٹر جناح نے ایسا رویہ اختیار کیا کہ مفاہمت کی گنجایش نہ رہی۔

وایسرائے نے مختلف جماعتوں سے کہا کہ وہ ناموں کی فہرست داخل کریں جن میں سے وہ ان جماعتوں کے لیڈروں سے مشورہ کرنے کے بعد ایگزیکیٹو کونسل تشکیل دیں گے۔ لیکن مسٹر جناح نے فہرست داخل کرنے سے انکار کردیا۔ وایسرائے سے میری جو ملاقات

ہوئی اس میں انھوں نے مجھے بتایا کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے انھوں نے بہ ذات خود ایک فہرست مرتب کی تھی اور مسٹر جناح سے اس کی منظوری حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ مسٹر جناح اس بات پر اڑے رہے کہ مسلمانوں کے تمام نمایندے لیگ کی ورکنگ کمیٹی نامزد کرے گی۔ لیکن مسٹر جناح کے اس مطالبے کو وایسرائے ماننے پر آمادہ نہیں ہو سکے۔ اس موقع پر وایسرائے نے محسوس کیا کہ اس وقت اپنی تجویز کو آگے بڑھانا مفید ثابت نہیں ہوگا۔

موجودہ صورت حال سے دو نتیجے نکلتے ہیں:

۱۔ پہلا یہ ہے کہ کانگرنس کی ناکامی کا ذمہ دار وہ رویہ ہے جو مسلم لیگ نے اختیار کیا۔

۲۔ دوسرا یہ ہے کہ اب جو مسلم لیگ نے انکار کر دیا ہے تو لارڈ ویول کو طے کرنا ہے کہ وہ آگے بڑھیں گے یا نہیں۔ فی الحال انھوں نے طے کیا ہے کہ آگے نہ بڑھیں گے۔

اس سلسلے میں، میں ایک بات دہراؤں گا، جو میں نے کانفرنس میں بھی کہی تھی، برطانوی حکومت اپنے آپ کو فرقہ وارانہ مسئلے سے بری الذمہ نہیں کر سکتی، چاہے آج ہو یا کل، ایک نہ ایک دن اسے عدل و انصاف پر مبنی فیصلہ کر کے اس پر قایم رہنا ہوگا۔ اس کے سوا اور کوئی راہ نہیں ہے، اور جب ایک مرتبہ فیصلہ کر لیا جائے تو پھر ہمیں آگے بڑھنا چاہیے، جو اس کے لیے تیار ہوں، انھیں موقع ملنا چاہیے کہ آگے بڑھیں، جو چاہتے ہوں کہ انھیں الگ چھوڑ دیا جائے، انھیں چھوڑ دینا چاہیے، اس عزم اور استقلال کے بغیر کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ نیت ڈانواں ڈول ہو اور قدم لڑکھڑاتے ہوں تو ہم ترقی کی راہ پر آگے نہیں بڑھ سکتے۔ قدم اٹھانے سے پہلے ہمیں ضرور سوچنا چاہیے، مگر جب ایک مرتبہ ہم فیصلہ کر لیں تو اس کے بعد تامل اور ہچکچاہٹ کوئی تعریف کی بات نہیں ہے، بلکہ قطعی کمزوری کی علامت ہے۔ میں نے نامہ نگاروں سے کہا کہ کانگریس نے جو رویہ اختیار کیا اس پر مجھے بالکل افسوس نہیں ہے، ہم نے جس حد تک ممکن تھا مسٹر جناح کی خواہشوں کا لحاظ کیا، مگر ہم ان کے اس دعوے کو تسلیم نہیں کر سکتے تھے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی واحد اور مختار نمایندہ جماعت مسلم لیگ ہے، جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں بھی لیگ وزارت نہیں بنا سکی ہے:

۱۔ صوبہ سرحد میں کانگریسی وزارت ہے۔

۲۔ بنگال میں گورنر کی حکومت ہے۔

۳۔ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کی وزارت ہے۔
۴۔ سندھ میں سر غلام حسین کی حکومت کا دارومدار کانگریس کی حمایت پر ہے، اور
۵۔ آسام میں بھی یہی حال ہے۔
اس لیے یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ مسلم لیگ تمام مسلمانوں کی نمایندگی کرتی ہے، دراصل مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے، جس کو لیگ سے کوئی مطلب نہیں ہے۔
(انڈیا ونس فریڈم: ص ۹۶۔۱۹۴)

۲۔ علی ظہیر کا بیان:

لکھنؤ، ۱۴ر جولائی۔ سید علی ظہیر صدر آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل کانفرنس نے شملہ کانفرنس کی ناکامی کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے کہا:
مسلم لیگ کے لیڈر اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہے کہ یہ انتظامات عارضی ہیں۔ ان سے ہندوستان کے آیندہ آئین پر بڑا اثر نہیں پڑسکتا۔ دوسری غلط فہمی یہ تھی کہ مسلم لیگ خود کو مسلمانوں کی واحد نمایندہ تسلیم کرانا چاہتی تھی۔ حال آں کہ اسے معلوم ہے کہ ملک میں دیگر سیاسی جماعتیں موجود ہیں، جو اس کی پالیسی کے خلاف ہیں، جب تک تیسری پارٹی برسرِ اقتدار رہے گی۔ اس وقت تک مسلم لیگی ملک کی سیاسی ترقی میں رکاوٹ ڈالتے رہیں گے۔ برطانیہ اقتدار منتقل کرنا چاہتا نہیں، اس لیے کوئی نہ بہانہ تلاش کرتا رہتا ہے، اگر مسلم لیگ کو نظر انداز کردیا جائے تو وہ بہت جلد اپنی تمام اہمیت کھو بیٹھے گی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کب تک یہ محسوس نہ کرے گی کہ مسلم لیگ احمقانہ پالیسی اختیار کرکے نہ صرف وطن بلکہ مسلمانوں کو بھی نقصان پہنچا رہی ہے، جو اس ملک کی آبادی کا اہم حصہ ہے۔
(سہ روزہ ''زمزم، لاہور: ۱۹ر جولائی ۱۹۴۵ء)

شملہ کانفرنس کی ناکامی پر جو شدید ردعمل ہوا ہے، اس کا اندازہ ان مختلف بیانات سے لگایا جاسکتا ہے، جو اس موقع پر اخبارات میں شایع ہوئے تھے۔ جانباز مرزا نے کاروان احرار، جلد ۶ میں مرتب کردیے ہیں۔
۲۔ مولانا شمس الدین صدر کریشک پرجا پارٹی بنگال نے مولانا ابوالکلام آزاد کو ایک تار کے ذریعے واضح کیا کہ آپ غیر مسلم لیگی مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کریں۔ سر ناظم

الدین سابق وزیر اعظم بنگال کو مسلمانانِ بنگال کی نمایندگی کا کوئی حق نہیں۔

۳۔ مسٹر خلیل الرحمٰن سیکریٹری بنگال پروونشیل مومن کانفرنس نے مولانا آزاد کو تار کے ذریعے مطلع کیا کہ پانچ کروڑ مومن مسلم لیگ کی پالیسی کے حامی نہیں، مسٹر جناح مومنوں کی نمایندگی نہیں کر سکتے۔ لہٰذا عارضی حکومت میں مومنوں کو بھی نمایندگی دی جائے۔

۴۔ مسٹر جعفر حسین سیکریٹری شیعہ پولیٹیکل کانفرنس نے مطالبہ کیا ہے کہ شیعوں کو جداگانہ حقوق دیے جائیں، مسلم لیگ کلیتاً سینوں پر مشتمل ہے۔ (۱) اس نے ہمیشہ شیعوں کی نمایندگی کو نظر انداز کیا ہے، تین کروڑ شیعوں کو اس پر کوئی اعتماد نہیں۔

نواب زادہ لیاقت علی خان جنرل سیکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ نے ایک بیان میں واضح کیا کہ کانگریس کا یہ مطالبہ سراسر غیر منصفانہ ہے کہ ایگزیکٹو کونسل کے مسلمان ممبروں میں ایک نشست کانگریسی مسلمان کو دی جائے۔

۶۔ ۱۴ر جولائی ۱۹۴۵ء کو خاکسار تحریک کے رہنما علامہ عنایت اللہ مشرقی نے نواب ممدوٹ صدر پنجاب مسلم لیگ کے نام حسب ذیل تار بھیجا:

"میں ٹھنڈے دل و دماغ سے تمام صورت حال پر غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کانگریس نے حکومت کو تعاون کی پیش کش کر کے معقول روش اختیار کی ہے، میں اس نظریے پر قایم ہوں کہ ہر جماعت کے مسلمانوں کو تمام نمایندگی میں مناسب حصہ ملنا چاہیے، مسلم لیگ کی علیحدگی کو میں نہ صرف افسوس ناک بلکہ خودکشی کے مترادف سمجھتا ہوں"۔

(سہ روزہ "زمزم" لاہور: ۱۹ر جولائی ۱۹۴۵ء)

۱۵ر جولائی ۱۹۴۵ء: ۱۵ر جولائی کو مولانا نے وایسرائے کو ایک خط لکھا جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا:

۱۔ کانگریس سے پابندی ختم کی جائے۔

---

(۱) شیعہ پولیٹیکل کانفرنس کا یہ مطالبہ کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ مسلم لیگ کلیتاً سنیوں پر مشتمل ہے، حال آں کہ مسلم لیگ ہائی کمان میں مندرجہ ذیل شیعہ تھے۔ مسٹر محمد علی جناح (قایدِ اعظم)، راجہ صاحب محمود آباد، خان بہادر محمد اسماعیل صدر مسلم لیگ بہار، راجہ غضنفر علی، شیخ کرامت علی، کریم بھائی ابراہیم، مسٹر محمد علی چاے والا، مسٹر یوسف مولائے دنیا، مسٹر سر صبیح، مس شیخ طیب جی، خان بہادر حسین علی، اس کے باوجود شیعوں کا خیال ہے کہ مسلم لیگ پر سنیوں کا قبضہ ہے۔

۲۔ تمام سیاسی قیدیوں کو غیر مشروط طور پر رہا کیا جائے۔
۳۔ پریس کو آزاد کیا جائے۔
۴۔ سیاسی کارکنوں کے خلاف قایم مقدمات واپس لیے جائیں۔
۵۔ سیاسی قیدیوں کی باقی سزائیں ختم کر کے رہا کیا جائے۔
۶۔ اشتہاری اور مفرور ملزموں کے خلاف مقدمات واپس لیے جائیں۔

(ٹرانسفر آف پاور، جلد نہم، ص ۱۱۵۳، بحوالہ ابوالکلام آزاد اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست: ص ۲۸۵)

۳۔ مسٹر جناح کا بیان:

۱۵؍ جولائی ۱۹۴۵ء: ۱۵؍ جولائی ۱۹۴۵ء کو مسٹر جناح نے ایک طویل بیان دیا، اس بیان میں اپنی عادت کے مطابق اگر چہ کانگریس کو بھی بہت بڑا بھلا کہا تھا، مگر ناکامی کی وجہ کے متعلق یہ فقرہ خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے، مسلم نشستوں کے دو دعوے تھے، ایک تو کانگریس کا جو دو نشستوں کا مطالبہ کر رہی تھی اور گلنسی (گورنر پنجاب) خضر حیات کی طرف سے ایک نشست کا مطالبہ کر رہے تھے، ان دونوں کے اس مطالبے سے مسلم لیگ کے اصل کیرکٹر اور وجود پر چوٹ پڑتی تھی۔ لیکن آخر میں لارڈ ویول نے اس پر اصرار کیا کہ پنجاب کے مسلمانوں کی طرف سے ملک خضر حیات خان کا ایک نمایندہ تو ضرور لیا ہی جائے چناں چہ گفتگو ٹوٹ گئی۔ (مدینہ: ۲۱؍ جولائی ۱۹۴۶ء)

(علماے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے، حصہ دوم)

وایسرائے سے راز و نیاز:

۱۷؍ جولائی ۱۹۴۵ء: شملہ کانفرنس کے موقع میں مسلم لیگ کے صدر اور قاید اعظم محمد علی جناح کی جو خط و کتابت وایسرائے لارڈ ویول سے ہوئی تھی، اب وہ شایع ہو گئی ہے، اس میں ہمدرد مسلم لیگ کا ایک خط بھی ہے جس سے وایسرائے کی ساتھ ان کے راز و نیاز کا پتا چلتا ہے، ۱۷؍ جولائی کے خط میں وہ وایسرائے کو لکھتے ہیں:

ڈیر لارڈ ویول! میں نے کانفرنس کے آخری دور آپ کی طرف سے پیش کردہ تجویز

ورکنگ کمیٹی کے سامنے رکھی بعد از غور فیصلہ کیا گیا کہ کمیٹی کا نظریہ آپ کے روبرو رکھا جائے جو حسب ذیل ہے۔ اگست ۱۹۴۰ء میں جب کہ آپ کے پیش رو لارڈ لنلتھگو نے ایک ایسی ہی پیش کش کی تھی اور ورکنگ کمیٹی نے اسے نامنظور کر کے اس کے خلاف اعتراضات روانہ کیے تھے تو لارڈ لنلتھگو نے ان اعتراضات کو درست تسلیم کرتے ہوئے اپنی پہلی پیش کش کو واپس لے لیا اور اس کے بجائے نئی تجویز کرتے ہوئے ایک مراسلہ لکھا جس کا اقتباس حسب ذیل ہے:

''میں آپ کی طرف سے پیش کردہ اعتراضات اور آپ کی بیان کردہ مشکلات کا احساس کرتا ہوا اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے اسے ایگزیکیٹو کونسل کے ممبران کی فہرست پیش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی فہرست کا معاملہ اس کے صدر اور میرے درمیان خفیہ بات چیت میں طے ہونا چاہیے''۔

مسلم لیگ نے یہ نعم البدل منظور کر لیا، اب بھی کمیٹی کی رائے ہے کہ جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے، اس کے ساتھ فہرست کے متعلق اسی قاعدے سے عمل کیا جانا چاہیے جو آپ کے پیش رو بنا گئے ہیں۔

مسٹر جناح کی طرف سے وایسرائے کو خفیہ بات چیت کی دعوت:

۲۱؍جولائی ۱۹۴۵ء: لارڈ ویول اور مسٹر جناح کی خط و کتابت شایع ہوگئی ہے، اس پر مدینہ، بجنور نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۱؍جولائی ۱۹۴۵ء (ج ۳۴، نمبر ۵۴) میں ایک مقام بہ عنوان ''سابق وایسرائے اور مسٹر جینا کی خفیہ ساز باز'' قایداعظم کی طرف سے لارڈ ویول کو خفیہ بات چیت کی دعوت'' کے دہرے عنوان سے شایع کیا ہے، اس میں لکھا ہے:

شملہ ۱۶؍جولائی، آج ہز ایکسلنسی لارڈ ویول وایسرائے ہند اور مسٹر جینا کی وہ خط و کتابت شایع ہوگئی جو ان دونوں کے درمیان شملہ کانفرنس کے سلسلہ میں ہوئی تھی، گورنر جنرل کے سیکریٹری نے ۲۹؍جون کو وایسرائے کی طرف سے مسلم لیگ کو لکھا ہے کہ ایگزیکیٹو کونسل کے لیے اپنے ناموں کی فہرست پیش کریں اور مناسب سمجھیں تو اپنی پارٹی کے علاوہ بھی نام پیش کریں! اس خط کے جواب میں مسٹر جینا نے وایسرائے کو خفیہ ساز باز کی دعوت دی اور یہ ظاہر کیا کہ سابق وایسرائے اس قسم کے معاملات کو خفیہ گفتگو سے طے کیا کرتے تھے

مگر لارڈ ویول نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

ہندوستانی اسیران جنگ کی رہائی:

۲۱ر جولائی ۱۹۴۵ء: لندن، ۲۱ر جولائی، جرمنی میں اسیران جنگ کے کیمپوں سے ۱۱ ہزار ہندوستانی سپاہی رہا کر دیے گئے تھے، یہ سب ہندوستان واپس چلے گئے ہیں، اب صرف ۷ سو سپاہی یہاں رہ گئے ہیں۔ (زمزم، لاہور: ۲۳ر جولائی ۱۹۴۵ء، ص ۱)

۲۳ر جولائی ۱۹۴۵ء: کلکتہ، ۲۳ر جولائی، فضل الحق صاحب لیڈر اپوزیشن اور کرن شنکر رائے لیڈر کانگریس اسمبلی پارٹی نے مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات کی، عام سیاسی مسایل اور صوبہ بنگال میں پارلیمنٹری صورت حال پر گفت و شنید ہوئی۔ فضل الحق صاحب نے اس بات پر زور دیا کہ بنگال پر جنگ کے حالات کا زیادہ اثر ہے اور خاص مسایل در پیش ہے، اس لیے کانگریس یہاں خاص حالت کے پیش نظر کانگریس پارٹی کو.... قایم کرنے کی اجازت دے دے۔ (زمزم، لاہور: ۲۷ر جولائی ۱۹۴۵ء)

جی ایم سید کا بیان:

۲۳ر جولائی ۱۹۴۵ء: سہ روزہ زمزم، لاہور نے کراچی کے اخبارات کے حوالے سے مسٹر جی، ایم، سید صدر مسلم لیگ صوبہ سندھ کا ایک بیان نقل کیا ہے، جس میں مسٹر سید کہتے ہیں:

''صوبہ کی سب سے پہلی بڑی ضرورت تو یہ ہے کہ سندھ، سندھیوں کے لیے ہونا چاہیے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سندھ میں نہ تو سندھ سے باہر کے لوگوں کو زمین دی جائے اور نہ ہی سرکاری ملازمتوں میں حصہ دیا جائے، بلکہ تمام سرکاری ملازمتیں سندھیوں کے لیے مخصوص ہونی چاہییں، مجھے بعض مسلمان وزرا کی اس بات سے سخت اختلاف ہے کہ سندھ کی سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے حقوق اور تناسب کو پورا کرنے کے لیے سندھ کے ہندوؤں کے مقابلے میں سندھ سے باہر کے مسلمانوں کو ترجیح دی جائے۔

مذکورہ بالا بیان کے ساتھ سندھ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کی قرارداد بھی قابل غور ہے جو اس نے جی ایم سید کے بیان کے بعد منظور کی، اس کا متن ذیل میں درج ہے:

''سندھ کی وزارت اور انتخابات میں نہ تو قاید اعظم مسٹر جناح مداخلت کریں اور نہ آل انڈیا مسلم لیگ ٹانگ اڑائے بلکہ اس صوبے کے باشندے اپنی صوابدید کے مطابق جو فیصلہ چاہیں کریں''۔

یہی اخبار آگے چل کر لکھتا ہے کہ جی ایم سید صدر صوبہ سندھ مسلم لیگ اور ان کی پارٹی جب سے بھچل داس وغیرہ سے ملے ہیں اس دن سے وہ کوئی ایسی بات نہیں کرتے جس سے ہندو پریس ان سے ناراض ہو جائے۔

(سہ روزہ زمزم، لاہور: ۲۳/ جولائی ۱۹۴۵ء)

مولانا آزاد کی پیش کش:

۲۶/ جولائی ۱۹۴۵ء: صدر آل انڈیا کانگریس کمیٹی مولانا ابوالکلام آزاد سے ایک اخبار کے نامہ نگار نے دریافت کیا کہ آیا یہ بات درست ہے کہ آپ نے شملہ کانفرنس میں یہ پیش کش کی تھی کہ کانگریس کی طرف سے اس بات پر اصرار نہیں کیا جائے گا کہ ایگزیکٹو کونسل میں کانگریسی مسلمانوں کو ضرور شریک کیا جائے؟

مولانا نے فرمایا: ہاں! یہ درست ہے۔

میں نے کہا تھا کہ اگر لیگ ایسے دو مسلمانوں کا نام پیش کر دے جو نہ کانگریسی ہوں نہ لیگی تو کانگریس، کانگریسی مسلمانوں کی شرکت پر اصرار نہ کرے گی۔ سطور بالا کی تائید میں ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا نے بھی یہ اطلاع شایع کرائی کہ ''مولانا ابوالکلام آزاد نے مسلم لیگ کو پیش کش کی تھی کہ اگر وہ ''مسلم لیگ'' دو ایسے ترقی پسند آزادی طلب مسلمانوں کے نام اپنی طرف سے پیش کر دے جو نہ لیگی ہوں نہ کانگریسی تو کانگریس اپنی طرف سے کسی مسلمانوں کو نامزد کرنے پر زیادہ زور نہیں دے گی اگر مسلم لیگ نے اسے بھی نہ مانا۔

(سہ روزہ ''زمزم'' لاہور: ۳۱/ جولائی ۱۹۴۵ء)

آؤ ذرا دیکھیں! (زمزم، لاہور کا اداریہ):

۲۷/ جولائی ۱۹۴۵ء: مسلمانوں کی واحد نمایندگی کا دعویٰ کرنے والے آئیں اور ہمیں چند باتیں بتائیں۔

آج وہ شملہ کانفرنس کی ناکامی کو اپنی فتح سے تعبیر کر رہے ہیں، اور اس بات پر بڑی خوشیاں منا رہے ہیں کہ قاید اعظم ان کی کشتی کو اس گرداب سے صحیح سلامت واپس لے آئے، لیکن ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ اگر ویول اسکیم واقعی ایک گرداب کی مانند تھی تو مسلم لیگ کو روزِ اول ہی سے اپنی بے زاری کا اعلان کر دینا چاہیے تھا لیکن اگر مان لیا جائے کہ اسے اس حقیقت کا احساس بعد میں ہوا، تب بھی سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس گرداب سے مسلم لیگ نے بچایا یا لارڈ ویول نے؟ کانفرنس کی کارروائی اب منظر عام پر آچکی ہے جس نے اس حقیقت کو روز روشن کی طرح عیاں کر دیا ہے کہ لارڈ ویول نے محض مسلم لیگ کو خوش کرنے کے لیے کانفرنس کی ناکامی کا اعلان کرنا گوارا کیا۔ اگر اس موقع پر لارڈ ویول کی طرف سے لیگ کی تائید نہ کی جاتی تو کانفرنس کا ناکام ہونا ناممکن تھا۔ اس لیے کانفرنس کی ناکامی کا سہرا تو حقیقت میں وایسرائے ہی کے سر ہے اور برطانوی شہنشاہیت کے ایجنٹ ہونے کی حیثیت سے وہ اس سہرے پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے، اس کانفرنس کی ناکامی نے دنیا کے سامنے برطانیہ کی پوزیشن کو صاف کرنے میں جو کام کیا ہے، وہ بڑی سے بڑی پروپیگنڈا مشنری سے بھی ناممکن تھا۔ آج برطانیہ فخر و غرور کے سر کو پوری شان کے ساتھ بلند کر کے یہ کہہ سکتا ہے کہ ہندوستان کے اندرونی اختلافات اتنے شدید ہیں کہ جب تک وہ طے نہ ہو جائیں، اس کا ہندوستان میں رہنا بے حد ضروری ہے۔

لیکن، مختصر یہ کہ کانفرنس کی ناکامی نے برطانوی شہنشاہیت کے مفاد کو محفوظ کرنے میں تو بے حد مدد دی لیکن مسلم لیگ کو اس سے کیا فایدہ پہنچا؟ کیا اس طرح اس کی واحد نمایندگی کا دعویٰ تسلیم کر لیا گیا یا مسلمانوں کو اس کے اس عمل سے کوئی اور مادی یا اخلاقی فایدہ پہنچ گیا؟ اس کے برعکس اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مسلم لیگ کے مخالف حلقوں میں زیادہ سرگرمی پیدا ہو گئی ہے اور لیگی و غیر لیگی مسلمانوں کی باہمی آویزش میں زبردست اضافہ ہوتا جا رہا ہے، مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ دہلی اور علی گڑھ کے اسٹیشن پر جو کچھ ہوا، وہ اس باہمی کش مکش کی ایک افسوس ناک نشانی ہے۔ اس کے بعد دہلی کی جامع مسجد میں مسلمانانِ دہلی کی طرف سے مولانا سے محترم کی حمایت میں جو عظیم الشان جلسہ ہوا، اس نے اور زیادہ وضاحت کے ساتھ بتا دیا ہے کہ ہوا کا رخ کدھر ہے۔

علی گڑھ اور دہلی کے اسٹیشن پر مسلم لیگیوں کی طرف سے مولانا ابوالکلام کے خلاف

جو مظاہرہ ہوا، اس میں سیاسی اختلاف کی سنجیدگی کے بجائے اوباشی وغنڈہ پن کا عنصر نمایاں طور پر شامل تھا، ہمارا خیال تھا کہ مسلم لیگ کے زعمائے کرام اپنے نام لے واؤں کی اس خفیف الحرکاتی کے خلاف آواز بلند کریں گے، لیکن اس کے بجائے لیگ کے ترجمان ''ڈان'' میں ان خبروں کو جس عنوان سے شایع کیا گیا اور ان پر جو تبصرے کیے گئے، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ لیگ کے لیڈر اس قسم کے مظاہروں کو پسند ہی نہیں کرتے بلکہ ان کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی بھی کرتے ہیں، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ سیاسیات میں غنڈہ گردی کا یہ عنصر اختلافات کو کم کرنے کے بجائے اور شدید کرنے کا باعث ہوتا ہے۔

اب کیا کرو گے؟

بہر حال اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے، اس سے فی الحال بحث نہیں، سوال یہ ہے کہ ہمارے لیگی دوست آگے چل کر کیا کرنا چاہتے ہیں، شملہ کانفرنس ناکام ہو چکی وہ اس گرداب سے بھی نکل آئے، اس جال کے پھندں سے بھی صاف بچ نکلے، مگر کیا اب ان کا سفر ختم ہو گیا اور منزل مقصود آ گئی یا ابھی بہت کچھ کرنا دھرنا باقی ہے؟ قاید اعظم نے حال ہی میں الیکشن لڑنے کے لیے چندے کی جو اپیل کی ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اب لیگ کا آیندہ پروگرام انتخابات سے تعلق رکھتا ہے، اس پروگرام سے غالباً لیگ کی واحد نمایندگی کو ثابت کرنا مقصود ہوگا۔ ہم اس معرکے میں ابھی سے اپنے دوستوں کے لیے کوئی فال بد نکالنا نہیں چاہتے تاہم یوپی میں میونسپل بورڈ کے جو الیکشن پچھلے دنوں لیگ نے لڑے ہیں، ان کے نتائج کو اگر سامنے رکھا جائے تو کسی ایسے خوش گوار نتیجے کی توقع ہرگز نہیں کی جا سکتی ہے، ''واحد نمایندگی'' کی دعوے کو سو فیصدی صحیح قرار دے سکے۔

لیکن اصل یہ ہے کہ کسی جماعت کی ہر دلعزیزی کو جانچنے کا یہ معیار ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا کہ اس قوم کے تمام افراد ایک ایک کر کے اس کے ساتھ ہوں، اسی لیے ہمارے نزدیک ''واحد نمایندگی'' کا موجودہ دعویٰ ایک بالکل بے معنی سی بات ہے، پبلک جماعتوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عوام کی خدمت کرنے اور ان کی اصلاح و ترقی کی راہوں کو ہموار کرنے کی کوشش کی جائے۔ جو جماعت اس مقصد میں جتنی زیادہ کامیاب ہوگی، وہ اتنی ہی ہر دل عزیز اور نمایندہ جماعت سمجھی جائے گی، کانگریس کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اس کے

لیڈروں نے ہندوؤں کی اصلاح وترقی کے لیے جو کچھ کیا ہے، آج اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ''واحد نمایندگی'' کا دعویٰ کیے بغیر ہی اسے یہ منصب حاصل ہے لیکن ہم لیگ سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس نے مسلمانوں کے لیے اب تک کیا کیا ہے؟

سیاسی بیداری اور تنظیم؟

کہا جاتا ہے اور بڑے زور شور کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ لیگ نے مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کر دی ہے اور انھیں ایک جھنڈے کے نیچے منظم کر دیا ہے، بعض لوگ تو اس سلسلے میں یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ اسلامی تاریخ میں مسلمانوں کے اس قدر زبردست اتحاد وتنظیم کی مثال نہیں ملتی، لیکن اگر اتحاد وتنظیم کے معنی کسی خاص ڈسپلن اور کسی نظم وضبط کے ساتھ جمع ہو جانے کے ہیں، تو ہم اپنے دوستوں سے عرض کریں گے کہ وہ لیگ کے ممبروں کی فہرست پر نظر ڈالیں اور پھر فیصلہ کریں کہ ان کے قول میں کہاں تک صداقت ہے؟ کانگریس یا ہندو کے خلاف ہونے کی وجہ سے لیگ کی حمایت کرنا اور بات ہے اور باقاعدہ لیگ کے جھنڈے کے نیچے آکر جماعتی نظم وضبط کا ثبوت دینا بالکل دوسری بات ہے! لیکن ہمارے دوست عموماً انہی دونوں چیزوں میں غلط مبحث کرتے اور یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ لیگ نے ہمارے مسلمانوں کو اپنے دایرے میں لے لیا ہے، علاوہ ازیں اس وقت جو لوگ لیگ کے ممبر ہیں، ان کے متعلق بھی نہیں کہا جا سکتا کہ امتحان کی کسوٹی پر پرکھے جانے کے وقت کیسے ثابت ہوں گے، ڈیفنس کونسل سے استعفیٰ دینے کے موقع پر ایک بہت ہی معمولی قسم کا امتحان لیگ کے سامنے آیا تھا، مگر ہمارے لیگی دوست خود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس امتحان میں انھیں زبردست ناکامی ہوئی ہے۔ لیگ نے جنگی کوششوں سے بے تعلقی کی قرارداد پاس کر رکھی ہے، لیکن کیا کوئی ایک ضلع بھی ایسا مل سکتا ہے جہاں لیگ کے ذمے دار افراد ان مساعی میں عملاً اور علی الاعلان شریک نہ ہوں۔

غرض یہ کہنا کہ لیگ نے سارے ہندوستان کے مسلمانوں کی تنظیم کر دی، ایک بہت ہی پرفریب بات ہے کانگریس اور ہندو کی مخالفت کا جذبہ مسلمانوں میں عرصے سے ہے، لیگ کی نشاۃ ثانیہ کا سن آغاز ۱۹۳۷ء کو قرار دیا جاتا ہے، لیکن کانگریس اور ہندو کی مخالفت اس سے بہت پہلے کی چیز ہے، پھر اگر مسلمانوں کا اتحاد اسی کا نام ہے تو یہ اتحاد شدھی اور سنگھٹن

کے وقت بھی تھا، مشترک انتخاب کی مخالفت کے وقت بھی تھا، غرض اس کی عمر لیگ کی نشاۃِ ثانیہ سے بہت زیادہ ہے، بلکہ اصل یہ ہے کہ لیگ کے لیڈروں نے مسلمانوں کی انھی خدمات کے سہارے اپنی سیاست کی ساری عمارت تعمیر کی ہے، مگر اس کے باوجود ابھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مسلمانوں میں جماعتی نظم وضبط اور ایثار قربانی کی اسپرٹ لیگ نے کہاں تک پیدا کی ہے، جب تک امتحان و آزمایش کا کوئی موقع نہ آئے اس کا ثبوت ملنا ناممکن ہے۔

لیگ کا دوسرا کارنامہ یہ بتایا جاتا ہے کہ اس نے مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کردی، لیکن اگر سیاسی بیداری کے معنی صرف یہ ہیں کہ کانگریس کو ملعون اور ہندو کو مردود سمجھ لیا جائے، تو اول تو یہ کوئی بیداری نہیں، لیکن اگر اسے بیداری مان بھی لیا جائے، تب بھی یہ چیز مسلمانوں میں بہت پرانی ہے اور اس کی تاریخ لیگ کی نشاۃ ثانیہ سے سالہا سال پہلے شروع ہوتی ہے۔

مان لیجیے!

لیکن تھوڑی دیر کے لیے مان لیجیے کہ لیگ نے مسلمانوں میں سیاسی بیداری بھی پیدا کردی اور انھیں منظم بھی کردیا، لیکن ظاہر ہے کہ تنظیم اور بے داری بجائے خود کوئی مقصد نہیں ہیں، بلکہ حصولِ مقصد کا وسیلہ ہیں، مقصد جنگ ہے، آلاتِ جنگ ہیں، یعنی تنظیم اس لیے کی جاتی ہے اور بیداری اس لیے پھیلائی جاتی ہے کہ کسی بلند مادی، اخلاقی اور روحانی منزل کو حاصل کیا جائے۔ اس لیے آب ہم لیگ کے لیڈروں سے پوچھتے ہیں کہ وہ ہمیں بتائیں کہ اس تنظیم و بیداری کی مدد سے مسلمانوں کے لیے انھوں نے اب تک کیا کیا ہے؟ یا کیا تنظیم و بیداری کا مقصد صرف یہ ہے کہ مرکزی حکومت میں ''واحد نمایندگی'' کے نام پر ساری نشستیں لیگ کے لیڈروں کو مل جائیں اور صوبوں کی وزارتوں میں بھی صرف وہی لیے جائیں؟ پھر اگر قوم کی خدمت کے معنی یہی ہیں کہ سرکاری مسندوں پر قبضہ جمالیا جائے تو پھر سیکڑوں مسلمان کلکٹروں، ڈپٹی کلکٹروں، کمشنروں اور دیگر اعلیٰ عہدیداروں کو مسلمانوں کا سب سے بڑا محسن سمجھنا چاہیے، لیکن اگر یہ غلط ہے اور یقیناً غلط ہے تو لیگ والے ہمیں بتائیں کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ کیا مسلمانوں کی اقتصادی خوشحالی کے لیے انھوں نے کچھ کیا، ان کی تعلیمی

ترقی کے لیے کوئی قدم اُٹھایا، ان کی مجلسی و سماجی زندگی کو بہتر بنانے کی کوئی کوشش کی، ان کی مذہبی اور روحانی زندگی کو سدھارنے کی کوئی جدوجہد فرمائی؟

پھر اگر ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو ہم یہ دریافت کریں گے کہ پھر شملہ کانفرنس میں سارے مسلمانوں کے نام پر وزارت کی کرسیاں طلب کرنے کی جدوجہد کا مطلب کیا تھا اور اگر جدوجہد ناکام ہوگئی تو اس سے مسلم عوام کو کون سا فایدہ پہنچ گیا؟

لیگ کے مخلص حامیوں سے:

ان حالات و واقعات کو پیش کرنے کے بعد ہم لیگ کے مخلص و باہمت حامیوں سے یہ عرض کریں گے کہ ہمیں آپ کے خلوص اور جوش و جذبے سے انکار نہیں، لیکن اگر لیگ کے ناخدا یہی ہیں جن کے داؤ پیچ آپ نے شملہ میں دیکھے اور جن کے کارنامے آپ روز دیکھتے رہتے ہیں تو کیا انہی کی مدد سے آپ آزاد ہندوستان میں آزاد مسلمانوں کی سلطنت قایم کرسکیں گے؟ کیا انہی کی مدد سے آپ پاکستان حاصل کرسکیں گے اور کیا انہی کے بل بوتے پر آپ نے ''قرآنی حکومت'' قایم کرنے کے منصوبے باندھ رکھتے ہیں؟ اگر ان سوالوں کا جواب اثبات میں ہے تو ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ آپ ایک نہایت ہی خطرناک قسم کی خود فریبی میں مبتلا ہیں، لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو آپ کو غور کرنا چاہیے کہ ملت کے اس نازک دور میں آپ کا فرض کیا ہے، لیڈر خدا کا اوتار نہیں ہوتا کہ اسے ہر تنقید و نکتہ چینی سے بالاتر سمجھ لیا جائے، اس کے برعکس وہ قوم کے جذبات و احساسات کا ترجمان ہوتا ہے، پھر کیا مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی یہی ہے جو آج کل لیگ کے پلیٹ فارم سے ہو رہی ہے؟ اور کیا آپ کی فوج کے یہی وہ جنرل ہیں جو ''اسلامی حکومت'' قایم کرنے چلے ہیں؟ اگر مان لیا جائے کہ واقعہ یہی ہے تو پھر واحد نمایندگی کے سوال پر اتنا شور و غوغا کیوں ہے؟ یہ اونچی اٹاریوں میں بیٹھنے والے اور عیش و راحت کے گہواروں میں جھولنے والے عوام کے سامنے آنے سے کیوں کتراتے ہیں اور زندگی کی روزانہ مشقتوں میں ان کی رہ نمائی کرنے سے کیوں گریز کرتے ہیں؟

یہ ایسے سوالات ہیں جن پر مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے جو لوگ ذاتی اغراض سے پاک

ہیں اور واقعی مسلمانوں کا درد دل میں رکھ کر لیگ میں شامل ہوئے ہیں، ان سے ہم خصوصیت کے ساتھ مخاطب ہوکر عرض کریں گے کہ ہمارا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آپ لیگ سے کنارہ کشی اختیار کرلیں، اس کے برعکس مقصد صرف یہ ہے کہ کہ آپ کو حالات کی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، لیکن اگر آپ یہ محسوس کریں کہ لیگ کی لیڈرشپ کے مقابلے میں آپ کا وجود ایک عضو معطل سے زیادہ اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا تو پھر آپ کو غور کرنا چاہیے کہ قوم وملت کے مفاد کی ذمے داری آپ سے کیا مطالبہ کرتی ہے؟

(اداریہ، زمزم۔لاہور: ۲۷؍جولائی ۱۹۴۵ء)

کانگریس کے مسلمان صدر:

۲۷؍جولائی ۱۹۴۵ء: کانگریس کی تاریخ میں مندرجہ ذیل مسلمان صدر ہو چکے ہیں:

۱۔ مسٹر رحمت اللہ صاحب — صدر کانگریس — ۱۸۹۶ء

۲۔ نواب سید محمد بہادر — صدر کانگریس — ۱۹۱۳ء

۳۔ سید سر حسن امام صاحب — صدر کانگریس — ۱۹۱۸ء

۴۔ مسیح الملک حضرت حکیم حافظ محمد اجمل خان صاحب — صدر کانگریس — ۱۹۲۱ء

۵۔ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد (امام الہند، پیشوائے اعظم) (اسپیشل اجلاس کے صدر) — صدر کانگریس — ۱۹۲۳

۶۔ مولانا محمد علی صاحب مرحوم ومغفور — صدر کانگریس — ۱۹۲۴ء

۷۔ ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری — صدر کانگریس — ۱۹۲۷ء

۸۔ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد (امام الہند پیشوائے اعظم) — صدر کانگریس — ۱۹۴۰ء

(زمزم۔لاہور: ۲۷؍جولائی ۱۹۴۵ء)

مولانا آزاد کا پروگرام:

۲۷؍جولائی ۱۹۴۵ء: سری نگر، ۲۷؍جولائی، مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس کلکتہ

سے طیارے کے ذریعے ۲۹ر جولائی کو راول پنڈی پہنچیں گے روال پنڈی میاں احمد یار لیڈر اپوزیشن کشمیر اسمبلی اور میاں افتخار الدین صدر پنجاب پراونشل کانگریس ان کا استقبال کریں گے۔

مولانا اسی روز کشمیر کو روانہ ہو جائیں گے اور رات چناری میں بسر کریں گے جو جہلم ویلی اور روڈ پر رون کشمیر واقع ہے دوسرے روز براہِ راست گلمرگ کو روانہ ہو جائیں گے۔

گلمرگ میں شیخ عبداللہ ان کا استقبال کریں گے گلمرگ میں مولانا کے قیام کے لیے ضروری انتظامات کر دیے گئے ہیں۔

مولانا ابو الکلام آزاد کشمیر نیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں جو ۳ر اگست سے .... میں منعقد ہوگی، شرکت کریں۔

مولانا مسعود احمد کے حکم جلاوطنی میں ترمیم:

اندور (ڈاک سے) مولانا مسعود احمد سے گوالیار کے ایک سب انسپکٹر نے ایک اطلاع نامہ پر دستخط لیے جس میں مولانا صاحب کو آگاہ کیا گیا کہ وہ سوائے ضلع اوجین کے ریاست گوالیار کے تمام اضلاع میں داخل ہو سکیں گے۔

اندور کے سیاسی کارکن ریاست گوالیار کے اس اقدام کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پر امید ہیں کہ جلد ہی مولانا مسعود کو ضلع اوجین میں بھی داخلے کی اجازت دے دی جائے گی۔ (زمزم۔ لاہور: ۳۰ر جولائی ۱۹۴۵ء)

۲۷ر جولائی ۱۹۴۵ء: شملہ، ۲۷ر جولائی، ایسوسی ایٹڈ پریس کا نامہ نگار اطلاع دیتا ہے کہ حکومت پنجاب نے خان عبدالغفار خاں کی گرفتاری کا حکم نہیں دیا تھا اور اسے ان کی گرفتاری اور رہائی کے متعلق سرکاری طور سے کوئی اطلاع وصول نہیں ہوئی۔ ڈپٹی کمشنر اٹک سے واقعہ کی تفصیلات دریافت کی گئی ہیں۔

پشاور کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ پولیس خاں عبدالغفار خاں کو خوشحال گڑھ لے گئی تھی اور خوشحال گڑھ سے ایبٹ آباد لے جا کر چھوڑ دیا۔

(زمزم۔ لاہور: ۳۰ر جولائی ۱۹۴۵ء)

انڈیا آفس بند کر دیا جائے گا:

۲۷؍جولائی ۱۹۴۵ء: لندن، ۲۷؍جولائی، لیبر پارٹی کے کامیاب ہونے کے بعد مسٹر بیون بروک کے ان الفاظ کو یاد کیا جا رہا ہے کہ اگر لیبر پارٹی کامیاب ہوگئی تو وہ انڈیا آفس کو بند کر دے گی اور ہندوستان میں کرپس اسکیم کو جلد سے جلد نافذ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

برطانوی انتخابات کا نتیجہ:

لندن، ۲۷؍جولائی، عام انتخابات کے جن نتائج کا اب تک اعلان کیا جا چکا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

لیبر پارٹی	۳۷۵
کنزرویٹو	۱۸۸
لبرل	۱۰
لبرل نیشنل	۱۴
انانڈپنڈنٹ	۱۳
کمیونسٹ و کامن ویلتھ	۳

(زمزم۔ لاہور: ۳۰؍جولائی ۱۹۴۵ء)

صدر کانگریس کا مطالبہ:

۲۹؍جولائی ۱۹۴۵ء: کلکتہ، ۲۹؍جولائی، معلوم ہوا ہے کہ صدر کانگریس مولانا ابو الکلام آزاد نے وائسرائے سے مطالبہ کیا ہے کہ کانگریسی قیدیوں کو رہا کر دیا جائے، اور سیاسی کارکنوں کی گرفتاری کے جن احکام پر ابھی عمل نہیں ہوا انھیں منسوخ کر دیا جائے۔

دہلی، ۲۹؍جولائی مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس بہ عزم کشمیر یہاں وارد ہوئے کل طیارہ کے ذریعہ راول پنڈی کو روانہ ہو جائیں گے۔

(زمزم۔ لاہور: ۳؍اگست ۱۹۴۵ء)

اب کیا کہیں گے لیگی دوست؟

۳۰؍جولائی ۱۹۴۵ء: ایسوشی ایٹڈ پریس کی وساطت سے یہ چیز عام ہو چکی ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے مسلم لیگ کو یہ پیش کش کی تھی کہ اگر وہ دو ایسے ترقی پسند و آزادی طلب مسلمانوں کے نام اپنی طرف سے پیش کر دے جو نہ لیگی ہوں اور نہ کانگریسی تو کانگریس اپنی طرف سے کسی مسلمان کو نامزد کرنے پر زور نہ دے گی، مگر لیگ نے سے بھی نہ مانا۔

اس چیز کا صاف مطلب یہ ہے کہ مقابلہ دراصل ہندو یا مسلمان میں نہیں تھا، اور نہ جھگڑا کانگریس اور لیگ کے بنیادی مقصد و نصب العین کا تھا بلکہ اصل جھگڑا تھا ترقی پسندی کے درمیان۔ لیگ نے رجعت پسند مسلمانوں کی پشت پناہی کی اور مولانا ابوالکلام نے اس کے اس حصار میں رخنہ ڈالنا چاہا، مگر لیگ اور لیگ کے پس پردہ کام کرنے والے ہاتھ اس کو گوارا نہ کر سکے اور کانفرنس ناکام ہو گئی۔

اس خبر کے بعد لیگ کی پوزیشن کھلی ہوئی فسطائیت پسندانہ اور آمرانہ ہو جاتی ہے، یعنی وہ مسلمانوں کا اقتدار نہیں چاہتی بلکہ اپنی پارٹی کو ہٹلر اور مسولینی کی پارٹی کی طرح آمر مطلق بنانا چاہتی ہے، مگر ہم لیگ کے مخلص دوستوں کو ابھی سے بتلائے دیتے ہیں کہ ہٹلر و مسولینی اور ان کی جماعتوں کا انجام وہ اپنی نظر میں رکھیں اور قبل اس کے پانی سر سے اونچا ہو، معقولیت پسندانہ روش کی طرف مائل ہوں۔

ہندو نشستیں اور مسلم نشستیں:

زمزم کی گزشتہ دو تین اشاعتوں میں یہ بحث چھڑی ہوئی ہے کہ اگر کانگریس کی طرف سے ہندو مسلمان کے امتیاز کو بایں طور نظر انداز کر دیا جاتا کہ مسلمانوں کے حصے کی ساری نشستیں تو مسلم لیگ ہی کو دے دی جاتیں لیکن ہندوؤں کے حصے کی نشستوں پر کانگریس کی طرف سے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مخلوط نامزدگی عمل میں آتی تو موجودہ جھگڑا خوش اسلوبی سے نپٹ جاتا، لیکن اب اس کے جواب میں متعدد ترقی پسند مسلمان دوستوں کی طرف سے ہمیں بتایا گیا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اولین فرصت میں اس کی طرف توجہ کی تھی۔ مگر

اول تو مسلم لیگ نے قطعی طور پر اس پوزیشن کو ماننے سے بھی انکار کر دیا تھا اور دوسرے جداگانہ انتخاب کے پیدا کردہ حالات کی بنا پر غیر کانگریسی ہندوؤں کی طرف سے اس قسم کی تجویز کے خلاف زبردست ہیجان کا اظہار یقینی تھا پھر چوں کہ لارڈ ویول کی طرف سے یہ قوی اندیشہ تھا کہ وہ ایسی صورت میں رجعت پسند ہندوؤں کا ساتھ دیے بغیر نہ رہیں گے، اس لیے کانگریس کو آخر میں ناکامی ہی کا سامنا کرنا ہوتا۔

ان امور کی بنا پر مولانا نے اس اقدام کو زیادہ اہمیت نہ دی۔ ہم اس دلیل کی اہمیت کو تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر سکتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ہندو مسلمانوں کی نشستوں کے مقررہ تناسب میں کانگریس کی طرف سے دست اندازی کی جاتی تو انگریز کی حمایت سے پورے ملک میں ایک فتنہ کھڑا کر دیا جاتا، مگر اس کے باوجود ہم یہ عرض کے بغیر نہ رہیں گے کہ اگر اچھوتوں کے معاملے میں آج سے دس پندرہ سال پیشتر میثاق پونا ہو سکتا تھا اور اس میں مقررہ نشستوں کے تناسب میں ردو بدل کر دینا ممکن تھا تو اسی قسم کی کوئی چیز آج کیوں ممکن نہ تھی؟ جہاں تک لیگ کی واحد نمایندگی کے دعوے کا تعلق ہے اسے ہم قطعی طور پر غیر معقول سمجھتے ہیں لیکن ہمارا مدعا صرف یہ ہے کہ لیگ کی اس نامعقول روش کے باوجود لیڈرز کانفرنس کو کامیاب بنانے کا کام ممکن ہو سکتا تھا۔ (زمزم۔ لاہور: ۳؍اگست ۱۹۴۵ء)

اگست ۱۹۴۲ء کے شہدا کی یاد، مولانا آزاد کا پیغام:

۳۱؍جولائی ۱۹۴۵ء: الہ آباد، ۳۱؍جولائی۔ کانگریس کی طرف سے چاندی کی پلیٹوں پر مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ پیغام کندہ کرایا جا رہا ہے:

''ان کی یاد میں جنھوں نے اپنے خون سے ہندوستان کے باغ کو سینچا''۔

یہ نقرئی پلیٹیں ان شہیدوں کے وارثوں کو پیش کی جائیں گی جنھوں نے اگست ۱۹۴۲ء کی گڑبڑ کے دوران میں اپنی جانیں وطن پر قربان کیں۔

پلیٹوں پر شہدا کے نام اور تاریخ شہادت درج ہے۔

(زمزم۔ لاہور: ۳؍اگست ۱۹۴۵ء)

جنگ عظیم میں جرمنی کے ہلاک شدگان:

۳۱ر جولائی ۱۹۴۵ء: برلن، ۳۱ر جولائی، ایلن برگ میں جنرل ہرمن رینیکے (جرمن ہائی کماں کے پروپیگنڈا ڈیپارٹمنٹ کے افسر اعلیٰ) کے مکان سے جو کاغذات برآمد ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ستمبر ۱۹۳۹ء سے ۳ر نومبر ۱۹۴۴ء تک جرمنی کے ۳۶۴۴۳۸ سپاہی ہلاک و مجروح ہوئے ان میں ۱۹ لاکھ دو ہزار تین سو ہلاک اور ۱۴۳۵۸۵۳ مفقود الخبر اور ۱۲۷۸۳۰۱ اسیران جنگ ہیں۔ (زمزم۔لاہور ۳۰ر اگست ۱۹۴۵ء)

مولانا آزاد کے جلوس پر حملہ:

۳۱ر جولائی ۱۹۴۵ء: سری نگر میں مولانا آزاد کے جلوس پر جو حملہ ہوا تھا، اس کی تفصیل مؤلف کاروان احرار۔نے زمزم، ویر بھارت، لاہور وغیرہ کے حوالے سے مرتب کردی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''شملہ کانفرنس کیوں ناکام ہوئی؟ اس کی ذمہ داری کا فیصلہ آیندہ مؤرخ پر چھوڑ یے۔ بظاہر ہندوستان کا مسلمان دو دھڑوں میں منقسم ہوگیا، مسلم لیگ سے متعلقہ ارکان نے اپنے سے اختلاف کرنے والے مسلمان رہ نماؤں پر شملہ کانفرنس کی ناکامی کا الزام لگا کر سارے ملک میں وہ کچھ کہا اور کیا جسے انسانی ضابطۂ حیات میں اخلاق سے مادریٰ کہا جاسکتا ہے، اسی ہاتھ پائی کے اثرات سری نگر تک بھی پہنچے۔

یکم اگست ۱۹۴۵ء کے اخبارات میں جو خبر شایع ہوئی وہ من وعن درج ذیل ہے:

''سری نگر، ۳۱ر جولائی۔ آج یہاں مولانا آزاد کے جلوس کے سلسلے میں افسوسناک فساد ہوگیا، اس سلسلے میں فریقین کی جو اطلاعات وصول ہوئی ہیں، وہ جانبدارانہ کہی جاسکتی ہیں، اس لیے ہم صرف حکومت کشمیر کا اعلان شایع کرتے ہیں جو اس واقعے کے متعلق اس نے شایع کیا ہے''۔

(سہ روزہ ''زمزم'' لاہور: یکم اگست ۱۹۴۵ء)

(اعلان یہ ہے:)

''کل شام (۳۰ر جولائی) نیشنل کانفرنس نے مولانا آزاد صدر کانگریس، خان عبد

الغفار خاں اور پنڈت جواہر لعل نہرو کے اعزاز میں ایک دریائی جلوس نکالا، جس کی اجازت پہلے سے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے حاصل کرلی گئی تھی۔ شہر کے ایک پارک سے مسلم کانفرنس کے حامیوں نے جلوس نکالا اور نیشنل کانفرنس کے حامیوں پر پتھر پھینکنے شروع کردیے جس سے دونوں جانب کے اشخاص زخمی ہوئے اور نیشنل کانفرنس کا ایک آدمی ہسپتال میں جاکر مرگیا۔

پولیس نے مداخلت کی، اگرچہ کئی پولیس مین بمعہ ایک ڈیوٹی مجسٹریٹ کے زخمی ہوگئے، مگر صورت حال پر قابو پالیا گیا۔ اس کے بعد دریائی جلوس بغیر کسی حادثے کے اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ اب شہر میں سکون ہے، فسادزدہ علاقہ میں پبلک جلوسوں کی ممانعت کردی گئی ہے"۔

مولانا آزاد سے سری نگر کے واقعہ پر اخبارات کے نامہ نگاروں نے نسیم باغ (جہاں ان کا قیام تھا) میں ملاقات کی اور دریائی جلوس کے واقعہ کے متعلق کچھ پوچھنا چاہا تو مولانا آزاد نے گفتگو کا رخ دوسری جانب پھیر دیا۔

سری نگر کے حادثے پر ہندوستان کے اخبارات نے مخالفت اور موافقت میں بہت کچھ لکھا لیکن اس واقعے سے ایک ہفتہ بعد ۸/اگست کو کشمیری لیڈر شیخ عبداللہ نے ایک پریس بیان میں کہا:

"گذشتہ ہفتے سری نگر میں جو کچھ ہوا، اسے سیاسی اختلاف سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ مسلم کانفرنس کے حامیوں کو اگر کوئی ضد ہے، یا اختلاف تو اس کا تعلق میری ذات سے ہے، لیکن مولانا آزاد اور دوسرے رہنما ریاست کے مہمان تھے۔ میزبان کی حیثیت سے ان کا احترام ہم سب پر واجب تھا۔ مگر میرے اختلاف کو بہانہ بناکر معزز مہمانوں سے جو سلوک کیا گیا، اسے کسی درجے میں انسانیت سے تشبیہہ نہیں دی جاسکتی۔

مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح دومرتبہ سری نگر آچکے ہیں، کیا مجال جو کسی نے ان کی طرف بری نگاہ سے دیکھا ہو، یا ان کے خلاف کوئی مظاہر کیا ہو، حال آں کہ میرا ان سے سیاسی رائے میں اختلاف ہے، لیکن مسلم کانفرنس کے دوستوں نے دریائی جلوس پر، جو نہایت پرامن تھا، جس انداز سے پتھراؤ کیا اور اس کے جواب میں جو کچھ ہوا، مجھے اس پر بے حد افسوس ہے"۔

نوٹ: شیخ عبداللہ کا مندرجہ بالا بیان چوں کہ مسلم لیگ کے حامی اخبارات نے شائع

نہیں کیا تھا، بدیں وجہ ہم اس بیان کو ۹/اگست کے روز نامہ ''ویر بھارت'' سے نقل کر رہے ہیں۔ (کاروان احرار، ج۶: صفحہ ۶۷_۲۶۶)

جولائی ۱۹۴۵ء: لیگ سے غیر وابستہ مسلمان لیگیوں کی زبان درازی کا نشانہ بنے ہوئے تھے اور لیگی قیادت اپنے پیروکاروں کو خلاف تہذیب اور غیر شائستہ اقدامات کی ترغیب دیتی رہتی تھی۔ شملہ کانفرنس مسلم لیگ کی ضد بازی، بے جا اصرار اور غیر معقول رویہ کی وجہ سے ناکام ہوئی، کوئی جمہورت پسند اور سیاسی کارکن اسے معقول قرار نہیں دے سکتا لیکن مسلم لیگی رہنما اس کی ذمہ داری دوسروں کے سر تھوپ رہے تھے اور خاص طور پر غیر مسلم لیگی مسلمان رہنماؤں کو موردِ الزام ٹھہراتے تھے ان پر خلاف واقعہ الزام لگا کر مسلمانوں میں مطعون کرتے اور معتوب بناتے تھے۔ کوئٹہ میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے قوم پرور مسلمانوں کے بارے میں کہا ''یہ مسلمان ہی نہیں ہیں ہندوؤں کے زرخرید غلام ہیں''۔ بی بی سی کے نمایندے کو انٹرویو دیتے ہوئے مسٹر جناح نے مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی کو انگریزی زبان کی سب سے بڑی گالی دی اور انہیں ''کوئز لنگ'' کے مماثل قرار دیا۔ مسٹر چندریگر نے قوم پرور مسلمان جماعتوں کو کانگریس کے اشاروں پر ناچنے والی طوائفیں تک کہا۔ یہ مسلم لیگ کی اعلیٰ قیادت کا اندازِ تخاطب، طرزِ کلام اور ''حسن اخلاق کا نمونہ'' ہے۔ اس نوع کے بیان و کام کے حامل قائدین ایک ایسی ریاست کے قیام کا مطالبہ کر رہے تھے، جو مسلمانوں کے لیے مخصوص ہو اور جہاں اسلام کا نظام حیات نافذ کرنے کا دعویٰ کیا جاتا تھا۔ کیا اسلام مخالفین کے لیے اس قسم کی زبان استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے؟ وہ تو غیر مسلموں کے اکابرین کے بارے میں بھی سوقیانہ اور مبتذل لہجہ اور زبان استعمال کرنے سے منع کرتا ہے۔ اسلام دل آزاری کی نہیں دل داری کی دعوت دیتا ہے۔ مسلم لیگی قیادت کے قول و فعل میں تضاد ہی کے باعث پاکستان میں لاینحل مسایل پیدا ہوئے اور مسلم لیگ بہت جلد مسلمانون کی نگاہوں میں اپنا وقار کھو بیٹھی۔

علی گڑھ ریلوے اسٹیشن پر طلباء کا مخالفانہ مظاہرہ:

مولانا آزاد شملہ کانفرنس کے اختتام پر بذریعہ ریل کلکتہ جاری رہے تھے کہ علی گڑھ یونیورسٹی میں ٹیلی فون سے ان کی روانگی کی اطلاع دی گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شرارتی طالب علموں

کا ایک گروہ اسٹیشن پر پہنچ گیا "شریف زادوں" نے گاڑی کو دیر تک روکے رکھا اور ایک گھنٹے تک متواتر ننگا ناچ، ناچ کر لیگی تہذیب وثقافت کا شرم ناک مظاہرہ کرتے رہے۔

مولانا کے ایک عقیدت مند نے اس شرم ناک واقعے پر ان سے اظہار افسوس اور ہمدردی کا خط لکھا۔ اس کے جواب میں مولانا نے ایک مکتوب ۲۸ راگست ۱۹۴۵ء میں لکھا:

"......اللہ تعالیٰ اس اخلاص ومحبت کے لیے جزائے خیر دے۔ دعا کرتا ہوں اور شکر گذار ہوں۔ علی گڑھ کے اسٹیشن پر چند طلبا کا جو طرزِ عمل رہا تھا، اسے ان کی نادانی پر محمول کیجیے اور انہیں بخش دیجیے۔ اس کی ذمہ داری خود ان پر نہیں ہے، ان نادانوں پر ہے جو ان بے خبروں کو اپنا آلۂ کار بناتے ہیں"۔

یہ تو تھا غیر مسلم لیگی مسلمان کا طرزِ عمل، جسے مسلم لیگ کے اجارہ دار مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ جاری کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اگر چہ انھوں نے یہ سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کی نہ تو کبھی استدعا کی اور نہ ہی ضرورت محسوس کی۔ الحمدللہ یہ حضرات اس کے محتاج ہی نہ تھے اور کسی سے کم تر مسلمان نہ تھے۔ انھوں نے مسلمان ہونے کا فخر سے اعلان کیا اور اس کی تاریخ وروایات کے کسی ایک پہلو یا گوشہ سے دستبردار ہونا گوارا نہ کیا۔ اس کے برعکس مسلم لیگ کے ناقوسِ خصوصی روزنامہ "ڈان" دہلی نے اس شرم ناک واقع پر مقالہ افتتاحیہ لکھتے ہوئے بڑے فخر کا اظہار کیا اور لیگ کے نونہالوں کی حوصلہ افزائی کی۔ "جہاں تک اس سلوک کا تعلق ہے جو لیگ کی جانب سے مولانا کے ساتھ کیا گیا ہے تو ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ گلدستہ کے مقابلے میں تو ان لوگوں کے حصہ میں اینٹ اور پتھر ہی آئیں گے جو شو بوائے کا کام کرتے ہیں' دوسرے لیگی اخبارات بھی نیشنلسٹ مسلمانوں پر تبرا بازی اور دشنام طرازی میں سرگرم تھے۔ آزادی کے بعد جب ہندو فرقہ پرستوں نے مسلم فرقہ پرستی کے ردعمل میں علی گڑھ کو نشانہ ستم بنانا چاہا تو رشید احمد صدیقی کے الفاظ میں "مولانا ہی کی شخصیت نے سرسید احمد خان کی اس یادگار کو بچایا۔ وہ علی گڑھ کے عالم نزع میں دوسرے سرسید تھے" مولانا کی مساعی پر ہندو فرقہ پرست سخت جز بز تھے اور انہیں فرقہ پروری کا طعنہ دیتے تھے۔

اپنے بھی خفا مجھ سے بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

(مولانا ابوالکلام آزاد اور قوم پرست مسلمانوں کی سیاست)

جنوری ۱۹۴۷ء

مولانا آزاد حکومت میں شامل ہو گئے:

۱۵رجنوری ۱۹۴۷ء کو مولانا ابوالکلام آزاد ہندوستان کی نیشنل گورنمنٹ میں شامل کر لیے گئے۔ انھیں وزیر تعلیم بنایا گیا ہے۔ اس سے پیشتر یہ ذمہ داری راج گوپال اچاریہ کے پاس تھی۔ (کاروانِ احرار، جلد ہشتم: ص ۴۱)

تجاویز اجلاس مجلس عاملہ جمعیۃ علماے ہند:

۲۴ر۲۵ر جون ۱۹۴۷ء: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہٗ، مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہٗ، حضرت مولانا احمد سعید صاحب، حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی، مولانا سید شاہد صاحب فاخری، مولانا نورالدین صاحب بہاری، مولانا بشیر احمد صاحب، مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا محمد میاں ناظم جمعیت علماے ہند۔

اراکین محترم کے علاوہ حسب ذیل حضرات نے خاص دعوت پر شرکت فرمائی۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی، جناب قاضی محمد احمد صاحب کاظمی، انوار الرحمٰن صاحب قدوائی، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب، محمد جعفری صاحب، مولانا محمد میاں صاحب فاروقی (الہ آباد)، مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہان پوری، جناب قاضی بدر الحسن صاحب جلالی، خواجہ اطہر حسن صاحب سہارن پوری، مولانا محمد قاسم صاحب شاہجہان پوری، مولانا حامد الانصاری غازی، ایڈیٹر مدینہ، مولانا محمد کامل صاحب کلکتہ۔

اجلاس نے اپنی تین نشستوں میں کامل بحث وتمحیص اور غور وخوض کے بعد حسب ذیل تجاویز منظور کی ہیں:

تجویز نمبر ا، متعلق تقسیم ہند:

جمیعت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ اس حقیقت کو واضح کر دینا چاہتا ہے کہ جمیعت علمائے ہند نے ہمیشہ اس امر کا اعلان کیا ہے کہ جمیعت علما کا نصب العین ہندوستان کے لیے مکمل آزادی حاصل کرنا ہے۔

اور نیز یہ کہ ہندوستان کو تقسیم کرنا باشندگانِ ہندوستان کے عموماً اور مسلمانان ہند کے لیے خصوصاً سخت مضرت رساں اور نقصان دہ ہے۔

چوں کہ جمیعت علما کی یہ پختہ رائے ہے، اس لیے یہ جلسہ ایک دفعہ پھر مسلمانان ہند کو متنبہ کرتا ہے کہ اس ملک کی تقسیم مسلمانوں کے لیے انتہائی تکلیف دہ اور مہلک ثابت ہوگی۔

اس جلسے کی رائے میں مسلم حقوق کے تحفظ اور مسلمانوں کے سیاسی اور اقتصادی بچاؤ کی صحیح شکل وہی ہو سکتی تھی جو جمیعت علما نے اپنے فارمولے میں پیش کی تھی۔

یہ جلسہ اپنے اس پختہ عقیدے اور مضبوط رائے کا اظہار کرتے ہوئے گورنمنٹ برطانیہ کے اس پلان سے اپنی دلی بیزاری کا اظہار کرتا ہے جو گورنمنٹ برطانیہ نے ۲؍جون کو ہندوستانی لیڈروں کے حوالے کیا ہے۔

اس پلان میں نہ تو مکمل آزادی کا کوئی ذکر ہے اور نہ ہندوستان کی وحدت قایم رکھی گئی ہے، اس پلان میں نہ صرف یہ کہ ملک کو تقسیم کیا گیا ہے بلکہ پنجاب و بنگال کے بھی ٹکڑے کر دیے گئے ہیں۔ یہ پلان ہندوستانیوں میں باہمی منافرت بڑھا کر حکومت برطانیہ یا کسی اور اجنبی طاقت کو ہندوستان اور پاکستان میں مداخلت کے لیے آسانی پیدا کرتا ہے۔

اس پلان کی وجہ سے ہندوستان کی وحدت ہی پارہ پارہ نہیں ہوتی بلکہ اس کی وجہ سے مسلمانانِ ہندوستان بھی تین حصوں میں تقسیم ہو گئے ہیں اور تقریباً پانچ کروڑ مسلمان ایک ایسی اکثریت کے حوالے کر دیے گئے ہیں جس کی تعداد ۲۵ کروڑ ہے۔

مسلمانوں کی یہ تباہی اور بے کسی اس غلط اور مستبدانہ رہ نمائی کا نتیجہ ہے جس میں ایک عرصے سے وہ گمراہانہ طور پر مبتلا ہیں۔

اگر اس قسم کی نقصان دہ تقسیم ہی کو قبول کرنا تھا تو اس کا بہترین موقع وہ تھا جب کہ مسٹر گاندھی اور مسٹر راج گوپال آچاریہ اس تقسیم کی پیش کش کر رہے تھے یا اس کے لیے وہ

وقت مناسب تھا جب کہ کیبنٹ مشن سے گفتگو ہو رہی تھی لیکن اس وقت اس پاکستان کو چھلکا اور سایہ کہہ کر مسٹر جناح نے رد کر دیا تھا۔

اگر یہ چھوٹا اور بے حقیقت پاکستان اس وقت قبول کر لیا جاتا تو یقیناً ملک وحشیانہ قتل و غارت گری میں مبتلا نہ ہوتا۔ اور ہزاروں بے گناہ مسلمان تباہ و برباد ہونے سے محفوظ رہتے۔

اس جلسے کی یہ قطعی رائے ہے کہ تقریباً پانچ کروڑ مسلمانوں کو ایک خطرناک حالت میں مبتلا کرانے کی تمام تر ذمہ داری مسلم لیگ کی اس غیر جمہوری اور مستبدانہ پالیسی پر عاید ہوتی ہے جو اس کا عام طرزِ عمل ہے، جمعیت علما کے نزدیک یہ ایک حقیقت ہے کہ کانگریس نے اس تقسیم کو منظور کر کے ملک کے مفاد کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے اور اپنے اصول سے کھلا انحراف کیا ہے۔

جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ اس امر کو واضح کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ جمعیت علما اپنے نصب العین مکمل آزادی کو حاصل کرنے کی جدوجہد اس وقت تک جاری رکھے گی جب تک کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو جاتی، تاہم چوں کہ ملک کی تقسیم ہو چکی ہے اور متعلقہ پارٹیوں نے اس کو منظور کر لیا ہے اس لیے مجلس عاملہ کا یہ جلسہ اپنی تمام جماعتوں اور ماتحت شاخوں کو خواہ وہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں ہوں یا مسلم اقلیت کے صوبوں میں، یہ ہدایت کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی غرض سے اصلاحی اور تعمیری کاموں پر توجہ کریں اور اس سلسلے میں حسب ضرورت مرکزی دفتر سے ہدایات حاصل کرتے رہیں۔

تجویز نمبر ۲: مجلس عاملہ کا یہ اجلاس بلوچستان کے استصواب رائے کے متعلق جمعیت علما صوبہ بلوچستان کو اختیار دیتا ہے کہ وہ مسلم مفاد کے پیش نظر اپنی صواب دید کے مطابق فیصلہ کرے۔

تجویز نمبر ۳: جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس ایسی حالت میں جب کہ صوبہ سرحد کے تمام رائے دہندوں کی اکثریت نے ابھی گذشتہ انتخابات کے موقع پر پاکستان کے خلاف اپنی آخری اور فیصلہ کن رائے کا اظہار کر دیا تھا اور اس وقت حکومت نے ان ہی انتخابات کے نتائج کی بنیاد پر ملک کی آزادی کی تعمیر کا وعدہ کیا تھا، اب گورنمنٹ

برطانیہ کے پنجاب و بنگال کے طریقہ کے برعکس اس صوبہ میں استصواب رائے عامہ کے جدید شاخسانہ کو خلاف قانون اور کھلی بے انصافی و جنبہ داری خیال کرتا ہے۔

مجلس عاملہ کی رائے میں حکومت برطانیہ کا یہ اقدام اور متعلقہ جماعتوں کا اس کو قبول کرنا باشندگان سرحد کی آزادی رائے پر ناقابل تلافی ظلم ہے۔

اس کے باوجود بھی حکومت برطانیہ کو بہ حالات موجودہ سرحد میں رائے عامہ معلوم کرنے پر اصرار ہے تو باشندگان سرحد کو صرف پاکستان اور ہندوستان میں محدود کرنے کی بجائے آیندہ طرز حکومت سے متعلق رائے کی پوری آزادی ہونی چاہیے کہ وہ اپنے لیے جس قسم کی حکومت پسند کریں اختیار کریں۔

تجویز نمبر ۴: جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کے اس اجلاس نے سلہٹ کے بارے میں کافی غور و خوض کیا، وہ اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ سلہٹ کے مشرقی بنگال میں شامل ہو جانے سے مشرقی بنگال کی مسلم اکثریت کو تو محض ایک جزوی نفع پہنچتا ہے جب کہ سلہٹ کے آسام سے نکل جانے کے باعث آسام کی مسلم آبادی اور قدر قلیل اقلیت میں رہ جائے گی کہ صوبہ مذکور میں اس کی آواز بے اثر ہو کر رہ جائے گی، اس لیے اس مجلس کی رائے میں مسلم مفاد کے پیش نظر سلہٹ کا آسام میں شامل رہنا مشرقی بنگال میں شامل ہونے کے مقابلہ میں زیادہ نفع بخش ہے۔

تجویز نمبر ۵: جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ مسلم اقلیت کے تقریباً پانچ کروڑ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کے مذہبی تحفظا کے پیش نظر اس امر کو ضروری سمجھتا ہے کہ جلد از جلد مسلم اقلیت وا لے صوبوں کے مسلمانوں کی ایک عام کانفرنس بلائی جائے اور اس میں مسلمانوں کے مذکورہ بالا امور پر غور کیا جائے۔ یہ جلسہ دفتر کو اختیار دیتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں ضروری اور مناسب کارروائی کرے۔

۲۵ ر جون کو دوپہر کے قریب اجلاس بخیر و خوبی ختم ہوا۔

محمد میاں ناظم جمعیت علمائے ہند، دہلی

(جمعیت علماے کیا ہے؟ حصہ دوم)

۱۲ ر مئی، ۱۹۵۰ء: ۱۲ ر مئی ۱۹۵۰ء کو پٹیالہ یونین کے ۴۵ ہزار مسلمان جنھیں ۱۹۴۷ء میں فساد کی وجہ سے ہندو بنالیا گیا تھا، وہ دوبارہ مسلمان ہو گئے اور حکومت ہند نے انھیں نئے

سر ے سے پٹیالہ یونین میں بسانے کا کام شروع کردیا۔ (روز نامہ خلافت۔ بمبئی: ۱۴؍مئی ۱۹۵۰ء۔ بہ حوالہ، مولانا آزاد...... ایک سیاسی ڈایری، ص ۴۵۳)

۱۵؍ربیع الثانی، ۱۳۷۷ھ/ نومبر ۱۹۵۷ء: ''نکہتِ گل'' کے بارے میں حضرت کی رائے گرامی

محترم المقام زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج مبارک!

نکہت گل نے مشام کو معطر اور دل ودماغ کو مسرور کیا۔ جزاکم اللہ خیرالجزاء......

حسبِ ارشاد نشان زدہ اوراق پر خصوصی طور پر توجہ کی گئی۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی رضا اور خوشنودی اور قبولیت سے نوازے اور مزید توفیق عنایت فرمائے۔ آمین (۱)

اس توجہ اور عنایت کا شکر گزار ہوں، بفضلہ تعالیٰ صحت روبہ ترقی ہے، دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ دیوبند

۱۵؍ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ

علی گڑھ اسٹیشن پر مولانا آزاد سے توہین آمیز سلوک:

اگست ۱۹۴۵ء کا آغاز تھا، مولانا شملہ سے کلکتہ جارہے تھے۔ جس ٹرین سے روانہ ہوئے مسلم لیگی شرافت کے کچھ ٹھیکے دار بھی اسی ٹرین سے سفر کررہے تھے، ان لیگی لیڈروں نے روانگی سے پہلے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کو فون کردیا تھا کہ مولانا اس ٹرین سے ہم سفر ہیں۔ جس سے شرارت پسند طلبہ کا انبوہ کثیر قبل از وقت علی گڑھ اسٹیشن آدھمکا۔ ان شریف زادوں نے اپنی تہذیب جدید کا پوری طرح ننگا ناچ ناچ کر مظاہرہ کیا۔ جب گاڑی چلنے لگتی تو زنجیر کھینچ دی جاتی اس طرح متواتر ایک گھنٹے تک گاڑی کو لیٹ کرکے یہ اپنے...... طریق

۱۔ یہ والا نامہ حضرت مدنی قدس سرہ نے دورانِ علالت میں وصال سے تقریباً ایک ماہ قبل جناب علیم اختر صاحب مظفر نگر کے مجموعہ کلام ''نکہت گل'' کے سلسلے میں اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرمایا...... ''مجموعہ اس لایق ہے کہ ہر پڑھا لکھا اور اردو سے دل چسپی رکھنے والا ضرور اپنے پاس رکھے اور لطف اندوز ہو اور علیم صاحب کے ذوق کی داد دے''۔

کار کا مظاہرہ کرتے رہے۔ فحش فحش گالیوں کے ساتھ انتہا یہ کی کہ پتلون کی بٹنیں تک کھول کھول کر اپنی شرافت کا اظہار انتہائی دیدہ دلیری اور بے حیائی سے کرتے رہے۔ ڈبے میں بیٹھے ہوئے ''مکروہ صورت'' ہم سفر لیگی لیڈر بہ چشم خود ان جناحیوں کی یہ تمام ناشائستہ حرکتیں دیکھتے رہے اور بے پناہ مسرتوں کے ساتھ خوش ہوتے رہے۔ لیگی اخباروں نے بھی بے حیائی کے اس مظاہرے کی تحسین کی۔ لیگ کے سرکاری ترجمان ڈان نے لکھا کہ جہاں تک لیگیوں کے اس سلوک کا تعلق ہے جو مولانا کے ساتھ کیا گیا ہے اس پر ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ گلدستے کے مقابلے میں تو ان کے حصے میں اینٹ پتھر ہی آئیں گے۔

(علمائے حق/ص ۲۳۴)

آفرین ہے مولانا آزاد کے صبر و تحمل اور ضبط و برداشت پر کہ یہ سب شیطانی حرکتیں دیکھتے اور گلیاں سنتے رہے لیکن منہ سے اف نہ کیا اور اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا رہے۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

مسلم نیشنلسٹ پارٹی کا جلسہ:

۳ راگست ۱۹۴۵ء: (ڈاک سے) مسلم نیشنلسٹ پارٹی کے زیر اہتمام ایک جلسہ منعقد ہوا۔ ہزاروں مسلمان شریک تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کیا گیا۔

ایک قرارداد میں حکومت سندھ سے مطالبہ کیا گیا کہ کپڑے کا کوٹہ ۱۲ گز فی کس کے بجائے ۲۴ گز کیا جائے۔ چند سر پھرے مسلم لیگیوں نے جلسہ میں بے ہودہ شور و شر برپا کرنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں نے نہایت احترام کے ساتھ انہیں جلسہ گاہ سے نکال دیا۔ مولوی عبدالحق، فضل دین، تاج محمد، محمد یوسف، خان محمد اور خدا بخش مدیر حیات نے پرزور تقریریں کیں۔ (نامہ نگار) (زمزم۔ لاہور: ۳ راگست ۱۹۴۵ء)

جمعیت علمائے ہلدوانی کا جلسہ:

۳ راگست ۱۹۴۵ء: ہلدوانی (ڈاک سے) جمعیت علما کا ایک جلسہ ہوا۔ جس میں متعدد تجاویز منظور ہوئیں۔

ایک تجویز میں حکومت ہند سے مطالبہ کیا گیا کہ حج کے اوپر جو پابندیاں اور دشواریاں ہیں ان کو ہٹایا جائے۔ دوسری تجویز میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی رہائی پر مبارک باد پیش کی گئی۔ تیسری تجویز میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے لیے دعائے صحت کی گئی۔ چوتھی تجویز میں عام ارکان کی بھرتی کے متعلق طے ہوا کہ شروع کردی جائے۔ جمعیت علمائے ہند کے مرکزی دفتر کے لیے چندہ ہو رہا ہے۔ (سیکرٹری)

(زمزم۔ لاہور: ۳راگست ۱۹۴۵ء)

بحث و مذاکرہ (زمزم کا ایک کالم):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین؟

قارئین زمزم میں سے کچھ دوست لیگ اور کانگریس کے متعلق بعض بہت دل چسپ استفسارات کیا کرتے ہیں، لیکن چوں کہ اب یہ بحث بہت کھل کر سامنے آچکی ہے، اس لیے ہم نے اس موضوع پر قلم اٹھانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ مگر راول پنڈی سے ایک دوست نے ایک ایسا دل چسپ استفتا اشاعت کی غرض سے ارسال کیا ہے کہ ہم اس سلسلے میں تفصیل کے ساتھ کچھ کہہ دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس استفتا میں کانگریس کے خلاف چار اعتراضات قایم کر کے علمائے اسلام سے یہ دریافت کیا گیا ہے کہ کیا ایسی جماعت میں شریک ہونے والا:

۱۔ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے یا نہیں؟
۲۔ اس کا یہ فعل قرآنی حکم کے مطابق ہے یا نہیں؟
۳۔ ایسے مسلمان کو مولانا لکھنا یا کہنا جائز ہے یا نہیں؟

اب آیئے ان اعتراضات پر غور کریں جن کی بنیاد پر یہ استفتا کیا گیا ہے۔

۱۔ سب سے پہلا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ تقریباً تمام اصول مخالف اسلام ہیں۔

یہاں جماعت کے لفظ سے کانگریس مراد ہے جس سے سیاستاً اختلاف کرنا تو ممکن ہوسکتا ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس کی سیاست کا نتیجہ مسلمانانِ ہند کے حق میں مضر ہوگا۔ لیکن یہ کہنا بلاشبہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ اس کے تمام اصول مخالف اسلام ہیں۔ کانگریس کا صرف ایک ہی اصول ہے اور وہ ہے ہندوستان کو انگریز کی گرفت سے آزاد

کرانا۔ جو مسلمان کانگریس میں شامل ہیں وہ صرف اسی اصول کو عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں۔ پھر آپ تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں ان کے طریق عمل سے اتفاق نہیں لیکن اس اصول کو خلاف اسلام کہہ کر کانگریس میں شامل ہونے والوں کے ایمان و دیانت پر شبہ کیسے کر سکتے ہیں؟

۲۔ دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اس جماعت میں ایسے اشخاص شامل ہیں جو نماز کے وقت باوجود اصرار کے جلسہ برخاست نہیں کرتے۔

ہمارے بعض لیگی دوستوں نے اس اعتراض کو بہت اہمیت دے رکھی ہے لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ کانگریس ہندو مسلمانوں کی مشترک جماعت ہے اور نماز کے لیے جلسہ برخاست کر دینے کی جواب دہی کسی ایسے شخص پر عاید نہیں ہو سکتی جو مسلمان نہیں ہے۔ اس لیے اگر کانگریس کے ہندو نماز کے وقت جلسے کو جاری رکھتے ہیں تو ان سے کوئی باز پرس نہیں کی جا سکتی۔ ہاں اگر وہ مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے روکیں تب البتہ ان کو مورد الزام قرار دیا جا سکتا ہے لیکن جب مسلمان ممبروں کو یہ حق ہے کہ وہ نماز کے لیے اُٹھ جائیں تو غیر مسلم افراد پر جلسے کی کارروائی ملتوی کرنے یا نہ کرنے کا کیا الزام آ سکتا ہے؟ ہندوستان کا کوئی سرکاری دفتر ایسا نہیں جو ظہر کی نماز کے وقت اپنا کاروبار بند کر دیتا ہو لیکن اس کے باوجود آج تک مسلمانوں نے کسی دفتر کا بائیکاٹ نہیں کیا۔ یہی حال کالجوں اور دوسرے سرکاری و نیم سرکاری اداروں کا ہے۔ حد یہ ہے کہ خود مسلم لیگ کے اجلاس بھی نماز کے لیے ملتوی نہیں ہوتے۔ اس اعتراض کو اٹھانے والوں میں مولانا ظفر علی خاں کو بڑی اہمیت حاصل ہے، لیکن خود ان کے دفتر ''زمیندار'' کا کاروبار بھی کسی وقت کی جماعت کے لیے ملتوی نہیں ہوتا۔ پھر جب مسلمانوں کا یہ حال ہے تو غیر مسلموں سے اس سلسلے میں برہم ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟

۳۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اس جماعت کے کل اراکین ستیارتھ پرکاش جیسی دل آزار کتاب کے خلاف کوئی عملی قدم نہیں اُٹھا سکے اور خاکسار قیدیوں کے لیے ایک لفظ بھی زبان پر نہ لا سکے۔ البتہ ہندو قیدیوں کو بلکہ اگست ایجی ٹیشن کے باغیان چیمور وغیرہ کو رہا کرانے کے لیے ہزاروں تدبیریں سوچ رہے ہیں۔

یہ اور اسی قسم کے دوسرے اعتراض دراصل اس خلط مبحث کا نتیجہ ہیں کہ کانگریس کو

اس کی صحیح حیثیت میں نہیں دیکھا جاتا۔ کانگریس ایک سیاسی جماعت ہے جو ہندوستان کی آزادی کے لیے ہندو مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر جدوجہد کرنا چاہتی ہے۔ لیکن آزادی کی اس جدوجہد کے علاوہ کانگریس کا ہر ممبر اپنے مذہبی اور معاشرتی معاملات میں آزاد ہے۔ کانگریس میں شامل ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہندو گیتا کا پرچار چھوڑ دے یا مسلمان قرآن کی تبلیغ سے کنارہ کشی اختیار کرے۔ البتہ کانگریس کو ان بحثوں سے کوئی سروکار نہیں ہے اور اس کا دایرۂ عمل صرف ان اعمال تک محدود ہے جو ہندوستان کو آزاد کرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے کسی کانگریسی ہندو کا ستیارتھ پرکاش کی مخالفت یا موافقت کرنا، کانگریس کی جماعتی حیثیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے، یہی حال خاکسار قیدیوں کا ہے۔ جماعتی حیثیت سے چوں کہ خاکسار کانگریس میں شامل نہیں ہیں، اس لیے ان کی رہائی کے متعلق کوئی آواز اُٹھانا کانگریس کا فرض نہیں ہوسکتا۔ البتہ اگست ایجی ٹیشن کے قیدی کانگریس کے نام پر قید ہوئے ہیں، اس لیے کانگریس کا یہ فرض ہونا ہی چاہیے کہ وہ اپنی جماعت کے ان افراد کو آزاد کرانے کی جدوجہد کرے۔ علاوہ ازیں خاکساروں کا نام لیتے وقت ہمیں یہ بھول نہ جانا چاہتے کہ ان پر سب سے بڑا ظلم سر سکندر حیات خاں کی اس وزارت میں ہوا ہے جو مسلم لیگ کی وزارت کہی جاتی تھی۔ خاکساروں کے سینے پر گولیوں کی بے دریغ بارش اسی وزارت کے زمانے میں کی گئی۔ مسجد میں پناہ لینے والے خاکساروں کو اسی وزارت میں پولیس نے جا جا کر پکڑا اور اسی وزارت کے دروازے ان پر بے تحاشا کھولے۔

۴۔ چوتھا اعتراض یہ ہے کہ اس جماعت کا مدعا اردو کو ختم کر کے ہندی رائج کرنا ہے۔

یہ اعتراض ٹنڈن دسمپورنانند کی قسم کے بہت سے کانگریسی ہندوؤں کے عمل کے خلاف بلاشبہ صحیح ہے لیکن جہاں تک کانگریس کے اصول کا تعلق ہے اس میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جسے اردو کو تباہ کرنے والا کہا جاسکے۔ لیکن اگر فرض کر لیجیے کہ ایسا ہی ہے تب بھی اردو ہندی کے سوال کو مذہب سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ جس طرح پنجابی بولنے والا انسان اردو سے کا ملا ناواقف ہونے کے باوجود مسلمان رہ سکتا ہے، اسی طرح ہندی بولنے والا انسان بھی دایرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوسکتا۔ زبان کے سوال کو ہم بلاشبہ بہت اہمیت

دیتے ہیں لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس سلسلے میں اردو کے ساتھ خود مسلمان جو سلوک کر رہے ہیں وہ ہندی نوازوں کے سلوک سے بھی بدرجہا بدتر ہے۔ ہندی کے حامی اڑلیسہ بنگال اور مدراس جیسے صوبوں میں رہنے کے باوجود بھی اپنے گھروں میں ہندی بولنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اردو کی حمایت کا دم بھرنے والے حضرات کا حال یہ ہے کہ پنجاب جیسے اردو نواز صوبے میں بھی اردو کو روزمرہ کی گفتگو کی زبان بنانے میں وہ کوئی خاص قابلِ قدر خدمات ابھی تک انجام نہیں دے سکے۔ علاوہ ازیں ہمارے مسلمان لیڈروں کی سیاسی زبان بھی انگریزی ہے اور انگریزی ہی میں ہمارے جلسوں کی اکثر کارروائیاں ہوتی ہیں۔ حال آں کہ حتی الامکان ہر جگہ انگریزی کے بجائے اپنی زبان استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

لیکن ہمارا آج بھی یہ حال ہے کہ ہم انگریزی دانی کو قابلیت کا سب سے بڑا معیار قرار دیتے ہیں حتیٰ کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے خلاف زبانِ اعتراض کھولنے والے ایک بات یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ وہ سارا کاروبار اردو میں کرتے ہیں۔ چناں چہ گزشتہ شملہ کانفرنس کے موقع پر جب مولانا نے موصوف نے ترجمان کی وساطت سے وایسرائے سے گفتگو کی تو بعض لیگی مسلمانوں کی طرف سے اس کا مذاق اڑایا گیا۔ حال آں کہ قومی خود داری کا اس سے بڑا نمونہ اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ آپ کسی حال میں بھی اپنی زبان کو نہ چھوڑیں۔ چناں چہ اسٹالن اور چرچل جب بھی ایک دوسرے سے ملے انھوں نے اپنی اپنی زبان ہی استعمال کی اور ترجمان کی وساطت ہی سے ایک دوسرے کی گفتگو کو سمجھا گیا۔ لیکن ہماری ذہنی غلامی کی انتہا یہ ہے کہ آج ہم اس پر فخر کرنے لگے ہیں کہ فلاں شخص انگریزوں جیسی انگریزی بولتا ہے۔

بہ ہر حال گذارش کا مقصد صرف یہ ہے کہ اردو ہندی کے قضیہ کے بلاشبہ ہندو مسلمانوں کے ایک بہت اہم نزاعی مسئلے کی شکل اختیار کرلی ہے، لیکن اس کا کوئی تعلق کانگریس سے نہیں۔ کانگریس صرف ایک سیاسی جماعت ہے جو محض آزادی کے مسئلے میں سب فرقوں کے ساتھ اتحادِ عمل کرکے انگریزی اقتدار کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنانا چاہتی ہے۔ اس لیے آزادی کے سوا جتنے دوسرے سوالات ہیں وہ کانگریس کے دایرۂ عمل سے خارج ہیں۔ اردو ہندی سے بھی کانگریس کا کوئی تعلق نہیں۔ ہندی کا پرچار کانگریس نہیں کرتی

بلکہ ہندی ساہتیہ سمیلن اور ناگری پرچارنی سبھا کے ذمے یہ کام ہے۔ مسلمان بھی اس کے مقابلے میں اپنی انجمنیں بنا سکتی ہیں اور ترقی اردو کے لیے ہر قسم کی جدوجہد کر سکتے ہیں۔

ان تصریحات کے بعد اب آپ یہ غور کیجیے کہ جو لوگ کانگریس اور لیگ کے اختلاف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ کس درجہ غلط بات کہتے ہیں؟ نہ لیگ کوئی اسلامی جماعت ہے اور نہ کانگریس۔ دونوں سیاسی جماعتیں ہیں اور دونوں کا مقصد ہندوستان کو آزاد کرانا ہے۔ نہ لیگ کے مقاصد میں یہ داخل ہے کہ مسلمانوں کو نماز روزے کی تلقین کی جائے اور انہیں اسوۂ رسول ﷺ پر چلانے کی کوشش کی جائے اور نہ کانگریس کے نصب العین میں یہ بات شامل ہے۔ پھر کانگریس میں اگر ہندو شامل ہیں تو لیگ میں کاک ٹیل کی دعوت، شراب نوشی دینے والے موجود ہیں۔ اگر کانگریس نماز کے لیے جلسہ برخاست نہیں کرتی تو لیگ کے چوٹی کے لیڈروں میں بھی بیسیوں ایسے ہیں جو نماز پڑھنا تک نہیں جانتے۔ نماز پڑھنا تو درکنار سورۂ فاتحہ کی صحیح تلاوت بھی نہیں کر سکتے۔ چناں چہ ایک بار جب لیگ کی مجلس عاملہ میں یہ سوال اٹھا تھا کہ لیگ کے ذمے دار اراکین کو ہدایت کی جائے کہ وہ نماز پڑھا کریں۔ اس سوال کو یہی کہہ کر مسترد کر دیا گیا کہ لیگ کوئی مذہبی یا تبلیغی جماعت نہیں ہے بلکہ ایک سیاسی جماعت ہے اس لیے اسے ان معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہو سکتا۔

بہ ہر حال اس تمام گذارش کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم چیزوں کو اصلی رنگ میں دیکھنے کی کوشش کریں اور سیاسی اختلافات کو خواہ مخواہ مذہب کا رنگ دے کر ملت میں ایک نیا فتنہ پیدا نہ کریں۔ لیکن بدنصیبی سے آج ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں افتراق و انتشار کی خلیج بڑھ رہی ہے۔ حال آں کہ اگر باہمی افہام و تفہیم اور رواداری کے ساتھ حقایق کو سمجھنے کی کوشش کی جائے لیگی اور غیر لیگی مسلمان بہت بڑی حد تک ایک دوسرے کے قریب آسکتے ہیں۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے، اندازِ گلستاں پیدا

(زمزم۔ لاہور: ۳؍اگست ۱۹۴۵ء)

خان بہادر کھوڑو کو بری کر دیا گیا:

کراچی، ۴ر اگست، عدالت سیشن میں سابق ریونیو منسٹر سندھ خان بہادر ایم اے کھوڑو کو ان کے بھائی محمد نواز کھوڑو اور تین دوسرے اشخاص کے خلاف سابق وزیر اعظم سندھ مسٹر الہ بخش مرحوم کو حروں کی امداد سے قتل کروانے کی سازش کے الزام میں جو مقدمہ چل رہا تھا آج صبح سیشن جج مسٹر بے ماسٹر نے اس مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے خان بہادر کھوڑو اور ان کے بھائی کو بری کر دیا۔

فاضل جج نے حکم دیا کہ کھوڑو برادران کو چھوڑ دیا جائے۔ دوسرے تینوں ملزموں کا جب تک فیصلہ نہیں ہو جاتا انھیں حراست ہی میں رکھا جائے گا۔

یہ مقدمہ ۵۶ دن تک جاری رہا اور استغاثے کی طرف سے ۶۱ گواہ پیش کیے گئے تھے، جن میں سر شاہنواز بھٹو بھی شامل تھے۔ مقدمے کے دوران استغاثے کے ایک گواہ کو ہلاک کر دیا گیا۔

فاضل جج نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے کہ استغاثہ اپنا ثبوت تسلی بخش طور پر پیش نہیں کر سکا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ سارے ملزم بے گناہ ہیں تاہم اقبالی گواہ درویش کے بیان کی تصدیق نہیں ہو سکی۔

خان بہادر کھوڑو کی رہائی کے بعد وزارت میں رد و بدل کے متعلق مختلف قسم کی افواہیں پھیل رہی ہیں۔ (زمزم۔ لاہور: ۷ر اگست ۱۹۴۵ء)

لیگ کی واحد نمایندگی:

بہار کے نائب امیر شریعت مولانا عبد الصمد رحمانی نے جو جمعیت علمائے صوبہ بہار کے صدر بھی ہیں مسلم لیگ کے اس دعوے کے بارے میں کہ وہ مسلمانوں کی واحد نمایندہ جماعت ہے، ایک بیان میں کہا:

''مسلم لیگ کی نمایندگی'' کے مسئلے کا پس منظر دراصل چند سیٹوں کی نمایندگی ہی نہیں ہے بلکہ اس کی تہ میں دین کی تخریب ہے۔ اس کا تسلیم کرنا اسلامی قلعے کی اس دیوار میں جس

کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے ڈائنا میٹ رکھنا ہے، اور خود کشی کے اس مختصر نامے پر دستخط کرنا ہے کہ آج سے قرآن کی تفسیر وہی صحیح ہوگی، جو قاید اعظم لیگ فرمائیں گے، اور احادیث کی تشریح وہی درست ہوگی جو خداوندانِ لیگ کا ارشاد ہوگا۔ اور فقہی اجتہاد وہی صحیح ہوگا جو فضلائے لیگ کی جودت طبع کا شاہ کار ہوگا۔ اسلامی شعار، اسلامی تہذیب، اسلامی معاشرت، اسلامی نکاح، اسلامی طلاق، اسلامی پردہ الختصر تمام پرنسل لا آئینی حیثیت سے وہی چیزیں کہلانے کی مستحق ہوں گی، اور حکومت میں معتبر ہوں گی جن کو لیگ کی زبان فیض ترجمان سے سند ملے گی۔

اسلام کا ہر وہ مسئلہ جس کی نمایندگی لیگ نہیں کرے گی قانون اور آئینی حیثیت سے، وہ اسلامی نہیں ہوگا، چاہے جمعیۃ العلمائے ہند یا مسلم مجلس یا احرار اسلام یا ہندوستان کی تمام اور مجلسیں اور جماعتیں متفقہ طور پر اس کو اسلامی کہیں، اور اس کے متعلق کتاب وسنت اور اجماع سے سند پیش کریں۔

اتحاد، تقیہ اور مغرب کے ہوشیار مذہبی دیسہ کار کے علم برداروں کی ملی بھگت کا یہ پر فریب شاہ کار ہے۔ جس میں سیاست کی راہ سے مسلم لیگ کے ذریعے مسلمانوں کو پھنسایا جانا طے کیا گیا ہے، اور یوں مذہب کی تخریب کی نئی صورت پیدا کی گئی ہے۔

جمعیت علمائے ہند خدا کے حضور میں سزاوار مواخذہ ہوتی اگر وہ بروقت اس امر منکر کا انکار نہ کرتی۔

میں مسلمانوں کو صفائی کے ساتھ یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ تخریب دین کے زہر کو واحد نمایندگی کی شکر میں لپیٹ کر حلق میں اتارنا طے کیا گیا ہے۔ اب دین کے غم گسار اور مذہب کے علم بردار مسلمانوں کو اختیار ہے کہ جان بوجھ کر اپنی موت اپنے ہاتھوں اپنے اوپر طاری کریں، یا واحد نمایندگی کے پر فریب پردے کو چاک کر کے باہر نکل آئیں، اور شریعت بل کی تخریب کے واقعے کے تلخ تجربے کی تلخ کامی سے فایدہ اٹھائیں کہ واحد نمایندگی کے بعد اب اس کا پارہ کتنا اونچا ہوگا۔

رگ وپے میں جب اترے زہر غم تب دیکھیے کیا ہو
ابھی تو تلخی کام و دہن کی آزمایش ہے!

(زمزم۔ لاہور: ۳۰ راگست ۱۹۴۵ء)

صحافتی بددیانتی

علامہ سر محمد اقبال علیہ الرحمۃ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی:

مولانا سید حسین احمد مدنی کے بیان پر جب علامہ اقبال مرحوم نے اپنے خیالات سے رجوع کرلیا تھا تو ''ارمغانِ حجاز'' کے مرتب اور ناشر کو علامہ مرحوم کی وہ رباعی یا تھہ مجموعہ کلام میں شایع نہیں کرنی چاہیے تھی، یا اس پر نوٹ لکھ دیا جاتا کہ مرحوم نے اس سے رجوع کرلیا تھا۔ لیکن مرتب اور ناشر نے ایسا نہیں کیا۔ یہ اصول تدوین کے صریح خلاف اور قطعی بددیانتی ہے۔ حال آں کہ مسٹر محمد علی جناح کے بارے میں جو تیز و تند کلام ان کی زبان فیض ترجمان سے نکلا تھا، اسے کسی مجموعے میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔

خواجہ عبدالوحید مرحوم جو علامہ اقبال مرحوم سے نمایت درجے عقیدت رکھتے تھے اور خاندان کے تعلقات تھے۔ اور انھوں نے علامہ مرحوم کے احوال و افکار پر بہت لکھا ہے اور علامہ کی پہلی ببلیوگرافی بھی مرتب کی ہے۔ مرتب ارمغان حجاز کے اس رویے سے خاص طور پر متاثر ہوئے اور یہ مضمون لکھا (ا۔س۔ش)

''آج کل مسلمان اخبارات مغربی اصول پراپاگنڈا کا جس قدر گندا استعمال کررہے ہیں، اس کی ایک نہایت ہی شرم ناک مثال حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے خلاف علامہ سر محمد اقبال علیہ الرحمۃ کے ان اشعار کی متعدد بار اشاعت ہے جو مرحوم نے ''ملت اور وطن'' کی بحث کی ابتدا میں کہے تھے۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ آج سے آٹھ سال پیشتر (یعنی ۱۳۵۷ھ/۱۹۴۰ء میں) حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی نے صدر بازار دہلی کے ایک جلسے میں تقریر فرماتے ہوئے یہ کہا تھا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں، نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں''۔ حضرت علامہ سر محمد اقبال، حضرت مولانا کے بدخواہوں کے پروپاگنڈے سے متاثر ہوگئے، اور انھوں نے جذباتی لمحات میں یہ فرض کرتے ہوئے کہ مولانا نے یہ کہا تھا کہ ''ملت کا دارومدار وطن پر ہے'' چند نہایت ہی افسوس ناک شعر کہہ دیے۔ علامہ مرحوم نے جس جذبے کے ماتحت وہ اشعار کہے وہ یقیناً بہت قابل قدر تھا، اگرچہ حقیقتاً ان کے متاثر ہونے کی کوئی وجہ موجود نہ تھی، ایک غلط

اطلاع سے ان کے جذبات مجروح ہوئے تھے۔ اگر اظہار جذبات سے پہلے تحقیق حال کر لی جاتی تو شرارت پسند عناصر کو کیچڑ اچھالنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ بہر حال علامہ مرحوم کے قلم سے شعر نکل گئے اور چوں کہ کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آیا کرتا، حضرت علامہ کے اس معاملے کو اپنی زندگی میں باحسن وجوہ ختم کر دینے کے باوجود آج تک دشمنانِ دین ان اشعار کو اچھالتے چلے جا رہے ہیں۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ علامہ سر محمد اقبال علیہ الرحمۃ کا وہ آخری خط جو مرحوم نے اس سلسلے میں لکھا تھا، روزنامہ ''احسان'' کے فائل سے نقل کر دیا جائے۔ وہو ہذا:

قومیت و وطنیت کی بحث کا خاتمہ، مدیر روزنامہ احسان کے نام علامہ اقبال کا خط:

جناب ایڈیٹر صاحب ''احسان'' لاہور

السلام علیکم

میں نے جو تبصرہ مولانا حسین احمد کے بیان پر کیا ہے اور جو آپ کے اخبار میں شایع ہو چکا ہے، اس میں اس امر کی تصریح کر دی تھی کہ اگر مولانا کا ارشاد کہ ''زمانۂ حال میں اقوام اوطان سے بنتی ہیں'' محض بر سبیل تذکرہ ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں اور اگر مولانا نے مسلمانانِ ہند کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ جدید نظریۂ وطنیت کو اختیار کریں تو دینی پہلو سے اس پر مجھ کو اعتراض ہے۔ مولوی صاحب کے اس بیان میں جو اخبار ''انصاری'' میں شایع ہوا ہے مندرجہ ذیل الفاظ ہیں:

''لہٰذا اشد ضرورت ہے کہ تمام باشندگانِ ملک کو منظم کیا جائے اور ان کو ایک ہی رشتے میں منسلک کر کے کامیابی کے میدان میں گامزن بنایا جائے۔ ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق ملل کے لیے کوئی رشتۂ اتحاد بجز متحدہ قومیت اور کوئی رشتہ نہیں جس کی اساس محض وطنیت ہی ہو سکتی ہے، اس کے علاوہ اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے''۔

ان الفاظ سے میں نے یہی سمجھا کہ مولوی صاحب نے مسلمانان ہندوستان کو مشورہ دیا ہے، اور اسی بنا پر میں نے وہ مضمون لکھا جو اخبار ''احسان'' میں شایع ہوا ہے لیکن بعد میں مولوی صاحب کا ایک خط طالوت صاحب کے نام آیا، جس کی ایک نقل انھوں نے مجھ کو ارسال کی ہے اس خط میں مولانا ارشاد فرماتے ہیں:

''میرے محترم سرصاحب موصوف کا ارشاد ہے کہ اگر بیان واقعہ مقصود تھا تو اس میں کوئی کلام نہیں اور اگر مشورہ مقصود ہے تو وہ خلاف دیانت ہے۔ اس لیے میں خیال کرتا ہوں کہ پھر الفاظ پر غور کرلیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ لاحق و سابق پر نظر ڈال لی جائے۔ میں عرض کر رہا تھا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ یہ اس زمانے کی جاری ہونے والی نظر نفریت اور ذہنیت کی خبر ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ ہم کو ایسا کرنا چاہیے۔ خبر ہے منشا نہیں ہے۔ کسی ناقل نے مشورے کو ذکر بھی نہیں کیا، نہ امر اور انشا کا لفظ ذکر کیا ہے۔ پھر اس سے مشورے کو نکال لینا کس قدر غلطی ہے''۔

خط کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ انھوں نے مسلمانانِ ہند کو جدید نظریہ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ لہٰذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق ان پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا، میں مولانا کے ان عقیدت مندوں کے جوشِ عقیدت کی قدر کرتا ہوں جنھوں نے ایک دینی امر کی توضیح کے صلے میں پرائیویٹ خطوط اور پبلک تقریروں میں گالیاں دیں، خدا تعالیٰ ان کو مولانا کی صحبت سے زیادہ مستفید کرے، نیز ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں''۔ (محمد اقبال)

قارئین علامہ مرحوم کے مندرجہ بالا خط کو پڑھیں اور دیکھیں کہ مرحوم نے کس اخلاص اور دیانت کے ساتھ یہ ''اعتراف'' کرلیا تھا کہ اس کے بعد انھیں ''کسی قسم کا کوئی حق ان پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا'' اور مرحوم کے ان الفاظ کے بعد کیا دوسروں کو لازم تھا کہ وہ ان اشعار کے تذکرے سے باز آجاتے جو مرحوم نے عالم جوش میں فرمائے تھے۔ لیکن دشمنانِ دین کے ترکش کا آخری تیر بھی استعمال میں آیا اور علامہ محترم کی وفات کے بعد جب ان کا اردو مجموعہ کلام ''ارمغانِ حجاز'' چھپا تو اس میں وہ اشعار بھی شامل تھے، جو لوگ مرحوم کی طبیعت سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اگر ''ارمغانِ حجاز'' کی اشاعت مرحوم کی زندگی میں ہوتی تو یہ اشعار کبھی شایع نہ ہوتے، لیکن مرحوم کے کلام کی اشاعت اب جن لوگوں کے ہاتھ

میں ہے وہ علمائے کرام کے خلاف کیچڑ اچھالنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اس لیے وہ اشعار ''ارمغان حجاز'' میں شامل کر دیے گئے۔

اس سلسلے میں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ان چند اصحاب میں سے جو مرحوم کے آخری ایام حیات میں ان کے رفیق کار تھے، بعض اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ علامہ مرحوم کا ارادہ ان اشعار کو اپنے مجموعۂ کلام میں شایع کرنے کا ہرگز نہ تھا۔ ''ارمغانِ حجاز'' کے مرتب کرنے والوں میں سے کسی شخص کی شرارت پسندی سے ایسا ہوا۔

(زمزم۔ لاہور: ۷/اگست ۱۹۴۵ء)

ہیروشیما پر بمباری اور جاپان کا اعتراف شکست:

۶ تا ۹/اگست ۱۹۴۵: ۶/اگست کو امریکہ نے جاپانی شہر ہیروشیما پر ایسا طاقتور ایٹم بم پھینکا جس سے دو لاکھ آدمی مر گئے۔

۸/اگست ۱۹۴۵ء کو مقابلے کے لیے روس نے جاپان کی طرف عنانِ جنگ موڑ دی اور

۹/اگست ۱۹۴۵ء کو امریکہ نے جاپان کے ناگاساکی پر بھی ایٹم بم برسا دیے جس سے پورا شہر تباہ ہو گیا۔ اس عظیم حادثے کی تاب نہ لاکر بلاشرط جاپان نے سفید جھنڈی لہرا دی اور ٹوکیو پر جنرل میک آرتھر قابض ہو گیا۔

۷ تا ۱۱/اگست ۱۹۴۵ء: ''امریکہ نے ۷/اگست کی صبح ہیروشیما کو اور ۹/اگست کو ناگاساکی کو ایٹم بم کا نشانہ بنا کر انسانیت کے سارے تقاضوں کو طاق پر رکھ دیا۔ ظاہراً یہ وقت جاپان کے لیے سب سے زیادہ ابتلا و مصیبت کا تھا، جب کہ عین اسی وقت سوویت یونین نے بھی جاپان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا، جاپان کے لیے اب کوئی چارہ نہ تھا، آخر کار ۱۱/اگست ۱۹۴۵ء کو اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

یہ وقت تھا جب آزاد ہند فوج کو نئے سرے سے سوچنے بچارنے اور جنگ کی رفتار و کردار پر کڑی نظر رکھنی پڑی۔ جاپان کے سپر انداختہ ہو جانے سے نتیجتاً ساری نقل و حرکت کو فی الحال ملتوی کر دینا پڑا۔ نیتاجی جاپان سے سنگاپور لوٹے تھے۔ سنگاپور ہی میں مجھ سے اور جنرل شاہ نواز خان سے تادیر تبادلۂ خیالات کیا تھا اور نئے حالات کی روشنی میں کچھ نئے فیصلے کیے گئے تھے، انھوں نے عارضی سرکار کے شہری اور فوجی احزاب کو ہدایتیں دیں اور یہ

مسایل زیر غور ہوئے کہ اب آگے کیا کرنا چاہیے۔

۱۵/اگست ۱۹۴۵ء کو جاپان نے قانونی طور پر ہتھیار رکھ دیے۔

۱۷/اگست ۱۹۴۵ء: یہ تاریخ آزاد ہند فوج کی تاریخ کو ایک نئے دور میں لا کر کھڑا کر دیتی ہے، اسی دن نیتا جی سبھاش چندر بوس سیگون روانہ ہوئے تھے، سیگون پہنچنے کے فوراً بعد نیتا جی فارموسا چلے گئے تھے۔ نیتا جی کے اس پورے سفر کے دوران ان کے ہم سفر کرنل حبیب تھے''۔ (کرنل محبوب احمد، ص ۲۹)

کانگریسی رہ نماؤں کو مشورہ:

۷/اگست ۱۹۴۵ء: حکومت سندھ کے خلاف آریہ سماجیوں کی ستیہ گرہ شروع ہونے والی ہے کیوں کہ اس نے ابھی تک ستیارتھ پرکاش کی ضبطی کا حکم واپس نہیں لیا! ''زمزم'' نے سب سے پہلے سندھ گورنمنٹ کے اس حماقت آمیز اقدام کی مذمت کی تھی کہ اس نے خواہ مخواہ ایک لغو حکم جاری کر کے سسکتے آریہ سماجیوں کے تن نیم جان میں جان ڈال دی اور قرآن کریم کا مقابلہ ستیارتھ پرکاش سے کرایا لیکن ہمیں یہ توقع بھی نہ تھی کہ گاندھی جی، راجندر پرشاد اور دیگر کانگریسی رہ نما اس لغویت میں دل چسپی لیں گے اور ستیہ گرہ کے معاملے میں آریہ سماجیوں کی ہمت افزائی کریں گے، بہتر یہ تھا کہ یہ لوگ علاحدہ رہتے اور یہ دیکھتے کہ سندھ گورنمنٹ اپنی لغویت کو کس حد تک طول دیتی ہے اور آریہ سماجی حضرات اپنی اس لغویت کے جواب میں کون سی لغویت اختیار کرتے ہیں! کانگریسی رہ نماؤں کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ غیر جانبدار رہیں ورنہ وہ مسلمان جو کانگریس کو ہندو جماعت قرار دے چکے ہیں اپنے خیال پر اصرار کرنے میں حق بہ جانب ثابت ہوں گے۔

(زمزم۔ لاہور: ۷/اگست ۱۹۴۵ء)

راجہ جی اور عورت!

۷/اگست ۱۹۴۵ء: مسٹر راج گوپال آچاریہ، ہندوستان کے مشہور لیڈر اور لیڈروں میں خاص امتیازی شان رکھتے ہیں، مدراس کے سابق وزیر اعظم ہیں اور سیاسی اور قانونی قابلیت میں لاثانی ہیں۔ حتیٰ کہ یورپ بھی آپ کی قابلیت کا لوہا مانتا ہے! حال میں آپ نے

بمبئی کی زنانہ یونی ورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ

"عورتوں کے لیے شادی کرنا بہت ضروری ہے۔ ڈاکٹری، انجینئرنگ اور سیاست دانی بلاشبہ باعزت پیشے ہیں مگر گھر بار کی نگرانی اور بچوں کی پرورش بھی کچھ کم قابل عزت نہیں ہے۔ فوجی کارخانوں میں کام کرنا اور دفتروں میں حاضری دینا خواہ کتنا ہی اہم ہو لیکن گھریلو زندگی کے نوک پلک درست کرنا اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ میں نے ۴۶ برس کی عمر میں جو تجربہ حاصل کیا ہے وہ یہ ہے کہ عورت کے اخلاق کی تکمیل ماں بن کر ہی ہو سکتی ہے۔"

خدا معلوم راجہ جی جیسے ہوش مند کو اس قسم کے دقیانوسی مشورے دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ آزادی، ترقی اور مساوات کے زمانے میں ایسی باتیں سن کر کون سی روشن خیال عورت ہوگی جو مارے غصے کے لرزہ براندام نہ ہو جائے! خدا خدا کر کے تو اسے دفتروں، کارخانوں اور فوجی محکموں میں قدم رکھنے کا موقع ملا تھا کہ راجہ جی پھر اسے گھر کی چار دیواری میں قید کر دینا چاہتے ہیں! اور یہ کیا فرمایا کہ تمام عورتوں کو شادی کر لینی چاہیے؟ کیا عورتوں کا کام بس یہی ہے کہ بچے پیدا کرتی رہیں اور تھیٹروں، سینماؤں اور عام ملازمتوں کی دل چسپیوں کو ننھی مخلوق پر قربان کر دیں؟ اور اس بے مغز فلسفہ کے کیا معنیٰ کہ عورت کے اخلاق کی تکمیل ماں بن کر ہی ہوتی ہے؟ ترقی کا زمانہ اور اخلاق؟ مساوات کا دور اور اخلاق کی تکمیل؟ یوں فرمایئے کہ ترقی کی منزلیں یورپ اور امریکہ کے نقش قدم پر چل کر ہی طے ہوتی ہیں! اسلام کہتا ہے کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے، راجہ جی فرماتے ہیں کہ ماں بن کر ہی ایک حقیقی عورت بنتی ہے، اسلام تو ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے ہی، راجہ جی بھی اس میں روڑا اٹکا کر رہی سہی کسر پوری کر دینا چاہتے ہیں۔ (زم زم۔ لاہور: ۷ر اگست ۱۹۴۵ء)

حضرت شیخ الہندؒ:

۷ر اگست ۱۹۴۵ء: قاید اعظم مسٹر جناح نے زور تو بہت لگایا کہ کانگریس ہندو جماعت تسلیم کر لی جائے اور لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمایندگی کا وکالت نامہ مل جائے۔ مگر یہ آرزو دل ہی میں رہ گئی اور کانگریس کی عمومیت نہ ٹوٹ سکی۔ اب معلوم ہوا ہے کہ حضرت شیخ لہند مولانا حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیت علماے ہند ڈاکٹر سید محمود کی جگہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے رکن نامزد کر دیئے گئے ہیں، گویا مولانا محترم کی یہ نامزدگی اس بات کا

خاموش اور موثر جواب ہے کہ ہندوستان کی مجلس قومی ہندوؤں کی ملکیت ہے اور مسلمانوں کو علاحدہ ہوکر اس سے ڈرتے اور سہمتے رہنا چاہیے۔ اگرچہ کانگریس کی مجلس عاملہ میں حضرت شیخ الہندؒ کی شمولیت سے یہ نتیجہ نکالا جائے گا کہ مسلمانوں کا ایک اور محبوب پیشوا ہاتھوں سے گیا۔ لیکن صحیح الخیال مسلمانوں کو اس سے یہ فایدہ اٹھانا چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ کانگریس میں شامل ہوں اور اپنی شمولیت سے ثابت کردیں کہ کانگریس صرف مسلمانوں کے سہارے ہی پروان چڑھ سکتی ہے۔ (شذرہ، زمزم۔ لاہور: ۷/اگست ۱۹۴۵ء)

دنیاوی جتھابندی اور سوادِ اعظم:

۱۱/اگست ۱۹۴۵ء: اتبعوا السواد الاعظم کی غلط تاویل اور اس کے مسلم لیگ کو بھیڑ پر اطلاق نے جو فتنہ پیدا کردیا ہے، اس میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ایک مضمون ''مقصد کیا ہے؟'' ''اجتماع کی روح، تنظیم کے اصول اور مرکز کی نوعیت'' کے عنوان سے لکھا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:

..........حقیقت یہ ہے کہ احادیث میں التزام جماعت اور اطاعت امام کے متعلق جو احکام ہیں اور من شذ شذ فی النار اور اسی قسم کی جو وعیدیں جماعت اور امام سے الگ ہونے والوں کو سنائی گئی ہیں انہیں کوئی واسطہ (ان) جماعتوں اور (ان کی) اماموں سے نہیں ہے، جو محض قوم پرستی ان اجتماعی ولوں پر دینوی اغراض کے لیے بنی ہوں۔ وہاں تو التزام جماعت سے مراد دراصل اس جماعت کا التزام ہے، جو دینوی اغراض سے پاک ہوکر خالصۃً لوجہ اللہ اسلام کے مشن کی خدمت کے لیے بنی ہو، ایسی جماعت سے الگ ہونے کا نتیجہ یقیناً نار جہنم ہے اور ہونا چاہیے، مگر ان ہدایات کو دینوی جتھابندی اور سیاسی پارٹیوں کی وفاداری کے لیے دلیل بنانا خدا کے رسول پر بہتان گھڑنا ہے، کسی قوم کے مقابلے میں اگر معاشی سیاسی اغراض کے لیے جدوجہد کرنی ہو تو وہ عام قوانین طبعی کے مطابق اپنا جتھا بنائے اور قوت فراہم کرنے کی کوشش کرے۔ اسے خدا کو بیچ میں لانے کا کیا حق ہے، دو قوموں کی خالص نفسانی کشمکش میں آخر خدا کو جانبدار بننے کی کیا حاجت پیش آئی ہے کہ ایک جتھابندی سے الگ ہونے والوں کو تو وہ جہنم کی سزا نہ دے اور دوسری کے جتھے کو تقویت پہنچانے کے لیے وہ ہر اس شخص کے سامنے جہنم پیش کردے جو اس سے الگ ہو یا الگ رہے۔

بعض لوگ اس دھوکے میں مبتلا ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت کا نام سواد اعظم ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ سواد اعظم کا ساتھ دو۔ لہٰذا مسلمانوں کی اکثریت جس سیاسی پارٹی کی حامی اور جس قیادت کی متبع ہے۔ اس کے ساتھ رہنا ضروری ہے، لیکن یہ ارشاد نبوی کی سراسر غلط تعبیر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سواد اعظم کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے، اس سے مراد دراصل ان مسلمانوں کی اکثریت ہے جن کے اندر اسلامی شعور موجود ہو، جو حق اور باطل کی تمیز رکھتے ہوں اور جن کو اسلام کی روح اور اس کے بنیادی ''اصولوں سے کم از کم اتنی واقفیت ضرور ہو کہ اسلام اور غیر اسلام میں فرق کر سکتے ہوں''۔ ایسے مسلمانوں کی اکثریت کبھی باطل پر مجتمع نہیں ہو سکتی، اور اگر وہ کبھی کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو بھی جائے تو اس پر زیادہ دیر تک جمی نہیں رہ سکتی۔ اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سواد اعظم کا ساتھ دینے کی تاکید فرمائی، مگر جو لوگ ان ضروری صفات سے عاری ہوں اور جن میں کھرے اور کھوٹے کی بالکل ابتدائی پرکھ بھی نہ ہو ان کے ہلڑ کا نام ہرگز ''سواد اعظم'' نہیں ہے، نہ ان کی جماعت اسلامی مفہوم کے اعتبار سے ''جماعت'' ہے، نہ ان کی امارت اسلامی اصطلاح کی روح سے ''امارت'' ہے۔ نہ ان کی اس امارت کو کسی حیثیت سے بھی سمع وطاعت کا حق پہنچتا ہے۔ محض لفظ ''مسلمان'' سے دھوکا کھانا ہے۔ جو لوگ جاہلیت کی پیروی کرنے والوں کی تنظیم کو تنظیم سمجھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس نوعیت کی کوئی تنظیم اسلامی نقطۂ نظر سے مفید ثابت ہو گی، ان کی کند ذہنی ماتم کی مستحق ہے''۔

(زمزم۔ لاہور: ۱۱/اگست ۱۹۴۵ء)

عذر گناہ:

۱۱/اگست ۱۹۴۵ء: خان عبد الغفار خان کی گرفتاری کے سلسلے میں حکومت پنجاب کا ایک بیان شائع ہوا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ خان صاحب نہ تو گرفتار کیے گئے اور نہ ان کے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا گیا! یہ تو ظاہر ہے کہ آنریبل وزیر اعظم پنجاب نے پولیس کی رپورٹ پر اعتماد کر کے خان صاحب کو جھوٹا اور دروغ گو ثابت کیا ہے۔ یعنی خان صاحب تو کہتے ہیں کہ انھیں پولیس نے گرفتار کیا، کئی گھنٹہ تک حراست میں رکھا اور ان کے ساتھ حکومت کے فرشتوں نے ذلت آمیز سلوک کیا اور حکومت پنجاب کہتی ہے کہ نہیں ایسا نہیں

ہوا۔ خان صاحب جھوٹے ہیں، بیس روپے کا سپاہی سچا ہے۔ سرحد کا غیور لیڈر جھوٹ بول سکتا ہے کہ مگر حکومت کا وفادار سپاہی فرشتوں کی طرح مجبور ہے کہ سچ ہی بولے اور اپنے اوپر آنچ نہ آنے دے!

آنریبل وزیر اعظم پنجاب خوب جانتے ہیں کہ پولیس کیا کچھ کرتی ہے۔ مگر تاریخ نہیں بتاتی کہ حکومت نے کبھی اس کی غلطی اور لغزش کا اعتراف کیا ہوا۔ اس کے معنی صاف ہیں کہ پولیس، قدوسیان فلک الافلاک کی مثیل ہے۔ باقی سارا ہندوستان، جھوٹا اور مجرم ہے! پولیس کے ساتھ حکومت کی رشتے داری مسلّم لیکن اخلاق اور دیانت کا بھی کچھ تقاضہ ہے اور یہی تقاضہ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم خان صاحب کو سچا قرار دیں اور پولیس کے متعلق یہ عرض کریں کہ اسے دنیا میں کوئی جھوٹا اور غلط کار ثابت نہیں کر سکتا۔

(زمزم۔ لاہور: ۱۱/اگست ۱۹۴۵ء)

جاپان کی ۸ سالہ جنگ، چند اہم تاریخیں:

چین کے خلاف جاپان کو لڑتے ہوئے آٹھ سال ہو گئے ہیں۔ امریکہ اور برطانیہ سے وہ قریباً ایک سال سے اور روس سے تقریباً ۱۰۸ گھنٹے سے برسر جنگ ہے۔ جاپان کی جنگ کے نشیب و فراز کی مندرجہ ذیل تاریخوں پر نظر ڈالیے۔

۷/جولائی ۱۹۴۱ء بیجنگ کے درمیان چینی اور جاپانی فوجوں میں جھگڑا ہوا جس پر جاپان نے چین کی اس اہم راجدھانی پر قبضہ کر لیا۔

۱۲/نومبر ۱۹۴۱ء: جاپانی فوجوں نے شنگھائی پر قبضہ کر لیا۔

۷/دسمبر ۱۹۴۱ء: جاپان نے پرل ہاربر پر اچانک حملہ کر دیا۔

۱۵/فروری ۱۹۴۲ء: سنگاپور پر جاپانیوں کا قبضہ۔ سیام کو روندتی ہوئی جاپانی فوجیں ملایا اور ڈچ ایسٹ انڈیز پر قابض ہو گئیں۔

۹/مارچ ۱۹۴۲ء: رنگون پر جاپانیوں کا قبضہ، مگر اتحادی فوجیں مارشل الیگزینڈر کی زیر کمان بچ کر نکل گئیں۔

مئی ۱۹۴۲ء: جاپانیوں نے آسٹریلیا اور نیوگنی کا رخ کیا۔

اگست ۱۹۴۲ء: امریکن بحری فوج جزائر سلیمان میں اُتر پڑی۔

اکتوبر۱۹۴۲ء: امریکیوں نے براٹرالوشن پر پھر قبضہ کرلیا۔
جون۱۹۴۴ء: امریکی فوج جزائر ماشل پر اتری، یہ پہلا جاپانی علاقہ تھا جس پر حملہ کیا گیا۔
جون۱۹۴۴ء: گوام پر قبضہ کر کے لوگوں پر بمباری شروع کی گئی۔
اکتوبر۱۹۴۴ء: امریکی فوجیں فلپائن میں اتر پڑیں۔
۱۶؍مارچ ۱۹۴۵ء: امریکن فوجوں نے آیوجیما پر قبضہ کرلیا۔
۳؍مئی ۱۹۴۵ء: رنگون پر پھر برطانوی فوجوں کا قبضہ ہوگیا۔
۲۱؍جون ۱۹۴۵ء: اوکی ناوا پر مکمل قبضہ کرلیا گیا۔
۵؍اگست ۱۹۴۵ء: ہیروشیما پر پہلا آٹومک بم پڑا جس سے وہ تباہ ہوگیا۔
۸؍اگست ۱۹۴۵ء: روس نے اعلانِ جنگ کردیا۔
۹؍اگست ۱۹۴۵ء: دوسری آٹومک بم ناگاساکی پر گرادیا گیا۔
۱۰؍اگست ۱۹۴۵ء: جاپان نے ہتھیار ڈالنے کی پیش کش کی۔
(مہتمم مرکز منتظم اہل سنت شاہ منزل لاہور) (زمزم۔لاہور: ۱۵؍اگست ۱۹۴۵ء)

قومی زبان یا رراشٹریہ بھاشا کیا ہے؟

۱۵؍اگست ۱۹۴۵ء: واردھا، ۱۵؍اگست۔ حال ہی میں مہاتما گاندھی اور مسٹر پرشوتم داس ٹنڈن کے درمیان خط وکتابت ہوئی۔ مہاتما گاندھی نے ہندی ساہتیہ سمیلن سے استعفیٰ کا ذکر کرتے ہوئے ایک خط میں لکھا ہے کہ میرے نزدیک راشٹریہ بھاشا وہ ہےجس میں ہندی اور اردو دونوں رسم الخط رائج ہوسکیں۔ اور جس میں نہ فارسی کے الفاظ ہوں اور نہ ہی سنسکرت کے۔ ساہتیہ سمیلن کا نظریہ مختلف ہے، اس لیے میں مستعفی ہوگیا۔ اب بھی ہندی اور اردو دونوں زبانوں کی خدمت کروں گا۔

چین کو مولانا آزاد کی مبارک باد!

گلمرگ، ۱۵؍اگست۔ مولانا آزاد صدر کانگریس نے جاپان کی جنگ کے خاتمے پر تبصرہ کرتے ہوئے اطمینان ظاہر کیا اور کہا کہ نازی ازم، فیسی ازم اور جاپانی سامراج دنیا

کے امن وامان کے لیے خطرناک تھے۔ ہندوستان نے تو اس وقت بھی ان کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ جب کئی اتحادی ان کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ مولانا نے جنگ کے خاتمے پر چین کو مبارک باد دی۔ (زمزم۔لاہور: ۱۹/اگست ۱۹۴۵ء)

۱۸/اگست ۱۹۴۵ء: ۲۲/اگست کو آزاد ہند فوج کے کرنل حبیب الرحمٰن نے ایک انٹرویو کے دوران یہ انکشاف کیا کہ ۱۸/اگست کو نیتا جی سوباش چندر بوس ایک ہوائی حادثے کے شکار ہو جانے سے ان کی نعش کو نذرِ آتش کرنے کے بعد ان کی راکھ کا پھول ٹوکیو لاکر بدھ مذہب کے پرچارکوں اور پیرو کاروں کے سپرد کر کے ہم سوئزرلینڈ ہوتے ہوئے سعودی عرب چلے گئے۔

نیتا جی کی زندگی کے آخری دن کی کہانی

ان کے ہم سفر کرنل حبیب کی زبانی:

۱۸/اگست ۱۹۴۵ء فارموسا کے ایک ہوٹل میں، میں اور نیتا جی متصل کمروں میں ٹھہرے تھے۔ اس دن میں صبح ۵ بجے سو کر اٹھا تھا۔ آج کے دن نیتا جی تروتازہ اور بشاش اپنے کمرے میں بیٹھے کچھ ضروری کاموں میں منہمک تھے جنھیں وہ پورا کرنا چاہتے تھے۔ مجھے وہ دیکھتے ہی، جیسا کہ میں نے محسوس کیا، ان کے چہرے پر اندرونی امنگوں کے آثار صاف طور پر نمایاں تھے۔ انھوں نے فوراً تیار ہو جانے کو کہا تھا۔ اس وقت ان کے چہرے کی رونق سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انھوں نے کسی ایسے پے چیدہ مسئلے کا حل تلاش کر لیا ہے۔ آج آزادی کی مہم کو کامیابی کی منزل تک پہنچانے والا ہے۔ ان کا بشرہ اس کی گواہی دے رہا تھا، ان کے یقین نے ان کی ان کیفیات کو اور پختہ بنا دیا تھا۔ گویا بہ قول شاعر

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں!

نیتا جی اس وقت اس شعر کی مکمل تفسیر بن گئے تھے، انھوں نے اس وقت مجھ سے کہا تھا ''حبیب ہم دونوں آج دس بجے کی فلائٹ سے ڈائرن کے لیے روانہ ہو رہے ہیں، ڈائرن پہنچ کر ہمیں روسی نیتاؤں اور فوجی افسروں سے فوراً متحد ہونا ہے'' نیتا جی نے بڑی گرم جوشی سے بتایا تھا۔ ''اگر ان سے میرا اتحادی معاملہ طے ہو گیا تو میرے پاس ایک ایسا

منصوبہ ہے جس سے انہیں اتفاق کرنا ہی پڑے گا، اور تم یقین مانو حبیب، اگر روسیوں نے میرے منصوبے کو تسلیم کرلیا، تو ۲۵ راگست تک ہندوستان میں انگریزوں کا صفایا ہو جائے گا اور لال قلعہ ہماری مٹھی میں ہوگا۔ آج اسی لال قلعے کی قید و بند میں کرنل حبیب کی آواز گونج رہی تھی۔ ’’جب میں نے نیتا جی سے اس منصوبے کی وضاحت چاہی تب انھوں نے مجھے بڑے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا تھا ’ حبیب تم میرے ساتھ ہو، صرف ۶، ۷ گھنٹے بعد جب میں روسیوں کے سامنے اپنے منصوبہ رکھوں گا تب سارے حالات سے تم خود بخود واقف ہو جاؤ گے‘‘ نیتا جی کا حکم پاتے ہی میں آٹھ بجے تیار ہوگیا تقریبا ساڑھے نو بجے ہم دونوں فارموسا ہوائی اڈے پر پہنچے تھے۔

ٹھیک دس بجے ہی ہم دونوں نے ڈائے رن روانہ ہونے والے طیارے میں اپنی اپنی جگہ لے لی تھی۔ لگ بھگ بیس منٹ بعد ہوائی جہاز کی ملازمہ (ایرہوسٹس) نے مطلع کیا کہ جہاز اب ڈائے رن کے لیے پرواز کرے گا۔ یہ خبر سنتے ہی نیتا جی کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی تھی۔ انھوں نے بے حد مسرت انگیز لہجے میں مجھ سے کہا تھا ’’ حبیب، جس طرح ہوائی جہاز ابھی ابھی اڑنے والا ہے، ٹھیک اسی طرح ایک ہفتہ بعد انگریز ہندوستان سے اڑ جائیں گے اور تب ہندوستان کی سرزمین پر اپنا پرچم لہرا اٹھے گا‘‘۔

تاریخ کا وہ کالا ورق:

’’اس کے بعد ہم لوگوں کے درمیان خاموشی چھا گئی تھی۔ اس خاموشی کو توڑا طیارے کی اچانک گڑگڑاہٹ نے ہمارا طیارہ فارموسا ہوائی پٹی (Runway) پر دوڑنے لگا تھا۔ طیارے پر بیٹھے ہوئے تمام مسافروں نے دم سادھ لیا تھا۔ میں نیتا جی کی بغل میں بیٹھا ہوا تھا اور مستقبل کے تانے بانے بن رہا تھا اور نیتا جی بڑے حکمانہ اور اٹل انداز سے کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ طیارہ ہوائی پٹی پر اپنی دوڑ پوری کرنے کے بعد ہوا میں اچھلا تھا، ایک پل کو ہماری ادھیڑ بن کو ایک جھٹکا لگا تھا، لیکن ...... لیکن دوسرے ہی پل یک بیک طیارے میں خوف ناک دھماکا ہوا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوکر وہ طیارہ فارموسا ہوائی اڈے کے قریب گر گیا تھا، ایک پل کے لیے میرے حواس مختل ہو گئے تھے، دوسرے ہی پل میں نے خود کو سنبھالا تھا۔ میں اس وقت بری طرح زخمی تھا، باوجود اس کے مجھے اپنے زخمی ہونے کی

تکلیف کی بجائے اپنے عزیز نیتا جی کی فکر کہیں زیادہ تھی۔

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ طیارے کا تباہ شدہ ملبے دھائیں دھائیں تیزی سے جل رہا تھا اور بدنصیب زخمی مسافروں کی چیخ پکار سے وہاں کی فضا غم آگیں ہو رہی تھی۔ اب ہوائی اڈے کا عملہ جائے وقوع پر پہنچنے لگا تھا۔ ہم زخمیوں کو فوراً ایمبولینس میں لادا گیا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، نیتا جی کو ہلکی چوٹ آئی ہے باوجود اس کے وہ خطرے سے باہر تھے۔ یہ دیکھ کر مجھے تھوڑا سا اطمینان ہوا تھا۔ تمام زخمیوں کے ساتھ ہم دونوں کو ''فار موسا ریڈ کراس اسپتال'' میں پہنچایا گیا تھا''۔

کرنل حبیب ایک پل کے لیے چپ ہو گئے تھے معلوم ہوتا تھا جیسے اس ہوائی حادثے کا منظر ایک بار پھر ان کی آنکھوں میں رقص کرنے لگا تھا اور آواز ان کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ ایک بوجھل سناٹا! لال قلعہ کے اس زندان خانے میں وہ وقت کتنا بھاری گزرا تھا لفظوں میں بیان کرنا قطعی ناممکن ہے۔ اس سنجیدہ ماحول میں خود کو سنبھالتے ہوئے بھی کرنل حبیب بے حد جذباتی ہو اٹھے تھے۔ انھوں نے لرزتی آواز میں پھر بتانا شروع کیا:

''میری لاکھ منت کے باوجود مجھے اور نیتا جی کو ایک ہی وارڈ کے ایک ہی کمرے میں نہیں رکھا گیا۔ وہاں کے قواعد وضوابط نے میری التجاؤں کو جان بوجھ کر ٹھکرا دیا۔ آخر کار ہم دونوں کو الگ الگ کمروں میں رکھا گیا''۔ یہ تھے حالات اور یہ تھے سخت مرحلے جن سے میں دوچار تھا۔ بایں ہمہ نیتا جی ہمارے خیالوں میں بسے ہوئے تھے۔ ہر پل میں ان کی خیریت کے لیے دست بہ دعا تھا۔ ''فار موسا ریڈ کراس اسپتال'' اس وقت کی میری بے چینی کا شاہد ہے کہ میں ہر آتے جاتے آدمی سے نیتا جی کی خیریت سننے کی امید لگائے بیٹھا تھا، اور لوگ تھے کہ کچھ بھی بولنا نہیں چاہتے تھے۔ ایک ایک پل بھاری گزر رہا تھا، پورے اسپتال میں جیسے ایک پراسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ قریب دو گھنٹے بعد یعنی اس وقت دن کے ڈیڑھ بجے اچانک مجھے خبر دی گئی۔ ''سبھاش از نو مور'' اس ناگہانی قلب وجگر کو پاش پاش کر دینے والی اندوہناک خبر پر یقین نہ آیا، لیکن دوسرے ہی پل اس خبر نے جیسے مجھے بدحواس کر دیا۔ میں پاگلوں کی طرح چیختا ہوا اپنے بستر سے کود کر بھاگا، میں کسی طرح سبھاش بابو کا آخری درشن کرنا چاہتا تھا۔ اس وقت اس خبر نے میرے ہوش وحواس چھین لیے تھے۔ میرے دل و دماغ اپنے عزیز ترین قاید سبھاش بابو کے لیے ہر لمحہ بے چین تھے، میرے ذہنی کرب و

انتشار کی کوئی حد و انتہا نہ تھی، لیکن میری ہر کوشش نا کام ہو گئی۔ اسپتال کے حفاظتی اسٹاف نے مجھے دھر دبوچا اور مجھے میرے بیڈ پر ڈال دیا۔ اس کے بعد میری رگ میں ایک ایسی سوئی چبھوئی گئی جس سے میرے حواس خمسہ معطل ہو گئے۔ اس کے بعد کیا ہوا مجھے نہیں معلوم"۔ یہ سب حالات بیان کرتے کرتے کرنل حبیب کی آنکھیں جھلک پڑیں، گلا رندھ گیا تھا۔ انھوں نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔ "محبوب تمہیں جان کر حیرت ہوگی کہ اس انجکشن کے بعد میں پانچ دنوں تک بے ہوش رہا۔ جب مجھے ہوش آیا تو سارا کھیل ختم ہو چکا تھا۔ مجھے پتہ چلا کہ ۲۲/ اگست سے ہی اعلان کیا جا رہا ہے کہ سبھاش بابو ہوائی حادثے میں ختم ہو گئے۔ (کرنل محبوب احمد: ص ۳۲۔۳۰)

ہندو مسلم اتحاد، مہاسبھا کی روش:

نئی دہلی، ۱۸/ اگست ہندو مہاسبھا کا اجلاس بند کمرے میں ہو رہا ہے، لیکن پھر بھی معلوم ہوا ہے کہ حکومت نے ایگزیکٹو کونسل میں سے مساوی ہندو مسلم نمائندوں کے لینے کی تجویز کو نہ اڑایا تو سبھا ستیہ گرہ کا الٹی میٹم دے دے۔ رضا کاروں نے مجلس عاملہ کو یقین دلایا ہے کہ وہ حسب ہدایت ہر قربانی کو تیار ہیں۔

مجلس عاملہ کے کچھ اراکین اپنے دیگر شرکائے عمل پر زور دے رہے ہیں کہ وہ حکومت کے خطابات چھوڑیں، اس سلسلے میں ڈاکٹر گوکل چند نارنگ راجہ مہیشور دیال اور دہلی کے رائے بہادر دلیش چندر نے سر اور رائے بہادری کے خطابات ترک کر دیے ہیں۔

(زمزم۔ لاہور: ۲۳/ اگست ۱۹۴۵ء)

آزاد ویول خط و کتابت:

۱۹/ اگست ۱۹۴۵ء: جب مسٹر جناح نے وایسرائے کے ارادے اور فیصلے کو اچھی طرح ٹٹول کر اطمینان کر لیا کہ آزاد ویول خط و کتابت شایع نہیں ہوگی تو دنیا کو ایک نئے فریب میں مبتلا کرنے کے لیے جھٹ مطالبہ شروع کر دیا کہ مولانا آزاد اور وایسرائے ہند اپنی خط و کتابت کو جلد سے جلد شایع کر دیں تا کہ دنیا کو معلوم ہو کہ شملہ کانفرنس کی ناکامی کا ذمہ دار کون ہے! گویا خط و کتابت کیا ہے ایک ڈائنامیٹ ہے کہ پھٹتے ہی کانگریس کا قصر

اقتدار غبار بن کر اڑ جائے گا اور مولانا آزاد اور ان کے رفقا کو ایسی ندامت ہوگی ساری عمر گردن نہ اٹھا سکیں گے! مسٹر جناح خط و کتابت کے مضمون سے خوب واقف ہیں اگر انھیں یقین ہوتا کہ مطالبہ کرتے ہی وایسرائے اسے منظر عام پر لے آئے گا تو وہ کبھی اس کی اشاعت کے لیے اصرار نہ کرتے مگر اب اصرار کر رہے ہیں کہ کیوں کہ جانتے ہیں کہ وایسرائے کا فیصلہ اس کی اشاعت کے خلاف ہے اور جب تک خط و کتابت پردۂ خفا میں رہے یہ شور مچانے کا موقع ملتا رہے گا کہ ذرا اسے شایع کر کے تو دیکھو، آزاد کی قلعی کیسے کھلتی ہے!

مسٹر جناح کے اصرار پر مولانا آزاد کا جو بیان شایع ہوا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ انھوں نے خط و کتابت کی اشاعت کے لیے صدر کی اجازت طلب کی مگر اجازت نہ ملی۔ اگر مسٹر جناح کو اس کی تلاوت کا بہت ہی شوق ہے تو نجی طور پر انھیں پوری خط و کتابت دکھائی جا سکتی ہے۔ جس سے انھیں معلوم ہو جائے گا کہ اس میں ان کے مطلب کی ایک بات بھی نہیں! جہاں تک مولانا آزاد کے بیان کا تعلق ہے مسٹر جناح کو اس پر مطمئن ہو جانا چاہیے، لیکن ہمارا خیال ہے کہ خط و کتابت کی اشاعت کو مخفی رکھنا غلط فہمیوں کا موجب ہوگا اور وایسرائے کے لیے یہی بہتر ہوگا کہ اس کی اشاعت میں تاخیر نہ فرمائیں۔

ہمیں یہ پڑھ کر حیرت نہیں ہوئی کہ مسٹر جناح نے اپنی عالی ظرفی کی بنا پر مولانا آزاد کے بیان کو طفلانہ قرار دیا ہے، اگر مالابار ہل پر کوئی ایسا آلہ نصب ہے جس سے لیڈروں کے اقوال کی اخلاقی کیفیت کو جانچا جا سکتا ہے تو بہتر ہوگا کہ مسٹر جناح پہلے اپنی کور چشمی کا درجہ معلوم کر لیں اس کے بعد چاند پر تھوکنے کی مشق بہم پہنچائیں۔

(زمزم۔ لاہور: ۱۹/اگست ۱۹۴۵ء)

امامت و قیادت:

ایک اور صاحب دریافت فرماتے ہیں:

> آج کل ہمارے یہاں اس بات پر سرگرم بحث ہو رہی ہے کہ مسٹر جناح ہی مسلمانوں کے قاید اعظم ہیں، جب مسلمانوں کا سواد اعظم انھیں قاید اعظم مان چکا تو ان سے بغاوت اسلام کی رو سے قطعاً ناجائز ہے۔ کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ اس بارے میں جناب کا خیال کیا ہے؟

جب تسلیم کرلیا گیا کہ مسٹر جناح ہی قاید اعظم ہیں تو سرگرم بحث کے کیا معنی؟ کیا یہ بحث آپس ہی میں ہو رہی ہے اور ابھی تک مسٹر جناح کی قیادت معرض بحث میں ہے؟ سائل کی جرأت کی داد دینی چاہیے کہ وہ کس بھولے منہ سے مسٹر جناح کے منصب کے متعلق سوال کرتا ہے، گویا جانتا ہی نہیں کہ اسلام میں امامت کا مرتبہ کیا ہے، اس کے حدود و شروط کیا ہیں اور سوادِ اعظم سے مراد کیا ہے؟ سب جانتے ہیں کہ مسٹر جناح کا حقیقی مقام کیا ہے اور اسلام کو ان کے ساتھ کیا نسبت ہے لیکن چوں کہ ہر سیلاب میں بہنے اور ہر آندھی میں اڑنے کی عادت پڑ چکی ہے، اسلام کے نام کو غلط طور پر استعمال کرنے کا رواج عام ہوگیا ہے اور دماغ کے بجائے جذبات سے کام لینے اور بھیڑ کے ریلے میں قدم بڑھانے کی مشق بہم پہنچائی گئی ہے اس لیے اپنے طرز عمل کو حق بہ جانب ثابت کرنے کے لیے بھی سوادِ اعظم کا سہارا لیا جاتا ہے۔ کبھی اطاعت امیر کے حکم کو بہ طور سند پیش کیا جاتا ہے! گویا موجودہ زمانے کی مسلمان قوم بڑی ہی اطاعت شعار، بڑی ہی فرماں بردار اور جماعتی زندگی کے لیے بڑی ہی بیتاب ہے! یہ چند روز کی ہماہمی ہے اس کے بعد ہم دکھا دیں گے کہ یہی سوادِ اعظم غریب جناح کی کیسی مٹی خراب کرتا ہے۔ جس سوادِ اعظم نے مولانا محمد علی مرحوم تک کو نہ بخشا وہ مسٹر جناح کو کب خاطر میں لاتا ہے اور اس سے کب یہ امید ہوسکتی ہے کہ ایک شخص کو آسمان پر چڑھا کر تحت الثریٰ میں نہ گرا دے گا!

رہا یہ سوال کہ قاید اعظم کی قیادت کے بارے میں ہمارا اپنا خیال کیا ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا اپنا کوئی خیال نہیں۔ کتاب و سنت کی تشریحات سب کے سامنے ہیں۔ اس کے متعلق اسلام سے پوچھو اور وہیں سے اس کا جواب لو! ہمارے خیال میں اسلام کی امامت و قیادت کا جو تھوڑا بہت رعب قایم تھا اور اس کی معنویت میں جو طاقت، نزاکت اور اہمیت پوشیدہ تھی، مسٹر جناح کی قیادت کے بعد ان سب کا بھرم کھل گیا ہے اور غیر نہیں اپنے ہی یہ سوچنے لگے ہیں کہ اگر امامت اور امارت یہی ہے جس کا نمونہ مسٹر جناح کی ذات گرامی ہے تو اسلام کو اس کی اہمیت جتانے اور مہمات امور کو اس کی طرف منسوب کرنے کی ضرورت ہی کیا پیش آئی تھی! ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی بھیڑ اس قسم کی قیادت کو زندہ کرتی آئی ہے اگر مسلمانوں کے شکست خوردہ دماغ نے بھی مالا بار ہل کو یہ شرف بخشا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے!

مولانا آزاد کا ذریعہ معاش؟

۱۹ر اگست ۱۹۴۵ء: ایک صاحب دہلی سے تحریر فرماتے ہیں:

کیا مہربانی کر کے بتائیں گے کہ مولانا ابوالکلام آزاد کا ذریعہ معاش کیا ہے؟

دراصل یہ اور اس قسم کے دوسرے سوالات موجودہ مسلمانوں کی اس بگڑی ہوئی فطرت کا نمونہ ہیں جو قوم کے فرد فرد میں سرایت کی ہوئی ہے اور جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر امت کی کوئی جلیل القدر ہستی گرانے سے نہیں گرتی تو اس قسم کی باتوں سے ہی اسے گرانے کی کوشش کی جائے اور معصومانہ انداز میں صرف یہ دریافت کرلیا جائے کہ فلاں صاحب کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ ہمیں اس سوال پر ذرا بھی تعجب نہیں ہوا بلکہ یقین ہو گیا کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، غریب جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ دل کو پکڑ کر ساری دنیا میں گھوما اور اس امت کی خاطر در در کی ٹھوکریں کھائیں۔ مگر جن لوگوں نے ان کی دعوت کو اپنے اقتدار کے لیے چیلنج سمجھا انھوں نے مرحوم کو گرانے کی نئی نئی راہیں نکالیں اور جب دیکھا کہ اس طریقے سے خود اپنی پردہ دری ہوتی ہے تو جہلا کے کانوں میں پھونک دیا کہ اس سے پوچھو کہ اس کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ اگر یہ مفسدین یہی سوال اپنے نفس سے کرتے، احرام خور راہبان ملت اور بےعمل پیروں سے کرتے تو انھیں اپنی دنائت اور پست حیثیت کا علم ہو جاتا۔ آج یہی سوال مولانا آزاد کے متعلق کیا جا رہا ہے گویا انھوں نے بھی دین فروشی کی کوئی دکان کھول رکھی ہے یا گمراہ پیروں کی طرح ان کا ذریعہ معاش بھی۔ یاکلون اموال الناس بالباطل ہے۔

سوال یہ ہے کہ ذہن مبارک کو اس سوال کے تراشنے کی آج ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ ۱۹۱۲ء سے آزاد دعوت حق کا نعرہ لگا رہا ہے اس دوران میں کسی کو نہ سوجھا کہ آزاد سے دریافت تو کرو کہ ان کا ذریعہ معاش کیا ہے؟

غالباً اس سوال سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ آزاد ہندو کے ہاتھ فروخت ہو چکے ہیں اور برلا کی تھیلیوں کے ممنون احسان ہیں لیکن اگر آزاد کی غیرت اس قدر ارزاں ہے کہ برلا اور ڈالمیا کی تھیلیوں سے نظر ہی نہیں ہٹتی تو زر کی خاطر انگریز سے سودا کرنا ان کے لیے کیا مشکل تھا۔ وہ اگر یہی چاہتے کہ ہندو کے پیسے سے عیش اڑائیں اور امت کے اجتماعی مزاج سے

بغاوت کریں تو پھر انگریز کے خزانہ عامرہ میں کون سے کیڑے پڑ گئے تھے کہ اسے ہاتھ لگانا آزاد کے لیے حرام ہو گیا!

افسوس اس امت پر جس نے نہ ابن تیمیہ کو چھوڑا، نہ جمال الدین کی روح کو چین لینے دیا، نہ سرسید احمد خاں کی جان بخشی کی نہ مولانا محمد علی مرحوم کو معاف کیا اور جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو ان ہی مفسدین نے انہیں مفکر اسلام، مجاہد ملت اور رئیس الاحرار قرار دیا!

یہاں تک تو سوال کا اصولی جواب دیا گیا ہے لیکن جہاں تک ذاتیات کا تعلق ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا آزاد کی اہلیہ مرحومہ کی جائداد جو دو لاکھ کے قریب تھی مولانا کے لیے وجہ کفاف بنی رہی، الہلال بھی آمدنی کا ایک ذریعہ تھا اس کے بعد آپ کی تصنیفات سے معاشی ضروریات پوری ہوتی رہیں اور اب بھی آمدنی کا یہی ذریعہ ہے۔ جو شخص اس خیال میں ہے کہ مولانا کی جیب برلا کے خزانوں سے گرم ہوتی ہے وہ مولانا کو بدنام نہیں کرتا پوری امت کو رسوا کرتا ہے اور اس قسم کا اعلان کرتا ہے کہ وہ بھی اسی ذلیل قوم کا فرد ہے جو اپنے پیشوا کو برلا کے قدموں پر جھکنے سے نہ بچا سکی! (زمزم۔ لاہور: ۱۹؍ اگست ۱۹۴۵ء)

ہندوستان کی کہانی انگریزوں کی زبانی:

یورپ والوں کو پندرھویں صدی میں ہندوستان کی بیش بہا دولت کی خبر لگی۔ سب سے پہلے یہاں پرتگالی پہنچے۔ ان کے بعد ڈچ اور پھر فرانسیسی جب کہ ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی کے بعد ہندوستانی قسمت کی باگ ڈور انگریزوں کے ہاتھ میں آئی۔ ہندوستان دولت سے لبریز تھا، برٹش مدبروں نے اس کے ذریعہ انگلستان کو ثریا پر پہنچایا۔ مگر ہندوستان اب تک بستر افلاس پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ہلاک و برباد ہوتا جا رہا ہے۔ ذیل کے چند اقوال اور شواہد ملاحظہ ہوں۔

ریورنڈ اے جی دوبائیں جو ۱۸۲۰ء میں میسور میں انگریزی مشنری تھا، لکھتا ہے "افسوس ہے کہ غریب ہندوستانی بائبل نہیں مانگتے بلکہ کھانا اور کپڑا مانگتے ہیں۔ جب پیٹھ ننگی ہو اور پیٹ خالی ہو تو اچھا...... اچھا عیسائی بھی بائبل کی طرف مخاطب نہ ہو گا"۔

۱۸۸۰ء میں ڈبلیو ہنٹر نے لکھا تھا "ہندوستان میں چار کروڑ آدمی بھوکے پیٹ زندگی

بسر کر رہے تھے''۔

آسام کے چیف کمشنر سر چارلس ایسٹ نے ۱۸۱۸ء میں لکھا تھا'' کسانوں کی آدھی آبادی سال کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک یہ نہیں جانتی کہ بھر پیٹ کھانا کسے کہتے ہیں۔

۱۹۰۰ء میں سر ولیم ڈگبی نے اپنی کتاب ''پراسپرس برٹش انڈیا'' میں لکھا تھا۔ اس بیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستان میں نو کروڑ آدمی روزانہ بھوکے سو جاتے ہے۔ ۱۹۰۲ء میں سر ریلش چندرت نے اپنی کتاب ''پاورٹی اینڈ ان برٹش رول اِن انڈیا'' میں لکھا تھا ''لوگوں کی ہولناک غریبی روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ جب فصل بے حد اچھی ہوتی ہے۔ تب بھی پانچ کروڑ آدمی بھوکے پیٹ رہتے ہیں''۔

۱۹۰۵ء میں امریکن مشنری ریورنڈ جے ٹی سنڈر لینڈ نے لکھا تھا'' بیشتر ہندوستانی دو چار رپوں پر پورا مہینہ کاٹتے ہیں، ملک میں ذرائع معاش کی کمی نہیں ہے۔ اس پر بھی ہندوستانی بے حد غریب ہیں''۔

وزیر ہند سر سموئیل ایڈوین مانٹیگو نے ۱۹۱۷ء میں لکھا تھا، ہندوستان کی نصف آبادی کو دن میں ایک وقت کھانا نصیب ہوتا ہے، وہ بھی بھر پیٹ نہیں۔ ایک ہندوستانی کی اوسط عمر ۲۳ برس ہے، جب کہ انگریزوں کی چالیس برس اور ایک نیوزی لینڈر کی ۶۰ برس'' سر فریڈرک ٹربز نے جو انگلستان کے بہت مشہور سرجن تھے۔ سیاحت ہند کے بعد ۱۹۲۴ء میں لکھا تھا ہر ہفتے بیس ہزار ہندوستانی پلیگ کے شکار ہوتے ہیں۔ اس کے دو گنے آدمی ہیضے کے اور ایک دفعہ ۵۵ لاکھ آدمی قحط کے شکار ہوئے تھے۔

پنجاب فائنٹشل کمشنر ایس ایس تھوربن نے لکھا ہے، سات کروڑ ہندوستانی ایسے ہیں جن کی غریبی سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔

بروکس ایڈیمس اپنی کتاب لا آف اینڈ ڈیکے (ص ۳۰۵) میں لکھتا ہے: ''کروڑوں ہندوستانیوں کی صدیوں کی بچت کو انگریز چھین کر اس طرح لندن لے گئے جس طرح رومن یونان اور پنٹو کی دولت لوٹ کر اٹلی لے گئے تھے۔ یہاں کتنی دولت ہوگی اس کا اندازہ کوئی شخص نہیں لگا سکتا۔ لیکن وہ اتنی تھی کہ جس سے اس وقت یورپ کے تمام خزانوں کے جواہرات خریدے جاسکتے تھے۔

بنگال کے گورنر سر فریڈرک جان شور نے لکھا تھا ''جو جو صوبے ہمارے ماتحت آتے گئے، ان پر ہم نے زیادہ سے زیادہ ٹیکسوں کا بوجھ لادا، ہم اس بات میں فخر محسوس کرتے تھے کہ ہم نے دیسی راجاؤں کے مقابلے میں کسانوں کا دس گناہ لگان بڑھا دیا''۔

برٹش پارلیمنٹ کے ممبر کیر ہارڈی نے لکھا ہے ''کسانوں سے جو لگان لیا جاتا ہے وہ ان کی پیداوار کا پچاس فیصدی تک ہوتا ہے اس کے علاوہ انھیں نذرانہ، شکرانہ، اور نہ معلوم کتنی چیزیں چکانی پڑتی ہیں۔ میرا صحیح اندازہ ہے کہ کسان کی پیدوار کا ۷۵ فیصدی ٹیکسوں میں نکل جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی رعایا بے بس ہو کر غریبی کی چکی میں پستی رہتی ہے''۔

کیر ہارڈی ہی نے ایک دفعہ اور کہا تھا ''ہندوستانی کی پلیگ کی اصل وجہ غریبی ہے اور جو مکھی اس پلیگ کو پھیلاتی ہے وہ سامراجی سرکار ہے۔

پادری لینڈ نے افسوس کے ساتھ کہا تھا، انگلستان کا برتاؤ ہندوستان کے ساتھ کس طرح کا ہے؟ وہ ایک سیاسی خون چوسنے والی جونک کی طرح ہے۔

جان مسکر نے ۴رمئی ۱۹۱۹ء کے لنڈن ہیرایسڈ میں لکھا تھا۔ ''اکثر مزدور اس طرح کی ناقابل بیان ذلت کی حالت میں رہتے ہیں کہ یہ دیکھ کر حیرانی نہیں ہوتی کہ لوگ پلیگ، قحط اور ہیضے سے مکھیوں کی طرح مرتے ہیں''۔

گذشتہ جنگ عظیم میں کروڑوں وفادار ہندوستانیوں نے انگلستان کو بچانے کے لیے اپنی جانوں کی بازی لگا دی ہیں، لیکن ان کے بدلے میں کیا ملا، شرم ناک رولٹ ایکٹ اس کے بعد ہندوستان میں کیا ہوا؟ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔

اور آج کی جنگ عظمیٰ میں بھی ہندوستان نے روپے اور آدمی سے برٹش ایمپائر کی عزت وتوقیر کی حفاظت کے لیے جس قدر مردانہ وار امداد کی ہے۔ اس کے طفیل میں کیا ملا؟ ننگی کا ناچ۔

ہاں یہ بھی تلخ حقیقت فراموش نہیں کی جا سکتی کہ ۶راپریل ۱۹۱۹ء کے دن کروڑوں ہندوستانیوں نے قوم اور مذہب کا فرق بھول کر مندروں اور مسجدوں میں جا کر خدا سے اپنی آزادی کی دعا مانگی۔ ان کے بعد ہندوستانیوں نے خرب سلمیٰ کا اعلان کیا۔ اس بات کو آج

ربع صدی گذر چکی۔ لیکن اب تک کیا ملا؟ وہی استبداد، دھونس، حیلے بہانے، الزام اور تفریق کے بدترین اوزار اور ہتھیار۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔
(زمزم۔لاہور: ۱۹/اگست ۱۹۴۵ء)

انگلستان ایک ارب پونڈ کا ہندوستان کا مقروض:

۲۱/اگست ۱۹۴۵ء: ہندوستان کا افلاس ایک مسئلہ یا کیہ کلیہ نہیں بلکہ ایک امر واقعہ ہے لیبر ممبر میجر وانٹ نے جو حال ہی میں ہندوستان سے انگلستان واپس پہنچے تھے۔ ۲۱/اگست ۱۹۴۵ء کو پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''جب اتحادیوں کا ریلیف بورڈ اسکیم تیار کرلے اس کو یہ دھیان رکھنا چاہیے کہ ہندوستان میں گیارہ کروڑ اشخاص ایسے ہیں جن کو پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملتا اور وہ بھوکے مرتے ہیں حکومت کو یہ بھی واضح کردینا چاہیے کہ برطانیہ کو ہندوستان کا ایک ارب پونڈ قرضہ ادا کرنا ہے۔
(تیج: ۲۴/اگست ۱۹۴۵ء)

ایسی حالت میں ہندوستان کا شریک جنگ کرنا ایسا ہی تھا کہ تپ دق کے مریض کو برچھیوں سے زخمی کردیا جائے۔ یا کسی نیم بسمل کے زخموں پر نمک چھڑک دیا جائے۔
(علمائے حق اور............: ج ۲، ص ۲۹۔۳۸)

ہندوستان کی آزادی پر مولانا آزاد کا بیان:

سری نگر ۲۱/اگست، مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس نے ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمایندے کو ایک طویل بیان دیا جو ۱۵۰۰ سو الفاظ پر مشتمل ہے اس کا ضروری ملخص حسب ذیل ہے:

''اب جب کہ جنگ ختم ہوگئی ہے، ہندوستان کی آزادی کا مستقل فیصلہ ضروری ہے۔ یہ فیصلہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ آزاد ہندوستان کے لیے ایک جمہوری حکومت قایم کردی جائے جو بین الاقوامی معاملات میں دوسرے آزاد ممالک کے ساتھ تعاون کرے۔

ہندو مسلم مسئلہ اور مسلم لیگ کے مطالبے کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ کانگریس کو اس امر کا یقین ہے کہ آزاد ہندوستان کی اساس فیڈریشن میں شامل ہونے

والے صوبوں کے رضا کارانہ تعاون ہی پر رکھی جا سکتی ہے جبر واکراہ پر نہیں۔ اس معاملے میں کانگریس کی روش واضح ہے۔ لیکن ابھی شکوک وشبہات باقی ہیں اس لیے میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کے آئندہ اجلاس میں اس مسئلے کو پیش کروں گا اور مجھے یقین ہے کہ مطلوبہ توضیح کردی جائے گی۔
(زمزم۔لاہور: ۲۳؍اگست ۱۹۴۵ء)

جنگ عظیم دوم اور انسانی ہلاکت،

اسی کروڑ انسان، اس جنگ میں ہلاک ولا پتا ہو گئے:

نیویارک، ۲۱؍اگست، اس جنگ عظیم میں جس قدر لوگ ہلاک ومجروح ہوئے ہیں ان کے متعلق کوئی مستند اور موثق اطلاع نہیں مل رہی لیکن ایک سرکاری ترجمان کا کہنا ہے کہ جنگی اطلاعات اور مختلف بیانات کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اس جنگ عظیم میں کم وبیش اسی کروڑ افراد ہلاک ومجروح ہوئے ہیں یا لاپتا ہو گئے ہیں۔ دنیا کی آبادی کے اس سب سے بڑے مسئلے کو حل کرنا اتحادیوں کے لیے بہت کٹھن ہو رہا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ کون سا سپاہی زندہ ہے کون سا مرا ہوا ہے اور کون سا قیدی کس ملک میں مقیم ہے۔

(زمزم۔لاہور: ۲۲؍اگست ۱۹۴۵ء)

آزاد ہند فوج کی سزایابی:

۲۱؍اگست ۱۹۴۵ء: سری نگر، پنڈت جواہر لال نہرو نے سبھاش بابو کے مستقبل کی وضاحت کرتے ہوئے نمائندہ پریس کو بتایا کہ سبھاش بابو کے بیشتر سپاہی اور افسر قید کر کے ہندوستان لائے جا چکے ہیں، ان میں سے کچھ کو پھانسی بھی دی جا چکی ہے۔ اس وقت کہا جا رہا ہے کہ ہندوستان میں بڑی بڑی تبدیلیاں ہونے والی ہیں، اس لیے اس موقع پر اس فوج کے ساتھ سخت سلوک کرنا عظیم غلطی ہوگی، ان کو سزا دینا تمام ہندوستان کو سزا دینے کے مترادف ہوگا۔ اس کے زخموں سے کروڑ ہا ہندوستانیوں کے دل چھلنی ہو جائیں گے۔ ان کے شہید ہونے سے ہندوستان اور برطانیہ کے تعلقات بگڑ جائیں گے۔

(زمزم۔لاہور: ۲۳؍اگست ۱۹۴۵ء)

مسلمانوں کی واحد نمایندگی کا پس منظر:

۲۳ راگست ۱۹۴۵ء: مسلم لیگ کے واحد نمایندگی کے دعوے کی حقیقت اور اس کے واقعی پس منظر کے موضوع پر مولوی اسماعیل رموزی ناظم جمعیت علماے پورنیہ نے ایک مضمون لکھا ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں:

ہندوستان میں مسلمانوں کی درجنوں جماعتیں موجود ہیں اور آئے دن ایک نہ ایک جماعت عالم وجود میں آتی رہتی ہے اور ہر جماعت اپنے اپنے طریقے پر کام کر رہی ہے۔ کوئی تعمیری کوئی تخریبی، کوئی اصلاحی اور کوئی غیر اصلاحی، کوئی مکمل آزادی کا مطالبہ کر رہی ہے اور کوئی مکمل غلامی کا، کسی کا خیال ہے کہ انگریز ہندوستان سے نکل جائے اور کسی کی دعا ہے کہ انگریز ہماری سرپرستی فرمائے، ان میں ایک قوالوں اور آرام کوشوں کی جماعت بھی ہے جو چلاتی خوب ہے اور کرتی کچھ بھی نہیں، زبان سے تو آزادی کا مطالبہ کرتی ہے اور دل سے انگریزوں کی سرپرستی اور آقائی کے لیے دعا گو ہے۔ اس جماعت کے سر پر مسلمانانِ ہند کی واحد نمایندگی کا آسیب بری طرح سوار ہے، ہندوستان کی آزادی کی خاطر ہندو مسلم مصالحت یا حکومت سے سمجھوتے کا جب بھی موقع آتا ہے، یہ جماعت واحد نمایندگی کا حربہ لے کر قوم پرستوں اور آزادی پسندوں پر حملہ آور ہو جاتی ہے، اس طرح ہر موقع پر یہ جماعت ہندوستان میں انگریزوں کو مضبوط بنانے کے لیے وقف ہو جاتی ہے۔

بہ ظاہر اصرار واحد نمایندگی کے لیے ہے ورنہ اس کے پس منظر میں جو ذہنیت کام کر رہی ہے اس سے باخبر اصحاب اچھی طرح واقف ہیں۔ جیسا کہ اگست کے زمزم میں مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب نائب امیر شریعت بہار نے اس کی طرف ایک اجمالی اشارہ فرمایا ہے:

واقعہ یہ ہے کہ انگریزوں کو شروع ہی سے اس بات کا اندیشہ رہا ہے کہ مسلمانوں میں جب تک مذہبی جنون باقی ہے اس وقت تک یہ قوم برضا و رغبت غلامی پر قانع نہیں ہو سکتی۔ چناں چہ اس جنون کو مٹانے اور مسلمانوں کے معنوی قویٰ کو کمزور کرنے کے لیے یورپ کی طرف سے مستقل محاذ قایم کیا گیا اور مسلمانوں ہی کو آلۂ کار بنا کر مختلف شعبے اور مختلف راستے سے اسلامی تہذیب، اسلامی معاشرت، اسلامی قانون پر حملے کیے گئے۔

علمائے حق کو بدنام کر کے مسلمانوں کو ان کی رہ نمائی سے چھڑا کر شتر بے مہار بنانے اور لا مرکزیت پیدا کرنے کے لیے بیش از بیش کوشش کی گئیں۔

مولویت پر حملہ:

ہندوستانی مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت اور ان کے علما پر سب سے اہم حملہ انگریزی اسکولوں کے مسلم طلبہ کے ذریعے کیا گیا، ان اسکولوں سے آوازیں بلند ہوئیں کہ مولوی بدھو ہوتے ہیں، یہ پلاؤ و قورمہ پر جان دیتے ہیں، یہ قل آعوذ یے، سیاسیات و اقتصادیات کو کیا جائیں؟ ان کا کام تو مُردوں کو ثواب پہنچانا اور مسجدوں میں وظیفہ پڑھنا ہے! البتہ انگریزی تعلیم یافتہ تمام علوم و فنون پر حاوی ہوتے ہیں، سیاسیات و اقتصادیات، معاشیات و مذہبیات ان کی لونڈیاں ہوتی ہیں۔

اسی طرح پردۂ نسواں کو دقیانوسی رواج، مسئلہ جہاد کو مسلمانوں کی ظلم و خون خواری کی یادگار، تعدد ازدواج کو غیر متمدن اقوام کے وحشیانہ مظالم، اور پاجامہ شروانی کو دقیانوسی اور فرسودہ لباس قرار دیا جانے لگا۔ اس قسم کی آوازیں اٹھانے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ مغربی تہذیب کے دل دادہ اور اسلام سے بیزار ہو جائیں مسلم عوام علما سے بدظن ہو کر ان کی رہ نمائی سے نکل جائیں اور مذہبی جنون والی جماعت رفتہ رفتہ بدنام و بے اثر ہو کر رہ جائے۔

اس تحریک کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اسکولوں اور کالجوں کی پیداوار قسم کے مسلمان مولویوں و صوفیوں کی شان میں نفرت و حقارت آمیز جملے کسنے لگے۔ داڑھیاں کٹا کر نماز روزہ کی توہین کر کے اپنے کو روشن خیال ثابت کرنے لگے۔ جہاد، تعدد ازدواج، قصاص، قطع ید اور اس قسم کے دیگر مسائل کے بارے میں یہ کہہ کر اسلام کو اپٹوڈیٹ مذہب ثابت کرنے لگے کہ یہ مسائل زمانۂ نبوت ہی کے لیے مناسب تھے اب ان کی ضرورت نہیں ہے، یہ صرف مولویوں کا ڈھکوسلا ہے ورنہ وہ بے چارے روزہ نماز اور ختم قرآن کے سوا کیا جانیں۔

ابن علقمہ اور میر جعفر:

انگریزی اسکولوں کے مسلم طلبہ جو پہلے سکولوں اور کالجوں کی چہار دیواری سے اسلام اور

اسلامی معاشرت پر حملہ آور تھے وہ اب سیاست کی راہ سے مسلمانوں کی واحد نمایندگی کو قلعہ بنا کر خوف ناک حملے اسلام اور اصول اسلام پر کر رہے ہیں، حملہ آوروں کی اس جماعت میں اکثر وہ لوگ شامل ہیں جو احکام اسلام کی پابندی سے بالکل آزاد ہیں، اپنے اعمال و حرکات سے قرآن، احکام قرآن اور علماے دین کی توہین پر کمر بستہ ہیں، ان میں بعض ایسے سربرآور وہ مسلمان بھی ہیں جو عیسائیوں کے عقد میں لڑکیاں دینا فخر سمجھتے ہیں اور اکثر و بیشتر شیعہ حضرات ہیں، تاریخ شاہد ہے کہ اسلام اور اسلامی خلافت کے ساتھ جتنی دشمنی اور رہزنی شیعوں نے کی ہے دوسری کسی جماعت نے نہیں کی ہے اور آج بھی نور مصطفوی کو گل کرنے کے لیے شیعہ برادران ہی مقرر ہوئے ہیں اور کمال یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا رہ نما اور رجسٹرڈ نمایندہ سمجھتے ہیں۔

ان واقعات سے ہمارے رجسٹرڈ رہ نما اور نمایندہ اینڈ کمپنی بھی انکار نہیں کر سکتے کہ خلافت بغداد کا بدترین دشمن ابن علقمہ جس نے تاتاریوں کو خفیہ دعوت دے کر خلافت اسلامی کو تباہ اور لاکھوں بے گناہ مسلمان مردوں، بلکہ عورتوں، یتیم بچوں کو تہ تیغ کرایا وہ شیعہ ہی تھا۔ چنانچہ آج اسی قسم کے درجنوں شیعہ سیاہی جماعت کے ذریعے منظم ہو کر اور قیادت عظمیٰ کا لبادہ اوڑھ کر ہندوستان سے اسلام کے چراغ کو بجھانے پر تلے ہوئے ہیں۔ خدا ان ابن علقموں، سید برادروں اور میر جعفروں سے مسلمانوں کو نجات دے!

الاماں   از روحِ   جعفر   الاماں
الاماں   از   جعفران   ابن   زماں

واحد نمایندگی کے پردے میں اصل پروگرام یہ ہے کہ مسلمانانِ ہند کی قیادت علماے حق سے چھین کر ان دشمنانِ اسلام کے ہاتھ میں چلی جائے جو زبان سے تو اسلامی معاشرت کے تحفظ کا دعویٰ کرتے ہیں مگر عملاً اسلامی معاشرت کی تکمیل اس طرح کرتے ہیں کہ عورتوں کا پردہ اُٹھایا جا رہا ہے اور عیسائی آقاؤں کی خدمت میں لڑکیاں پیش کی جا رہی ہیں، ہندو خطرے سے اسلام کو بچانا چاہتے ہیں اور خود نماز روزے سے نفرت اور قرآن و حدیث سے بے زاری کا اظہار کرتے ہیں اور پورے کنبے کو انگریزی زبان و انگریزی تہذیب کا نمونہ بنائے ہوئے ہیں، بندے ماترم گانے والوں سے جہاد کرنا چاہتے ہیں، مگر بیوی بچوں سمیت سینما دیکھنے اور مسلمان دوشیزاؤں کے رقص و سرود کو مستحسن سمجھتے ہیں، زبان سے پاک

اسلامی حکومت کا نام لیتے ہیں اور عمل سے

کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضا مند
تاویل مسایل کو بناتے ہیں بہانہ

الغرض پس پردہ طاقت کے اشارے پر ان خوش نما مگر خطرناک حربوں سے اسلام، اسلامی معاشرت اور مسلم رہ نماؤں پر زبردست حملے کیے جا رہے ہیں اور بہ ظاہر زبان سے اسلام کی حفاظت کا بلند بانگ نعرہ لگایا جا رہا ہے یعنی۔

گرچہ برلب ہائے او نام خداست
قبلۂ او طاقت فرماں رواست

(زمزم۔لاہور: ۲۳ر اگست ۱۹۴۵ء)

علمائے حق کے لیے ایک فتنۂ عظیم:

۲۳ر اگست ۱۹۴۵ء: ہندوستان کی موجودہ سیاسی حالت اور مسلم طبقوں اور جماعتوں کی باہمی رقابتیں اور عداوتیں جن ہول ناک نتائج کی خبر دے رہی ہیں! ان کا تھوڑا بہت اندازہ لگا کر آج ہم علمائے حق اور خوش عقیدے مسلمانوں کو ایک ایسے فتنے سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں جو اسلامیانِ ہند کے پورے دایرے پر محیط ہو چکا ہے اور جس کی سمیّت مسلم عوام کی ذہنیت کو متاثر کرنے میں سرعت سے کام کر رہی ہے اور جس کے آثار بتا رہے ہیں کہ اگر رفتار کا اندازہ یہی رہا اور اس طامتہ الکبریٰ کی مہلکات کا احساس نہ کیا گیا تو جہادِ حق کی وہ شاندار تاریخ جو کتاب وسنت کے اجزا سے مرتب ہوئی ہے اور تجدید و احیائے ملت کا وہ نقشہ جو اہل حق کی پیہم سعی و عمل کے بعد تیار ہوا ہے مٹ کر بے نام ونشان ہو جائے گا اور وارثِ انبیا کے دینی اقتدار اور اس کے مسلک کو ایسے خطرات سے دو چار ہونا پڑے گا جن کے ازالے کے لیے شاید صدیوں کی کوششیں بھی کفایت نہ کر سکیں گی۔

مسلم لیگ اور کانگریس کی سیاسی رقابتوں سے ہمیں فی الحال کوئی بحث نہیں بلکہ ہمارا خیال ہے کہ اگر اختلافات کی کوئی حد مقرر ہو تو انھیں مبالغے کا رنگ نہ دینا چاہیے اور نہ ان سے اس طرح گھبرانا چاہیے کہ کوئی بڑی قیامت ٹوٹ پڑی ہے لیکن جس اختلاف کی نشان دہی ہم کرنا چاہتے ہیں اس کی نوعیت سیاسی اختلافات سے بالکل مختلف ہے، اور اختلاف نہ

چند نشستوں کے بارے میں ہے نہ قیادت کی اہلیت اور نا اہلیت کے باب میں اس کا تعلق نہ ایک قوم اور دو قوموں کی تھیوری سے ہے اور نہ ہندوستان کی وحدت اور تقسیم سے، اس خطرے کا تعلق دین الٰہی کی بنیادوں سے ہے، اسلام کے نظریۂ توحید سے ہے! قرآن کی اصولی دعوت سے ہے اور انبیاے کرام کی اس تعلیم سے ہے جو ان کی بعثت کا مقصد اور ان کی زندگی کا مشن رہ چکی ہے!

قرآن کی دعوت کیا تھی؟ حامل قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مشن کیا تھا؟ ائمہ ہداۃ اور مجددین ملت نے سب سے پہلے کس چیز کی اصلاح کی؟ اور وہ کیا چیز ہے جو کفر اور اسلام کے درمیان حد فاصل کا حکم رکھتی ہے اور جسے سمجھے اور اقرار کیے بغیر کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کا حق دار نہیں ہو سکتا؟ جو شخص اسلام کی پہلی اور بنیادی اصل کا علم رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ چیز عقیدۂ توحید ہے یعنی خدا کی ذات وصفات، افعال وعبادات میں کسی کو شریک نہ سمجھنا اور جو معاملہ ایک بندے کو اپنے معبود سے کرنا چاہیے، اس میں کسی نبی، کسی ولی، کسی پیر وفقیر کو حصہ دار نہ بنانا، اس مقصدِ عظیم کے لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے لے کر امام عبدالوہاب تک اور حضرت مجدد الف ثانی سے لے کر مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین تک جن شان دار دعوتوں کا سلسلہ قایم رہا اس کا محور ومرکز یہی عقیدۂ توحید ہے جس کی حلقہ بگوشی ایک مسلم کو ایک غیر مسلم سے ممتاز کرتی ہے!

عام مسلمانوں کی مذہبیت:

جہاں تک عام اور ناتربیت یافتہ مسلمانوں کا تعلق ہے ان میں توحید کی اصل کو تلاش کرنا بے سود ہے، ان کے عمل نے اسلام کو یتیم اور ایمان کو بے یار ومددگار بنا دیا ہے ان کے فسق اعتقادی وعملی کے سامنے توحید کی شمع گل ہے، ایاک نعبد وایاک نستعین سے بغاوت ان کے نزدیک اہل سنت والجماعت کی نشانی ہے، اور توحید سے وہ اس حد تک بیگانہ ہو چکے ہیں گویا ان کے کانوں میں یہ عالمگیر صدا کبھی نہیں پہنچی۔

آپ مشاعرے کی ہر مجلس میں مسلمانوں کو محظوظ کر سکتے ہیں، ان کے دم قدم سے سینماؤں کی رونق بڑھا سکتے ہیں، میلوں اور عرسوں میں بلا تکلف دعوت دے سکتے ہیں اور اولیا کے نام پر خرافات انھیں سنا سکتے ہیں رقص وسرود کی محفلوں کا تو کہنا ہی کیا صرف اشارہ

کر دیجیے وقت سے پہلے سوادِ اعظم کو موجود پائیں گے، لیکن ذرا ان کے مجمع میں ان کی محفل میں، ان کی مجالس میں توحیدِ الٰہی کا ذکر چھیڑ کر دیکھیے کہ آپ جان سلامت لے کر کس طرح نکلتے ہیں! دور نہ جائیے صرف لاہور کو لیجیے، دو چار مسجدوں کو چھوڑ کر آپ کسی مسجد میں مسلمانوں کو توحید کی دعوت دیں، لا الہ الا اللہ کی حقیقت سے آگاہ کریں۔ الا لہ الحکم والامر کی تشریح فرمائیں اس کے بعد تماشہ دیکھیے کہ وہی قوم جو اہل توحید کے نام سے مشہور ہے، توحید کے ''جرم عظیم'' میں آپ کی کیسے تواضع کرتی ہے اور وہابی قرار دے کر آپ کی ہر بات میں کس طرح زہر گھولتی ہے! یہ اس لیے کہ عوام کا اسلامی مزاج فاسد ہو چکا ہے، ان کی اسلامی طاقت کو گھن لگ چکا ہے اور ان کی پرورش ایسے ماحول میں ہوئی ہے جو اسلامی ماحول کے یکسر مخالف ہے!

تم دیکھتے ہو کہ شرابی مسلمان کی ہمت افزائی نہیں ہوتی اس لیے وہ اپنی حرکت پر نادم اور شرمسار ہوتا ہے لیکن فرض کرو کوئی مذہبی فرقہ شراب کی حمایت پر اتر آئے تو پھر ایک مے نوش کے لیے شرمسار ہونا کیا معنیٰ وہ اہل تقویٰ کو بے ایمان قرار دے گا اور نو کنے والے کو تو وہابی بنائے بغیر نہ چھوڑے گا، اسی طرح اگر مشرکانہ ذہنیت کے مسلمانوں کی ہمت افزائی نہ ہو تو وہ اپنی غیر اسلامی روش پر نادم بھی ہوں اور اسلام کے نام پر شرک کا جال نہ پھیلائیں۔ لیکن دین فروش واعظ، زر پرست علمائے سو، فرقہ پسند ٹولیاں ان کی نہ صرف ہمت افزائی کرتی ہیں بلکہ شرک کے نقشے کو عین اسلام قرار دینے میں بھی انھیں کوئی باک نہیں ہوتا، اب ظاہر ہے کہ جہاں اقدام بھی شدید ہو اور اس کی تائید و حمایت بھی مذہب کے نام سے کی جائے وہاں اصلاح اور رد عمل کی ہلکی سی کوشش کیا نتیجہ پیدا کر سکتی ہے!

مذہب کی ایک بڑی فرم:

دین الٰہی کی اصولی باتوں سے بے خبری اور بے خبری کے ساتھ عداوت کا یہ مختصر نقشہ آپ کے سامنے ہے، یہیں سے آپ کو یہ راز بھی معلوم ہو گا کہ مسلم لیگ کو عام مسلمانوں کی حمایت کیوں حاصل ہوئی؟ سب جانتے ہیں کہ یہ بے عملوں اور عیش کوشوں کی جماعت ہے، خطاب یافتوں، نوابوں اور سرکار کے منظور امرا کا اکھاڑہ ہے، اسلامی تہذیب و معاشرت، اسلامی افکار و نظریات، اسلامی ذوق و مزاج کا گورستان ہے۔ اس کے باوجود اس کو مسلمان

حلقوں میں مقبولیت حاصل ہوگئی ہے؟ وجہ یہ ہے کہ لیگ، ہندوستان کے تمام فاسد عناصر کا مجموعہ ہے، قادیانی، شیعہ، بدایونی اور بریلوی اور وہ تمام لوگ جو توحید کی بنا پر اہل حق سے اختلاف وعداوت رکھتے ہیں بیک وقت لیگ میں شامل ہو گئے ہیں۔ جو لوگ انفرادی طور پر مسلک توحید کو شکست دے کر اپنی ضلالت کو طاقتور نہ بنا سکے وہ اب اس مقصد کے لیے لیگ کے پلیٹ فارم کو استعمال کر رہے ہیں، پہلے زبان وقلم سے مولانا اسماعیل شہیدؒ سے لے کر مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تک تمام داعیانِ توحید کو کافر اور مرتد قرار دیا جاتا تھا مگر اب لیگ کے دایرے سے اعلان کیا جا رہا ہے کہ حسین احمد مدنی اور ابوالکلام آزاد واجب القتل ہیں! بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ لیگ کی حمایت میں سارا ہندوستان ابل پڑا! لیکن واقعہ یہ ہے کہ اہل حق کی مخالفت میں ضلالتوں اور فتنوں کی تمام شاخیں اسی ایک جڑ سے پیوست ہو گئی ہیں اور حرب عقائد کی متفرق دکانوں نے ایک بڑی فرم کی شکل اختیار کر کے وسیع پیمانے پر کاروبار شروع کر دیا ہے۔

اب لیگ کا پلیٹ فارم ہے، لیگ کا مبارک نام ہے سواد اعظم کا رجحان ہے، اور یہ مشرکانہ ذہنیت کے دین فروش علما ہیں جو بڑھ بڑھ کر علمائے حق کو کافر، مرتد اور واجب القتل قرار دے رہے ہیں اور پھر ان کی مسرتوں کا کیا ٹھکانا کہ ان کے ذلیل سے ذلیل ملا کی زبان سے جو کچھ نکل جاتا ہے وہ جلی عنوانات کے ساتھ لیگی اخبارات کی زیب وزینت بن جاتا ہے۔ جن کی خرافات کو اخبارات نے مجنوں کی بڑ سے زیادہ نہ سمجھا تھا آج حسین احمد اور آزاد کی ضد میں ان کی ہزلیات کو، علما کی آواز اور علما کا فتویٰ قرار دیا جا رہا ہے، اخبارات خوش ہیں کہ لیگ کے مخالفوں کو علمائے سوء نے خوب ہدف بنایا، علمائے سوء مسرور ہیں کہ آج لیگ کے نام سے پرانے دشمنوں کی خبر لینے کا خوب موقع ملا۔

عذر گناہ!

کشمیر مسلم کانفرنس کے لیڈر چوہدری حمید اللہ نے ان افسوس ناک واقعات پر جو مولانا آزاد اور پنڈت نہرو کے جلوس کے سلسلے میں رونما ہوئے بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ ہم فیصلہ کر چکے تھے کہ پنڈت جی کے جلوس میں شرکت کر کے رونق بڑھائیں لیکن شملہ کانفرنس کے نتائج کے بعد مسلم کانفرنس کے کارکن مولانا آزاد کے جلوس کو برداشت نہیں

کر سکتے تھے!

ایک غریب وہابی کو کسی مسجد سے مار کر نکال دیا گیا، کسی نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تو یہ تھے کہ نصاریٰ کو اپنی مسجد مبارک میں نماز پڑھنے کی اجازت عطا فرمائی اور تم ایک مسلمان کو خانۂ خدا سے نکالتے ہو؟ مفسدین نے جو چوہدری صاحب کے طرز کے تھے، کہا ہاں ہم بھی نصاریٰ کو نماز کی اجازت دے سکتے ہیں مگر وہابی کی ڈنڈوں سے خبر لیں گے کیوں کہ وہ عیسائی سے بھی بدتر ہوتا ہے!

مسلم کانفرنس کا یہ عقل کل اپنی روسیاہی کو چھپانے کے لیے اس قسم کے کئی بیان دے چکا ہے اور سمجھتا یہ ہے کہ اس نے اپنی بدتمیزی کے جواز میں بڑی وزن دار دلیل ایجاد کی ہے لیکن اسے معلوم ہونا چاہیے کہ جو اعمال نامہ سیاہ ہو چکا ہے وہ کشمیر کے یخ بستہ پہاڑوں سے بھی صاف نہیں ہو سکتا، لطف یہ ہے کہ یہ مسلم کانفرنسی ساتھ ہی ساتھ اپنی عالی ظرفی، بلند اخلاقی اور مہمان نوازی کا ثبوت بھی دینا چاہتا ہے یعنی پبلک کو ہمیں بدذات اور بدتمیز نہ سمجھنا چاہیے، ہم تو پنڈت نہرو کے جلوس کو شان دار بنانے کا فیصلہ ہی کر چکے تھے، مگر بدقسمتی کہ مولانا آزاد بھی آدھمکے اس لیے ہم نے اپنی سطح سے نیچے اتر کر نہ صرف اپنی شرافت کو چار چاند لگائے بلکہ اسلامی اخلاق، ملی تہذیب اور انسانی غیرت کا بھی جنازہ نکال ڈالا!

ہم چوہدری صاحب سے عرض کریں گے کہ وہ بار بار اپنے ضمیر کی خلش کو مٹانے کے لیے پبلک کو زیادہ احمق بنانے کی کوشش نہ فرمائیں اور یقین رکھیں کہ اگر بیر زمزم میں پیشاب کرنے سے کسی احمق کو شہرت حاصل ہو سکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ آزاد پر خشت باری کر کے آپ شہرت و ناموری کے اعزاز سے بے نصیب رہیں۔

تعلیم کے ثمرات:

۲۳ راگست، انگریز کی غیر اسلامی تعلیم کا مقصد ہی یہ ہے، جس کا مظاہرہ آپ کو بے چین کیے دیتا ہے! فرنگی درس گاہوں کے ہونہاروں کے دماغ میں پورا فرنگی دماغ اتار جاتا ہے، فرنگی اخلاق، فرنگی تہذیب، فرنگی آداب و خصائل، غرض وہ کون سی چیز ہے جو فرنگی درس گاہوں کے ذریعے مہذب اور روشن خیالوں کے کاسہ سر میں نہیں اتاری جاتی! اگر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو حیرت ہے کہ آپ پھلوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں مگر درخت کو

شناخت کرنے میں غلطی کر رہے ہیں؟ بلاشبہ تعلیم کا اعلیٰ مقصد خود شناسی مخفی صلاحیتوں کا نشو و نما اور ان کا صحیح استعمال ہے لیکن کتابیں انسان کو کلکٹر اور بیرسٹر بنائیں! جو نصاب حکومت کی مشین کے لیے موزوں پرزے پیدا کرے اور جو ماحول اپنی روایات اپنی تہذیب اپنے اخلاق و افکار سے شرم دلائے اسے آپ کہتے ہیں کہ یہ تعلیم ہے، جسے حاصل کر کے لازما انسان کو روشن خیال نیک سیرت اور شائستہ ہونا چاہیے، پہلے آپ اس بنیادی خیال کی اصلاح کیجیے کہ فرنگی عیش گاہوں کی تعلیم و تربیت پر کسی معنیٰ میں بھی تعلیم کا اطلاق ہوتا ہے؟ فرنگی کی سنت یہ ہے کہ قبروں کو اکھاڑ کر ان کی ہڈیاں جلائے مسولینی کی نعش پر تھوکے، الانتقام الانتقام کا شور بلند کر کے وہ سارے کھیل کھیلے جس کی نظیر جاہلی عہد کے کسی دور میں بھی نہیں مل سکتی، پھر بھلا اس سنت حسنہ کی نقالی انگریزی درس گاہوں میں کیوں نہ ہو، کیا مسلم یونیورسٹی کی مخلوق کوئی علاحدہ مخلوق ہے جسے مغربی فیشن سے خدا واسطے کا بیر ہو؟ اور ہاں یہ تو فرمایئے کہ کیا علی گڑھ ریلوے اسٹیشن پر مولانا آزاد کو ہی یہ معاملہ پیش آیا یا مولانا محمد علی اور شوکت علی مرحومین نے بھی یہ تماشہ دیکھا تھا، بس خاموش ہو جایئے اور مردہ پرست قوم کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیجیے۔ (شذرہ، زمزم۔ لاہور: ۲۳/اگست ۱۹۴۵ء)

علی گڑھ اور مولانا آزاد:

ایک صاحب گیا (بہار) سے تحریر فرماتے ہیں:

''اخباروں میں تو اس بات کا بہت چرچا رہا کہ علی گڑھ ریلوے اسٹیشن پر مسلم یونی ورسٹی کے مہذب اور روشن خیال طلبہ نے مولانا آزاد کے خلاف بہت ہی گھناؤنا مظاہرہ کیا اور بدتمیزی اور دنائت کے مظاہرے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ حتی کہ ان شریف زادوں نے گاڑی میں گھس کر آزاد مردہ باد کے نعرے لگائے، اور وہ اس قدر قابو سے باہر ہوئے کہ افسرانِ یونی ورسٹی بھی نہ روک سکے۔ پوچھنے کی بات یہ ہے کہ جاہل سے جاہل غنڈے بھی اگر کوئی حرکت کرتے تو اس سے زیادہ نہ ہوتی جس کا مظاہرہ شریف زادوں اور روشن خیال مہذبوں نے کیا، پھر اس تعلیم کا کیا فائدہ جو غنڈہ انسان کو اور زیادہ غنڈہ بنا دے''۔

ہمارے خیال میں یہ سوال ایک بنیادی غلط فہمی پر مبنی ہے آپ نے پہلے ہی یہ فرض کر لیا ہے کہ انگریزی نصاب کے ذریعے انگریزی درس گاہوں میں انگریزی سانچوں میں

ڈھلے ہوئے دماغوں کو جو تعلیم دی جاتی ہے اس پر ۱۔ تعلیم و تربیت کا اطلاق ہونا چاہیے، ۲۔ اور اس تربیت کے بعد طلبہ کے اندر اخلاق فاصلہ کی روح، مردم شناسی کا جوہر، نفس و دماغ پر قابو پانے کا ملکہ اور فکری صلاحیتوں کو برمحل اور صحیح استعمال کرنے کا شعور بھی پیدا ہونا چاہیے اور جب انگریزی درس گاہوں کے ہونہاروں میں یہ اوصاف نظر نہیں آتے تو آپ کو حیرت ہوتی ہے اور حیرت کے ساتھ پوچھتے ہیں کہ جاہل غنڈوں میں اور مہذب تعلیم یافتہ شریفوں میں امتیاز کیا ہے؟ اور مولانا آزاد کے خلاف مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے طلبہ نے اس قسم کا گھناونا مظاہرہ کیوں کیا؟ بجائے اس کے کہ آپ طلبہ کے کیریکٹر پر ماتم کریں آپ کو خود اپنی خوش فہمی اور خوش خیالی پر ماتم کرنا چاہیے۔

(شذرہ، زمزم۔ لاہور: ۲۳؍اگست ۱۹۴۵ء)

سبھاش چندر بوس کا انتقال!

مارا دیارِ غیر میں مجھ کو وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

۲۴؍اگست ۱۹۴۵ء: لندن، جاپانی ایجنسی نے اعلان کیا ہے کہ مسٹر سبھاش چندر بوس کا انتقال ہوگیا ہے، نیوز ایجنسی نے مزید بیان کیا: آزاد ہندوستان کی عارضی گورنمنٹ کے لیڈر مسٹر سبھاش چندر بوس جاپانی گورنمنٹ سے صلاح و مشورہ کرنے کے لیے ۱۶؍اگست کو سنگاپور سے ٹوکیو جا رہے تھے۔ ۱۸؍اگست کو ڈائی ہوکو کے ہوائی اڈہ میں ان کا ہوائی جہاز مسٹر سبھاش چندر بوس پاش پاش ہوگیا، جس کے نتیجے میں شدید زخمی ہوگئے انھیں ٹائی یوکو (فارموسا) کے ایک اسپتال میں داخل کیا گیا، جہاں آدھی رات کے وقت ان کا انتقال ہوگیا، ہوائی جہاز کا ایک جاپانی افسر ہلاک اور چار دوسرے جاپانی زخمی ہوئے۔ مسٹر سبھاش چندر بوس کے اے ڈی کانگ کرنل حبیب الرحمٰن بھی حادثے میں زخمی ہوگئے، رائٹر کے نامہ نگار نے لکھا ہے کہ جاپانی ذرائع سے آمدہ اطلاعات کے مطابق جب جاپانیوں نے رنگون خالی کیا تھا تو مسٹر سبھاش چندر بوس نے اپنی گورنمنٹ کو بنکاک میں منتقل کر دیا تھا۔

(زمزم۔ لاہور: ۲۷؍اگست ۱۹۴۵ء)

عبدالقیوم خاں، لیڈر ڈپٹی کانگریس اسمبلی پارٹی کی لیگ میں شمولیت!

۲۴ر اگست ۱۹۴۵ء: لکھنؤ، مسٹر عبدالقیوم خاں ڈپٹی لیڈر کانگریس اسمبلی پارٹی کانگریس سے مستعفی ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے ہیں آپ نے مسٹر جناح کو ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ میں کافی سوچ بچار کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو مسلمان آپ کی مخالفت کرتا ہے وہ قوم سے غداری کرتا ہے۔ (زمزم۔ لاہور: ۱۹۴۵/۲۷ء)

سبھاش بوس کی وفات! پنڈت نہرو رو پڑے:

۲۵ر اگست ۱۹۴۵ء: لاہور: بابو سبھاش چندر بوس سابق صدر کانگریس کی وفات پر آج لاہور: امرت سر، راول پنڈی، ایبٹ آباد، لکھنو اور کان پور، پشاور، کلکتہ میں ماتم کیا گیا، اور ہڑتال کی گئی۔ پنڈت جواہر لال نہرو ایبٹ آباد میں ایک پبلک جلسہ میں تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، آپ نے سبھاش بوس کو خراج تحسین ادا کیا۔ مجھے ان کی وفات سے جہاں بہت صدمہ ہوا ہے وہاں خوشی بھی ہوئی کہ ہندوستان کے اس بہادر سپوت نے ہندوستان کی آزادی کے لیے لڑتے لڑتے جان دے دی ہے، اور ان مصیبتوں سے بچ گئے، جو ان کو آیندہ پیش آنے والی تھیں۔ سبھاش چندر بوس کا طرز عمل صحیح تھا یا غلط لیکن انھوں نے جو کچھ کیا ہے حب الوطنی کے جذبہ سے متاثر ہو کر کیا ہے۔ (زمزم۔ لاہور: ۱۹۴۵/۲۷ء)

میاں افتخار الدین کانگریس ورکنگ کمیٹی کی صدارت سے مستعفی!

۲۵ر اگست ۱۹۴۵ء: لاہور: میاں افتخار الدین صدر پنجاب پراونشل کانگریس کمیٹی نے پنجاب پراونشل کانگریس کمیٹی کی ورکنگ کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا ہے، اب آپ صرف ایک کانگریس ورکر کی حیثیت سے کام کریں گے۔

(زمزم۔ لاہور: ۲۷ر اگست ۱۹۴۵ء)

بھول جاؤ کی پالیسی۔ مولانا آزاد کا بیان:

۲۵/اگست ۱۹۴۵ء: گلمرگ، مولانا ابوالکلام آزاد صدر آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے مختلف صوبوں میں حکومت کی طرف سے کانگریس پر پابندیاں ہٹا لینے پر اظہار اطمینان کیا۔ آپ نے کہا مجھے امید ہے کہ حکومت بہت جلد ہندوستان بھر میں شہری آزادی کی بحالی کے لیے کانگریس اور دوسری سیاسی جماعتوں سے پابندیاں ہٹالے گی، اور کانگریس کو موقع دے گی کہ وہ آیندہ انتخابات کے سلسلے میں پورے اطمینان کے ساتھ مہم شروع کر سکے، مولانا نے فرمایا کہ لارڈ ویول نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ ہمیں بہت سی پرانی باتوں کو بھول جانا چاہیے، میں کہتا ہوں کہ اس اصول پر عمل کرتے ہوئے حکومت تمام قیدیوں کو رہا کر دے ان لوگوں کے خلاف وارنٹ واپس لے لے، جو ابھی تک گرفتار نہیں ہو سکے، زیر سماعت مقدمات واپس لیے جائیں، کانگریس سوشلسٹ پارٹی کو بھی آزادی دی جائے، کیوں کہ وہ کانگریس کا ایک حصہ ہے مجھے امید ہے کہ اگر حکومت نے ایسا اقدام کیا، تو انقلابی جماعتیں اور نوجوان بھی پرانی رنجشوں کو بھول جائیں گے، اور ہندوستان میں شہری آزادی اور امن و آشتی کا دور دورہ ہو جائے گا، آپ نے فرمایا کہ ہندوستان میں جمہوری اور شہری آزادی کے اصولوں پر آیندہ حکومت قایم کی جائے گی۔

(زمزم۔ لاہور: ۲۷/اگست ۱۹۴۵ء)

سبھاش بابو کی وفات اور گاندھی جی:

۲۵/اگست ۱۹۴۵ء: پونہ، گاندھی جی کو جو ڈاکٹر ڈنشامہتہ کے ہسپتال میں ٹھہرے ہوئے ہیں، سبھاش بوس کی موت کی خبر دی گئی اور ان کے ہسپتال پر ماتمی جھنڈا لہرانے کی اجازت طلب کی گئی تو آپ نے اس کو نامنظور کر دیا۔ کیوں کہ ابھی تک گاندھی جی اور کئی دوسرے لیڈروں کو سبھاش چندر بوس کی موت کے متعلق شک ہے۔

قاہرہ، ۲۵/اگست، محمد اسادی جس کو سابق وزیر اعظم مصر کے قتل کے الزام میں موت کی سزا ہوئی تھی، بھوک ہڑتال کی وجہ سے کل جیل میں چل بسا ہے۔

(زمزم۔ لاہور: ۲۷/اگست ۱۹۴۵ء)

لارڈ ویول انگلستان میں۔نئی اسکیم کی توقع!

۲۶/اگست ۱۹۴۵ء: لندن، لارڈ ویول آج انگلستان پہنچ گئے۔توقع کی جاتی ہے کہ آپ جلد ہی وزیر ہند سے بات چیت شروع کر دیں گے۔یونائیٹڈ پریس کے بیان کے مطابق ہندوستان کے حامی حلقے ہندوستان کا کیس مضبوط کرنے کے لیے انتظامات کر رہے ہیں۔لیبر ممبران پارلیمنٹ کا وفد اس سلسلہ میں وزیر ہند سے ملاقات کرے گا۔

خیال کیا جاتا ہے کہ لارڈ ویول اس دفعہ اپنی اصلی اسکیم پر زور دیں گے، جس نے چرچل اور ایمری نے چند ماہ ہوئے نامنظور کر دیا ہے یہ اسکیم شری راج گوپال اچاریہ کی اس اسکیم پر مبنی ہے کہ صوبائی نمایندوں پر مشتمل مرکزی گورنمنٹ بنائی جائے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ وزیر ہند سے مشورے کے بعد لارڈ ویول لندن سے ہی صوبوں میں دوبارہ وزارتوں کے قیام کا اعلان کریں گے۔ (زمزم۔لاہور: ۳۰/اگست ۱۹۴۵ء)

جاپان میں داخلے کی کارروائی!

۲۶/اگست ۱۹۴۵ء: لندن، جاپانیوں کی اطاعت کی کارروائی آندھی کی وجہ سے ۴۸ گھنٹے کے لیے ملتوی کر دی گئی ہے منیلا میں جنرل میکاتھر کے فوجی ہیڈ کوارٹر نے بھی اس خبر کی تصدیق کر دی ہے۔

اوکنیاوا سے ایسوسی ایٹڈ پریس کے اسپیشل نامہ نگار نے اطلاع دی ہے کہ منگوار کو کم از کم ساڑھے سات ہزار مسلح سپاہی جنرل میکارتھر کے ہمراہ جاپان پر اتریں گے، اپنی سلطنت کو ختم کرنے کے طور پر سب سے پہلے جاپانی اپنے جہازوں کو غیر مسلح کریں گے۔

سب سے پہلے ۴۵ بڑے ہوائی جہاز، ۱۵ چار انجنوں والے، لادو ہوائی جہاز اور ۱۵۰ دوسرے ہوائی جہاز اوکنیاوا اور دوسرے اڈوں سے اتریں گے، یہ جہاز اس بات کے لیے تیار ہیں کہ اگر کسی جاپانی نے دھوکا دیا تو اس پر فوراً حملہ کر دیں گے۔جنرل میکارتھر ٹوکیو کے نزدیک استوگی کے ہوائی اڈے پر اتریں گے، اور پہلی مرتبہ جاپانی امپیریل اسٹاف کے ممبروں سے ملاقات کریں گے۔اس کے بعد جاپانی جنرل میکارتھر سے احکام حاصل کیا کرے گا۔

برما کے جاپانی کمانڈر انچیف لیفٹنٹ جنرل تاکازونو تمیا نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ریڈیو کے ذریعہ دہلی میں اطلاع دی ہے کہ وہ اطاعت کے احکام حاصل کرنے کے لیے گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان سنگڈن کے ہوائی اڈے پر اتریں گے۔

(زمزم۔لاہور: ۳۰ راگست ۱۹۴۵ء)

پنڈت نہرو سے سردار بلدیو سنگھ کی ملاقات!

۲۶ راگست ۱۹۴۵ء: لاہور: پنجاب کے وزیر اعظم اور سردار بلدیو سنگھ لاہور آ گئے ہیں، اگر چہ یہ بات پردۂ راز میں رکھی گئی ہے، آج سردار بلدیو سنگھ وزیر ترقیات نے پنڈت جواہر لال سے میاں افتخار الدین کی کوٹھی پر ایک گھنٹہ سے زیادہ ملاقات کی۔ سردار بلدیو سنگھ نے ملک خضر حیات کی طرف سے آیندہ الیکشن میں کانگریس اور یونینسٹ کی پوزیشن کے متعلق تبادلہ خیالات کیا، کانگریس اور سکھ سیٹوں کے متعلق بھی بات چیت ہوئی۔ پنڈت جی اور ملک خضر حیات کی ملاقات بھی ہونے والی ہے۔ ان ملاقاتوں کو سیاسی حلقوں میں بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ پنڈت جی نے سردار صاحب کو کیا جواب دیا ہے یہ پردۂ راز میں ہے۔

(زمزم۔لاہور: ۳۰ راگست ۱۹۴۵ء)

دین وسیاست کے میدان میں جمعیت علماے ہند کے کارنامے!

۲۷ راگست ۱۹۴۵ء: پچھلے دنوں سہارن پور میں شیخ الاسلام مولانا مدنی کی صدارت میں جمعیت علماے ہند کا شاندار اجلاس ہوا، اجلاس کے فیصلوں پر زمزم لاہور نے مندرجہ بالا عنوان سے اپنے ''مقالۂ افتتاحیہ'' میں جو تبصرہ کیا ہے۔ اسے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

جوشِ شباب و نشۂ صہبا، ہجوم شوق
تعبیر یوں بھی کرتے ہیں فصلِ بہار کو

گزشتہ دو تین صدی سے دنیا کا یہ دستور سا ہو گیا ہے کہ دین و مذہب کے علمبرداران نے عموماً ترقی و تقدم کی ہر تحریک کی شدید مخالفت کی ہے۔ یورپ میں لوتھر کی تحریک اصلاح اور پاپائیت کی تباہی و بربادی، عیسائی پادریوں کی اسی ذہنیت کا نتیجہ تھا۔ روس میں سوشلزم

کے آغاز کے بعد کلیسا اور ارباب کلیسا کے ساتھ جو سلوک کیا گیا، وہ بھی ایک بہت بڑی حد تک اسی بنا پر تھا۔ ٹرکی میں شیخ الاسلام کے منصب کی شکست اور ''خلافتِ اسلام'' کے ادارے کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہنے کی تہ میں بھی علمائے ٹرکی کے انہی اعمال کو دخل تھا جو ٹرکی کی آزادی و استقلال کی راہ میں حائل تھے اور جس کے نتیجے میں یورپ کی مسیحی طاقتوں کی گرفت ٹرکی میں روز بروز سخت تر ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن اسی لحاظ سے ہندوستان کے علما کی یہ امتیازی حیثیت حیرت ناک بھی ہے اور قابل تعریف بھی کہ گزشتہ ڈیڑھ دو صدی سے ان کے قدم ملک و وطن کی آزادی و ترقی کی راہ میں سب سے آگے رہے ہیں۔ ہندوستان میں بہت سی جماعتیں اٹھیں اور بڑے بڑے دعووں کے ساتھ اٹھیں، لیکن یا تو ان کا وجود کچھ دن بعد خواب و خیال ہو کر رہ گیا، یا ان کی جدو جہد کی وہ سرگرمیاں باقی نہیں رہیں جن کا دعویٰ کیا گیا تھا۔ مگر اس لحاظ سے ہندوستان علما کی تاریخ ایسی روشن ہے کہ بڑے سے بڑا نکتہ چیں بھی مشکل سے حرف گیری کا کوئی موقعہ پائے گا۔ ۱۸۵۷ء کے ''غدر'' کے بعد ہندوستان میں ارباب اقتدار کی طرف سے دہشت و ہراس کا جو باب کھولا گیا تھا اس نے ملک میں مایوسی و نامرادی کا سناٹا طاری کر دیا تھا اور لوگوں کی زبان و قلم پر ایک قسم کی مہر سکوت لگ گئی تھی۔ لیکن ہراس و دہشت کے اس سناٹے میں علمائے ہند ہی کا وہ گروہ تھا جس نے بہ بانگ دہل اپنے خیالات کا کامل آزادی و بے باکی کے ساتھ اعلان کیا اور اگر چہ اس کے نتیجے میں انبالہ اور پٹنہ میں پھانسی کے تختے لٹکائے گئے اور علما کو آزمائش و ابتلا کی اس ہول ناک ''پل صراط'' سے گزرنا پڑا جس میں اچھے اچھے مردِ میدان بھی شکستہ دل ہو کر رہ جاتے ہیں۔ مگر دنیا جانتی ہے کہ اس کے باوجود ان کے پائے استقامت میں کوئی ادنیٰ سا تزلزل بھی پیدا نہ ہوا۔

پھر گزشتہ صدی سے آج تک کوئی ایک دور بھی ایسا نہیں آیا جب علمائے ہند کی ان مجاہدانہ سرگرمیوں میں کوئی ہلکی سی سرد مہری بھی پیدا ہوئی ہو۔ محاذ ضرور بدلتے رہے اور مورچوں میں بلاشبہ تبدیلی ہوتی رہی، لیکن حق کے اظہار میں جو عزم و حوصلہ، جو استقلال و پامردی اور جو ولولہ و جوش ابتدا میں دیکھا گیا تھا اس میں کبھی کوئی کمی نہ آئی۔ گزشتہ جنگ عظیم میں خلافت اسلامیہ اغیار کے نرغے میں گھری ہوئی تھی، اس وقت علمائے ہند نے خصوصیت کے ساتھ جس سیاسی بصیرت اور جس جوش عمل کا ثبوت دیا، وہ محتاج بیان نہیں، اور یہی وہ

زمانہ تھا جب علما کو اپنی باضابطہ تنظیم کا احساس پیدا ہوا اور ''جمعیت علماے ہند'' کے نام سے ایک مستقل جماعت کی تشکیل کی گئی، اس وقت سے برابر یہ جماعت پوری ہمت و جانبازی کے ساتھ ہندوستان کے دین و سیاست کے ہر میدان میں سرگرم عمل ہے اور جب کبھی ہندوستان کے مطلع سیاست پر آفات و مشکلات کی گھٹائیں چھائی ہیں، ان کی مساعی نے ہمیشہ اپنی مشعل ہدایت سے راہ کو روشن کرنے کا سامان بہم پہنچایا ہے۔

آج کل ہندوستان کی سیاست جس نازک دور سے گزر رہی ہے، اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا، دنیا کے بدلتے ہوئے حالات پرانے دور کی عمارتوں کو مٹا رہے ہیں اور ایک نئے دور کی نئی بنیادیں پڑ رہی ہیں، ہندوستان کے مستقبل کا معاملہ اگرچہ ''ناد ہند قرضداروں'' کی طرح چرچل وایمری جیسے ''لئیم صفت لوگوں کے ہاتھ میں ہے، جو بے روک شہنشاہیت اور اقتدار پسندی کی مطلق انسان کرسی کو جونک بن کر لپٹے ہوتے ہیں، مگر ہوا کا رخ اور زمانے کی رفتار بہرحال انھیں اپنے عمل میں تبدیلیاں پیدا کرنے پر مجبور کر رہی ہے ایسے حالات میں جمعیت علماے ہند کا یہ اجتماع جتنا اہم، جتنا بروقت، جتنا ضروری اور جتنا ناگزیر تھا، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مستقبل کا آئین:

ہندوستان کے مستقبل کے آئین کے بارے میں اس جمعیت نے جو تجویز منظور کی ہے وہ خصوصیت کے ساتھ اس قابل ہے کہ ہندوستان کی تمام دوسری جماعتیں اور فرقے اس پر غور کریں، اس تجویز میں صوبوں کو تمام مصرحہ وغیر مصرحہ اختیارات دے کر صوبائی خود مختاری کو زیادہ سے زیادہ مکمل بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مرکز البتہ پورے ہندوستان کے لیے ایک تجویز کیا گیا ہے لیکن اس میں ہندو مسلمان دونوں کا تناسب مساوی رکھنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ سپرو کمیٹی نے بھی اپنی تجاویز میں اسی چیز کو پیش کیا ہے، لیکن سپرو کمیٹی کی تجویز میں اور جمعیت علما کی تجویز میں یہ فرق ہے کہ اول الذکر نے اچھوتوں کو ہندوؤں سے علاحدہ قرار دے کر انھیں مستقل نشستیں دینے کا مطالبہ کیا ہے مگر جمعیت نے اچھوتوں کو ہندوؤں ہی میں شامل کرنے پر اصرار کیا ہے۔ البتہ سکھوں، عیسائیوں اور پارسیوں اور اینگلو انڈین وغیرہ کو مستقل اقلیت شمار کیا ہے اور ان کے لیے سو میں دس نشستیں تجویز کی ہیں، باقی ۹۰

نشستوں میں ۴۵، ۴۵ فیصدی کو ہندو مسلمانوں میں برابر برابر بانٹا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے تہذیبی، مذہبی اور لسانی و معاشرتی امور کو محفوظ کرنے کے لیے یہ طے کیا گیا ہے کہ جب تک ایوان کے دو تہائی مسلم ارکان اس قسم کی کسی تجویز کی حمایت نہ کریں اس وقت تک اسے نافذ نہ کیا جائے، یہ چیز بجائے خود بہت مضبوط تحفظ ہے لیکن اس تحفظ کو بھی مزید طاقت پہنچانے کی غرض سے ایک اور تجویز یہ کی گئی ہے کہ اگر کسی معاملے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے ایک ایسی عدالت عالیہ (سپریم کورٹ) میں منتقل کیا جائے جس کے ججوں کی تعداد میں ہندو مسلمان برابر برابر ہوں۔

زبان کا مسئلہ:

ہندوستان کی اشترکہ قومی زبان کے بارے میں ایک تجویز میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ شمالی ہندوستان کے شہروں میں اس وقت عام طور سے جو زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے، اسی کو ہندوستان کی مشترک زبان قرار دیا جائے، خواہ اس کا نام اردو ہو یا ہندی، کانگریس نے بھی اسی اصول کو مانا ہے لیکن بابو پرشوتم داس ٹنڈن جیسے بدطینت لوگوں نے جو ہمیشہ ظاہر میں کچھ اور باطن میں کچھ ہوتے ہیں، انھوں نے ایک عجیب وغریب چیز کانگریس کے ایک سابقہ اجلاس میں یہ منظور کرادی ہے کہ شمالی ہند کی اس زبان کا معیار قایم کرنے میں شہروں کی زبان کو سامنے نہیں رکھا جائے گا بلکہ گاؤں والے جو بولتے ہیں اسے ٹکسالی مانا جائے گا۔ جس وقت یہ تجویز کانگریس کے ایوان میں پیش ہوئی تھی اس وقت اسے لوگ پوری طرح سمجھ نہ سکے تھے اور دیہات کی اصلاح وترقی اور دیہات کی طرف رجوع کرنے کے جو جذبات عوامی تحریک کی بنا پر پیدا ہو گئے ہیں، ان سے غلط فہمی میں پڑ کر زبان کے بارے میں دنیا سے نرالی یہ تجویز پاس ہو گئی۔ چناں چہ آج اسی تجویز کی آڑ لے کر ہمارے ٹنڈن و سمپور نانند جیسے بد باطن لوگ ایک اچھی خاصی زبان کو بگاڑنے کی کوشش میں مصروف ہیں، اس سلسلے میں پچھلے دنوں ٹنڈن جی نے جو بیان دیا ہے اس میں تو بقول ڈاکٹر محمود ''واقعی قلم ہی توڑ دیا گیا ہے''۔

جمعیت علما نے ٹنڈن جی جیسے لوگوں کی ان حرکتوں کو ملک وقوم سے غداری قرار دیا ہے اور ہندوستان کی راہ آزادی میں سب سے بڑا روڑا سمجھ کر انھیں کھلے الفاظ میں تنبیہ کی

ہے کہ اگر انھوں نے اپنے اس رویے میں تبدیلی نہ کی تو ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو دوسرے ''غدارانِ وطن'' کی قسمت میں لکھا ہے۔

جمعیت علما کی ان تجویزوں کی روشنی میں ہم پاکستان کے حامیوں سے دریافت کریں گے کہ کیا مسلمانوں کا تحفظ آپ کی مبہم سی تجویز میں زیادہ بہتر طریقے پر ہوتا ہے یا اس طریقے سے؟

ریاستی معاملات:

مستقبل کے ہندوستان کے آئین سے متعلق جمعیت کی مذکورہ بالا تجویز پر کئی ترمیمیں پیش کی گئی تھیں، جن میں سب سے اہم یہ تھی کہ ''مرکز'' میں اگر ریاستوں کو جگہ دی جائے تو صرف اسی صورت میں دی جائے جب وہاں ذمے دار حکومتیں قایم ہو جائیں اور وہاں سے عوام کے منتخبہ آزاد نمایندے آسکیں، لیکن افسوس ہے کہ جمعیت کے ممبروں کی اکثریت نے اس تجویز پر غور کرنا گوارا نہ کیا اور سرسری طور سے معمولی بحث و تمحیص کے بعد یہ گر گئی، اگرچہ مخالفت کرنے والوں نے بھی ریاستوں کی بدنظمی کو تسلیم کیا اور مولانا داؤد غزنوی نے ان کے وجود کو ''ہندوستان کے خوبصورت چہرے پر بدترین داغ'' قرار دیا لیکن پھر بھی ہندوستان کے آئین میں ان کی حیثیت کیا ہوگی، اسے واضح کرنے کی کوئی کوشش نہ کی گئی، یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ اگر ہندوستانی رئیسوں کو مرکز میں اسی قسم کی نمایندگی دی گئی جیسی ۱۹۳۵ء کے آئین میں مرقوم ہے، تو ہندوستان کی آزادی کے راستے میں وہی سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوں گے، اس لحاظ سے ہمیں افسوس ہے کہ علمائے کرام کے اس اجتماع نے ایک اہم آئینی نکتے کو نذرِ بے اعتنائی فرما دیا جس سے بلاشبہ ان کی پاس کی ہوئی تجویز ناقص رہ گئی۔ تاہم ہمیں توقع ہے کہ اب وہ اس اہم سوال پر غور کریں گے اور اس سلسلے میں ملک کو اپنی صحیح رہنمائی سے مستفید ہونے کا موقع دیں گے۔

مولانا حسین احمد مدنی صدر اجلاس اور خواجہ محمد اطہر صدر استقبالیہ کے جو طویل خطبے اسی اشاعت میں درج کیے جا رہے ہیں، اس کے بعد غالباً ہمیں اس اجلاس کی کارروائی پر اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

جمعیت علماے ہند کا مکتوب خاص:

۲۷ر اگست ۱۹۴۵ء:

المحترم المکرم دام مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ

ہر باخبر مسلمان کو معلوم ہے کہ گذشتہ چھبیس برس کی طویل مدت میں جمعیت علماے ہند نے اسلام اور مسلمانان ہند کی جو اہم مذہبی سیاسی اور تبلیغی خدمات انجام دی ہیں، وہ مسلمانوں کو عہد حاضر کی تاریخی جدوجہد کے روشن ابواب ہیں یہی وہ جمعیت ہے جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسیر مالٹا کی زیر قیادت وسیادت پانچ وں علما اسلام کی معیت ورفاقت میں ۱۹۱۹ء میں قایم کی گئی اور جو اس وقت سے لے کر اب تک مسلمانان ہند کے لیے مذہبی اور سیاسی رہ نمائی کا مینارہ روشن بنی رہی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر تحریکات کے ان پرآشوب برسوں میں جمعیت علماے ہند کا وجود نہ ہوتا تو نہیں کہا جاسکتا کہ مسلمان ضلالت وگمراہی اور جمود وبے حسی کے کس گرداب عظیم میں پھنسے ہوئے ہوتے، آج جب کہ تمام دنیا ایک عجیب وغریب اضطراب کے فکر وخیال میں مبتلا ہے، اور مختلف نظام اپنی اپنی قوت وطاقت کو بہ جبر منوانے کے لیے ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں پہلے کی نسبت اب کہیں زیادہ اس بات کی ضرورت ہے کہ مسلمان اپنی حیاتِ اجتماعی ومذہبی کو از سر نو منظم کریں اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لیے صرف جمعیت علماے ہند ہی ان کی صحیح رہ نمائی کا فرض انجام دے سکتی ہے۔

جمعیت علماے ہند سیاسی فکر وعمل کے اعتبار سے اب تک جس ایک خاص مسلک پر گامزن رہی ہے بہت سے مسلمانوں کو اس سے اختلاف ہوسکتا ہے، لیکن ساتھ ہی جمعیت نے خالص مذہبی اور تبلیغی میدان میں اب تک جو کام کیے ہیں، اور جو اس کی حیات وبقا کا مقصد وحید ہیں، اور موجودہ دور میں جو خدمات ملی اس کے نظام عمل میں داخل ہیں، ان کی اہمیت وضرورت سے کسی ایک مسلمان کو بھی اختلاف نہیں ہوسکتا، جمعیت جس طرح اسلام اور مسلمانوں کی خدمت پہلے کرتی رہی ہے، اسی طرح وہ اب بھی کر رہی ہے اور آیندہ بھی کرتی رہے گی، بلکہ آیندہ حالات کا اقتضا جتنا شدید ہوگا اسی کے مطابق جمعیت اور زیادہ جوش عمل اور ولولۂ ایثار وفداکاری کے ساتھ اپنے فرایض انجام دے گی۔

اب مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے رمضان المبارک کے اس ماہ مقدس میں اپنی واحد ذمہ دار اور مخلص جماعت جمعیت علماے ہند کی امداد کریں۔ اگر مسلمانوں میں غیرت ملی اور حمیت قومی کا ادنا سا جذبہ بھی باقی ہے تو انہیں اسلام اور وقت کے اس اہم ترین مطالبے کو گوش قبول و پذیرائی سے سننا چاہیے اور مسلمانان ہند کی ملی و سیاسی رہ نما جمعیت علماے ہند کو زیادہ سے زیادہ امداد دے کر اپنے فرض کو پورا کرنا چاہیے۔ رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں آپ کی یہ امداد دگنے اجر کا باعث ہوگی۔ (حسین احمد صدر جمعیت علماے ہند و محمد حفظ الرحمٰن ناظم اعلیٰ جمعیت علماے ہند)

(زمزم۔ لاہور: ۲۷ر اگست ۱۹۴۵ء)

ایک کروڑ جاپانیوں کی ہلاکت اور تباہی!

۲۷ر اگست ۱۹۴۵ء: لندن، رائٹر کے نامہ نگار کا بیان ہے کہ جنگ جاپان کے خاتمے کے بعد ایک جاپانی خبر رساں ایجنسی نے یہ اعلان کیا ہے کہ اتحادیوں کے فضائی حملوں کے نتیجے میں جاپان کے ۲۰۶ شہروں میں سے ۴۴ بالکل تباہ و برباد ہو گئے، اور جاپان کی آبادی کا ۱/۶ حصے یعنی تقریباً ایک کروڑ باشندے ہلاک و مجروح یا خانماں برباد ہوئے، ان میں مقتولیں کی تعداد (دو لاکھ ۶۰ ہزار ہے ان میں نوے ہزار وہ لوگ بھی شامل ہیں جو ہیروشیما اور ناگاساکی پر جوہری بموں کے نتیجے میں ہلاک ہوئے ہیں، خبر رساں ایجنسی کا یہ بھی بیان ہے۔ کہ بیالیس لاکھ دس ہزار مکان بالکل تباہ و برباد ہو گئے۔

(زمزم۔ لاہور: ۳۰ر اگست ۱۹۴۵ء)

ہم مسلمانوں کو منانے کی پھر کوشش کریں گے:

۲۷ر اگست ۱۹۴۵ء: لاہور: پنڈت جواہر لال نہرو کی آمد پر ۲۵ تاریخ کی رات کو ایک عظیم الشان جلسہ کا اہتمام کیا گیا۔ حاضری اس قدر زیادہ تھی کہ اس سے پہلے کبھی اتنا بڑا اجتماع دیکھنے میں نہیں آیا۔ جب پنڈت صاحب جلسہ گاہ میں تشریف لائے تو ہجوم جوش اور مسرت کے بے پناہ سیلاب میں بہہ گیا، اور کنٹرول کرنا انتہائی مشکل ہو گیا۔ ۱۰½ بجے وہ تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو آلہ جہیر الصوت فیل ہو گیا، ان تھک کوششوں کے

باوجود اس کو درست نہ کیا جاسکا۔ عوام نیچے اوپر گرے پڑتے تھے، نعروں کے باعث کان پر پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ پنڈت جی آلہ جہیر الصوت کے بغیر ہی تقریر کے لیے کھڑے ہوئے تو لوگوں نے زیادہ قریب ہونے کی کوشش کی جس سے انتظام زیادہ خراب ہوگیا۔ اور اسٹیج ٹوٹ گئی، کئی آدمی زخمی ہوگئے گرمی اور ریل پیل کے باعث کئی آدمی اور بچے بے ہوش ہوگئے، بالآخر جلسہ اتوار پر ملتوی کردیا گیا۔

اتوار کو ۷ بجے پھر کپورتھلہ ہاؤس کے میدان میں جلسہ شروع ہوا۔ عوام کا مجمع کل کی طرح آج بھی شمار سے باہر تھا۔ لیکن نظم ونسق کل کی نسبت بہتر تھا۔ کئی آلہ جہیر الصوت لگے ہوئے تھے، پنڈت جواہر لال نہرو ٹھیک ۷ بجے جلسہ گاہ میں تشریف لائے، لوگوں نے نہرو زندہ باد اور سبھاش چندر بوس زندہ باد کے نعروں سے آپ کا استقبال کیا، پنڈت جی عوام کی بدنظمی سے کل جس قدر متاسف تھے، آج سکون اور نظم سے اسی قدر خوش تھے۔

آپ نے تقریر شروع کرتے ہوئے کل کی بدنظمی کا ذکر کیا اور کہا کہ میرے اردگرد گرمی کی وجہ سے بچے بے ہوش پڑے تھے، حاضری اس قدر زیادہ تھی کہ میں نے نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ میں بھی کبھی اتنا بڑا اجتماع نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے اندر ہندوستان کی آزادی کے جذبے کے سوا کچھ نہیں......

آپ نے جس خلوص اور محبت کو میرے لیے جگہ دی ہے وہ میری خوش نصیبی کی دلیل ہے، ہندوستان نے جو ترقی کی ہے اس میں ہمارے بزرگوں کا بہت زیادہ حصہ ہے جنھوں نے ہمیں یہ راستہ دکھایا ہے، اس کے لیے ہم ان کے مشکور ہیں۔ لیکن جب ملک ترقی کرتا ہے......تو ان بزرگوں کی وجہ سے نہیں کرتا، بلکہ عوام اسے اٹھاتے ہیں، پھر ان راہبروں کو بھی جن کا نام ہمارے سامنے آتا ہے، اور جن کی ہم عزت کرتے ہیں، عوام ہی اٹھاتے ہیں۔ آپ صرف لیڈروں کو دیکھتے ہیں، لیکن جن کے کندھوں پر چڑھ کر لیڈر بڑھتے ہیں انھیں آپ نہیں دیکھیے۔

سبھاش چندر بوس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ سبھاش چندر بوس میرے پرانے ساتھی تھے، ان سے ہمارا اختلاف تھا۔ لیکن ان کی ہمت اور بہادری بلاشک وشبہ ہے، انھوں نے جو کچھ کیا ہندوستان کی آزادی کی خاطر کیا۔ تقریر کرتے ہوئے آپ نے کہا ۲۵ ہزار کے قریب قومی فوج کے سپاہی حکومت کے پاس مقید ہیں۔ مان لیا جائے انھوں نے

غلطی کی ہے لیکن انھوں نے جو کچھ کیا اپنے خیال سے ہندوستان کی آزادی کے لیے کیا۔ اگر حکومت نے انھیں باغی قرار دے کر سزائیں دے دیں، تو ہندوستان میں تہلکہ مچ جائے گا۔ میرا تو خیال ہے کہ بین الاقوامی قانون کے ماتحت اگر انھیں دشمن کے سپاہی بھی تصور کیا جائے۔ تو انہیں جنگ ختم ہونے کے بعد چھوڑ دیا جانا چاہیے۔

آپ نے تقریر کرتے ہوئے کہا، پنجاب کے وزیر اعظم ملک خضر حیات خان جو اپنے آپ کو سپاہیوں کا نمائندہ کہتے ہیں، آئیں اور آ کر قومی فوج کے سپاہیوں کے معاملے کو اپنے ہاتھ میں لیں، اور ان کی جانیں بچائیں، اس فوج میں زیادہ تر پنجابی اور سکھ اور مسلمان ہیں۔

آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلم لیگ، ہندو سبھا اور سکھ سبھا کانگریس کی اولاد ہیں اور کانگریس کی ہی نقل کرتی ہیں، لیکن کانگریس کی بنیادی باتوں تک نہیں پہنچتی ہیں۔ اگر کانگریس کے کچھ بچے بگڑ جائیں تو پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ آپ نے فرمایا کانگرنس نے ۲۵ سال کے عرصے میں ملک کی کایا پلٹ دی ہے، اس نے ملک کے چالیس کروڑ باشندوں کے دلوں سے غدر ۱۹۵۷ء کے وقت کا خوف بالکل نکال دیا ہے، اب عوام پولیس کی ٹھوکروں اور حکومت کی طاقت سے مرعوب نہیں ہو سکتے۔

ہندوستان ایک عظیم ملک تھا، مگر کمزور اور بزدل ہو چکا تھا، بہت بڑی گراوٹ آ چکی تھی، قوم بے جان ہو چکی تھی، دشمن نے ہماری اس حالت کا فایدہ اٹھایا اور ہمیں اپنی عقل مندی اور چال بازی سے غلام بنالیا۔ کانگریس کے سامنے پہلا مقصد یہ تھا کہ اس بے جان قوم میں جان ڈالے یہ ایک بہت بڑا کام کانگریس نے کیا ہے۔ میں آج کل ناانصافی اور جھگڑے ہی ہمارے لیے نقصان دہ ہیں، مگر یہ ہندوستان اور قوم میں جان پیدا ہونے کا نتیجہ ہیں، ملک بے جان سے جاندار ہوا ہے۔ انھیں اس کا پتا ۱۹۴۲ء کی تحریک سے ہی لگ سکتا ہے، اس سے ہمیں انکار نہیں کہ ۱۹۴۲ء کی تحریک میں ہمیں کچل دیا گیا، مگر تین برس کے بعد پھر ملک تر و تازہ اور مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہے کسی اور ملک میں اس کی مثال نہ پائیں گے کہ کچلا جا کر اور دب کر تین برس میں ہی پھر اس میں زندگی اور تر و تازگی پیدا ہو جائے۔

آپ نے فرمایا ہمارے ملک کی فرقہ وارانہ جماعتیں تو ان باتوں پر غور نہیں کرتیں، وہ تو چھوٹی چھوٹی باتوں میں پھنسی ہوئی ہیں اور وہ اس سطح سے اوپر اٹھتی ہی نہیں، یہ جماعتیں

بھی آزادی کی باتیں تو کرتی ہیں لیکن اگر اور مگر کے ساتھ۔ اور ان کے نزدیک آزادی پہلی بات نہیں ہے وہ آزادی کو سیکنڈ پوزیشن دیتے ہیں، اور اپنی بات کو پہلے رکھتے ہیں، اگر مگر کے ساتھ آزادی کی باتیں ملک کو کمزور کرتی ہیں۔ اگر سکھ بہادر ہیں تو وہ بہادروں کی طرح کہیں کہ ہم پہلے آزادی حاصل کریں گے اور بعد میں اس کے حقوق کی حفاظت کریں گے۔ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ ہم چین اور دوسرے ملک سے سمجھوتا کر کے اپنے آپ کو طاقتور بنائیں نہ کہ ملک کے ٹکڑے کرنے کے درپے ہوں۔ ہندوستان کے ٹکڑے کرنا ہندوستان اور ہندوستان کے ہر ایک حصہ کے لیے نقصان دہ ہے، لیکن ہمیں حقیقت سے آنکھیں نہیں موند لینی چاہییں کہ علاحدگی کا جذبہ بعض حصوں میں پایا جا رہا ہے علاحدگی کا جذبہ رکھنے والوں کو اگر وہ اس قومی غلطی پر ہی مصر ہوں تو مجبور کر کے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے۔ ہمارے ملک میں دو قوموں کی تھیوری کا سوال اٹھایا گیا ہے، میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ ہندوستان میں دو قومیں ہیں یا ایک۔ ایک ملک میں ایک سے زیادہ قومیں ہو سکتی ہیں، اس میں دس قومیں ہیں۔ سوال ایک یا دو قوموں کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ آیا ملک کا فایدہ متحد رہنے میں ہے یا علاحدگی میں ہے علاحدگی کے جذبے سے ملک میں کش مکش رہتی ہے۔ ہم سمجھا بجھا کر علاحدگی کے اس جذبے کو دور کرنے کی کوشش کریں گے کیوں کہ ملک کے ٹکڑے کرن سخت نقصان دہ ہے، لیکن اگر اس وجہ سے علاحدگی پر اصرار کیا تو ہم کسی کو زبردستی سے ساتھ رکھنے پر اصرار نہیں کریں گے۔ پاکستان کا پس منظر دلوں میں ڈر ہے جو ہم امید کرتے ہیں کہ ہم نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ پاکستان کا مطالبہ تو کیا جا رہا ہے مگر ابھی تک پاکستان کی تعریف نہیں کی گئی۔ کانگریس اقلیتوں کو حق رائے دہی کا دے چکی ہے، اس آزادی کے مطابق پنجاب کے ہی دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ کوئی پنجابی یا بنگالی پنجاب اور بنگال کے دو ٹکڑے ہوتے دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ پنجاب اور بنگال کلچرل یونٹ ہیں، پنجاب اور بنگال کے دو دو ٹکڑے ہونے سے ان دونوں صوبوں کا دولت مند حصہ ہندوستان میں چلا جاتا ہے، اس طرح پاکستان میں کیا رہ جائے گا؟ یہی خیال پاکستان کا مطالبہ کرنے والوں کے سامنے ہے اور پاکستان کی تعریف نہیں کرتے۔ خیر اگر ہندوستان کے ٹکڑے ہوئے تو عارضی ہوں گے، ٹکڑے کرنے والے یہ نہیں سوچتے کہ دنیا فیڈریشن کی طرف جا رہی ہے لیکن اگر کوئی حصہ علاحدہ ہونا چاہتا ہے تو اسے علاحدگی مبارک ہو، کانگریس اس کی علاحدگی

میں رکاوٹ نہیں ڈالے گی۔

تقریر کو جاری رکھتے ہوئے پنڈت جی نے کہا کہ قوموں کو سبق تقریریں نہیں سکھاتیں، بلکہ تجربہ سکھاتا ہے۔ پچھلے تین سال کے تجربات نے ہمیں کئی سبق سکھائے ہیں، کئی لوگ ۱۹۴۲ء کی تحریک کے متعلق بحث میں پڑے ہوئے ہیں کہ کانگریس نے تحریک کو شروع کیا یا لوگوں نے خود بخود سب کیا؟ یہ بحث بے معنی ہے اس تحریک میں بے شک خراب باتیں بھی ہوئیں، لیکن لوگوں نے ان تین برس میں ہمت دکھائی ہمیں ان کی قدر کرنی چاہیے، ایسی باتوں سے ہمیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

آپ نے فرمایا ہندو مسلم اتحاد اچھی بات ہے، لیکن ہر وقت ہندو مسلم اتحاد چلانا مسئلے کو حل کرنے کا طریقہ نہیں ہے۔ اس سوال پر سوچو اور صحیح طریقے سے اسے حل کرو۔

لارڈ ویول کو انگلستان سے بلاوا آیا ہے۔ انتخابات کا ذکر کرتے ہوئے پنڈت جی نے کہا کانگریس کی جو عمارت ۶۰ سال میں بنی ہے اسے گرنے نہیں دینا چاہیے، ضابطے سے کانگریس کی طاقت بڑھائیں ہلڑ بازی سے نہیں، مجھے ہلڑ بازی کی ضرورت نہیں۔

آپ نے فرمایا میں پنجاب میں ایسی کانگریس چاہتا ہوں جس میں پچاس ہزار کارکن ہوں۔ پنجاب میں کانگریس کو شخصی جائیداد سمجھ لیا گیا ہے اور ایک فریق دوسرے فریق کو نکالنے کی دھن میں رہتا ہے۔ کانگریس کے ممبر بن کر کام کرنے والے آدمیوں کو کانگریس کا عہدیدار منتخب کرو، فرضی آدمیوں کو کانگریس کا عہدہ دار نہ بناؤ، کانگریس کمیٹیاں اس لیے نہ بناؤ کہ اپنے دوستوں کو اسمبلیوں کے لیے امیدوار کھڑے کریں۔

(زمزم۔ لاہور: ۳۰/ اگست ۱۹۴۵ء)

مولانا حسرت اور لیگ!

۲۸/ اگست ۱۹۴۵ء: لاہور: لاہور کے ایک مقامی اخبار نے یہ خبر شائع کی ہے کہ مولانا حسرت موہانی مسلم لیگ سے الگ ہو گئے اور جنرل انتخابات میں نیشنلسٹ مسلمانوں کی رہنمائی کریں گے۔ معلوم ہوا ہے کہ لیگ سے مستعفی ہونے سے پہلے آپ نے حضرت مولانا مدنی سے تبادلہ خیالات کیا۔

(زمزم۔ لاہور: ۳۰/ اگست ۱۹۴۵ء)

مولانا آزاد کا سفر پنجاب:

۲۸ر اگست ۱۹۴۵ء: لاہور: سردار امر سنگھ چھپالیہ کو مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس کی ایک چٹھی ملی ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ وہ عید کے ایک یا دو روز بعد لاہور پہنچ جائیں گے۔ غالباً عید وہ سری نگر میں پڑھیں گے۔

معلوم ہوا ہے پنجاب کانگریس کی طرف سے اسٹیٹس کانگریس اور صوبے کے دیگر سرکردہ کانگریسی کارکنوں کو اس موقع پر لاہور میں حاضر رہنے کی ہدایات جاری کردی گئیں۔

(زمزم۔ لاہور: ۳۰ر اگست ۱۹۴۵ء)

مولانا آزاد کا ایک تاریخی خط:

۲۸ر اگست ۱۹۴۵ء: مسلم لیگ کے رہ نماؤں نے قرآن حکیم کی وہ آیات جن کا تعلق دشمنانِ اسلام و مسلمین سے حالات جنگ میں تھا، جس بے دریغ طریقے پر ہندوؤں پر منطبق کیں اور قرآن کے دوسرے صریح احکام کو جس طرح نظر انداز کیا تھا، اس کی داستان بڑی دردناک ہے۔ اسی قسم کے ایک سایل کے جواب میں مولانا آزاد نے ایک مکتوب تحریر فرمایا تھا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ خط غلام احمد پرویز نے دہلی سے کسی اور کے نام سے بھیجا تھا۔ اس سلسلے میں پروفیسر صاحب نے اپنے رسالے طلوع اسلام میں قرآن حکیم اور علامہ اقبال کا بہت بے دردانہ استعمال کیا تھا حال آں کہ علامہ مرحوم پر ان کی نظر خواد کتنی ہی گہری ہو اور وہ اپنی رائے کو خواہ کسی طرح استعمال کریں، اس کے کوئی معنی نکالیں اور کسی پر اس کا اطلاق کریں، ان کا یہ رویہ کسی کے لیے وجہ شکایت نہیں ہوسکتا! لیکن افسوس قرآن کے استعمال میں ان کا یا کسی کا بھی یہ بے باکانہ رویہ درست نہیں کہا جاسکتا۔ اگر یہ خط پرویز ہی کا تھا تو نہ وہ عالم دین تھے اور نہ قرآن اور فن تفسیر ان کا موضوع تھا، ایک حد تک ان کا ذاتی مطالعہ ہی ان کا رہنا تھا اور اس مطالعے کی قیمت میرا نہیں قرآن کے اس طرح استعمال اور دوسروں پر اس کے بے باکانہ انطباق کا حق حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔

معترض کے اس رویے سے مسئلے کو اس کے فن کے دایرے میں عقلی و اجرت کی روشنی میں حل کرنے میں اس کے عجز کا پتا بھی چلتا ہے، بہ ہر حال مولانا آزاد کا جواب یہ ہے

نسیم باغ، سری نگر (کشمیر)
۲۸/اگست ۱۹۴۵ء
حبی فی اللہ!

خط مورخہ ۱۵/اگست پہنچا۔ یہ بات کہ مسلمان کانگریس یا کسی دوسری انجمن میں شریک ہوں یا نہ ہوں، وقت کے مصالح اور احوال وظروف کے مطالعے پر موقوف ہے اور ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اپنے طریق نظر وفکر کے مطابق کسی خاص فیصلے تک پہنچے، لیکن اس سلسلے میں خواہ مخواہ اسلامی تعلیم کو درمیان میں لانا اور تحریف آیات قرآنی کی کوشش کرنا صحیح طرز عمل نہیں ہوگا۔ ہندوستان کی موجودہ سیاسی حالت پھر ایک وقتی اور عارضی حالت ہے، لیکن اسلام کی تعلیم وقتی نہیں ہے، وہ دائمی تعلیم ہے، اسے وقتی حالات کی بنا پر کھینچ تان کر محرّف کرنا نہایت افسوس ناک ہے۔

آپ نے قرآنِ کریم کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ اور اس کی تمام ہم معنی آیات، احکام جنگ سے تعلق رکھتی ہیں، انھیں مسلمانوں کی زندگی کے دائمی احکام سے کوئی تعلق نہیں۔ عرب کے اہل کتاب اور مشرک جب اسلام کے خلاف برسرپیکار ہو گئے تو دو متقابل صفیں پیدا ہو گئیں، ایک طرف مسلمان تھے دوسری طرف محارب مشرک اور یہود ونصاریٰ۔ پس حکم ہوا کہ جو شخص ہماری صف سے تعلق رکھتا ہے اس کا دشمنوں کے کیمپ سے تعلق نہیں ہونا چاہیے، اگر رکھے گا تو دشمنوں ہی میں سے سمجھا جائے گا۔ چناں چہ سورۂ توبہ اور انفال کے تمام احکام اسی صورت حال سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا زمانہ امن کے احکام سے تعلق نہیں ہے۔ اصل قرآنی فیصلہ اس بارے میں وہ ہے جسے سورۂ ممتحنہ میں صاف صاف واضح کر دیا ہے:

> اِنما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلو کم فی الدین و اخرجو کم من دیارِ کم و ظاھر واعلی اخرا جکم ان تو لوھم ومن یتولھم فاوالئک ھم الظالمونO

> ”جو لوگ دین کے بارے میں تم سے جنگ کریں اور تم کو تمہارے وطن سے نکال دیں اور جو لوگ تم کو ملک بدر کرنا چاہیں ان کی حمایت پر اتر آئیں، خدائے تعالیٰ ایسے ہی لوگوں سے دوستی اور معاملات کرنے سے

روکتا ہے اور جو شخص ایسے لوگوں سے موالات کرے گا، اس کا شمار ظالموں سے ہوگا"۔

"اِنّما" پر غور کیجیے یعنی جز ایں نیست کہ کذا و کذا۔ اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوگیا کہ موالات کی نہی صرف ان غیر مسلموں سے تعلق رکھتی ہے جنھوں نے مسلمانوں سے دین کے بارے میں قتال کیا ہو اور انھیں ہجرت پر مجبور کردیا ہو۔ ورنہ بصورت دیگر دنیوی معاملات میں ان سے تعاون اور اشتراکِ عمل ممنوع نہیں، مسلمان اپنے مصالح کے پیشِ نظر ہمیشہ ایسا کرسکتے ہیں۔

خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل اس بارے میں ہمارے سامنے ہے، آپ نے قریش مکہ کے خلاف اطراف مدینہ اور مدینہ کے غیر مسلم قبائل کے ساتھ اتحادِ عمل کا معاہدہ کیا، جو معاہدہ صحیفہ کے نام سے پکارا گیا تھا اور اس میں یہ الفاظ لکھے کہ ہم اس مقصد میں متحد ہوکر اس طرح کام کریں گے کہ "امہ واحد" نظر آئیں گے۔

جس قرآن کی آیت آپ نے نقل کی ہے، اسی قرآن کی سورۂ توبہ میں یہ بھی ہے کہ یا ایھا الذین آمنو الا تتخذ وا الیھود و النصاریٰ اولیاء الخ۔ ہندوستان میں ڈیڑھ سو برس سے برٹش حکومت قایم ہے، لوگ ان کی ملازمت کرتے ہیں، ان کے مقاصد و اعمال کی راہ میں اپنی ساری زندگیاں ختم کردیتے ہیں، ان سے معاملات و تعاون میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ برطانوی نصاریٰ سے موالات کرتے ہوئے کبھی قرآنِ حکیم کے احکام لوگوں کو یاد آئے تھے؟ یاد رہے کہ ان ڈیڑھ سو برسوں کے اندر برٹش حکومت تمام عالمِ اسلامی کو تہ و بالا کرتی رہی اور بارہا اسلامی حکومتوں کے خلاف اعلانیہ صفوفِ جنگ آراستہ کیں۔ اسلام عموم رحمت و شفقت اور اخوۃ انسانیت کا پیغام عام ہے۔ حاشا کہ اس کا دائرۂ نظر اس درجہ تنگ ہو جتنا آپ نے بنا رکھا ہے۔

میں ایک موٹی سی بات آپ کو بتلاتا ہوں، قرآن نے مسلمانوں کے لیے جائز رکھا ہے کہ یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے ازدواج کریں۔ ازدواج کا رشتہ، محبت و مودت کا رشتہ ہے، اگر رشتہ سازگار ہو تو شوہر اپنی بیوی کا پرستار بن کر رہے گا اور اس سے بڑھ کر دنیا کا کوئی علاقہ اسے محبوب نہ ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ اگر قرآن کے نزدیک کسی حال میں بھی یہ جائز نہ تھا کہ مسلمان غیر مسلموں سے دنیوی علائق میں تعاون و اشتراکِ عمل کریں، تو کیوں کر ممکن تھا

کہ وہ مسلمانوں کو اس کی اجازت دیتا کہ اپنے دل اور گھر کی مالکہ ایک غیر مسلمہ کو بنا رکھیں؟ اور اپنی دنیوی زندگی اس کے سپرد کر دیں؟

اگر آپ کی یہ رائے ہے کہ مسلمان ملک کی سیاسی جدوجہد میں غیر مسلموں کے ساتھ شریک نہ ہوں تو آپ ایسی رائے رکھ سکتے ہیں اور اپنے خیال کے مطابق اس کے وجوہ و مصالح بنا سکتے ہیں، لیکن خدا کے لیے قرآن حکیم کی آیتوں کو اس میں نہ لائیے اور اس کے احکام کو تفسیر بالرائے کا بازیچہ نہ بنائیے۔ **یحرفون الکلم عن مواضعہ** کا مطلب صرف یہی نہیں تھا کہ یہود و نصاریٰ تورات و انجیل کے الفاظ میں تحریف کرتے تھے، بلکہ یہ بھی تھا کہ ان کے معانی کو الٹ پھیر کر کچھ سے کچھ بنا دیتے تھے، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ''

ابوالکلام

(حوالہ: مکاتیب ابوالکلام آزاد، مرتبہ ابوسلمان شاہ جہان پوری، ص ۶۲ ـ ۲۶۰)

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اور قوم پرور خیال کے دوسرے علما کی ایک بڑی خوبی یہ سامنے آئی ہے کہ انھوں نے حدود کا بہت خیال رکھا۔ تلبیس سے ان کا دامن سیرت داغ دار نہیں ہوا۔ ان کے سامنے وطن اور قوم و ملت کے ہر طرح کے مسایل تھے لیکن انھوں نے ہر مسئلے کو اس کے دایرے میں رکھا، نہ مذہب کے پاک دامن کو سیاست سے آلودہ کیا اور نہ سیاست کے لیے مذہب اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو استعمال کیا۔ حال آں کہ ان سے بڑھ کر مذہب کا استعمال کون کر سکتا تھا؟ اس کی بے شمار مثالیں ان بزرگوں کی زندگی میں ملتی ہیں، اس کی ایک بہترین مثال مولانا ابوالکلام آزاد کی سیرت ہے، انتہائی ہنگامہ خیز دور میں بھی انھوں نے اپنے ذہنی توازن کو برقرار رکھا اور راہِ حق و اعتدال سے قدم باہر نہ رکھا، معترض کے جواب میں مولانا نے جو خط لکھا وہ ان کے اخلاق و اعتدال انصاف پسندی اور حدود کے احترام کی کتنی عمدہ مثال ہے۔

ناظم اعلیٰ جمعیت علماے ہند کا بیان:

۳۰ راگست ۱۹۴۵: سونی پت ضلع رہتک (پنجاب) میں مدرسۂ نظامیہ ایک اسلامی تعلیمی ادارہ ہے، یہ دینی مدرسہ اسلامی تعلیم گاہ کا اگرچہ بہترین گہوارہ ہے، لیکن ہنوز اپنی رہائشی ضروریات سے بہت زیادہ قابل توجہ ہے۔ طلبہ کی کثرت اساتذہ کی ضروری

درسگاہوں اور طلبہ کے لیے جائے قیام کے پیش نظر عمارت کی اشد ضرورت ہے، مولانا عبد القوی صاحب ناظم مدرسہ کی مساعی نے تعمیر کا کام اگرچہ جسبۃً للہ شروع کر دیا ہے، تاہم اس کی تکمیل اہل خیر مسلمانوں کی دینی توجہ پر موقوف ہے۔ مجھے توقع ہے کہ اہل دولت حضرات اس جانب توجہ فرما کر اجر دارین کے مستحق ہوں گے اور اپنی غیرت ملی کا ثبوت دیں گے۔ خادم ملت (محمد حفظ الرحمٰن ناظم اعلیٰ جمعیت علماے ہند)

(زمزم۔ لاہور: ۳۰ راگست ۱۹۴۵ء)

مسلمان اور سیاسیاتِ حاضرہ (اداریہ):

۳۰ راگست ۱۹۴۵ء: جناب محمد قاسم خاں صاحب پونچھ (کشمیر) سے تحریر فرماتے ہیں:

''میں اپنے تجربے کی بنا پر کہتا ہوں کہ ''زمزم'' ہمیشہ غیر جانبدارانہ تنقید کا حامل رہا ہے، لیکن کچھ عرصے سے اس کی استقامت بالکل متزلزل بلکہ قابلِ افسوس ہوگئی ہے''۔

ہمارا خیال ہے کہ محترم خاں صاحب ''زمزم'' کے طرز نگارش کا اندازہ لگانے میں غلطی کر رہے ہیں، ''زمزم'' اپنی روش، اپنے اصول اور اپنی پالیسی پر بدستور قایم ہے۔ البتہ جن حضرات کو ''زمزم'' سے اب شکایت پیدا ہوئی ہے، انھوں نے شاید اپنے ماحول اور اپنے تاثرات کا اندازہ لگانے کی زحمت نہیں فرمائی۔ اصل بات یہ ہے کہ ایک طرف تو شملہ کانفرنس کی ناکامی پر لیگ اور آزاد خیال مسلمانوں کے جذبات برافروختہ ہوئے۔ لیگ کے حامیوں نے اس ناکامی کو مولانا آزاد کے سر منڈھا، آزاد خیال مسلمان اس لیے طیش میں آئے کہ ان کے خیال میں مسٹر جناح نے لارڈ ویول کے مشن کو پورا کیا، اس کے بعد لیگ کے حامیوں نے کشمیر میں مولانا آزاد پر خشت باری کر کے معاملے کو نازک سے نازک تر بنا دیا۔ لہٰذا دونوں فریقوں میں متضاد جذبات پیدا ہوئے اور شدت کے ساتھ پیدا ہوئے۔

.........قدرتی طور پر دونوں کا زاویۂ نگاہ بدل گیا اور طبیعت میں ایسی نزاکت پیدا ہوگئی کہ اپنے خلاف ذرا سی نکتہ چینی بھی ناقابل برداشت بن گئی اور ایک ہی چیز کسی کو گرم اور کسی کو نرم محسوس ہونے لگی۔ اب غریب ''زمزم'' ہے کہ ان دونوں میں گھرا ہوا ہے۔ لیگ

کے حامی کہتے ہیں کہ ''زمزم'' جادۂ اعتدال سے منحرف ہو گیا کیوں کہ اس کے ایک بری بات کو برا کیوں کہا؟ آزاد خیال مسلمان اس لیے خفا ہیں کہ ''زمزم'' اس نازک موقع پر بھی مداہنت بلکہ منافقت سے کام لے رہا ہے!

ہمارا دونوں فریقوں کو جواب یہ ہے کہ ''زمزم'' اپنی جگہ پر استواری کے ساتھ قایم ہے، البتہ آندھی اور سیلاب کے ساتھ موافقت کرنے والے جذباتی لوگوں کا زاویۂ نگاہ بدل گیا ہے اور دونوں فریق وقت کے تاثرات سے اس درجہ متاثر ہیں کہ ''زمزم'' کا اعلان حق انھیں اپنے اندازے سے فروتر معلوم ہوتا ہے۔ اگر یہ حضرات جذبات کو عقل کا تابع بنالیں اور رقابت کی اسپرٹ سے پاک ہو کر دماغ کے سوراخ کو سیدھا کرلیں تو انھیں ''زمزم'' پھر اسی سطح پر نظر آئے گا جس پر وہ پہلے نظر آتا تھا! رنگین عینک لگا کر یہ فیصلہ کرلینا کہ جو چیز نظر آرہی ہے اس کا رنگ بدل گیا ہے، دانش مندی کا کچھ اچھا مظاہرہ نہیں ہے!

مولانا آزاد اور مسلم جماعتیں:

محترم خاں صاحب کے باقی سوالات کو جواب حسب ذیل ہے:

سوال: کیا مولانا آزاد اور دیگر مسلم رہ نما کسی مسلم جماعت میں رہ کر ملک و قوم کی خدمت نہیں کر سکتے؟

جواب: ہم نہیں سمجھ سکے کہ کسی مسلم جماعت سے آپ کی کیا مراد ہے؟ کیا علماے حق کی مجلس جمعیت علماے ہند؟ مگر آپ تو اس سے بھی ناراض ہیں۔ تو کیا مجلس احرار اسلام ہند؟ جس کی بے مثال قربانیوں کا مشاہدہ خود اہل کشمیر کر چکے ہیں۔ مگر آپ تو اس سے بھی خوش نہیں۔ تو کیا مسلم مجلس؟ سو اس کی نسبت آپ اپنے فیصلے سے خوب واقف ہیں! تو پھر وہ کون سی مسلم جماعت ہے جو آپ کے جذبات کے پیچھے پیچھے لگی رہے؟ نہ آپ کانگریسی علما و زعما سے خوش ہیں نہ جمعیت علما و مجلس احرار سے راضی، پھر بھی فرماتے ہیں کہ کسی مسلم جماعت میں رہ کر ملک و قوم کی خدمت کرو اور کانگریس کو دھتا بتاؤ۔ لیکن یہ تو ارشاد ہو کہ جس زمانے میں حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، مولانا محمد علی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کانگریس کی قیادت فرما رہے تھے، اس وقت کسی حامی سلام کو یہ مشورہ دینے کی توفیق کیوں نصیب نہ ہوئی؟ بات اصل یہ ہے کہ جن لوگوں کا کوئی کیرکٹر نہیں ہوتا وہ دوسروں سے بھی یہی توقع

رکھتے ہیں کہ ان کا بھی کوئی کیرکٹر نہ رہے۔ لوگ کانگریس میں شریک ہوئے اور اپنی قربانیوں کے بے شمار واقعات تاریخ کے سپرد کر گئے۔ مگر جب کسی وجہ سے علاحدہ ہوئے تو نادم ہونے کے بجائے مولانا آزاد پر برستے ہیں کہ وہ ہندوؤں کی جماعت میں کیوں شامل ہیں؟ گویا جس طرح دوسروں کا کوئی کیرکٹر مولانا آزاد کو بھی آن بوالعجبی کا ثبوت دینا چاہیے اور جب وہ اپنے مقام سے نہیں ہلتے تو کہتے ہیں وہ ہندوؤں سے مل کر مسلم مفاد کو نقصان پہنچا رہے ہیں!

لیگ اور مسلم مفادات:

سوال: فرض کیجیے الف بڑا عالم و فاضل مسلمان ہے اور ب محض جاہل۔ لیکن الف مسلم مفاد کے مقابلے میں غیر مسلموں کی مدد کرتا ہے اور ب کا طرز عمل جاہل ہونے کے باوجود مسلم مفاد کے لیے بہتر ہے۔ اب اسلامی نقطۂ نگاہ سے آپ ان میں سے کس کو ترجیح دیں گے؟

جواب: مگر اس بات کا فیصلہ کون کرے گا کہ الف مسلم مفاد کا دشمن اور ب مسلم مفاد کا حامی ہے؟ مگر یہ فیصلہ تضاد و اختلاف کا حامل ہوگا، اور صورت حال پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، اگر جناب کے پاس کوئی اس قسم کا آلہ موجود ہے جو مسلم مفاد کے حامیوں اور دشمنوں کے درمیان دوٹوک فیصلہ کر سکے تو اس کی نشان دہی میں بخل سے کام نہ لینا چاہیے۔ صاف صاف فرمائیے کہ مسٹر جناح مسلم مفاد کے محافظ اور مولانا آزاد دشمن ہیں، اور پھر اس خوش فہمی کا کوئی جلی ثبوت بھی دیجیے۔ جہاں تک سیاست کا تعلق ہے بتائیے مسٹر جناح نے مسلمان کو کیا فائدہ پہنچایا؟ کیا آپ کے نزدیک یہ بھی مسلم مفاد کی حفاظت ہے کہ دس کروڑ مسلمانوں کو ہندوؤں سے ڈرا کر بزدل بنا دیا؟ اور ہر مسلمان کو چلانے پر مجبور کر دیا کہ ہندو ہمیں کھا جائیں گے، ہمارے حقوق کو پامال کر دیں گے اور دس کروڑ مسلمان بزدلی کے ساتھ یہ تماشہ خاموشی کے ساتھ دیکھتے رہیں گے؟

اور جہاں تک مذہب کا تعلق ہے فرمائیے اسلام اور مسلمانوں کو قاید اعظم نے کیا فایدہ پہنچایا؟ آپ کو یاد ہوگا کہ لڑکیوں کی وراثت کے قانون کو مرکزی اسمبلی میں ذبح کر کے ڈھیر کرنے والے یہی آپ کے قاید اعظم تھے! قاضی بل کو جن حامیانِ اسلام نے شکست

دلائی وہ یہی مسلم لیگی ممبر تھے! اس کے بعد ہم نہیں سمجھتے کہ آپ کی خوش فہمی کا کیا علاج ہے اور واقعات کی روشنی میں آپ کو حقایق کا کس طرح ادراک کرایا جاسکتا ہے!

سوال: کیا گاندھی جی اپنی نام نہاد انصاف پسندی کے باوجود مولانا آزاد یا کسی دوسرے مسلمان کے ساتھ بیٹھ کر کھا سکتے ہیں؟

جواب: اس قسم کے سوالات سے مسلمانوں کے قومی مزاج کی پستی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے! چوں کہ گاندھی جی مولانا آزاد کے ساتھ بیٹھ کر نہیں کھا سکتے اس لیے کانگریس بری ہے اور مسلمان وہ ہے جو یا تو گاندھی جی کو اپنے ساتھ کھلانے پر مجبور کرے یا وہ کانگریس سے الگ ہو جائے! خاں صاحب نے خود نہیں فرمایا کہ وہ کن لوگوں سے یہ سوال کر رہے ہیں؟ اگر ہندو مسلمان سے چھوت چھات کرتا ہے تو اس کے بالکل اختیار میں ہے کہ وہ بھی ہندوؤں کا اقتصادی بائیکاٹ کر کے اپنی خودی کا ثبوت دے اور جس ہتھیار کو ہندو صدیوں سے استعمال کر رہا ہے اس ہتھیار کو وہ خود بھی استعمال کر کے دیکھے، مگر نہیں۔ مسلمان کی ہمت تو بس اتنی ہے کہ گاندھی کو کوسے، ہندوؤں کو گالی دے، کانگریس کی مسلم دشمنی کا ڈھنڈورا پیٹے اور مگر وہی پکوڑے ہندو کی دکان پر جا کر کھائے، آٹا دال اور ضروریات زندگی کے لیے ہندو دکان کی تلاش کرے اور جب قرض لینے کی نوبت آئے تو لالہ جی کے قدموں پر گر کر اپنی ساری لن ترانی بھول جائے! جب مسلمانوں کی بے غیرتی کا یہ عالم ہو تو اس میں آزاد کا کیا قصور؟ ہندوؤں کے بائیکاٹ کا جواب تو دے کر دیکھو اگر مولانا آزاد اس میں روڑے اٹکائیں تو کہنا وہ غدار ہیں مگر جرم تم کرو، بے غیرتی کا ثبوت تم دو اور الزام لگاؤ آزاد خیال مسلمانوں پر!

قاید اعظم کی خدمات:

سوال: دو بھائیوں میں ایک کمزور ہے، کمزور چاہتا ہے کہ طاقت ور بھائی سے الگ ہو جائے اور اپنا حصہ تقسیم کرا لے لیکن طاقتور علاحدگی کو بھی منظور نہیں کرتا، اب بتائیے زیادتی کس کی ہے؟

جواب: افسوس جس بات کا ڈر تھا وہی سامنے آ کر رہا! دنیا کی کوئی طاقت کفار کے مقابلے پر مسلمانوں کو کمزوری کا احساس کرانے میں کامیاب نہ ہو سکی، مسلمان، کمزوری میں

بھی طاقت کے احساس سے بیگانہ نہ رہا، اسے اپنی نسبت کبھی شبہ نہ ہوا کہ وہ کفار کے مقابلے پر اتنا کمزور ہے کہ میدان چھوڑ کر بھاگنے کے سوا چارہ نہیں۔ اس کے اندر ہمیشہ یہ احساس زندہ رہا کہ وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین، غلبہ اللہ کے لیے ہے۔ اور رسول کے لیے ہے اور مومنین کے لیے ہے، اس کے اندر اس اعلان کی روح ہمیشہ تازہ رہی کہ انتم الاعلون ان کنتم مومنین، اگر تمہارے اندر ایمان ہے تو یقین رکھو تم ہی غالب رہو گے! مگر مسٹر جناح کی ایک ہی ضرب سے مسلمان کی کمر ٹوٹ کر دہری ہوگئی اور اسے باور کرادیا کہ وہ کمزور ہے، ناتوان ہے، غریب الوطن ہے، قابل رحم ہے۔ افسوس ایسے طبیب پر جو ڑ کام کا علاج کرنے اٹھے اور مریض کے جسم میں تپ دق کے جراثیم داخل کر دے! کمزوری کا احساس ام الامراض ہے جو ایک شیعہ قاید کے صدقے میں اسلامیان ہند کے تن نیم جان میں زہر بن کر سرایت کر رہا ہے!

پہلے یہ فرض کرلو کہ مسلمان کمزور اور ناتوان ہیں، ان کی یثربی غیرت مردہ ہوچکی ہے، ان کا اسلام اب انھیں چوڑے میں چھوڑ کر الگ ہوگیا ہے، اب خدا کے وعدے جو ایمان واخلاص کی شرط سے مشروط ہیں پورے نہیں ہوسکتے۔ نیز ہندو طاقتور ہے، متحد ہے، ہوشیار اور چالاک ہے۔ اس کے بعد پاکستان تو پاکستان تم میدان چھوڑ کر پوری بزدلی کے ساتھ فرار اختیار کر سکتے ہو اور ہندو سے کہہ سکتے ہو کہ تم جیتے ہم ہارے۔

افسوس قاید اعظیم نے کیسی اسلام کی خدمت کی ہے، آخر مسلمان سے اقرار کرا ہی لیا کہ آدھا ہندوستان ہندو کا؟ یہ احساس کرانے کی توفیق نہ ہوئی کہ پورا ہندوستان ہمارا ہے، اس میں ہندو کی شرکت کیسی؟ مسلمان کا مشن تو یہ ہے کہ ہندوستان کے چپے چپے میں حکومت الہیہ قایم کرے، ہر فرد کو قرآن کا پیغام پہنچائے، ہر قوم کو اسلامی نظام اختیار کرنے کی ترغیب دے اور اپنے حسن عمل، اپنے مکارم اخلاق، اپنی نیک سیرت، اور نیک سلوک سے ہندوؤں کو رام کرنے کی کوشش کرے اور اپنی ہدایت سے ان کی ضلالت کو شکست دے مگر قاید اعظم نے سبق یہ پڑھایا ہے کہ پہلے تو یقین کرلو کہ تم کمزور اور بزدل ہو، پھر یہ فرض کرو کہ ہندو تمھیں کھا جائے گا، اس کے بعد نصف ہندوستان کو اس کی ملکیت میں دے دو اور آخر میں میدان چھوڑ کر پاکستان کی خانقاہ میں گوشہ نشین ہو جاؤ۔

مسلمان اور حقایق:

اصل میں مسلمان حقایق پر غور کرنے سے ڈرتا ہے وہ تو یہ دیکھتا ہے کہ بھیڑ کدھر جا رہی ہے اور فوراً خود بھی ادھر ہی کو چل پڑتا ہے۔ وہ یہ تحقیق نہیں کرتا کہ رونے والا کیوں روتا ہے، وہ تو آسانی اس میں سمجھتا ہے کہ رونے والوں کو دیکھ کر خود بھی رو پڑے، لیکن جب جذبات کا اُبال فرو ہوگا اور ہیجانی کیفیت اعتدال پر آئے گی اس وقت شاید حقایق پر غور کرنے کی فرصت ملے گی، اس وقت ذہنی بحران کی ایک کیفیت رونما ہے اس میں نہ سوال کام آسکتا ہے نہ جواب مطمئن کرسکتا ہے، اس میں اگر کوئی بات کام آسکتی ہے تو یہ کہ بھاگنے والوں کے ساتھ خود بھی بھاگنے لگو اور خاموشی کے ساتھ بھیڑ میں شامل ہو جاؤ۔

جہاں تک مسٹر جناح کی شخصیت کا تعلق ہے، زمزم نے ہمیشہ ان کا احترام کیا ہے اور ان کی حق بات کو سراہنے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا ہے۔ لیکن کیا زمزم کا یہ بھی کوئی جرم ہے کہ وہ مسلمانوں کو بدتمیزی، بداخلاقی اور سب وشتم سے روکے؟ اس نے یہی تو کہا کہ مسلمانانِ ہند کی محبوب ترین شخصیت پر کیچڑ مت اچھالو کہ کہیں مسٹر جناح پر بھی کیچڑ نہ اچھالی جائے؟ اگر مسلمانوں کا اسلامی شرف اسے بھی برداشت نہیں کرسکتا تو انھیں اپنے آپ کو مسلمان کہنے کا کیا حق حاصل ہے؟ مسٹر جناح کو آسمان پر چڑھاؤ اور خوب چڑھاؤ، پاکستان کی تائید کرو اور خوب کرو، کانگریسی مسلمانوں پر ان کی غلطی آشکارا کرو اور ضرور کرو، لیکن ''زمزم'' تو صرف اس قدر کہنا چاہتا ہے کہ ہر معاملے میں اسلامی شرف کو ملحوظ رکھو اور جذبات کی رو میں بہہ کر پاگل مت بنو! (زمزم۔ لاہور: ۳۰ راگست ۱۹۴۵ء)

خان عبدالقیوم خاں:

۳۰ راگست ۱۹۴۵ء: عبدالقیوم خان جو سنٹرل اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر تھے، کانگریس سے دامن چھڑا کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے ہیں اور حق یہ ہے کہ ان کی شمولیت بڑے شان دار طریقے پر ہوتی ہے اور مسلم لیگ کی طرف سے بھی ان کے خیر مقدم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا گیا ہے۔ خود خان صاحب کے بیانات اور تقریروں سے بھی یہ حقیقت واضح ہے کہ وہ خود بھی مسلم لیگ میں اسی شان کے ساتھ آنا چاہتے تھے اور

شاید یہ انھیں پسند نہ تھا کہ کانگریس سے الگ ہوتے اور خدمت گزاری کے جذبے کے ساتھ لیگ میں شمولیت اختیار کرتے۔ وہ لیگ میں اس طرح آئے گویا ان کا آنا برسوں کی جانی بوجھی ہوئی پالیسی کا نتیجہ تھا اور اس طرح کانگریس پر برسے گویا مدتوں کا مواد جمع تھا جو ایک ہی نشتر سے پھوٹ پڑا۔ خیالات کی تبدیلی کوئی حیرت کی بات نہیں، البتہ تبدیلی کا انداز حیرت انگیز ضرور ہے۔ اس وقت کانگریسی تکلف کے ساتھ اس تبدیلی کی اہمیت کو کم کرنا چاہتے ہیں گویا کانگریس کو اس کی کوئی پرواہی نہیں کہ کون آتا ہے اور کون جاتا ہے۔ لیگی حضرات یہ سمجھ رہے ہیں کہ خاں صاحب کیا آگئے، مستقل پاکستان آگیا۔ لیکن ہمارے خیال میں دونوں حضرات غلطی پر ہیں، کانگریس کو بڑی احتیاط سے ان اسباب پر غور کرنا چاہیے جو خاں صاحب کے مسلک کی تبدیلی کا باعث ہوئے اور لیگ کو یہ سوچنا چاہیے کہ لیگ میں کانگریس کے ایک رکن کی شمولیت ان مسایل کا حل نہیں ہوسکتی جو اس وقت ہندوستان میں جمود و تعطل کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ ایک خاں صاحب نہیں ایک لاکھ خان صاحب بھی تبدیلی کا اعلان کرنے سے ہندوستان کو موجودہ مشکلات سے نجات نہیں دلا سکتے، نجات کی صورت صرف یہ ہے کہ ٹھنڈے دماغ کے ساتھ فریقین موجودہ تعطل کا کوئی حل نکالیں اور دیانت داری کے ساتھ اپنی پالیسی پر نظر ثانی کی زحمت گوارا کریں۔ اگر خاں صاحب نے اعتماد قایم کرنے کے لیے کانگریس کے خلاف چند نرم گرم تقریریں کر بھی دیں تو ان سے فضا تو سازگار نہ ہوگی دماغوں کی الجھنیں اور زیادہ بڑھ جائیں گی!

(زمزم۔ لاہور: ۳۰ راگست ۱۹۴۵ء)

سزا کیوں نہیں دیتے!

۳۰ راگست ۱۹۴۵ء: بنگال کے قحط کی تحقیقات کے لیے جو وڈ ہیڈ کمیشن مقرر کیا گیا تھا اس نے اس بات کی سفارش کی تھی کہ حکومت بنگال اور حکومت ہند کے ان افسروں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے جو اس قحط کے ذمے دار ہیں اور جن کی غفلت یا شرارت سے بیس لاکھ جانوں کا اتلاف ہوا۔ مگر اس سفارش کو عرصہ گزر گیا اور کسی ذمہ دار افسر کو نہ جنگی مجرم بنایا گیا اور نہ اس کے خلاف کوئی کارروائی کی گئی۔ کمیشن حکومت کا تھا کانگریس یا مسلم لیگ کا نہ تھا اور اس کی سفارش کے معنی یہ تھے کہ حکومت نے خود اپنے جرم کا اعتراف کرلیا۔

اس کے باوجود جرمنی کے جنگی مجرموں کو سزا دینے کا اعلان ہے اور گھر کے اقبالی مجرموں کو مجرم تسلیم کرنا بھی مشکل ہو رہا ہے۔

دارالعوام میں ایک ممبر نے مطالبہ کیا ہے کہ قحط بنگال کے ذمہ دار افسروں پر مقدمہ کیوں نہیں چلایا جاتا؟ شکر ہے کہ لیبر پارٹی کو اتنا تو یاد رہا کہ کمیشن نے کیا سفارش کی تھی۔ چرچل گورنمنٹ نے تو اسے ایسا دبایا کہ لوگوں کے دماغ سے اس کی یاد بھی محو ہو گئی لیکن کیا لیبر گورنمنٹ گھر کے جنگی مجرموں کا سراغ لگا کر انھیں سزا دے گی؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں! کیوں کہ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے اس کے حق میں دونوں کنسرویٹو ہیں اور کنسرویٹو گورنمنٹ وہ ہے جو اپنے مجرموں کی ہمت افزائی کرنے میں بخل سے کام نہ لے۔

(شذرہ، زمزم۔ لاہور: ۳۰؍اگست ۱۹۴۵ء)

جاپان پر امریکہ کے فیصلے کی کارروائی:

۲ ستمبر ۱۹۴۵ء کو امریکہ کے حضور جاپان نے حوالگی کے کاغذات پر دستخط کر دیے اور جاپان کو امریکیوں کی سپردگی میں دے دیا۔ برما پر اتحادیوں کا قبضہ ہو گیا، گرفتار جاپانیوں میں انڈین آرمی کے سپاہیوں کی کثرت تھی۔ (حسرت موہانی۔ ایک سیاسی ڈائری)

سبھاش بابو کی تعزیت اور یورپین ممبر!

یا تو کھڑے ہو جاؤ یا باہر نکل جاؤ۔ میئر کلکتہ!

۳؍ستمبر ۱۹۴۵ء: کلکتہ ۲۸؍اگست آج بعد دوپہر کلکتہ کارپوریشن کا خاص اجلاس بلایا گیا جس میں شری پت سبھاش چندر بوس کی موت پر اظہار افسوس کیا گیا، اور اسے سچا محب وطن قرار دیا گیا، اس کے ماتمی اعزاز میں اجلاس بغیر کسی کارروائی کے بند کر دیا گیا، اور فیصلہ کیا گیا کہ کارپوریشن کے تمام دفاتر اسکول، ورکشاپیں تین دن کے لیے یعنی سنیچر وار تک بند رہیں۔ میئر اس اجلاس میں ماتمی لباس میں شامل ہوں، تمام گروپوں اور پارٹیوں نے جن میں مسلم لیگی بھی شامل ہیں، کھڑے ہو کر ریزولیشن پاس کیا۔ میئر نے یورپین گروپ سے بھی کھڑے ہونے کے لیے کہا، یورپین گروپ کے لیڈر نے کہا ہمیں سبھاش بابو کی موت

کے متعلق یقین نہیں ہے۔

میئر نے کہا کہ میں دلائل سننا نہیں چاہتا یا تو کھڑے ہو جاؤ یا باہر نکل جاؤ۔ اس پر یورپین گروپ ماسوائے ایک یورپین ممبر کے اجلاس سے باہر چلا گیا، میئر نے اس یورپین ممبر سے جو اجلاس میں موجود تھا، دریافت کیا کہ کیا آپ میئر کے حکم کی تعمیل میں کھڑے نہیں ہوں گے؟ اس نے جواب دیا کہ ہمیں ایک ایسے ممبر کے ماتمی اعزاز میں کھڑے ہونے کے لیے کہا گیا ہے جس کی موت کا ہمیں یقین نہیں ہے۔

میئر: میں پھر کہتا ہوں کہ میں دلائل سننا نہیں چاہتا، اس لیے یا تو میرے حکم کی تعمیل میں کھڑے ہو جاؤ یا باہر نکل جاؤ۔

یورپین ممبر: اگر آپ کا یہ حکم ہے تو کھڑا ہو جاتا ہوں، چناں چہ وہ اس پر کھڑا ہو گیا، اور سارے ہاؤس نے کھڑے ہو کر اس ریزولیشن کو پاس کیا۔ ریزولیشن حسب ذیل ہے:

''کلکتہ کارپوریشن سبھاش بوس کی مبینہ موت پر گہرے رنج والم کا اظہار کرتی ہے، جو کہ نہایت ہی افسوسناک حالات میں ہوئی ہے۔ کارپوریشن سبھاش چندر بوس سابق میئر کلکتہ و سابق پریذیڈنٹ انڈین نیشنل کانگریس جو کہ ایک سچے محب الوطن تھے، کی طرف سے ان کے خاندان سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتی ہے''۔

(زمزم۔ لاہور: ۳؍ ستمبر ۱۹۴۵ء)

حق خود ارادیت، پاکستان اور مولانا آزاد:

۵؍ ستمبر ۱۹۴۵ء: لکھنؤ ۲۳؍ اگست، آل انڈیا مہاسبھا کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر راجہ مہیشور دیال سیٹھ نے صدر کانگریس مولانا ابوالکلام آزاد کے تازہ بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''سب مسلمان خواہ وہ نیشنلسٹ ہوں یا مسلم لیگر سب پاکستان کے حامی ہیں، مولانا ابوالکلام آزاد کے تازہ بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی پاکستانی ہیں۔'' انھوں نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ نیشنلسٹ مسلمانوں اور مسلم لیگروں میں زیادہ فرق نہیں اور یہی وہ زبردست مشکل ہے کہ جو مسلم لیگ کے خلاف مسلمانوں کا محاذ قایم کرنے کے سلسلے میں پیش آ رہی ہے''۔ راجہ صاحب نے یہ بھی کہا کہ حال میں ہی پنڈت جواہر لال نہرو نے کشمیر میں اکھنڈ ہندوستان کا ذکر کیا تھا، چناں چہ مولانا آزاد نے فوراً ایک بیان دیا جو انتہائی

پریشان کن ہے اگرچہ وہ کہتے ہیں کہ وہ پاکستان کے حامی نہیں، مگر اس کے باوجود پاکستان تسلیم کرنے کو تیار ہیں، عوام یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کانگریس کی پالیسی مرتب کرنے کا حق مسٹر آزاد کو ہے یہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو؟ کانگریس پاکستان کے سوال کو جس قدر جلد طے کردے گی اتنا ہی وہ ہندوؤں کے لیے مفید ہوگا کیوں کہ اس وقت انھیں یہ قطعی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ وہ کہاں کھڑے ہیں۔

حق خود ارادیت:

مسلمانوں کے مطالبۂ حق خود ارادیت پر تبصرہ کرتے ہوئے راجہ مہیشور دیال نے کہا کہ ملک کے کسی خاص حصے کو نہیں بلکہ ملک کے پورے حصے کو حق خود ارادیت دیا جا سکتا ہے، ہندوستان میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں صرف مسلمان آباد ہوں۔ اگر ایک اقلیت کو حق خود ارادیت دیا جاتا ہے تو دوسری اقلیتوں کو مثلاً سکھوں کو یہ حق دیا جائے گا یا نہیں؟ کیا مولانا آزاد سکھوں کو سکھستان بنانے کی اجازت دینے پر تیار ہیں؟ راجہ صاحب نے اپنے بیان کو ختم کرتے ہوئے کہا کہ ''ایسے زمانے میں جب کہ دنیا کے ممالک اتحاد کی طرف بڑھ رہے ہیں تو ہمارے ملک کو تقسیم کیوں کیا جائے''۔ (مدینہ: ۵ر ستمبر ۱۹۴۵ء، ص ۱)

حق خود ارادیت، مولانا آزاد کی تصریح!

۵ر ستمبر ۱۹۴۵ء: سری نگر ۵ر ستمبر، جب مولانا آزاد کی توجہ حق خود اختیاری کے متعلق اپنے تازہ بیان کی طرف دلائی گئی تو آپ نے کہا: ''میں کانگریس ریزولیشن اور اپنے پہلے بیان پر غور کرنے کے بعد یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے خاص رقبے کے باشندوں کو حق خود اختیاری دینے کا ذکر کیا تھا، مثال کے طور پر اگر کسی رقبے میں مسلم اکثریت ہو تو ان کا فیصلہ قطعی ہوگا''۔ (زمزم۔ لاہور: ۷ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

مولانا آزاد کا مکتوب:

۵ر ستمبر ۱۹۴۵ء: لاہور: ۵ر ستمبر، مولانا ابوالکلام آزاد صدر انڈین نیشنل کانگریس نے جو اس وقت کشمیر میں ہیں، پنجاب پراونشل کانگریس آفس کو ایک چٹھی کے ذریعے مطلع کیا

ہے کہ بمبئی میں ۲۱ر ستمبر کو جو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی میٹنگ ہو رہی ہے، اس کے ختم ہونے کے بعد میں لاہور آؤں گا۔ (زمزم۔لاہور: ۷ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

جنگ عظیم اور ہلاک شدگان:

۵ر ستمبر ۱۹۴۵ء: ۵ر ستمبر ۱۹۴۵ء کو واشنگٹن سے ایک اعلان میں کہا گیا کہ اس جنگ میں تقریباً ۵ر کروڑ انسان کام آئے ہیں، روس کے دو کروڑ دس لاکھ، پولینڈ فوجی شہری ۶۶ر لاکھ، چین تیس لاکھ، جاپان ستائیس لاکھ، امریکہ گیارہ لاکھ، برطانیہ سوا چھ لاکھ، فرانس دس لاکھ یوگوسلاویہ سولہ لاکھ اسی ہزار، آسٹریلیا سات لاکھ، ہنگری چھ لاکھ، رومانیہ سات ۱۱ لاکھ، یونان سات لاکھ، ہالینڈ پونے تین لاکھ، فن لینڈ دو لاکھ، بلیجیم ساٹھ لاکھ، زیکوسلواکیہ آٹھ ہزار، فلپائن تیس ہزار، متفرق غلام بلاک ساڑھے تین لاکھ، کل میزان پانچ کروڑ سینتیس لاکھ ۴۳ ہزار ۱۶۶ ہے۔ اس کے علاوہ گمشدہ قیدی ہیں، ہندوستان کا حصہ اس میں ایک لاکھ ۹۷ ہزار نو سو پینسٹھ ہے۔ (روزنامہ تیج: ۸ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

قوم پرور مسلمان اور چندریگر:

۶ر ستمبر ۱۹۴۵ء: ۶ر ستمبر ۱۹۴۵ء کو بمبئی میں مسلم لیگ کے لفاظ و چرب زبان چندریگر نے قوم پرور مسلم جماعتوں کو کانگریس کے اشاروں پر ناچنے والی طوائفوں سے تعبیر کیا ہے۔

(مولانا آزاد۔ایک سیاسی ڈائری، ص ۳۷۲)

قوم پرور مسلم جماعتوں کا اجتماع،

جنرل انتخابات کے معاملے پر بحث ہوگی!

۷ر ستمبر ۱۹۴۵ء: نئی دہلی ۴ر ستمبر، جمعیت العلماء ہند کی آل انڈیا کمیٹی کا اہم اجلاس ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹ر ستمبر کو یہاں بلایا گیا ہے، اس میں جنرل انتخابات کا معاملہ زیر بحث آئے گا، معاملہ کی اہمیت کے پیش نظر ملک بھر کی تمام وطن پرست غیر مسلم لیگی مسلم جماعتوں کے نمائندوں کو اجلاس میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے، مجلس احرار، مومن کانفرنس، آل انڈیا

مجلس، کرشک پرجا پارٹی، انڈی پینڈنٹ مسلم پارٹی بہار، خدائی خدمت گار، انجمن وطن بلوچستان، مسلم نیشلنسٹ پارٹی سندھ اور کئی دیگر سرکردہ آزاد مسلم لیڈروں کو بھی مدعو کیا گیا۔

مولانا مدنی کی مسلمانانِ ہند سے اپیل:

لاہور: ۵ر ستمبر سلہٹ سے حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کا برقیہ ایڈیٹر زمزم کو موصول ہوا ہے جس میں آپ نے مسلمانان ہند کے نام مصرحہ تحت اپیل ارسال فرمائی ہے:

''مدینہ منورہ مسلمانوں کا مرکز ہے، وہاں صرف ایک عظیم الشان مدرسہ ہے جو اسلامی تعلیم دینے میں مسلمانانِ عالم کی بڑی خدمت کر رہا ہے، سیکڑوں تشنگان علم وعرفان اس چشمۂ فیض سے اپنی علمی پیاس بجھا چکے ہیں۔ گذشتہ چند سالوں سے مدرسے کی حالت بڑی پتلی ہو چکی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ زائرین کی بڑی تھوڑی تعداد جنگ کی وجہ سے مدینہ منورہ جاتی ہے۔ یہ مدرسہ ہر لحاظ سے مالی امداد کا مستحق ہے، فیاض مسلمانوں کو اس کی گری ہوئی حالت کو سدھارنے کی کوشش کرنی چاہیے، تاکہ یہ چشمہ علم وعرفان جاری رہ سکے۔ مدرسے کی عمارت بھی بالکل معمولی سی ہے، اس کی بھی توسیع کی ضرورت ہے، گذشتہ چند برسوں میں اقتصادی بدحالی کا اثر اس مکتب پر اس قدر پڑا ہے کہ طلبہ کی تعداد بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس مکتب کی پوری مالی امداد کی جائے، حساس اور فیاض مسلمانوں کو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایثار کرنا چاہیے، اور اپنی ہمت کے مطابق مدرسے کی امداد کرنی چاہیے، چندہ حضرت شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور کے ذریعے بھیجا جائے گا۔ (زمزم: ۷ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

جاپان نے شکست تسلیم کر لی، ہتھیار ڈالنے کی شرائط:

ٹوکیو ۳ر ستمبر، حکومت جاپان کے نمائندوں نے کل صبح شکست نامہ پر دستخط کر دیے، شرائط صلح پر دستخط کے وقت اتحادی نمائندے بھی موجود تھے، ساری رسم امریکن جنگی جہاز مسوری میں ادا کی گئی، جاپانی وقت کے مطابق اس وقت صبح کے ساڑھے دس بجے تھے، اور امریکن وقت کے مطابق آٹھ بج کر آٹھ منٹ تھے، صلح کی شرایط مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ ہم شاہ جاپان کے حکم اور اس کے اختیار سے نیز جاپان کی حکومت و جاپانی

امپیریلسٹ ہیڈکوارٹر کی طرف سے ان شرائط کو تسلیم کرتے ہیں جو کہ پوٹسڈم کانفرنس کے وقت حکومت امریکہ، برطانیہ و چین کی طرف سے اعلان میں درج تھیں، اور جن پر بعد ازاں حکومت روس نے بھی مہر تصدیق ثبت کردی۔ ۲۶ر جولائی کا یہ پوٹسڈم اعلان اتحادی حکومتوں کی طرف سے ہے اور ان اتحادی اقوام میں امریکہ، برطانیہ، چین و روس شامل ہیں، آیندہ اتحادی اقوام سے یہی اقوام مراد لی جائیں گی۔

۲۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ حکومت جاپان نے غیر مشروط طور پر اتحادی طاقتوں کے سامنے شکست کا اعتراف کرلیا ہے۔

۳۔ تمام جاپانی فوجوں، جاپانی عوام کو جہاں کہیں بھی وہ فوجیں ہیں حکم دیا جاتا ہے کہ فوراً جنگی سرگرمیاں بند کردیں، تمام جہاز ہوائی جہاز، فوجی و سول جائیداد محفوظ رکھیں۔

۴۔ ہم جاپانی امپیریل جنرل ہیڈکوارٹر کو حکم دیتے ہیں کہ تمام جاپانی کمانڈروں کو فوراً ہدایت بھیجی جائے وہ جنگی سرگرمیاں فوراً بند کردیں، غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیں۔

۵۔ تمام سول، فوجی و بحری افسران اتحادی سپریم کمانڈر کے احکام کو قبول کریں، ان پر عمل کریں۔

۶۔ ہم جاپانی حکومت یا اس کی جگہ پر جو حکومت کام کرے گی، کی طرف سے پوٹسڈم اعلان کی شرایط کو پورا کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں۔

۷۔ ہم جاپانی امپیریل ہیڈکوارٹر جاپانی حکومت کو حکم دیتے ہیں کہ تمام اتحادی جنگی قیدیوں سول نظر بندوں کو ایک دم رہا کردیا جائے۔

۸۔ شاہ جاپان و جاپانی حکومت کے اختیارات اتحادی سپریم کمانڈر کے ماتحت ہوں گے، اور اتحادی سپریم کمانڈر شرایط صلح پر عمل کے لیے جو احکام جاری کرے گا اس کی پابندی حکومت جاپان پر لازمی ہوگی۔ (زمزم: ۷ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

جاپانی ہتھیار ڈال رہے ہیں؟ مشرق بعید کی صورت حالات:

لندن، ۳ر ستمبر مشرق بعید کی صورتِ حالات کے متعلق تازہ ترین اطلاعات سے ظاہر ہوتا ہے جنوب مشرقی ایشین کمان کے ہیڈکوارٹر مقیم لنکا میں سیام کے فوجی مشن اور جنوب مشرقی ایشین کمان کے نمایندوں میں ان جاپانی فوجوں کے ہتھیار ڈالنے کے متعلق گفت و

شنید ہو رہی ہے، جو سیام میں ہیں۔ چین میں مقیم جاپانی فوجیں آیندہ جمعرات کو مارشل چیانگ کائی شیک کی فوجوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں گی، نیوگنی، نیو انگلینڈ اور جزایر سلیمان میں ۸۶۰۰۰ کے قریب جاپانی فوجی چند روز تک آسٹریلین فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دے گی۔ مانچوریا اور سکھالین کی جاپانی فوجیں روسیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں گی۔ (زمزم۔لاہور: ۷؍ستمبر ۱۹۴۵ء)

پاکستان کا نظام حکومت۔صدر مسلم لیگ کا بیان:

۹؍ستمبر ۱۹۴۵ء: انگریزی روزنامہ ڈان، دہلی جو مسلم لیگ کا ترجمان ہے، آج کی اشاعت میں اس نے لکھا ہے:

> مسٹر جناح نے پاکستان کو دنیاوی اسٹیٹ قرار دیا ہے اور ہمیشہ اس بات کی مخالفت کی ہے کہ پاکستان میں حکومت الٰہیہ قایم ہوگی۔وہ لوگ پاکستان کو پان اسلامزم (اتحاد اسلامی) کا مرادف قرار دیتے ہیں، وہ اتحاد کے دشمن ہیں"۔
>
> (پاکستان کی حقیقت: از محمد ابرار احمد صدیقی سیوہاروی، ص ۲۲)

انتخابات کا اعلان اور جمعیت علماے ہند کی مجلس مشاورت:

دہلی، ۶؍ستمبر، حکومت ہند کی جانب سے مرکزی اور صوبائی مجالس قانون ساز کے جدید انتخابات کا اعلان ہو چکا ہے اور ملکی سیاسی مجالس نے اس سلسلے میں کام شروع کر دیا ہے۔

جمعیت علماے ہند ضروری سمجھتی ہے کہ جلد سے جلد اس سلسلے میں جماعتی فیصلے کا اعلان کر دے۔لہٰذا مجلس عاملہ (ورکنگ کمیٹی) اور جمعیت مرکزیہ (کونسل آل انڈیا جمعیت علما) کے اجلاس بالترتیب ۱۶، ۱۷؍ستمبر اور ۱۸، ۱۹؍ستمبر ۱۹۴۵ء کو دہلی میں ہونے قرار پائے ہیں، تاکہ قطعی فیصلہ کیا جا سکے کہ جمعیت علماے ہند کو اس مسئلے میں ملی اور ملکی مفاد کے پیش نظر کونسی راہ اختیار کرنی چاہیے، جمعیت علماے ہند نے معاملہ کی اہمیت کا لحاظ کرتے ہوئے آزادی پسند جماعتوں مثلاً آل انڈیا مسلم مجلس، آل انڈیا مجلس احرار اسلام، آل انڈیا مومن

کانفرنس، کرشک پرجا پارٹی بنگال، انڈی پنڈنٹ پارٹی بہار، خدائی خدمت گار سرحد، انجمن وطن بلوچستان، مسلم نیشنلسٹ پارٹی سندھ وغیرہ اور بعض آزاد خیال مسلم زعمائے ملک کو بھی مجلس عاملہ کے اجلاس میں شرکت کی دعوت دی ہے، دعوت نامے جاری کردیے گئے ہیں، ارکان مجلس عاملہ اور جلسۂ مجلس عاملہ کے دیگر مدعوین سے درخوست کی گئی ہے کہ وہ ۱۶؍ستمبر کی صبح کو ۹ بجے سے پہلے دہلی تشریف لے آئیں اور ارکان جمعیت مرکزیہ ۱۸؍ستمبر کی صبح کو ۹ بجے سے پہلے دہلی پہنچیں۔

جمعیت علمائے صوبہ دہلی کی جانب سے مجلس استقبالیہ بن رہی ہے جو مہمانوں کے قیام وطعام کا انتظام کرے گی۔ (محمد وحیدالدین قاسمی، دفتر جمعیت علمائے ہند دہلی) (مدینہ، ۹؍ستمبر ۱۹۴۵ء)

جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں آزاد مسلم جماعتوں اور زعما کو شرکت کی دعوت۔ (مدینہ، بجنور: ۹؍ستمبر ۱۹۴۵)

مدرسہ علوم شرعیہ کے لیے مولانا مدنی کی اپیل:

۹؍ستمبر ۱۹۴۵ء: ہمیں ۱۴؍اگست کو شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کا ایک برقی پیغام مدینہ منورہ کے مدرسہ شرعیہ کی امداد کے سلسلے میں وصول ہوا ہے، اللہ، اللہ یہ رمضان کا مہینہ، یہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان اور یہ ان کی سخاوت کا فیضان عام کہ کوئی مدرسہ کوئی دار العلوم، کوئی جامعہ، کوئی یونیورسٹی، کوئی مسجد، کوئی خانقاہ محروم نہیں، ایک مدینہ الرسول ﷺ ہے اور اس کا مدرسہ کہ جسے ہندوستان کے مسلمانوں کی فیاضیوں، صدقات خیرات اور سرمایۂ زکوٰۃ کا کوئی حصہ نہیں پہنچا۔

مرحوم انور پاشا نے مدینہ یونیورسٹی قایم کرنے کی تجویز سوچی، یونیورسٹی کی بنیاد رکھ دی گئی، مگر شریفی انقلاب نے ان بنیادوں کو اکھاڑ پھینکا، اب مدینہ منورہ کا ایک مدرسۂ شرعیہ ہے جسے دنیا بھر کے مسلمان زندہ نہیں رکھ سکتے۔

مدرسۃ الشرعیہ وہ مدرسہ ہے جس نے حجاز میں فلسطین، شام اور مراکش میں علم کی روشنی پھیلائی ہے، جس نے سبز گنبد کے قریب علم کی تجلیوں کو پھیلایا ہے، زمانہ گرانی کا ہے آٹھ سو طالب علم، یتیم محتاج، مساکین تعلیم پاتے ہیں، طلبہ کی تمام ضرورتیں پوری کی جاتی

ہیں، چوں کہ حاجیوں کی کمی ہے، اس لیے امداد کی کمی ہے، مدرسہ کی زندگی خطرے میں اور علما تنگ دستی میں مبتلا ہیں، کیا آقائے مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح بےچین نہ ہوگی، مسلمان سوچیں مقام کیسا ہے اور وہاں خیرات کرنے کا کتنا ثواب ہے؟

تمام رقوم مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ مظاہر العلوم سہارن پور، یوپی، یا مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب گوئن روڈ لکھنؤ کے نام بھیجی جائیں، اعتماد کے ساتھ پہنچ جائیں گی۔ (مدینہ: ۹ر ستمبر ۱۹۴۵ء، ص ۶)

جمعیت کا بلڈنگ فنڈ اور حضرت مدنی کی تقریر:

۱۲ر ستمبر ۱۹۴۵ء: سہلٹ (آسام) ۱۲ر ستمبر مولانا حسین احمد صدر آل انڈیا جمعیت علمائے ہند نے یہاں مقامی مسلمانوں کی ایک میٹنگ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ کانگریس ہندوستان کے دوسرے فرقوں کی نمایندگی کی طرح ہندوستانی مسلمانوں کی نمایندگی کرنے کا دعویٰ کرسکتی ہے۔ کانگریس صرف ہندوؤں کی جماعت نہیں اس کے برعکس کانگریس ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں اور ہندوستان کے ہر دوسرے فرقہ کی نمایندہ جماعت ہے۔

مولانا صاحب نے مزید کہا کہ پاکستان کے ذریعے اس کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا کہ ہندوستان پر غیر ملکی حکومت مضبوط ہوجائے۔ مولانا صاحب کی ایک ٹارچ اور ایک چھڑی بالترتیب تین سو روپیہ اور ایک ہزار روپیہ میں نیلام ہوئی، یہ روپیہ جمعیت العلماء بلڈنگ فنڈ میں جمع ہوگا۔ (زمزم۔لاہور: ۱۵ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

لارڈ ویول کی ہندوستان واپسی:

لندن، ۱۲ر ستمبر، رائٹر کا ایک تاز مظہر ہے کہ موجودہ انتظامات کے ماتحت لارڈ ویول کل یا جمعہ کے روز لندن سے دہلی روانہ ہوں گے تو اور آپ اتوار کو ہندوستان پہنچ جائیں گے، اگر ممکن ہوا تو لارڈ ویول کل ہی لندن سے روانہ ہوجائیں گے۔

لندن کے حلقوں کا خیال ہے کہ لارڈ ویول ہندوستان پہنچتے ہی اگزیکٹو کونسل کا ایک اجلاس منعقد کریں گے اور اس کے بعد ایک بیان جاری کریں گے، مسٹر اٹیلی وزیر اعظم برطانیہ نے ٹریڈ یونین کانگریس میں ہندوستان کے متعلق ایک تقریر کرتے ہوئے کہا کہ

برطانوی گورنمنٹ ہندوستان کی آزادی کے سوال پر زیادہ سے زیادہ توجہ دے رہی ہے۔
(زمزم۔لاہور: ۱۵ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

انتخاب سے پہلے قومی حکومت کا قیام، پنڈت نہرو کا خط:

لندن، ۱۲ر ستمبر پنڈت جواہر لال نہرو نے پنڈت کرشنا مینن کو لندن میں تار بھیجا ہے جس میں بیان کیا ہے کہ ہندوستان کی موجودہ حالت نہایت غیر تسلی بخش ہے۔ موجودہ حکومت نا اہل ہے نیز رشوت ستانی کا سخت زور ہے ایگزیکٹو کو ملکی مفاد میں کوئی دلچسپی نہیں، بہت سے مقامات پر پبلک میٹنگوں پر پابندی ہے، فہرست ووٹران نا مکمل ہے اور ان میں کوئی تبدیلی کرنے کی اجازت نہیں، کانگریسی ابھی تک جیلوں میں بند ہیں، انتخابات سے پہلے قومی حکومت کا قیام لازمی ہے تاکہ عوام کی خوراک و صحت کے مسئلے کو حل کیا جائے۔
(زمزم۔لاہور: ۱۵ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

کانگریس ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ:

۱۳ر ستمبر ۱۹۴۵ء: پونا، کل سوا تین بجے بعد ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ منعقد ہوئی جو ۷ بج کر ۵ منٹ پر ختم ہوئی۔ آج کی میٹنگ میں ملک کی سیاسی اور اقتصادی صورت حال پر غور و خوض ہوا، مولانا آزاد نے کمیٹی کے روبرو اپنی اور لارڈ ویول کی وہ خط و کتابت رکھی جو ۱۶ر جولائی اور ۲۴ر اگست کے درمیان ہوئی تھی، یہ خط و کتابت زیادہ تر سیاسی قیدیوں کی رہائی، کانگریس پر سے پابندیاں دور کرنے اور ہر بالغ کو ووٹ دینے کے مطالبات کے متعلق تھی۔
ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ آج صبح ۸½ بجے منعقد ہوگی آج گاندھی جی میٹنگ میں شامل نہ ہوں گے۔ مسٹر راج گوپال آچاریہ اور مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی جو ورکنگ کمیٹی کے ممبر نہیں خاص دعوت پر آج کی میٹنگ میں شرکت کریں گے۔ اسی طرح مسٹر گوپی ناتھ باردولائی لیڈر آسام کانگریس اسمبلی پارٹی بھی خاص دعوت پر شرکت کریں گے۔
آج کانگریس لیڈروں کے درمیان علیحدہ علیحدہ ملاقاتیں بھی ہوئیں، پہلے مسٹر راج گوپال اور پنڈت نہرو کے درمیان بات چیت ہوئی اور پھر دونوں نے گاندھی جی سے ملاقات کی۔ شام کو مسٹر راج گوپال آچاریہ، مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی سے ملے۔ میٹنگ گاندھی

جی کی کٹیا کے سامنے ایک خیمہ میں منعقد ہو رہی ہیں۔

معلوم ہوا ہے کانگریس پر حکومت کی پابندیوں اور رکاوٹوں کے باعث کانگریس آزادی کے ساتھ انتخابات نہ لڑ سکے گی، اس لیے شاید وہ انتخابات میں حصہ نہ لے لیکن اس ضمن میں ابھی تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا گیا۔ بنگال میں پھر سے قحط کے خطرے پر بھی غور کیا جائے گا۔ (زمزم۔لاہور: ۱۵/ستمبر ۱۹۴۵ء)

مجلس احرار کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس:

۱۵/ستمبر ۱۹۴۵ء کو مجلس احرار ہند کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس زیر صدارت شیخ حسام الدین لاہور میں منعقد ہوا جس میں ملکی معاملات پر غور کرنے کے لیے دو اجلاس ہوئے۔ پہلے اجلاس میں حالات پر بحث رہی اور دوسرے اجلاس میں نئے انتخاب کے لیے امیدواروں کی درخواستوں پر غور کیا گیا، نیز فیصلہ کیا گیا کہ پنجاب سے باہر تمام صوبوں کی مجالس کو اختیار دیا جائے کہ اپنی صوابدید پر اپنے اپنے نمایندے صوبائی اور مرکزی اسمبلی کے لیے منتخب کریں البتہ احتیاط رہے کہ حسب ذیل جماعتوں کے نمایندوں سے ٹکراؤ نہ ہو، جن میں جمعیت علمائے ہند، خاکسار اور اسی طرح کی دوسری آزادی پسند جماعتیں شامل ہیں، اس اجلاس میں چند قراردادیں بھی پاس ہوئیں، جن میں سب سے اہم قرارداد میں آزاد ہند فوج کے آفیسروں اور سپاہیوں پر مقدمہ چلانے کی برطانوی روش کی مذمت کی گئی۔

اسی رات دہلی دروازے کے باغ میں مجلس احرار نے اپنی انتخابی مہم کا آغاز کرتے ہوئے عظیم اجتماع میں اپنے صرف پنجاب کے لیے امیدواروں کا اعلان کیا۔ اس سے پہلے مولانا مظہر علی اظہر جنرل سیکرٹری مجلس احرار نے انتخابی مہم کے آغاز پر حسب ذیل تقریر کی:

مولانا مظہر علی اظہر نے خطبۂ مسنونہ کے بعد کہا کہ آج ہم لوگ آپ کے سامنے اپنے انتخابی مہم کا آغاز کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ حال ہی میں انگلستان میں انتخابات کی جنگ ہو چکی ہیں، جس میں ہر ایک جماعت نے اپنی اپنی پالیسی کے تحت اعلان کیا کہ وہ برطانیہ عظمیٰ کے لیے اپنے طے کردہ راستے بہتر سمجھتی ہے۔ چنانچہ انگریز قوم نے مسٹر چرچل کی جماعت کو خاص شکست دی اور ان کی جگہ میجر اٹیلی نے وزارت عظمیٰ بنائی۔ یہ اس زمانہ میں ہوا جب کہ ابھی جاپان کی جنگ جیتنا باقی تھی۔

لیکن آج ہندوستان میں مسلم لیگ، جس کے اجارہ داروں نے کبھی مسلمانوں کی عملی زندگی میں کوئی خدمت نہیں کی، اپنے سوا کسی کو زندہ رہنے کا حق دینے کے لیے تیار نہیں۔

قاید اعظم فرماتے ہیں کہ عام انتخابات میں ہمارے سامنے دو سوال ہیں۔

۱۔ پاکستان کا حصول۔

۲۔ اور مسلم لیگ کی واحد نمایندگی کا اثبات۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے مسٹر جناح آج تک بتا نہیں سکے کہ وہ پاکستان کس طرح حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ان کے ذہن میں پاکستان کا کوئی واضح نقشہ بھی موجود ہے یا نہیں؟ اگر ان کا مقصد پاکستان حاصل کرنا ہے تو وہ تمام عناصر جو پاکستان سے متفق ہیں جنہیں مسٹر جناح مسلم لیگ سے الگ کر چکے ہیں۔

پاکستانی قرارداد (۱۹۴۰ء) کے محرک مولوی فضل الحق سابق وزیر اعظم بنگال مسلم لیگ سے کیوں الگ کیے گئے، کیا انہیں پاکستان کے اصول اور حصول سے اختلاف تھا۔

لاہور کے بعض نام نہاد اسلامی اخبار اور لیگی لیڈر اور لاہور کی بعض مساجد کے امام لیگ کی لادینی سیاست کے نقیب ہیں اور اعلانیہ فتوے دیے جاتے ہیں کہ ابوالکلام یزید سے اور مسٹر جناح حسین، کیا ان فتوے بازوں کو علم نہیں کہ وہ اس قسم کے اعلانات سے خود اسلام کی توہین کے مرتکب ہوتے ہیں۔

مجھے کہا جاتا ہے کہ میں نے ملک خضر حیات سے پچیس ہزار روپے لے لیا ہے، ہماری زندگیاں تو آپ کے سامنے ہیں، اور اگر ہم بکنے والے ہیں تو مسلم لیگ اور اس کے امرا ہمیں کیوں نہیں خرید لیتے، مسلم لیگ کے حواریوں نے دوسروں پر افترا باندھنے کے ساتھ ساتھ ان کے جلسوں کو خراب کرنا اپنا وطیرہ بنالیا ہے اور پھر ہمیں خضر حیات کا اجیر بتا کر اپنے ایمان کو روسیاہ کیا جاتا ہے، اگر مسلم لیگ واقعی ایسا سمجھتی ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ مظہر علی اور خضر حیات کی شرافت ہے کہ تمہارے جلسے امن وامان سے ہو جاتے ہیں۔ ہم چاہیں تو صوبہ بھر میں مسلم لیگ کی زندگی اجیرن ہو سکتی ہے اور ابوالکلام پر جوتیوں کی بارش کرنے والے اپنا حشر بھی دیکھ سکتے ہیں۔

لیاقت ڈیسائی معاہدہ، ڈیسائی کا بیان:

پونا، ۱۶ر ستمبر، نواب زادہ لیاقت علی خاں نے مسٹر ڈیسائی کے ساتھ اپنے معاہدے کے متعلق جو بیان شایع کیا ہے، اس کے متعلق ایک انٹرویو کے دوران میں مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے کہا کہ جب ۲۸ر جولائی کو گاندھی جی نے کہا کہ معاہدہ کی دستاویز شایع ہو جانی چاہئیں تو میں نے نواب زادہ صاحب سے اس کی اشاعت کے لیے عرض کی۔ اس وقت تو انھوں نے انکار کر دیا اور اب مجھ سے پوچھے بغیر خود ہی اسے شایع کر دیا ہے، اس کے ساتھ انھوں نے جو بیان شایع کیا ہے وہ گمراہ کن ہے، معلوم نہیں گزشتہ چند ماہ میں وہ اس معاہدے کے وجود سے نہایت تکلف کے ساتھ کیوں انکار کرتے رہے ہیں، میں اس لیے چپکا رہا کہ کہیں ہمارے موجودہ مسایل کا جلد ہی حل نکل آئے تو اچھا ہے۔

میں نے نواب زادہ صاحب سے عرض کیا کہ آپ مسٹر جناح کو ان تجاویز سے مطلع کریں۔ چناں چہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ ادھر میں نے گاندھی جی کے سامنے ان کا خلاصہ رکھ دیا ہے، جسے انھوں نے بنظر پسندیدگی دیکھا اس معاہدے کا آخری پارہ یہ ہے:

مذکورہ بالا مفاہمت کی بنا پر کوئی راستہ دریافت کیا جائے کہ گورنر جنرل تجویز کریں کہ وہ مرکز میں کانگریس اور لیگ کے سمجھوتے کی بنا پر حکومت بنائیں جب گورنر جنرل صاحب مسٹر جناح اور مسٹر ڈیسائی کو بلائیں تو مذکور بالا تجویزات پیش کی جائیں گی، اور خواہش یہ ہوگی کہ ہم حکومت بنانے کو تیار ہیں"۔

اقتباس بالا سے ظاہر ہے کہ نواب زادہ صاحب نے مسٹر جناح سے ضرور گفتگو کی ہوگی ورنہ مذکورہ بالا بات معاہدے میں کس طرح آسکتی تھی؟

میں نے یہ باتیں اس لیے ظاہر کی ہیں کہ عوام کے دلوں میں کوئی غلط فہمی پیدا ہوگئی ہو تو وہ دور ہو جائے۔ (زمزم۔ لاہور: ۱۹ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

کانگریس کی آیندہ صدارت اور مولانا آزاد:

پونا۔ ۱۶ر ستمبر۔ یونائیٹڈ پریس کے نمایندے نے صدر کانگریس سے برطانیہ کے

موجودہ سیاسی حالات پر تبادلۂ خیالات کیا۔

اس سوال کے جواب میں کہ کیا آپ دوبارہ صدارت کا عہدہ قبول کریں گے، مولانا آزاد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، میں پانچ سال سے کانگریس کا صدر چلا آرہا ہوں لیکن تم یہ خیال نہ کرو میں اپنے علیحدہ ہونے کے لیے کچھ کہوں گا۔

(زمزم۔لاہور:۱۹ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

مولانا منیر الزماں کی رہائی اور ان کا بیان:

مدینہ، ۱۶ر ستمبر، منیر الزماں اسلام آبادی ڈپٹی لیڈر کرشک پر جا پارٹی کو جو نظر بندی کے دوران میں لاہور میو ہسپتال میں زیر علاج تھے، آج شام رہا کر دیا گیا ہے، آپ نے صدر کانگریس کو ایک تار ارسال کیا ہے کہ آیندہ انتخابات میں لیگ کو پچھاڑنے کے لیے قوم پرست مسلمانوں کی امداد کی جائے۔

(زمزم۔لاہور:۱۹ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

ڈاکٹر محمود کا استعفیٰ:

پونا ۱۶ر ستمبر، ڈاکٹر سید محمود کا استعفیٰ جو ۱۰ر ستمبر ۱۹۴۵ء کو عاملہ کانگریس کے سامنے پیش ہوا تھا، منظور کر لیا گیا ہے۔

(زمزم۔لاہور:۱۹ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

عبدالمجید خواجہ کا گورنر جنرل کے نام تار:

نئی دہلی، ۱۶ر ستمبر۔ مسٹر خواجہ صدر آل انڈیا مسلم مجلس نے لارڈ ویول کو ایک تار میں لکھا ہے کہ موجودہ فہرستوں پر انتخابات کرانا ٹھیک نہیں ہے اور انتخابات سے پہلے برطانیہ کو پہلے اس امر کا اعلان کر دینا چاہیے کہ وہ ہندوستان کو کیا دیتا ہے اور ساتھ ہی انتخابات سے پہلے تمام پابندیوں کو دور کر دیا جائے، اور نئی فہرست مرتب کی جائے۔

(زمزم۔لاہور:۱۹ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

مجلس عاملہ جمعیت علمائے ہند کا اجلاس:

دہلی، ۱۶ر ستمبر۔ ساڑھے دس بجے سے مجلس عاملہ جمعیت علمائے ہند کا اجلاس شروع

ہوا، جس میں حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا احمد سعید صاحب، مولانا سید گل بادشاہ صاحب مرحوم، مولانا عبدالصمد صاحب، مولانا منت اللہ صاحب، (بہار)، مولانا عبدالحلیم صاحب دہلوی، مولانا سید محمد شاہد صاحب فاخری (الہ آباد)، مولانا بشیر احمد صاحب، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا محمد میاں صاحب نے شرکت کی۔

چوں کہ صاحب صدر اس وقت تک تشریف نہ لا سکے تھے، لہٰذا حضرت مولانا احمد سعید صاحب نائب صدر کی زیر صدارت اجلاس شروع ہوا، سب سے پہلے ڈاکٹر ای کو بہم پر یوایل ایل ڈی کی کتاب ''ایڈریس اینڈ بک'' کے متعلق ایک تجویز پاش ہوئی کہ اس کے مضامین غلط اور اسلام و پیغمبر اسلام اور ان کے مقدس خاندان کے حق میں توہین آمیز ہیں، بالخصوص صفحہ ۱۲۴ کا وہ فقرہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا تذکرہ انتہا درجہ غلط، توہین آمیز، اشتعال انگیز اور ناقابل برداشت ہے۔ لہذا اس تجویز میں حکومت ہند سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اس کتاب کو ضبط کرے۔

اس کے بعد موجودہ سیاسی حالات اور اسمبلیوں کے الیکشن کے متعلق تقریباً تین گھنٹے بحث ہوتی رہی اور دوسرے وقت کے لیے اجلاس ملتوی کر دیا گیا۔

اراکین عاملہ کے علاوہ مسٹر ہلال احمد زبیری، سید محمد جعفری، رفیع احمد صاحب، قدوائی، ڈاکٹر شوکت اللہ صاحب انصاری، مولوی عبدالسلام صاحب مرادآبادی، عبدالمجید صاحب خواجہ، شیخ ظہیرالدین صاحب آل انڈیا مومن کانفرنس نے بھی اجلاس میں شرکت کی، ساڑھے چار بجے سے آل پارٹیز میٹنگ شروع ہوئی، جس کی کارروائی ابھی جاری ہے، جمعیت العلما کے علاوہ اس میں مسلم مجلس، مومن کانفرنس، کرشک پرجا پارٹی بنگال، خدائی خدمت گار (سرحد)، انڈی پنڈنٹ پارٹی بہار کے نمائندے شریک ہیں۔ (محمد وحید الدین)۔

(زمزم۔ لاہور: ۲۷ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

جمعیت علما کی عاملہ اور مرکزیہ کے اجلاس:

۱۶ر۱۷ر ستمبر ۱۹۴۵ء: جمعیت علماے ہند کی مجلس عاملہ اور جمعیت مرکزیہ کے اجلاس دہلی میں ۱۶ تا ۱۹ر ستمبر جاری رہے، انھی تاریخوں میں جمعیت علما کی دعوت پر آل مسلم پارٹیز کانفرنس بھی ہوئی جس میں جمعیت علماے ہند، مسلم مجلس، آل انڈیا مومن کانفرنس، خدائی

خدمت گار سرحد، انڈ پنڈنٹ پارٹی بہار۔ کرشک پرجا پارٹی بنگال اور آسام دیو، پی کے مسلم نیشنلسٹوں کے نمایندوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی، ان تمام حضرات کے اسما گرامی کانفرنس کی رپورٹ میں شایع کر دیے گے، یہاں ہم اس رپورٹ کی صرف تمہید نقل کرتے ہیں جس سے ان کانفرنس کی غرض وغایت کا اجمالی طور پر علم ہو سکتا ہے۔ رپورٹ کی تمہید میں مذکور ہے۔

''آزاد ہندوستان میں، دین وملت کی آزادی، مسلمانوں کے لیے باعث مقام حیرت'' یہ ہے کہ جمعیت علماے ہند کا وہ محبوب نصب العین جس کے لیے اس کے محترم اراکین کی تمام قربانیاں وقف ہیں، جمعیت علماے ہند نے اجلاس لاہور کی تاریخی تجویز کے فقرہ (الف) اور (ب) میں تصریح کر دی ہے:

ہمارا نصب العین آزادیٔ کامل ہے، وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے، ان کا مذہب آزاد ہوگا، مسلم کلچر اور تہذیب وثقافت آزاد ہوگی، وہ کسی ایسے قانون کو قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

آج جب کہ دوسری جنگ عظیم ختم ہو چکی ہے، گردشِ ایام نے اتحادیوں کو دوبارہ فاتح کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کر دیا، اقوامِ عالم کا مطالبہ ہے کہ اتحادی ان وعدوں کو پورا کریں جو دوران جنگ میں کیے گئے تھے اور جن کو اس جنگ کا مقصود اور نصب العین گردانا گیا تھا۔

آج ہندوستان بھی منتظر ہے کہ وعدۂ آزادی ممنونِ وفا ہو، اور ایک کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی ہندوستان کے لیے دستور مرتب کرے، چنانچہ جدید انتخابات کا اعلان کیا جا چکا ہے اور جو جماعتیں خاص خاص نظریات رکھتی ہیں وہ انتخابات کے ذریعے ان نظریات کے متعلق رائے عامہ معلوم کرنے کی تگ ودو میں مصروف ہو چکی ہیں، جمعیت العلما جو آزادیٔ وطن اور حفاظت مذہب وملت کے لیے اہم ترین اصول اور نظریات کی حامل ہے، اس نے ان کے لیے قابل قدر قربانیاں پیش کی ہیں، اگر وہ چاہتی ہے کہ ان کی باضابطہ اور موثر ترجمانی ہو تو اس کے لیے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ وہ براہ راست اپنے نمایندے اسمبلیوں میں بھیجے یا ان جماعتوں کے نمایندوں کو کامیاب کرائے جو جمعیت علما کے اصول ونظریات کو تسلیم کر کے ان کی تر بنمائی اور تائید وحمایت کا وعدہ کریں۔

گذشتہ اسمبلیوں میں شاردا ایکٹ، سول میرج ایکٹ معلم بل، حج بل جیسے خلاف شرع قوانین پاس کیے گئے، حال آں کہ یہ سب خلاف شرع ہیں اور ان کا پاس کرنا شریعت غرا میں مداخلتِ بیجا ہے۔

شریعت بل، قانون انفساخ نکاح وغیرہ میں ایسی ترمیمیں کردی گئیں کہ شرعی نقطۂ نظر سے یہ بل مسلمانوں کے نئے لیے مفید ہونے کے بجائے مضر ہو گئے، اور افسوس یہ کہ ان تمام بلوں کی منظوری یا منسوخی ان کے ہاتھوں ہوئی جو اسلام کے نام پر ووٹ لے کر اسمبلیوں میں پہنچے تھے اور لیگ کی قیادت عظمیٰ کی کلغی ان کے ہیٹ میں لگی ہوئی تھی یا رکنیت لیگ کے خود ساختہ تمغے ٹائی کے کناروں میں آویزاں تھے۔

بہر حال آیندہ شریعت غرا کو اس قسم کے خطرات سے بچانے کی صورت بھی یہی تھی کہ آیندہ انتخابات کا بازِ قیادت علمائے کرام اپنے کاندھوں پر اٹھائیں، کیوں کہ یہی حامل دین ہیں، یہی محافظ شریعت ہیں اور بہ نصِ حدیث انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ یہ اور اس قسم کی مختلف ضرورتوں نے جمعیت العلما کو مجبور کیا کہ وہ خود بھی صورت حال پر غور کرے اور ان جماعتوں سے بھی مشورہ کرے، جو اپنی قربانیوں یا سیاسی خدمات یا پنچایتی نظام وغیرہ کے باعث ملک میں خاص اہمیت رکھتی ہیں اور جن سے توقع ہے کہ جمعیت علما کی دعوت کو قبول کریں گی۔

ذمہ داران جمعیت علما کی طرح اس کا احساس دوسری جماعتوں اور ان ہمدردانِ ملت کو بھی تھا جو ان تمام حالات کا صحیح طور پر جائزہ لے رہے تھے اور لیگ کے بے پناہ پروپیگنڈوں نے ان کے دماغوں کو صحیح غور اور فکر سے معطل نہیں کیا تھا۔

چناں چہ متعدد اخبارات نے اس پر مقالے لکھے، متعدد جماعتوں اور رہ نمایانِ ملت کی جانب سے تار اور خطوط موصول ہوتے رہے اور اصرار کے ساتھ تقاضا کیا گیا کہ اس تمام صورتِ حال پر غور کرنے کے لیے جمعیت علمائے ہند کا اجلاس بھی طلب کیا جائے اور تمام آزاد خیال جماعتوں کی مشترک کانفرنس بھی کی جائے۔

چناں چہ جمعیت علمائے ہند کی جانب سے ۲۶ ر رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق ۴ ر ستمبر ۱۹۴۵ء کو ہندوستان کے بہت سے مقتدر اور ممتاز رہ نماؤں کی خدمت میں آل پارٹیز کانفرنس کے دعوت نامے ارسال کیے گئے اور ۱۸/۱۹ ر ستمبر کو مجلس منتظمہ جمعیت علمائے ہند کا

اجلاس بھی دہلی میں طلب کیا گیا۔

الحمدللہ ان دعوتوں پر ملک کے ہر گوشے اور ہر طبقے سے بلند آہنگی کے ساتھ لبیک کہا گیا، آل پارٹیز کانفرنس اور مرکزیہ جمعیت علماے ہند کے سلسلے میں چار روز تک دہلی میں قوم پرور جماعتوں اور افراد کا عجیب وغریب اجتماع رہا جو پورے ہندوستان کی نمایندگی کررہا تھا، دوروز کی بحث و تمحیص اور جملہ حالات کے مختلف پہلوؤں پر غور وخوض کے بعد کانفرنس نے چار تجویزیں پاس کیں۔

پہلی تجویز میں سیاسی حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے طے کیا گیا کہ مسلم پارلیمنٹری بورڈ مرکزی اور صوبائی انتخابات میں اپنے امیدوار کھڑے کرے۔

دوسری تجویز میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ ایک عام رہائی (ایمی نیسٹی) کا اعلان کردے اور جو محبانِ وطن، جلاوطن یا روپوش ہیں ان سے بھی پابندیاں اٹھالی جائیں۔

تیسری تجویز میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ ایسا انتظام کرے کہ آیندہ انتخابات میں کسی جماعت کے لیے غیر آئینی دشواریاں پیش نہ آئیں۔کوئی سرکاری ملازم یا افسر کسی جماعت کی حمایت میں علانیہ یا درپردہ کسی قسم کا اثر ورسوخ نہ استعمال کرسکے گمراہ کن اتہامات اور غنڈا گردی کا انسداد ہو۔

چوتھی تجویز میں ان علماے کرام کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا جو عرصہ دراز سے جلاوطنی کی زندگی بسر کررہے ہیں، مجلس عاملہ کے اجلاس انھیں تاریخوں میں اور مجلس مرکزیہ کے اجلاس ۱۰، ۱۱ر شوال ۱۳۶۴ھ کو ہوئے جن کی کارروائی آیندہ اوراق میں ملاحظہ سے گزرے گی“۔

(جمعیت علماے ہند کیا ہے؟ (حصہ دوم): ص ۸۴-۲۸۱)

قوم پرور جماعتوں کی کانفرنس اور مسلم پارلیمنٹری بورڈ کا قیام:

۱۷، ۱۸ و ۱۹ر ستمبر ۱۹۴۵ء: جمعیت علماے ہند نے ملک کی قوم پرور جماعتوں کی ایک کانفرنس کے انعقاد کا اہتمام کیا تھا، تاکہ آنے والے الیکشن میں فرقہ پرست اور رجعت پسند جماعتوں کے مقابلے میں ایک مضبوط محاذ قایم کیا جاسکے۔ مولانا سید محمد میاں نے اپنی تالیف لطیف ”حیات شیخ الاسلام“ میں اس کانفرنس کی روداد بیان کی ہے اور اس سلسلے میں جمعیت علماے ہند، خصوصاً حضرت شیخ الاسلام کے افکارِ عالیہ و مساعیِ حسنہ پر روشنی ڈالی

ہے، وہ لکھتے ہیں:

''جمعیت علماے ہند کی طرف سے ایک آل پارٹیز کانفرنس کا اعلان کیا گیا، ہندوستان کی قوم پرور جماعتوں کو جو اپنے نظام یا اپنی خدمات کے لحاظ سے ہندوستان میں کافی شہرت اور ہندوستانی سیاست میں کافی اہمیت رکھتی تھیں اس کانفرنس میں مدعو کیا گیا''۔

اس مقام پر مولانا سید محمد میاں نے ایک حاشیے میں ان جماعتوں کا مختصر تعارف اور خصوصیات کا مختصر الفاظ میں تعارف بھی کرایا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''ا۔ مندرجہ ذیل جماعتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کو اس کانفرنس میں مدعو کیا گیا۔

ا۔ آل انڈیا مسلم مجلس، جو اگر چہ عمر تھوڑی رکھتی تھی مگر ہندوستان کے سب مسلمانوں کی جماعت تھی جس کو لیگ کے مقابلے پر قایم کیا گیا تھا۔

۲۔ مجلس احرار اسلام ہند، جو ہندوستان میں اپنی سیاست اور اپنی قربانیوں کی ایک مستقل تاریخ رکھتی ہے، اور ہندوستان کا بچہ بچہ اس کی عظمت سے واقف ہے۔

۳۔ آل انڈیا مومن کانفرنس، جو ہندوستان کی مومن برادری کی سب سے بڑی جماعت ہے اور تمام ہندوستان میں اپنا نظام رکھتی ہے۔

۴۔ خدائی خدمت گار، صوبہ سرحد میں اس جماعت کی تاریخی قربانیوں نے صوبہ سرحد کو نوکر شاہی کے بے آئین دور سے نکال کر ہندوستان کے ترقی یافتہ دستوری اور آئینی صوبوں میں داخل کیا اور جمہوری نظام حکومت اس صوبہ میں رائج ہے۔

۵۔ انڈی پنڈنٹ پارٹی صوبہ بہار، اس جماعت نے ۱۹۳۷ء کے الیکشن میں نصف کے قریب مسلم نشستیں صوبہ بہار میں حاصل کر لی تھیں۔

چند ماہ تک صوبہ بہار میں اس پارٹی کی وزارت رہ چکی تھی، اور اسی وزارت نے صوبہ بہار میں اردو زبان کو سرکاری زبان قرار دیا تھا۔ اس کے بعد کانگریس منسٹری نے اپنے دور میں اس کی تصدیق کر دی۔

۶۔ کرشک پرجا پارٹی صوبہ بنگال، ۱۹۳۷ء میں اسی پارٹی نے صوبہ بنگال کے الیکشن میں کامیابی حاصل کی تھی، چناں چہ ایک عرصہ تک یہی پارٹی صوبہ بنگال کی وزارت پر قابض

رہی تھی"۔

مولانا مزید لکھتے ہیں:

یہ جماعتیں اپنی اپنی جگہ پر خود ایسی کانفرنس کی ضرورت محسوس کر رہی تھیں صرف باہمت داعی کی دعوت کا ان کو انتظار تھا، چناں چہ ان جماعتوں نے جمعیت علماے ہند کی دعوت پر پوری گرم جوشی کے ساتھ لبیک کہا اور اپنے اپنے نمایندوں کو کانفرنس کی شرکت کے لیے بھیج دیا۔

ان جماعتوں کے پچاس سے زاید نمایندوں اور جمعیت علماے ہند کے تقریباً سوا سو اراکین کا اجتماع نواب قدیر الدین صاحب مرحوم کی محلسراے واقع گلی قاسم جان میں ۱۷ر ستمبر سے ۱۹ر ستمبر ۱۹۴۵ء تک یعنی تین روز متواتر ہوتا رہا۔

مسئلہ کے ہر پہلو پر پوری طرح غور کیا گیا۔ مخالف اور موافق ہر قسم کی رائے نہایت آزادی کے ساتھ سامنے آئی۔ بالآخر ایک مشترک پارلیمنٹری بورڈ کے قایم کرنے اور اس کے ذریعے سے الیکشن لڑانے کا فیصلہ کر دیا گیا۔

اس آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ کی صدارت کے لیے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب جیسا صداقت کیش، جفاکش، سرگرم عمل مجاہد اور مخلص رہنما ان کے پاس نہ تھا، لہٰذا منصب صدارت حضرت موصوف کے سپرد کیا گیا۔ حضرت مدظلہ العالی نے باخاطر ناخواستہ انتہائی اصرار کے بعد اس منصب کو منظور فرمایا، اختتام اجلاس پر حضرت موصوف نے ایک تقریر فرمائی۔ یہ تقریر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ رہی آیات کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شواہد نے اس تقریر کو، ایک پر مغز اور بصیرت افروز علمی تقریر بنا دیا تھا۔

اس مقام پر مولانا سید محمد میاں نے حضرت شیخ الاسلام کی اس اہم اور فکر انگیز تقریر کا خلاصہ بھی ان الفاظ میں درج کر دیا ہے:

"امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اس کے لیے مناسب موقع تلاش کرنا ہر مسلمان بالخصوص علماے کرام پر فرض ہے، ہندوستان سے مسلمانوں کی حکومت کا جب خاتمہ ہوا تو مسلمانوں کی تعداد تقریباً ڈھائی کروڑ تھی، ایک صدی سے کم میں ان کی تعداد دس کروڑ ہوگئی۔ اس اضافہ میں علماے کرام کی تبلیغ کو بہت زیادہ دخل ہے۔

رحم وکرم، عدل وانصاف، خدمت خلق اور تعلقات کی خوش گواری، تبلیغ اسلام کے بنیادی اصول ہیں، انہیں اصول کی پابندی سے اسلام پھیلا ہے۔

پورے ہندوستان میں مکمل طور پر اشاعت اسلام کا مقصد عظیم ہم نفرت انگیزی سے حاصل نہیں کرسکتے غیر مسلم اقوام ہی تبلیغ اسلام کا میدان عمل اور اس مقصد عظیم کا میٹریل ہیں۔ آج ہندوستان میں نفرت لاکر تبلیغ اسلام کے میدان کو بند اور اس کے میٹریل کو ختم کیا جارہا ہے۔

تبلیغ اسلام کے دائرہ کو کسی رقبہ میں محدود کردینا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ عامہ اور آپ کی عمومی رحمت کے قطعاً مخالف اور اس کے برعکس ہے۔

پاکستانی اسکیم سے جو منافرت کی خلیج پیدا کی جارہی ہے اس کو پاٹا جائے تبلیغ اسلام کے حق کو کسی ایک رقبہ میں محدود نہ کیا جائے۔ ہندوستان کے چپہ چپہ میں مسلمانوں کا حق ان کے بزرگوں کی جدوجہد اور ان کی گراں قدر قربانیوں سے قایم ہوچکا ہے۔ اس کو باقی رکھنا اور اس سے دست برداری کے بجائے اس کو بڑھانے کی کوشش کرنا آج ہمارا فرض ہے''۔

اس کے بعد مولانا سید محمد میاں نے آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے صدر کی حیثیت سے حضرت شیخ الاسلام کی خدمات پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

''حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی نے جس جان فشانی سے اپنا ملی اور ملکی فرض انجام دیا وہ اس پیرانہ سالی میں مخصوص طور پر آپ کا حصہ تھا، آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ نے جس قدر مالی امداد حاصل کی اس کا بیشتر حصہ حضرت مدظلہ العالی کی توجہ عالی کا نتیجہ تھا، قلمی امداد میں بھی حضرت موصوف کی خدمت سب سے زیادہ ہے، حضرت موصوف نے گراں قدر اور پرازمعلومات رسائل تحریر فرماکر آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے کارکنوں کے لیے دلائل کا ایک ذخیرہ فراہم کردیا۔ ان رسائل نے واضح کردیا کہ جمعیت علمائے ہند یا آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ کی تمام جدوجہد معقول اور مضبوط بنیاد پر قایم ہے اور اس کے برخلاف جو کچھ کیا جارہا ہے وہ محض جذبات ہیں جو فہم وبصیرت سے قطعاً محروم ہیں۔

(حیات شیخ الاسلام، ص ۶۳۔۱۶۰)

مسلم پارلیمنٹری بورڈ کا قیام اور مولانا آزاد کا بیان:

آل انڈیا مسلم پارٹیز کانفرنس کا اجلاس ہوا، جس میں جمعیت علماے ہند کے علاوہ کل ہند مجلس احرار اسلام، آل انڈیا مسلم مجلس، آل انڈیا مومن کانفرنس، انڈی پنڈنٹ پارٹی (بہار) کرشک پرجا پارٹی (بنگال)، خدائی خدمت گار (سرحد) اور قوم پرور خیالات کی حامل کئی اور جماعتیں شامل تھیں۔ اجلاس میں آیندہ انتخابات میں حصہ لینے اور دیگر امور کی انجام دہی اور قیام نظم کے لیے ایک ''کل ہند مسلم پارلیمنٹری بورڈ'' کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔

پارلیمنٹری بورڈ کی صدارت کے لیے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کا اسم گرامی بہ اتفاق راے طے پا گیا، اس کانفرنس کے موقع پر مولانا ابوالکلام آزاد نے حسب ذیل پیغام پریس کے لیے جاری کیا ہے۔

''ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے بحالت موجودہ دو ہی طریقے قابل عمل ہیں۔

۱۔ ملک کی آزادی کے لیے کوشاں ہوں اور جہاں تک مسلمانوں کی جماعتی زندگی کے مستقبل کا تعلق ہے، خود اپنے اوپر بھروسا رکھیں، کسی دوسری طاقت کی طرف نظر نہ اٹھائیں، اگر ہندوستان کو برطانوی قبضے سے نجات ملتی ہے تو اس صورت حال میں مسلمانوں کے لیے کوئی خطرہ نہ ہوگا، بلکہ فوز وفلاح کی بشارت ہوگی کیوں کہ ملک کی کوئی جماعت، کوئی طاقت انھیں ان کے جائز مطالبات کے حصول سے محروم نہیں رکھ سکتی۔

۲۔ ہندوؤں کی عددی اکثریت کے خوف سے ہراساں ولرزاں ہوکر تحریک آزادی کا ساتھ دینے سے انکار کردیں اور اس طرح برطانوی شہنشاہیت کا ہاتھ مضبوط کرتے رہیں۔

جمعیت علماے ہند اور دوسری حریت پسند جماعتوں نے پہلا طریقہ اختیار کیا ہے اور مسلم لیگ نے دوسرا، جو مسلمان اسلام کی شرف وعزت کا احساس رکھتے ہیں اور خوف و تذبذب کی جگہ عزم و یقین اور خود اعتمادی کی راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ طلب وسعی کے ہر میدان ان کی کوششوں کو کامیاب بنائیں۔

(ابوالکلام کان اللہ لہ۔ ۲ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ)

۱۸ر ستمبر ۱۹۴۵ء: مرکزیہ جمعیت علماے ہند کا اجلاس حضرت شیخ الاسلام کی صدارت

میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں جو تجاویز منظور ہوئیں، ان میں چوتھی تجویز کا تعلق آزاد ہند فوج کے سپاہیوں سے اور چھٹی تجویز کا تعلق مارچ ۱۹۴۰ء میں لاہور میں خاکسار تحریک کے سلسلے میں گرفتار ہونے والے خاکسار قیدیوں کے مسئلے سے ہے۔

چوتھی تجویز میں کہا گیا تھا، ''مرکزیہ جمعیت علمائے ہند کا یہ اجلاس حکومت سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ انڈین نیشنل آرمی کے تمام سپاہیوں کو اور افسروں کو رہا کردے اور ان کو کسی قسم کی سزا نہ دے کیوں کہ قانونی نقطۂ نگاہ سے خواہ ان کا یہ رویہ جرم ہی کی تعریف میں آتا ہو، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے جو کچھ کیا ہے جذبۂ آزادی اور حب الوطنی کے تحت میں کیا ہے اور اس لیے ان کی غلطی قابل مواخذہ نہیں ہے یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ اگر ان سپاہیوں کو اور افسروں کو سزا دی گئی تو جو خلیج اس وقت حکومت اور ملک کے درمیان ہے وہ زیادہ وسیع ہو جائے گی''۔

چھٹی تجویز ان الفاظ میں پاس کی گئی:

''آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لاہور سے کچھ دنوں پہلے پنجاب گورنمنٹ اور خاکساروں کے درمیان تصادم ہوا تھا جس کے نتیجے میں بہت سے خاکسار عمر قید کی سزائیں بھگت رہے ہیں، ایسی حالت میں جب کہ ملک کی فضا بدل چکی ہے اور مختلف قسم کے قیدی رہا ہو چکے ہیں اور رہا ہونے والے ہیں خاکسار قیدیوں کو جیل میں بند رکھنا صحیح نہیں ہے۔

جمعیت علمائے ہند کا یہ اجلاس حکومت پنجاب سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ خاکسار قیدیوں کو دوسرے سیاسی قیدیوں کے ساتھ جلد سے جلد رہا کردے۔ اس صورت میں اس غلطی کی کچھ نہ کچھ تلافی ہو سکے گی جو سابقہ مسلم لیگ نواز حکومت پنجاب نے کی تھی''۔

واضح رہے کہ خاکسار پارٹی کے بانی علامہ عنایت اللہ مشرقی کے مذہبی خیالات سے جمعیت کے بزرگوں کو شدید اختلافات تھے اور اس کا انھوں نے ہمیشہ برملا اظہار بھی کیا تھا، لیکن خاکساروں پر حکومت کے ظلم وتشدد کے خلاف تجویز پاس کرنے اور انھیں ان کے سیاسی حقوق دلوانے میں اپنے رویے پر اپنے دینی اختلاف کی پرچھائیں بھی نہیں پڑنے دی۔

۲۔ لاہور میں خاکسار تحریک کے سلسلے میں یہ واقعہ مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس سے چوں کہ دو تین روز پہلے پیش آیا تھا، اس لیے لاہور کی فضا میں شدید تکدر پایا جاتا تھا اور خطرہ تھا کہ لیگ کا جلسہ ناکام ہو جائے، اس لیے لیگ کے رہنماؤں نے جن میں مسٹر محمد علی

جناح، سر یامین خان، نواب محمد اسماعیل خاں، چودھری خلیق الزماں وغیرہ خاکسار زخمیوں کو دیکھنے ہسپتال گئے، وزیراعظم پنجاب سر سکندر حیات خاں سے ملے، اجلاس میں ان سے ہمدردی کی قرارداد بھی پاس کی لیکن لاہور سے جانے کے بعد کسی رہنما نے زخمیوں یا مقدمات میں ماخوذین کی پلٹ کر خیریت بھی معلوم نہ کی مقدمات میں ان کی کسی قسم کی مدد نہ کی، حتی کہ بعض ماخوذین جنہیں عمر قید کی سزا ہوئی تھی اس فیصلے کے خلاف یا ماخوذین سے ہمدردی میں کوئی قرارداد تک پاس نہ کی، اب کہ ان کے زخموں پر مرہم رکھا اور ان کی رہائی کے لیے کوشش کی تو جمعیت علماے ہند نے کی، جو ان کے مذہبی خیالات کی سب سے بڑی مخالف اور نکتہ چیں تھی۔

ویول کی انگلستان سے واپسی اور حکومت کی نئی تجاویز:

۱۸ر ستمبر ۱۹۴۵ء: ۱۶ر ستمبر کو وایسراے ہند لارڈ ویول لندن سے واپس ہندوستان پہنچ گئے۔ ۱۸ اور ۱۹ر ستمبر ۱۹۴۵ء کی درمیانی رات کو انھوں نے دہلی ریڈیو کے ذریعے اپنے مشن کا اعلان کرتے ہوئے کہا:

> ''ملک معظم نے پارلیمنٹ کا افتتاح کرتے ہوئے اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ میری ہندوستانی رعایا سے جو وعدے کیے جا چکے ہیں ان کے مطابق میری حکومت ہندوستانی راے عامہ کے لیڈروں سے مل کر ہندوستان میں جلد مکمل خودمختاری قایم کرنے کی پوری کوشش کرے گی''۔

لندن میں ملک معظم کی حکومت سے حال ہی میں صلاح مشورے کے بعد مجھے حسب ذیل اعلان کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

''پارلیمنٹ کے افتتاح پر خسروانہ تقریر میں جو اعلان کیا گیا تھا اس کے مطابق ملک معظم کی حکومت نے تہیہ کر لیا ہے کہ وہ ہندوستانی راے عامہ کے لیڈروں کے ساتھ مل کر ہندوستان میں مکمل سیلف گورنمنٹ کے جلد سے جلد قیام کے لیے انتہائی کوشش کرے گی۔ قیام لندن کے دوران حکومت نے مجھ سے اس کے متعلق مشورہ کیا، کہ اس کے بارے میں کیا قدم اٹھایا جائے، یہ اعلان پہلے بھی کیا جا چکا ہے کہ مرکزی اور صوبائی آئین ساز مجلسوں کے انتخاب جو اتنے عرصہ لڑائی کی وجہ سے ملتوی رہے، آیندہ موسم سرما میں کیے جائیں گے۔

ملک معظم کی حکومت کو امید ہے کہ انتخاب کے بعد سب صوبوں میں سیاسی لیڈر وزارتی ذمے داریاں سنبھال لیں گے۔ ملک معظم کی حکومت کا یہ ارادہ ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو ایک آئین ساز جماعت منعقد کی جائے اور ابتدائی قدم کے طور پر حکومت نے مجھے اختیار دیا ہے کہ انتخاب کے فوراً بعد لیجس لیٹو اسمبلیوں کے نمایندوں کے ساتھ اس بارے مشورہ کروں کہ آیا ۱۹۴۲ء کے اعلان میں جو تجویزیں شامل ہیں، وہ قابل قبول ہیں یا کسی ترمیم شدہ یا دوسری اسکیم کو ترجیح دی جائے گی۔ ہندوستانی ریاستوں کے نمایندوں کے ساتھ بھی یہ معلوم کرنے کے لیے مشورہ کیا جائے گا کہ وہ اس آئین ساز جماعت میں کس طرح بہترین حصہ لے سکتے ہیں۔

ملک معظم کی حکومت اس معاہدے کی شرائط پر غور کر رہی ہے جو برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان کیا جائے گا۔ تیاری کے ان مرحلوں میں ہندوستان کی حکومت کا جاری رہنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کے لیے نئے نظام میں ہندوستان کو اپنا حصہ لینا ہے۔ اس لیے ملک معظم کی حکومت نے مجھے مزید اختیار دیا ہے کہ صوبائی انتخاب کا نتیجہ شایع ہوتے ہی ایسی ایگزیکٹو کونسل قایم کروں، جسے خاص ہندوستانی پارٹیوں کا تعاون حاصل ہوگا''۔

ان تجاویز کے بیان کر دینے کے بعد ملک معظم کی حکومت کا اعلان ختم ہو جاتا ہے۔

یہ اعلان بہت اہمیت طلب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک معظم کی حکومت کا قریب ترین وقت پر ہندوستان کو خودمختاری دینے کا عزم بھی ہے۔ نئی حکومت کے غور کے بعد انھوں نے ہندوستان کے مسئلے کی طرف فوری توجہ مبذول کی ہے۔ ہندوستان کے لیے دستور کی تشکیل اور نفاذ کا مسئلہ وقت طلب ہے۔ اس لیے تمام حلقوں کی خیر سگالی، تعاون اور عزم کی ضرورت ہے۔ ملک معظم کی حکومت کے نزدیک ہندوستان کے لیے اپنے نصب العین کے حصول کا یہ بہترین راستہ ہے''۔ (سہ روزہ مدینہ بجنور: ۲۵ رستمبر ۱۹۴۵ء)

۱۸ رستمبر ۱۹۴۵ء: انجمن چشتیہ گوجر خاں ضلع راول پنڈی کے ناظم مولوی محمد اسماعیل نے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی صدر جمعیت علماے ہند سے مسلم لیگ کی تعریف، اس فواید ونقصانات اور کانگریس کے فواید کی وضاحت چاہی تھی اور حضرت سے درخواست کی تھی کہ آخر حضرت مسلم لیگ کی مخالفت اور کانگریس کی موافقت کیوں فرماتے ہیں؟۔

حضرت شیخ الاسلام نے ۱۸ر ستمبر ۱۹۴۵ء کو ایک نہایت کافی وشافی جواب تحریر فرمایا، یہ جواب کتابچے کی صورت میں بہ عنوان ''مسلم لیگ کیا ہے؟...... مسلم لیگ اور کانگریس کی مختصر حقیقت اور ان کے فواید ونقصانات پر بصیرت افروز بیان'' چھپ گیا تھا۔ اب اسے حضرت کے مقالات سیاسیہ میں شامل کرلیا گیا ہے۔

جمعیت علما کی کونسل کی کارروائی، اہم قراردادیں:

نئی دہلی، ۲۰ر ستمبر جمعیت علماے ہند کی کونسل نے آج متعدد قراردادیں منظور کیں، یہ قراردادیں انتخابات اور سیاسی قیدیوں کی رہائی سے تعلق رکھتی ہیں۔

ایک قرارداد میں مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو متنبہ کیا گیا کہ سرکاری افسر انتخابات کے سلسلے میں سرگرم حصہ لینے سے اجتناب کریں نیز عفو عام کا اعلان کردیا جائے۔ تیسری قرارداد میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ خاکسار قیدیوں کو رہا کردیا جائے، چوتھی قرارداد میں کہا گیا کہ جو علما ہندوستان سے باہر جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں، ان پر سے پابندی ہٹالی جائے اور انھیں وطن آنے کی اجازت دی جائے۔ (زمزم۔ لاہور: ۲۳ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

مولانا آزاد کی لاہور آمد:

لاہور۔ ۲۰ر ستمبر، مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس بمبئی کے بعد ۲۶ر ستمبر کو لاہور آرہے ہیں، لاہور ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی نے فیصلہ کے ہے کہ ان کا شاندار استقبال کیا جائے۔ (زمزم۔ لاہور: ۲۳ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

پاکستان اور صرف پاکستان! مسٹر جناح کا اعلان:

کوئٹہ، ۲۰ر ستمبر۔ لارڈ ویول کی براڈ کاسٹ تقریر پر رائے ظاہر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا، میں نے ہندوستان کے بارے میں ملک معظم کی حکومت کی پالیسی کے سلسلے میں لارڈ ویول اور مسٹر ایٹلی کی براڈ کاسٹ تقریریں سنیں، جن کا تعلق ہندوستان کے آیندہ دستور ہے میں ان تقریروں پر ٹھنڈے دل سے غور کروں گا تاکہ ان تقریروں کے مختلف نکات کے بارے میں قطعی رائے قایم کی جاسکے، مگر ایک شے واضح ہے کہ اس وقت تک کوئی

سعی کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک پاکستان کی بنیاد کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یہی سب سے اہم کلیدی مسئلہ ہے جس کے بارے میں بہی خواہان ہندوستان اور طلب گاران آزادی کو فیصلہ کرنا ہے۔ ہندوستان کے پیچیدہ سیاسی مسئلہ کا واحد حل تقسیم ہے۔ اس میں دس کروز مسلمانان ہند کی خوش حالی ترقی اور چالیس کروڑ انسانوں کی آزادی مضمر ہے۔

(زمزم۔لاہور: ۲۳رستمبر ۱۹۴۵ء)

بمبئی میں ہندو مسلم فساد:

بمبئی ۲۰رستمبر۔کل رات کے سوا گیارہ بجے بمبئی کے راؤنڈ ٹمپل کے علاقے میں خوف ناک ہندو مسلم فساد شروع ہو گیا، ٹرام کاروں پر پتھراؤ کیا گیا اور مسافروں کو زبردستی باہر نکال کر چھروں سے زخمی کیا گیا، پولیس کمشنر کی سرکردگی میں پولیس کی بھاری جمعیت موقع پر پہنچ گئی، قریبی علاقہ میں تمام سینما ہاؤس بند کردیے گئے، رات کی تاریکی میں پولیس کی کوشش زیادہ کامیاب نہ ہوسکیں، صبح تک اکے دکے حملے بدستور جاری رہے، بڑے بڑے بازاروں میں حالات نارمل ہو گئے، لیکن تنگ گلیوں میں صورت حال پر قابو نہ پایا جاسکا۔

بعد کی اطلاع ہے کہ کل رات کے بلوے کے نتیجے کے طور پر سترہ اشخاص ہلاک اور ۶۰ زخمی ہو گئے، آج پولیس نے دو ہجوموں کو جو ڈنکن روڈ پر ڈٹ کر لڑ رہے تھے منتشر کرنے کے لیے گولی چلائی۔ ہلاک شدگان کی تعداد زیادہ تر دودھ فروشوں اور بیکروں کی ہے، ابھی تک فساد کی وجہ معلوم نہیں ہوسکی، پولیس حیران ہے کہ اتنی رات گزر جانے پر فسادیوں کے ہاتھ اس قدر بوتلیں کیسے آئیں، کیوں کہ اس وقت سوڈا فروشوں کی دکانیں بند ہوتی ہیں۔

بمبئی ۲۷رستمبر۔بمبئی گورنمنٹ نے اعلان کیا ہے جس کی رو سے کوئی شخص ہتھیار لے کر نہیں چل سکتا اور ۱۵ دن تک ۵ آدمیوں سے زیادہ ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے، سکھ صرف کرپان کا نمونہ رکھ سکتے ہیں۔ (زمزم۔لاہور: ۳۰رستمبر ۱۹۴۵ء)

ایک احمقانہ تجویز:

۲۰رستمبر و بعدہ ۱۹۴۵ء

کننگھم لکھتا ہے:

۲۰ ستمبر کو جو کچھ ریکارڈ کیا گیا وہ اس پس منظر میں بڑا عجیب معلوم ہوتا ہے وہ اپنے پرانے دوست ارباب محمد عباس سے گفتگو کر رہے تھے۔ ''جب میں نے کہا کہ کوئی بھی تعلیم یافتہ مسلمان اس لحاظ سے پاکستان کے حق میں نہیں ہوگا کہ ہندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں، اس نے کہا کہ انھوں نے ایسی احمقانہ تجویز کبھی نہیں سنی۔ پاکستان کو مرکزی ہندوستانی حکومت کے تحت ہونا چاہیے، میں نے کہا اگر یہی بات ہے تو کسی کو جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ بات سرعام کہنی چاہیے، بصورت دیگر ہونے والے انتخابات اسی غیر حقیقی ایشو پر لڑے جائیں گے اس نے کہا ٹھیک ہے'' لیکن ہندوؤں کی مخالفت جاری رکھنے کا یہ اچھا بہانہ ہے۔

پھر ۱۷ اکتوبر کو سردار اجیت سنگھ سے بات چیت کے متعلق انھوں نے لکھا ہے ''پاکستان کے مسئلہ پر اس نے کہا کہ اس کا خیال ہے کہ کوئی مسلمان ہندوستان سے علیحدگی نہیں چاہتا اور میں نے اس کی تصدیق غلام ربانی سے بھی کی۔

۳ نومبر کو دوبارہ انھوں نے لکھا ''پیر بخش پہلی بار مجھ سے طویل گفتگو کے لیے آیا اس نے اتفاق کیا کہ اس وقت پاکستان کا خطرہ غیر حقیقی ہے لیکن خطرہ اس بات کا ہے کہ بے خبر مسلمان عوام اس کو اس سے بھی کچھ زیادہ معنی پہنائیں گے۔ جو لیڈروں کا مدعا ہے۔ اس نے اس پر بھی اتفاق کیا کہ جب تک پاکستان کی مناسب وضاحت نہیں ہو جاتی انتخابات غیر حقیقی اور نامکمل ہوں گے''

انھوں نے ۸ نومبر ۱۹۴۵ء کو پہلی بار اپنی ڈایری میں آئی این اے (انڈین نیشنل آرمی) کا ذکر کیا ہے۔ یہ رضا کار فوج کئی سال قبل برما میں قایم ہوئی، جب سوبھاش چندر بوس نے ان قیدیوں کی فوج بنائی جو ملایا اور برما میں جاپانی فوجوں کی یلغار کے دوران قیدی بنا لیے گئے تھے جس کا نام انھوں نے انڈین نیشنل آرمی رکھا۔ اس میں ہندوستانی رجمنٹوں کے تقریباً ۲۰ ہزار فوجی شامل تھے۔ جن کو دراصل جاپانیوں نے ۴۴-۱۹۴۳ء کی جنگوں کے دوران بھرتی کیا تھا۔ جاپانیوں نے ان کی وفاداریاں تبدیل کرانے کے لیے انھیں جو ترغیبات دیں ان پر دباؤ ڈالا اور ان پر انتہائی سخت تشدد کیا جس کی وجہ سے انھیں وفاداری تبدیل کرنے پر موردالزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ اس کے باوجود بعض افسر ایسے تھے جن کا

تاج برطانیہ کے خلاف ہتھیار اٹھانے کو بغاوت قرار دے دیا گیا۔ عام خیال یہی ہے کہ جب ہندوستانی اور برطانوی فوج نے رنگوں پر چڑھائی کی تو برما میں ڈرم ہیڈ کوائس مارشل نے انھیں گولی سے اڑا دیا۔ دہلی میں حکام نے فیصلہ کیا کہ آئی این اے کے انتہائی ممتاز افسروں میں سے تین کے خلاف دہلی کے نواح میں لال قلعہ میں کورٹ مارشل میں مقدمہ چلایا جائے اور اس کی خوب تشہیر کی جائے۔ اس وقت ہندوستان کے ان لوگوں کے لیے جو واقعات کے دھارے کے رخ کا اندازہ کر سکتے تھے۔ اس سے زیادہ تباہ کن اور ضرر رساں بات اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ ہر شخص کے ذہنوں میں ابھی تک ۱۹۴۲ء کی بغاوت کی یاد تازہ تھی اور اس بغاوت کے پس منظر میں جو اشتعال پایا جاتا تھا اس کی وجہ سے برطانوی راج کی طرف سے تین قوم پرستوں کو سرعام سزا دینے سے اشتعال مزید بڑھ سکتا تھا۔

۸ر نومبر کی جنرل سر رچرڈ اوکونر اور لیڈی اوکونر پشاور میں کننگھم کے ساتھ چار پانچ دن ٹھہرے۔ جنرل اوکونر ۱۹۴۱ء میں شمالی افریقہ میں تین سال تک اطالویوں کی قید میں رہے تھے جہاں سے انھیں فرار ہوئے ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ کننگھم نے لکھا ہے ''آج شام میں نے ان سے آئی این اے کے مقدمہ اور اس کی کارروائی اور تشہیر کے انداز کے متعلق بات کی جس سے مجھے سخت دکھ ہوا تھا۔ میں نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ معاملات جو رخ اختیار کر گئے ہیں۔ اس سے ہمیں اس قدر نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے کہ میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ کمانڈر ان چیف کو ایسی کی ذمہ داری قبول کرنی چاہیے اور پورے مقدمہ کو ختم کر دینا چاہیے، یہ کام جو شخص کر سکتا ہے وہ خود آکنلیک ہے نہ کہ حکومت ہند اور نہ ہی وائسرائے اور نہ بادشاہ ہی ایسا کر سکتا ہے۔ آکنلیک وہ واحد شخص ہے جس کا حکم ہندوستانی فوج مانتی ہے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے سخت پریشان تھے۔ یہ فطری بات تھی کہ وہ محض بات چیت تک اس کو محدود نہ رکھ سکتے۔ ۲۷ر نومبر کو انھوں نے وائسرائے کو لکھا۔

''یور ایکسیلنسی کو آئی این اے کے مقدمہ کے متعلق لکھتے ہوئے میں اپنی حدود سے کچھ تجاویز کر رہا ہوں، لیکن یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر میں ہر قسم کی آرا کو معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور اب میں حتمی نتیجہ پر پہنچ گیا ہوں چوں کہ ہندوستانی عوام کی رائے ان لوگوں پر مقدمہ چلانے کے خلاف ہے اس لیے کمانڈر ان چیف کو اس مقدمہ کو ختم کرنے کا اعلان کرنا چاہیے اور کسی کے خلاف مقدمہ کی مزید کوئی کارروائی نہیں ہونی چاہیے، کمانڈر ان

چیف کے سوا کوئی بھی اپنی مرضی اور اپنی ذمہ داری سے ایسا نہیں کر سکتا ہے۔ اگر کوئی اور کرے گا خواہ وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو تو اس کا اثر خاص طور پر فوج پر نہیں ہوگا بلکہ کمانڈر ان چیف پر ہوگا"۔ (ہند میں انگریز سیاست، ص ۳-۱۰۱)

مسٹر عبدالقیوم بیرسٹر، داستانِ انقلاب:

۲۳ر ستمبر ۱۹۴۵ء: مسٹر عبدالقیوم کا نام میں نے ہندوستان ہی میں سنا اور لکھنؤ ہی میں ان سے شرف ملاقات حاصل ہوا، موصوف عرصہ سے پشاور میں پریکٹس کرتے رہے، وہ نہ تو پٹھان ہیں اور نہ سرحد کے باشندے ہیں بلکہ کشمیر کے رہنے والے ہیں،۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ صوبہ سرحد کی سیاسیات میں ان کا کوئی نمایاں مقام نہیں ہے۔ سرحد میں ان سے صرف اتنا واقف تھا کہ مرکزی اسمبلی میں وہ سرحد کے نمائندے ہیں، وہ کانگریس کی طرف سے ان کی یہ عزت افزائی کی گئی کہ ڈپٹی لیڈری کا عہدہ دے دیا گیا ہے گو میں نے ابھی تک سیاسیات میں عملی حصہ نہیں لیا ہے لیکن سیاسی لیڈروں کے ساتھ تبادلۂ خیالات کرنے اور ان سے استفادہ حاصل کرنے کا برابر موقع ملتا رہا ہے۔

ابھی حال ہی میں مسٹر عبدالقیوم صاحب ایک مقدمے کی پیروی کے سلسلے میں دو مرتبہ لکھنؤ تشریف لائے۔ چوں کہ مقدمہ کے پیروکار میرے ہی ہاں قیام پزیر تھے، اس لیے تقریباً روز ہی موصوف کے ساتھ میری ملاقات ہوا کرتی تھی اور جب کبھی موقع ملا میں نے ان سے مختلف قسم کے سوالات کیے۔

موصوف جب پہلی مرتبہ تشریف لائے تھے تو ان کے موکل اور مقدمہ کے پیروکاران کے طرزِ عمل کے بہت مداح تھے، میں نے قصداً کئی مرتبہ ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت اور خدائی خدمت گاروں کی بحث چھیڑی لیکن انھوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ کانگریس سے بیزار ہیں۔

آخری دفعہ ۱۵ر اگست ۱۹۴۵ء کو جب وہ دوبارہ لکھنؤ تشریف لائے تو میرے پوچھنے کے بغیر ہی انھوں نے خود بخود مجھ سے فرمایا کہ اب تو مجھے کسی دوسری جماعت میں جانا ہے، لیکن یہ سوچ رہا ہوں کہ کس جماعت میں جاؤں، میرے اس سوال کرنے پر آپ کانگریس کیوں چھوڑ رہے ہیں انھوں نے فرمایا کہ اس کی کئی وجوہات ہیں"

۱۔ خان برادران سے میرا کچھ اختلاف ہو گیا ہے اس لیے اب الیکشن میں وہ لوگ نہ تو مجھے مرکزی اسمبلی میں کوئی جگہ دینے کے لیے تیار ہیں اور نہ ہی صوبائی اسمبلی میں۔ نیز یہ کہ چوں کہ اب میں بہت زیادہ مشہور ہو گیا ہوں اس لیے وہ لوگ مجھے گرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

۲۔ اب کی الیکشن میں میں ایسے حلقے سے کھڑا ہو رہا ہوں جہاں مسلم لیگ کی اکثریت ہے، اس لیے اگر کانگریس کے ٹکٹ پر کھڑا ہو جاؤں تو کامیابی کی امید نہیں اور بصورت دیگر نہایت آسانی کے ساتھ میں کامیاب ہو سکتا ہوں۔

۳۔ جب مجھ سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے تو میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔

۴۔ جو کچھ آج کل مولانا ابوالکلام وغیرہ کے ساتھ ہو رہا ہے اس سے ہم کو بھی دوچار ہونا ہے، لیکن مجھ میں ان حالات کی تاب نہیں ہے۔

میرے اس سوال کے جواب میں کہ اگر خان برادران آپ کو ابھرنے نہیں دیتے تو آپ ان کے خلاف کانگریس ہی میں محاذ کیوں نہیں قایم کرتے۔'' موصوف نے کہا کہ یہ میرے لیے مشکل ہے''۔

یہ ہے اس گفتگو کا خلاصہ جو میرے اور موصوف کے درمیان ہوئی تھی۔ عبدالقیوم صاحب نے مجھ سے فرمایا تھا کہ میں نے مسٹر جناح کو ایک خط لکھا ہے اس کے جواب آنے تک آپ میری تبدیلی کا ذکر کسی سے نہ کریں لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ مسلم لیگ میں آنے کے بعد انھوں نے اپنے متعدد بیانات میں شملہ کانفرنس کو بہانہ بنایا، حال آں کہ شملہ کانفرنس کے وقت وہ لکھنؤ ہی میں تھے اور صرف مجھ سے نہیں بلکہ ایڈیٹر، حقیقت جیسے لوگوں سے رائل ہوٹل میں ان کی گفتگو ہوئی اس میں وہ کانگریس کے مداح اور مسلم لیگ سے نالاں تھے۔

میں یہ جانتے ہوئے بھی کہ مسٹر عبدالقیوم جیسے بڑے لیڈر کے مقابلے میں میرا یہ بیان کوئی اہمیت نہیں رکھتا، اس اظہار حقیقت سے باز نہیں رہ سکتا کہ جس مقصد کے ماتحت وہ لیگ میں شامل ہوئے ہیں وہ کوئی نیک مقصد نہیں بلکہ ان کی یہ تبدیلی ذاتی شکایات اور خود غرضی پر مبنی ہے۔ (از عبدالسلام کوہاٹی، لکھنؤ)

(زمزم۔ لاہور: ۲۳؍ ستمبر ۱۹۴۵ء)

لیاقت علی کے جواب میں مولانا محمد میاں کا بیان:

۲۳ ستمبر ۱۹۴۵ء کو نواب زادہ لیاقت علی خان نے علی گڑھ میں جو تقریر کی اس کے جواب میں مولانا محمد میاں ناظم جمعیت علماے ہند نے ایک بیان میں کہا:

یورپین شہنشاہوں نے ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد عثمانی سلطنت کے حصے بخرے کر کے اس کو بہت سے پاکستانوں میں تقسیم کر دیا۔ یمن علاحدہ، عراق علاحدہ، حجاز علاحدہ، شام علاحدہ، لبنان علاحدہ، فلسطین علاحدہ۔ یہ یونٹیں آج تک غلام ہیں اور فرانس، برطانیہ کے آہنی پنجۂ استبداد کی گرفت میں کسی ہوئی کراہ رہی ہیں۔ مسلم لیگ یہ چاہتی ہے کہ اسی طرح ہندوستان کی متحدہ طاقت کو خود اپنے ہاتھوں پارا پارا کر کے اس خوبصورتی سے برطانوی سامراج کے پنجۂ استبداد کو مستحکم کر دے کہ مسلمان قوم اس غلامی کو اپنے لیے نعمتِ عظمیٰ سمجھتی ہے۔

پاکستان علاحدہ ہو، ہندوستان علاحدہ ہو اور ہندوستانی ریاستیں علاحدہ اور پھر جب مذہبیت کی بنا پر یونٹیں بنائیں جائیں گی تو ہندوستان کے درجنوں مذاہب کی طرح ان کے اجزا بھی کئی درجن ہو جائیں گے۔

اور جب کہ پاکستان کا دستور جمہوری ہوگا، جس کو اس کے باشندے دستور ساز اداروں کے ذریعے مرتب کریں گے، تو یہ واضح ہو گیا کہ اسلامی یا قرآنی حکومت، جس کے خوش آیند الفاظ سے عام مسلمانوں کو دھوکا دیا جا رہا ہے، وہ قطعاً نہ ہوگی بلکہ ایک فیڈریشن ہوگا جس میں تقریباً چالیس فیصد غیر مسلم کا حصہ بھی رہے گا۔

پاکستان کے اس تمام قیامت خیز شور و غوغا کے بعد صرف دس فیصدی کی اکثریت مسلمان کے پلے پڑے گی، جو آئین ساز اسمبلیوں میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ چناں چہ صوبہ آسام کی مثال موجود ہے، جہاں مسلمان چونتیس فیصد ہیں اور ہندوؤں کو سولہ فیصد اکثریت حاصل ہے۔ مگر عموماً سر سعد اللہ وزارت بناتے ہیں۔

اس کے برعکس ہندو، ہندوستان میں تقریباً تین کروڑ مسلمانوں کو تقریباً نوے فیصد اکثریت کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ اقتصادی لحاظ سے جو نقصان پہنچ سکتا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

نواب زادہ صاحب سے توقع نہیں کہ وہ اس واضح حقیقت کی طرف توجہ فرمائیں۔
مگر ہمارا مطالبہ عام مسلمانوں سے ہے کہ وہ غور کریں کہ آیا ہندوستان کے حصے بخرے کر کے ہمیشہ کے لیے غلام اور مفلوج اور بے دست و پا کر دینا بہتر ہے یا یہ صورت بہتر ہے جو جمعیت علماے ہند نے وحدت مرکز تسلیم کرتے ہوئے اکثریت کے خطرات سے بچنے کی تجویز کی ہے کہ

مرکز کی تشکیل اس طرح کی جائے کہ غیر مسلم اکثریت، مسلمانوں کے مذہبی، سیاسی، تہذیبی حقوق پر تعدی نہ کر سکے، مثلاً مرکزی ایوان کے ممبروں کی تعداد کا تناسب یہ ہوگا کہ ہندو ۴۵، مسلمان ۴۵، دیگر اقلیتیں دس اور یہ کہ مرکز میں ایسی کوئی تجویز پیش نہ ہو سکے، جس کو مسلم ارکان کی ۲/۳ اکثریت اپنی مذہبی یا سیاسی آزادی کے مخالف سمجھے اور یہ کہ ایسا سپریم کورٹ قایم کر دیا جائے جس میں مسلم اور غیر مسلم ججوں کی تعداد مساوی ہو''۔

(سہ روزہ ''الجمعیۃ'' دہلی: بہ حوالہ کاروانِ احرار: جلد ۶ ص ۲۲،۳۲۱)

کانگریس کمیٹی میں آزاد ہند فوج کی رہائی کا ریزولیوشن:

بمبئی، ۲۴ ستمبر۔ کل سوا آٹھ بجے شام کانگریس کمیٹی کا اجلاس ختم ہو گیا، مولانا ابو الکلام آزاد نے اپنی اختتامی تقریر کرتے ہوئے پر جوش الفاظ میں فرمایا کہ ۱۹۴۲ء میں ہندوستانی عوام کے سینوں میں حصول آزادی کے جذبے سے جو شعلے فروزاں ہوئے تھے، وہ آج پورے زور سے اُٹھ رہے ہیں اور مجھے اس بات میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ آج میرا وطن آزادی کی منزل پر پوری تیزی سے گامزن ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اسے اس بلند ارادے سے روک نہیں سکتی۔

دو بجے بعد دوپہر کانگریس ورکنگ کمیٹی کا ایک اجلاس بلایا گیا، جس مین آل انڈیا کانگریس کے کام پر نظر ثانی ہوگی، کانگریس الیکشن سب کمیٹی کا تقرر، کانگریس کا انتخابی مینی فیسٹو، ریاستی رعایا اور تعمیری پروگرام وغیرہ بڑے ریزولیوشن کرسی صدارت کی طرف سے پیش ہو کر بلا تقسیم آرا منظور ہوئے، آیندہ انتخابات اور برٹش گورنمنٹ کے نئے اعلان کے متعلق سردار ولبھ بھائی پٹیل کا ریزولیوشن بھی بلا تقسیم آرا منظور ہو گیا۔

مولانا آزاد کی ہدیت سے سب سے پہلے جنرل سکریٹری نے کرسی صدارت کی

طرف سے تین ریزولیوشن پیش کیے جو کہ بلا ترمیم منظور ہو گئے۔

پہلا ریزولیوشن اسٹرلنگ بیلنس کے متعلق تھا، اس میں یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ برطانیہ کی طرف سے ہندوستان کو واجب الادا قرضے گھٹانے کی کوشش بالکل بلاوجہ اور ناواجب ہے، ہندوستان کوئی ایسا فیصلہ منظور نہ کرے گا جو اس کے مفاد اور صنعتی ترقی کی قربانی دے کر کیا جائے، اس مسئلے کا جلد از جلد حل کیا جانا چاہیے تاکہ یہ روپیہ ہندوستان کی اقتصادی اور صنعتی ترقی کے لیے صرف کیا جا سکے۔

دوسرا ریزولیوشن برما اور ملایا کے ہندوستانی مفاد کے متعلق تھا جس میں اس امر کا مطالبہ کیا گیا کہ برما اور ملایا میں ہندوستانیوں کی صنعت اور سرمایہ نے ان ملکوں کو خوش حال بنانے میں کافی کام کیا۔ یہ بات ضروری ہے کہ ہندوستانی مزدوروں اور سرمایہ کی ہر طرح سے حفاظت کی جائے۔

تیسرا ریزولیوشن انجمن وطن بلوچستان کے الحاق منظور کرنے کے متعلق تھا بس کی رو سے ورکنگ کمیٹی کو اختیار دیا گیا کہ وہ الحاق کی شرائط پر غور کرے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس موقع پر بتایا کہ انجمن وطن بلوچستان نے الحاق کی درخواست دی ہے کانگریس میں مدغم ہونے کی۔ اس انجمن کے مقاصد و مطالب کانگریس کی مانند ہیں۔

مسٹر سبھاش بوس کی فوج:

ان ریزولیشنوں کے منظور ہو جانے کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو نے سبھاش بابو کی فوج کے متعلق حسب ذیل ریزولیشن پیش کیا۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو یہ سن کر بھاری فکر ہوا ہے کہ آزاد ہند فوج کے جو کہ برما اور ملایا میں ۱۹۴۲ء میں بنائی گئی تھی، بہت سے افسر اور سپاہی جن میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں، نیز مغربی مورچوں کے کچھ ہندوستانی سپاہی بھی ہندوستان اور غیر ملکی جیلوں میں بند ہیں اور اپنے مقدمات اور افسروں کے فیصلے کا انتظار کر رہے ہیں، ہندوستان، برما اور ملایا اور دیگر ملکوں میں اس فوج کے بنائے جانے کے وقت جو حالات تھے، نیز اس فوج کے اعلانیہ مقاصد کے پیش نظر ان لوگوں کو باقاعدہ لڑنے والے سپاہی اور جنگی قیدی تصور کیا جانا چاہیے، اور جنگ ختم ہو جانے کے بعد انھیں رہا کیا جانا چاہیے، دریں حالات آل انڈیا

کانگریس کمیٹی کی زوردار رائے ہے کہ اختتامِ جنگ اور دیگر دوررس نتائج کے پیش نظر یہ بات حد درجہ الم ناک ہوگی اگرچہ ان لوگوں کو چاہیے ان کا طریق کار غلط ہی ہو، ہندوستان کی آزادی کی خاطر کام کی تعمیر میں ان لوگوں کا ہاتھ بے حد منفعت بخش ثابت ہوسکتا ہے، وہ پیشتر ازیں کافی تکالیف برداشت کرچکے ہیں اور اگر انھیں مزید سزا دی گئی تو نہ صرف یہ اقدام نامنصفانہ ہوگا بلکہ اس سے بیشمار گھروں اور ہندوستان میں بہ حیثیت مجموعی صفِ ماتم بچھ جائے گی اور ہندوستان وانگلینڈ کے درمیان خلیج اختلاف زیادہ وسیع ہوجائے گی، آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو پورا اعتماد ہے کہ آزاد ہندفوج کے ان تمام افسروں اور سپاہیوں کو فوراً رہا کردیا جائے گا، نیز برما اور ملایا کے ہندوستانی شہری جو انڈین انڈی پنیڈنس لیگ میں شامل ہوئے مستوجب سزا نہ ٹھہرائے جائیں گے۔ اگر ان لوگوں میں سے کسی کو اس کی جنگی سرگرمیوں کے بدلے سزائے موت مل چکی ہے تو اسے معرض عمل میں نہ لایا جائے گا۔

پنڈت نہرو کی تقریر:

پنڈت نہرو نے مندرجہ بالا ریزولیشن پیش کرتے ہوئے ایک تقریر میں فرمایا برما نیشنل آرمی اور انڈین نیشنل آرمی کے قواعد میں کوئی فرق نہیں لیکن ان سے مختلف سلوک کیا گیا ہے، گزشتہ جنگ کے بعد چیکوں کو جو جرمنوں کے ساتھ لڑے باقاعدہ لڑنے والے فوجی قرار دیا گیا ہے پھر ہندوستانیوں سے جو دشمن سے مل گئے تھے مختلف سلوک کیسے کیا جاسکتا ہے، پنڈت جی نے برٹش گورنمنٹ کو زبردست تنبیہ کی کہ اگر ان ہندوستانی نوجوانوں کو جن کا جرم محض یہ ہے کہ وہ اپنے وطن سے محبت کرتے ہیں چاہیے کتنے ہی گمراہ ہوں منتقمانہ سزائیں دی گئیں تو ہندوستان میں شدید بے چینی پھیل جائے گی، ان لوگوں کے رشتہ دار برطانیہ کی ہندوستانی فوج میں شامل ہیں، اس لیے ان کی سزائیں ہندوستانی فوج پر بھی اثر ڈالے بغیر نہ رہیں گی۔

ترمیم شدہ ریزولیشن منظور ہوگیا۔ (زمزم۔لاہور)

احرار اور کانگریس کے صدر:

۲۴ر ستمبر ۱۹۴۵ء: احرار ورکنگ کمیٹی کے اجلاس ۱۵ر ستمبر سے فارغ ہوکر شیخ حسام

الدین صدر مجلس احرار اسلام ہند، صدر کانگریس مولانا ابوالکلام آزاد سے ۲۴ ستمبر کو دہلی میں ملے، دونوں رہ نماؤں کی ملاقات میں طے پایا کہ احرار اور دوسری آزاد خیال جماعتوں کے درمیان سمجھوتا طے پاجائے کہ ہم خیال جماعتوں کا باہم ٹکراؤ نہ ہونے پائے۔ اس ضمن میں صدر احرار نے ایسوسی ایٹڈ پریس کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ:

احرار انتخابات میں دوسری آزاد اور ہم خیال جماعتوں سے متصادم نہیں ہوں گے، وہ اپنے اصولوں پر قایم رہتے ہوئے آزاد خیال لوگوں سے سمجھوتے کا خیر مقدم کریں گے۔ (کاروان احرار: ج ۶)

مسٹر جناح کے خلاف الزامات، تردیدی اعلان:

۲۴ ستمبر ۱۹۴۵ء: کوئٹہ، مسٹر جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے حسب ذیل اعلان شائع کیا ہے۔

میری توجہ ان تقریروں کی طرف دلائی گئی ہے، جو مسٹر مظہر علی اظہر اور مسٹر مشرقی نے کی ہیں، یہ بات صرف تکلیف دہ اور افسوس ناک ہی نہیں ہے کہ وہ کمینگی کی اس حد تک گر گئے ہیں کہ وہ مجھے نامسلم دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں، بلکہ میری پرائیویٹ لائف کے متعلق ان کے جھوٹ الزامات کے پلندے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس مسلم لیگ کے عقیدے، پالیسی اور پروگرام کے خلاف کوئی اور دلیل نہیں اس لیے وہ میرے خلاف بعض مسلمانوں کے دلوں میں جذبات پیدا کرنے کے لیے میرے متعلق جھوٹ پھیلا رہے ہیں مجھے یقین ہے کہ کوئی مسلمان جس کے دماغ میں ذرہ برابر بھی عقل موجود ہے اس قسم کے گرے ہوئے جھوٹ اور جھوٹے الزامات پر یقین نہ کرے گا، جو ہندو اخبارات میں نشر کرنے کے لیے پھیلائے جارہے ہیں۔ (زمزم۔ لاہور: ۲۷ ستمبر ۱۹۴۵ء)

جمعیت علماے ہند کا عظیم الشان اجلاس

اہم قراردادیں اور ضروری کارروائیاں:

مرکز یہ جمعیت علماے ہند کا عظیم الشان اجلاس ۱۹ ستمبر کی شام کو ختم ہوگیا، نمایندگی

اور تجاویز مباحث کے لحاظ سے یہ اجلاس ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔

آسام، بنگال، بہار، سی پی، مدراس، پنجاب، سرحد، سندھ وغیرہ ہندوستان کے تمام صوبوں سے آل انڈیا جمعیت علما کے ممبران دہلی پہنچے اور گہری دل چسپی سے مباحث اور تجاویز میں حصہ لیا۔ اس اجلاس میں شرکت کرنے والے اراکین اور نمایندگان کی کل تعداد دو سو چھ تھی، اجلاس نے سب سے پہلے ایک تجویز میں ورکنگ کمیٹی کی کارروائی کو قابل مبارک باد قرار دیا کہ اس نے وقت کی نزاکتوں پر نظر کر کے ملک کی متعدد آزادی خواہ جماعتوں اور افراد کی شرکت سے ایک آل انڈیا مسلم پارلیمنٹری بورڈ بنایا ہے تاکہ متحدہ طور پر سب آزادی خواہ مسلمان مرکزی اور صوبجاتی انتخابات میں حصہ لے سکیں اس کے بعد مندرجہ ذیل چھ تجاویز منظور کیں اور عام مسلمانانِ ہند کے نام ایک اپیل مرتب کیا جو آخر میں درج ہے۔

فلسطین:

۱۔ جمعیت علماے ہند کی مجلس مرکزیہ کا یہ اجلاس اس امر کو حد درجہ تشویش ناک جانتا ہے کہ اتحادی حکومتوں خصوصاً ممالک متحدہ امریکہ کے ذمہ دار حلقوں میں قومی رجحان اس کا پایا جاتا ہے کہ فلسطین کو وطن الیہود بنا دیا جائے جس کے خلاف تمام دنیاے عرب و اسلام کی طرف سے صداے احتجاج بلند کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صراحتہً اعلان کیا ہے کہ یہودیوں نے چوں کہ بے گناہ انبیا کو قتل کیا، اس لیے ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور اس قوم پر ذلت اور سکنت طاری کر دی گئی۔ یہی سبب ہے کہ ہزاروں سال سے یہ قوم حکومت کی عزت و شوکت سے محروم رہی ہے اور جب کبھی اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف دنیا کے کسی حصے میں یہودیوں کی حکومت قایم کرنے کی کوشش ہوگی اللہ تعالیٰ کا قہر و غضب نازل ہوگا اور دنیا اسی قسم کے مصائب سے دو چار ہوگی، جس قسم کے مصائب گزشتہ چھ سال کی عالمگیر جنگ میں اس نے برداشت کیے ہیں۔

لہٰذا جمعیت علماے ہند تمام اتحادی زعماء سے عموماً اور دنیاے مسیحیت کے سردارانِ سے خصوصاً درخواست کرتی ہے کہ عالم انسانی کو تباہی و مصیبت میں دوبارہ ڈالنے سے

احتراز کریں اور ارض مقدس فلسطین کو وطن الیہود بنانے کا خیال ترک کر کے اہل فلسطین کو سکون وعافیت سے زندگی بسر کرنے دیں۔

جمعیت مرکزیہ علماے ہند کی راے میں جمہوریۂ امریکہ کے صدر اور برطانیہ کی ترقی پسند مزدور پارٹی کے لیے ہرگز زیبا نہیں کہ اہل فسلطین کو دنیاے عتمدنہ کے مسلمہ اصول حق خوداردیت سے محروم کر کے ممالک غیر کے آبادکاروں کو اس ملک پر مسلط کیا جائے اور برطانوی قدامت پسندوں نے فلسطین کے انتداب کو اپنے دائمی تسلط کا ذریعے بنانے کی غرض سے جو حکمت عملی اختیار کی تھی اسے جاری رکھ کر حق وانصاف کا محض اس بنا پر خون کیا جائے کہ فلسطین کے اصلی باشندے یعنی عرب سفید فام نہیں ہیں۔

الف: انتداب کی عمر پوری ہو چکی اور جب وقت آ گیا ہے کہ جلد از جلد فلسطین میں عربوں کی کامل آزاد حکومت قایم ہونے کا موقع دیا جائے تاکہ متحدہ اقوام کی مجلس میں ایک نئے امن پسند رکن کا اضافہ ہو سکے۔

ب: جمعیت مرکزیہ اپنے دفتر کو ہدایت کرتی ہے کہ اس تجویز کی نقول بحری تار کے ذریعے صدر جمہوریہ امریکہ اور وزیر اعظم انگلستان کو روانہ کرے اور کوشش کرے کہ ہندوستان اور یورپ وامریکہ کے انگریزی اخبارات میں اس کی مناسب تشہیر ہو جائے۔

حج پر پابندیوں کے خلاف احتجاج:

۲۔ مرکزیہ جمعیت علماے ہند کا یہ اجلاس حکومت کے اس طرز عمل پر پُرزور احتجاج کرتا ہے کہ اس سال باوجود لے کہ جنگ ختم ہو چکی ہے اور راستہ کے خطرات باقی نہیں رہے، مگر سفر حج کے متعلق جو پابندیاں دورانِ جنگ میں لگائی گئی تھیں ان کو نہیں اٹھایا گیا۔ مزید برآں مصارف حج اس سال گزشتہ سال سے بھی زیادہ ہیں۔

حج جیسے اسلامی فرایض پر پابندی لگانا آزادی مذہب اور تہذیب کی دعویدار حکومت کے قطعاً خلاف اور ایک مذہبی فریضے میں مداخلت ہے جو کسی طرح بھی قابل برداشت نہیں۔

نیز یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ جس طرح لاہور سے کراچی تک اسپیشل ٹرینوں کا انتظام کیا گیا ہے، اسی طرح دہلی وغیرہ دوسرے اہم مقامات سے بھی حجاج کے لیے اسپیشل

ٹرینوں یا مخصوص ڈبوں کا انتظام کیا جائے اور سفر ریل کی امکانی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔

انڈین نیشنل آرمی کی رہائی:

۳۔ مرکزیہ جمعیت علماے ہند کا یہ اجلاس حکومت سے پر زور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ انڈین نیشنل آرمی کے تمام سپاہیوں اور آفیسروں کو رہا کر دے اور ان کو کسی قسم کی سزا نہ دے۔ کیوں کہ قانونی نقطۂ نگاہ سے خواہ ان کا رویہ جرم کی تعریف میں آتا ہو، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا انھوں نے جو کچھ کیا ہے جذبہ آزادی اور حب الوطنی کے تحت میں کیا ہے اور اس لیے ان کی یہ غلطی قابل مواخذہ نہیں ہے۔

یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ اگر ان سپاہیوں اور آفیسروں کو سزا دی گئی تو جو خلیج اس وقت حکومت اور ملک کے درمیان حایل ہے، زیادہ سے زیادہ وسیع ہو جائے گی۔

حکومت اور آزاد اخبارات:

۴۔ مرکزیہ جمعیت علماے ہند کا یہ اجلاس حکومت سے اس رویہ کی پر زور مذمت کرتا ہے کہ ایک طرف تو وہ مسلم لیگی، ہندو مہا سبھائی اور دوسری رجعت پسند جماعتوں کے اخبارات کی ہمت افزائی کر رہی ہے اور ان جماعتوں کو نئے اخبارات کے اجرا کے لیے ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچا رہی ہے۔ اور دوسری طرف آزادی خواہ جماعتوں اور پریس کی راہ میں رکاوٹیں اور مشکلات ڈال کر ان کو نئے اخبارات کے اجرا سے روک رہی ہے، حال آں کہ ایسے اہم وقت میں جب کہ الیکشن سر پر آپہنچا ہے حکومت سے جائز توقع تھی کہ وہ ہر جماعت سے یکساں سلوک کرے گی۔

یہ اجلاس حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ جو درخواستیں جدید اخبارات کے اجرا کے لیے جمعیت علما، مسلم مجلس اور دیگر آزادی خواہ مسلم جماعتوں کی طرف سے عرصہ ہوا کہ دی جا چکی ہیں اور جن کو اب تک منظور نہ کر کے حکومت نے ان جماعتوں کو جائز پروپیگنڈے سے روکا ہے فوراً منظور کرے تاکہ جو بے چینی اس باعث پیدا ہو گئی ہے وہ رفع ہو جائے۔

حکومت سندھ کی انتخابی فیس:

۵۔ مرکزیہ جمعیت علماے ہند کا یہ اجلاس حکومت ہند کی توجہ اس طرف مبذول کراتا ہے کہ حکومت سندھ نے صوبجاتی فہرست راے دہندگان کی ترمیم اور اضافے کا موقع نہیں دیا، بلکہ مرتبہ فہرست کو جائز تسلیم کرتے ہوئے دس روپے فیس دے کر ووٹر کے نام بڑھانے کی اجازت دی جاتی ہے جو آزاد اصول انتخاب کے خلاف ہے اور جس سے سرمایہ داروں کو من مانی کارروائی کا موقع ملتا ہے۔ یہ اجلاس حکومت صوبہ سندھ اور مرکزی حکومت سے درخواست کرتا ہے کہ مثل اور صوبوں کے فہرست ووٹران کی تصحیح اور ترمیم صوبہ سندھ میں بھی کی جائے، تا کہ کسان، طالب علم اور دوسرے غریب ووٹران اپنے جائز حق راے دہندگی سے محروم نہ رہیں اور صرف سرمایہ داروں کو ہی اپنے من مانے طریقے پر غریبوں کو نظر انداز کرنے کا موقع باقی نہ رہے اور وقت میں بھی توسیع کی جائے۔

خاکساروں کی رہائی کا مطالبہ:

۶۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لاہور سے کچھ دنوں پہلے پنجاب گورنمنٹ اور خاکساروں کے درمیان تصادم ہوا تھا جس کے نتیجے میں بہت سے خاکسار عمر قید کی سزائیں بھگت رہے ہیں۔ ایسی حالت میں جب کہ ملک کی فضا بدل چکی ہے اور مختلف قسم کے سیاسی قیدی رہا ہو چکے ہیں اور رہا ہونے والے ہیں، خاکسار قیدیوں کو جیلوں میں بند رکھنا صحیح نہیں ہے۔

جمعیت علماے ہند کا یہ اجلاس حکومت پنجاب سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ خاکسار قیدیوں کو دوسرے سیاسی قیدیوں کے ساتھ جلد از جلد رہا کردے۔ اس صورت سے اس غلطی کی کچھ نہ کچھ تلافی ہو سکے گی جو سابقہ مسلم لیگ نواز حکومت پنجاب نے کی تھی۔

اراکین مرکزیہ جمعیت علماے ہند کی اپیل:

چوں کہ حکومت کے اعلان کے مطابق مرکزی اور صوبائی انتخابات عن قریب ہونے والے ہیں اور چوں کہ اس کی ضرورت ہے کہ مسلمان اس بات کا فیصلہ کریں کہ آزادی ملک

اور اپنی موجودہ حالت بہتر بنانے کے لیے انھیں کس قسم کے نمایندوں کو منتخب کرنا چاہیے، آزادی خواہ جماعتوں کا ایک نمایندہ اجتماع جمعیت علماے ہند کی دعوت پر دہلی میں ہوا، جس میں جمعیت علماے ہند، آل انڈیا مومن کانفرنس، آل انڈیا مسلم مجلس، کرشک پرجا پارٹی بنگال، خدائی خدمت گار سرحد، انڈی پنڈنٹ پارٹی بہار اور دوسرے آزادی پسند مسلمانوں نے نہایت غور و خوض کے بعد متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ مسلم لیگ کی موجودہ پالیسی اور اس کا نصب العین نہ صرف ملک کے لیے بلکہ خود مسلمانانِ ہند کے لیے نہایت غلط ضرر رساں اور تباہ کن ہے اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک متحدہ پلیٹ فارم قایم کرکے ایک مرکزی الیکشن لڑانے کا انتظام کیا جائے اور اپنے اپنے نمایندے اس بورڈ کے لیے منتخب کردیں۔

چناں چہ اس تجویز کے مطابق ایک مسلم پارلیمنٹری بورڈ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی صدارت میں قایم کیا گیا ہے۔

پس جمعیت مرکزیہ علماے ہند تمام مسلمانوں سے پرزور اپیل کرتی ہے کہ وہ صرف ان امیدواروں کو اپنے ووٹ دیں اور انھیں کو کامیاب بنانے کی پوری پوری جدو جہد کریں جنھیں مسلم پارلیمنٹری بورڈ کی تائید و حمایت حاصل ہو، ایسے امیدواروں کو کامیاب بنانا اس لیے ضروری ہے کہ انھیں نمایندگان کے ذریعے ہندوستان کے مقصد آزادی کے لیے کوشش اور مسلمانوں کی تہذیب تمدن اور معاشرت وغیرہ کی ممکن حفاظت کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ سرکار پرست اور جاہ طلب افراد کی غلط رہ نمائی سے بچیں اور مسلم حقوق کو ان کی دستبرد اور مسلم لیگ کے غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈے سے محفوظ رکھیں، مسئلہ اتنا نازک اور اہم ہے کہ جذبات کی رو میں بہ کر اور نمایشی نعروں سے متاثر ہوکر اگر انھوں نے کوئی غلط قدم اٹھایا تو یقیناً انھیں اتنا سخت نقصان پہنچے گا جس کی تلافی ناممکن ہوجائے گی۔

مرکزیہ جمعیت علماے ہند تمام مسلمانوں سے کامل توقع رکھتی ہے کہ وہ اپنی غیرت اور فرض شناسی کا پورا پورا ثبوت دیں گے۔

جمعیت علماے ہند کو اس کے فیصلے پر مبارک باد کے تار میں قاضی مظہر علی صاحب نصیر آباد خاندیش علاقہ بمبئی تحریر فرماتے ہیں، مسلمانانِ خاندیش جمعیت علماے ہند کے فیصلے کا پر

جوش خیر مقدم کریں گے"۔

اس مضمون کے تار خواجہ عبد السلام صاحب کان پور مولانا مقبول احمد صاحب مدراس، مولانا بشیر الدین صاحب آسام وغیرہ کے پہنچ چکے ہیں۔

(زمزم۔ لاہور: ۲۷ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

مولانا آزاد کی لاہور آمد

۲۷ر ستمبر ۱۹۴۵ء: نئی دہلی، مولانا ابوالکلام آزاد کانگریس پریسڈنٹ علیل ہونے کی وجہ سے ۲۹ر ستمبر کو منعقد ہونے والی پنجاب پراونشل کانگریس کمیٹی کی میٹنگ میں شامل نہیں ہو سکتے۔ چناں چہ انھوں نے استجاب کے کانگریسیوں نے درخواست کی ہے کہ وہ میٹنگ کو ۲ر اکتوبر پر ملتوی کر دیں، کیوں کہ اس وقت تک وہ میٹنگ میں شامل ہو جانے کے قابل ہو جائیں گے۔

(زمزم۔ لاہور: ۳۰ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

تحریک اگست ۱۹۴۲ء کے متاثرین کی امداد:

۲۸ر ستمبر ۱۹۴۵ء: پٹنہ، صداقت آشرم میں ایک بھاری جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر راجندر پرشاد نے بتایا کہ ۱۹۴۲ء کے لوگوں نے جو کچھ کر دکھایا وہ ہندوستان کی تاریخ کا سب سے شاندار باب ہے، آنے والی نسلیں اس پر فخر کرنے گی مزید کہا کہ گذشتہ تین سال میں جس قومی اسپرٹ اور جذبۂ آزادی ہند کے جو مناظر دیکھے گئے، وہ پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے۔ ہم کو دبانے کے لیے ہر سختی روا رکھی گئی، مگر ہماری اسپرٹ دب نہیں سکی جن سیاسی ورکروں کو مصائب جھیلنا پڑے ہیں، ان کی مدد کرنے کے لیے راجن بابو نے بتایا کہ ہم اس یتیم کو اس کے وہ بھائی بند واپس نہیں کر سکتے، جو اگست کی تحریک میں کام آ گئے ہیں، ہمیں ان کی اشک شوئی کے لیے زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہیے، اور انھیں تسلی دینی چاہیے، آپ نے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ ریلیف فنڈ میں مدد دیں، جو ان لوگوں کے لیے کھولا گیا ہے۔

(زمزم۔ لاہور: ۳ر اکتوبر ۱۹۴۵ء)

افتخار الدین کا کانگریس سے استعفا:

۲۹ر ستمبر ۱۹۴۵ء: لاہور۔ میاں افتخار الدین سابق صدر پنجاب صوبہ کانگریس کمیٹی

کانگریس سے مستعفی ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے ہیں، اس سلسلے میں آپ نے ایک طویل بیان دیا ہے جس میں بتایا ہے مسلمانوں کو حق خود اختیاری سے محروم کرنا یا مسلم لیگ کو تسلیم نہ کرنا، آزادی کی راہ میں روڑے اٹکانے کے مترادف ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ میں لیگ کانگریس مفاہمت چاہتا ہوں، لیکن اس سلسلے میں کانگریس لیڈروں نے جو رویہ اختیار کر رکھا ہے، میں اس کے خلاف ہوں۔ لہٰذا میں کانگریس کی رکنیت سے مستعفی ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہو رہا ہوں۔ (زمزم۔لاہور: ۳راکتوبر ۱۹۴۵ء)

فرقہ وارانہ مسئلہ، پنڈت نہرو کی پریس کانفرنس:

۲۹ر ستمبر، ۱۹۴۵ء: بمبئی، پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ فرقہ وارانہ مسئلہ برطانوی پالیسی کے باعث بے حد خراب ہو گیا ہے اور مجھے اس کے آسانی سے حل ہونے کی کوئی علامت نظر نہیں آتی۔ اگر کانسٹی ٹیوائنٹ کے معمولی طریق سے بھی یہ مسئلہ حل نہ ہوا۔ تو پھر ہمیں اسے کسی غیر جانبدار عدالت کے سامنے ہی پیش کرنا پڑے گا۔ کیوں کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے بنیادی طور پر صرف تین ہی طریق ہو سکے ہیں۔

۱۔ کسی کانفرنس میں کوئی سمجھوتا ہو جائے۔
۲۔ کسی غیر جانبدار عدالت سے فیصلہ کرایا جائے۔
۳۔ خانہ جنگی

یہ تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مسلم لیگ کو ہندوستان کے مسلمانوں پر مضبوط گرفت حاصل نہیں، لیکن یہ مسلمان زیادہ تر شہری ہیں جہاں کہ فرقہ وارانہ جذبہ زیادہ پایا جاتا ہے، دیہات میں نہیں۔ چناں چہ کانگریس نے یوپی میں زراعتی مشکلات حل کرنے کے سلسلے میں جو کوششیں کیں انھیں عام مسلمانوں نے بہت پسند کیا۔ (زمزم۔لاہور: ۳راکتوبر ۱۹۴۵ء)

ہندوستان کا فرقہ وارانہ مسئلہ اور جناح صاحب کی غیر مصالحانہ روش:

ستمبر ۱۹۴۵ء: ماڈرن، ریویو ماہ ستمبر ۱۹۴۵ء ص ۱۳۵ میں ایک دل چسپ خط شایع ہوا ہے ہم اس کی عبارت کا ترجمہ بالا تمام نقل کر کے حوالۂ ناظرین کرتے ہیں تاکہ مسئلہ زیر بحث پر صحیح رائے قایم کی جائے، ایڈیٹر لکھتا ہے:

"گذشتہ ہفتہ ہوائی ڈاک سے ایک دل چسپ خط انگلستان سے آیا ہے اس میں ایک انگریز نے اپنے ایک ہندوستانی دوست کو جو اس کے ساتھ عرصہ تک بنگال میں انڈین سول سروس میں رہا ہے اور اپنی قبل از وقت پنشن سے پہلے تک ذمہ دار عہدہ پر سرفراز تھا اور اب انگلستان میں سوشل اور تعلیمی مشاغل میں منہمک ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"میں سمجھتا ہوں کہ ویول کی تجاویز کا گر جانا حقیقتاً ایک سانحہ ہے، تمہاری طرح میرا بھی پختہ خیال ہے کہ ہندو مسلم اختلافات کی اکثر و بیشتر تلخیاں برطانوی پالیسی کی مرہون منت ہیں، اگر ہندوستان کے برطانوی نظم و نسق نے ان دونوں جماعتوں کو متحد کرنے کی جدوجہد کی ہوتی تو وہ آج سے پچاس سال پہلے نہایت آسانی سے اسے کر سکتے تھے۔ اب البتہ یہ بہت مشکل ہو گیا ہے لیکن اس کے بجائے انھوں نے ان اختلافات کو ہوا دی اور انھیں بڑھنے دیا، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جناح ہندوستان کا ذہین شیطان ہے۔ اس کے مطالبات احمقانہ ہیں اور زیادہ تر اس غلط فہمی پر مبنی ہیں کہ مفاہمت کے التوا میں وہائٹ ہاؤس اس کی خاموش پشت پناہی کر رہا ہے، میں امید رکھتا ہوں کہ ویول اپنے اس فریب خوردہ کو بلا کر کہیں گے کہ بہت اچھا اگر تم ناموں کی فہرست دینے سے انکار کرتے ہو تو میں اپنی کارروائی کو آگے بڑھاتا ہوں اور بغیر تمہارے اس فہرست کو لے کر جو دوسری پارٹیوں نے پیش کی ہے اپنی کونسل بناتا ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ (ویول) اپنی رائے میں آزاد ہوتے تو ایسا ہی کرتے! مگر مسٹر چرچل نے مطالبات کی منظوری پر جو طریق کار تجویز کیا تھا وہ یہ تھا کہ اگر ایسی مشکل پیش آئے جیسی کہ حقیقتاً پیش آئی تو فوراً قدیم سسٹم کی طرف لوٹا جائے، یہ بری طرح مشہور ہے کہ چرچل رعایت دینے کے سخت خلاف ہے اور پرانے سسٹم کو برقرار رکھنے کے لیے جو بھی موقع حاصل ہوتا ہے اس سے اس کو خوشی ہوتی ہے۔

ہم حقیقتاً متعجب تھے کہ اس نے ویول کی تجاویز پر کیسے دستخط کر دیے، غالباً اس نے اس لیے دستخط کر دیے کہ اسے یقین کامل تھا کہ جینا ہٹ دھرم ثابت ہوگا اور کانفرنس کو ناکام کر دینے کے لیے یہ ہٹ دھرمی ایک بہانہ ہو جائے گی۔

جیسا کہ تمہیں علم ہے کہ چرچل فطرت انسانی کے کمزور پہلوؤں کا اندازہ لگانے میں بہت ماہر ہے اور غالباً وہ (چرچل) پوری طرح واقف تھا کہ اگر میں پیشتر سے کوئی اشارہ نہ کروں گا تو جناح کا کیا طرز عمل رہے گا! اب صرف ایک امید رہ گئی ہے کہ لیبر گورنمنٹ

واپس آجائے، جہاں تک شہنشاہیت کا تعلق ہے میں لیبر پالیسی کے بارے میں کچھ اچھا خیال نہیں رکھتا، لیکن کم از کم شاید وہ دوبارہ بات چیت کا دروازے کھولے اور ویول کو آزادی سے کام کرنے کا موقع دے آج رینالڈ نیوز میں ایک زبردست مقالۂ افتتاحیہ ہے۔ جس میں سارا الزام جناح پر رکھا گیا ہے اور کھلے بندوں یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ بغیر مسٹر جناح کے اشتراک کے کونسل بنائی جائے۔ یہ اخبار لیبر پارٹی کے زیادہ روشن خیال لوگوں کا نقطۂ نظر پیش کرتا ہے، یہ ہے وہ مقالۂ افتتاحیہ جو رینالڈ نیوز نے لکھا ہے اور جس میں شملہ کانفرنس کی ناکامی پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ جس کا اشارہ میں نے اپنے خط میں کیا ہے۔

اب وقت ہے کہ ہندوستان کے بارے میں صاف گوئی سے کام لیا جائے مسلم لیگ کے صدر جناح نے باوجود اس صاف حقیقت کے کہ ہندوستان مسلمانوں کا ایک بہت بڑا حصہ کانگریس میں شریک ہے اس مطالبہ پر اڑ کر کہ مسلم لیگ ہی کو ہندوستانی مسلمانوں کا واحد نمایندہ تسلیم کیا جائے، ایک بار پھر دستوری جمود کے حل کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ یہ صرف پہلا موقع نہیں ہے کہ جناح نے غیر مصالحانہ روش اختیار کی ہو ہم کب تک اسے ہر پُر امید اقدام کو ٹھکرانے کا موقع دیتے رہیں گے، برطانیہ کا فرض یہ ہے کہ وہ مصالحت کی پوری کوشش کرے، لیکن اگر مصالحت کی جدوجہد ایک پارٹی کے طرز عمل سے کھلے بندوں توڑی جارہی ہو تو برطانیہ کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ مسلم لیگ سے کہہ دے کہ مجھے تمہارے طرز عمل پر افسوس ہے، لیکن ہم اسے ہندوستان کی سیلف گورنمنٹ کے حل میں مسلسل روڑے اٹکانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ ہم اس سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس حل کو لے کر آگے بڑھ رہے ہیں جس کو ہم صحیح سمجھتے ہیں اور جسے ہندوستانی سیاسی تحریک کی سب سے بڑی جماعت نے قبول کرلیا ہے، مسلم لیگ کے لیے جگہ خالی ہے، جب وہ خواہش کرے گی اسے اس کی جگہ دے دی جائے گی، سابقہ تجربات کی بنا پر ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک برطانیہ اس خار دار درخت کو ہاتھ نہیں لگائے گا، اس وقت تک ہمیں سیلف گورنمنٹ کی جانب کسی حقیقی ترقی کا خیال ترک کردینا چاہیے''۔

اس اقتباس سے مسٹر محمد علی جناح کی سیرت کا جو پہلو نمایاں ہوتا ہے، اس کی طرف مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے اپنے رسالے کشف حقیقت میں توجہ دلائی ہے۔

بمبئی میں فسادات پھوٹ پڑے:

یکم اکتوبر ۱۹۴۵ء: بمبئی، آج شہر میں چھرا گھونپنے کی ۵ وارداتیں ہوئی ہیں، مجروحین کو فوراً ہسپتال پہنچا دیا گیا، کل متاثرہ رقبہ میں ایک دوکان کو لوٹ لیا گیا، آج فساد زدہ علاقہ سے پولیس نے ڈیڑھ سو گرفتاریاں کی ہیں اب تک گرفتاریوں کی کل میزان چار صد تک پہنچ چکی ہے۔

کل کا سرکاری اعلان مظہر ہے کہ اس وقت تک ہلاک شدگان کی تعداد ۲۵ اور مجروحین کی ۱۱۲ ہے کل شام ایک مسجد کو آگ لگا دی گئی، آج دوبارہ اسے جلانے کی کوشش کی گئی، معلوم ہوا ہے کہ یہ گڑ گام کی مسجد تھی، فائر برگیڈ نے آگ پر قابو پالیا، آج چھرا گھونپنے کی متعدد وارداتیں ہوئیں، شہر کے شمالی علاقہ سے بھی آج فسادات کی اطلاعیں موصول ہوئی ہیں، گورنر بمبئی نے اوٹاکنڈ اور میسور کا دورہ منسوخ کر دیا ہے اور آج فساد زدہ رقبہ کا دورہ کیا۔ معلوم ہوا ہے کہ خوف و ہراس کے باعث بہت سے مزدور کام پر نہیں گئے۔ کل پولیس نے تین مقامات پر گولی چلائیں۔ (زمزم۔ لاہور: ۳؍اکتوبر ۱۹۴۵ء)

مولانا مدنی کی توہین کا اندوہ ناک واقعہ:

۲۶؍ستمبر تا ۲؍اکتوبر: سید پور میں لیگیوں کی طرف سے حضرت شیخ الاسلام کی توہین کا جو اندوہ ناک واقعہ پیش آیا تھا، اس کی تفصیل محمد طیب بھاگل پوری نے مولانا سید محمد میاں کے نام ایک خط میں تاریخ وار درج کی ہے، طیب صاحب لکھتے ہیں:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی خدمت میں یہ تحریر ارسال کرتے ہوئے کلیجہ منہ کو آرہا ہے، جذبات قابو سے باہر ہوئے جارہے ہیں، یعنی لیگی غنڈوں نے اسلام کی دشمنی کے سلسلے میں حضرت سیدی شیخ الاسلام سیدنا مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی کے ساتھ جو شرارتیں اور مظالم کیے ہیں وہ تحریر کرتے ہوئے قلم رکتا ہے، اور دل رو رہا ہے کہ حضرت شیخ جیسی فنا فی الاسلام ہستی کے ساتھ لیگی مسلمانوں کا یہ سلوک، بداخلاقی، بدتمیزی، شرارتیں اور مظالم نہ معلوم کن نتائج تک پہنچنے والے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دور انقلاب عظیم الشان نتائج کا حامل ہے۔

لادینی پوری قوت کے ساتھ دین اسلام کے مٹانے کے درپے ہیں مصیبت یہ ہے کہ خود حکومت وقت پشت پناہی کر رہی ہے۔

۲۶ ر ستمبر ۱۹۴۵ء: راقم الحروف کو ۲۶ ر ستمبر کی شام کو کٹھیار (ضلع پورنیہ) میں حضرت مدنی مدظلہ العالی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اسی وقت حضرت مونگیر سے تشریف لائے تھے، شب کو مدرسہ دار العلوم لطیفی کٹھیار، میں طلبہ اور چند مذہبی لوگوں کے سامنے حضرت نے مذہبی تقریر ارشاد فرمائی جس میں شریعت کی پابندی پر سختی سے زور دیا اور ساتھ ہی جمعیت علمائے ہند کے اغراض و مقاصد اور موجودہ سیاسی مسلک اور اسلام کی روشنی میں جمعیت کی سیاست کو پیش کیا۔ یہ تقریر بہت اثر انگیز تھی۔

۲۷ ر ستمبر: دوسرے روز ۲۷ ر ستمبر کو پورنیہ شہر سے ۸، ۱۰ میل دور ایک گاؤں اسلام پور میں تقریر ہوئی، تقریر یہاں خالص مذہبی تھی۔ لوگوں کو مذہب اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اتباع کی طرف خاص توجہ دلائی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ موجودہ نظام سیاست میں علمائے اسلام کا گامزن ہونا اور اپنی آواز کو موثر بنانا اور موجودہ نظام سیاست میں داخل ہو کر بے دینوں اور غیر مسلموں نیز حکومت وقت کے حملوں سے اسلام کی مدافعت کرنا کس قدر ضروری ہے اور اس وقت اگر نظام سیاست بے دین لوگوں کے ہاتھ میں چلا جائے تو آیندہ اور کس قدر نقصانات پہنچ سکتے ہیں۔

۲۸ ر ستمبر: حضرت اسی شب کو روانہ ہو کر ۲۸ کو پاربتی پور (بنگال) پہنچے۔ پاربتی پور میں حضرت ہی نے جمعہ کی نماز پڑھائی۔ چار بجے روانہ ہو کر شام کو ڈومر (ضلع رنگپور) پہنچے۔ وہاں سے موضع سوتارائے ایک بڑے جلوس کے ساتھ وارد ہوئے۔ وہاں ایک گھنٹہ سے زائد دیر تک تقریر ارشاد فرمائی۔ لوگوں کو اسلام کی پابندی اور تعلیم مذہبی کی طرف توجہ دلائی۔ اور کہا جمعیت کی حمایت کر کے اسلام دوستی کا ثبوت دیں۔

مولانا ریاض الدین صاحب نے بعد میں بنگلہ زبان میں ترجمانی کی کیوں کہ بہت سے دیہاتی اردو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے تھے۔

۲۹ ر ستمبر: دوسرے روز ناشتہ کے بعد علمی مجلس رہی۔ عصر کے وقت بعد نماز عصر ڈومر میں تقریر فرمائی بعد مغرب سید پور روانہ ہوئے، وہاں لیگی غنڈوں کے ایک جم غفیر نے حضرت اور ان کے رفقا کو گھیر لیا، اور راستہ روک دیا بمشکل تمام پلیٹ فارم سے باہر نکلے۔

لیگی بلوائی حضرت کو کسی صورت سے آگے نہیں بڑھنے دیتے تھے، سیاہ جھنڈیاں لیے ہوئے مردہ باد کے نعرے لگا رہے تھے، اکثر غندے شراب کے نشے میں مست تھے، ایک لیگی نے حضرت مدنی مدظلہ العالی کے سر سے ٹوپی اتار لی، لیگیوں نے رفقائے سفر کو پوری سرگرمی سے گھونسوں اور مکھوں سے زدوکوب کیا، گاڑی بان کو زخمی کر دیا، پولیس کو خبر دی گئی، لیکن منزل مقصود یعنی اس گاؤں تک پہنچانے کی ذمہ داری نہ لے سکی۔ اس لیے آگے بڑھنا لیگیوں نے ناممکن کر دیا۔ شب بھرا اسٹیشن ہی پر واپس ہو کر قیام فرمایا۔

۳۰ ستمبر ۱۹۴۵ء: صبح کو واپس کٹھیار تشریف لائے، یہاں کا واقعہ اپنی نوعیت میں سب سے زیادہ شرمناک اور افسوس ناک ہے۔ لیگیوں نے (جن میں شہر کے غنڈوں کے علاوہ اسکول کے طلبہ زیادہ تھے) ایک گھڑے میں کیچڑ گھولا اور ایک ہار بوسیدہ جوتوں کا ایک شہد کا چھتہ نالی کے غلاظت میں ڈبو کر لائے سیاہ جھنڈیاں دکھا کر مردہ باد کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔

حضرت بھاگلپور جانے والی گاڑی میں سیکنڈ کلاس کے ڈبہ میں تشریف فرما تھے، ڈبے کے پاس آ کر نہایت فحش اور گندی گالیاں اور نعرے لگا لگا کر شور مچا رہے تھے، ان کی تعداد بہت کافی تھی''۔

(اس کے بعد چھ سطروں میں ان گندہ اور فحش الفاظ کو نقل کر کے تحریر کیا گیا ہے۔ کہ ''نقل کفر کفر نہ باشد'' مگر ہمارے خیال میں نقل کفر اگر کفر نہیں تو خلاف تہذیب و متانت ضرور ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ضروری نہیں کہ جو کفر نہ ہو لامحالہ اس پر عمل ہو۔ لہٰذا ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں)

نقل کفر کے بعد طیب صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے، رفقا کو جواب دینے سے منع فرما دیا تھا۔ آخر کار ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد گاڑی چھوٹی ۹ بجے شب کو بھاگلپور پہنچے۔

یکم اکتوبر ۱۹۴۵ء: دن کو ناتھ نگر میں پھر چمپا نگر میں عظیم الشان جلسے ہوئے۔ حاضرین کی تعداد کئی ہزار تھی، انصار اللہ کا دستہ باقاعدہ موجود مصروف نظم تھا، حضرت کی تقریر دو گھنٹہ کے قریب نہایت ہی ولولہ انگیز ہوئی۔ ہر جگہ کی طرح یہاں بھی شریعت کو مضبوطی سے پکڑنے کی تلقین، دعوۃ التقوی اور جمعیت کے احیا و ترقی کی طرف توجہ دلائی۔ عوام میں بہت

جوش وخروش تھا۔ اسی روز کانگریسی طلبہ کی کانگریس لاجپت پارک میں ہو رہی تھی۔ ارباب کانفرنس نیز کانگریس کے ارکان نے حضرت سے درخواست کی کہ کانگریس میں تقریر سے مستفیض کیا جائے، اصرار کے بعد حضرت نے منظور فرمالیا۔ سہ پہر کو جلسہ گاہ جاتے وقت لیگیوں نے شور برپا کیا۔ جو بیان سے باہر ہے، یہاں حضرت کو غنڈوں نے گھیر لیا۔ یہاں بھی شہر کے غنڈوں کے علاوہ مسلم ہائی اسکول کے طلبا کے ایک جم غفیر نے حضرت کے رفقا کو گھیر لیا۔

اور جلسہ گاہ جانے سے روکنے لگا۔ تیس چالیس لڑکے سیاہ جھنڈیاں لیے ہوئے تھے۔ غدار قوم مردہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ مکے گھونسے چلانے لگے۔ خدا کے فضل سے حضرت کو ضرب نہیں آئی۔ جب پتھر وغیرہ چلانے لگے تو پولیس کو اطلاع دی گئی۔ پولیس نے مداخلت کی، ایس پی وغیرہ پہنچے وہ موٹر میں بٹھا کر حضرت کو جلسہ گاہ میں لے گئے جہاں تقریباً آٹھ دس ہزار ہندو و مسلمانوں کا مجمع تھا۔ حضرت نے ایک ڈیڑھ گھنٹہ تک ہندو مسلم اتحاد پر پُر زور تقریر ارشاد فرمائی۔ مغرب کی نماز وہیں جلسہ گاہ میں تقریباً سات آٹھ سو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ ادا فرمائی۔ امامت حضرت ہی نے فرمائی۔ تمام انگریز دیوم مثلاً ایس پی وغیرہ اور ہندوستانی پولیس افسران کے سامنے انگریزی حکومت کے نقصانات و مظالم اور ہندوستان سے انگریزی حکومت کے اخراجات پر انتہائی بے باکی اور طمانیت کے ساتھ تقریر فرمائی بعدہ ایس پی نے جو انگریز تھا حضرت شیخ سے کہا کہ شہر میں آپ کی وجہ سے نقض امن کا خطرہ معلوم ہوتا ہے، اس لیے آپ یہاں سے جہاں جانا چاہتے ہیں تشریف لے جائیں، پولیس آپ کو اپنی نگرانی ہی میں رکھے گی۔ چنانچہ حضرت کو رات بھر کوتوالی تھانہ میں رکھا گیا، ہم خدام تھانہ میں ہی حضرت کے ساتھ بارہ بجے شب تک رہے، اگرچہ اکثر انسپکٹر پولیس صاحب جو وہاں ہر وقت موجود رہتے تھے، خدام کو ملنے سے منع فرمانے لگے۔
۳ر اکتوبر: صبح کو حضرت مدظلہ العالی کو اسٹیشن پہنچایا گیا، انسپکٹر پولیس اور غالباً ڈی ایس پی ساتھ تھے"۔

تبصرہ بر واقعہ:

اس اندوہ ناک واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے محمد طیب بھاگل پوری لکھتے ہیں:

ہاں! جلسہ ختم ہونے کے بعد حضرت کو اچانک موٹر میں بٹھا کر پہلے اسٹیشن لایا گیا کہ رات ہی کو روانہ کر دیا جائے لیکن اس وقت گاڑی چھوٹ چکی تھی۔ بعدہ کوتوالی لا کر رکھا گیا۔ اس درمیان میں شہر کے تمام خدام و متوسلین پریشان پھر رہے تھے۔ ایک دوسرے سے پوچھتے پھرتے تھے۔ شہر میں عجب غل مچا ہوا تھا کہ حضرت مدنی کو گرفتار کر لیا گیا۔ خیر جب راقم الحروف کو معلوم ہوا کہ حضرت کوتوالی میں ہیں تو ہم قریب پندرہ بیس خدام وہاں حاضر ہوئے، میں نے دست بستہ اپنی جانب سے نیز کل محبان شیخ مدظلہ العالی کی جانب سے عرض کیا کہ حضرت ہم سب غلاموں کی ایک درخواست ہے۔ وہ یہ ہے کہ کم از کم الیکشن تک حضور والا سفر موقوف فرما دیں، کیوں کہ لیگیوں کی اشتعال انگیزی کو دیکھ کر خطرہ معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین حضور کی جان لینے کے درپے ہیں، جیسا کہ ظاہر ہے، علاوہ ازیں حضرت کی بہت زیادہ توہین کرتے ہیں اور اذیتیں دینے پر تلے ہوئے ہیں، اس لیے عزت و جان کے خطرہ کے مدنظر ہماری درخواست ہے کہ چار پانچ مہینہ ضرور سفر بند رکھیں۔ جواب میں حضرت والا نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

''بھائی تم کہتے ہو اس میں بڑی اذیتیں و تکالیف ہیں لیکن یہ اذیتیں و مصائب جو دی جاتی ہیں یا اٹھانی پڑتی ہیں، میرے لیے عین راحت ہیں، باقی رہا عزت تو خدا اور رسول کے راستہ میں جو بھی توہین کی جائے یا اذیت دی جائے میرے لیے عین عزت اسی میں ہے، اگر حق گوئی کی پاداش میں ہماری توہین کی جاتی ہے یا گالیاں دی جاتی ہیں تو میں اس کو عزت تصور کرتا ہوں، باقی رہا مرنا تو مرنا ایک ہی دفعہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جس وقت اور جس طرح مقدر کر دیا ہے وہ ٹل نہیں سکتا۔ جمعیت مرکزیہ نے جب فیصلہ کر دیا تو میں قدم پیچھے نہیں ہٹا سکتا۔ میں جمعیت علما کا ایک معمولی حقیر خادم ہوں، اطاعت ضروری ہے علاوہ ازیں ہندوستان کے ہر ایک صوبے اور ہر ایک گوشہ سے یہی حکم آتا ہے کہ تو ہی آ، تو ہی آ، تیرا آنا ضروری ہے۔ تو میں کس طرح اعراض کر سکتا ہوں''۔

ہم سب خدام اور پولیس سب انسپکٹر صاحب یہ الفاظ سنکر ششدر تھے۔ حضرت کی حقانیت، عزم، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور للّٰہیت پر سب حیران تھے، حضور دن بھر تقریریں فرماتے۔ دن رات سفر میں رہتے، مخالفوں کی ہنگامہ خیزیوں کا مقابلہ سکوت و سکون و عدم تشدد سے فرماتے، ہر جگہ اصلاح، وعظ، تقویٰ کی تلقین، مریدوں کی روحانی تعلیمات بیعت

ارشاد، تبلیغ، ہر حرکت و سکون پر کمال اتباع سنت و تعلیم سنت مخالفت پر گالی و دشنام پر توہین پر گھبراہٹ کا نام و نشان نہیں، وہی بشاشت وہی خندہ پیشانی، ٹھیک وقت پر نماز با جماعت کی سختی سے پابندی، ہر جگہ تمام سفر وغیرہ میں تہجد، مراقبہ اور حیران کن شب بیداری، یہ تمام امور ایک انسان کو حیرانی میں ڈالنے والے ہیں، اور ہر شخص انگشت بدنداں ہے کہ حضرت انسان ہیں یا انسان سے بالا مافوق العادۃ کوئی ہستی ہیں۔ کہیں چائے نہیں ملی۔ کہیں تیل کا سالن ملا، کچھ پروا نہیں، جو کچھ سامنے آیا خوش خوش شکریہ کے ساتھ تناول فرمالیا، نہیں ملا بھوکے ہیں، مجال کیا، پتہ چل جائے۔ اللہ، اللہ ایسی ہستی کو اسلام کا دشمن، غدار قوم، ہندوؤں کا ایجنٹ کا خطاب دیا جا رہا ہے، حضرت شیخ کی مخالفت جمعیت علما کی مخالفت، حکومت کے اشارے پر لیگیوں کی منظم پالیسی کے ماتحت عمل میں آ رہی ہے، چناں چہ ان تینوں جگہوں میں جو مظاہرے اور دشنام طرازی کی گئی لیگ کے ذمے دار سیکرٹریوں اور صدروں اور تمام کارکنوں کی میٹنگ میں طے شدہ پروگرام کے ماتحت عمل میں آئی، اسکول کے ناسمجھ لونڈوں اور شہر کے غنڈوں کو پیچھے چھوڑ دیا جاتا ہے، جیسے کسی مجنون و پاگل کے پیچھے شور مچاتے گالیاں دیتے ہوئے اینٹ پتھر پھینکتے ہوئے جاتے ہیں۔

اس سفر میں حضرت کو کوتوالی میں دیکھ کر راقم الحروف کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، کہ یا اللہ اس تیرے بندہ کو کون سا نشہ یا جنون سوار ہو گیا ہے، یا کون سی بے چینی پیدا ہو گئی ہے کہ نہ سونے کا ٹھکانا، نہ کھانے کا ٹھکانا، نہ نہانے غسل کرنے کا ٹھکانا، آرام نہ راحت، رات دن سفر، مخالفوں وہ بھی مسلمانوں سے انتہائی ناروا سلوک دیکھتا ہے۔

اس وقت تھانہ میں مقید ہے اپنے اعزہ و اقارب کو چھوڑے ہوئے اپنے وطن و مکان کو خیر باد کہے ہوئے قریہ قریہ گاؤں گاؤں مارا مارا پھر رہا ہے اور التجا کر کر کے لوگوں سے محبت و پیار کے ساتھ اسلام کی طرف بلا رہا ہے، خدا و رسول کے حکم کی طرف دعوت دے رہا ہے، دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضرت والا کیوں نہیں یک طرف ہو کر یاد خدا میں مصروف ہو جاتے اور بے پناہ مصائب کیوں مول لے رہے ہیں یا اللہ تو ہی اس عاشق کو اپنی پناہ میں لے لے۔ آمین آمین بہر کیف اصل غرض یہ ہے کہ

(الف) حضرت والا مدنی صاحب مدظلہ العالی کی جان کو بلا شک خطرہ ہے۔ میری درخواست ہے کہ آپ سب لوگ حضرت کا سفر الیکشن بھر بند کرا دیں۔ جیسا کہ ہند کلکتہ نے

لکھا ہے کہ حضرت دو مرتبہ شہید ہوتے ہوتے بچے۔ کیوں کہ لیگی غنڈوں کی شرارت و اشتعال انگیزی کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوئے ہوں، کٹھیار کے اسٹیشن پر لیگی حضرات خوب چلا کر کہہ رہے تھے، اب کے الیکشن کے بعد جب ہمارا اقتدار ملک کے اندر ہو جائے گا تو اس وقت ایک ایک ملا کو ہندوستان کے صفحۂ ہستی سے مٹا کر دم لیں گے سب سے پہلا پروگرام ہمارا یہی ہوگا۔

(ب) علانیہ لیگی حضرات وارباب لیگ تمام تقریروں وتحریروں میں صاف صاف اعلان کر رہے ہیں کہ مسلمانو! مولویوں کو اپنے یہاں مت آنے دو! ان کو تقریر مت کرنے دو، ان کی تقریر کو کسی مسلمان کو نہ سننے دو، یہ تمہیں گمراہ کر دیں گے۔ یہ کانگریس کی طرف سے آئیں گے جو مسلمانوں کو فنا کرنے پر تلی ہوئی ہے، اگر یہ لوگ کسی صورت سے اچانک پہنچ جائیں تو جس صورت سے ہو اپنے یہاں سے نکال کر دم لو، وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کا ایک اشتہار کل بھی یہاں تقسیم ہوا ہے، اور اسی مضمون پر کل لیگیوں کی تقریریں ہوئی ہیں، چناں چہ اس منصوبہ کا عملی مظاہرہ ہر جگہ دیکھنے میں آرہا ہے، اس لیے اب سوال یہ ہے کہ آزاد خیال مسلمانوں یا جمعیت علما کا الیکشن کے متعلق کام کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جمعیت علما کے افراد واشخاص کی راہ میں بے حد رکاوٹیں پیدا کی جارہی ہیں، لیگ والے کثیر تعداد میں آکر مار پیٹ وہڑ بونگ مچانے پر تیار ہو جاتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ ہم لوگ تمہیں ہرگز ہرگز جلسہ وتقریر نہیں کرنے دیں گے۔ چاہیے اس کے لیے مار پیٹ کی نوبت کیوں نہ آجائے، چناں چہ اکثر جگہ یہی مشاہدہ میں آرہا ہے محکمہ پولیس ہر جگہ لیگیوں کی شرارت وہڑ بونگ کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ دیکھیے اس سفر میں بھی بجائے لیگیوں پر سختی کے حضرت ہی کو اپنی نگرانی میں رکھا۔

(محمد طیب بھاگل پوری، ۹ر اکتوبر ۱۹۴۵ء)

حضرت مولانا سید محمد میاں نے اس مشورے پر ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا ہے:

''طیب صاحب نے ہمدردانہ اور مخلصانہ مشورہ دیا تھا کہ الیکشن کے سلسلے ہی کو ختم کر دیا جائے کچھ مخلص حضرات نے اس کو علمی لطیفہ کے ساتھ اس طرح بیان فرمایا کہ یہ تو لازمی ہے کہ لا تقولوا الا الحق کے بموجب جب بھی بات کہی جائے حق بات کہی جائے۔ مگر اعلنوا بکل حق'' ہر

حق بات کا اعلان کرتے پھرو" کا حکم شریعت میں نہیں وارد ہوا۔

بہ ہر حال رخصت کا ایک درجہ یہ بھی تھا، مگر حضرت شیخ جیسا صاحب العزم اگر رخصت پر عمل کرتا تو ایک مرتبہ بھی جیل میں نہ جاتا، جو جماعت رخصت کو ترک کر کے پچیس سال متواتر عزیمت پر عامل رہی، اور ہر موقع پر ملک وملت کی ترقی کے لیے ایک فریضہ کی حیثیت سے سینے سپر ہو کر جدوجہد کرتی رہی اس کے لیے کب ممکن تھا کہ وہ اپنے اس اقدام سے قدم پیچھے ہٹاتی یا مصائب سے مرعوب ہوتی جس کو اس نے وقت کا اہم ترین ملی فریضہ تصور کیا تھا"۔

(حیاتِ شیخ الاسلام......از مولانا سید محمد میاں، ص ۱۷-۱۶۴)

پنجاب کانگریس کی صدارت، مولانا داؤد غزنوی کا انتخاب:

۵/اکتوبر ۱۹۴۵ء: لاہور، مولانا ابوالکلام آزادی کی سفارش پر مولانا داؤد غزنوی کو پنجاب پراونشل کانگریس کمیٹی کا صدر منتخب کیا گیا ہے اور ذیل کے اصحاب ورکنگ کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے، مفتی محمد نعیم لدھیانوی، ڈاکٹر گوپی چند بھارگو، مولوی عبدالغنی، دیوان چمن لال ایم، ایل اے، سردار درشن سنگھ، ایم اسماعیل، سیٹھ صدرشن ایم ایل اے، لالہ کدار ناتھ سہگل، ایم ایل اے، پنڈت نیکی رام شرما، کرتا سنگھ ایم ایل اے، پنڈت سری رام ایم ایل اے، سردار گوپال سنگھ قومی، سردار پرتاپ سنگھ، لالہ چندی رام درما، منشی احمد دین، سردار ہرنام سنگھ، سردار امر سنگھ، ماسٹر نند لال، خان عبدالغفار خان، لالہ جگت نرائن۔

مولانا آزاد کو پارٹی:

لاہور: ۵/اکتوبر، آج لاہور کے ایک سرکردہ بیوپاری مسٹر پی ایل بترہ نے مولانا آزاد کو ایک ٹی پارٹی کے دوران میں ۲۲ ہزار روپے کی تھیلی پیش کی، مولانا کے اعزاز میں یہ پہلی پبلک پارٹی ہے۔

پارٹی میں حصہ لینے والوں نے یہ امید ظاہر کی کہ انتخابات کے وقت تک یہ لوگ مولانا صاحب کو ایک لاکھ روپیہ پیش کریں گے۔ (زمزم۔لاہور: ۱۱/اکتوبر ۱۹۴۵ء)

لیگی لیڈروں کا ہندو مسلم فساد کا منصوبہ:

۵/اکتوبر ۱۹۴۵ء: نئی دہلی، یہاں اعلیٰ سرکاری حلقوں میں ان متوقع حالات پر بہت سنجیدگی سے غور ہو رہا ہے جو الیکشن کے سلسلے میں پیش آسکتے ہیں، نامہ نگار مدینہ کو ناقابل تردید ذریعے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ نواب زادہ لیاقت علی خاں کا وہ سرکلر جس میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ہر طریقے سے ووٹ حاصل کیے جائیں، حکومت ہند کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔

مسلم لیگ کے باقاعدہ ترجمان اخباروں نے جو رویہ اختیار کیا ہے اس کو نئی دہلی میں پارلیمنٹری آداب کے خلاف خیال کیا جا رہا ہے، اور اس سلسلے میں بعض نئی باتیں ظہور میں آنے والی ہیں، اخبار ڈان لیگ ہائی کمانڈ کی ہدایات کے مطابق سیاسی رہنماؤں کو جس طرح مخاطب کر رہا ہے، اس کی نظیر انگریزی صحافت کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی، دوسری طرف مولانا آزاد اور مولانا مدنی کی شرافت کا یہ عالم ہے کہ وہ بالکل خاموش ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ ان کی شخصیتیں ان خرافات سے بہت بلند ہیں۔

اخبار ڈان لطیفی پریس میں چھپ رہا ہے اس کے مالک ڈان کی موجودہ پالیسی سے پریشان ہیں اور پرنٹر کی حیثیت سے اپنی ذمے داری کو شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔

ایک معتبر ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ پاکستانی رہنما تمام ملک میں ہندو مسلم فسادات کے خواب دیکھ رہے ہیں، پاکستان کی بنیاد ہندو مسلم نفرت پر اس لیے رکھی گئی ہے کہ غریب مسلمانوں کے خون کے بدلے میں دولت مند جاگیرداروں کے لیے ووٹ حاصل کیے جائیں، حکومت ہند صورت حال سے باخبر ہے لیکن ابھی یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کیا قدم اُٹھائے گی۔ (مدینہ، بجنور: ۹/اکتوبر ۱۹۴۵ء)

مسلم یونی ورسٹی میں ہٹلرازم کی تعلیم:

۵/اکتوبر ۱۹۴۵ء: علی گڑھ، نواب زادہ لیاقت علی خاں نے اپنی تقریر میں یونی ورسٹی کے طلبہ کو تعلیم چھوڑ دینے اور انتخابی جنگ میں حصہ لینے کا حکم دیا تھا۔ اس حکم کے زیر اثر طلبہ کی ایک تعداد نے تعلیم سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ طالب علموں کو کام کرنے کی ٹریننگ دی جا رہی ہے، جہاں بہت سے سنجیدہ طالب علم پڑھنے لکھنے میں مصروف ہیں بوہلں طلبہ کی ایک

تعداد ہلڑبازی کی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔

یہ بات یقینی ذرائع سے معلوم ہوئی ہے کہ یونی ورسٹی کے ڈیڑھ سو طلبہ کو خاص طور پر بجنور کے لیے تیار کیا جارہا ہے تاکہ وہ فساد انگیزی کرکے جلسوں کو درہم برہم کریں۔ ایک دل چسپ خبر یہ موصول ہوئی ہے کہ یونی ورسٹی کے ایک صاحبزادے بجنور میں بھوک ہڑتال کریں گے تاکہ حافظ محمد ابراہیم کو مسلم لیگ میں آنے پر مجبور کیا جائے۔

مسلم لیگ کا پہلا انتخابی وفد ناکام ہوکر واپس لوٹ گیا ضلع بجنور نے اس وفد کے جلسوں سے غیر حاضر رہ کر یہ ثابت کر دیا کہ اس ضلع کے دونوں حلقوں میں مسلم لیگ کا کوئی اثر نہیں۔

(مدینہ۔ بجنور: ۹/ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

کمیونسٹ اور مسلم لیگ:

۵/ اکتوبر ۱۹۴۵ء: بمبئی، ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی نے اعلان کر دیا ہے کہ وہ آیندہ انتخابات میں مسلم لیگ کے امیدواروں کی حمایت کرے گی۔

(مدینہ۔ بجنور: ۹/ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

مسلم لیگ کی حمایت کا فتوی:

۶/ اکتوبر ۱۹۴۵ء: اخبار خلافت (بمبئی) مورخہ ۶/ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں ''کفار و مشرکین کے جھنڈے کے نیچے کسی تحریک میں شریک ہونا حرام ہے''۔ اور ''مسلم لیگ کے مقابلے میں کانگریس کو تقویت دینا اور لیگ کو کم زور کرنا جائز نہیں''۔ کے دوہرے عنوان سے ''مولانا حافظ قاری ظفر احمد تھانوی خلیفہ حکیم الامۃ تھانوی کا بیان''۔ شائع ہوا ہے۔

اگر مولانا تھانوی اپنے علم و بصیرت، حالات کے مطالعے، مسلمانوں کے مفادات میں اخلاص کے ساتھ اپنی ذاتی رائے بیان فرماتے تو کسی کو ان کے بیان کی تردید کی ضرورت نہ تھی، لیکن مولانا موصوف نے اپنے بیان کو صرف ایک سیاسی بیان کی حد میں رکھنے کے بجائے اسے اسلامی بنانا اور دلائل شرعیہ سے مدلل کرنا چاہا، اس سلسلے میں انھیں امام سرخسی'' کی شرح سیر کبیر میں ایک جگہ چند جملے مفید نظر آئے اور مطالعے کی نظر کو مزید وسیع کرنے کے بجائے انھیں سے استدلال کرکے اپنے بیان کو اسلامی، شرعی فتوی اور اسلام کا

حکم بنا دیا۔ مولانا محمد میاں مرحوم نے زیر نظر کتابچے میں جو ''مولانا ظفر احمد صاحب کے فتویٰ پر تبصرہ'' کے عنوان سے شایع ہوا ہے، مولانا تھانوی مرحوم کے اس فتویٰ کا رد کیا ہے، ان کے تسامح یا عدم دیانت کو واضح کیا ہے۔ اس لیے کہ مولانا تھانوی جیسا عالم دین جو ایک کتاب کا حوالہ دے رہا ہے وہ محولہ جملوں سے ملحقہ عبارت سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ مولانا محمد میاں علیہ الرحمہ نے اس امر کی تردید بھی کی ہے کہ کانگریس کا جھنڈا جس میں سبز رنگ مسلمانوں کے تشخص کی نشان دہی کرتا ہے کفار و مشرکین کا جھنڈا نہیں کہلایا جا سکتا۔ بالفرض سبز رنگ کے امتیاز کے بغیر کسی رنگ کا بھی جھنڈا ہوتا، اسے کفار اور مشرکین کا جھنڈا کہا جا سکتا تھا نہ اس کے نیچے جمع ہو کر ملک کی آزادی کی جدوجہد کرنا مسلمانوں کے لیے حرام ہوتا۔ کانگریس کے مقابلے میں لیگ بھی ہندوستان کی ایک قومی جماعت تھی جس میں مسلمانوں کے علاوہ قادیانی، اسماعیلی، آغا خانی وغیرہ شامل تھے اس لیے اس میں شامل ہونا اسلامی حکم اور اس میں داخل نہ ہونا اسلام کے خلاف کیوں کر ہو سکتا تھا۔

مولانا محمد میاں صاحب کا رسالہ سولہ صفحوں پر مشتمل ہے، اس کی تاریخ تحریر ۱۱ ذی قعدہ ۱۳۶۴ھ/ ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء تاریخ کتابت یکم جنوری ۱۹۴۶ء۔ خیال ہے کہ اسی ماہ کے پہلے یا دوسرے ہفتے میں شایع ہو گیا ہوگا۔

آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ کا حکم:

۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء: دہلی، آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے دفتر نے حسب ذیل احکام جاری کیے ہیں ہم آزادی کی خواہ مسلمان اور انگریزی شہنشاہیت اور اس کی سیاسی فوجوں کو شکست دینے اور اپنی زندگی کو بچانے کے لیے آخری جدوجہد میں حصے لے رہے ہیں۔ ہمیں انتخابی محاذ پر بہت ہی سنجیدگی سے کام کرنا چاہیے۔ اس وقت تمام دنیاوی مصروفیتوں کو چھوڑ دینا چاہیے اور اپنا اولیں فرض یہ سمجھنا چاہیے کہ ہر حلقہ میں زیادہ سے زیادہ غریب مسلمان جو ہمارے ہمدرد ہوں ووٹر بن جائیں، ایک منٹ ضایع کیے بغیر ووٹر بنانے کی کوشش شروع کر دینی چاہیے، ذرا سی غفلت تباہ کن ہوگی، حکومت نے مسلم لیگ کی آرزو کے مطابق یہ طے کیا تھا کہ صرف امیروں کے ووٹوں سے نیا انتخاب ہو، مگر مولانا ابوالکلام آزاد نے اس پالیسی پر ضرب رسید کی اور حکومت کو مجبور کر دیا کہ غریبوں کو ووٹر بنایا جائے، اس حق سے

ضرور فایدہ حاصل کرنا چاہیے۔ (مدینہ۔ بجنور: ۹؍اکتوبر ۱۹۴۵ء)

فضل الحق اور حاجی مولا بخش، آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے نئے ارکان:

۷؍اکتوبر ۱۹۴۵ء: دہلی، جمعیت علماے ہند کے دفتر سے معلوم ہوا ہے کہ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی صدر مسلم پارلیمنٹری بورڈ نے مسٹر فضل الحق سابق وزیر اعظم بنگال اور حاجی مولا بخش صاحب سابق وزیر سندھ کو آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے لیے نامزد کیا ہے، مسٹر فضل الحق نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ جمعیت علماے ہند ہی سیاسی رہ نمائی کا حق رکھتی ہے اور وہ اس کے پارلیمنٹری بورڈ کی رہ نمائی کے ماتحت انتخابی جدو جہد میں حصہ لیں گے، انھوں نے بورڈ کے کاموں اور سرگرمیوں میں پوری طرح حصہ لینے اور نظام کی پابندی کرنے کا یقین دلایا ہے، حاجی مولا بخش نے جمعیت علماے سندھ کی رہ نمائی میں وسیع پیمانے پر کام شروع کر دیا ہے، آپ نے پانچ سو جاں باز کارکنوں اور آزاد مسلم پارٹی سندھ کے ممبروں کی رہ نمائی میں انتخابی جدو جہد کا آغاز کیا ہے۔ سندھ، سرحد اور بنگال میں مسلم لیگ کا سایہ سمٹ رہا ہے، دراصل ان صوبوں میں کسی جگہ بھی لیگ کا وجود نہ تھا بلکہ اغراض کے بندے وزارتوں کے لیے جمع ہو گئے تھے اب وہ آپس میں لڑ رہے ہیں اس لیے ہر جگہ آزاد مسلم بورڈ کی کامیابی یقینی ہے۔

آزاد مسلم بورڈ کے پاس امیدواروں کی درخواستیں آ رہی ہیں جن پر پوری توجہ کے ساتھ غور کرنے کے بعد فیصلہ سنایا جائے گا، اس وقت سب سے پہلا کام یہ ہے کہ آزاد مسلم رہ نما تمام حلقوں میں اپنے ہم خیال غریب مسلمانوں کو ووٹر بنائیں۔

(مدینہ۔ بجنور: ۹؍اکتوبر ۱۹۴۵ء)

سیاسی جدو جہد کی آخری منزل، لاہور میں مولانا آزاد کی تقریر:

۸؍اکتوبر ۱۹۴۵ء: لاہور: آج شام کو پانچ بجے قوم پرور مسلمانوں کی طرف سے مولانا آزاد کے اعزاز میں فلیٹز ہوٹل میں ایک شان دار پارٹی دی گئی جس میں تمام طبقوں کے تقریباً تین سو اصحاب شامل ہوئے، مولانا آزاد نے پارٹی میں ایک مختصر سی تقریر کی، آپ نے کہا میں چھ روز سے لاہور میں آیا ہوا ہوں، اپنی صحت کے پیشِ نظر میں نے یہ سفر بہت

مجبوری کی حالت میں اختیار کیا، پنجاب کانگریس کے معاملات کچھ بگڑے ہوئے تھے ان کے سلجھاؤ کے لیے میرا یہاں آنا ضروری تھا، اس کے بعد حضرت مولانا نے ہندوستان کے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:

''ہندوستان اپنی سیاسی جدوجہد کی آخری منزل میں سے گزر رہا ہے، بدقسمتی سے ہمارے ملک میں ایسے حالات موجود ہیں جن میں طرح طرح کے شکوک اور شبہات پائے جاتے ہیں، بے اعتمادی کی فضا پائی جاتی ہے ان حالات میں مسلمانوں کو ایک کسوٹی اور معیار اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو دیکھنا چاہیے کہ ہندوستان کا جو آئندہ نقشہ اس آخری منزل میں بننے والا ہے اس میں مسلمانوں کی سیاسی زندگی کا تحفظ موجود ہے یا نہیں، مسلمانوں کی اور بھی کچھ فرقہ وارانہ جماعتیں ہیں وہ خوشنما الفاظ اور دل فریب نعروں سے مسلمانوں کو ریت کے سراب کو دریا اور پانی بنا کر دکھانے کی کوشش کر رہی ہیں مگر حقیقت خوشنما اور دل فریب نعروں سے نہیں چھپ سکتی! ہوسکتا ہے کہ مسلمان کچھ عرصے کے لیے خوش نما الفاظ کی رو میں بہہ کر دھوکا کھا جائیں، لیکن آخر میں انھیں معلوم ہو جائے گا کہ جسے وہ دریا اور پانی سمجھ رہے تھے وہ ریت کا سراب نکلا ہے میں اور وہ جماعت جس سے میرا تعلق ہے اپنے پورے یقین کے ساتھ سمجھتے ہیں کہ جس راستے پر میں مسلمانوں کو چلنے کے لیے کہہ رہا ہوں وہ ان کے لیے صحیح راستہ ہے اور اسی میں مسلمانوں کی سیاسی زندگی کا تحفظ موجود ہے، مسلمانوں کو مولانا آزاد نے اپیل کی کہ وہ نظریات کو خیر باد کہہ کر حقیقت کی عینک سے معاملے کو دیکھیں اور پھر ان کی تمام مشکلات حل ہو جائیں گی۔

(زمزم۔لاہور: ۱۱/اکتوبر ۱۹۴۵ء)

علم الدین کے مقدمہ کی فیس اور جناح صاحب:

۹/اکتوبر ۱۹۴۵ء: مسٹر جناح کا اسلامی کارنامہ، مہاشہ راجپال کے قاتل علم الدین کے مقدمے کی پیروی کے لیے مسٹر جناح کے بلایا گیا تھا: انھوں نے مقدمہ کی فیس دس ہزار روپے وصول کی تھی۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا بیان۔

(مدینہ۔بجنور: ۹/اکتوبر ۱۹۴۵ء)

آزاد مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے قیام کی تاریخ،

حریت پسند رہنماؤں کا متحدہ اور متفقہ فیصلہ:

۹/۱۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء: ۱۶ تا ۱۹/ ستمبر ۱۹۴۵ء کے تاریخی دن ہماری جدو جہد کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔

شاہ جہاں کی اجڑی ہوئی دلی! انگریزوں کا عہد حکومت، مزدور وزارت کا زمانہ، لارڈ ویول وایسرائے ہند کا دور، شریف منزل کے عین سامنے پچاس قدم کے فاصلے پر نواب قدیرالدین کی محلسرائے! محلسرائے کا نقشہ ایسا سمجھیے جیسے قلعۂ معلیٰ دہلی کے دیوان عام کا ایک دھندلا سا خواب، پرانی شان وشکوہ کی اس شائستہ روزگار یادگار کے حصار میں آزادی خواہ مسلمانوں کے مذہبی اکابر اور ملکی عمائد جمع ہوئے، ان میں علمائے دین بھی تھے اور زعمائے سیاست بھی، دیوبند کے مذہبی مجنون بھی تھے اور علی گڑھ کے ماتم زدگان اسلام و آزادی بھی، ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی میں مرمٹنے والوں کے وارث بھی تھے اور جلیاں والا باغ کو خون سے سیراب کرنے والوں کے ماتم گسار بھی، ان میں خلافت کے قیدی بھی تھے ور ۱۹۴۲ء کی جنگ آزادی کے نظر بند بھی، شیخ الہندؒ کی خدائی فوج کے سپاہی بھی تھے اور صوبہ سرحد کے خدائی خدمت گار بھی، مومن برادری کے اعوان و انصار بھی تھے اور مسلم مجلس کے رجال کار بھی:

ان میں بنگال اسمبلی کے اسپیکر، صوبائی اسمبلیوں کے ارکان، سابق قومی حکومتوں کے وزرا، مدیران جراید، تمام آزادی خواہ مسلم جماعتوں کے اعیان و اکابر موجود تھے۔ چند پرانے سوختہ ساماں، سرپھرے اور چند نوجوان، مسلک کے پکے اور مقصد کے دھنی شانہ بشانہ بیٹھے تھے، انھیں معلوم تھا کہ دعووں کے بادل گرج رہے ہیں اور نعروں کی بجلیاں خرمن آزادی پر چمک رہی ہیں، لیکن وہ خوش تھے اور مطمئن کہ نئے موسم کی ہوائیں طوفان کی خبر دے رہی ہیں۔

انھیں خوشی یہ تھی کہ طوفان سے کھیلنے کا زمانہ آگیا سب کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا ''زندگی ایک جہاد ہے اور ہم سب اس کے سپاہی ہیں''۔ سپاہی کا کام ادائے فرض ہے اور بس! ہم اپنا فرض ادا کریں گے، ادا کرتے رہیں گے، نتیجہ کا مالک خدا ہے، ہماری کوئی ذاتی

غرض نہیں، ہمارا کوئی شخصی مقصد نہیں، ہمارے لیے وزارت کی کرسی اور قید خانہ کا کمبل برابر ہے، ہمیں نہ اپنی پروا ہے نہ اپنے گھربار کی پروا ہے، نہ دن کے آرام کی ضرورت ہے اور نہ رات کا عیش مطلوب ہے، ہم پچیس سال سے غیر ملکی حکومت کے ہاتھوں تباہ ہو رہے ہیں اور اپنے ہم مذہب بھائیوں کے ہاتھ تباہ کیے جا رہے ہیں، آخر ہم چاہتے کیا ہیں؟

۱۔ دنیا کی تمام غلام قوموں کی آزادی، ۲۔ دنیائے اسلام کی آزادی، ۳۔ ہندوستان کی آزادی، ۴۔ ہندوستان کے آزاد علاقوں (یونٹوں) میں مسلمانوں کی آزادی، ۵۔ آزاد مسلمان ریاستوں میں اسلام اور اسلامی قانون کی آزادی۔

یہ ہیں ہمارے ایمان کے اجزائے پریشان، ان کے لیے جان لڑا دینا ہمارا کام ہے، ہم نے پچیس سال تک انگریزی شہنشاہیت سے جنگ کی مگر وہ زخمی ہو کر پیچھے ہٹ گئی، اب اس کی آزمودہ کار فوج مقابلے کے محاذ پر ہے، انگلستان کے رود بار میں بڑی چھوٹی مچھلیاں اچھل کود میں مصروف ہیں، پرانے شکاریوں کے لیے اس سے اچھا موقع کیا ہوگا۔

ایک نڈر اور بیباک جماعت کے لیے سب سے زیادہ خوشی اور اطمینان کا وقت وہ ہوتا ہے جب اس مصیبتوں کے طوفان میں یہ ثابت کرنے کا موقع ملتا ہے کہ اس کا وجود حق اور اس کی زندگی ایک حقیقت ہے۔

جمعیت علمائے ہند کی رہ نمائی:

ایک خاص بات جسے ہر شخص دیکھ سکتا تھا یہ تھی کہ چند جماعتوں کی پارلیمنٹری زندگی نے ایک شیرازہ کی حیثیت اختیار کر لی تھی، مسلم لیگ نے شملہ کے شیش محل میں بیٹھ کر جو پتھر پھینکا تھا اس کے زخمی ایک ایک کر کے جمع تھے، اور ان سب کے ہاتھ میں ایک ایک پتھر تھا، وہ سمجھتی تھی کہ مسلم لیگ ''پہاڑ کی محصور وادی'' ہے، جسے چاروں طرف سے شکاریوں نے گھیر لیا ہے اور اب آگے بڑھنے کا وقت ہے، یہاں کسی کے دل میں مسٹر جناح کے خلاف نفرت کا جذبہ نہیں تھا، یہ اصول کی جنگ ہے اس میں اصول ہی سے کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے، تاہم کارواں تیار ہوا، منزل متعین ہوگئی اور چل پڑا اور اسے چلنا ہی چاہیے تھا۔

بھلا بڑھتے ہوئے طوفان، برستی ہوئی بارش، بہتے ہوئے پانی، گرتی ہوئی آبشار کو کون روک سکتا ہے، چند طاقت ور جماعتیں جب ایک ہو جاتی ہیں تو وہ پہلے سے زیادہ طاقت ور

ہو جاتی ہیں۔ ایک دوسری خاص بات یہ تھی کہ یہ سارا اجتماع جمعیت علمائے ہند کی شاندار رہ نمائی کا نتیجہ تھا، قاید اعظم محمد علی جناح کا قول ہے کہ ''مسلم لیگ مذہبی جماعت نہیں، اسے مذہب سے کوئی واسطہ بھی نہیں'' ان کے سامنے جمعیت علمائے ہند مذہبی جماعت موجود ہے مگر اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ان کے خیال میں اسلام کو مٹ جانا چاہیے اور مسلمانوں کو زندہ رہنا چاہیے، انھوں نے مذہب اور علمائے مذہب کو چیلنج دیا، علما نے اس کو قبول کرلیا، دہلی سے اس کا اعلان کر دیا گیا، عیوض معاوضہ گلہ ندارد، نقد سودے میں ایک ہی بات اچھی ہوئی، اس ہاتھ آدمی دیتا ہے اور اس ہاتھ وصول کرلیتا ہے۔

کابینہ جمعیت علمائے ہند کے رکن مولانا بشیر احمد صاحب کٹھوری نے بجا فرمایا کہ ''یہ ہماری تاریخ کا پہلا واقعہ ہے ہمیشہ دوسری جماعتیں بلاتی تھے اور ہم جاتے تھے اس مرتبہ ہم نے بلایا ہے اور دوسری مقتدر جماعتیں ہماری دعوت پر جمع ہیں''۔

اس اجتماع میں وقت کی گھڑی کے تمام پُرزے ٹھیک تھے اور حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی ان تمام پرزوں میں بال کمانی کی جگہ متحرک اور کارفرما تھے۔

جماعتیں اور شخصیتیں:

اس اجتماع کی سیاسی تنظیم کی لوح جمعیت علمائے ہند نے تیار کی تھی، سب سے پہلے جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا اور اس نے فیصلہ کیا کہ آزاد مسلمانوں کی جماعتوں کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے'' مجلس عاملہ کے فیصلے پر جمعیت مرکزیہ جمعیت علمائے ہند (جمعیت علما کی آل انڈیا کونسل کا) جلسہ بلایا گیا اور اسی کے ساتھ تمام آزاد مسلمانوں کو جمع ہونے کی دعوت دے دی گئی، اس دعوت کے مطابق ۱۶، ۱۷، ۱۸ر ستمبر کو آزاد مسلم جماعتوں کا اجلاس ہوا، اور ۱۸، ۱۹ر ستمبر کو جمعیت مرکزیہ کے جلسے اور فیصلے بروئے کار آئے۔

ہم یہاں ان جماعتوں اور شخصیتوں کا ذکر کرتے ہیں جنھوں نے اپنی نمایاں اہمیت کا ثبوت پیش کیا ہے۔

جماعت	صدر جماعت
۱۔ جمعیت علمائے ہند	شیخ الاسلام مولانا مدنی
۲۔ آل انڈیا مومن کانفرنس کانپور	شیخ ظہیر الدین صاحب ایڈوکیٹ انبالہ

۳۔آل انڈیا مسلم مجلس دہلی	عبدالمجید صاحب خواجہ بیرسٹرایٹ لاء
۴۔کرشک پرجا پارٹی بنگال	مسٹر شمس الدین ایم ایل اے سابق وزیر بنگال
۵۔انڈی پنڈنٹ پارٹی بہار	مولانا منت اللہ ایم ایل اے
۶۔آزاد مسلم پارٹی سندھ	حاجی مولا بخش سابق وزیر سندھ
۷۔انجمن وطن بلوچستان	خان عبدالصمد خان زعیم بلوچستان (جن کا تار موصول ہوا تھا)

۱۔شیخ الاسلام مولانا مدنی:

نمایاں شخصیتوں میں شیخ الاسلام مولانا مدنی بحیثیت صدر اجتماع موجود تھے، حضرت کی علمی اور روحانی سوانح عمری جہاد و عمل کا عجیب و غریب مرقع ہے، تعلیم کا زمانہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے قدموں میں گزرا، ۱۸ سال مدینہ منورہ میں سبز گنبد کے نیچے مقدس جالیوں کے قریب عراق و عرب، شام و فلسطین کے علما کو قرآن و حدیث کا درس دیا، چار سال مالٹا میں نظر بند رہے، واپسی پر جہاز سویز سے آگے بڑھ کر مدینہ منورہ کے محاذ پر پہنچا تو حضرت شیخ الہند سے اجازت طلب کی، مگر شیخؒ نے حکم دیا ''تمھیں ہندوستان چلنا ہے، ہندوستان میں رہنا ہے، ہندوستان کی آزادی تک تمہارے لیے یہی کام ہے''۔

حضرت مولانا فرماتے ہیں ''میں ہندوستان میں غریب الوطن مسافر ہوں، حضرت شیخ الہند کے یہاں مقیم ہوں، ہمیشہ مدینہ منورہ کے لیے پابہ رکاب ہوں مگر حضرت مرحوم کی جانب سے کوئی روانگی کی اجازت آج تک نہیں ملی''

یہ ہے مولانا مدنی کا مقام اور یہی وجہ ہے کہ سینے میں فولاد کا دل ہے اور ان کا عزم پہاڑ کی طرح بلند ہے، ہم نے دیکھا ہے کہ جو بدنیت لوگ اہل اللہ سے توہین کا معاملہ کرتے ہیں اس دنیا ہی میں ان کو سزا ملتی ہے اور آج تک کوئی ایسا شخص خدا کے انتقام سے نہ بچ سکا۔

۲۔شیخ ظہیر الدین انصاری:

آل انڈیا مومن کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے آپ کی شخصیت تمام ہندوستان میں مشہور ہے، آپ سے حقیقی تعارف شملہ میں حاصل ہوا، آپ مومن کانفرنس کے صدر نشین ہیں اور اپنی قابلیتوں کے اعتبار سے پارلیمنٹری علم و فن کا ایک نمونہ کامل ہیں آپ غریبوں

کے امام ہیں اور پس ماندہ طبقوں کو اسلام کی سطح پر لانے کے لیے پوری طاقت کے ساتھ جدو جہد میں مصروف ہیں۔ کانفرنس کا صدر دفتر کانپور میں ہے اور آپ کا خاندان انبالہ میں رہتا ہے، آپ کے لفٹنٹ مسٹر عبدالقیوم صاحب (بہاری) کو پہلی مرتبہ دیکھا، ہندوستان کے مومن آپ جیسے عالی دماغ انسان پر جتنا فخر کریں کم ہے آپ کی ہستی میں خاص کشش موجود ہے۔

۳۔ آنریبل نوشیر علی:

بنگال اسمبلی کے اسپیکر اور پارلیمنٹری قوانین کے بہت بڑے ماہر، بنگال میں ایک ہی شخص ہے جس کا سیاسی کردار بہت ہی بلند ہے، آپ کی ذات بے لوث خدمت اور بے غرضی کا نمونہ ہے، صورت مولویانہ، سیرت صوفیانہ، وضع قطع اتنی سادہ ہے کہ شیروانی کا کالر پھٹا ہوا، اور ایک بٹن سرے سے غائب، قابلیت کا یہ عالم کہ تقریر کا ہر جملہ رولنگ ہوتا ہے۔ آپ کے سامنے گورنر کی قابلیت کا سورج بھی گہن میں رہتا ہے۔

۴۔ مسٹر مولا بخش (سندھ):

آزاد مسلم پارٹی کے لیڈر ہیں، آپ نے اپنے اصول پر وزارت کو قربان کر دیا۔ قاید اعظم نے دو ملاقاتوں میں آپ کو مسلم لیگ کا ٹکٹ اور وزارت پیش کی مگر آپ نے ان کو یہ کہہ کر مایوس کر دیا ''مسٹر جناح مجھے آپ پر رحم آتا ہے، آپ ایک ایسی جماعت کے صدر ہیں جس کے ممبر آپ کے سامنے آپ کو قاید اعظم اور آپ کے پیچھے ناگفتنی باتیں کہتے ہیں مفاد پرستوں کے اس اجتماع میں میری جگہ کہاں۔

مولا بخش دوہرے جسم کے مضبوط انسان، شیر کا چہرہ، دل فولاد کا، دماغ سلجھا ہوا، چہرہ خوبصورت اور دل نشین۔

۵۔ خان فقیرا خاں:

خدائی خدمت گار کے نمائندہ، مرد آہن پٹھان شہدائے، سرحد کی زندہ یادگار، ......میں مذہب کا سفیر کبیر، علمائے کرام کی سیاست مبلغ، قدسرو آزاد کا نمونہ، گفتگو صاف اور

سچائی میں ڈوبی ہوئی۔

۶۔ مسٹر شمس الدین بنگال:

کرشک پرجا پارٹی (کسان)...... کا پارلیمنٹری لیڈر، ایک شخصیت جسے بنگال...... اور دانائی کا نمونہ کہنا چاہیے، ایک سابق بنگال...... کی سیاسی بساط کا ایک متحرک مہرہ...... ہوشیاری، آنکھوں میں تیزی اور چمک...... قوت کی مالک، آپ اتفاق اور اختلاف...... ایک منٹ میں فیصلہ کرنے پر قادر ہیں۔

۷۔ عبدالمجید خواجہ بیرسٹرایٹ لا:

......کی ایک شمع جو اپنے دل کے سوز کے برابر...... پختہ کار مسلمان، دین دار اور دیانت دار...... صورت دیکھ کر مولانا محمد علی مرحوم یاد آجاتے ہے۔ خداد و دولت کے مالک ہیں مگر غریبوں کے غم میں اپنی زندگی کو گھلا رہے ہیں، مکہ اور مدینہ کا...... آپ کے چہرہ پر ثبت آیا ہے، اگر ہندوستان اسلامی حکومت ہوتی تو قلعہ معلّی میں قاضی القضات کا عہدہ آپ کے علاوہ اور کسی کو نہ ملتا، کہتے ہیں بدقسمتی سے آپ کو بھی برلا نے خرید لیا ہے، بھلا جھوٹ کا کوئی ٹھکانا ہے۔ (مدینہ۔ بجنور: ۹ر اکتوبر ۱۹۴۵)

مولانا مدنی اور مسئلہ فلسطین:

۹ر اکتوبر ۱۹۴۵ء: جمعیت علماے ہند کے صدر مولانا سید حسین احمد مدنی کی جانب سے فلسطین کے متعلق ایک بحری تار مسٹر ایٹلی، ٹرومین، وزیر اعظم فلسطین اور عرب فیڈریشن کے نام بھیجا گیا ہے، اس سلسلے میں جمعیت کے ایک پریس نوٹ میں کہا گیا ہے:

مرکزیہ جمعیت علماے ہند کے اجلاس (منعقدہ ۱۸، ۱۹ر ستمبر ۱۹۴۵ء، دہلی) نے ایک تجویز پاس کی ہے جس میں ظاہر کیا ہے کہ فلسطین میں متعینہ مدت کے ختم ہونے کے بعد مین دیٹ (جبریہ حکومت) عربوں کے مفاد نیز اصول خود ارادیت کے برعکس ہے، نیز صدر امریکہ اور لیبر گورنمنٹ برطانیہ کی اس پالیسی نے کہ سرزمین فلسطین میں یہودیوں کی نوآبادی قایم کی جائے، مسلمانان ہند کو پریشان

کردیا ہے، وہ اس کورنگ ونسل کے امتیاز کا نہایت مکروہ اور نفرت انگیز تصور کرتے ہیں۔

اجلاس مذکور نے مطالبہ کیا ہے کہ فلسطین کے عربوں کی اپنے وطن میں ایک آزاد ریاست ہونی چاہیے اور ان کو یونائیٹڈ انڈی پنڈنٹ اسٹیٹس لیگ میں مناسب جگہ ملنی چاہیے۔

یہ تار شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہٗ صدر جمعیت علمائے ہند کے نام سے روانہ کیا گیا ہے۔ (محمد میاں۔ ناظم جمعیت علمائے ہند)

(مدینہ۔ بجنور: ۹/اکتوبر ۱۹۴۵)

مولانا مدنی، مسئلہ حجاج، حضور ﷺ کی تصویر اور مسئلہ اردو:

۹/اکتوبر ۱۹۴۵ء: شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی جانب سے وائسرائے ہند اور ڈاکٹر کھرے کو تار دیا گیا ہے کہ کراچی میں حجاج کو جو تکلیف ہو رہی ہے اس کو دور کیا جائے اور دہلی اور دیگر صوبوں کا حجاج کا کوٹہ بڑھایا جائے۔

دوسرا تار گورنر صوبہ اڑلیسہ کو دیا گیا ہے کہ معلوم ہوا ہے کہ بال کرشن نے اپنی کتاب کے دوسرے حصے میں حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تصویر چھاپی ہے، یہ فعل مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف اور اشتعال انگیز ہے۔ آپ یہ کتاب ضبط کر کے فتنہ کو روکیں۔

نیز معلوم ہوا ہے کہ یونیورسٹی اڑیسہ نے اردو زبان کورس سے خارج کردی ہے اس میں مسلمانوں کی حق تلفی ہے، آپ توجہ فرمائیں۔

تیسرا تار، ڈائریکٹر تعلیمات صوبہ اڑیسہ کے نام دیا ہے کہ اردو زبان کو کورس میں داخل کر کے مسلمانوں کو مطمئن کریں۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب جنرل سیکرٹری جمعیت علمائے ہند نے راؤ راجہ شری کلیان سنگھ وای سیکرسی آئی ای کو تار دیا ہے کہ فتح پور اسٹیشن کے قریب مسلم مسافر خانہ کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے متعلق مسلمانوں کی درخواست پر جلد توجہ فرمائیے۔ (ناظم جمعیت علمائے ہند۔ دہلی)

(مدینہ۔ بجنور: ۹/اکتوبر ۱۹۴۵ء، ص ۳)

لیاقت علی خاں کی تقریر اور مولانا محمد میاں کا بیان:

۹ر اکتوبر ۱۹۴۵ء: جناب مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیت علماے ہند نے حسب ذیل بیان جاری کیا ہے:

۲۳ر ستمبر ۱۹۴۵ء کو علی گڑھ یونی ورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے نواب زادہ لیاقت علی خاں جنرل سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ نے فرمایا:

''پاکستان کا مطلب یہ ہے کہ ان علاقوں میں جہاں مسلمان اکثریت میں آباد ہیں، آزاد خود مختار اور جمہوری ریاستیں قایم کی جائیں''۔

''پاکستان ایک جمہوری ریاست ہوگی، اس کا دستور اساسی اس کے باشندے خود اپنے اپنے دستور ساز اداروں کے ذریعے بنائیں گے، ان اداروں کی تشکیل وہ خود کریں گے''۔ (منشور: ۲۶ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

اسی تقریر میں آپ نے یہ بھی فرمایا:

''مسلم طلبہ دس کروڑ مسلمانوں کی آزادی اور حق خود ارادیت کے حامی ہیں''۔

یہ تمام امور وہ ہیں جن کو جمعیت علماے ہند ساڑھے تین سال پیشتر اپنے اجلاس لاہور منعقدہ مارچ ۱۹۴۲ء کی مشہور تجویز میں نہایت خوبی اور عمدگی کے ساتھ مثال کر چکی ہے اور کانگریس بھی بار بار ان کی منظوری کا اعلان کر چکی ہے، ان کی بنا پر طلبہ نے اپیل کرنا الیکشن کا غلط پروپیگنڈا ہے، بقول نواب زادہ صاحب فرق یہ ہے کہ لیگ متحدہ ہندوستان معرض وجود میں نہیں آنے دے گی کیوں کہ وہاں ہندو اکثریت کا غلبہ ہوگا، نیز وہ یونٹس (واحدوں) کے لیے حق خود ارادیت نہیں مانگتی۔ بلکہ مسلم قوم کے لیے، مختصر یہ کہ:

ا۔ یوروپین شہنشاہیتوں نے ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد عثمانی سلطنت کے حصے بخرے کر کے اس کو بہت سے پاکستانوں پر تقسیم کر دیا تھا، یمن علاحدہ، عراق علاحدہ، حجاز علاحدہ، شام علاحدہ، لبنان علاحدہ، فلسطین علاحدہ وغیرہ وغیرہ۔

یہ یونٹس (واحدے) آج تک نیم غلام ہیں اور فرانس و برطانیہ کے آئینی پنجۂ استبداد کی گرفت میں کسے ہوئے کراہ رہے ہیں۔ مسلم لیگ یہ چاہتی ہے کہ اسی طرح

ہندوستان کی متحدہ طاقت کو خود اپنے ہاتھوں پارہ پارہ کر کے اس خوبصورتی سے برطانوی سامراج کے پنجۂ استبداد کو مستحکم کردے کہ مسلمان قوم اس غلامی کو اپنے لیے نعمت عظمیٰ سمجھتی رہے۔

پاکستان علاحدہ ہو ہندو ہندوستان علاحدہ، اور ہندوستانی ریاستیں علاحدہ، اور پھر جب مذہبیت کی بنا پر واحدے (Units) بنائے جائیں گے تو ہندوستان کے درجنوں مذاہب کی طرح اس کے اجزا بھی کئی درجن ہو جائیں گے۔

۲۔ اور جب کہ پاکستان کا دستور جمہوری ہوگا جس کو اس کے باشندے دستور ساز اداروں کے ذریعے مرتب کریں گے۔

یہ تو واضح ہوگیا کہ اسلامی یا قرآنی حکومت جس کے خوش آیند الفاظ سے عام مسلمانوں کو دھوکا دیا جا رہا ہے وہ قطعاً نہ ہوگی بلکہ ایک ایسا فیڈریشن ہوگا جس میں تقریباً چالیس فیصدی غیر مسلم کا حصہ پھر بھی رہے گا۔

''کوہ کندن و کاہ بر آوردن کی مثال اسی سے زیادہ کہاں چسپاں ہوسکتی ہے کہ پاکستان کے اس تمام قیامت خیز شور و غوغا کے بعد صرف دس فیصدی کی اکثریت مسلمانوں کے پلے پڑے گی جو آئین ساز اسمبلیوں میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ چناں چہ صوبہ آسام کی مثال موجود ہے جہاں مسلمان ۳۴ فیصدی ہیں اور ہندو کو ۱۶ فیصدی اکثریت حاصل ہے، مگر عموماً سر سعد اللہ وزارت کرتے رہے۔

ہندو اکثریت سے حفاظت کا طریقہ:

اس کے برعکس ہندو ہندوستان میں تقریباً تین کروڑ مسلمانوں کو تقریباً نوے فیصدی کی اکثریت کے حوالے کر دیا جائے گا، اس کے علاوہ اقتصادی لحاظ سے جو نقصان پہنچ سکتا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

نواب زادہ سے یہ توقع نہیں کہ وہ اس واضح حقیقت کی طرف توجہ فرمائیں مگر ہمارا مطالبہ عام مسلمانوں سے ہے کہ وہ غور کریں کہ آیا ہندوستان کو حصے بخرے کر کے ہمیشہ کے لیے غلام اور مفلوج اور بے دست و پا کر دینا بہتر ہے یا یہ صورت بہتر ہے جو جمعیت علمائے ہند نے ''وحدتِ مرکز'' تسلیم کرتے ہوئے اکثریت کے خطرات سے بچنے کی تجویز کی ہے کہ:

مرکز کی تشکیل اس طرح کی جائے کہ غیر مسلم اکثریت مسلمانوں کے مذہبی، سیاسی، تہذیبی حقوق پر تعدی نہ کر سکے، مثلاً مرکزی ایوان کے ممبروں کی تعداد کا تناسب یہ ہو کہ ہندو ۴۵ مسلمان ۴۵ دیگر اقلیتیں ۱۰، یا یہ کہ مرکز میں ایسی کوئی تجویز پیش نہ ہو سکے جس کا مسلم ارکان کی ⅔ اکثریت اپنی مذہبی یا سیاسی آزادی کے مخالف سمجھے یا ایسا سپریم کورٹ قایم کر دیا جائے جس میں مسلم اور غیر مسلم ججوں کی تعداد مساوی ہو۔
تفصیل کے لیے دیکھو تجویز جمعیت علماے ہند اجلاس سہارن پور ۱۹۴۵ء)
(مدینہ۔ بجنور: ۹/ اکتوبر ۱۹۴۵ء، ص ۳)

اہل حدیث کانفرنس کے فیصلے اور جماعت اہل حدیث دربھنگہ:

۱۳/ اکتوبر ۱۹۴۵ء: آج بتاریخ ۱۳/ اکتوبر بمقام بھوارہ مدھوبنی اہل حدیث لیگ دربھنگہ کا ایک شان دار اجلاس زیر صدارت مولانا عبدالظاہر صاحب سلفی منعقد ہوا، جس میں دربھنگہ ضلع کے اکثر و بیشتر اہل حدیث افراد تشریف فرما تھے، بحمد اللہ یہ جلسہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بہت کامیاب رہا جس میں باتفاق آرا ذیل کی تجویز پاس کی گئی۔

''ہم جملہ اہل حدیث ساکنان ضلع دربھنگہ نے یہ خبر بڑے رنج وافسوس کے ساتھ سنی ہے کہ دہلی کے چند سوداگروں نے ملک کے بعض جرائد میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس اور آل انڈیا موتمر اہل حدیث کی قرار داد کے عنوان سے ایک اطلاع شایع کرائی ہے جس میں اس بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ یہ آل انڈیا اہل حدیث ادارے آیندہ انتخابات میں مسلم لیگ کی اعانت اور اس کے نامزد کردہ امیدواروں کو کامیاب بنانے کی سعی کریں گے۔ اس قرار داد میں ملک کے جملہ اہل حدیثوں سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہونے والے امیدواروں کو اپنا ووٹ دیں، ہم لوگ اس حقیقت کا اعلان کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم اہل حدیثان ضلع دربھنگہ کسی ایسی قرار داد کا علم نہیں رکھتے ہمارے علم میں ان اداروں کی کوئی عام یا خاص آل انڈیا نشست اس نازک اور اہم مسئلہ پر غور کرنے کے لیے بلائی گئی۔ ہو سکتا ہے کہ دہلی ونواح دہلی کے اہل حدیثوں کا یہی خیال ہو جو اس قرار داد میں ظاہر کیا گیا ہے مگر اس خیال کو آل انڈیا اداروں کا فیصلہ قرار دینا اور اس کی بنا پر ملک کے طول و عرض کے جملہ اہل حدیثوں سے اپیل کرنا کہ وہ لیگ کے نامزد کردہ امیدواروں کو من حیثت

الجماعت کامیاب بنائیں قطعاً غلط اور سخت بد دیانتی ہے۔ ہم اس بات کا اعلان کر دینا چاہتے ہیں کہ تمام ہندوستان کے اہل حدیث من حیث الجماعت اس مسلک سے الگ ہیں جو اس نام نہاد قرار داد میں ظاہر کیا گیا ہے۔ (سکریٹری اہل حدیث لیگ)

(زمزم۔ لاہور: ۲۷/ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

حضرت شیخ الاسلام کا مقامِ عزیمت:

۶/ اکتوبر ۱۹۴۵ء: سید پور کے وحشت ناک سانحے پر پورے ہندوستان میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی تھی، اب کہ اس واقعے پر نصف صدی کا عرصہ گزر چکا ہے، اس کی یاد آتی ہے تو دل خون کے آنسو روتا ہے، لیکن حضرت شیخ الاسلامؒ نے اپنے نیاز مندوں کو کسی معمولی ردعمل کے اظہار سے بھی اس شدت سے روک دیا تھا کہ وہ گویا بالکل بے دست و پا ہو گئے تھے، حضرت کی سیرت کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت نے کسی ایسے ناخوش گوار موقع پر کسی خادم کو اپنے پاس آنے اور بچانے کی کوشش کرنے سے بھی منع کر دیا تھا، حضرت کی سیرت کی عظمت کے اس مقام کو کون پا سکتا تھا۔

اللہ کی لاٹھی:

اس واقعے سے متاثر ہو کر مولانا عبدالرازق ملیح آبادی ایڈیٹر روزنامہ ''ہند'' کلکتہ نے ۱۶/ اکتوبر کو ''اللہ کی لاٹھی جس میں آواز نہیں'' کے عنوان سے ان تاثرات کا اظہار کیا:

مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی جیسے عالم دین اور ضعیف العمر بزرگ پر کئی ہزار مسلم لیگیوں کا سید پور (بنگال) میں ٹوٹ پڑنا اور قتل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنا ایسا واقعہ ہے جسے کوئی شریف آدمی بھی پسند نہیں کر سکتا۔ بلکہ قدرتی طور پر ہو شایستہ آدمی ایسے واقعے پر نفرین کرے گا اور ایسے لوگوں کو جانوروں سے بھی بدتر سمجھے گا۔

مولانا کے علم و تقویٰ کا خیال نہیں کیا گیا تھا، نہ سہی، کم سے کم یہی خیال کرنا تھا کہ وہ بوڑھے ہیں، کمزور ہیں، نہتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سید پور میں مہمان ہو کر آئے ہیں، کون شریف آدمی کسی بوڑھے کمزور، نہتے اور مہمان پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے! پھر یہ بھی یاد رہے کہ سید پور میں کوئی جلسہ بھی نہ تھا، مولانا اپنے ایک مرید کے پرُسے کو قریب کے ایک

گاؤں گئے تھے اور مولانا ریاض الدین احمد صاحب بانی دارالعلوم کے اصرار سے ان کے گھر دعوت کھانے کے لیے سید پور تشریف لائے تھے، اس سب کے ہوتے ہوئے بھی مسلم لیگی لوگ دیوانے بن کر مولانا پر ٹوٹ پڑے۔

سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس شرم ناک اور ذلیل ترین حملہ پر سب نے تھڑی تھڑی کی لیکن نہ کسی مسلم لیگی لیڈر نے مذمت کا ایک لفظ کہا نہ کسی مسلم لیگی اخبار نے مذمت میں ایک لفظ لکھا۔ بلکہ لیگی اخباروں نے اُلٹا یہ، سید پور کے غنڈوں کی خوب پیٹھ ٹھونکی اور ان کے کمینہ حملہ کو جلی سرخیوں سے سراہا۔

لیکن سچی بات یہ ہے کہ مسلم لیگ والوں کی اس ذہنیت پر تعجب کرنا ہی نہیں چاہیے، مسلم لیگ کے سیکرٹری اور مسٹر جناح کے ہمزاد نواب زادہ لیاقت علی خاں، لیگیوں کے نام اپنے سرکار میں لکھ چکے ہیں کہ الیکشن جیتنے کے لیے جائز اور ناجائز سب ہی کچھ کرو، اس اعلیٰ اخلاقی تعلیم کی موجودگی میں مسلم لیگ والے جو بھی کریں کم ہے۔

لیکن مولانا مدنی صاحب کے اس حادثے میں عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے کئی عبرتیں بھی موجود ہیں، مولانا پر چڑھائی کرنے والوں کی تعداد تین ہزار کے قریب تھی جن میں بہترے نشے سے عقل کھو چکے تھے، ان سب کی دلی غرض یہی ایک تھی کہ مولانا کو مار ڈالا جائے، مولانا کی حفاظت کرنے والے صرف نو دس آدمی تھے، جو مولانا کو اپنے بیچ میں لیے ہوئے تھے، کہاں تین ہزار آدمی جن پر خون سوار تھا اور کہاں دس آدمی جو بالکل نہتے تھے، لیکن اللہ کی طاقت ان ہی دس آدمیوں کی ساتھ تھی، بدر جیسا واقعہ دنیا نے سید پور میں بھی دیکھ لیا۔ قریش کا لشکر جرار جس طرح بدر میں مٹھی بھر اللہ کے سچے بندوں سے ہار گیا تھا اسی طرح مسلم لیگ کا لشکر جرار سید پور میں اللہ کے صرف دس سچے بندوں سے ہار گیا۔ اللہ کے ان دس سچے بندوں نے تین ہزار لیگیوں کی یلغار روک دی، ان کے ریلے کا کامیاب مقابلہ کیا، یہ لوگ نہ مولانا کو گرا سکے، نہ اپنی چھریوں، لاٹھیوں، ہنٹروں سے مولانا کے نحیف وزار جسم پر کوئی ضرب ہی لگا سکے۔

یہ ایک سبق ہے اہل حق کے لیے بھی اور اہل باطل کے لیے بھی، مگر اہل باطل کے دلوں پر تو اللہ تعالیٰ مہر لگا چکا ہے، وہ کسی سبق سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

مولانا مدنی کے اس سانحہ میں دوسری عبرت یہ ہے کہ خدا نے ان کی حمایت میں ایک

انگریز کو کھڑا کر دیا، اسی انگریز کو جس کی قوم کا راج مولانا ہندوستان سے ختم کر دینے کے لیے جہاد کر رہے ہیں، اس انگریز نے لیگی مسلمانوں کے سامنے تقریر کی اور کہا کہ جس شخص کو تم قتل کر ڈالنے پر تلے ہوئے ہو، تمہارا بہت بڑا پیشوا ہے اور تمہاری قوم میں بڑی ہی قدر و منزلت کا مالک ہے، تم کہتے ہو، ہم پاکستان بنائیں گے مگر کیا تم ایسی ہی ذلیل حرکتوں سے اور ایسے ہی وحشیانہ اقداماتِ قتل سے پاکستان بنا سکتے ہو؟ ہرگز نہیں، تم اپنے اس جنون کے ساتھ پاکستان کبھی بھی بنا نہیں سکتے!

دیکھیے خود ایک دشمن کو خدا نے کس طرح حق کی حمایت کے لیے کھڑا کر دیا۔

ابھی عبرتیں ختم نہیں ہوئیں، خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی، لیکن خدا کی لاٹھی مارتی ہے اور چپ چپاتے کام تمام کر ڈالتی ہے، حضرت مولانا مدنی جب تین ہزار غنڈوں میں گھرے ہوئے تھے اور ان کی جان بچ جانے کی بظاہر کوئی امید نہ تھی تو کسی کے خبر دینے سے سید پور کا انسپکٹر پولیس موقعہ پر پہنچا، یہ شخص مسلمان ہے اور نہ جانے مسلم لیگی وزارت اور مسلم لیگی پاکستان میں اپنی ترقیوں کے کیا کیا خواب دیکھ رہا ہوگا، اس نے زبانی جمع خرچ تو بہت کیا، مگر اپنا فرض انجام نہیں دیا، بدمعاشوں کو روکنے کی کوئی کوشش بھی نہیں کی کیا عجب ہے کہ حضرت مولانا کے قتل ہو جانے کو بھی پاکستان میں اپنی ترقیوں کی ایک سفارش سمجھتا ہو، اس پولیس افسر نے اپنے خیال میں بڑی ہی عقل مندی سے کام لیا، مولانا مدنی کو بچانے کی کوئی تدبیر بھی نہ کی لیکن اس پولیس افسر پر تقدیر ہنس رہی تھی، مولانا پر حملہ رات کو ہوا تھا پولیس افسر اپنی ہوشیاری پر اکڑتا ہوا گھر لوٹا اور رات بھر اپنی ترقیوں کے خواب دیکھتا رہا، مگر صبح کو اس پولیس افسر کا لڑکا مر گیا، اور اس افسر کی تمام خیالی خوشیاں خاک میں مل گئیں۔

تو کیا بات یہی پر ختم ہو گئی؟ جی نہیں! ابھی اللہ بزرگ و برتر کی لاٹھی ٹھیری نہیں تھی، اللہ کی یہ لاٹھی اس گستاخ کو بھی سزا دینے پر تلی ہوئی تھی جس نے اللہ کے رسول ﷺ کے نائب مولانا مدنی کے سر پر سے ٹوپی اچک لی تھی، جس نے اس عالم دین کی ٹوپی کو اپنے جوتوں سے روندا تھا، اور پھر جس نے اس پاک ٹوپی کو جو نہ جانے بارگاہِ ایزدی میں کتنے سجدے دیکھ چکی تھی، آگ سے جلا دیا تھا۔

نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک سر سے یہ ٹوپی اچک لینے والا بدبخت آدمی گبرو جوان تھا، مضبوط اور طاقتور تھا، سمجھتا تھا میرا سامنا کون کر سکتا ہے، مگر تقدیر ہنس رہی

تھی، اور اللہ کی لاٹھی جو کبھی بولتی نہیں، ہل رہی تھی۔

جس وقت اس بد بخت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کی ٹوپی ان کے مبارک سر سے اتار لی، اس کی صبح کو اس شخص کے گھر برات تھی، بڑی چہل پہل تھی، اور یہ طاقتور جوان نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی گستاخیوں اور اپنی بدنی قوتوں کے گھمنڈ میں ایک عجیب حال میں تھا، سمجھتا تھا بس میں ہی تو اس دنیا میں ہوں اور بس میں ہی تو اس دنیا میں جو چاہوں کر سکتا ہوں، مگر یہ شخص خدا کی لاٹھی کو بھولے ہوئے تھا، یہ بدخصلت نوجوان براتیوں میں سے اپنے ہم عمروں کو لے کر تالاب پر گیا، یہ واقعہ حضرت مدنی کے سانحے والی رات کی صبح کا ہے، سب ہنسی خوشی نہانے لگے، پھر بدنصیب نوجوان نے غوطہ لگایا، اب لوگوں نے دیکھا کہ اس کے دونوں پاؤں تو اوپر ہیں، مگر وہ خود پانی کے اندر ہے، پہلے خیال کیا گیا، چہل کھیل رہا ہے، مگر جب بہت دیر ہوگئی تو لوگ پریشان ہوئے کہ آخر معاملہ کیا ہے؟

معاملہ جلد ہی معلوم ہوگیا، اللہ کے اس دشمن نے جب غوطہ لگایا تو سینے تک تالاب کی مٹی میں دھنس گیا اور کسی طرح بھی نکل نہ سکا، تالاب کی مٹی نے اس شخص کو اس طرح جکڑ لیا تھا کہ براتی بھی نکال نہ سکے، اور کابلیوں نے آکر اسے نکالا، مگر وہ مر چکا تھا۔

دیکھی آپ نے خدا کی لاٹھی کی مار، جو کبھی بولتی نہیں، مگر اپنا کام کر جایا کرتی ہے، مجھے تو مسلم لیگی لوگ لامذہب اور ملحد کہتے ہی چلے آئے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک ''لامذہب'' اور ''ملحد'' ایسے واقعات کو مولانا مدنی صاحب کی کرامت قرار دے نہیں سکتا، لیکن خود میں بھی ''لامذہب'' اور ''ملحد'' ہونے کے باوجود خود مسلم لیگیوں سے پوچھتا ہوں کہ مولانا مدنی کے واقعے میں یہ جو کچھ ہوا ہے اس کا سبب کیا ہے؟

مولانا مدنی پر حملے کی مذمت:

۱۹؍ اکتوبر ۱۹۴۵ء: دہلی، (بذریعہ ڈاک) مجلس احرار صوبہ دہلی کی طرف سے جامع مسجد دہلی میں جلسہ منعقد ہوا، جس میں حضرت مدنی پر سید پور میں جو حملہ ہوا، اس کی شدت سے مذمت کی گئی، اور مسٹر جناح سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اس قسم کی حرکات کو رد کریں، اور علمائے کرام سے معافی مانگیں۔ (زمزم۔ لاہور: ۲۷؍ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

شیخ الاسلام مولانا مدنی کی توہین اور اس کا عبرت ناک انجام:

اکتوبر ۱۹۴۵ء: سید پور کے اندوہ ناک واقعے نے دینی حلقوں میں ایک عام بے چینی اور غم و غصے کی لہر دوڑا دی تھی، اخبارات میں مضامین و مراسلات، جماعتوں کے جلسوں میں رنج و غم کی تجاویز، مدارس کے اجتماعات میں افسوس اور غصے کا اظہار، سیاسی و دینی رہنماؤں کے اظہار افسوس کے بیانات، حضرت شیخ الاسلام اور اکابر جمعیت کے نام رنج و غم میں ڈوبے ہوئے خطوط کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری تھا، ان تمام چیزوں کا اس ڈائری میں احاطہ نہیں کیا جا سکتا، چند خاص اظہارات جن کا ذکر مولانا محمد میاں نے اپنی تالیف لطیف ''حیات، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی'' میں کیا ہے، یہاں مختصراً درج کیے جاتے ہیں، اس سلسلے میں ایک نہایت فکر انگیز رسالہ اس زمانے میں حکیم محمد ظفر احمد خان نے ''حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی پر لیگیوں کا شرم ناک حملہ اور قدرت کی جانب سے اس کا عبرت ناک انجام'' کے نام سے مرتب کر کے چھپوا دیا تھا، یہ ایمان افروز رسالہ ''رسائل متفرقہ سیاسیہ'' میں شامل ہیں، یہاں ''حیات شیخ الاسلام... '' سے بحث کا ایک ضروری ٹکڑا نقل کیا جاتا ہے، روزنامہ حقیقت، لکھنؤ کے حوالے سے مولانا نے ایک مضمون بہ عنوان ''شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی صاحب کی توہین اور اس کا عبرت خیز انجام'' نقل کیا ہے، یہ مضمون مولانا محمد کفیل بجنوری کے قلم سے ہے۔ (ا، س، ش) مضمون میں کہا گیا ہے۔

سید پور اور بھاگلپور میں جس نوعیت سے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند و صدر جمعیت علماءِ ہند کی ذات بابرکات پر قاتلانہ اور وحشیانہ حملے ہوئے وہ ہر سنجیدہ شخص کے لیے انتہائی رنج و قلق کا موجب ہیں۔

حضرت مولانا ریاض الدین صاحب سید پوری جو کہ حضرت الشیخ مدظلہٗ کے میزبان اور سید پور لانے کے باعث تھے وہ کلکتہ تشریف لائے ہوئے ہیں، موصوف نے راقم الحروف کو نماز جمعہ سے قبل نمازیانِ مسجد کولوٹولہ کی موجودگی میں اپنی درد بھری داستان سنائی کہ حضرت مدنی صاحب اپنے خادم احسان الحق صاحب مرحوم کی تعزیت میں قصبہ سونار تشریف لائے ہوئے تھے، اور میری درخواست پر شام کا کھانا تناول فرمانے کے لیے سید

پورا اسٹیشن پر اترے تھے اور افسوس کہ ممدوح کو میرے غریب خانہ تک پہنچنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی کہ دفعۃً تقریباً ۷۰۰ لوگوں کا انبوہ، لیگی نعرے لگاتا ہوا اسٹیشن پر آدھمکا اور حضرت شیخ کو عریاں دشنام دہی شروع کر دی۔ ہاتھوں میں لاٹھیاں ڈنڈے اور چھریاں تھیں، بے تمیزی سے نام لے لے کر قتل کر دو، مار ڈالو، ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو یہ غدار ہے، ایسا ہے ویسا ہے جو کچھ منہ پر آرہا تھا بکواس کی، ہم بنا بر استقبال صرف دس پندرہ آدمی تھے اور ان لوگوں میں برابر ایک شخص کے ناقوس پر ناقوس بجانے پر زیادتی ہو رہی تھی، چناں چہ دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً تین ہزار غنڈے سید پور ورکشاپ اور مضافات سے جمع ہو گئے اور پھر کربلا کا منظر حسین احمد بن حسین کے سامنے آ گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، مار دھاڑ شروع کر دی اور ہم چند لوگ جو شیخ مدظلہ کو حلقہ میں لیے ہوئے تھے کچھ مجروح اور کچھ مضروب ہو رہے تھے اور خدا جانے ہم لوگوں میں آیا فرشتے آ گئے تھے یا کیا بات تھی کہ بے انتہا قوت ہمارے اندر پیدا ہو رہی تھی، اور ہم ''کانہم بنیان مرصوص'' بنے ہوئے تھے اسی اثنا میں ایک فرعون بے سامان نے اپنی فرعونیت کا شدید ترین مظاہر کیا، مدنی صاحب کو زمین پر پچھاڑنے کی کوشش کی بے دردی سے گریبان اور آخر میں سخت مدافعت کے باوجود کلاہ مبارک سر سے اتار لی، بے ہودہ کلمات بکتے ہوئے پاؤں کے نیچے روندا اور پھر اس کو جلا دیا، ہم میں سے بعض اشخاص نے ایک مسلمان سب انسپکٹر کو جو قریب ہی تھا امداد کے لیے متوجہ کیا مگر افسوس اس نے لیگی ذہنیت کی وجہ سے ابتدا، لطائف الحیل سے کام لے کر کچھ دیر بعد صاف وصریح انکار کر دیا کہ میں اس بڑے مجمع کو قابو میں لانے سے معذور ہوں، جب اس پولیس افسر نے اپنی شرعی و قانونی ذمہ داری کا قطعی احساس نہیں کیا تو ہم میں سے بعض مایوسانہ طریقہ پر ورکشاپ کے انگلو انڈین افسر کے پاس پہنچے وہ فوراً اسٹیشن پر آیا اور اس نے فی الواقع امن وامان قایم کرنے کی بہت کچھ کوشش کی اپنے ماتحت مزدوروں سے یہاں تک کہا کہ:

> ''خبردار! یہ تم کیا کام کرتے ہو؟ ہم جانتے ہیں یہ شخص تمہارا بہت بڑا پوپ ہے، زبردست پادری ہے، نہایت نیک آدمی ہے، کیا تم اس طرح غنڈہ پن سے شراب پی پی کر پاکستان لینا چاہتے ہو، دور ہو جاؤ، دفع ہو جاؤ تمہارے منہ سے شراب کی بو آتی ہے''۔

غرض اس افسر نے سب کو سمجھایا مگر کچھ اثر نہ ہوا، اور مدنی صاحب اسی درمیان میں

بمشکل تمام ویٹنگ روم میں داخل کیے جانے کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کی طرح مظلومانہ محصور تھے، اس ناکامی کے بعد اسٹیشن افسران وغیرہ کی سعی کے ذریعے غنڈوں سے یہ طے پایا کہ مولانا کو اس صورت میں چھوڑا جاسکتا ہے کہ یہ اسی شب کی دارجلنگ میل سے واپس ہو جائیں، چناں چہ ایسا ہی ہوا، حضرت شیخ ساڑھے آٹھ بجے شام سے لے کر ڈیڑھ بجے شب تک ۵ گھنٹے اس مصیبت عظمیٰ میں مبتلا رہ کر دارجلنگ میل سے بھاگل پور کے لیے روانہ ہوگئے، پھر بھاگل پور میں پہنچ کر دوبارہ جو مصیبت آئی وہ بھی آخبارات میں مجملاً آچکی ہے''۔

یہ ہے وہ رقت خیز اور روح فرسا داستان کہ جس سے سوائے لیگی پریس کے ہر شخص مغموم و متاثر ہے اور ارباب لیگ کی طرف سے واقعہ کی تکذیب کی جارہی ہے۔ افسوس صد افسوس!

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

مولانا ریاض الدین صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت اپنے دوستوں کو صبر و سکون کے ساتھ تسلی و تشفی دیتے رہے اور فرمایا یہ تو کچھ بھی نہیں آیندہ ملک کی اس سے زیادہ خراب حالت ہونے والی ہے حملوں اور سب و شتم کے وقت حضرت شیخ کی کیا حالت تھی؟ مولانا ریاض الدین صاحب فرماتے ہیں کہ چہرہ پر قطعاً خوف و ہراس نہ تھا اور مدنی صاحب اکثر مراقبہ کی حالت میں ہو جاتے تھے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ممدوح سے دیگر اشخاص نے تحریری طور پر اجازت طلب کی کہ ہم غنڈوں کے قلع قمع کے لیے حاضر ہیں مگر مولانا مدظلہٗ نے بلوہ کے اندیشے اور اپنے اعتماد علی اللہ کی بنا پر اجازت نہیں دی۔ غالباً حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے ''ذام الملک ووقع الشیطان'' فرمایا تھا، ممدوح کے پیش نظر تھا، یہ ہے عمل بالحدیث۔

ادام اللہ فضلہٗ و ظلہٗ علی المسلمین والمسترشدین

شیخ الاسلام کی کھلی کرامت:

اولیاء اللہ سے جو عداوت کرتا ہے وہ دراصل باری تعالیٰ سے جنگ کرتا ہے، حق تعالیٰ

کے نیک بندوں کا بحالت مظلومیت صبر وضبط رنگ لائے بغیر نہیں رہتا، سیدنا امام حسینؓ کے قاتلین نے زیادہ عرصے میں نہیں تھوڑے ہی دنوں میں اپنی ذلت ورسوائی کا جو مہیب نقشہ دیکھا وہ اسلامی تاریخوں میں آج بھی روشن ہے، مظلوم حسین احمد بھی غالباً حدود بنگال سے باہر نہیں نکلے تھے کہ خداوند تعالیٰ کا قہر وغضب ظالموں کی طرف متوجہ ہوگیا اور منتقم حقیقی کی گرفت شروع ہوگئی، چناں چہ مولانا محمد صالح صاحب سید پوری فاضل دیو بند خلف رشید مولانا ریاض الدین صاحب کا گرامی نامہ آج ہی اپنے پدر بزرگوار کے نام کلکتہ پہنچا، مکتوب بنگلہ زبان میں ہے، مگر راقم الحروف اس کا اردو ترجمہ جناب قاری عتیق الرحمٰن صاحب فرید پوری مدرس اعلیٰ شعبہ تجوید مدرسہ عالیہ کلکتہ اور جناب قاری شریعت اللہ صاحب میمن سنگی مدرس تجوید مدرسہ عالیہ سے کرا کے بعینہٖ درج ذیل کرتا ہے، مقام عبرت ہے کہ جس فرعون بے سامان نے زیادہ فرعونیت سے کام لیا تھا وہ تو اگلے ہی دن تالاب میں غرق ہو کر فوت ہوگیا اور جس پولیس افسر نے اپنی اخلاقی وقانونی ذمے داری کو محسوس نہیں کیا تھا اور کھڑے ہوئے کلوخ اندازی وغیرہ کا تماشہ دیکھا تھا وہ بھی اپنے نوجوان فرزند کو سپرد خاک کر کے سراپا تماشہ بن گیا، پھر خدا کی شان کہ جس خیال سے یہ ہڑبونگ مچائی تھی کہ جمعیت علما کی تبلیغ نہ ہو آج بڑے اہتمام سے اسی جگہ جمعیت قایم کی جارہی ہے، جو لوگ اب تک غنڈے بنے ہوئے تھے وہ اب تائب ہو کر ایک دوسرے کو متہم کر رہے ہیں اور جس جھنڈے کے تحت یہ سب کچھ خرافات کی گئی تھیں اسی جھنڈے کی اب علانیہ مخالفت شروع کر دی گئی ہے، اللہ لے قدرت کیا برعکس معاملہ ہے۔

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجرِ یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

صالح صاحب لکھتے ہیں:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابا جان، آپ کا خط موصول ہوا ہم لوگ خدا کے فضل سے خیریت سے ہیں۔ ہم لوگوں کے لیے کسی قسم کی فکر نہ کریں، بے فکر ہو کر کام کاج کریں اور ہم لوگوں کے لیے دعا کرتے رہیں، جن غنڈوں نے جناب حضرت قبلہ مولانا مدنی کے ساتھ گستاخی کی تھی وہ لوگ ابھی اس کا نتیجہ بھگت رہے ہیں، بڑے داروغہ کا بڑا لڑکا دوسرے ہی دن قضا کر گیا، یہ بات

شاید آپ کو معلوم نہ ہو، اس کے بعد جس شخص نے حضرت کے سر مبارک کی ٹوپی اتاری اور جلادی تھی دوسرے ہی دن وہ بھی تالاب میں ڈوب کر مر گیا، سید پور میں ہلڑ مچ گیا، اب یہاں سب لوگ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم لوگ ان غنڈوں کے ساتھ نہیں ہیں، ہم لوگوں سے ایسا ذلیل کام نہیں ہو سکتا، اصل بات یہ ہے کہ لیگیوں میں دو فرقے ہو گئے ہیں، بہت سے لوگ افسوس کر رہے ہیں کہ ایسا کام کرنا لیگیوں کی غلطی ہوئی ہے، اصل بات یہ ہے کہ لوگ لیگ سے ناراض ہو گئے کل بعد جمعہ قرب و جوار گاؤں کے سردار لوگ ہمارے گھر میں آئے اور تبلیغی جماعت قایم کی اور جمعیت علمائے ہند کی ایک شاخ قایم کی جس کا صدر آپ کو بنایا گیا ہے اور مرحوم مظہر اللہ منڈل کے لڑکے عبد الکریم منڈل صاحب کو اسسٹنٹ سیکرٹری بنایا، اور آس پاس کے لوگوں کے نام کی فہرست بھیجی ہے، آپ کے گھر آنے پر تمام سردار لوگ آپ کے پاس آئیں گے۔ فقط

صالح

آپ نے دیکھا سچے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کس طرح سچا ثابت کرتا ہے، گو تفصیلات کا ابھی انتظار ہے مگر تاہم حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی یہ کیسی زبردست اور کھلی ہوئی کرامت ہے۔

ممکن ہے کہ کچھ لوگ میری ان سطور کو افسانہ گوئی یا خوش اعتقادی پر محمول کرنا چاہیں اس لیے لوگوں سے میں صرف یہی عرض کر سکتا ہوں کہ وہ جمعیت علمائے اسلام کلکتہ کے صدر محترم مولانا عبد الرؤف صاحب دانا پوری اور جناب مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رکن جمعیت مذکورہ کو آمادہ کریں کہ یہ دونوں بزرگ میری معیت میں سید پور تشریف لے جائیں اور تمام واقعات کی تحقیقات و تفتیش از خود فرمائیں، مصارف آمد و رفت کی ذمے داری مجھ پر ہوگی اور واقعات مذکورہ کی تائید یا تردید بذمہ ان ہر دو بزرگان ہوگی، والسلام علی من اتبع الہدیٰ خادم العلماء محمد کفیل بجنوری رکن جمعیت مرکزیہ و صدر جمعیت علمائے کلکتہ، مفسر القرآن مسجد کولوٹولہ۔ (حیات شیخ الاسلام......ص ۱۷۲-۱۷۶)

مصری رہ نما نحاس پاشا اور مطالبہ پاکستان:

۲۱/اکتوبر ۱۹۴۵ء: مصر کے سیاسی رہ نما نحاس پاشا نے ۱۷/اکتوبر ۱۹۴۵ء کو قاہرہ

سے ایک بیان میں ''مطالبۂ پاکستان'' کے بارے میں کہا ہے:

''پاکستان کا مطالبہ آزادی کے راستے میں زبردست رکاوٹ ثابت ہوگا، اس سے غلامی کی زنجیریں ٹوٹنے کے بجائے مضبوط ہوں گی''۔

(مدینہ۔ بجنور: ۲۱؍اکتوبر ۱۹۴۵ء)

پنجاب کی لیگی سیاست اور بے دین رہنما

پنجاب مسلم لیگ فارورڈ بلاک کے لیڈر کا بیان:

۲۲؍اکتوبر ۱۹۴۵ء: ملتان، مولانا عبیداللہ خان فاضل پنجاب نے مسلم فارورڈ بلاک کونسل'' کے ممبر اعلیٰ سید الہ بخش شاہ صاحب ایم اے، ایل ایل بی (علیگ) کو ایک بیان کے دوران میں کہا:

''پنجاب مسلم لیگ کی لیڈر شپ اگر مذہبی تصور کے مسلمانوں کو اسمبلی میں بھیجنے کا اعلان کر دے، تو ہمارے اختلافات خود بخود ختم ہو جاتے ہیں، لیکن میں دیکھ رہا ہوں، کہ کل تک جو خدا اور قاید اعظم کو گالیاں دے رہے تھے، آج مسلم لیگ کے ٹکٹ پر اسمبلی میں جا رہے ہیں، میں نے قاید اعظم کو پنجاب کے اصل حالات سے آگاہ کر دیا ہے امید ہے کہ وہ کمیونسٹوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکیں گے۔

مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے، لیکن اپنی سیاست یا اپنا مذہب دہریوں اور لامذہبوں کے ہاتھ میں کبھی نہ دے گا۔ (نامہ نگار)

کامریڈ علی محمد سکرانی، کانگریس سے مستعفی نہیں ہوئے:

کراچی، مسلم لیگی اخبارات نے یہ خبر شایع کی تھی کہ کامریڈ علی محمد سکرانی کانگریس سے مستعفی ہوگئے، ایسا انھوں نے اعلان کیا ہے کہ لیگی اخبارات کا یہ بیان غلط ہے وہ کانگریس سے مستعفی نہیں ہوئے۔ (پروپیگنڈا، سکرٹری)

(زمزم۔ لاہور: ۲۷؍اکتوبر ۱۹۴۵ء)

مولانا آزاد کی مسلمانوں سے اپیل:

۲۲/اکتوبر ۱۹۴۵ء: اکتوبر ۱۹۴۵ء کے وسط میں مولانا ابوالکلام آزاد لاہور آئے تو بہت سے لوگوں نے جن میں کانگریس، احرار، یونینسٹ، مزدور طبقہ، سکھ اور علما نے آپ سے ملاقاتیں کیں، اکثر کالج کے طلبا بھی ملے، دیگر باتوں کے علاوہ مولانا کو یہ مشورہ بھی دیا گیا کہ آپ مسلم لیگ کے مقابل اپنی حفاظت کے لیے رضا کار فورس منظم کریں، لیکن ہر بات پر طرح دے کر گفتگو کا رخ بدل دیتے، ۲۲/اکتوبر کو لاہور کے ایک اجتماع میں بھی اس طرف اشارہ تک نہیں کیا، تقریر ملاحظہ ہو:

''میں چھ روز سے لاہور میں آیا ہوا ہوں، اپنی صحت کے پیش نظر میں نے یہ سفر بہت مجبوری کی حالت میں اختیار کیا، پنجاب کانگریس کے معاملات کچھ بگڑے ہوئے تھے، ان کے سلجھاؤ کے لیے میرا یہاں آنا ضروری تھا۔

میں مسلمانوں سے خصوصیت کے ساتھ کہوں گا کہ ہندوستان اپنی سیاسی جدو جہد کی آخری منزل سے گزر رہا ہے، بدقسمتی سے ہمارے ملک میں ایسے حالات موجود ہیں جن میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں، بے اعتمادی کی فضا بھی پائی جاتی ہے، ان حالات میں مسلمانوں کو ایک کسوٹی اور معیار اپنے سامنے رکھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو دیکھنا چاہیے کہ ہندوستان کا جو آیندہ نقشہ اس آخری منزل میں بننے والا ہے، اس میں مسلمانوں کی سیاسی زندگی کا تحفظ موجود ہے یا نہیں؟

مسلمانوں کی کچھ اور فرقہ وارانہ جماعتیں بھی ہیں، وہ خوش نما الفاظ اور دل فریب نعروں سے مسلمانوں کو ریت کے سراب کو دریا اور پانی بنا کر دکھانے کی کوشش کر رہی ہیں، مگر حقیقت خوش نما اور دل فریب نعروں سے نہیں چھپ سکتی، ہوسکتا ہے کہ مسلمان کچھ عرصے کے لیے خوش نما الفاظ کی رو میں بہہ کر دھوکا کھا جائیں، لیکن آخر میں انھیں معلوم ہو جائے گا کہ جسے وہ دریا اور پانی سمجھ رہے ہیں، وہ ریت کا سراب نکلا ہے۔

میں اور وہ جماعت جس سے میرا تعلق ہے اپنے پورے یقین کے ساتھ سمجھتے ہیں کہ جس رستے میں مسلمانوں کو چلنے کے لیے کہہ رہا ہوں، وہ ان کے لیے صحیح راستہ ہے اور اس میں مسلمانوں کی سیاسی زندگی کا تحفظ موجود ہے۔

میں مسلمانوں سے اپیل کروں گا کہ وہ جذبات کو خیر باد کہہ کر حقیقت کی عینک سے معاملے کو دیکھیں اور پھر ان کی تمام مشکلات حل ہو جائیں گی‘‘۔

(کاروان احرار: ج ٦ ص ١٧٠، ٣٧٠)

چینی حریت پرستوں کی اپیل:

۲۳ر اکتوبر ۱۹۴۵ء: سیگاؤں، جنوبی ہند چینی میں مسٹر اپیریلسٹوں کے خلاف لڑنے والے گروہوں میں سے ایک نے آج ہندوستانی فوجوں سے پہلی مرتبہ براہ راست اپیل کی کہ وہ قوم پرستوں کے خلاف لڑنا بند کردیں کیوں کہ وہ آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں، اور ہندوستانی عوام ملک میں آزادی کی جنگ لڑنے میں مصروف ہیں، اس لیے ہمارے خلاف نہ لڑو۔

(زمزم۔لاہور: ۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۵ء)

تنظیمِ اقوامِ متحدہ:

ایک بین الاقوامی تنظیم جو ۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو جمعیت اقوام (لیگ آف نیشنز) کے قایم مقام کی حیثیت سے تشکیل کی گئی، ماسکو کانفرنس میں یکم نومبر ۱۹۴۵ء کو چین، برطانیہ، ولایاتِ متحدہ امریکہ اور سوویٹ یونین نے اعلان کیا کہ وہ ایک ایسی عام بین الاقوامی تنظیم کی فوری ضرورت تسلیم کرتے ہیں۔ جس کی بنیاد سبھی امن پسند ریاستوں کی مساویانہ حاکمیت کے اصول پر رکھی جائے اور جس کی چھوٹی بڑی سب ریاستیں رکن ہو سکیں، اور جس کا مقصد بین الاقوامی امن وسلامتی کو برقرار رکھنا ہو، ڈمبارٹن اوکس کانفرنس نے جو ۷ر اکتوبر ۱۹۴۴ء کو ختم ہوئی عالمی تنظیم کا خاکہ بنانے کی تجویزیں پیش کیں پچاس قوموں کے نمایندے ۲۵ر اپریل اور ۲۶ر جون ۱۹۴۵ء کے درمیان اقوام متحدہ کے منشور کا مسودہ اور بین الاقوامی عدالت کے دستور اساسی کا مسودہ تیار کرنے کے لیے جمع ہوئے، اقوام متحدہ کی رکنیت کا دروازہ ان تمام امن پسند ریاستوں کے لیے کھلا ہوا ہے جو منشور کی عاید کردہ پابندیوں کو قبول کریں اور جو اس تنظیم کی رائے میں ان پابندیوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت اور قابلیت رکھتی ہوں اور اس کے اصولوں پر عمل کرنے پر آمادہ ہوں، نئے رکن سلامتی کونسل کی سفارش پر عام اسمبلی کے دو تہائی ووٹوں سے اس تنظیم میں داخل کیے جاتے ہیں، کچھ غیر رکن ریاستیں چند تخصصی اداروں میں داخل کرلی گئی ہیں‘‘۔

اقوام متحدہ کے قیام، مقاصد، ذیلی تنظیموں اور ان کے منشور وغیرہ کے تفصیلی مطالعے کے لیے دیکھئے فرہنگ سیاسیات...... اقوام متحدہ اور اس کے ذیلی اداروں پر بہت لٹریچر دستیاب ہے۔

شیخ الاسلام کی اپیل:

۲۵/اکتوبر ۱۹۴۵ء: دس لاکھ روپے کی ضرورت، حضرت شیخ الاسلام کی اپیل۔
(مدینہ۔ بجنور: ۲۵/اکتوبر ۱۹۴۵ء)

مطالبۂ پاکستان کے بارے میں ایک سوال اور اس کا جواب:

۲۵/اکتوبر ۱۹۴۵ء (۱۸/ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ): صاحب زادہ عبداللطیف سجادہ نشین خانقاہ زکوڑی (ڈیرہ اسماعیل خان) نے ایک سوال کیا تھا، ذیل میں یہ سوال مع حضرت مفتی صاحب کے جواب کے نقل کیا جاتا ہے، سوال یہ ہے:

سوال: ۱۔ علمائے کرام ومشائخ عظام کو موجودہ وقت میں اسمبلیوں کے لیے ممبر بن کر جانا جائز ہے یا نہیں؟ ۲۔ بصورت جواز جو حلفیہ عہد وفاداری ان سے لیا جاتا ہے اس کا کیا حل ہوسکتا ہے، کیا انگریزوں کے اس عہد نامے پر دستخط کردینے سے مطمئن بالاسلام ہو کر کچھ خرج لازم نہیں آتا، ۳۔ مسلم لیگیوں کا مطالبۂ پاکستان درست ہے یا غلط؟

جواب: ہندوستان میں حکومت کا معاملہ بڑی نزاکت اختیار کرچکا ہے اس لیے اس کے متعلق احکام دینا بہت مشکل اور پیچیدہ ہوگیا ہے، میرا خیال ہے کہ علما اور مشائخ اسمبلیوں میں ممبر بن کر جائیں تو بہتر ہے اس کے لیے جواز کا فتویٰ دیتا ہوں، اسمبلی میں جس عہد نامے پر دستخط کیے جاتے ہیں اس میں اتباع شریعت کے پختہ عہد کے ساتھ دستخط کیے جاسکتے ہیں پاکستان کا مطالبہ ہمارے خیال میں مسلمانوں کے لیے مضر ہے کیوں کہ حقیقی پاکستان نہ تو مانگا جاتا ہے نہ اس کے ملنے کی توقع، جو پاکستان کے مانگنے والے مانگتے ہیں وہ تمام ہندوستان سے اسلام کی شوکت مٹا کر ایک چھوٹے سے قطعے میں محدود کردینا ہے، اور اس میں بھی مخالف قومی پارٹی موجود ہے اور باقی ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کو مخالفین کے ہاتھوں میں بے دست وپا بنا کر چھوڑ دینا ہے، یہ صورت مضر اور یقیناً مضر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ، دہلی۔ (کفایت المفتی (جلد نہم)، کتاب السیاسیات)

مسلم پارلیمنٹری بورڈ کا نیشنل گارڈ:

۲۷/ اکتوبر ۱۹۴۵ء: نگینہ، ۲۱/ اکتوبر شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی کے ساتھ گستاخی کے ردعمل اور آیندہ الیکشنوں میں مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے امیدوار کو کامیاب بنانے اور انھیں مسلم لیگ کے شرارت پسند حامیوں کی یورش سے بچانے کے لیے ہم دو ہزار نو جوانوں کو تربیت دے رہے ہیں۔ (قاضی محمد یوسف علی) (زمزم۔ لاہور: ۲۷/ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

مولانا مدنی کو قتل کرنے کی سازش،

سید پور (بنگال) کے واقعات کی تفصیل:

۲۷/ اکتوبر ۱۹۴۵ء: اخباروں میں یہ خبر آچکی ہے کہ سید پور (بنگال) میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی پر مسلم لیگیوں نے حملہ کیا تھا لیکن اخباروں میں جو کچھ چھپا ہے اصلیت سے بہت کم ہے، یہ واقعہ اس قدر بھیانک، اس قدر شرم ناک اور اس قدر عبرت انگیز ہے کہ اسے مسلمانوں کے سامنے بغیر کسی کمی بیشی کے لے آنا ضروری ہے، میں اس حد درجہ افسوس ناک حادثے کا شاہد عینی ہوں بلکہ اس بپتا کا ایک شکار بھی ہوں، تفصیل حسب ذیل ہے:

مولانا کی روانگی سید پور کو:

شمالی بنگال میں ڈومر ریلوے اسٹیشن کے قریب سونا رائے نام کا ایک گاؤں ہے، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی تعزیت کے لیے وہاں تشریف لے گئے،

جب مولانا سید پور اسٹیشن پر پہنچ گئے، یہاں ہم نے عصر کی نماز پڑھی اور پھر سونا پور پہنچ گئے۔

حضرت مولانا کی آمد کی خبر سن کر بہت سے آدمی مولوی محمد احسان الحق مرحوم کے گھر پر جمع ہو گئے تھے، مولانا نے حاضرین سے فرمایا میں یہاں صرف آفندی مرحوم کے مرنے پر

اور سید پور کے دار العلوم کی دعوت پر آیا ہوں، اس لیے میرا کوئی پروگرام نہیں ہے، میں کسی جلسے میں شریک نہیں ہوسکتا۔

سید پور کا ہنگامہ:

مولانا کو ڈومر کے ایک جلسے میں تقریر کرنے پر مجبور کیا گیا، آپ نے ہندو مسلمان اتفاق پر تقریر کی۔ اس کے بعد سات بجے کی ٹرین سے سید پور روانہ ہوئے، سید پور اسٹیشن کے پلیٹ فارم کے قریب جب گاڑی پہنچی تو بہت آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں، میں نے اپنے ساتھیوں سے انتہائی تعجب کے ساتھ کہا ہمارے یہاں تو کوئی جلسہ جلوس نہیں ہے، پھر یہ ہجوم اور شور کیسا ہے؟ جلسہ ہو بھی سکتا، کیوں کہ دار العلوم کی عمارت کو فوج نے چھاونی بنالیا ہے، پلیٹ فارم پر جب گاڑی رکی تو دیکھا بہت بڑی بھیڑ ہے اور دیوانہ وار نعرے لگا رہی ہے، قاید اعظم زندہ باد، مسلم لیگ زندہ باد، پاکستان زندہ باد، ہمارے دار العلوم کے کچھ طالب علم اور بعض دوسرے آدمی مولانا کو لے جانے کے لیے بیل گاڑی لائے تھے وہ بھی پلیٹ فارم پر آگئے، اب مولانا نے جیسے ہی پلیٹ فارم پر پاؤں رکھا چھ سات سو آدمیوں نے اس نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی پوری قوت سے وحشیانہ حملہ کردیا، اسٹیشن کے پل پر سے ایک شخص نے بھونپو کے ذریعے چلانا شروع کیا، ''جلدی آؤ، دوڑو، آگیا ہے وہ غدار مولانا'' اس آواز پر ہر طرف سے نہ جانے کتنے آدمی ٹوٹ پڑے۔

گالیاں اور حملہ:

ہمارے مٹھی بھر آدمیوں نے حضرت مولانا کو اپنے گھیرے میں لے لیا، مگر غنڈوں کا انبوہ ٹوٹ پڑا، سب چلا رہے تھے، ''گرادو بے ایمان کو، اسے پیروں سے روند ڈالو، بوٹی بوٹی کاٹ ڈالو جہنم میں پہنچادو''۔

میں میرا لڑکا اور چند آدمی، مولانا کو اپنے بیچ میں لیے ہوئے تھے اور ہجوم والے چھریاں، ہنٹر اور لاٹھیاں چلا رہے تھے، لیکن خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ مولانا پر کوئی ضرب نہیں پڑی، سب وار ہمارے آدمیوں نے روکے اور بری طرح زخمی ہوگئے، اس قلیل جماعت پر خدائے تعالیٰ ہی کا فضل تھا کہ غنڈوں کے اتنے بڑے مجمع سے چیرتی پھاڑتی

مولانا کو بیل گاڑی تک صحیح سلامت لے آئی، گاڑی پر میں بھی مولانا کے ساتھ بیٹھ گیا، گاڑی چلنے ہی کو تھی کہ پھر ہجوم نے گاڑی پر چڑھ کر مولانا کے سر پر لاٹھیاں مارنے کی کوشش کی اور مولانا کے سر کی ٹوپی اتار کر جوتوں کے نیچے رکھ کر کہنے لگے۔ ''تم ہندو کے غلام ہو'' پھر ان کی ٹوپی اور ہمارے طلبہ کی ٹوپیاں چھین کر جلادیں۔

پولیس کی بے توجہی:

غنڈوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ انھوں نے مولانا کا دامن پکڑ کر گاڑی گھسٹنے کی کوشش کی، ان لوگوں کا ارادہ تو یہ تھا کہ مولانا کو مع گاڑی کسی ایسی ویران جگہ لے جاکر ختم کر دیں جہاں پرندہ بھی پر نہ مارتا ہو لیکن بفضلہ تعالیٰ ہمارے طلبہ کی سرفروشی نے مولانا کو آنچ تک نہ آنے دی، ہاں یہ ضرور ہوا کہ ہمارے طلبہ خون میں نہا گئے تھانہ اگر چہ نزدیک تھا، باوجود اس کے کسی نے اس خطرناک صورت کی تھانہ میں اطلاع دی نہ اس وقت تھانہ میں جو چھوٹے داروغہ صاحب موجود تھے، انھوں نے بڑے داروغہ کو خبر دی اور بڑے داروغہ ہماری گاڑی کے پاس آئے اور ہمیں ''السلام علیکم'' کہا، اس کے بعد انھوں نے دریافت کیا کہ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ میں نے ان سے بیان کیا کہ مولانا حسین احمد مدنی برابر ۳۰ سال سے ہمارے ہاں آتے رہے ہیں اور آج بھی وہ ہمارے دولڑکوں کے بلادے پر جو دیوبند سے فارغ التحصیل ہیں، یہاں آئے ہیں، مولانا کا پروگرام کوئی سیاسی جلسہ کرانے کا نہیں ہے بلکہ وہ دعوت کے بعد کل صبح کی گاڑی سے روانہ ہو جائیں گے، دراوغہ صاحب نے ہماری بات مان لی، پھر ہجوم کے درمیان کچھ دیر گفتگو کے بعد دوبارہ ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے'' مولوی صاحب اس وقت صورتِ حال بہت خطرناک ہے، آپ لوگ ویٹنگ روم میں قیام کیجیے، میں تھانہ جاکر سپاہی لاتا ہوں، ہمارے ساتھی گاڑی کو کھینچ کر ویٹنگ روم تک لائے اور میں مولانا کو لے کر ویٹنگ روم میں آگیا۔

ابھی ہم لوگ ویٹنگ روم میں آکر بیٹھے ہی تھے کہ غنڈوں کے ہجوم نے ویٹنگ روم کو گھیر لیا، ہم لوگوں نے فوراً ویٹنگ روم کے دروازے اور کھڑکیاں بند کردیں کہ مبادا دشمن قوم پتھر اور اینٹیں چلائیں، تھوڑی دیر کے بعد پلیٹ فارم پر داروغہ صاحب تشریف لائے اور مجھے بلوا کر بہت ہی افسردہ لہجے میں فرمایا کہ اس وقت صورت حال ایسی خطرناک ہے کہ میں

مولانا کو ویٹنگ روم سے باہر لانے کی اجازت نہیں دوں گا، مجھ میں نہ تنی ہمت ہے اور نہ ہی میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ مولانا کو آپ کے گھر تک پہنچا سکوں گا، اگر آپ اپنی ذمے داری پر مولانا کو اپنے گھر لے جاسکیں تو لے جائیے میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ میں داروغہ صاحب سے ناامید ہو گیا۔

ہجوم کو خاموش کرنے کی ناکام کوشش:

اب ''نیویارک شاپ'' کے بڑے صاحب کو فون کیا وہ آ گئے تو میں نے ان سے تمام واقعات صحیح طور پر شروع سے بیان کر دیے۔ انھوں نے ہماری مدد کا وعدہ کیا اور کہا میں ضرور مولانا کو تمہارے گھر تک پہنچو دوں گا۔ ابھی ہم نے گفتگو ختم بھی نہیں تھی کہ پلیٹ فارم کے مغرب کی جانب سے آدمیوں کا بہت بڑا ہجوم'' پاکستان زندہ باد کے نعرے لگاتا ہوا آیا، بڑے صاحب ہجوم میں گھس گئے دوسری جانب سے آواز آئی کہ اس ہندو کتے، غنڈے مولانا کے کان کاٹ لو، داڑھی نوچ ڈالو، اور ناک میں رسی ڈال کر زمین پر گھسیٹو!

بڑے صاحب کو غنڈوں کی اس بدتمیزی پر غصہ آ گیا اور انھوں نے آدھ گھنٹہ سے زاید ہجوم کے سامنے پر اثر تقریر کی اور کہا کہ میں دلی اور لکھنؤ میں کئی برس رہا ہوں، میں مولانا کی شخصیت کو خوب جانتا ہوں، یہ ہندوستان کے مسلمانوں کے پیشوا ہیں تم ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ مولوی صاحب کے گھر دعوت میں جانے دو کیا تمہیں پاکستان، آپس میں کشت و خون کر کے حاصل ہو جائے گا؟ پاکستان حاصل کرنے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تم تشدد پر اتر آؤ تمہیں چاہیے کہ تم اپنے اخلاق سے مخالف پارٹی کو جیتو، لیکن غنڈوں کے دل نرم نہ ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ اسلام کا دشمن ہے ہم اس کو اسٹیشن سے باہر قدم نکالنے نہ دیں گے اس وقت دار جیلنگ میل آئے گا مولانا کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اس میل سے واپس لوٹ جائیں۔

بڑے صاحب نے دیکھا کہ ان کی باتوں کا غنڈوں پر کوئی اثر نہیں ہے تو انھوں نے کہا کہ تم لوگ نشہ پی کر مستیاں کرتے ہو، تم چاہتے ہو کہ ایک شریف اور معقول آدمی کو جان سے مار ڈالو، اس کے بعد بڑے صاحب ہمارے پاس آئے اور کہا کہ یہ غنڈوں کی جماعت ہے، میں بھی داروغہ صاحب کی طرح مولانا کو غنڈوں کے ایسے بڑے مجمع سے نکال کر آپ کے گھر تک لے جانے کی ہمت نہیں رکھتا اور یہ کہہ کر الٹے پاؤں لوٹ گئے۔

سید پور سے روانگی پر پھر حادثہ:

میں مایوس ویٹنگ روم میں مولانا کے پاس آیا اور سارا قصہ بیان کر ڈالا، مولانا نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آج جو سانحہ میرے ساتھ پیش آیا ہے اس قسم کا واقعہ ہندوستان کے سچے خادموں کے ساتھ برابر ہوتا چلا آیا ہے اب وہ دن بھی دور نہیں کہ اس سے بھی زیادہ خطرناک قسم کا حادثہ دیگر ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ پیش آنے والا ہے، اس چیز کو تم آنکھوں سے دیکھ لوگے، اس وقت ایک شخص نے آکر مولانا کے ہاتھ میں ایک لفافہ دیا جو شاید کھٹیار سے آیا تھا اس کو ملاحظہ کرنے کے بعد مولانا نے مجھ سے کہا کہ یہ خط کھٹیار سے آیا ہے اس وقت تم لوگ مجھ کھٹیار اس میل سے جانے دو، ان شاء اللہ میں پھر تم لوگوں سے جلد ہی ملاقات کروں گا اس کے بعد فوراً ہی میل آگیا اور ہم لوگوں نے ہجوم کو چیرتے ہوئے مولانا کو گاڑی میں بٹھا دیا، ان غنڈوں سے جب کچھ نہ ہو سکا تو گالیوں پر اتر آئے اور اپنی جوتیاں دکھا کر مولانا کو یہ کہتے رہے کہ اپنی جان کی خیر چاہیے ہو تو آیندہ پھر اس شہر میں قدم نہ رکھنا اور بے شرم غنڈے مولانا دفع ہو، دور ہو یہاں سے! انھیں گالیوں میں مولانا کی گاڑی نکل گئی، اور مولانا رات کو ۸ بجے سے لے کر ڈیڑھ بجے تک جارحانہ حملوں کا نہایت ہی سکوت اور تحمل سے مقابلہ کر کے رخصت ہو گئے۔ میرے دونو لڑکے اور کئی آدمی مولانا کے ساتھ پاربتی پور تک گئے، اس حال میں بھی غنڈوں نے مولانا کا ساتھ نہیں چھوڑا، پاربتی پور کے اسٹیشن پر ان لوگوں نے میرے لڑکوں سے کہا کہ اگر مولانا نے پاربتی پور میں بھی دیر لگائی تو ہمارے ساتھی جو دو تین ہزار کی تعداد میں یہاں موجود ہیں پہنچ جائیں گے اور پھر مولانا کو ان سے نجات حاصل کرنا مشکل ہوگا، غنڈوں کی اس دھمکی کا کیا اثر ہوتا لیکن مولانا کو یہاں ٹھہرنا ہی نہ تھا لہذا وہ کھٹیار چلے گئے۔

اس سازش میں سید پور ورکشاپ کے اپ کنٹری کے لوگ اور شہری لوگ شریک تھے، ان لوگوں کی تعداد کم وبیش تین ہزار تھی، میں مولانا کو رخصت کر کے پچھلی رات کو اپنے گھر پہنچا صبح ہوتے ہی سید پور کے شہر اور دیہات میں اس سانحہ کی خبر پھیل گئی، ہندو اور مسلمانوں کا ایک تانتا صبح سے شام تک میرے گھر پر بندھا رہا، مسلمانوں میں بعض مسلم لیگی بھائی بھی آجاتے تھے، جب انھیں پورے واقعات سے روشناس کرایا جاتا تھا تو وہ مسلم لیگ سے

تائب ہو کر کہتے تھے کہ جب مسلم لیگ کی یہ کیفیت ہے تو خدا ہمیں ایسی جماعت سے پناہ دے، لیکن جب ہم موجودہ حالات کی روشنی میں دیکھ رہے ہیں کہ لیگ والے ایسے علما اور رہنمایان دین کو جن کے سینے اللہ کے کلام کا مخزن ہیں انھیں مٹا دینا چاہتے ہیں تو ایسی صورت میں ہر صادق مسلمان کا فرض ہو جاتا ہے کہ مذہبی اور دینی علما کی نگرانی کریں جو ہمیں منزل کی سیدھی راہ بتاتے ہیں۔

اس ہنگامے میں ہمارے جو آدمی زخمی ہوئے وہ اب تک بستر پر پڑے ہیں۔

(زمزم۔ لاہور: ۲۷؍اکتوبر ۱۹۴۵ء)

لیگ فتنے کا بندوبست کرے:

۲۷؍اکتوبر ۱۹۴۵ء: ایک جلسہ مسلم لیگ فیروز پور چھاؤنی کی طرف سے منعقد ہوا جس میں ایک لیکچرار نے یونینسٹ کی مذمت میں نہایت بداخلاقی کا ثبوت دیا، دوسرے لیکچرار مولوی احمد حسن صاحب رہتکی نے حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی ذات اقدس پر ناجائز حملے کیے، جناب قاید اعظم جناح صاحب مسلم لیگ سے خصوصاً اور فیروپور چھاؤنی کے مخلص مسلم لیگیوں سے استدعا ہے کہ وہ مولوی احمد حسن صاحب سے جواب طلب کریں، اگر مسلم لیگ کا یہی وطیرہ رہا اور مولوی احمد حسن صاحب رہتکی کی تقریر کی مذمت کسی اخبار کے ذریعے نہ کی تو ہماری ایک بڑی جماعت مسلم لیگ سے علاحدگی پر مجبور ہوگی، جس کا اعلان انتظار کے بعد کر دیا جائے گا۔ (محمد اسماعیل خان پنشنر فیروز پور چھاؤنی)

(زمزم۔ لاہور: ۲۷؍اکتوبر ۱۹۴۵ء)

جی ایم سید اور مسٹر جناح:

۲۷؍اکتوبر ۱۹۴۵ء: جی ایم سید صدر سندھ مسلم لیگ کے بارے میں ۲۷؍اکتوبر کے اخبارات میں صدر آل انڈیا مسلم لیگ مسٹر محمد علی جناح کا ایک بیان شایع ہوا ہے۔ اس میں انھوں نے کہا ہے:

۲۱؍اکتوبر کو دوبارہ کراچی پہنچ کر میں نے معلوم کیا کہ مسٹر جی ایم سید اور ان کے حامی ممبران اس بات پر رضامند ہیں کہ سندھ مسلم لیگ اپنی تجویز کے مقابل مرکزی پارلیمنٹری بورڈ سے درخواست کرے کہ وہ تمام معاملات کو ہاتھ میں لے کر اس کا تصفیہ کرے، اس پر میں نے ایک سو چوبیس امیدواروں کی درخواستوں میں سے ستائیس ممبران کی درخواستوں کو

رد کر دیا۔

میرے اس فیصلے پر ۲۶؍اکتوبر ۱۹۴۵ء کو سندھ مسلم لیگ نے دخل دے کر ورکنگ کمیٹی کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں کہ وہ مرکز سے الگ اپنا فیصلہ کریں گے، اس پر میں نے جی ایم سید سے دریافت کیا کہ آپ ان نامزد ممبران کی حمایت کریں گے، جنھیں مرکز کی حمایت حاصل ہوگی؟ تو انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ چناں چہ ان کے اس جواب پر میں نے جی ایم سید سے کہا، اب ہم دونوں اس موڑ پر پہنچ گئے ہیں، جہاں ہمیں ایک دوسرے سے جدا ہونا پڑے گا''۔

آزاد ہندو فوج پر مقدمہ ----- مسلم لیگ کی بے خبری:

۲۷؍اکتوبر ۱۹۴۵ء: ۲۷؍اکتوبر ۱۹۴۵ء کے روزنامہ زمزم نے اداریہ لکھا کہ ملک معظم کی حکومت سے جنگ کرنے کے الزام میں قومی فوج پر مقدمہ چلنے والا ہے اگر جواہر لال نے جان پر کھیل کر برطانیہ کی اس سازش کا بھانڈا نہ پھوڑا ہوتا تو مسٹر جناح کے فرشتوں کو بھی یہ خبر نہ ہوتی کہ آزاد ہند فوج پر کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے جس میں اکثریت مسلم فوجیوں کی ہے، سب سے پہلے جواہر لال نے ہی کہا کہ ہندوستانی فوج بے گناہ ہے اسے رہا کیا جائے ورنہ کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے، اب کانگریس نے پوری طاقت سے مسٹر ویول اور برٹش سرکار پر زور ڈالا ہے کہ ان گرفتار فوجیوں کو رہا کیا جائے یا ان پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے، اس لیے کہ قومی فوج کا ہر سپاہی حب الوطنی کے ماتحت بے قصور ہے''۔

انجام کا ایک اور سفید جھوٹ:

۲۷؍اکتوبر ۱۹۴۵ء: انجام کے نامہ نگار خصوصی نے دو کروڑ کے افسانہ کے بعد ایک اور سفید جھوٹ گھڑا کہ مولانا آزاد قوم پرستوں کی طرف سے مایوس ہو گئے، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا آزاد میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

میں پوری واقفیت اور پورے وثوق کے ساتھ اس خبر کی تردید کرتے ہوئے دوسری مرتبہ چیلنج کرتا ہوں کہ اگر اس خبر میں شمہ بھر بھی صداقت ہے، تو نامہ نگار انجام اس کا ثبوت

پیش کرے، امید ہے کہ نامہ نگار انجام پہلے کی طرح اس کا جواب بھی سکوت سے دے گا۔
(مولانا محمد میاں، ناظم جمعیت العلماے ہند)

(زمزم۔لاہور: ۲۷/اکتوبر ۱۹۴۵ء)

مولانا آزاد کا بیان:

۲۷/اکتوبر ۱۹۴۵ء: صدر کانگریس مولانا ابوالکلام آزاد کے کلکتہ کے واقعات کے متعلق ایک بیان دیتے ہوئے کہا کہ ان واقعات سے مجھے گہرا رنج ہوا ہے، ۵ مرتبہ گولی چلائی گئی جس سے ۱۴/اشخاص ہلاک اور ڈیڑھ صد سے زاید زخمی ہوئے ہیں۔ اس اندوہ ناک سانحہ کی غیر جانب دارانہ تحقیقات کی جائے۔ میں عوام سے اپیل کروں گا کہ ضبط اور امن کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ متشددانہ واقعات کی مذمت کیا جانا ضروری ہے۔ میں پبلک سے عموماً اور کانگریسیوں سے خصوصاً اپیل کرتا ہوں کہ عدم تشدد پر کار بندر ہیں۔

کلکتہ، ۲۲/نومبر، خاکسار ہیڈ کوارٹر سے اعلان کیا گیا ہے کہ ہزارہ روڈ کے فائرنگ میں ایک خاکسار ہلاک اور دو زخمی ہوئے۔ (زمزم۔لاہور: ۲۷/اکتوبر ۱۹۴۵ء)

۲۷/اکتوبر ۱۹۴۵ء (۲۰/ذی قعدہ، ۱۳۶۴ھ): کرنل ارشاد علی (دہلی) نے یہ سوالات کیے تھے:

۱۔ مسلمانانِ ہند کی اکیاسی صفیں ہیں، جن میں سے ایک کٹ کر دشمنانِ اسلام سے مل جائے اور ان سے مل کر مسلمانوں کے دو پئے آزار ہو تو وہ حشر کے دن مسلمانوں میں اٹھیں گے یا دشمنانِ اسلام ہیں؟

۲۔ اگر ایک طرف دار دھا ہے اور دوسری طرف خانۂ کعبہ تو مسلمانوں کو کس طرف جانا چاہیے؟

۳۔ اگر کسی مسلمان کو اس کے امام کے اوپر اعتماد نہ ہو تو اس کی نماز اس کے پیچھے ہو سکتی ہے یا نہیں؟

حضرت مفتی صاحب نے ان کے جواب میں تحریر فرمایا:

۱۔ یہ تو کھلی بات ہے کہ جو شخص دشمنانِ اسلام سے خلوص برتے گا وہ ان کا ساتھی ہے، مگر اپنے مطلب اور غرض کے حاصل کرنے کے لیے اگر دشمنوں کے ساتھ کسی وقت مل

جائے تو وہ اس شمار میں نہیں ہے، نیز اگر دو دشمن ہیں اور ان میں سے قوی سے بچنے کے لیے کمزور سے تقویت حاصل کرے تو وہ بھی اس شمار میں نہیں۔

۲۔ ایک طرف واردھا اور دوسری طرف خانہ کعبہ ہو یہ مثال موجودہ تحریک میں درست نہیں ہے، یہ غلط الزام ہے کہ مسلمان واردھا کی حمایت کر رہے ہیں، وہ تو اپنے حقوق کے لیے لڑ رہے ہیں، ایک طرف کے مسلمان طالب حقوق دوسری طالب حقوق جماعت سے تعاون کر کے کام کر رہے ہیں، دوسرے طرف کے مسلمان اپنے دعویٰ کے مطابق تنہا کام کر رہے ہیں کعبہ کو وہ بھی نہیں جا رہے ہیں، دونوں کی منزل مقصود ایک ہی ہے راستہ مختلف ہے۔

۳۔ امام پر اعتماد نہ ہونے کے کیا معنی؟ کس بات کا اعتماد نہیں ہے؟ اس کو صاف کر کے دریافت کیا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

(کفایت المفتی (جلد نہم): کتاب السیاسیات)

لیگ اور کانگریس کی قیادتیں:

۲۷ / اکتوبر ۱۹۴۵ء: ہم یہاں سہ روزہ اخبار زمزم لاہور: مورخہ ۲۷ / اکتوبر ۱۹۴۵ء کے مقالہ افتتاحیہ کا اقتباس نقل کرتے ہیں، اس سے لیگ اور کانگریس کی قیادتوں کا فرق بھی معلوم ہوگا، نیز چند قیمتی واقعات کا بھی علم حاصل ہو جائے گا، جس کا بیان اس موقع پر مناسب ہے، اخبار مذکور نے لکھا تھا، قیادت کی حقیقی روح اور اس کی شرط اولین اقدام اور پیش قدمی ہے۔ تقلید اور نقالی نہیں جو شخص قیادت کا مدعی بن کر میدان عمل میں اقدام اور رہ نمائی کا ثبوت نہیں دیتا اس کی ہر قابلیت کو تسلیم کیا جا سکتا ہے مگر قایدانہ حیثیت کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

اس وقت ملک میں دو قیادتوں کا زبردست مقابلہ ہے، ایک طرف کانگریس ہے اور دوسری طرف مسٹر جناح ہیں، ہم تم سے پوچھتے ہیں اور انصاف کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں کہ کس نے سب سے پہلے آزاد ہند فوج کے مصائب سے ہندوستان کو باخبر کیا اور کس نے پتہ چلایا کہ ان محبان وطن پر ملک معظم کی حکومت نے جنگ کرنے کے الزام میں مقدمہ چلنے والا ہے، کس نے سراغ لگایا کہ ان کی تعداد کس قدر ہے اور ان میں اکثریت مسلمانوں کی

ہے، اگر جواہرلال نے جان پر کھیل کر برطانیہ کی سازش کا بھانڈا نہ پھوڑا ہوتا تو مسٹر جناح کے فرشتوں کو بھی معلوم نہ ہوتا کہ آزاد ہند فوج پر کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے؟ سب سے پہلے اسی کافر نے کہا کہ آزاد ہند فوج کا ہر سپاہی بے گناہ ہے، اگر ان بے گناہوں کو سزا دی گئی تو ہندوستان اس خونی ڈرامہ کو ہرگز برداشت نہ کر سکے گا۔

یہ ایک اہم اور درد ناز ک معاملہ میں اقدام تھا پیش قدمی تھی جو ایک کافر کی قسمت میں لکھی تھی اور مسٹر جناح کانگریس کے خلاف بیان تیار کرنے میں مشغول تھے! افسوس اقدام کا بہترین وقت ہاتھ سے نکل گیا اور وہی تقلید اور نقالی مسٹر جناح کے گلے پڑی جو قیادت کے منافی ہے، آپ نے کافر نہرو کا شور سنا اور غور و فکر کے بعد زبان کھولی کہ ''حکومت آزاد فوج کے سپاہیوں کے ساتھ شریر بچوں جیسا سلوک کرے اور معاف کر دے''۔

یعنی تقلید بھی بہت بھونڈی اور نقالی بھی گھٹیا درجہ کی، جواہرلال کا تو یہ اصرار ہے کہ آزاد ہند فوج کا ہر سپاہی بے گناہ ہے، مجرم وہ حکومت ہے جو برما سے حواس باختہ ہو کر اور اپنے سپاہیوں کو دشمن کے چنگل میں چھوڑ کر بھاگی، مگر قاید اعظم نے لب کشا ہوتے ہی انھیں مجرم تسلیم کر لیا کہ آخر شریر ہیں اور حکومت نے جہاں اور شریر بچوں سے درگزر کیا ہے ان سے بھی درگزر کرے۔

بیان بازی یا سرفروشی:

خیر اگر یہاں چوک ہو گئی تو کوئی پروا نہیں اس سلسلے کی اور بہت سی کڑیاں ہیں جنھیں پیوست کرنے کے لیے اقدام کی ضرورت تھی مگر افسوس کہ اقدام کی روح نے کسی جگہ بھی ساتھ نہ دیا، اب بتاؤ کہ آزاد ہند فوج کا مقدمہ لڑانے کے لیے ڈیفنس کمیٹی کس نے قایم کی؟ کانگریس کی قیادت نے یا مسٹر جناح کی واحد نمایندگی نے؟ کانگریس اقدام کر چکی تو لیگی حضرات بھی بول پڑے کہ مسلم لیگ بھی ملزموں کی پیروی کرے گی یعنی وہی تقلید اور نقالی وہی دوسرے کے پیچھے چلنے اور پکی پکائی کھانے کی عادت اور اس پر اصرار یہ کہ دنیا مسٹر جناح ہی کو قاید تصور کرے۔

تسلیم کر لیا کہ قاید اعظم سے یہاں بھی چوک ہو گئی مگر بتاؤ کہ حکومت کی خفیہ کارروائی کس نے پکڑی کہ آزاد ہند فوج کے سپاہیوں پر بہادر گڑھ کیمپ میں گولی چلائی گئی! مسٹر

جناح کو نہ اس واقع کی کھوج لگانے کی ضرورت تھی اور نہ انھیں آخر تک اس کا پتہ چلا، ان کی معلومات میں یہ اضافہ ہی ہوا تو ایک کافر کے صدقہ میں، تاہم ان کی قیادت غیر متزلزل ہے کیوں کہ بیان بازی بھی بہ ہر حال قیادت ہی کا ایک جزو ہے۔

اچھا چلو یہاں بھی چوک ہوئی، اس کی تلافی کی کوئی صورت نکل ہی آئے گی مگر کہنے والوں کا منھ کس طرح بند کیا جائے کہ مسٹر جناح کوئٹہ میں بیٹھے ہوئے مزے اڑا رہے ہیں اور اسی کافر جواہر لال نہرو نے دہلی کے لال قلعہ میں جاکر آزاد ہند فوج کے سپاہیوں سے ملاقات کی، اور سپاہی بھی کون؟ کرنل جہانگر، کرنل سلیم، کرنل لطیف، کرنل ارشاد، کپتان شاہ نواز، کرنل برہان الدین، کرنل قادر! کتنا بڑا احمق ہے نہرو کہ ان لوگوں کے پیچھے مارا مارا پھر رہا ہے اور کتنے بڑے دانش مند ہیں مسٹر جناح کہ عیش پرستی کا کوئی لمحہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے مگر افسوس! قیادت اور اقدام! اقدام اور قیادت کو کہاں تلاش کریں۔

مسلمان قاید اور کافر نہرو:

جزائر شرق الہند کی چار کروڑ مسلم آبادی کی زندگی اور موت کا سوال درپیش ہے اس کی ہمدردی میں اقدام کا نمونہ قاید اعظم کو پیش کرنا چاہیے تھا، مگر گستاخ نہرو سبقت کر کے پھر میدان میں نکلا اور اس نے حکومت برطانیہ کو پہلی بار متنبہ کیا کہ خبر دار شرق الہند اور ہند چینی کی تحریک آزادی کو کچلنے کے لیے ہندوستانی فوج نہ استعمال کی جائے! ہائے قاید اعظم کی قایدانہ تقلید، نادم ہوکر آخر ایک بیان دینے پر مجبور ہو ہی گئے کہ ہمیں بھی شرق الہند کے محبان وطن کے جہاد آزادی کے ساتھ ہمدردی ہے۔ چوں کہ آپ اس میدان میں بھی پھسڈی ثابت ہوئے اس لیے جاوا کے احرار کی طرف سے دعوت بھی آئی تو اسی نہرو کے نام اور قاید اعظم کو تخاطب کی قطعاً زحمت نہ دی گئی، کیوں کہ جاوا کے مسلمانوں اور دوسرے قوم پروروں کو معلوم تھا کہ مسلمانوں کے واحد نمایندہ کو فرصت کہاں؟ ان کا یہ جہاد کیا کم ہے کہ:

> ''جب وقت آئے گا تو میں اپنے سینہ پر گولیاں کھانے سے بھی دریغ نہ کروں گا''۔

یہاں مسٹر جناح نہیں پوری امت کا رونا ہے کہ اس نے آج تک اقدام کرنے والا قاید پیدا نہ کیا جب دوسروں کا قافلۂ منزل پر پہنچ جاتا ہے تو ہمارے قافلہ سالار سفر کی ابتدا

کرتے ہیں، جب نہرو اور کانگریس نے میدان مار لیا تو ہمارے قاید نے یہ کہہ کر جی ٹھنڈا کرلیا کہ میرا سینہ ہوگا اور انگریز کی گولیاں مگر امت کو گولیوں کی نہیں قیادت کی ضرورت ہے، وہ قیادت جس کی اولین شرط اقدام اور پیش قدمی ہے، ہجوم اور سبقت ہے رہ نمائی اور پیشوائی ہے۔ فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَار۔ (زمزم: ۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۵ء)

۲۸ر اکتوبر ۱۹۴۵ء (۲۱ر ذی قعدہ ۱۳۶۴ھ): اے آئی جنرل مرچنٹ بندے والا (صدر بازار، دہلی) نے ایک صاحب کا نام لے کر ان کی رہ نمائی کے بارے میں اور چند دیگر سوالات پوچھے تھے حضرت مفتی صاحب نے کسی کا نام لیے بغیر یہ جوابات مرحمت فرمائے:

۱۔ اگر آپ کو ان پر مسلمانوں کے متعلق صحیح رائے دینے کا یقین نہ ہو تو ان کو رائے نہ دیں جو لوگ اس بات کا یقین رکھتے ہوں کہ وہ مسلمانوں کے لیے مفید ہوں گے اور غیر مسلم متعصب رکن کے مقابلے میں وہ مسلمانوں کے حقوق کے محافظ ہوں گے وہ انھیں ووٹ دے سکتے ہیں، کیوں کہ اسمبلی میں کسی معتبر نیک مسلمان کو بھیجنا اپنے اختیار کی بات نہیں وہاں تو جو لوگ ممبری کے امیدوار ہوں ان میں سے بہتر آدمی کو ووٹ دینا چاہیے، اور اگر کسی کو ووٹ دینے کی مرضی نہ ہو تو نہ دیا جائے مگر یہ تو جائز نہیں کہ ایک امیدوار کے حق میں تو اسلامی ضروریات کی جانچ کی جائے اور دوسرے کو خواہ وہ متعصب غیر مسلم ہو ووٹ دے دیا جائے۔

۲۔ دوزخی یا جنتی ہونے کا حکم انھیں افعال و اعمال پر لگ سکتا ہے جو شرعی اور اسلامی حیثیت سے اس قابل ہوں۔

۳۔ مسلم لیگ کے ممبروں کو صحیح بات بتانے کا فرض علما پر عاید ہوتا ہے اور علما یہ کام کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے، مشرکوں سے ملنے کا مطلب مشرکوں کی امداد کرنا نہیں ہے بلکہ اپنا حق حاصل کرنا ہے۔

۴۔ افسوس اگر مسلم لیگ والے اس خیال کے ہوتے کہ صحیح بات مان لیں اور اس کو اختیار کریں تو یہ نوبت کیوں آتی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

(کفایت المفتی (جلد نہم): کتاب السیاسیات)

حضرت شیخ الاسلام کی تقریر:

۲۹/ اکتوبر ۱۹۴۵ء: صدر جمعیت علماے ہند مولانا سید حسین احمد مدنی نے بجنور میں ایک جلسہ عام سے خطاب کیا، اس تقریر میں آپ نے فرمایا:

''انسانی زندگی کا سکون دو قسم کی بیماریوں سے تباہ ہو جاتا ہے، جسمانی بیماریوں سے اور روحانی بیماریوں سے۔ جسمانی بیماریوں کا علاج ڈاکٹر اور حکیم کرتے ہیں، اور روحانی بیماریوں کے لیے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر خاص روحانی قوت لے کر آتے ہیں، ڈاکٹر اور حکیم دوا اور پرہیز تجویز کرتے ہیں، مگر بہت سے انسان دوا اور پرہیز سے انکار کر دیتے ہیں، اسی طرح پیغمبر روحانی علاج تجویز کرتے ہیں مگر انسانوں کی اکثریت اس کو ماننے سے انکار کر دیتی ہے، اس وقت کو یاد کیجیے جب آقائے مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھیں حق کی طرف بلایا مگر تم نے اور تمہاری اکثریت نے حضور اقدس کا پیغام سننے سے انکار کر دیا، حملے کیے، پتھر برسائے اور ظلم وستم کے پہاڑ توڑے۔

ہندوستان کے علماے حق کی ہستی، اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ آقائے مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین اور حضور علم وحکمت کے پیغام رساں ہیں، ہم آج اس سبق کو دہرا رہے ہیں، جو ہمیں اپنے اکابر علماے حق اور حضرت شیخ الہند کی طرف سے ملا ہے، خواہ کچھ ہو ہم پوری قوت سے اسے تمہارے کانوں تک پہنچاتے رہیں گے۔

میرا کام یہ نہیں ہے کہ میں مسٹر جناح کے ذاتی کیریکٹر اور شخصیت پر حملہ کروں، میں صرف ان کی سیاسی اور مذہبی غلطیوں کی تاریخ پیش کر دوں گا۔

مسٹر جناح نے ۱۹۳۶ء میں ہمیں بلایا، ہم سے شریفوں کی طرح معاہدہ کیا، ان کے تین وعدے تھے۔

۱۔ وہ آزادی خواہ طاقتوں کی حمایت کریں گے۔

۲۔ خود غرض، سرکار پرستوں اور سرکاری عنصر کو مسلم لیگ سے نکال دیں گے۔

۳۔ اگر وہ اس معاہدہ کو پورا کرنے سے معذور رہے تو مسلم لیگ کو چھوڑ کر آزادی خواہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کریں گے۔

زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ انھوں نے معاہدہ کو توڑ دیا اور یہ کہہ دیا کہ وہ معاہدے

سیاسی تھے، آج مسٹر جناح کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے بڑے بڑے خطاب یافتہ سرکار پرست موجود ہیں، انھوں نے اسمبلی میں اسلامی شریعت کے احکام کو مٹایا اور ان بلوں کو برباد کر ڈالا، جو علما کے مشورے سے پیش کیے گئے تھے، انھوں نے اور ان کی پارٹی نے شریعت بل، خلع بل، قضا بل ایسے اہم شرعی مسئلوں میں کسی ایک عالم سے بھی فتویٰ نہیں لیا اور اپنے انتخابی اعلان ۱۹۳۰ء کو بھی جھٹلا دیا، جب ہمیں یہ تحقیق ہوگیا کہ ہم سے ہر بات میں وعدہ خلافی کی گئی تو ہم اسلام کے تحفظ، شرعی احکام کی بجا آوری اور آزادی کی جدوجہد کے لیے مسلم لیگ سے باہر آ گئے، حال آں کہ یہی وہ مسلم لیگ تھی، جس کے متعلق ۱۹۳۶ء کے بعد ہمارے نام ایک خط میں یہ لکھا گیا تھا کہ ''تو نے تیس برس کی مردہ مسلم لیگ کو زندہ کر دیا''۔

مولانا نے سول میرج ایکٹ کے سلسلے میں گورنمنٹ آف انڈیا گزٹ کے تاریخی حوالے دے کر مسٹر جناح کی ایک تقریر نقل کی، جس میں مسٹر جناح نے کہا تھا ''اگر روشن خیالی اور نئے تعلیم یافتہ مہذب ہندو مسلمان لڑکے اور لڑکیاں شادی کرنا چاہیں، تو انہیں ''سول میرج'' کا حق ہونا چاہیے''۔

جب مسلمان ممبر قانون نے ان کو توجہ دلائی، ایسی شادیاں قرآن کے خلاف ہیں، تو مسٹر جناح نے کہا یہ کوئی دلیل نہیں، قرآن کے خلاف قانون پاس ہوتے ہی رہتے ہیں، مسٹر جناح نے یہاں تک کہا کہ مسلمانوں کی اکثریت بھی میرے خلاف ہے، مگر اکثریت کا کسی بات پر اتفاق کر لینا، اس امر کی دلیل نہیں کہ وہ بات حق ہے، مولانا نے جب تاریخ وار سرکاری رپورٹوں سے حوالے دیے تو عام مسلمان اپنی انگلیاں چبانے لگے۔

مسلم لیگ کی تاریخ مذہبی اور سیاسی غلطیوں سے بھری ہوئی ہے، انھوں نے ۱۹۱۶ء میں مسلم اقلیت کے صوبوں کو مسلم اکثریت کے صوبوں پر قربان کیا اور اب اقلیت کے صوبوں کے تین کروڑ مسلمانوں کو اکثریت کے صوبوں کے لیے موت کے گھاٹ پر پہنچایا جا رہا ہے۔ یہی مسلم لیگی تھے جنھوں نے گول میز کانفرنس میں اقلیتوں سے معاملہ کر کے بنگال کو یورپین پارٹی کے ہاتھ میں دے دیا اور پنجاب کی مسلمان اکثریت کو مجبور کر دیا کہ وہ غیر مسلم اقلیت سے مل کر حکومت کا کاروبار کرے، اگر آج اسلامی ہند کے بڑے صوبوں میں خالص مسلم اکثریت مفقود ہے اور مسلمان اقتدار سے محروم ہیں تو یہ مسلم لیگ کی سیاسی

غلطیوں کا نتیجہ ہے، وہ جماعت جو بار بار شکستیں سہہ رہی ہے آج پھر ایک بڑی غلطی پر اصرار کر رہی ہے، وہ لوگ جو پاکستان کے نعرے سے غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں اور اسلام اور اسلامی حکومت کے دعوے کرتے ہیں، انھیں مسٹر جناح کا یہ اعلان اپنے سامنے رکھنا چاہیے کہ مسلم لیگ سیاسی جماعت ہے اور پاکستان میں موجودہ طرز کی جمہوری حکومت ہوگی جس میں ہندو قریب قریب برابر کی آبادی رکھیں گے اس اسلامی حکومت میں کم و بیش اتحاد و تعاون اور اشتراک عمل کرنا پڑے گا، جس نے پاکستان کے حامی دامن بچا رہے ہیں۔

اس مرتبہ جمعیت علماے ہند کا مسلم پارلیمنٹری بورڈ اپنی ذمے داری پر ایسے لوگوں کو اسمبلیوں اور کونسلوں میں بھیجے گا، جو آزاد ہندوستان کے لیے جدوجہد کریں گے جس میں مسلمانوں کے صوبے مکمل آزاد ریاستوں کی صورت میں اپنی قسمت کے مالک ہوں گے اور سیاسی اشتراک عمل کی بنیاد پر ترقی کریں گے، مرکز معمولی اختیارات کا مالک ہوگا، اس پر بھی صوبوں کو حق علاحدگی حاصل ہوگا، یہ لوگ کوئی ایسا قانون پاس نہیں کر سکیں گے جو اسلام اور اسلامی شریعت کے خلاف ہو۔

یہ ہے اصلی صورت حال، اگر آپ نے اس کے بعد بھی مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیا تو آپ ایسے غلط کار لوگوں کو ووٹ دیں گے جو اپنی ذات کے علاوہ کسی کے نمائندہ نہیں، ہم نے پیغام پہنچا دیا، اب عمل کرنا اور دنیا و آخرت کی جواب دہی کا خیال رکھنا آپ کا فرض ہے''۔

ان تقریروں میں پالیسی اور ان کے اپنے نظریے کی جھلک تو موجود ہے لیکن یہ کہیں نہیں ہے کہ ہمارے ساتھ برا سلوک کرنے والوں سے انتقام لیا جائے۔

(کاروانِ احرار: جلد ۶، ص ۳۷۰، ۳۷۱)

حضرت شیخ الاسلام کی یہ تقریر ابھی تک ان کے کسی مجموعہ تقاریر میں شامل نہیں ہے۔

لیگ ہائی کمان کے خلاف احتجاج:

۲۹ راکتوبر ۱۹۴۵ء: ۲۷ راکتوبر کو صدر آل انڈیا مسلم لیگ مسٹر محمد علی جناح کا جو بیان جی ایم سید کے بارے میں شائع ہوا تھا، اس کے جواب میں آخر الذکر نے بھی اخبارات کو ایک بیان جاری کیا، اس میں انھوں نے کہا ہے:

سندھ مسلم لیگ میں میرے حامیوں کی اکثریت ہے، لیکن مرکزی پارلیمنٹری بورڈ نے میرے حامی ممبران کی درخواستیں رد کر کے غلام حسین ہدایت اللہ کی پارٹی کی حمایت کی ہے، کل میں نے اپنی پارٹی کا جلسہ طلب کیا ہے، اگر اس میٹنگ نے مرکز کے نامزد ممبران کی حمایت کو ناپسند کیا تو ہم آل انڈیا مسلم لیگ سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ ہمارا یہ قدم مسلم لیگ ہائی کمان کے آمرانہ رویے کے خلاف عملی احتجاج ہوگا''۔

(روزنامہ ہلالِ نو بمبئی، ۲۹ ھ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

۲۹/ اکتوبر ۱۹۴۵ء: مولانا واحد اللہ صاحب نے مالدہ (بنگال) سے حضرت شیخ الاسلام کو لکھا تھا:

مسلم لیگ کہتی ہے کہ مسلمانوں کے حقوق مثلاً پنجاب ۵۶ فیصدی اور بنگال ۵۵ فیصدی پہلے محفوظ کر لیا جائے کیا یہ کہنا ان کا مسلم نہیں ہے کانگریس اور لیگ کے درمیان بڑے اختلاف دو امروں میں ہیں۔

۱۔ ہندو مسلم انتخاب جدا ہو، مسلمان اس پر مصر ہیں ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ایسا ہو تو ملک کا خصوصاً ہندوؤں کا اس میں کیا نقصان ہے؟ آج تک جو ایسا ہی ہو رہا ہے۔

۲۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ہر صوبے میں جتنی آبادی ہے اسی قدر نمایندگی اس کو دی جائے چناں چہ بلدیات میں ایسا ہی قانون ہے مگر کونسلوں وغیرہ میں ایسا ہونا ہندوؤں کو ناپسند ہے کیوں؟ مخلوط انتخاب کی صورت میں ملک کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں ہوگی''؟

حضرت نے ان سوالات کا جواب یہ دیا:

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف، والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، آپ کے امور مستفرہ سے تعجب ہوا ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ اور کانگریس میں معاہدہ ہوا جس کو لکھنؤ پیکٹ اور میثاق ملی کہتے ہیں یہ اجلاس مسٹر محمد علی جناح کی صدارت میں ہوا تھا، اس میں لیگ نے تسلیم کیا کہ صوبۂ بنگال میں مسلمانوں کو چالیس نشستیں ملیں گی (اس وقت صوبہ بنگال کی آبادی ۵۳ فیصدی مسلمانوں کی تھی) اور صوبہ پنجاب میں پچاس فیصدی ملیں گی۔ حال آں کہ پنجاب کی آبادی اس وقت مسلمان پچپن فیصدی تھے اور اسی

طرح بہار، مدراس، بمبئی، برار میں مسلمانوں کی نشستیں تھوڑی بڑھادی گئی تھیں مگر اتنی زیادتی سے مسلمان ان صوبوں میں نہ اقلیت سے نکلے تھے اور نہ کسی اہم اور موثر اقلیت میں ہوئے تھے، یہ کھلی ہوئی سیاسی غلطی اسی لیگ نے کی جس کے ذمے دار خود قاید اعظم ہیں، جمعیت اس وقت میں قایم نہ ہوئی تھی، مولانا محمد علی مرحوم مولانا ابو الکلام آزاد اور دیگر نیشنلسٹ مسلمان نظر بند تھے اسی پیکٹ کو بان ٹیگو جمیس فورڈ اسکیم میں تسلیم کرلیا گیا تھا اور جب عملدر آمد ہوا اور سمجھ دار نیشنلسٹ باہر آئے تو اس غلطی پر متنبہ کیا گیا، مگر خود کردہ را علاج چیست؟۔ (دیکھو تاریخ مسلم لیگ: ص ۱۲۸ مصنفہ اختر احسن صاحب بی اے)

اس کے بعد لیگ اور مسلم کانفرنس وغیرہ کے کنونشن (کلکتہ ۱۹۲۱ء) میں جب کہ سرتیج بہادر سپرو نے مخلوط انتخاب پر تقریر کرتے ہوئے کہا "اگر مخلوط انتخاب جاری ہوا اور مسلم اقلیت والے صوبوں میں مسلمانوں کی نشستیں حسب تحریر کردہ نہرو رپورٹ محفوظ رہیں اور مسلم اکثریت والے صوبوں میں تعیین نہ کی گئی تو مسلمانوں کی نشستیں حسب تحریر کردہ نہرو رپورٹ محفوظ رہیں اور مسلم اکثریت والے صوبوں میں تعیین نہ کی گئی تو مسلمان پنجاب میں ساٹھ تک اور بنگال میں ۵۷، ۵۹ تک سیٹیں حاصل کرلیں گے"۔ تو مسٹر جناح نے فرمایا کہ اکثریت والے صوبوں (پنجاب و بنگال) میں زیادہ سیٹیں دینا ایسا ہے کہ جیسے امیروں کو اور امیر کردیا جائے۔ اقلیت والے صوبوں کو اور سیٹیں دینے میں بھلائی ہے۔
(دیکھو روشن مستقبل: ص ۳۹۵ چوتھا ایڈیشن)

الغرض خود مسٹر جناح نے ان صوبوں پنجاب و بنگال کی کونسلوں اور اسمبلیوں میں مسلمانوں کی اکثریت کی مخالفت کی اس کے بعد جب کہ گول میز کانفرنس میں نمایندے بھیجے گئے تو صرف لیگ اور مسلم کانفرنس ہی کے بھیجے گئے تھے، نیشنلسٹ مسلمانوں کے نمایندے ڈاکٹر انصاری وغیرہ کو گورنمنٹ آف انڈیا نے بھیجنا گوارا نہیں کیا، ان دونوں جماعتوں نے مسلم نمایندوں کو تاکید کی تھی کہ مسلمانوں کی چند شروط کا وہاں التزام رکھیں اور بغیر ان شروط کے کوئی معاہدہ تسلیم نہ کریں ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی سیٹیں کم از کم ۵۱ فیصدی ہوں گاندھی جی اور کانگریس نے جملہ شروط قبول کرلی تھیں (دیکھو بیان مسٹر محمد علی جناح مدینہ بجنور: ۲۱ر اکتوبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰، ۵۷، ص ۷) البتہ مہا سبھائی اس کے منکر تھے اس کے بعد مسلم لیگیوں اور مسلم کانفرنسیوں نے یورپین ایسوسی

ایشن اور دیگر اقلیتوں سے معاہدہ کرلیا اور اس میں ایسی ایسی باتیں تسلیم کرلیں جو نہ صرف ان امور کے خلاف تھیں جن کا عہد کر کے وہ ہندوستان سے گئے تھے بلکہ مسلمانوں کو اکثریت والے صوبوں میں اقلیت میں لانے والی بھی تھیں یعنی ان کو ۵۱ فیصدی بھی ان دونوں صوبوں میں نشستیں نہیں ملتی تھیں۔ (دیکھو مدینہ بجنور: ۲۱ر اگست ۱۹۳۲ء، جلد ۲۱، ص ۵)

اس پر اخبارات میں ان لیگیوں پر جن میں مسٹر محمد علی جناح بھی تھے بہت لے دے کی گئی، اس کے بعد کمیونل ایوارڈ کو (جس میں بنگال کو $47\frac{1}{2}$ اور پنجاب کو ۴۹ فیصدی نشستیں دی گئی ہیں)۔ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۲۳ء کے اجلاس کلکتہ اور ۲۵ر نومبر کو نئی دہلی میں تسلیم کرلیا۔
(دیکھو روشن مستقبل: ص ۴۲۷، ۴۲۲)

ہاں! جمعیت علما ہی وہ جماعت ہے جس نے ہمیشہ اس امر کی کوشش کی ہے کہ ان دونوں صوبوں بنگال اور پنجاب میں مسلمانوں کی نشستیں ان کی آبادی کے موافق رہیں، ان میں کسی وقت اور کسی حال میں کمی نہ ہونی چاہیے چناں چہ جمعیت علماے ہند کے ''رسالہ تنقید وتبصرہ بر نہرو رپورٹ ۱۹۲۸ء'' میں مطالبات کے ضمن میں صفحہ ۲۳ دفعہ ۲ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

''پنجاب اور بنگال کی پوری حفاظت کردی جائے، کیوں کہ وہ بہت تھوڑی تعداد کی اکثریت ہے''۔ ''دفعہ ۷ صوبوں کی مسلم اقلیتوں کو باہمی سمجھوتے سے اگر اکثریت کوئی رعایت دے تو اسی نسبت سے غیر مسلم اقلیتیں بھی اپنے صوبوں میں رعایت کی مستحق ہوں گی اور اس باہمی مفاہمت کا دروازہ کھلا رہنا چاہیے، بشرطیکہ کوئی اکثریت اقلیت میں تبدیل نہ ہو جائے''۔

لاہور اور سہارن پور کے خطبات صدارت جمعیت علما میں بھی اس مضمون کو نی الجملہ لیا گیا ہے خلاصہ کلام یہ کہ لیگ ہی ہر دو صوبوں میں مسلمانوں کو اقلیت میں لانے کی ذمے دار ہے کانگریس کو اس کا ذمے دار قرار دینا بالکل افترا اور بہتان ہے خود کردہ را علاج چیست؟

دوسرا مسئلہ انتخاب جداگانہ یا مخلوط انتخاب کا ہے یہ مسئلہ تقریباً بیس پچیس برس سے زیر بحث چلا آرہا ہے، نشستوں کے تعین کے بعد مخلوط انتخاب میں کوئی خطرہ نظر نہیں آتا۔ البتہ ایک بہت بڑا فایدہ یہ ہے کہ فرقہ پرست ہندو یا مسلمان کونسلوں میں نہ جاسکیں گے، ہر ایک ہندو اور ہر ایک مسلمان کونسل اور اسمبلی میں جانے کے لیے غیر برادری کا محتاج ہوگا نہ ہندو مسلمانوں سے بے نیاز ہوگا نہ مسلمان ہندو سے نہ ہندو گائے کی حفاظت کے نام پر

ووٹ مانگ سکے گا نہ مسلمان باجا اور قربانی کے نام پر! اس لیے امید ہے کہ وہ اتحاد جس پر آزادی موقوف ہے پائیدار ہوگا ہاں صرف یہ خطرہ رہ جاتا ہے کہ ہندو صرف اسی مسلمان کو ووٹ دے گا جو اس کے قریب تر ہو اور علیٰ ہذا القیاس مسلمان صرف اسی ہندو کو ووٹ دے گا جو اس کے قریب تر ہو۔

اس خطرہ کے دفعیہ کے لیے مولانا محمد علی صاحب مرحوم کی رائے یہ تھی کہ کوئی امیدوار اس وقت تک کامیاب شمار نہ کیا جائے گا جب تک $\frac{2}{3}$ یا $\frac{3}{5}$ ووٹ اس کی قوم کے نہ ہوں، گویا مسئلہ مخلوط انتخاب اگر نشستوں کی تعین کے ساتھ ہو خواہ وہ آبادی کے موافق ہو یا موجودہ طریق پر ہو ملک کی باگ ڈور صرف ہندوؤں کے ہاتھ میں نہ ہوگی اور کوئی قانون صرف ایک قوم کی خواہش کے موافق نہ بن سکے گا۔ ہاں اگر نشستوں کا تعین نہ ہو تو خطرات بہت زیادہ ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ کے سوالوں کے جوابات بخوبی آ گئے، آپ کوشش کیجیے کہ صرف آزاد مسلم بورڈ کے نمایندے کامیاب ہوں، والسلام

(ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ، ۲۲/ ذی قعدہ ۱۳۶۴ھ)

مفتی کفایت اللہ صاحب کی جمعیت سے علاحدگی کی بے بنیاد خبر:

۲۹/ اکتوبر ۱۹۴۵ء: حضرت مولانا محمد ضیاء الحق صاحب نے ایک بیان ارسال فرمایا ہے ''کہ کچھ عرصے سے بعض اخبارات نے کذب بیانی اور افترا پردازی کو اپنا شیوہ بنا کر ہندوستان کی فضا کو مکدر اور مسلمانان ہند کو پریشان کر رکھا ہے، حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب اور دیگر اکابر دامت برکاتہم کے متعلق جو مکروہ اور جھوٹا پروپیگنڈا لیگی اخبارات کر رہے ہیں، وہ یقیناً قابل افسوس ہے، ایک بے بنیاد اور جھوٹی خبر یہ بھی پھیلی ہوئی ہے کہ حضرت مفتی اعظم مدظلہ نے جمعیت علماے ہند سے علاحدگی اختیار کر لی ہے! اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی سے حضرت موصوف مدظلہ کا اختلاف ہو گیا ہے، میں اظہار حقیقت کے لیے مفتی صاحب موصوف کا یہ گرامی نامہ جو سائل کے جواب میں لکھا ہے برائے اشاعت بھیج رہا ہوں۔ (ضیاء الحق)

نقل گرامی نامہ

جناب مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں جمعیت العلمائے ہند کا خادم اور اس میں شریک ہوں جو الفاظ آپ نے تحریر فرمائے ہیں، رسایل کے الفاظ یہ تھے ''جناب نے کسی اجلاس میں یہ فرمایا تھا کہ مسلم لیگ ایک بہتر جماعت ہے اس میں مسلمانوں کو شرکت کرنا چاہیے'' وہ میں نے نہیں کہے، یہ کسی نے میرے ذمے جھوٹ باندھا ہے مسلمانوں کو جمعیت العلمائے ہند کی شرکت اور اس کے کاموں میں امداد کرنی چاہیے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ (زمزم۔ لاہور: ۲۹/اکتوبر ۱۹۴۵ء)

۳۰/اکتوبر ۱۹۴۵ء: امروہہ کے محمد حبیب خان نیازی کے چند سوالات کے جواب میں حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا:

۱۔ اگر مسلم لیگ کا راستہ صحیح ہوتا تو وہ بے شک مفید ہوتی مگر افسوس کہ اس کا راستہ صحیح نہیں ہے، اس لیے مسلمانوں کو جمعیت علمائے ہند کی ہدایت پر عمل کرنا چاہیے۔

۲۔ کسی مسلمان کے متعلق ایسے الفاظ کہنا درست نہیں ہے، کلمہ کا عربی تلفظ نہ جانتا ہو مگر خدا تعالیٰ کے وجود کا قایل ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت مانتا ہو تو یہ اس کے مسلمان ہونے کے لیے کافی ہے۔

۳۔ مولانا حسین احمد مدنی کا اتباع کیجیے وہ صحیح راستے کی ہدایت کریں گے۔

۴۔ کافر ہندو مسلمانوں کے لیے مفید ہوں یا نہ ہوں مسلمانوں کو اپنی بھلائی کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

(کفایت المفتی (جلد نہم): کتاب السیاسیات)

کانگریس کا انتخابی مینی فیسٹو، ذرایع پیداوار کو سماجی ملکیت بنایا جائے گا:

۳۰/اکتوبر ۱۹۴۵ء: بمبئی ۲۶/اکتوبر، کانگریس نے آنے والے انتخابات کے سلسلے میں ایک طویل الیکشن مینی فیسٹو شایع کیا ہے اس مینی فیسٹو کے بڑے بڑے بارہ نکات یہ ہیں:

۱۔ ہندوستان کے ہر شہری کو برابر کے حق اور ترقی کرنے کے مواقع حاصل ہوں گے۔

۲۔ تمام فرقوں اور مذہبی گروہوں کے باہمی اتحاد نیز رواداری کے لیے کانگریس کوشش کرے گی۔

۳۔ مجموعی طور پر لوگوں کو اپنی مرضی اور خواہشات کے مطابق ترقی کرنے کی آزادی ہوگی۔

۴۔ ہر ایک علاقے کو بڑے ملکی ڈھانچے کے اندر اپنی زندگی کلچر کو ترقی دینے کا پورا حق حاصل ہوگا۔

۵۔ صوبوں کو تہذیب اور زبان کی بنیادوں پر منظم کیا جائے گا۔

۶۔ سماجی ظلم اور بے انصافی کے خلاف آواز اٹھائی جائے گی۔

۷۔ ایک جمہوری آزاد اسٹیٹ ہوگی، جس میں سب لوگوں کے لیے مساوی بنیادی حقوق اور آزادیاں ہوں گی۔

۸۔ ہندوستان کا آئین فیڈرل آئین ہوگا جس میں ہر یونٹ کو کافی بنیادی آزادی حاصل ہوگی۔

۹۔ کانگریس ہندوستان کے لوگوں کی غربت وافلاس کو دور کرنے کے لیے کام کرے گی۔

۱۰۔ کانگریس کا نظریہ یہ ہے کہ زراعت اور صنعت کو ملا کر چلایا جائے۔ اور دولت کے سارے ذرائع نیز ان کی تنظیم وغیرہ پر سماجی کنٹرول ہو۔

۱۱۔ بین الاقوامی میدان میں کانگریس مساوی آزاد قومون کی فیڈریشن کی حامی ہے۔

۱۲۔ کانگریس امپریلزم کا خاتمہ کرنے کے لیے ساری محکوم قوموں کی آزادی کی حمایت کرے گی۔ (زمزم۔ لاہور: ۳۰؍ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

ہندوستانی اسیروں کو پھانسی دے دی گئی:

۳۰؍ اکتوبر ۱۹۴۵ء: نئی دہلی ۲۶؍ اکتوبر، پنڈت جواہر لال نہرو نے دہلی سے مراد آباد روانہ ہونے سے قبل اخباری نامہ نگاروں کو بتایا کہ دہلی جیل میں کئی ایسے ہندوستانی اسیر ہیں، جنہیں دشمن کے ایجنٹ ہونے کے الزام میں پھانسی دی جانے والی ہے۔ پنڈت نہرو نے مزید بتایا کہ کئی اسیروں کو پھانسی دی جا چکی ہے، کسی کو ایسے مقدمات کی رپورٹ شایع کرنے کی اجازت نہیں، پنڈت نہرو نے کہا، نہیں معلوم کہ ان مقدمات کی تفصیلات کیا

تھیں، جن کی پاداش میں پھانسی کے حکم سنا دیے گئے، لیکن حکومت کو چاہیے کہ وہ ایسے واقعات کی مکمل تفاصیل مہیا کرے اور ڈیفنس پیش کرنے کے مواقع بہم پہنچائے اور تمام حقایق شایع کرے۔ (زمزم۔لاہور: ۳۰؍اکتوبر ۱۹۴۵ء)

پنجاب کانگریس میں دو دھڑے:

۲؍نومبر ۱۹۴۵ء: لاہور ۲ نومبر، بیان کیا جاتا ہے کہ پنجاب کانگریس میں دو دھڑے بن چکے ہیں، اس انتخاب کے لیے مولانا آزاد خود لاہور تشریف لائے اور ان کی موجودگی میں مولانا داؤد غزنوی اتفاق رائے سے صدر منتخب ہوئے، اور دونوں ڈھڑوں سے مرکب ایک ورکنگ کمیٹی بنائی گئی، لیکن چوں کہ انتخابات سر پر تھے، اور ایک دھڑے کی یہ کوشش تھی کہ اس کے حمایتی امیدوار کھڑے کئے جائیں، اس لیے پارلیمنٹری بورڈ کی اہمیت ورکنگ کمیٹی سے کہیں زیادہ سمجھی جاتی ہے۔ (زمزم۔لاہور: ۷؍نومبر ۱۹۴۵ء)

۲؍نومبر کو ہندوستان میں یوم فلسطین!
مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی اپیل:

جرائد اور بحری برقیہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ عرب لیگ فلسطین اور عرب ممالک میں ۲؍نومبر کو یوم فلسطین منا رہی ہے، کیوں کہ یہی دن اعلان بالفور کا ہے، جمعیت علماے ہند کی جانب سے اگرچہ گذشتہ چند ماہ میں یوم فلسطین منایا جا چکا ہے، تاہم عرب لیگ کے اعلان کی اہمیت کے پیش نظر جمعیت علماے ہند کی اپیل ہے کہ ۲؍نومبر یوم جمعہ کو تمام ہندوستان میں یوم فلسطین منایا جائے، جامع مسجد میں یا کسی دوسری جگہ پبلک میدان میں زیادہ سے زیادہ اجتماع ہو جس تسلیم فلسطین اور داخلہ یہود کے برخلاف اور اعراب فلسطین کے مطالبہ آزادی کی تائید میں تجاویز پاس کی جائیں اور وایسرائے ہند و اخبارت کو بذریعہ تار تجاویز سے مطلع کیا جائے، جمعیت علماے ہند کی صوبائی ضلع وار اور مقامی شاخوں کے علاوہ مجھے قوی امید ہے کہ دوسری مسلم جماعتیں بھی جمعیت علماے ہند کے اس اسلامی احتجاج میں شرکت فرما کر اپنی ملی و دینی غیرت وحمیت کا ثبوت دیں گے۔ (مولانا حفظ الرحمٰن، ناظم اعلیٰ

جمعیت علماے ہند)   (زمزم۔لاہور: ۳؍نومبر ۱۹۴۵ء)

سید پور کا افسوس ناک حادثہ!

سید پور اسٹیشن پر چند بد طینت مسلم لیگیوں نے شیخ الہند حضرت جناب مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیت علماے ہند پر حملہ آور ہو کر اپنی بزدلی اور کمینہ پن کا جو مظاہرہ کیا ہے، وہ ہر منصف مزاج اور حق پرست مسلمان کے لیے انتہائی رنج اور تکلیف کا باعث ہوا ہے۔

حضرت مولانا مدنی سے ایک بار نہیں ہزار بار اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن انہیں بازاری گالیاں دینا اور ان کی شان میں بد معاشوں اور غنڈوں کی طرح منہ کھولنا ان کی آبرو اتار کر ان سے دست و گریبان ہونا، اپنی سفلہ خوئی کا بدترین مظاہرہ کرنا ہے، مولانا آزاد کی توہین کے بعد یہ دوسرا واقعہ ہے، لیکن لیگ کے ذمے دار قایدین کی طرف سے کسی ایک فرد کی بھی آواز ان حرکات کے خلاف نہیں اٹھی۔

ہم حضرت مدنی مدظلہ کے جملہ متوسلین و معتقدین سے پرزور مگر باادب درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس قسم کے واقعات کو اس عظیم الشان مقصد کے پیش نظر جسے حاصل کرنے کے لیے حضرت مدنی اس میدان میں اترے ہیں، قطعاً بھول جائیں اور اپنے صبر و تحمل اور بردباری کے پیمانے کو ہرگز لبریز نہ ہونے دیں، ہمیں اس قسم کی بزدلانہ حرکتوں سے ہمیشہ مکمل احتراز کرنا چاہیے اور آزادی کے قافلہ کی رفتار کو اور تیز کر دینا چاہیے۔

(زمزم۔لاہور: ۳؍نومبر ۱۹۴۵ء)

۳؍نومبر ۱۹۴۵ء: مولوی عبد الاحد ناظم جمعیت علما (ڈھاکہ) نے حضرت مفتی صاحب سے دس سوال کیے تھے، یہاں مولوی صاحب موصوف کے سوالات اور حضرت مفتی صاحب کا جواب نقل کیا جاتا ہے:

۱۔ کیا حضرت والا حضرت مدنی کے مخالف ہیں اور جمعیت علماے ہند سے الگ ہو گئے ہیں؟

۲۔ کیا حضرت والا نے لیگ کی واحد نمایندگی کو تسلیم کر لیا ہے؟

۳۔ کیا جمعیت علما کے موجودہ صدر حضرت مدنی بانیانِ جمعیت کے وضع کردہ اصول

سے ہٹ گئے ہیں اور امت مسلمہ سے کٹ کر گاندھی اور کانگریس کی پالیسی ہی کو اپنا نصب العین بنالیا ہے؟

۴۔ کیا آپ ممبر مجلسِ عاملہ جمعیت ہونے کے باوجود صدر کی مجلس میں مشورہ نہیں دیتے اور کیا جناب کا مشورہ حضرت مدنی کے سامنے بالکل قبول نہیں کیا جاتا؟

۵۔ جناب والا مفتی اعظم ہند اس بارے میں شریعت کی رو سے کیا فرماتے ہیں کہ مسلمانانِ ہند فی الحال شیخ الاسلام مدنی کی قیادت میں رہیں یا مسٹر جناح جیسے ایک قابل ترین بیرسٹر کی قیادت ہیں؟

۶۔ کیا حضرت والا جمعیت سے الگ ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے ہیں؟

۷۔ شرعی حدود میں رہ کر کانگریس میں شریک ہونا اور آج کل کی کانگریس میں شریک ہونا کیا حرام اور کفر ہے؟

۸۔ کیا کانگریس میں شریک ہونے سے اسلام کا علم ذلیل ہو جائے گا؟ اور کیا موجودہ مسلم لیگ میں شریک ہونا واجب ہے؟

۹۔ جمعیت علمائے اسلام کے نام سے جو جمعیت کلکتہ میں قایم ہوئی ہے، اس کے بارے میں جناب والا کی کیا رائے ہے؟

۱۰۔ قادیانی کو مسلمان سمجھنے والا اور غیر لیگی مسلمانوں کو اسلام سے خارج کہنے والا شخص کیسا ہے؟ (المستفتی مولوی عبد الاحد ناظم)

جواب: ا۔ یہ بات غلط ہے، میں نہ حضرت مدنی سلمہ' کا مخالف ہوں نہ جمعیت علما سے الگ ہوا ہوں، میں حضرت مدنی سلمہ اور جمعیت علما کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔

۲۔ ہرگز نہیں۔

۳۔ یہ بات غلط ہے، حضرت مدنی اسلام اور مسلمانوں کے خادم ہیں اور ان کی بہتری کے لیے کام کرتے ہیں۔

۴۔ یہ بات بھی غلط ہے، میری سمجھ میں جو بات آتی ہے وہ مجلس مشورہ میں عرض کر دیتا ہوں، مجلس اسے قبول کر لے تو خیر ورنہ میں مجلس کے فیصلے کی پابندی کرتا ہوں

۵۔ حضرت مدنی کی قیادت شرعی اور موجودہ حالات کی بنا پر مسلمانوں کے لیے واجب الاطاعت ہے، مسٹر جناح ایک اچھے بیرسٹر ہیں مگر مذہبی علوم سے ناواقف اور مذہبی

اعمال سے کورے ہیں۔

۶۔ میں جمعیت العلما کا ایک ادنی خادم ہوں، لیگ کی شرکت غیر واقعی اور لوگوں کی اڑائی ہے۔

۷۔ کانگریس کی تحریک آزادی ہند تو مسلمانوں کی بھی تحریک ہے۔ اس میں شرکت کرنا حقیقۃً کانگریس کے تمام مقاصد میں شرکت نہیں ہے، پھر یہ ناجائز یا کفر کیسے ہو سکتی ہے۔

۸۔ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں۔

۹۔ یہ جمعیت علماے ہند قدیم کو فنا کرنے کے لیے اور مسلم لیگ کو قوت پہنچانے کے لیے قایم کی گئی ہے، ورنہ جمعیت العلماء تو موجود تھی کوئی دوسری جمعیت قایم کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

۱۰۔ قادیانیوں کو مسلمان سمجھنے والے اور غیر لیگی مسلمانوں کو اسلام سے خارج بتانے والے گمراہ ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

(کفایت المفتی (جلد نہم): کتاب السیاسیات)

سنجیدہ سوال:

۳ر نومبر ۱۹۴۵ء: مسٹر محمد علی جناح کے ایک بیان پر ایڈیٹر زمزم نے ''سنجیدہ سوال'' کے زیر عنوان پر تبصرہ کیا ہے۔ ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں:

قاید اعظم مسٹر جناح نے سندھ مسلم لیگ کے صدر مسٹر (جی ایم) سید کے رویہ پر اظہار ناراضگی کرتے ہوئے کہا:

''مرکزی پارلیمنٹری بورڈ کے فیصلے کے خلاف کسی قسم کی بغاوت ڈسپلن کے تمام بنیادی اصولوں کے منافی اور مسلم لیگ کے آئین کی مخالفت کے مرادف ہوگی''

بات بالکل صحیح ہے کہ مسٹر سید کو لیگ کا ممبر رہتے ہوئے مرکزی پارلیمنٹری بورڈ کے احکام کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں دی جا سکتی، مسٹر سید لیگ کے دایرے سے باہر ہو کر تو حق رکھتے ہیں کہ سرے سے لیگ ہی کی مخالفت کر ڈالیں لیکن لیگ کے اندر رہتے ہوئے انہیں لیگ سے بغاوت کرنے یعنی اس کے احکام کو ٹھکرانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے!

اب ہم مسٹر جناح سے ان ہی کے اصول کی بنا پر دریافت کرتے ہیں۔ جب آپ بھی اسلامی تحریک کے ممبر ہیں اور کلمۂ شہادت پڑھ کر آپ نے اس کی رکنیت تحصیل کی ہے، تو آپ کے لیے یہ کس طرح جائز ہو گیا کہ اسلام کے مرکزی احکام سے بغاوت کر کے دین قیم کے بنیادی اصولوں سے انحراف کریں اور اسلام کے ڈسپلن کو توڑیں؟ مسلم لیگ کے ڈسپلین کو توڑنا آپ کو پسند نہیں اور اسلام کے ڈسپلن کو توڑنا خدا کو پسند نہیں، آپ چاہتے ہیں کہ لیگ کا کوئی ممبر بغاوت نہ کرے خدا چاہتا ہے کہ آپ جو اسلام کے ممبر ہیں اسلام سے بغاوت نہ کریں، اگر آپ اسلام کو قبول کرتے ہوئے اور اسلام کے دایرے میں رہتے ہوئے اسلام کے مرکزی احکام (نماز، روزہ، حج وغیرہ) کی خلاف ورزی کر سکتے ہیں، تو مسٹر سید سے یہ کہنا دیانت داری کی کون سی قسم ہے کہ "مرکزی پارلیمنٹری بورڈ کے فیصلہ کے خلاف کسی قسم کی بغاوت ڈسپلن کے تمام بنیادی اصولوں کے خلاف ہو گی۔

(زمزم۔ لاہور: ۴ر نومبر ۱۹۴۵ء)

آزاد کا آئینہ اور یار کی تصویر:

"زمیندار" لاہور نے مولانا ابوالکلام آزاد کی ہجو میں ایک نہایت دل آزار نظم شایع کی تھی، اس پر معاصر زمزم، لاہور نے ایک شذرے میں اپنے انتہائی دکھ اور افسوس کا اظہار کیا ہے اس کے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے لیگی صحافت اپنے مخالفین کے لیے کیا زبان استعمال کرتی تھی اور اس کے اخلاق و تہذیب کا معیار کیا تھا؟ شذرہ ملاحظہ ہو۔ (ا۔س۔ش)

معاصر "زمیندار" نے کسی شقی ازلی کی نظم "بگڑا ہوا عالم" کے عنوان سے شایع کی ہے، جس میں مولانا آزاد کے خلاف ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ خود زمین دار بھی اگر انہیں مولانا ظفر علی خان اور مسٹر جناح کی شان میں استعمال کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا، زمین دار کو حق ہے کہ وہ جس حد تک چاہے گرے، اور جس قدر چاہے اپنی روایات کے کو پٹہ لگائے۔ مگر یہ گرنا بھی صحافت کی حد تک ہی محدود ہونا چاہیے، ہم اس نظم کو دیکھ کر حریف ہیں کہ زمیندار کے ذوق سلیم کی داد دیں یا ناظم کی شقاوت اور سیہ بختی بہر ماتم سرا ہوں، ہمیں تسلیم کہ زمیندار کو مولانا آزاد سے لاکھ اختلاف سہی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس جہنمی نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ عقل و نقل کی پابندیوں سے بے نیاز ہو کر ہی شایع کر دیا جائے۔ نظم کا

پہلا ہی شعر ملاحظہ ہو:

جاہل ہے تو سو مرتبہ بگڑے بھی بنے بھی
بگڑا ہوا عالم ہے کہ بچھڑا ہو خنزیر

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ معاصر زمیندار کا خاتمہ بالخیر کس صورت میں ہوگا، اور وہ اللہ کو کیا جواب دے گا جو خنزیر سے بھی بدتر شکل بنانے پر قادر ہے، رہے شاعر صاحب سو اس سیہ بخت کی قیمت بس اتنی ہے کہ اخبار میں نام آ گیا، اپنے کلام کو خود سو بار پڑھا، ہزار بار دوستوں کو سنایا، اور نفس دنی میں مسرت کی لہر دوڑ گئی، ہم ایسے اشقیا کے لیے نہیں اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کرتے ہیں۔

لا یرمی رجل رجلاً الا ارتدت علیہ۔ (بخاری)

جو شخص جس کسی کو جن الفاظ میں یاد کرے گا وہ اسی پر لوٹائے جائیں گے۔

ہمیں یقین ہے کہ اللہ کے رسول کا ارشاد سچا ہے، اور ہمیں یقین ہے اور خلق صبح کی طرح یقین ہے کہ اگر ''مولانا'' شقی نے توبہ نہ کی، تو تعجب نہیں کہ اس کی موت خنزیر کی موت ہو اور قیامت میں بھی اس کا حشر خنزیر کی شکل میں ہو، ہمیں یہ تو منظور ہے کہ یہ بدبخت خنزیر کی موت مرے مگر یہ منظور نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد غلط ہو جائے۔

(شذرۂ زمزم۔ لاہور: ۳ر نومبر ۱۹۴۵ء)

حضرت مفتی اعظم کا ارشاد گرامی:

۳ر دسمبر ۱۹۴۵ء: جناب مفتی صاحب قبلہ! اسلام مسنون، کیا جناب بھی مثل مولانا حسین احمد صاحب کانگریس کے ممبر ہیں؟ اور جمعیت العلما کے سب یا اکثر لوگ کانگریس کے ممبر ہیں یا نہیں اور ہم لوگ بھی کانگریس کے (بہ ادائیگی فیس) ممبر بن جائیں یا نہیں؟

(محمد ضیاء الحق، مدرسہ امینیہ دہلی)

جناب محترم! دام مجدہم، بعد سلام مسنون! میں کانگریس کا ممبر نہیں ہوں، مگر مسلمانوں کے لیے کانگریس کی شرکت اور ممبری جائز سمجھتا ہوں، بہت سے جمعیت العلماء کے ممبر کانگریس کے ممبر ہیں، مولانا حسین احمد بھی ممبر ہیں، اور جو مسلمان کانگریس میں شریک ہو کر ممبر بن جائیں، ان کے لیے یہ جائز اور بہتر ہے کانگریس ہندوستان کی مشترکہ

قومی جماعت ہے اس میں سب ہندوستانیوں کو شریک ہونا جائز ہے اور کام کرنا مفید ہے۔
(مفتی اعظم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ) (زمزم۔ لاہور: ۳ر دسمبر ۱۹۴۵ء)

۴ر نومبر ۱۹۴۵ء: پیر ظہور احمد صاحب ریٹائرڈ سب انسپکٹر (دہلی) نے ایک خط میں مسٹر محمد علی جناح کے بارے میں بعض باتیں لکھی تھیں اور چند سوالات دریافت کیے تھے، یہاں ان کا سوال نامہ اور حضرت مفتی صاحب کا جواب درج کیا جاتا ہے، سوالات یہ ہیں:

۱۔ جو شخص مذہباً خلفاے راشدین پر تبرا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہو اور قرآن شریف کو حضرت ابو بکر صدیق یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی بک کہتا ہو، علاوہ ازیں وہ دایم الخمر اور تارک الصلوٰۃ ہو، قرآن شریف کو پرانی کتاب کہتا ہو شریعت سے دور کا بھی واسطہ نہ رکھتا ہو وہ مسلمانان اہل سنت والجماعت کا قاید ہو سکتا ہے یا نہیں؟

حافظ بشیر احمد مولوی فاضل انبیٹھوی نے فخریہ بیان کیا کہ جب قاید اعظم مسٹر محمد علی جناح کا جلوس کوئٹہ میں نکلا بے اندازہ مسلمانوں کا ہجوم تھا اور ایسے خلوص وعقیدت سے استقبال کر رہے تھے گویا سجدے میں گر رہے تھے، جو کوٹھی قاید اعظم کے لیے سجائی گئی تھی اس میں ایک بلندی پر قرآن شریف بھی رکھا گیا تھا، جب جناح صاحب میز کے قریب پہنچے تو بید کے اشارے سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ منتظمان نے کہا کہ قرآن شریف ہے! جناح صاحب نے فرمایا کہ اس کا یہاں کیا کام؟ چناں چہ اٹھا لیا گیا، پھر جب جناح صاحب مع ہمشیرہ کھانا کھانے کے لیے بیٹھے تو شراب نہیں تھی جناح صاحب کے ارشاد پر بازار سے بڑھیا شراب کی دو بوتلیں منگوائی گئیں، جناح صاحب نے مع ہمشیرہ خود نوش فرمائی، بعدہٗ ریاست قلات میں خان صاحب قلات نے دعوت کی وہاں پر بھی جناح صاحب نے ایسا ہی کیا، اور ریاست کے توشہ خانے سے ایک پیٹی بوتلہاے شراب کی ساتھ لائے، اس بارے میں مولوی سید نظیر حسین ساکن سہارن پور حال پرشین ٹیچر اسلامیہ ہائی اسکول کوئٹہ بلوچستان اور خان بہادر مولوی ڈپٹی منیر الدین صاحب سابق پرسنل اسسٹنٹ جناب گورنر بہادر کوئٹہ جو ریاست قلات میں وزیر بھی رہ چکے ہیں ہر دو حضرات سے دریافت کرنے پر تصدیق ہوئی، یہ دونوں حضرات بھی کانگریس کے موافق نہیں ہے۔

۲۔ ایسی مسلم جماعت کو جو علماے دین کی بے عزتی کریں، ان پر قاتلانہ حملے کریں لشکر یزید سے تشبیہ دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

۳۔ مہاتما گاندھی باوجود ہندو ہونے کے قرآن شریف کی عزت کرتا ہے اور الہامی کتاب مان کر اسے لکھتا پڑھتا بھی ہے اور گرفتاری میں اپنے ساتھ جیل میں بھی قرآن شریف لے گیا، بحالات موجودہ مسٹر محمد علی جناح اور مہاتما گاندھی میں کیا فرق ہے؟ المستفتی پیر ظہور احمد صاحب ریٹائرڈ سب انسپکٹر پولیس دہلی، ۲۸ر ذی قعدہ ۱۳۶۴ھ م ۴ر نومبر ۱۹۴۵ء)

جواب: ۱۔ مجھے مسٹر جناح کے عقائد کا ذاتی طور پر علم نہیں، اس لیے ان کے متعلق کوئی حکم دینا مشکل ہے، مگر جو لوگ حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی شان میں گستاخی کریں اور دائم الخمر اور تارک الصلوٰۃ ہوں اور قرآن مجید کو پرانی کتاب بتا کر اس پر عمل کرنے کو ناجائز بتائیں اور دعوتوں میں شراب طلب کریں اور اسے نوش فرمائیں وہ مسلمانوں کے نزدیک مسلمان نہیں قرآن مجید خدا کی کتاب اور اسلام کا دائمی قانون ہے جس پر ایمان لانا اور عمل کرنا اسلام کا مقدس ترین فرض ہے، اس کو مسلمانوں کے لیے مشعل ہدایت سمجھنا اور اس کی توقیر و تعظیم کرنا مسلمانوں کا اولین فرض ہے۔

مسلمانوں کی دینی قیادت کے لیے متشرع اور دینی تعلیمات کا ماہر مسلمان ضروری ہے اور ان کی قانونی وآئینی قیادت کے لیے بھی متشرع اور باوضع مسلمان بہتر ہے۔

۲۔ مسلمان جو علما کی بے عزتی کریں اور ان پر قاتلانہ حملے کریں اور دین کی عزت و توقیر کو خراب کریں فاسق و بے دین ہیں، ایسے لوگوں نے افعال کو یزید کے افعال سے تشبیہ دینا صحیح ہے مگر پھر بھی یہ طریقہ اختیار کرنا بہتر نہیں ہے۔

۳۔ مہاتما گاندھی جب تک اسلام قبول نہ کریں اس وقت تک دینی حیثیت سے وہ مسلمانوں کے نزدیک غیر مسلم ہی ہیں، اخلاقی طور پر غیر مسلم ایک بد اخلاق مسلمان سے افضل اور بہتر ہو سکتا ہے، مگر دینی حیثیت سے مسلم بہ ہر حال غیر مسلم سے افضل ہے، مگر یہ فضیلت قیادت کی ترجیح کے لیے کافی نہیں، قیادت کے شرایط اور اوصاف بجائے خود اہم ہیں، اور ان کے لحاظ سے جو اعلیٰ اور افضل ہو وہ قیادت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔ (کفایت المفتی (جلد نہم): کتاب السیاسات)

۳ر دسمبر ۱۹۴۵ء/ ۲۷ر ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ: مظہری علی خاں (ضلع میرٹھ) کے استفسارات کے جواب میں حضرت مفتی صاحب تحریر فرمایا:

۱۔ میں جمعیت العلماء میں شریک اور اس کا خادم ہوں، اور آپ بھی اس میں شریک ہو جائیں۔

۲۔ کانگریس سیاسی جماعت ہے جو ہندوستان کی آزادی کے لیے کام کر رہی ہے، ہر ہندوستانی خواہ مسلمان ہو یا ہندو یا سکھ اس کا ممبر ہو سکتا ہے۔

۳۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے مگر اس کا نظام امیروں اور نوابوں کے قبضے میں ہے اور اس کا صدر آج کل شیعہ مذہب کا ہے۔ مسلمان صرف نام سے دھوکا کھا کر اس کو اپنی ہمدرد جماعت سمجھ لیتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ وہ ہندوستان کی آزادی کے لیے ایک زبردست رکاوٹ ہے۔

۴۔ میں مسلم لیگ میں شریک نہیں ہوں، جمعیت علما کا خادم ہوں، جمعیت علما کانگریس کے ساتھ ہندوستان کی آزادی کے لیے کام کر رہی ہے۔ مسلمانوں کو جمعیت علما کا ساتھ دینا چاہیے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی

(کفایت المفتی (جلد نہم): کتاب السیاسیات)

مولوی محمد ذکی (خواجہ ضلع بلند شہر) کے سوالات کے جوابات:

۲۴ر نومبر ۱۹۴۵ء: ۱۔ جو مسلم اپنی لا مذہبیت کا اعلان کر دے اور شعائر اسلام کی توہین کرتا ہو وہ مسلمانوں کا قاید نہیں ہو سکتا۔

۲۔ جو شخص نائبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی مفاد کے لیے تکلیف پہنچائے اور کلمۂ حق کہنے سے روکے وہ شریعت کے رو سے سخت فاسق اور ظالم ہے۔

۳۔ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ کافروں کو اپنا دوست مت بناؤ، یعنی کافروں سے دوستی اور محبت کرنا ناجائز اور حرام ہے، باقی کسی کافر سے اپنے مفاد کی خاطر معاملہ کرنا وہ اس آیت سے علیحدہ ہے۔

۴۔ ہندوستان کے شیعہ مختلف طبقات کے ہیں بعض ان میں کفر کی حد تک نہیں پہنچتے، مگر اکثر ایسے عقاید کے پابند ہیں جو کفر تک پہنچا دیتے ہیں۔

۵۔ جو عالم اپنی عزت اور آبرو کی خاطر کلمۂ حق نہ کہے یہ بات اس کے لیے اچھی نہیں

ہے تاہم خطرے کے وقت سکوت مباح ہے مگر غلط بات کہہ دینی اور باطل کی فرمائش کرنی یہ مباح نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

(کفایت المفتی (جلد نہم): کتاب السیاسیات)

آزاد ہند فوج کا مقدمہ:

۵ رنومبر ۱۹۴۵ء: ۵ رنومبر ۱۹۴۵ء کو قلعۂ معلیٰ میں باغی فوجیوں کا مقدمہ جنرل کورٹ مارشل کے روبرو پیش ہوا۔ دفاع کے لیے شری بھولا بھائی ڈیسائی، مسٹر آصف علی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو ان کامیاب بیرسٹروں نے ڈیفنس کمیٹی بنا کر بلا معاوضہ پیروی کر کے یہ ثابت کردیا کہ آزادئ وطن کے لیے مسلح مدافعت نہ اخلاقی جرم ہے نہ قانوناً، اس طرح پیشیاں چل کر اس مقدمہ کو فتح یابی کی منزل تک پہنچاتے ہوئے وائسرائے کی سفارش و عدالت کے ترحمانہ فیصلوں پر کثرت سے فوجی رہا کردیے گے، لیکن کچھ افسران کو رہا نہ کیا گیا جس سے عوام اور طلبا نے ملک بھر میں مظاہرے شروع کردیے، عمارتوں کی توڑ پھوڑ ہونے لگی۔ جس کا طعنہ لارڈ ویول نے مولانا آزاد اور کانگریس کو دیا کہ کیا ہندوستانی گتھی ایسی ہی پر امن فضا میں سلجھائی جاسکتی ہے اس پر مولانا آزاد اور کانگریس کو بڑا صدمہ گزرا۔

(مولانا آزاد...... ایک سیاسی ڈائری)

مسٹر جناح اور مسلم حقوق کی حفاظت:

۵ رنومبر ۱۹۴۵ء: محمد تاج الدین عاجز (لدھیانہ) نے مسٹر محمد علی جناح کے بارے میں اور بعض دیگر سوالات پوچھے تھے، حضرت مفتی صاحب نے انہیں یہ جواب دیا:

۱۔ مسٹر محمد علی جناح کے ذاتی خیالات اور عقاید تو مجھے معلوم نہیں، مگر وہ فرقہ شیعہ سے ہیں اور شیعوں کے عقائد مختلف ہیں، بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ وہ گمراہ اور خطا کار ہونے کے باوجود مسلمان کہے جاسکتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ ان کو مسلمان نہیں کہا جاسکتا، مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت یا نبوت کے قائل یا قرآن مجید کو صحیح اور کامل نہ ماننے والے وغیرہم کہ یہ مسلمان نہیں ہیں۔ اگرچہ اسلامی گمراہ فرقوں میں شامل ہیں۔

۲۔ مسٹر محمد علی جناح چوں کہ اسلامی حقوق سے واقف نہیں، نیز بعض اسلامی اصولوں کو وہ غلط اور مہمل قرار دیتے ہیں جیسے اسمبلی میں کئی مسودہ ہائے قانون میں یہ بات ظاہر ہوچکی ہے۔ اس لیے ان کو حقوق اسلامی کا محافظ سمجھنا غلط ہے۔ مسٹر گاندھی یا کوئی دوسرا غیر مسلم بھی مسلمانوں کے مذہبی حقوق کا محافظ قرار نہیں دیا جاسکتا، مسلمان اپنے حقوق کی حفاظت خود کرسکتے ہیں، اور کرنے کے ذمے دار ہیں، کانگریس اگر چہ ایسی جماعت ہے جو اپنے شرکاء کے مذہبی حقوق کی رعایت اور حفاظت کی ذمے دار ہے، تاہم حفاظت کرنا اور حقوق کی نگرانی کرنا یہ مسلمانوں ہی کا کام ہے اور انھیں کا فرض ہے۔

۳۔ مسلمان پہلے مسلمان ہے بعد میں ہندوستانی یا عربی یا ایرانی، یعنی مسلمان پر اپنے مذہب کا خیال دوسرے تمام صحیح اور جائز خیالات سے مقدم رکھنا لازم ہے۔

۴۔ مسٹر محمد علی جناح انگریزی قانون اور انگریزی سیاست کے ماہر ہیں، کیوں کہ ان کو انھیں سے سابقہ پڑا ہے اور ان کا انھوں نے مطالعہ کیا ہے، اسلامی قانون اور اسلامی سیاست ان سے مختلف ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، دہلی۔

(کفایت المفتی (جلد نہم): کتاب السیاسیات)

مسٹر محمد علی جناح، مسلم لیگ، کانگریس وغیرہ کے متعلق اس مضمون کے اور بھی متعدد فتویٰ حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے تحریر فرمائے تھے جو کفایت المفتی (جلد نہم) کتاب السیاسیات، ص ۳۴۲ تا ۳۹۴ پر درج ہیں، جو صاحب تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیں وہ کفایت المفتی سے رجوع کریں۔

جمعیت علما کا جلسہ:

۵/ نومبر ۱۹۴۵ء: ۶/ نومبر ۱۹۴۵ء کو قصبہ ضلع بلیا میں ایک جلسہ جمعیت العلماء کا زیر صدارت محمد رسول خان صاحب ہوا، جلسہ کا آغاز یوسف قریشی رتسرادی کی یک پرجوش قومی نظم سے ہوا بعدہٗ مولانا عبدالماجد صاحب دہلوی ناظم جمعیت علمائے ہند نے نہایت مدلل طریقے پر ثابت کیا، کہ پاکستان شرعی اور سیاسی دونوں نقطۂ نگاہ سے اسلام کے مفاد کے خلاف ہے، اور ہندوستان کی آزادی میں ہی ممالک اسلامیہ کی آزادی کا راز مضمر ہے۔

(صدر جمعیت العلمار تسر) (زمزم۔لاہور: ۲۳، نومبر ۱۹۴۵ء)

لیگی کارکنوں کی افسوس ناک روش!

۷/نومبر ۱۹۴۵ء: مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا سالانہ جلسہ میں مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی ایم ایل اے (یوپی) وغیرہ تقریریں کرنے والے تھے نماز کے بعد مسلم لیگ کے بھیجے ہوئے آدمی مسجد میں گھس آئے اور انھوں نے علما پر آوازے کسے، ابوالکلام مردہ باد حسین احمد مردہ باد وغیرہ کے نعرے لگائے اس کے بعد باقاعدہ حملہ کردیا، اس گڑبڑ میں مقامی جمعیت کے سکریٹری کو پیٹا گیا، اوران کے دانت سے خون بہنے لگا، انہیں گھسیٹ کر مسجد سے باہر نکال دیا گیا۔ بڑے بڑے لیگی حضرات مثلاً آنریبل حسین امام وغیرہ موجود تھے، انھوں نے ان حرکتوں کو نہیں روکا۔ (نامہ نگار) (زمزم۔لاہور: ۷/نومبر ۱۹۴۵ء)

لیگ اور انگریز:

۷/نومبر ۱۹۴۵ء: "لیگ اور انگریز" کے عنوان سے زمزم میں ایک شذرہ شایع ہوا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض حضرات اغراض سے متاثر ہوکر جوش و جذبات سے کس طرح مغلوب ہو جاتے ہیں، افسوس! انہیں یہ خیال بھی نہیں رہتا کہ وہ کسی وجود قدمی صفات پر بہتان باندھتے ہیں اور ایمان کی جانگنی کے کس عالمِ فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ شذرہ یہ ہے:

ہمیں رانچی سے ایک اشتہار جس کا تعلق یوم فلسطین سے ہے اور جسے "مجلس عمل مسلم لیگ" نے شایع کیا ہے موصول ہوا ہے جسے دیکھ کر یقین نہ کرنے کے باوجود یقین کرنا پڑتا ہے کہ لیگ مسلمانوں کو بزدل بنانے میں تاریخ کا ایک اہم پارٹ ادا کر رہی ہے، اور ہر بزدل کو اس نے دعوت دے دی ہے کہ وہ اس میں آکر پناہ لے، اسی اشتہار میں بہادر مسلم لیگ کی بہادر مجلس عمل نے اپنی اسلامیت کا سکہ جمانے کے لیے ایک حدیث نقل کی ہے، جس کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: اخرجوا الیہود من جزیرۃ العرب ۔ نکالو یہودی کو جزیرہ عرب سے۔

حال آں کہ حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں، "اخرجوا الیھود و انصاری من جزیرہ العرب" (یہود اور نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو)

بہادر لیگ نے دیکھا کہ نصاریٰ کے الفاظ سے اس کے فرنگی آقا چمکیں گے، اور اس پر خواہ مخواہ کا عتاب نازل ہوگا اس لیے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے حکم میں تحریف کرے اور لفظ نصاریٰ کو قلم زد کر کے اپنی بزدلی پر خدا کو گواہ ٹھہرائے، غور کرنے کی چیز ہے کہ جس ادارہ میں ہر قسم کے بزدل کھنچ کھنچ جمع ہو گئے ہوں، جو اپنے ساتھ اللہ کے رسول کو بھی بزدل بنانے سے نہ ڈرتے ہوں، اور جس کے نواب اور خان بہادر فرنگی کے نام سے کپکپاتے ہوں ان کے ہاتھ اسلام کی کیا گت بنے گی، اور اسلام کی شاندار روایات کو ان کی دست درازیوں سے کس طرح امن ملے گا، مسلم لیگ کو حق ہے کہ وہ اپنی بزدلی کا جس طرح چاہے ثبوت دے، لیکن اس پیغمبر اعظم ﷺ کو تو بزدلوں میں شامل نہ کرے جس کا ارشاد ہے:

افضل الجھاد و کلمة حق عند سلطان

ظالم بادشاہ کے مقابلے پر حق بات کہنا جہاد کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے۔

قادیانی اور لیگ:

قادیانی حضرات کے متعلق معلوم ہے کہ وہ دنیا کے تمام مسلمانوں کو کافر اور جہنمی قرار دیتے ہیں اور صرف اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں حتیٰ کہ مسٹر جناح کے امیر المومنین ایدہ اللہ بنصر "یعنی قادیان کے گدی نشین مرزا محمود کا اعلان ہے کہ کوئی قادیانی کسی غیر قادیانی مسلمان بچہ کا بھی جنازہ نہیں پڑھ سکتا، اور تعصب کا یہ حال ہے کہ اس قادیانی کے لیے مسلمان کے پیچھے نماز تک پڑھنا حرام ہے۔

دوسری طرف مسلم لیگ ہے جس میں کسی غیر مسلم کو داخل ہونے کی اجازت نہیں، اگر عیسائی یا ہندو لیگ میں شامل ہونا چاہیں، تو لیگ کا سنتری انہیں فوراً روک دے گا اور کہہ دے گا کہ تم غیر مسلم ہو اور دوسری جماعت بھی ہے جو گو مسلم لیگ کے نزدیک کافر نہ ہو لیکن اس کے نزدیک ہر لیگی مسلمان کافر ہے، فرض کرو یہ جماعت جس پر قادیانیت کا لیبل لگا ہوا ہے لیگ میں شامل ہونا چاہتی ہے تو کیا مسٹر جناح اُسے لیگ میں شمولیت کی اجازت دیں گے؟

مسٹر جناح اور قادیانی:

ہمارے خیال میں مسٹر جناح کو کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے قادیانی حضرات سے دریافت کر لینا چاہیے کہ جب تمہارے نزدیک مسلمان کافر ہیں تو تم لیگ میں کیوں شامل ہوتے ہو؟ تمہیں معلوم ہے کہ لیگ میں صرف مسلمان ہی شامل ہو سکتے ہیں کیوں کہ لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے، اب تم ہمیں مسلمان نہیں سمجھتے اور ہماری جماعت میں شامل بھی ہونا چاہتے ہو اس کے کیا معنی؟ یہ تو کھلا تضاد ہے کہ لیگیوں کو مسلمان بھی نہ سمجھو اور ان میں شامل ہونے کے لیے کوشش بھی کرد دہ؟ اگر تم لیگ میں شامل ہونا چاہتے ہو تو تمہارے لیے صرف ایک راہ باقی ہے وہ یہ کہ تم اعلان کرو کہ لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے اور لیگی حضرات اور دوسرے مسلمان مرزا صاحب کو نہ ماننے کی وجہ سے کافر نہیں ہیں اگر یہ اعلان نہیں کر سکتے تو لیگ سے باہر رہو، کیوں کہ لیگ میں صرف مسلمان ہی شامل ہو سکتے ہیں اور تم علمائے کرام کے شرعی فیصلے کے مطابق مسلمان نہیں ہو، نیز تمہارے نزدیک غیر قادیانی مسلمان نہیں ہیں، لہٰذا لیگ میں تمہاری شمولیت بے کار اور فضول ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ مسٹر جناح قادیانیوں سے کچھ نہیں پوچھتے اور انہیں بلا شرط داخلہ کی اجازت دے دیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ اگر قادیانی ''کافر لیگیوں'' کی جماعت میں داخل ہو سکتے ہیں، تو کافر ہندو ''مسلم لیگیوں'' میں شامل کیوں نہیں ہو سکتے؟ تم ہندو کو کافر کہتے ہو، قادیانی تم کو کافر کہتے ہیں اور حیرت ہے کہ کافر تو لیگ میں شامل نہ ہو، لیکن کافر گروں کو لیگ میں شمولیت کی عام اجازت مل جائے!

(شذرات مطبوعہ زمزم۔ لاہور: ۷؍نومبر ۱۹۴۵ء)

مولانا ابوالکلام آزاد کا پیغام:

۸؍نومبر ۱۹۴۵ء: حکیم نثار احمد صدیقی صدر جمعیت علمائے کیرانہ ضلع مظفر نگر کی درخواست پر آنے والے الیکشن کے حوالے سے انہیں مولانا آزاد نے مندرجہ ذیل پیغام بھیجا ہے، جو درج ذیل ہے:

''ضلع مظفر نگر اور مغربی یوپی کے دیگر اضلاع اپنی دو خصوصیتوں کے لحاظ سے تمام

صوبے میں ممتاز ہیں، ایک یہ کہ صوبے کے مسلمانوں کی بڑی تعداد انہی اضلاع میں بنی ہوئی ہے، دوسری یہ کہ ان اضلاع کے مسلمانوں میں قدیم زمانہ سے دینداری اور اتباع شریعت کا جذبہ دوسرے مقاموں سے کہیں زیادہ کارفرما رہا ہے، یہاں کے باشندے علما اور صلحاے ملت کا جس درجہ احترام کرتے ہیں اور علوم دینیہ کے مدارس و معابد کی اعانت و خدمت میں جس درجہ کوشاں رہتے ہیں، اس کی مثالیں ملک کے دوسرے حصوں میں کم ملیں گی۔ آج سے تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک تحریر میں کہا تھا کہ زمانہ گزشتہ میں دیارِ شرقیہ علم اور دین داری کا سرچشمہ تھے، لیکن ہمارے زمانے میں حوادث و انقلابات سے حالات دگرگوں ہو گئے ہیں اور اب اگر کسی کو اس سعادت میں حصہ وافر ملا ہے تو وہ دیار غربیہ ہیں یعنی روہیل کھنڈ اور سہارن پور وغیرہا دیار مغربی و شمالی، اس ڈیڑھ سو برس کے اندر حوادث و انقلابات نے تاریخ کے اور بہت سے ورق الٹ دیے۔

الحمدللہ یہ بات جس طرح اس زمانے میں کہی جا سکتی تھی آج بھی کہی جا سکتی ہے۔
وما اشبیہ اللیلۃ بالبارحہ،

ہنوزاں ابر رحمت درفشان ست
مئے و خمخانہ با مہر و نشان ست

ایسی حالت میں اگر ان اضلاع کے مسلمانوں سے یہ توقع رکھوں کہ وہ ملک کی سیاسی کش مکش میں وقت کی گمراہ کن صداؤں سے متاثر نہ ہوں گے اور اسی مسلک کا ساتھ دیں گے جو جمعیت العلماے ہند کا مسلک ہے تو میں سمجھتا ہوں یہ کوئی بے محل توقع نہ ہوگی:

تاتو بیدار شوی نالہ کشیدم، ورنہ
عشق کاریست کہ بے آہ دفغاں نیز کنند

ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے بحالت موجودہ دو ہی طریقے قابلِ عمل تھے۔ ۱۔ ملک کی آزادی کے لیے کوشاں ہوں اور جہاں تک مسلمانوں کی جماعتی زندگی کے مستقبل کا تعلق ہے خود اپنے اوپر بھروسہ رکھیں، کسی دوسری طاقت کی طرف نظر نہ اٹھائیں، اگر ہندوستان کو برطانوی قبضہ سے نجات ملتی ہے تو اس صورت حال میں مسلمانوں کے لیے کوئی خطرہ نہ ہوگا بلکہ فوز و فلاح کی بشارت ہوگی، کیوں کہ ملک کی کوئی جماعت اور کوئی طاقت

انھیں ان کے جائز مطالبات کے حصول سے محروم نہیں رکھ سکتی۔

۲۔ ہندوؤں کی عددی اکثریت کے خوف سے ترساں ولرزاں ہوکر تحریک آزادی کا ساتھ دینے سے انکار کردیں اوراس طرح برطانی شہنشاہیت کا ہاتھ مضبوط کرتے رہیں۔

جمعیت العلماے ہند اور دوسری حریت پسند جماعتوں نے پہلا طریقہ اختیار کیا ہے اور مسلم لیگ نے دوسرا، جو مسلمان اسلام کے شرف وعزت کا احساس رکھتے ہیں اور خوف و تذبذب کی جگہ عزم ویقین اور خود اعتمادی کی راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں، ان کا فرض ہے کہ جمعیت علماے ہند کا ساتھ دیں اور طلب وسعی کے ہر میدان میں اس کی کوششوں کو کامیاب بنائیں۔

فبشر عباد الذین یستمعون امقول فیتبغون احسنه اولئک الذین هد اهم الله و اولئک هم او لو الالباب۔ فقط

ابوالکلام کان اللہ نہ بندھیا چل

۲رذی الحجہ ۱۳۶۴ھ (زمزم۔لاہور)

کننگھم کی ڈایری کا ایک ورق:

۸رنومبر وبعدہ ۱۹۴۵ء: ۸رنومبر سے ۲۰رنومبر تک انھوں نے طیارے کے ذریعے مشرق وسطی کا سفر کیا اور ہسپتال میں بہت سے پٹھانوں سے پشتوں میں گفتگو کی، ہمدان سے ۸۰ میل جنوب میں طورہ میں آفریدی بٹالین سے ملاقات کی، ۱۳رنومبر کو انھوں نے سوا آٹھ بجے صبح سے شام کے ساڑھے چھ بجے تک کار کے ذریعے ۱۸۰ میل کا سفر کیا اور ایک آفریدی چوکی اور ۱۰/ ۱۷ بلوچ رجمنٹ کی ایک پٹھان کمپنی کا معائنہ کیا، جیسا کہ امید تھی جب وہ طورہ سے روانہ ہوئے تو سپاہیوں نے نصف میل کے راستے کے دونوں طرف سے قطار میں کھڑے ہوکر انہیں رخصت کیا، ۱۶رنومبر کو انھوں نے کرکوک میں گائیڈز کو دیکھا، اس کے بعد وہ بغداد پرواز کر گئے اور ۱۷رنومبر کو ۱۳/ ۵ فرنٹیر فورس کی پریڈ سے اردو میں خطاب کیا، اور ۲۸رنومبر کو واپس پشاور پہنچ گئے انھوں نے لکھا ''دورہ بہت اچھا رہا''۔

دورے کے نتیجے میں ۸ردسمبر کو ایک دل چسپ واقعہ پیش آیا ''نواب آف امب مجھ سے ملنے آئے جن کا رویہ بڑا دوستانہ تھا انھوں نے مجھے بتایا کہ پشاور میں بعض لوگوں نے

ان سے پوچھا ہے کہ کیا درست ہے کہ میں (کننگھم گورنر صوبہ سرحد) عراق حج کے لیے گیا تھا''۔نواب نے جواب دیا''جی ہاں اب یہ قاعدہ بن چکا ہے کہ سرحد کا ہر گورنر اپنی گورنری کے دوران ایک مرتبہ ضروری حج کرے گا''۔(ہند میں انگریز سیاست: ص۹۹)

جمعیت علماے دیوبند کا انتخاب:

۹؍نومبر ۱۹۴۵ء: دیوبند بتاریخ ۹؍نومبر ۱۹۴۵ء بعد نماز جمعہ دفتر میں جمعیت علما دیو بند حسب ذیل اشخاص باتفاق رائے عمل میں آیا۔

صدر، حضرت مولانا راشد حسن صاحب عثمانی دیو بندی۔ نائب صدر، جناب ماسٹر عبدالحق صاحب جنرل مرچنٹ دیو بند۔ نائب صدر، جناب حافظ افتخار حسین صاحب دیو بند! نبیرہ حاجی۔ عابد حسین صاحب مرحوم۔ ناظم، مجاہد ملت مولانا اختر عباس صاحب عثمانی دیو بندی۔ نائب ناظم، اختر محمد قاسم صدیقی۔ نائب ناظم، جناب محمد نعیم صاحب جنرل مرچنٹ دیو بند۔ خازن، جناب حافظ سراج الحق صاحب جنرل مرچنٹ و رئیس دیو بند۔

(محمد قاسم صدیقی نائب ناظم) (زمزم۔لاہور: ۳۰؍نومبر ۱۹۴۵ء)

حضرت مفتی اعظم کے جوابات:

۱۰؍نومبر ۱۹۴۵ء: احسان اللہ ٹھیکیدار (ضلع میرٹھ) نے دریافت کیا تھا کہ:

۱۔ ووٹ کس کو دینا چاہیے، مسلم لیگ کو یا حسین احمد صاحب مدنی کو؟

۲۔ ووٹ اگر مسلم لیگ کو دیا جائے تو ایمان، مذہب اور برادران اسلام کو کوئی نقصان تو نہیں ہے؟

۳۔ آپ کے چند فتویٰ لیگ کے موافق اور چند جمعیت علما کے موافق ہیں، آیا کون سا فتویٰ ٹھیک ہے۔

۴۔ اگر ووٹ حسین احمد صاحب مدنی کو دیا جائے تو کوئی مذہبی یا قومی نقصان تو نہیں ہے؟

۵۔ آپ کون سی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے خیال و مقاصد کیا ہیں؟

حضرت مفتی صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا:

۱۔ مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے فرمان کے موافق ووٹ دیجیے۔
۲۔ مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا۔
۳۔ لیگ کے موافق کون سا فتویٰ ہے؟
۴۔ مسلمانوں کا اس میں ان شاء اللہ فائدہ ہوگا کہ مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے ارشاد کے موافق ووٹ دیا جائے۔
۵۔ میں جمعیت علماے ہند میں شامل اور علما کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

آزاد ہند فوج تاسیس کی تاریخ اور حلف نامے:

۱۱ر نومبر ۱۹۴۵ء: ۲۱ر اکتوبر کو شونان یعنی سنگاپور میں آزاد ہند حکومت بناتے وقت شری سبھاش چندر بوس نے حسب ذیل حلف اٹھایا تھا: ''میں سبھاش چندر بوس پرماتما آزاد ہند اور ۳۸ رکروڑ ہندوستانیوں کے نام پر حلف اٹھاتا ہوں کہ میں اس حلف کو مرتے دم تک اپنے سامنے رکھوں گا، اور میں اپنے ملک کی آزادی کے لیے ہمیشہ کوشش کروں گا، آزادی کے بعد بھی مادر وطن کی خدمت کے لیے ہمیشہ تیار رہوں گا''۔

(دستخط سبھاش چندر بوس)

اسی مہینے کے دوران بعد ۲۳ر اکتوبر کو آزاد ہند گورنمنٹ کی بنیاد رکھی گئی، جس کا عارضی دارالخلافہ سنگاپور میں تھا جو بعد میں انڈیمان چلا گیا تھا، اس آزاد گورنمنٹ نے ۲۳ر اکتوبر ۱۹۴۳ء کو ہی برطانیہ اور امریکہ کے خلاف اعلان جنگ کیا تھا، اس اعلان پر سبھاش بوس کے دستخط ہیں۔ اور اس میں لکھا ہے۔

''خدا کے نام پر پچھلی نسلوں کے نام پر جنھوں نے ہندوستان کے لوگوں کو ایک قوم بنایا اور ان شہیدوں کے نام پر جنھوں نے بہادری اور قربانی کی روایت ہمارے لیے ورثے میں چھوڑی ہے، ہم ہندوستانی لوگوں سے اپیل کرتے ہیں کہ ہمارے جھنڈے کے نیچے جمع ہوں اور ہندوستان کی آزادی کے لیے حملہ کریں ہم ان کو حکم دیتے ہیں کہ وہ انگریزوں اور ہندوستان میں ان کے تمام ساتھیوں کے خلاف آخری جدوجہد شروع کردیں اور بہادری اور ثابت قدمی سے قطعی فتح پر پورے اعتقاد کے ساتھ یہ جدوجہد جاری رکھیں، جب تک

دشمن کو ہندوستان کی سرزمین سے نہ نکال دیا جائے اور پھر ایک بار ہندوستان آزاد قوم نہ ہو جائے''!

آزاد ہند فوج کے سپاہی کا عہد:

سبھاش بوس کی فوج کے سپاہیوں کے لیے ذیل کا حلف نامہ تھا، جو وہ اٹھاتے تھے:

''میں رضا کارانہ طور پر اور اپنی آزاد مرضی سے آزاد ہند فوج میں بھرتی ہوتا ہوں، میں حلفیہ اور صدق دلی سے خود کو ہندوستان کے لیے وقف کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ میری زندگی ہندوستان کی آزادی کے لیے نچھاور ہے، میں اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر بھی اپنی پوری طاقت سے ہندوستان کی تحریک آزادی کے لیے کام کروں گا، اپنے دیش کی سیوا کرنے میں اپنے لیے کوئی ذاتی فائدہ نہیں چاہوں گا، میں تمام ہندوستانیوں کو بلا لحاظ مذہب، زبان یا علاقہ اپنا بہن بھائی سمجھوں گا''۔

آزاد ہند فوج جاپانیوں کی کٹھ پتلی نہیں، بلکہ یہ ہندوستانیوں کی فوج تھی جس کا مقصد ہندوستان کی آزادی کے سوائے اور کچھ نہ تھا، دراصل آزاد ہند فوج ہندوستان کی آزادی کی تحریک کا محض ایک جز تھی، تحریک کو چلانے والی جماعت ''انڈیا انڈی پنڈنس لیگ'' تھی جو ابتدا میں جلاوطن شری راش بہاری بوس کی سرکردگی میں قایم ہوئی تھی مگر شری سبھاش چندر بوس کے ہاتھ میں اس کی رہ نمائی کی باگ ڈور آگئی۔ بوس بابو کی سرکردگی میں آزاد ہند کی عارضی حکومت بھی وجود میں آئی۔ مشرقی ایشیا میں آباد ہندوستانیوں نے ہندوستان کی آزادی کا بیڑا اٹھایا، آزاد ہند لیگ، آزاد ہند فوج اور آزاد ہند حکومت اسی تحریک کی علم بردار تھیں۔ سبھاش بابو اس تحریک کے مسلمہ لیڈر تھے اور ان تینوں جماعتوں کے ہیڈ تھے، تین برس کی مختصر مدت میں ہندوستان کی آزادی کے علمبرداروں نے جو مصیبتیں جھیلیں اور قربانیاں کیں وہ انہی کا حصہ تھی، انہیں گمراہ کہا جا سکتا ہے اس میں شک نہیں کہ ان کی کوششیں ناکام ثابت ہوئیں، مگر آزادی کے تاریخ میں ان کے کارنامے زریں حروف میں لکھے جائیں گے، ذیل کے مضمون میں آزاد ہند فوج کے قیام کا پس منظر اور اس کی تنظیم کے مفصل حالات درج کیے جاتے ہیں۔

جاپان سے لڑائی چھڑنے سے بہت پہلے جاپان، چین اور مشرقِ بعید کے دوسرے

ممالک کے ہندوستانی باشندوں کی قومی انجمنیں قایم کی تھیں جو ان ممالک میں ہندوستان کی آزادی کا پروپیگنڈا کرتی تھیں، جاپان میں راش بوس بہاری کے تحت میں ''آزاد ہند لیگ'' بہت سے کام کر رہی تھی، اور جاپان کے ہندوستانی باشندوں کو اس نے منظم کیا تھا۔ ایک وطن دوست ہندوستانی نے چین میں ''انڈین نیشنل ایسوی ایشن'' اور جاپان میں ''انڈین نیشنل کانگریس'' قایم کی، سیام میں سوامی ستیا نند پوری نے انڈین نیشنل آرگنائزیشن کی ایک شاخ قایم کی، اور یہ تمام انجمنیں ان ممالک میں ہندوستان کی آزادی کا پروپیگنڈا کرتی رہیں، اس لیے جس وقت جاپان سے لڑائی شروع ہوئی، مشرق بعید کے ہر ملک میں ہندوستانیوں کی مضبوط قومی انجمنیں پہلے سے موجود تھیں۔

سنگاپور کا سقوط:

۷ر دسمبر ۱۹۴۱ء کو جاپان نے حملہ کیا، ملایا پر دھاوا ہوا، اور جن ہندوستانی فوجوں نے جاپان کا مقابلہ کیا، وہ تعداد میں بہت کم تھیں، اور ان کو سخت نقصان اٹھانا پڑا وہ بڑی بہادری سے لڑیں، لیکن ان کی ہار یقینی تھی اور بہت سے دستوں کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ جب سنگاپور کا سقوط ہوا تو ہندوستانی فوج کے تقریباً ۷۰۰۰ آدمیوں کو جنگی قیدی بنالیا گیا، یہی وہ جنگی قیدی تھے جو ملایا کی ''انڈین نیشنل کانگریس'' میں شامل ہوگئے، انھوں نے ایک کپتان کی سرکردگی میں خود کو آزاد ہند فوج کی شکل میں منظم کرلیا۔

۱۰ر جون ۱۹۴۲ء کو بنکاک میں ایک کانفرنس بنائی گئی، خیال کیا جاتا ہے کہ اس کانفرنس میں مختلف ہندوستانی نیشنلسٹ انجمنیں ایک دوسرے سے ملادی گئیں، اور ''آزاد ہند لیگ'' قایم کی گئی، اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس کی پالیسی اور پروگرام بھی وہی ہونا چاہیے، جو وطن کی ''انڈین نیشنل کانگریس'' کی پالیسی اور پروگرام ہے، مزید برآں یہ فیصلہ بھی کیا گیا، کہ ہندوستان میں ایک آزاد اور متحدہ جمہوری حکومت غیر فرقہ وارانہ اصول پر قایم کی جائے، اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک ''انڈین نیشنل آرمی'' بنائی جائے۔

بنکاک کانفرنس نے ''آزاد ہند لیگ'' کا ایک آئین بھی بنایا اور لیگ کی مقامی شاخیں ملایا، برما، سیام، جاپان، سماٹرا، انڈیمان وغیرہ میں قایم کرنے کا اور راش بہاری بوس کی صدارت میں نمایندوں کی ایک کمیٹی اور ایک ''کونسل آف ایکشن'' قایم کرنے کا فیصلہ کیا۔

انڈین نیشنل آرمی:

اسی ''کونسل آف ایکشن'' نے ''انڈین نیشنل آرمی'' کو منظم کیا اور اس کے لیے تمام طبقوں سے رنگروٹ بھرتی کیے گئے، ہندوستان کے ہزاروں شہری باشندے اور ہندوستانی جنگی قیدی اس میں شریک ہوئے، یہ فوج اچھی طرح منظم کی گئی اور اس کے لیے اچھا سامان مہیا کیا گیا، یہ بات تسلیم کرلی گئی کہ یہ فوج ایک خالص ہندستانی فوج تھی، اور اس کے تمام افسر بھی ہندوستانی تھے، یہ وہ چیز ہے جو برطانی ہندوستانی فوج میں کبھی نہیں دیکھی گئی تھی۔ اس میں ایک زنانہ دستہ بھی تھا، جس کی عورتیں ہندوستانی شہری آبادیوں سے تعلق رکھتی تھیں، زنانہ دستہ کا نام ''رانی جھانسی رجمنٹ'' تھا، اس کی کمان ایک دلیر مدراسی مہلا لکشمی بائی کے ہاتھوں میں تھی۔

سبھاش بوس کی حکومت:

مسٹر سبھاش چندر بوس جون ۱۹۴۳ء میں ٹوکیو پہنچے ان کے آتے ہی تمام چیزوں کی نوعیت بدل گئی۔ ان کا پہلا کام یہ تھا کہ انھوں کے ''کونسل آف ایکشن'' کو آزاد ہند کی ''عارضی حکومت'' میں تبدیل کردیا، اور سبھاش بابو کے تحت ایک کیبنٹ بنائی گئی، اس گورنمنٹ نے ۲۴؍ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو برطانیہ اور امریکہ کے خلاف اعلان جنگ کیا اور خیال کیا جاتا ہے کہ جب جاپانیوں نے ۱۹۴۴ء کی ابتدا میں ریاست منی پور پر حملہ کیا، تو انھوں نے بھی تین بریگیڈ پیش کیے۔

وعدہ خلافی:

پچھلے دنوں برما کی لڑائی میں ''انڈین نیشنل آرمی'' کے چند دستوں نے برطانوی فوجوں کے خلاف جنگ کی، رنگون سے جاپانی فوجوں کے ہٹنے کے بعد اور انگریزوں کے داخلہ سے پہلے انڈین نیشنل آرمی والوں نے رنگوں کی حفاظت کی، اور رنگون میں آزاد ہند فوج کے افسروں اور سپاہیوں کے بچاؤ کا معقول انتظام نہیں تھا، ان سب باتوں سے ہندوستان سپاہیوں اور ہندوستانی شہریوں میں نیز آبادی کے دوسرے غیر یورپین طبقوں

میں بھی برطانیہ کے خلاف جذبہ زور پکڑ گیا، ہندوستان سپاہیوں اور شہریوں کے دلوں میں یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ انگریزوں کا پلہ ہلکا ہے۔ اگر انہیں ہندوستان سے ہٹنا پڑا تو وطن کی حفاظت کا سوال بھی سامنے آئے گا۔ وطن دوست ہندوستانی سپاہی اور شہری ہندوستان کے بچاؤ کے لوبے جاپانیوں پر بھروسا نہیں کر سکتے تھے۔ وہ جاپانیوں کو ہندوستان کی آزادی کا دشمن سمجھتے تھے، اب رہا یہ سوال کہ اپنے ملک کو بدیشی غلبہ سے آزاد کرانے کے لیے کسی دوسرے ملک سے فوجی نوعیت کی امداد لینا کہاں تک جائز ہے اس سلسلے میں ان کے سامنے امریکہ کی مثال تھی جس نے انگلینڈ سے آزادی حاصل کرنے کے لیے فرانس سے مدد لی تھی۔

جاپان سے کشیدہ تعلقات:

وطن دوست جاپان سے بدظن تھے، مگر صورت کچھ ایسی تھی کہ وہ جاپان سے دشمنی مول نہیں لے سکتے تھے اس کے برخلاف وہ جاپان سے ہمدردی کا رشتہ قایم رکھنے پر مجبور تھے، آزاد ہند تحریک کے بارے میں جاپانی حکومت کا رویہ کچھ صاف نہ تھا، چناچہ ابتدائی مرحلہ پر ہی کونسل آف ایکشن اور ٹوکیو کے تعلقات کشیدہ ہوگئے، جاپانی آزاد ہند فوج کی ترقی اور توسیع کے خلاف تھے۔ دسمبر ۱۹۴۲ء میں یہاں تک نوبت پہنچی کہ "کونسل آف ایکشن" نے، جس کی جگہ بعد میں آزاد ہند فوج بن گئی تھی، اعلان کر دیا کہ جب تک جاپانی حکومت اپنا رویہ واضح نہ کرے آزاد ہند فوج برما نہیں بھیجی جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ جاپانیوں نے کونسل آف ایکشن کے ایک ممبر کو گرفتار کر لیا تھا۔

اعلان جنگ:

۲۱/اکتوبر ۱۹۴۳ء کو آزاد ہند حکومت قایم ہوئی: جس کے ہیڈ سبھاش بابو تھے، ان تمام ملکوں نے جو برطانیہ کے خلاف لڑ رہے تھے حکومت تسلیم کرلی، ۲۳/اکتوبر ۱۹۴۳ء کو آزاد ہند حکومت نے برطانیہ اور امریکہ سے لڑائی کا اعلان کر دیا، ۷/جنوری ۱۹۴۴ء کو آزاد فوج نے سرگرمی شروع کر دی، ۱۸/مارچ ۱۹۴۴ء کو برما سے ملی ہوئی ہندوستانی سرحد پار کر کے ہندوستان میں داخل ہوگئی امپھال کے محاصرہ میں بھی آزاد ہند فوج نے حصہ لیا، آزاد ہند

فوج کے نعرے تھے، ''انقلاب زندہ باد'' آزاد ہند زندہ باد' چلو دہلی'' وغیرہ اپنے مقصد میں ناکامیاب ہونے کے بعد ۱۹۴۵ء کے شروع میں آزاد ہند فوج نے حفاظتی سرگرمی شروع کی ۲۴/اپریل ۱۹۴۵ء کو بوس بابو مع اپنی حکومت کے رنگوں سے بنکاک چلے گئے جاپانی اس سے پہلے ہی جا چکے تھے، مگر برما میں ہندوستانیوں کی جان مال کی حفاظت کے لیے آزاد ہند فوج کے چھ ہزار کے قریب سپاہی اور افسر رہ گئے تھے، کہتے ہیں کہ آزاد ہند حکومت نے برما میں اپنی تمام مالی ذمہ داریاں چکا دیں، اور آزاد ہند فوج والوں نے رنگوں میں جان و مال کی موثر طریق پر حفاظت کی۔ جب انگریزوں نے ۱۹۴۲ء کے شروع میں رنگوں خالی کیا تھا، تو وہاں بدنظمی اور غارت گری کا بازار گرم تھا مگر جاپانیوں کے جانے کے بعد آزاد ہند فوج نے یہ نوبت نہ آنے دی۔

ناکامیابی کے بعد:

۲۸/مئی ۱۹۴۵ء کو'' آزاد ہند لیگ'' ختم ہوگئی۔ آزاد ہند حکومت کی طرف سے برما میں جو بنک کھولا گیا تھا، انگریزی حکومت نے اس پر قبضہ کرلیا، اور آزاد ہند تحریک سے تعلق رکھنے والوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی، آزاد ہند کے آدمیوں کو پہلے یہ کہہ کر بہتا کیا گیا کہ ان پر کوئی آنچ نہ آئے گی، مگر بعد میں انہیں حراست میں لے لیا گیا۔ ہزاروں کی تعداد میں آزاد ہند فوج کے سپاہی اور افسر ہیں۔ یہ معلوم نہیں کہ سیام اور دوسرے علاقوں میں آزاد ہند فوج کے جو سپاہی تھے ان کا کیا حشر ہوا، خود سبھاش بوس کے متعلق خبر ہے کہ وہ ہلاک ہوگئے ہیں۔

(سہ روزہ زمزم۔ لاہور: ۱۱/نومبر ۱۹۴۵ء)

جرم عشق، آزاد ہند فوج کا مقدمہ:

ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلهم ائمة ونجعلهم الوارثین ۔ (قصص: ۵)

اور ہمارا ارادہ ہے کہ جن لوگوں کو زمین میں کم زور کردیا گیا ہے ان پر احسان کریں اور انہیں پیشوا بنائیں اور انہیں زمین کا وارث قرار دیں۔

۱۱/نومبر ۱۹۴۵ء: دہلی کا لال قلعہ اور اس کی لال دیواریں دہلی مرحوم کی عظمت رفتہ کی

یادگار اور بہادر شاہ مرحوم کا اجڑا ہوا مسکن، اس کے در و دیوار شاہد ہیں کہ اس کے مکین بہادر شاہ کا کورٹ مارشل کس شان کے ساتھ ہوا تھا، اور اس کے لال پتھروں نے زیر سایہ ان کے خلاف انگریز کی ''عدالت'' نے کس طرح فیصلہ سنایا تھا؟ اگر تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے تو حیرت نہ کرو کہ ۱۸۵۸ء کی تاریخ ۱۹۴۵ء میں دہرائی گئی اور اسی لال قلعہ میں آزاد ہند فوج پر ملک معظم کی آسمانی حکومت کے خلاف جنگ کرنے کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا اور مقدمہ بھی کسی معمولی عدالت میں نہیں، فوجی عدالت میں، انگریز کے مقرر کردہ ججوں کے حضور میں، انگریزی فوج اور پولیس کی نگرانی میں! اور جرم بھی کتنا بڑا اور سنگین یعنی وطن کو آزاد کرنے کے لیے اجنبی طاقت سے مقابلہ، چالیس کروڑ انسانوں کی بیڑیاں کاٹنے کے لیے چند ہزار سفید انسانوں کو دعوت جنگ، گویا انگلستان نے اپنی آزادی کے لیے کبھی کسی کی گردن نہیں کاٹی! یورپ کے وہ لوگ بھی جنگی مجرم اور قابل دار و رسن جنہوں نے آزاد قوموں کو آزادی سے محروم کرنے کے لیے آزاد پسندوں سے جنگ کی اور آزاد ہند فوج کے ممبر بھی جنگی مجرم جنہوں نے چالیس کروڑ بھوکوں اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے قدیم آقاؤں کے خلاف اپنی غیرت و حمیت کا ثبوت دیا۔

حکومت کی غلطی:

مقدمہ زیر سماعت ہے، اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کا کیا حشر ہوگا، لیکن جہاں تک قانونی مجبوریوں کا تعلق ہے ہمیں طوعاً و کرہاً کہنا چاہیے کہ ہندوستان کے ان قابل فخر فرزندوں کے ساتھ ضرور انصاف ہوگا اور نہ صرف انہیں عزت و احترام کے ساتھ رہا کیا جائے گا بلکہ فوجی عدالت کے جج ان کے نیک جذبات ان کے پرخلوص ارادوں اور ان کی بے مثل شجاعت و بسالت کو خراج تحسین ادا کریں گے، اس نکتہ کو کبھی فراموش نہ کریں گے کہ غلاموں کو آزاد کرانا اور اپنے ملک کی بیڑیاں کاٹنا وہ شریف جذبہ ہے جس کے سامنے احترام کے لیے ایک شریف قلب کو جھک جانا چاہیے، اگر یہ جرم ہے، تو منطق کی کوئی دلیل اور فلسفہ کا کوئی برہان انگریز کو بے جرم قرار نہیں دے سکتا!

کیا اچھا ہوتا کہ آزاد ہند فوج کے کسی سپاہی پر مقدمہ نہ چلتا اور اجنبی حکومت ان اجنبیوں سے درگذر کرتی۔ ہندوستان کی بے پناہ رائے عامہ ان کی رائے کے حق میں ہے ہر

بچے اور بوڑھے نے یہی صدا لگائی کہ ان پر آنچ نہ آنے پائے اور حکومت ان کی بے گناہی کا اقرار کرے۔ ۵ر نومبر کی ہندوستان گیر ہڑتال نے بتادیا کہ زمین و آسمان کیا چاہتے ہیں اور حکومت کو کیا کرنا چاہیے؟ جلسے ہوئے جلوس نکلے قرار دادیں منظور ہوئیں۔ ہندو بھی پیش پیش رہا اور مسلمان بھی، دونوں نے اپنا جگر نکال کر رکھ دیا کہ ان بہادروں کو مجرم نہ بناؤ، مگر افسوس! وہ حکومت جو انتقام کے عنصر سے بنائی گئی ہے اور جس کی تاریخ انصاف اور رواداری سے خالی ہے، اس نے ان ہمہ گیر مظاہروں سے اس طرح آنکھیں بند کرلیں، گویا اسے ہمیشہ یہیں رہنا ہے، اور قدرت اس سے کبھی انتقام نہ لے گی، خدا ان آنکھوں کو بصارت سے محروم کردے جو حقایق کو نہ دیکھ سکیں اور ان کانوں کی سماعت کھودے، جس میں رائے عامہ کی کسی صدا کو باریابی کی اجازت نہ انگریز تو کسی نہ کسی وقت جائے گا، مگر آزاد ہندوستان بھی یاد رکھے گا، کہ اس پر حکومت کرنے والی مخلوق کس قدر شدید القویٰ تھی کہ چالیس کروڑ انسانوں کی التجائیں بھی اس کی سنگ دلی پر اپنا نقش ثبت نہ کرسکیں!

کافر کا کارنامہ:

مسلمانو! سچ بتاؤ، اگر ہم کافر جواہر لال نہرو کو خراج تحسین ادا کریں اور مسٹر جناح کو شرم دلائیں تو تم ہم پر کیا فتویٰ لگاؤ گے؟ یہ اسی کافر کا کام تھا کہ اس نے آزاد ہند فوج کے حق میں رائے عامہ کو بیدار کرنے کے لیے زمین و آسمان ایک کردیا، سب سے پہلے اسی نے بتایا کہ حکومت ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتی ہے، اسی نے بے جگری سے اعلان کیا کہ اگر یہ لوگ جنگی مجرم ہیں، تو دنیا کا ہر آزادی پسند جنگی مجرم ہے، اسی نے یہ صور پھونکا کہ ان کا مجرم ہونا کیسا وہ ہندوستان کے لیے قابل فخر ہیں، اسی کی زبان سے نکلا کہ وہ چند منٹ کے سپاہی نہیں ہیں، پورے ہندوستان کا گوشت و پوست ہیں، یہ کافر در در پھرا، شہر بہ شہر چلایا، ہر جلسے میں گورنمنٹ کو چیلنج دیا اور برٹش حکومت کا تار پود بکھیرا، گویا ہندوستان کے ذرہ ذرہ کو بیدار کردیا، اور حکومت کے منصوبوں پر وہ ضرب لگائی کہ چولیں ہل گئیں، آج یہ اسی کافر کا صدقہ ہے کہ حکومت معدودے چند سپاہیوں پر مقدمہ چلانے کی جرأت کرسکی ہے، اور یہ اسی نہرو کا جگر ہے کہ مسٹر جناح کو بھی بعد از خرابی بسیار سینہ پر پتھر رکھ کر دبے الفاظ میں ڈرتے ڈرتے ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرنا پڑا۔ اگر نہرو ہندوستان میں آگ نہ لگاتا تو

یقین کرو کہ قاید اعظم ایک ایک سپاہی کو سولی پر چڑھوا دیتے، اس قاید اعظم کا تمر داب تک ٹھکانے نہیں آیا اور ایک دفعہ بھی لال قلعہ میں جانے کی زحمت نہیں اٹھائی، جواہر لال، لال قلعہ کا طواف کر رہا ہے اور مقدمہ کی پیروی بذات خود کرنے کے لیے مستعد ہے۔ اس نے جان لڑا رکھی ہے تاکہ آزاد ہندوستان کے آزاد فرزندوں کی جان بچ جائے اور ان کے سر پر عزت و احترام کا وہ تاج رکھے، جو آج تک کسی کے سر پر نہیں رکھا گیا! البتہ مسٹر جناح نے اپنے مریدوں کو یہ کہنے اور بیان دینے کے لیے چھوڑ رکھا ہے کہ آزاد ہند فوج کے مسلمان سپاہی مسلم لیگ کی رہ نمائی چاہتے ہیں، اس سے بڑھ کر مسلم لیگ کا کارنامہ اور کیا ہوگا کہ گونگوں کو بھی لال قلعہ میں تماشہ دیکھنے کا موقع مل گیا۔

جرم یا وفاداری:

لال قلعہ دہلی کا یہ تاریخی مقدمہ یقیناً ثابت کرے گا کہ کسی غلام ملک کو اپنی آزادی کے لیے تلوار اٹھانا اور مسلح مقابلہ کرنا کس حد تک جائز ہے، اگر اتحادیوں کو حق ہے کہ اپنی اور سارے یورپ کو غلامی سے بچانے کے لیے چھ سال تک انسانی خون کا سیلاب بہاتے رہیں تو مشرق کے لیے بھی یہ اصول تسلیم کر لینا چاہیے کہ وہ بھی اپنی آزادی کے لیے مناسب طریقے اختیار کرے، آزاد ہند فوج نے جن نیک مقاصد کے لیے جان کی بازی لگائی، وہ انگریز کی نظر میں خواہ سنگین جرم ہی کیوں نہ ہو، لیکن دنیا کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ہندوستان کے یہ فرزند جاپان کی کٹھ پتلی نہ تھے، اور نہ انہیں باہر کی حکومت سے کوئی تعلق ہو سکتا تھا انہوں نے جو کچھ کیا اپنے بل بوتے پر کیا اور صرف ہندوستان کے لیے کیا، اگر حکومت کا ارادہ یہ ہے کہ انہیں جاپان کا ایجنٹ قرار دے کر بدنام کرے تو پھر ہمیں بھی اجازت ہونی چاہیے کہ اس کی جنگ کو جنگ زرگری قرار دے کر اسے جنگی مجرموں کی فہرست میں شامل کر لیں اور پھر ادب کے ساتھ درخواست کریں کہ دوسروں کو جنگی مجرم قرار دینے والے پہلے اپنی بے گناہی کا ثبوت دیں۔

ہمیں اطمینان ہے کہ آزاد ہند فوج کے معاملے میں سارا ہندوستان بیدار ہے اور تاریخی مقدمہ کی پیروی کے لیے ہندوستان کی تاریخی شخصیتیں میدان میں آ گئی ہیں، پنڈت جواہر لال نہرو، سر تیج بہادر سپرو مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی، مسٹر آصف علی، بخشی سر ٹیک چند، کنور

سر دلیپ سنگھ، مسٹر سین، رائے بہادر بدری داس وغیرہم لوگ جو قانون و سیاست کے ماہر ہیں، ملزموں کی طرف سے ڈیفنس کرنے کا پورا انتظام کر چکے ہیں۔ افسوس، مسٹر جناح کا اسم مبارک دیکھنے میں نہیں آیا، مگر ہمیں تو اس میں بھی اطمینان ہے کہ وہ لال قلعہ سے بہت دور ہیں اور شاید قدرت کو یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ کانگریس اور لیگ کا کسی وقت بھی اتحاد نہیں ہو سکتا!

ثبوت پیش کرو:

انسان کو چاہیے کہ مدعی کے دعویٰ کو پرکھنے کے لیے کوئی خاص معیار مقرر کرے، جو شخص یہ زحمت نہیں اٹھاتا، وہ اس شخص کی مانند ہے، جو پیلی پیلی چیز کو کسوٹی پر نہیں رکھتا اور اس بات سے مطمئن ہو جاتا ہے کہ مدعی اسے سونا بتا رہا ہے مسٹر جناح اپنے دعویٰ کے مطابق مسلمانوں کے واحد نمایندہ ہیں اور دلیل یہ کہ عام مسلمان پاکستان کے حامی ہیں، لیکن سمجھ دار لوگ جانتے ہیں کہ یہ کوئی معیار نہیں ہے کیوں کہ پاکستان کی حمایت محض زبانی ہے جس کے لیے نہ عمل کی ضرورت ہے نہ قربانی کی، زبان کی لپا لپی اور چیز ہے اور عمل سے ثبوت دینا اور چیز، پاکستان لیگ کی واحد نمایندگی کا کوئی معیار نہیں، بلکہ ایک اندھی رو ہے کہ رونے والوں کو دیکھا اور خود بھی رو پڑے، دوسرے اگر ہنستے نظر آئے تو خود بھی ہنس دیے!

آیئے ہم آپ کو ایک معیار بتائیں، کانگریس کے بعض لیڈروں نے صرف ایک مرتبہ ہندوؤں سے درخواست کی کہ وہ ایک ایسے وقت میں جب کہ آزاد ہند فوج کے سپاہی جیلوں میں پڑے ہوں، امسال دیوالی و جشن و چراغاں، نہ منائیں تمام قوم نے خوشی کے ساتھ یہ قربانی منظور کی اور ان لوگوں کی خاطر جن میں اکثریت مسلمانوں کی ہے، اپنے ایک مذہبی حق سے دستبردار ہو گئے، اب ہم مسٹر جناح سے عرض کریں گے کہ ذرا آپ بھی اسی قسم کے معیار پر اپنے دعویٰ کو ثابت کریں، یعنی مسلمان قوم سے جس کی نمایندگی کا آپ کو دعویٰ ہے یہ مطالبہ کریں کہ وہ آزاد ہند فوج کے ساتھ ہمدردی کا ثبوت دیتے ہوئے اس سال عید الضحیٰ کی تقریب پر سینما نہ جائیں اور نئے کپڑے زیب تن نہ کریں، اگر قوم نے اس درخواست کو جو خود مسلمانوں کی اقتصادی اور اخلاقی حالت کے لیے مفید ہے، شرف قبولیت بخشا، تو اس کے بعد مسلم لیگ کی واحد نمایندگی میں شک کرنے والا یقیناً کافر ہو گا، لیکن ہمیں

یقین ہے کہ پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگانے والی بھیڑ کبھی اس قربانی پر آمادہ نہ ہوگی اور مسٹر جناح کو چوڑے میں ذلیل کر کے دم لیگی، اس قوم سے زبانی جمع خرچ کرالو، پگڑیاں اچھلوا لو جناح زندہ باد کے نعرے لگوالو، اس میں یہ زندگی کہاں کہ قائد اعظم کا اشارہ ہوتے ہی سر دھڑ کی بازی لگا دے، کیا لیگی حضرات اس معیار پر جو اپنی جگہ نیکی اور بھلائی کا کام بھی ہے، اپنے دعویٰ کا ثبوت پیش کرنے کی جرأت کریں گے؟ (زمزم۔لاہور:۱۱رنومبر ۱۹۴۵ء)

بنگال کا مستقبل:

بنگال گورنمنٹ کی تحقیقات کے مطابق اس بات کا قوی امکان ہے کہ آئندہ چھ ماہ میں اس صوبے کے اندر بیروزگاری کی تعداد ۴ لاکھ پندرہ ہزار تک پہنچ جائے گی اور حکومت بنگال نے بیروزگاری کو دور کرنے کے لیے جو اسکیم بنائی ہے اس کی رو سے زیادہ سے زیادہ ۹۲ ہزار اشخاص کو روزگار مل سکے گا، بنگال اس وقت جس تباہی سے گزر رہا ہے وہ حکومت ہند کی روسیاہی کا سب سے بڑا گھناؤنا کارنامہ ہے اگر آئندہ بیروزگاری میں مزید اضافہ ہوا تو یہ ایک ایسا ابتلا ہوگا جو سارے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا، بنگال کو ایک قحط سے ابھی تک نجات نہیں ملی ہے کہ دوسرے قحط کا سامان ہونے لگا، حکومت ہند کو چاہیے کہ وہ یا تو بنگال کو ان مصائب سے نجات دلائے اور تذبذب کی حالت کو قطعی ختم کردے یا وہ اپنی نالائقی کا اعتراف کرتے ہوئے اس معاملے کو ہندوستان کی قومی جماعتوں کے لیے چھوڑ دے۔

یہ فرعونیت:

مشرق الہند کے احرار وطن کو برطانی کمانڈر جنرل کرسٹیسن نے پھر دھمکی دی ہے کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں ورنہ ان کے خلاف تمام فضائی، بحری اور فوجی طاقت صرف کردی جائے گی، یہ بھی اعلان ہوا ہے کہ ”شرق الہند کے باشندوں کو شاید علم نہیں کہ برطانیہ اپنے کمانڈر کے قتل کا بدلہ ضرور لے گی اور مجرموں کو بغیر سزا کے نہیں چھوڑے گی“ مگر جنرل کرسٹیسن کو معلوم ہونا چاہیے کہ ساری دنیا اپنی فطرت کو بھول چکی ہے برطانیہ کی انتقامی فطرت کو نہیں بھولی ہے۔ اسے خوب معلوم کہ ایک سفید سپاہی کے بدلے اس نے کس قدر

انسانوں کا خون چوسا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ برطانیہ جو سارے مشرق پر اپنی لعنت مسلط کر چکا ہے، اسے شرق الہند میں ٹانگ اڑانے کی کیوں ضرورت محسوس ہو رہی ہے؟ اگر وہاں کے باشندے آزاد ہونا چاہتے ہیں تو اس کا سینہ کیوں پھٹا جاتا ہے؟ حیرت ہے کہ شرق الہند کی تحریک آزادی کو دبانے کے لیے برطانیہ خواہ مخواہ ٹانگ اڑائے، اور جب اس کا کوئی سفید سپاہی مارا جائے، تو اعلان یہ ہو کہ تم ہمیں نہیں جانتے ہم کون ہیں؟ ہم ایک ایک کا کس بل نکال کر رکھ دیں گے؟ خدا لعنت کرے ان اشخاص پر جو اٹلانٹک چارٹر کا ناجائز بچہ چھوڑ مرے، مگر ظالموں کے نقطۂ نظر کو نہ بدلا۔ ہمیں معلوم ہے کہ غریب شرق الہند کے باشندوں کا کیا حشر ہو گا، لیکن یہ بھی معلوم ہے کہ ولکل امتہ اجل کے مطابق برطانیہ بھی برے وقت کو سر سے نہ ٹال سکیں گا۔ (سہ روزہ زمزم۔ لاہور: ۱۱ر نومبر ۱۹۴۵ء)

جالندھر شہر میں یوم فلسطین!

مسلمانان جالندھر کا یہ جلسہ فلسطین سے یہودیوں کے غیر آئینی داخلہ کے خلاف اپنے غم و غصہ کا اظہار کر کے احتجاج کرتا ہے اور حکومت برطانیہ و امریکہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ فلسطین یہودیوں کے داخلے کے متعلق اپنی پالیسی کو بدل کر مسلمانان عالم کی بڑھتی ہوئی بے چینی کو روکنے کی کوشش کرے۔ ورنہ مسلمانان عالم میں اضطراب کے پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے، جس کی ذمے داری دونوں حکومتوں پر ہو گی۔ (ناظم اعلیٰ مجلس احرار اسلام جالندھر شہر)
(زمزم۔ لاہور: ۱۱ر نومبر ۱۹۴۵ء)

مولانا مدنی۔ اسلام کے جاں نثار اور واجب الاتباع!

۱۳ر نومبر ۱۹۴۵ء: مرتضی حسن صاحب (خواجہ ضلع بلند شہر) کے حضرت شیخ الاسلام کے بارے میں ایک استفسار کے جواب میں حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا:
جمعیت علماء ہند میرے نزدیک صحیح کام کر رہی ہے اس کے موافق عمل کرنا چاہیے، حضرت مولانا حسین صاحب مدظلہ اسلام کے جاں نثار اور مسلمانوں کے لیے واجب الاتباع ہیں، مسلمانوں کو جمعیت العلما کی امداد کرنی چاہیے، اخبارات میں آج کل فتاویٰ بکثرت شایع ہو رہے ہیں، بعض صحیح ہیں مگر انتخاب سے غیر متعلق ہیں۔ اور بعض غلط یا فرضی

ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

(کفایت المفتی (جلد نہم): کتاب السیاسیات)

آزاد ہند فوج کے سپاہی!

۱۵ر نومبر ۱۹۴۵ء: حکومت نے اعلان کیا:

''آزاد ہند فوج میں تقریباً ۴۳ ہزار آدمی تھے، جن میں ۲۳ ہزار شہری تھے اور بیس ہزار انڈین آرمی کے سپاہی تھے، ان بیس ہزار میں سے تین ہزار سپاہی لاپتہ ہیں اور جو تین ہزار دوران جنگ میں پکڑے گئے تھے وہ ابھی تک ہندوستان نہیں آئے ہیں، باقی ماندہ چودہ ہزار سپاہیوں میں سے تقریباً ڈھائی ہزار نے اپنی صفائی دے دی ہے، باقی رہے گیارہ ہزار پانچ سو، ان میں سے چھ ہزار بسلسلہ رحم خسروانہ بیالیس دن کے حقِ رخصت کے ساتھ چھوڑ دیے گئے ہیں، تقریباً ساڑھے پانچ ہزار ایسے بچے ہیں، جن کے متعلق تحقیقات ہو رہی ہے۔ تحقیقات ختم ہونے کے بعد ان پر مقدمہ چلایا جائے گا، اس وقت یہ کہنا ناممکن ہے کہ کن پر مقدمہ چلے گا، لیکن مقدمہ چلنے والوں کی تعداد بہت کم ہوگی، جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، یہ تعداد چار سو سے زیادہ نہ ہوگی''۔

مندرجہ بالا سرکاری اعلان کے بعد ۱۵ر نومبر ۱۹۴۵ء سے دہلی کے لال قلعہ میں کورٹ مارشل کے سامنے آزاد ہند فوج کے تین بڑے آفیسروں کے خلاف مقدمہ پیش کیا گیا۔

۱۔ کپتان شاہنواز خان ۱/۱۴ پنجاب رجمنٹ۔

۲۔ کپتان پی کے سہگل ۱/۱۰ بلوچ رجمنٹ۔

۳۔ لیفٹیننٹ جی ایس ڈھلون ۱/۱۴ پنجاب رجمنٹ۔

(کاروان احرار: ج ۸، ص ۳۴۱)

شیخ الاسلام بنام حضرت رائے پوری!

۱۵ر نومبر ۱۹۴۵ء: دسمبر ۱۹۴۵ء میں قومی اسمبلی کے اور جنوری ۱۹۴۶ء میں صوبائی

اسمبلیوں کے انتخابات ہونے والے تھے، اس موقع پر مسلمانوں کو رہ نمائی کی سخت ضرورت تھی، مسلم لیگ چوں کہ انتخابات جیتنے کے لیے جا و بے جا اسلام کا نام استعمال کر رہی تھی، اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ مسئلہ ہوش و عقل کے بجائے جوش و جذبات کا بن گیا تھا۔ عام مسلمانوں کو کچھ پتا نہ تھا کہ مسلم لیگ کی تاریخ خدماتِ اسلامی کیا ہے اور اس کے رہ نما کون اور کن عقاید و اخلاق اور کیسی سیرت کے لوگ ہیں؟

اس موقع پر حضرت شیخ الاسلام نے مناسب خیال فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری کو جو مسلمانوں کے ایک وسیع دین دار حلقے میں موثر حیثیت رکھتے تھے، مسلم لیگ کی تاریخ کے بعض حقایق سے آگاہ کر دیا جائے تاکہ حضرت کے حلقہ اثر کے لوگ مسلم لیگ کے نعروں اور وقت کے ہنگاموں سے متاثر نہ ہوں، اس سلسلے میں حضرت شیخ الاسلام نے ذیل کا خط حضرت رائے پوری کی خدمت میں لکھا تھا:

جمیل المناقب محترم المقام دامت برکاتکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج سامی باعث تصدیعہ یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی اعتبار سے جو حالت ہے وہ جناب والا کے سامنے ہے نوجوانوں میں لامذہبیت اور بے دینی جس رفتار سے روز بروز پھیلتی جا رہی ہے وہ دین دار حضرات کے دل میں نہایت درجہ تشویش پیدا کرنے والی ہے۔ مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی رہ نمائی پر ایسے لوگوں کا قبضہ ہوتا جا رہا ہے جن کو اسلام اور اسلام کی مصالح اجتماعیہ سے نہ پوری طرح واقفیت ہے اور نہ ان کے دل میں دین اور ملت کی حقیقی بہی خواہی کا کوئی جذبہ ہے۔ ہمارے بزرگوں نے جن خطرات اور اندیشوں کی بنا پر انگریزی تعلیم کی اور نیچریوں کی مخالفت کی تھی وہ ایک ایک کر کے سامنے آ رہے ہیں، نئے تعلیم یافتہ حضرات نہ صرف اسلامی اعمال و اخلاق سے بے بہرہ نظر آتے ہیں بلکہ اسلامی عقاید سے بھی دور نظر آ رہے ہیں ان کا یہ ایک عام عقیدہ ہے کہ اسلام اور شریعت اسلامی موجودہ زمانے کی ضروریات اور مقتضیات کا ساتھ نہیں دے سکتا اس لیے وہ اس زمانے میں قابل عمل نہیں اسی عقیدے کی بنا پر وہ اسمبلیوں اور کونسلوں میں اسلام کے نام پر اسلام کے خلاف قوانین بنواتے ہیں، اس وقت مسلم لیگ پر ایسے ہی لوگوں کا قبضہ ہے۔ ۱۹۱۴ء میں مسٹر جناح نے اسمبلی میں قانونی شادی کے بل پر تقریر کرتے ہوئے انہی خیالات کا اظہار کیا تھا اور آج بھی وہ قرآن کو ایک فرسودہ کتاب کہتے ہیں جیسا کہ

عنایت اللہ صاحب مشرقی نے لاہور اور امرتسر میں ظاہر کیا ہے، یامین خان صاحب نے ۱۹۳۴ء میں اسی قانون پر تقریر کرتے ہوئے اسمبلی میں کہا کہ یہ قانون اسلامی تعلیمات کے خلاف نہیں ہے حال آں کہ قرآن کا صاف صاف حکم موجود ہے کہ مسلمان مرد مشرکہ عورت سے اور مسلمان عورت مشرک مرد سے شادیاں نہ کریں، شریعت بل کو انھی مسٹر جناح نے اسمبلی میں ترمیمات پیش کر کے تباہ کیا، خلع بل کی ایک دفعہ حذف کر کے اس کو شریعت اسلامی کے خلاف پاس کرا کر مسلمانوں میں ایک فتنۂ عظیم کا دروازہ کھول دیا، قاضی بل کی مخالفت کی اور اس جذبے کے ساتھ مخالفت کی کہ اس سے مسلمانوں مین مذہبی علما کا اقتدار قایم ہوگا جس کو مٹانا ان کا اولین نصب العین ہے۔ غرض ایک نہیں بیسیوں قوانین اسمبلیوں میں ایسے سامنے آئے ہیں جن میں مسلم لیگ کے بڑے بڑے لیڈروں نے صراحۃً اسلامی احکام اور اسلامی تعلیمات کی مخالفت کی ہے انھی مفاسد کا سد باب کرنے کے لیے دار العلوم اور دوسرے مدارس عربیہ ہمارے اکابر نے قایم کیے تھے (قدس اللہ اسرارہم) اسی لیے حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ العزیز نے جمعیت علماے ہند کو قایم فرمایا تھا چناں چہ ۱۹۲۰ء سے جمعیت علما حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بتلائے ہوئے راستہ پر گامزن ہے اور اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے جدو جہد کر رہی ہے، چناں چہ پچھلے انتخابات میں جمعیت علما نے اسی شرط پر مسلم لیگ کا ساتھ دیا تھا کہ وہ ہندوستان کی آزادی کے لیے جدو جہد کریں گے جو تمام مفاسد کا تنہا علاج ہے اور تمام مذہبی معاملات میں جمعیت علما کی رائے کا اتباع کریں گے لیکن جمعیت علما کی کوششوں سے انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد انھوں نے ان تمام وعدوں اور شرطوں کو پولیٹیکل وعدے کہتے ہوئے نظر انداز کر دیا جو ہم سے کی گئی تھیں اور نہ صرف جمعیت علماے ہند بلکہ تمام علماے دین کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، متعدد مقامات پر مسٹر جناح اور مسلم لیگ کے دوسرے لیڈروں نے اپنی تقریروں مین اعلان کیا کہ ہم نے عوام کو علما کی غلامی سے آزاد کر دیا ہے ہم نے علما کا اقتدار مٹا دیا ہے اور یہ ہماری کامیابی کی اولین منزل ہے، یہ اعلان طبقہ علما کے خلاف ہی اعلان جنگ نہیں ہے بلکہ اسلام اور شریعت اسلامی کے خلاف اعلان جنگ ہے، غور تو فرمایئے کہ علما کوئی نسلی گروہ نہیں ہے جس کو مٹانے سے اسلام کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا بلکہ عالم تو وہی فرد کہلایا جائے گا جو اسلامی احکام اور شریعت سے باخبر ہے اس کو مٹانے کے معنی تو یہی ہیں کہ اس طبقہ کو مٹا

دیا جائے جو دینی احکام سے واقفیت رکھتا ہے اور قدم قدم پر ان بے مہار یورپ زدوں کو ان کی بے راہ روی پر ٹوکتا رہتا ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ علماے مذہب کو فنا کے گھاٹ اتارنے کے بعد اسلام، شریعت اور مذہب کو کس طرح محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ مجھے سب سے زیادہ حیرت تو اس بات پر ہے کہ ان لوگوں کے اس قسم کے دعاوی کے باوجود دو چار علما بھی آج ان کی تائید کس طرح کر رہے ہیں، بہ ظاہر اس کے سوا کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ ان حضرات علما کے پیش نظر ذوات ہیں اس لیے وہ علما کی مخالفت کے عام دعوؤں کو ذوات ہی تک محدود سمجھتے ہیں یا ان کے سامنے مجبوریاں ہیں اور زیادہ اسی طرح ان یورپ زدوں کا فریب کھا رہے ہیں جس طرح کل ہم کو فریب دیا گیا تھا، حال آں کہ ان لوگوں کا صاف صاف اعلان ہے کہ ہمارے سواے کوئی جماعت آٹھ کروڑ مسلمانوں کی طرف سے بولنے کا حق نہیں رکھتی لیگ ہی وہ تنہا نمایندہ جماعت ہے جو مسلمانوں کی نمایندگی کر سکتی ہے اسی دعوے پر اس نے انتخابات کا مطالبہ کیا ہے اور انتخابات میں کامیابی حاصل کر کے وہ اپنے دعوے کو ثابت کرنا چاہتی ہے، لیگ کے اس دعوے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے سواے مسلمانوں کی کسی جماعت کا وجود تسلیم نہیں کرتی اور انتخابات میں لیگ کو راے دینے کے معنی یہ ہیں کہ ہم بھی ان جماعتوں کے قتل کے محضر پر دستخط کرتے ہیں۔ اسی لیے جمعیت علما نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ موجودہ انتخابات میں پوری قوت کے ساتھ حصہ لے کر اس چیز کو ثابت کرے کہ لیگ کے حلقے کے باہر دین دار مسلمان اپنا ایک مستقل وجود رکھتے ہیں اور ان کی جماعتوں کو بھی مسلمانوں کے مذہبی و سیاسی مسایل کے متعلق اسی طرح بولنے کا حق ہے جس طرح لیگ کو ہے اگر آج بھی وہ مصالح دینیہ و اسلامیہ موجود ہیں جن کے لیے حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ نے جمعیت علما کی بنیاد رکھی تھی اور اگر آج اس کی ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے دین دار طبقے کی موجودگی کو ثابت کیا جائے تو ہم سب کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ان انتخابات میں جمعیت علما کی ہر ممکن امداد کریں اور لیگ کے اس دعوے ''انا ولا غیری'' کو غلط ثابت کر دیں۔ میرے ناقص خیال میں تو یہ مسئلہ موجودہ حالات میں دوسرے تمام مسایل سے زیادہ اہم ہے اور میں اس کے لیے پوری بصیرت رکھتا ہوں۔

مصلحت دید من آن است کہ یاراں ہمہ کار

بگزارند و خم طرۂ یارے گیرند

یہ نہیں معلوم کہ جناب والا میری رائے سے کہاں تک اتفاق فرماتے ہیں تاہم یہ یقین ہے کہ اگر جناب والا اس کو موجودہ مسایل میں وقتی طور پر سب سے زیادہ اہم نہیں تو کم از کم اہم مسایل میں سے ضرور خیال فرماتے ہوں گے، اس لیے مودبانہ میری استدعا ہے کہ جناب والا جہاں تک ممکن ہو اس مہم میں جمعیت علما کی امداد فرمائیں جو دین دار طبقہ کی طرف سے لیگ کے خلاف جنگ کرنے کا بیڑا اٹھا چکی ہے۔ پنجاب کی بعض اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ جناب والا کے بعض متوسلین پنجاب میں اور خصوصاً جالندھر کے اطراف میں لیگ کی پرزور حمایت کر رہے ہیں اگر جناب اپنے متوسلین سے ایک عوامی اپیل فرما دیں کہ وہ ہر جگہ جمعیت علما اور آزادی پسند جماعتوں احرار وغیرہ کی انتخابات میں امداد کریں اور مسلم لیگ کا کسی طرح ساتھ نہ دیں تو یہ جمعیت علما اور احرار وغیرہ کی بہت بڑی امداد ہوگی جہاں پر جمعیت علما کا نظام قایم نہیں ہے وہاں بھی لیگ کی مخالفت ضروری ہے لیگ کے مقابلہ میں دوسری جماعتوں کا ساتھ دینے سے بھی بالواسطہ جمعیت علما ہی کی تائید ہوتی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ لیگ کے سوا مسلمانوں کی دوسری جماعتوں کا بھی وجود ہے۔ جناب والا کے ملاحظہ کے لیے میں اپنا ایک عریضہ جو رائے دہندگان کے نام لکھا گیا ہے ارسال خدمت اقدس کر رہا ہوں۔ اس میں بالاجمال لیگ کے زعما و قایدین کی بعض کارگزاریوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں بہت کچھ مواد فراہم کیا ہے جو ان شاء اللہ طبع ہونے پر وقتاً فوقتاً ارسال خدمت اقدس کروں گا۔ واللہ الموفق وھو یھدی السبیل

ننگ اسلام حسین احمد غفرلہٗ

۹؍ذی الحجہ ۱۹۶۴ء

پاکستان کا مطالبہ اور نعروں کا فریب:

۱۴؍نومبر ۱۹۴۵ء: سکھر، مسٹر علی محمد راشدی نے گذشتہ دن یہاں ایک پبلک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مسلم لیگ ہائی کمانڈ نے میرے خلاف جو انضباطی کارروائی کی ہے، اس سے میرے ارادوں میں کوئی فرق نہیں آ سکتا، اور میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ میں آخر تک انتخاب لڑوں گا، آپ نے بتایا کہ اب میں یقینی طور پر مسلم لیگ ہائی کمانڈ کا مقابلہ کروں گا۔ پاکستان کے مطالبہ کے ساتھ میرا تعلق محض تاریخی معاملہ یا ایک واقعہ تھا، اور اب اسے

میری جدوجہد سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا میں ہر محاذ پر مسلم لیگ کا ڈٹ کر مقابلہ کروں گا۔

مسٹر راشدی نے آخر میں بتایا کہ ہم سندھی مسٹر جناح کے بے ہودہ مطالبہ پاکستان کے سامنے کیوں گھٹنے ٹیک دیں، مسٹر جناح ہمیں کیا دیتے ہیں وہ ہمیں نعروں سے گمراہ کر رہے ہیں۔

(مدینہ، بجنور:......نومبر ۱۹۴۵ء)

حضرت شیخ الاسلام کا دورہ!

۱۵؍نومبر ۱۹۴۵ء: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہٗ صدر آل انڈیا مسلم پارلیمنٹری بورڈ مرکزی اسمبلی کے الیکشن کے سلسلے میں حسب ذیل پروگرام کے مطابق دورہ فرمائیں گے:۷، ۸، ضلع مرادآباد، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ضلع میرٹھ، ۱۳، ۱۴، ضلع مظفر نگر، ۱۵؍نومبر دیوبند ۱۶؍نومبر سے دوسرا پروگرام بعد میں شایع کیا جائے گا۔

(عبدالوحید سکرٹری)

(زمزم۔لاہور: ۱۵؍نومبر ۱۹۴۵ء)

جمعیت کا جلسۂ بریلی اور لیگیوں کی ہنگامہ آرائی:

۱۶؍نومبر ۱۹۴۵ء: لکھنؤ، معتبر ذرایع سے ابھی اطلاع ملی ہے کہ کل شام کو مسلمانان بریلی کے ایک جلسۂ عام میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی مدظلہ العالی (جانشینِ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) تقریر کرنے والے تھے لیکن جلسہ شروع ہونے کے بعد چاروں طرف سے جلسہ گاہ میں مسلم لیگیوں نے ڈھیلا بازی شروع کردی جس سے نصف درجن مسلمانوں کے چوٹیں آئیں، یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ خود حضرت شیخ مدظلہٗ العالی کے ڈھیلے پڑے، مسلم لیگیوں کی اس بدتمیزی کے خلاف جلسہ میں ہیجان پیدا ہوگیا، اس خلفشار میں چوں کہ کئی مسلمانوں کے چوٹیں آئیں اس لیے جلسہ برخاست کردیا گیا اس واقعہ کی مزید تفصیل موصول ہونے پر شایع ہوں گی۔ مولانا انور صابری بھی بریلی میں تقریر کرنے گئے تھے لیکن موصوف نے حقیقت کے خاص رپورٹر سے بیان کیا کہ جب وہ جلسہ گاہ میں پہنچے تو ڈھیلے برابر آرہے تھے اور اس خیال سے کہ بہت سے غریب مسلمانوں کے سر پھوٹیں گے

جلسہ مجبوراً برخاست کر دینا پڑا۔

بعد کی اطلاع سے معلوم ہوا کہ ۱۷ مسلمان اور کچھ کانسٹبل اس ہنگامہ میں زخمی ہوئے۔ (مدینہ: ۲۵ر نومبر ۱۹۴۵ء، بہ حوالہ حقیقت۔ لکھنؤ)

حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا پیغام، اخبار ترجمان کے نام:

۲۹ر نومبر ۱۹۴۵ء: دیو بند شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی صدر آل انڈیا مسلم پارلیمنٹری بورڈ جمعیت علمائے ہند نے مسٹر ایم اے عثمانی رکن ادارۂ ترجمان بھوپال کو حسب ذیل پیغام عنایت فرمایا ہے:

شہر بھوپال سے قریبی زمانے سے اخبار ترجمان جاری ہوا ہے جس کا مقصد اصلی اردو زبان کی سنٹرل انڈیا میں اشاعت اور مکمل خدمت کے ساتھ اہل ملک کی صحیح رہ نمائی ہے، مجھ کو اس کے ایڈیٹر صاحب (عثمانی صاحب) سے شرف ملاقات بھی حاصل ہے۔ ان کی اعلیٰ قابلیت اور کارکنوں کے بلند مقاصد سے قوی امید ہے کہ وہ نہ صرف سنٹرل انڈیا کے لیے بلکہ تمام ہندوستان کے لیے بھی بہترین اخبار اور عمدہ رہ نما ثابت ہوگا میں اہل ملک سے پر زور استدعا کرتا ہوں کہ وہ اس اخبار کی امداد و اعانت میں بیش از بیش حصہ لیں۔

آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اور اس کے کارکنوں کو کامیابی عطا فرمائے، اور اہل ملک کے لیے بہترین فائدہ مند بنائے۔ آمین

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

(زمزم۔ لاہور: ۱۵ر دسمبر ۱۹۴۵ء)

کیپٹن عبدالرشید:

۱۹ر نومبر ۱۹۴۵ء: نئی دہلی گذشتہ روز مسلم لیگ کی آزاد ہند فوج کمیٹی کے رکن قاضی عیسی نے لال قلعہ دہلی میں کیپٹن عبدالرشید سے ملاقات کی، آپ کے خلاف عنقریب لال قلعہ میں مقدمہ چلایا جانے والا ہے۔ (زمزم۔ لاہور: ۲۳ر نومبر ۱۹۴۵)

نظام حیدر آباد سے جناح صاحب کا وظیفہ:

۱۹؍نومبر ۱۹۴۵ء کو اخبار انصاری (دہلی) اور ۲۰؍نومبر کو تیج، دہلی نے یہ خبر دی کہ مسٹر جناح کو نظام حیدر آباد کی معرفت برٹش (حکومت) کی طرف سے ۶؍لاکھ روپے سالانہ ملتا ہے، اس امر کا انکشاف اس وقت ہوا جب انکم ٹیکس کے افسران نے جناح کے حساب میں ۲۰؍لاکھ روپے کا اضافہ غیر معلوم طور پر موجود پایا۔

(مولانا آزاد، ایک سیاسی ڈائری: ص ۳۷۴)

جی ایم سید سے لیگ ہائی کمان کی جواب طلبی:

نئی دہلی ۱۹؍نومبر، نواب محمد اسماعیل خاں چیرمین مجلس عمل آل انڈیا مسلم لیگ نے مسٹر جی ایم سید صدر سندھ مسلم لیگ کو ایک تار بھیجا ہے جس میں ان سے استفسار کیا گیا ہے کہ چوں کہ مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے سلسلے میں مسلم لیگ کے سرکاری امیدواروں کے خلاف وہ سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں اس لیے وہ وجہ بیان کریں کہ ان کے خلاف انضباطی کارروائی کیوں نہ کی جائے۔ (مدینہ، بجنور:..... نومبر ۱۹۴۵ء)

جمعیت کے جلسۂ بریلی میں لیگی غنڈہ گردی کی مزید تفصیل اور اس پر احتجاج:

۲۰؍نومبر ۱۹۴۵ء: مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے الیکشن کے پروگرام کے سلسلے میں صدر جمعیت علماے ہند حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی بریلی تشریف لے گئے اور ایک جلسے سے خطاب فرما، اس موقع پر مسلم لیگی غنڈوں نے جلسہ گاہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا، شور مچایا، نعرے بازی، ہی کنسٹر دی اور سائن بورڈوں کو بجا کر مقرر کو تقریر کرنے اور سامعین تک آواز جانے سے روکنے کی کوششیں کی، پتھراؤ کیا، گیس کے ہنڈوں کو توڑ دیا اور جلسے کو درہم برہم کردیا، مولانا محمد منظور نعمانی صاحب نے الفرقان کے اپنے ایک مضمون میں اس غنڈہ گردی کی تفصیل اوراس پر اپنے رنج وغم کا اظہار کیا ہے، ملاحظہ اندراج ۱۹؍نومبر ۱۹۴۵ء، بہ حوالہ

مدینہ بجنور مورخہ ۲۵ر نومبر

کانگریس میں شرکت جائز اور بہتر ہے، مفتی اعظم ہند:

۲۱ر نومبر ۱۹۴۵ء: حکیم محمد نصیر الدین صاحب (محمد آباد، ضلع اعظم گڑھ) نے لکھا تھا:

''اخبار زمزم، مورخہ ۱۹ر اکتوبر ۱۹۴۵ء میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ میں کانگریس کا ممبر ہوں، فیس ممبری دیتا ہوں، جلسوں میں شریک ہوتا ہوں اور میری خواہش اور تمنا ہے کہ تمام مسلمان کانگریس میں داخل ہو جائیں، تو جناب سے دریافت ہے کہ جناب بھی مثل حضرت مولانا حسین احمد صاحب کے ممبر کانگریس ہیں؟ اور جمعیت علما کے سب یا اکثر لوگ کانگریس کے ممبر ہیں یا نہیں؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ ہم لوگ بھی بادائیگی فیس ممبر بن جائیں یا نہیں؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ کانگریس میں شریک ہو کر کثرت رائے کی حمایت کرنا یا کثرت رائے کی تعمیل مسلمان کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

حضرت مفتی صاحب نے یہ جواب تحریر فرمایا:

میں کانگریس کا ممبر نہیں ہوں مگر مسلمانوں کے لیے کانگریس کی شرکت اور ممبری جائز سمجھتا ہوں، بہت سے جمعیت العلما کے لوگ اس کے ممبر ہیں، مولانا سید حسین احمد صاحب بھی کانگریس کے ممبر ہیں، جو مسلمان کانگریس میں شریک ہو کر ممبر بن جائیں ان کے لیے یہ جائز اور بہتر ہے، کانگریس ہندوستانیوں کی ایک مشترکہ قومی جماعت ہے اس میں سب ہندوستانیوں کو شریک ہونا جائز ہے اور کام کرنا مفید ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(کفایت المفتی (جلد نہم): کتاب السیاسیات)

کلکتہ میں آزاد ہند فوج کے حق میں مظاہرہ کرنے والے طلبہ اور پولیس میں تصادم:

۲۲ر نومبر ۱۹۴۵ء: کلکتہ، کل انڈین نیشنل آرمی ڈے کے سلسلے میں طلبہ نے ایک بھاری جلوس نکالا، جلوس ولنگٹن اسکوئر سے ڈلہوزی اسکوئر کی طرف جارہا تھا کہ دھرم تولہ

اسٹریٹ میں پولیس نے اسے روک لیا، پولیس چاہتی تھی کہ مظاہرین منتشر ہو جائیں لیکن انھوں نے انکار کردیا اور بازاروں میں بیٹھ گئے جس سے تمام ٹریفک رک گیا، یہ ڈیڈلاک ۴ گھنٹے جاری رہا اور پولیس کی گاڑیوں نے اسے بھی روک لیا، شام کو ۷ بجے ڈنڈا چارج کے بعد پولیس نے گولی چلادی، جب ہجوم گھوڑ سوار پولیس کے حملے کے باوجود منتشر نہ ہوا تو پولیس نے ان پر ڈنڈوں سے حملہ کردیا، اس پر ہجوم نے پولیس پر اینٹیں، سوڈا واٹر کی بوتلیں اور لوہے کہ ڈنڈے وغیرہ پھینکنے شروع کر دیے۔ پولیس کی ایک لاری کو بھی آگ لگادی گئی اس پر پولیس نے پھر گولی چلادی، صبح سے شہر میں جوش وخروش پھیلا ہوا ہے، ٹرام اور بس سروس بند ہے، ٹریڈ یونین کانگریس نے مزدوروں سے اپیل کی ہے کہ وہ کام بند کر کے مظاہرہ کریں، گزشتہ رات ۷ بجے جو گولی چلائی گئی وہ کئی منٹ جاری رہی، گولی چلنے پر ہجوم منتشر ہوگیا لیکن تھوڑی دیر کے بعد لوگ پھر جمع ہو گئے۔ آج پولیس نے دھرم تولہ اسٹریٹ میں جہاں کل گولی چلی تھی دو دفعہ پھر گولی چلائی۔

کلکتہ ۲۳ر نومبر، مشہور کانگریسی اور سوشل ورکرمس جوز لوئی گنگولی لوئر میں اس طالب علم کی ارتھی کے جلوس میں شامل ہونے کے لیے شمشان گھاٹ کی طرف جارہی تھی جو کل گولی سے ہلاک ہوگیا تھا کہ اس کی موٹر کا ایک فوجی لاری سے تصادم ہوا اور وہ ہلاک ہوگئی۔

رات کے آٹھ بجے پھر فائرنگ ہوا جب کہ ہجوم نے تین فوجی لاریوں کو آگ لگادی اور پولیس نے فائر کر کے ہجوم کو منتشر کردیا، آٹھ زخمی ہسپتال پہنچے، جنوبی کلکتہ میں راش بہاری بوس کے قریب ایک پرائیویٹ کار جارہی تھی جسے مالک خود چلارہا تھا وہ موٹر ایک فوجی لاری سے کچلی گئی اور اس کے تمام آدمی جن کی تعداد ۵ کے قریب بتائی جاتی ہے مارے گئے، ایک فوجی لاری نے میڈیکل کالج کے قریب تین پیادہ آدمیوں کو کچل دیا، شام کو قریباً ۶ فوجی لاریوں کو آگ لگادی گئی۔

رامیشور بینرجی کی ارتھی کا کوئی دو میل لمبا جلوس نکلا، جلوس کی رہ نمائی ڈاکٹر شیام پرشاد مکرجی نے کی، اس میں ڈاکٹر بدھان چندر رائے، مسٹر موزمدار اور دیگر معززین شامل تھے، اسلامیہ کالج کے طلبہ نے بھی ہڑتال کا اعلان کردیا، صورت حالات نسبتاً پرسکون ہوگئی جب پولیس موقع سے ہٹ گئی اور جلوس کو آگے بڑھنے دیا گیا، لیکن کلکتہ کے بعض حصوں میں ابھی تک تشدد کا دور دورہ ہے، اس وقت تک فائر بریگیڈ نے ۲۵ جلتی لاریوں کی آگ بجھانے

کی کوشش کی ہے، بعض ٹرام کاروں پر بھی آج پتھر پھینکے گئے۔

کلکتہ میں خونی نظارہ:

یونائیٹڈ پریس کا بیان ہے کہ کلکتہ خون میں نہا رہا ہے معلوم ہوا ہے کہ جھگڑا اس بات پر شروع ہوا کہ ایک فوجی لاری نے جس کا ڈرائیور حبشی تھا ایک شخص کو کچل دیا جس سے ہجوم کو اشتعال آیا، یونائیٹڈ پریس کی اطلاع ہے کہ اس وقت تک ۱۲ اشخاص ہلاک اور ۹۲۵ زخمی ہو چکے ہیں۔ (زمزم۔لاہور: ۲۷ر نومبر ۱۹۴۵ء)

جمعیت علماے ہند اور لیگی جمعیت:

۲۳ر نومبر ۱۹۴۵ء: زمزم لاہور نے روزنامہ عصر جدید، کلکتہ مورخہ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کے حوالے سے مولانا شبیر احمد عثمانی کا ایک بیان نقل کیا ہے، اس میں مولانا عثمانی فرماتے ہیں:

> ''ہم سب کو معلوم ہے کہ قدیم جمعیت علماے ہند بھی اپنے شائع کردہ مقاصد کے لحاظ سے بری نہ تھی، وہ اپنی خدمات اور قربانیوں کے لحاظ سے اچھی خاصی تاریخ رکھتی ہے، جو کچھ اعتراض کیے جاتے ہیں وہ اس کے آخر کے چند سالہ طرز عمل پر ہیں، اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ جدید ''جمعیت علماے اسلام'' عمل لحاظ سے تجربے کی کسوٹی پر کتنی عمدہ ثابت ہوتی ہے'' (زمزم۔لاہور: ۲۳ر نومبر ۱۹۴۵ء)

لیکن عجیب بات ہے کہ مولانا اسی سال اپریل ۱۹۴۵ء تک تو جمعیت علماے ہند کی مجلس عاملہ کے رکن رہے تھے، اگر چہ اس سال انھوں نے عاملہ کی رکنیت کی تجدید نہیں کی لیکن جمعیت علماسے کبھی اختلاف کا اظہار بھی نہیں کیا اور نہ جمعیت کی عام ممبر شپ سے انھوں نے اب تک استعفیٰ دیا ہے، پھر اگر آخیر کے چند سالوں میں ان طرز عمل پر اعتراض کیے جاتے ہیں تو یہ اعتراضات کس کے ہیں؟ اگر خود ان کے ہیں تو اخیر کے چند سالوں میں انھوں نے یہ اعتراضات کب اور کس موقع پر کیے تھے؟ اور اگر دوسروں کے تھے تو انھوں نے ان کے جواب کیوں نہیں دیے اور اگر درست تھے تو انھوں نے ان کی اصلاح میں کیا

سعی فرمائی؟

مسلم لیگی جمعیت علما:

ابھی دس برس پہلے ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ نے الیکشن میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے جمعیت علماے ہند کی تائید و تصدیق کی درخواست کی تھی اور اس کے لیے مسٹر محمد علی جناح نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی جماعت سے ہر قسم کے عہد و پیمان کیے تھے، اب پھر وہی مرحلہ درپیش تھا، اس مرتبہ بازی بالکل آخری اور فیصلہ کن تھی، مگر جمعیت علماے ہند اب کسی دام میں آنے کے لیے تیار نہ تھی، مسلم لیگ کی رجعت پسند پالیسی بھی اظہر من الشمس ہو چکی تھی، ایسے نازک مرحلے پر مسٹر جناح اور ان کے ساتھیوں نے بڑا کامیاب سیاسی کھیل کھیلا اور ایک مسلم لیگی جمعیت علما بنا کر کھڑی کر دی، عام مسلمان ان حقایق سے بالکل ناواقف تھے، وہ علماے دین کے مقابلے میں مسٹر جناح، چودھری خلیق الزماں اور راجہ صاحب محمود آباد وغیرہ کے ساتھ آنے پر کسی طرح تیار نہ تھے، اس لیے مسلم لیگ کے لیے یہ ضروری تھا کہ جس طرح بھی ہو کچھ علما کو اپنے راستے پر لگایا جائے، چناں چہ ایک کامیاب اسکیم کے ذریعے یہ کام انجام دیا گیا۔ مسلم لیگ کی پالیسی چلانے والوں میں مولانا ظفر احمد انصاری نے اس مرحلے کا بیان اس طرح کیا ہے:

> ”لیگ کے مقابلے میں زیادہ موثر مخالفت کانگریس کے زیر اثر علما کے ایک گروہ کی طرف سے ہو رہی تھی اور کانگریس کی اس مخالفت کا توڑ اگر کوئی کرسکتا تھا تو وہ خود علما ہی تھی اس لیے جو لوگ لیگ سے وابستہ تھے ان کی قدرتاً یہ خواہش تھی کہ علما زیادہ سے زیادہ لیگ میں شامل ہوں اور جمعیت علماے ہند کے پروپیگنڈے کا کافی وشافی جواب دیں چوں کہ عوام کا ایک بڑا طبقہ علما کے زیر اثر تھا اور ان کی بات کو بڑا وزن دیتا تھا اس لیے یہ ضرورت بہت بڑھ گئی کہ کانگریسی علما کے طلسم کو توڑا جائے اور ان کے زہر کا تریاق مہیا کیا جائے“۔
>
> (چراغ راہ کراچی، نظریۂ پاکستان نمبر: دسمبر ۱۹۶۰ء، ص ۴۳۴)

یہ بالکل علاحدہ بحث ہے کہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد،

مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ، امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب (سیوہاروی)، سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب رحمہم اللہ وغیرہ صدہا علمائے دین ومقتدایانِ شرعِ متین جنھوں نے قرآن وسنت کی خدمت میں اپنی زندگیوں کا ایک ایک لمحہ قربان کردیا تھا اور اصلاح امت کے لیے اپنی ہڈیاں تک پگھلادی تھیں، یہ کانگریسی علما تھے یا صحیح معنوں میں علمائے حق تھے اور اس جماعت کی فراست وعقل اور لائحہ عمل زہر تھا یا تریاق تھا، یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے، اس کا فیصلہ وقت خود کررہا ہے یا آیندہ کردے گا، ہمیں تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ اس موقع پر اگر مسلم لیگ کو اپنی اسکیم کے لیے کچھ علمائے کرام نہ مل جاتے تو الیکشن میں کامیابی بہت مشکل تھی، سوءِ اتفاق سے اس کو جماعت علما ہی سے بعض حضرات مل گئے جو مختلف اسباب کی بنیاد پر حضرت سے اختلاف رکھتے تھے، اس فرصت کو ان لوگوں نے غنیمت سمجھا اور مسلم لیگ کے ساتھ ہوگئے، ان کی بڑی تعداد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا اور مریدین پر مشتمل تھی، ہندوستان کی ملکی سیاست میں مولانا تھانوی کا موقف آزادی پسند جماعتوں اور افراد سے مختلف تھا، تحریکِ خلافت جس نے وقتی طور پر ہی سہی تمام ہندوستانیوں کو متحدہ کردیا تھا، مولانا کے نزدیک نہ صرف فتنہ وفساد بلکہ شرعی طور پر حرام تھی، جمعیت علمائے ہند سے بھی مولانا کا یہی اختلاف تھا۔ (مکتوبات شیخ الاسلام، ج ۲، ص ۳۴۷)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر مولانا موصوف اور حضرت مفتی کفایت اللہ صدر جمعیت علما رحمہما اللہ کے کچھ تاریخی سوال وجواب بھی قارئین کی نظر میں رہیں:

سوال: جمعیت علما کے نزدیک مذہبی حیثیت سے کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کیوں ضروری ہے؟ اور کانگریس سے علاحدگی میں کیا ضرر ہے؟

جواب: نہ صرف جمعیت علمائے ہند بلکہ ہندوستان کی تمام معتد بہ جماعتوں کا نصب العین یہ ہے کہ انگریزی حکومت سے ہندوستان کو آزاد اور خود مختار بنایا جائے، اور اس کے لیے یہ مسئلہ بھی متفقہ علیہ ہے کہ جب تک ہندوستان کی تمام قومیں متحدہ ہوکر انگریزی حکومت سے آزادی کا مطالبہ نہ کریں گی، بظاہر اسباب کامیابی حاصل نہ ہوگی، اس لیے آزادی کی خاطر جمعیت علما کانگریس کی شرکت کو ضروری سمجھتی ہے، اور چوں کہ انگریزی حکومت سے مسلمانوں کی مرکزیت اور اسلامی حکومت کو ضرر پہنچ رہا ہے اور پہنچنے کا اندیشہ

ہے اس لیے مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ انگریزی اقتدار کو جہاں تک ہو سکے کم زور کرنے کی سعی کریں۔

سوال: کانگریس میں مسلمانوں کا داخلہ جس صورت سے انفرادی اور غیر منظم اور غیر مشروط طریقے پر اس وقت ہو رہا ہے اور مسلم نشستوں کے لیے کانگریس براہ راست امیدوار کھڑے کرتی ہے اس سے اسلام اور مسلمانوں کو خطرہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس سے بچنے کی کیا صورت ہے؟

جواب: کانگریس ایک مشترک جماعت ہے، مسلمان اپنے مذہب پر پختہ رہتے ہوئے بھی کانگریس میں شریک ہو سکتے ہیں، اسلام سے بے تعلقی غیر کانگریسی مسلمانوں میں جو مغربی تعلیم اور یورپین تہذیب کے دلدادہ ہیں بہت زیادہ ہیں، کانگریسی مسلمان اسلام سے اس قدر بے تعلق نہیں ہیں جس قدر یورپین کے دلدادہ غیر کانگریس مسلمان ہیں۔

سوال: مسلم لیگ سے جمعیت علما کو کیوں اختلاف ہے، جب کہ وہ مسلمانوں کو منظم کر رہی ہے اور اس کا مقصد بھی آزادی کامل کی تحصیل ہے، جیسا کہ اس سال لکھنؤ میں اس نے اعلان کیا ہے۔

جواب: اس لیے کہ مسلم لیگ کی اکثریت انگریزی حکومت کو خدا کی رحمت کا سایہ سمجھتی ہے، اور انگریزوں کے دامن میں پناہ لینا چاہتی ہے اور انگریزی شہنشاہیت کی حمایت کرتی ہے اور انگریزی اقتدار کی بنیاد مضبوط کرتی ہے اور سرمایہ داروں کی نہ صرف حامی ہے بلکہ سرمایہ دارانہ نظام کو مستحکم رکھنا چاہتی ہے، قوم کے لیے کوئی ٹھوس کام نہیں کرتی بلکہ مسلم لیگ کی رکنیت اور عہدہ داری کو حصول مناصب جلیلہ کا ذریعہ سمجھتی ہے، آزادیٔ کامل کا اعلان تو کر دیا اور یہ بھی اقرار ہے کہ تنہا مسلمان آزادیٔ کامل حاصل نہیں کر سکتے اس کے باوجود آزادیٔ کامل حاصل کرنے کے طریقے، ہندو مسلم اتحاد کو اختیار نہیں کرتی، ایسی صورت میں ہم اس زبانی اعلان کو محض ابلہ فریبی نہ سمجھیں تو کیا سمجھیں؟

سوال: اگر مسلم لیگ میں کچھ مفاسد اور منکرات شرعیہ موجود ہیں تو کیا یہ صورت ممکن نہیں ہے کہ جمعیت علما اس میں شریک ہو کر اسے مفاسد و منکرات سے پاک کر دے۔

جواب: مسلم لیگ میں شریک ہو کر اسے منکرات سے خالی کر دینا تجربے سے ناممکن ثابت ہوا ہے۔

سوال: کیا مسلم لیگ اور جمعیت علما کے تصادم سے تشتت اور افتراق پیدا نہیں ہوتا ہے، جمعیت علما نے اس کے انسداد کی کیا صورت اختیار کی ہے؟

جواب: ضرور ہوتا ہے مگر اس کی ذمے داری صرف لیگ پر ہے، وہ مسلمان عوام کو علماے دین کے خلاف بھڑکاتی ہے اور آپس میں لڑاتی ہے، آپ مسلم لیگ کے قاید اعظم کی ذہنیت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ابھی حال میں انھوں نے مسلم لیگیوں کو جمعیت علما کے جلسے میں شرکت سے منع کرنے کے لیے اخباروں میں اعلان شایع کیا۔

سوال: کانگریس کے ساتھ مل کر جو آزادی حاصل ہوگی اس کا انجام حکومت مشترکہ ہے جس میں عنصر کفر غالب ہوگا اور عنصر اسلام غلوب ہوگا، ایسی حکومت یقیناً اسلامی نہ ہوگی تو اس کے لیے جدوجہد کرنا مسلمانوں کے ذمے کس دلیل سے واجب ہے، کانگریس کے اقتدار سے اس وقت ہندوؤں کے حوصلے جس قدر بڑھنے لگے ہیں اور مسلمانوں پر بازاروں میں، دیہاتوں میں اور سرکاری محکموں میں جو مظالم برپا کرنے لگے ہیں جمعیت علما نے اس کے انسداد کی کیا تدبیر سوچی ہے اور اس کے لیے کوئی قدم اٹھایا یا نہیں؟

جواب: لیکن کیا مسلم لیگ خالص اسلامی حکومت قایم کرنے کی سعی کر رہی ہے؟ وہ بھی تو اسی مشترکہ حکومت کے اصول کو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ، گول میز کانفرنس میں تسلیم کر چکی ہے، اگر ہندو انگریز کو نکالنا نہیں چاہتے تو پھر جمعیت علما ان کے ساتھ اشتراکِ عمل نہیں کرے گی، یہ اشتراک صرف آزادی کے لیے ہے۔

سوال: کانگریس وزارتوں نے زمین داروں کی آراضی کو کاشت کاروں کی مملوک بنادینے کی تجویز سوچی ہے جو یقیناً ظلم ہے، جو لوگ کانگریس میں شریک ہیں اس ظلم میں شریک ہیں کیا جمعیت علما نے اس سے بچنے کی کوئی تدبیر کی؟

جواب: جمعیت علما ہر خلاف شرع قانون کے خلاف انتہائی جدوجہد کر رہی ہے اور کر چکی ہے اور کرے گی، ابھی حال میں اس کی کارروائی دیکھیے کہ اس نے کانگریسی حکومت سے کس قدر اجتناب کیا ہے، مدح صحابہ کے قضیے میں جمعیت کا طرزِ عمل آپ کے سامنے ہے، مگر مسلم لیگ کی تائید وحمایت سے جو خلاف شرع قوانین روزانہ اسمبلی میں پاس ہوتے ہیں ان کو بھی سامنے رکھیے تو صحیح طور پر فرق واضح ہو سکے گا۔

سوال: کانگریس میں بندے ماترم کا گیت مضامین شرکیہ پر مشتمل ہے اور قومی

جھنڈے کی سلامی ہے، کیا ان افعال میں شرکت گناہ نہیں ہے؟ اگر ہے تو جمعیت نے اس کے خلاف کیا احتجاج کیا؟

جواب: کانگریس نے بندے ماترم گیت کے قابل اعتراض بند اس میں سے الگ کردینے کا فیصلہ کردیا ہے، جھنڈے کی سلامی مسلم لیگ بھی کرتی ہے اور اسلامی حکومتوں میں بھی ہوتی ہے، وہ ایک فوجی عمل ہے، اس میں اصلاح ہوسکتی ہے مگر وہ مشرکانہ عمل نہیں۔

سوال: صدر کانگریس اشتراکیت کے حامی اور مذہب وخدا کے دشمن ہیں اور ان کے خلاف تقریر کرتے ہیں، جمعیت علما نے ان کے خلاف احتجاج کیا یا نہیں؟ اور مسلمانوں کو ان کی تعظیم سے روکا یا نہیں؟

جواب: صدر کانگریس کی شخصی رائے سے کانگریس کو الزام دینا معقول بات نہیں ہے۔

سوال: کانگریس کے ساتھ مل کر جو آزادی حاصل ہوگی اس کی کیا ضمانت ہے کہ اس میں مسلمانوں کے مذہبی وسیاسی حقوق کی پوری حفاظت ہوگی، جب کہ کانگریس اور اس کے ارکان مذہب اور حقوق کا نام لینا جرم اور فرقہ پرستی قرار دیتے ہیں، نیز جمعیت علما نے کانگریس کے ساتھ تعاون کرکے مذہب اور سیاست کے تحفظ میں اس وقت تک کون سا کام کیا ہے؟

جواب: مسلمان اپنے مذہبی اور سیاسی حقوق کی حفاظت اپنی قوت اور قربانی سے کرسکتے ہیں نہ کہ کانگریس اور انگریزوں کے وعدوں سے۔

سوال: جمعیت علما نے اچھوت اقوام میں تبلیغ اسلام کے لیے کوئی عملی قدم اٹھایا یا نہیں؟

جواب: یہ سوال اس جماعت سے اور اس کے علما سے کیا جانا چاہیے جو نوے فی صدی مسلمانوں کی نمایندگی کی دعویٰ دار ہے۔ (خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے سوالات اور مفتی کفایت اللہ کے جواب، عصر جدید، مدینہ، بجنور ۱۷ فروری ۱۹۴۶ء، ماخوذ از مکتوبات شیخ الاسلام: ج ۴، ص ۱۴۹)۔

مولانا تھانوی کے حلقہ میں خود دیوبند اور مدرسہ دار العلوم کے مدرسین ومنتظمین کی ایک جماعت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مخالفت اور معاندت کے جذبات رکھتی تھی اور نتیجے کے طور پر ہر اس خیال اور فکر کی مخالفت تھی جس کا انتساب حضرت کی طرف ہو، اسی بنا پر

یہ جمعیت علما کی بھی سخت مخالف تھی، حضرت شیخ الہند کے اہم اور خاص شاگرد؛ نیز صحیح مسلم شریف کی شرح فتح الملہم کے مصنف حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ متبحر عالم بے مثل خطیب اور مقرر تھے، انہوں نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ قرآن پر نہایت فاضلانہ حواشی بھی تحریر فرمائے تھے جو موصوف کی بالغ نظری اور تبحر علمی کے شاہد ہیں، ایک طویل عرصے تک وہ دار العلوم دیو بند کے صدر مہتمم رہے اور جمعیت علمائے ہند کے عمایدین میں شریک رہے لیکن انھیں ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بعض وجوہ کی بنا پر وہ قربت نہ تھی جیسی ایک ہی مسلک کے دو بزرگوں میں ہونی چاہیے (۱) دیو بند جیسے مرکزی ادارے کے صدر مہتمم ہونے کی وجہ سے مولانا موصوف کو مدرسہ میں سب سے با اختیار اور ملک میں سب سے زیادہ محبوب ہونا چاہیے تھا مگر آپ نہایت تنک مزاج، بہت کم آمیز اور خلوت نشین تھے قدرتی طور پر ہمارے حضرتؒ مدرسہ میں اور ملک میں غیر معمولی مقبولیت اور محبوبیت کے مالک تھے، حضرت کے انداز رکھ رکھاؤ اور لباس و پوشاک میں نہ کوئی مشیخت تھی نہ عالمانہ اور فاضلانہ تکلف و تصنع تھا، نہ گفتگو اور تخاطب میں کوئی مولویانہ اور مولانانہ رعب و داب تھا مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی شان، وقار اور دلآویزی عطا ہوئی تھی کہ ان کے سامنے بڑی سے بڑی شخصیت ماند پڑ جاتی تھی، یہ درویشانہ شان اور فقیرانہ آن بان مدرسہ دار العلوم کے معاملات میں بہت سے لوگوں کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی تھی، تیسرے مدرسے کے اختیارات کے بارے میں مولانا محمد طیب صاحب مہتمم مدرسہ کی ذات مولانا شبیر احمد صاحب کے اقتدار کے راستے میں ہمیشہ سدراہ رہی، دیو بند کے مقتدر لوگوں میں مولانا محمد طاہر صاحب مرحوم کا اسم گرامی محتاج تعارف نہیں، آپ مولانا محمد قاسم صاحب کے پوتے محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم کے چھوٹے بھائی تھے، بظاہر تو موصوف مدرسہ میں ناظم کتب خانہ کے عہدے پر مامور تھے مگر در حقیقت معاملات مدرسہ کے ہر پہلو پر اثر انداز تھے، موصوف کو حضرت سے کوئی خاص اختلاف تو نہیں تھا مگر ایک ذاتی مسئلہ میں ان کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے شکوہ تھا۔ جب مسلم لیگ کا زور ہوا تو وہ کھل کر حضرت کے مخالف ہو گئے۔

---

(۱) مولانا عثمانی حضرت تھانوی کے خلیفہ خاص تھے۔ بحوالہ حکیم الامت از مولانا عبدالماجد دریابادی ص ۲۳۱۔

مولوی مفتی محمد شفیع صاحب مدرسہ کے مفتی تھے اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مرید اور خلیفہ تھے، قدرتی طور پر موصوف حضرت کی سیاسی جدوجہد کو پسند نہیں کرتے تھے اور مسلم لیگ کے موید و مددگار تھے، آپ نے ایک مفصل فتویٰ کانگریس میں شرکت کی حرمت اور مسلم لیگ کی تائید و نصرت میں لکھا اور اس کو اپنے تجارتی کتب خانہ دارالاشاعت دیوبند سے شائع کیا، اس کا نام وقایۃ المسلمین عن دلایۃ المشرکین رکھا، اس کے آخر میں خلاصہ کے طور پر آپ نے پاکستان کی شرعی حیثیت واضح کی اور فتویٰ دیا کہ مسلم لیگ میں شرکت لازمی اور کانگریس میں شرکت حرام ہے، اس فتویٰ کی تصدیق و تائید مفتی جمیل احمد تھانوی دارالافتاء خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون اور محمد شبیر علی ناظم خانقاہ نے اس عبارت کے ساتھ کی "یہ مضمون بالکل صحیح ہے گویا حضرت اقدس حکیم الامت مجدد الملۃ امام تھانوی کے ارشادات کی شرح و توضیح ہے اسی وجہ سے اس کو تھانہ بھون کا فتویٰ بھی کہا گیا"۔ (۱)

یہ بڑا طویل قصہ ہے کہ مفتی صاحب موصوف نے کیسی شدت کے نظریۂ پاکستان کی حمایت اور تحریک آزادی کی مخالفت کی، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بصیرت کی بناپر اپنی رائے اور تائید کا اعلان کیا ہوگا مگر دینی و مذہبی فرضیت اور وجوب صاحب ہی نے مقرر کیا۔ ان تین حضرات کے علاوہ مدرسہ دیوبند میں چھوٹے بڑے ملازمین و مدرسین اور ان کے ساتھ مجلس شوریٰ کے بعض خان، بہادر وفلاں جنگ وغیرہ بھی شامل تھے، خود مدرسہ کے مہتمم مولانا محمد طیب صاحب بھی حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کے ممتاز خلفاء میں تھے اور اپنے طبعی رجحان کے اعتبار سے اسی جماعت کے ہمنوا اور نظریۂ پاکستان کے موید تھے مگر مدرسے کی سب سے بڑی ذمے دار شخصیت ہونے کی وجہ سے موصوف مدرسہ کی مصلحت اور مفاد کا خیال مقدم رکھتے تھے اور علی اعلان کسی جماعت سے منسلک نہیں تھے۔ اس کے ساتھ ایک وجہ آپ کے غیر جانب دار ہونے کی یہ بھی تھی مدرسے کے اہتمام کے بارے میں صدر مہتمم اور مہتمم کے درمیان ایک مسلسل اور خاموش عدم تعاون اور اختلاف رہا کرتا تھا اور آپ کے لیے مکمل طور پر صدر مہتمم کی جماعت میں شرکت مشکل تھی، مختصر یہ کہ خود دیوبند میں ایسے لوگ تھے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف سرگرم رہتے تھے، ملک اور بیرون ملک میں حضرت کی

---

(۱) کانگریس اور مسلم لیگ سے متعلق شرعی فتویٰ از مفتی محمد شفیع صاحب بحوالہ تاریخ الاسلام ہند (۲۹۵

مقبولیت اور مدرسہ دیو بند میں حضرت کی ناگزیر ضرورت کی وجہ سے ان کا بس تو چل نہیں سکتا تھا مگر یہ کبھی اپنے اس مقصد سے غافل نہیں ہوتے تھے کہ کس طرح مدرسے سے حضرت کو الگ کر دیا جائے، انہی احوال اور ماحول میں قدرت کی طرف سے ایک ایسا موقع میسر آ گیا کہ ان کے مقاصد کے لیے راستہ صاف ہو گیا۔ یہ حضرت کی ۱۹۴۲ء کی گرفتاری کا موقع تھا، اب ان کو اطمینان ہو گیا کہ جیل کی چہار دیواری میں محبوس و مجبور حضرت رحمہ اللہ کی علاحدگی میں اب کون سی دقت اور رکاوٹ پیش آ سکتی ہے۔ چناں چہ کافی غور و فکر کے بعد یہ اسکیم بنائی گئی کہ سب سے پہلے ان طلبا کو مدرسے سے الگ کیا جائے جن کے بارے میں یہ شبہ ہو کہ یہ راستوں میں رکاوٹ بن سکیں گے، اس کے بعد حضرت کے معتقدین اور سربرآوردہ اساتذہ اور ملازمین کو نکالا جائے اور سب سے آخر میں حضرت کی علاحدگی عمل میں آئے، اس پروگرام کے مطابق چاروں طرف سے پیش بندیاں کرنے کے بعد اس جرم میں کہ طلبا نے حضرت رحمہ اللہ کی گرفتاری پر مضطرب ہو کر حکومت برطانیہ کے خلاف جلسے اور جلوس منعقد کیے، منتخب اور مؤثر طلبا کی ایک بڑی تعداد کو مدرسے سے نکال دیا گیا، حضرت اپنے مزاج اور دینی مقاصد کے پیش نظر طلباے دین کے سات نہایت شفقت، رعایت اور درگذر کے ساتھ پیش آتے تھے، تعلیم و تعلم، اسلامی شعائر اور شرعی کوتاہیوں میں تو کبھی کبھی کسی قدر تنبیہ و فہمایش کر دیتے تھے مگر طالب علم کو دینی تربیت اور تعلیم سے محروم کر دینا کسی طرح گوارا نہیں کرتے تھے، جیل میں یہ اطلاع ملی تو مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم کو تحریر فرمایا:

> ''اس مرتبہ جب یہ معلوم ہوا کہ آپ دونوں حضرات نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تقریباً اسّی طلبہ مدرسے سے بالکل خارج کر دیے جائیں تو مجھ کو سخت صدمہ ہوا، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں جس قدر بھی ممکن ہو لوگوں کو مسلمان اور صحیح العقیدہ مسلمان بنانا فرض ہے اور حسب فرمانِ نبوی علیہ السلام فاستوصوبھم خیراً ممکن سے ممکن درجہ تک طلبا کو راہ راست پر لائیں تاکہ یہ نوجوان پڑھ لکھ کر اپنی حالت بھی درست کریں اور مسلمانوں کی حالت بھی درست کریں اور اسلام کے سچے مبلغ بنیں، اخراج کرنا اس نعمت عظمیٰ سے محروم کر دینا ہے اور ہمارے یہاں کی انتہائی سزا ہے جس سے بہت سے خطرات ہیں''۔ (مکتوبات شیخ الاسلام، ج ۲)

اس کے علاوہ براہ راست مجلس شوریٰ کے بعض ممبران کو بھی اس قسم کے خطوط تحریر فرمائے جن میں ان کے ساتھ رعایت وشفقت کا برتاؤ کرنے پر زور دیا:

''جو فیصلہ جناب نے ابتدائے شعبان میں امتحان بند کر کے، مطبخ یک قلم موقوف کر کے چالیس طلبہ کو نکال دینے اور اکثر کو سند فضیلت سے بالکل محروم کر دینے کا کیا ہے، وہ نہایت تعجب خیز ہے اگر یہ معاملہ انتقاماً تھا جیسا کہ ظاہر یہی ہے تو معاملہ نہایت عجیب وغریب ہے، تمام ہندوستان کی یونیورسٹیوں اور کالجوں اور اسکولوں اور مدرسوں میں باوجود انتہائی شورشوں اور سخت سے سخت تشددات کے نہ ان کے کارکنوں نے ایسی کارروائی کی اور نہ گورنمنٹ نے اتنی مداخلت کی جتنی آپ نے کی ہے، حال آں کہ دار العلوم آزاد تھا اور گورنمنٹ کا دست نگر نہ تھا اور نہ ہے، پھر اس قدر تورییٹ اور اظہار وفاداری کے کیا معنی ہیں جو حدود عقل سے بھی تجاوز کر گئی ہے، طلبا نے جلسے جلوس بے شک کیے، ادارۂ اہتمام نے روکا تو نہیں رکے، اس سے زیادہ ان کا کیا جرم تھا، کیا اسی کی وجہ سے یہ دور دور سے آئے ہوئے طلبائے علم دینی تعلیم سے ہمیشہ کے لیے محروم کیے جارہے ہیں، پھر جب کہ ملک کی فضا اس قدر مسموم ہو رہی ہے کہ ملک کے وہ نوجوان طلبہ جن کی ساری امیدیں گورنمنٹ کی غلامی سے بندھی ہوئی ہیں، وہ ملک کے لیڈران کی گرفتاری پر اپنے آپ سے باہر ہو گئے۔ (حال آں کہ ان لیڈران کا ان سے کوئی خاص تعلق نہ تھا اور تھا تو بہت دور کا تھا پھر بھی) انھوں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور تقریباً ایک ہزار یا اس سے زیادہ طلبا پروانہ دار جاں بحق ہو گئے اور کوئی ہزار زخمی ہوئے تو اگر گورنمنٹ کے اس شرم ناک رویہ پر جو اس نے استبداد کے طریقے پر دار العلوم کے طلبا کے ایک نالائق خادم پر جاری کیے، وہ کچھ مظاہرہ کر بیٹھے تو وہ اس قدر موجب غیظ وغضب وانتقام کیوں قرار دیے گئے''۔

(مکتوبات: ج ۱ص ۳۴۵)

طلبائے کرام کے بعد نمبر مدرسین اور ملازمین کا تھا، اس کے لیے ساری تیاریاں مکمل

ہوگئیں، خبریں گرم ہوئیں کہ فلاں فلاں حضرات کے نام نوٹس جاری کیے جارہے ہیں مگر عین وقت پر جیل سے حضرت کے خطوط موصول ہوئے جس میں یہ درخواست کی گئی تھی کہ مدرسہ کی بقا اور اس کی ترقی کی کوششیں کی جائیں، اگر طلبا اور مدرسین کو نکال دیا گیا تو اس سے ایک مرکزی ادارہ کو نقصان پہنچے گا، اس سلسلے کا ایک خط قابل ملاحظہ ہے:

''جن پانچ اشخاص، منشی سید محمد شفیع صاحب، مولوی عبد الوحید صاحب، مولوی محمود گل صاحب، مولوی سلطان الحق صاحب، مولوی محمد عثمان صاحب کی برطرفی کا فیصلہ کرنا چاہیے تھا (حال آں کہ یہ پہلی قسط تھی، مشہور تو یہ ہے کہ ۲۶ آدمیوں کو برطرف کرنا چاہیے تھا اور ڈابھیل کے مدرسین بلائے گئے تھے اور دوسرے ملازمین کو بھی روکا گیا تھا، مجلس شوریٰ کے بعد تمہارا یہاں تقرر کیا جائے، واللہ اعلم) ان سب کی مولانا طیب صاحب سے صفائی کرا دیجیے، انھوں نے صدر صاحب (مولانا شبیر احمد صاحب عثانی) نے طلبہ کے اخراج کے وقت فرمایا تھا کہ جو لوگ اصل اصول فساد ہیں ان کو نکالیے، صدر صاحب نے فرمایا کہ ان کی رپورٹ اور مسلین پیش کرو میں ابھی نکالوں گا، بہ ہر حال ان لوگوں کی صفائی مولانا طیب صاحب سے کرا دیجیے، یہ مدرسین و ملازمین (حکومت برطانیہ کے خلاف) فقط جذبات ہی تو رکھتے ہیں، اہل حل و عقد کی تشدد آمیز کارروائیوں سے ڈر کر علانیہ تو تحریکات میں حصہ نہیں لیتے، تاہم ان کو اصل اصول فساد کہتے ہیں، اصل اصول فساد تو حسین احمد ہے جو تحریکات میں علانیہ حصہ لیتا ہے، اس کو نکالنا چاہیے''۔ (مکتوبات: ج ۱، ص ۳۴۱)

مختصر یہ کہ وقت سے پہلے ہی روک تھام کی گئی اس لیے مدرسین کا اخراج رک گیا، مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی علاحدگی کے سارے انتظامات کرلیے گئے، مجلس شوریٰ کی میٹنگ میں یہ مسئلہ پیش کیا جانا تھا، اس کے لیے زمین ہموار کرلی گئی تھی اور یقین ہوگیا تھا کہ اس اجلاس میں حضرت کے خلاف فیصلہ ہو جائے گا، معتقدین اور مخلصین کے لیے یہ بڑا سخت وقت تھا، سارے ہی حضرات کو یقین تھا کہ اب دیو بند سے نکلنا طے ہے، اس موقع پر حضرت رحمۃ اللہ نے حضرت شیخ الہند کے نواسہ مولانا محمد عثمان کے نام ایک خط تحریر فرمایا:

''ہم کو دار العلوم سے نکالا جائے ہم خوش ہیں، رکھا جائے ہم خوش ہیں، رزق کا کفیل دار العلوم نہیں اللہ تعالیٰ ہے، عزیزم! ان احوال کی وجہ سے پریشان نہ ہو، واقعات اور حقیقت کو تاریخ وار قلم بند رکھو، اور صبر جمیل اختیار کر، وزبان بند رکھواور آنکھوں سے دیکھومگر کچھ نہ بولو، دیکھوقدرت کیا کرتی ہے، وہ بے نیاز اور بے پروا بھی ہےاور سب سے زیادہ رحمت در رحمت والا بھی ہے، اس کا ظاہری ہاتھ بھی ہےاور خفیہ ہاتھ بھی، کچھ فکر مت کرو، کسی کومت ستاؤ واللہ معکم اینما کنتم، اگر واقعات اور افواہات ستایا کریں تو حضرت رحمہ اللہ کی زندگی یاد کرواور اگر اس پر بھی قلبی سکون نہ حاصل ہوتو مزار پر جاکرتھوڑی دیر بیٹھ کرایک دو پارے پڑھ کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بزرگوں کو بخش دیا کرو، یہی بات مولانا محمد جلیل صاحب اور مولانا اعزاز علی صاحب سے بھی کہہ دو، اگر مولانا نافع گل صاحب آجائیں تو ان سے بھی یہی کہہ دو، یہی میری استدعا مولانا سلطان الحق صاحب اور منشی شفیع صاحب سے بھی ہے''۔

(مکتوبات: ج ۲، ص ۲۳)

اس موقع پر مدرسے کے وہ ذمے داران اور مدرسین جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ تھے، انھیں یقین ہوگیا کہ اب دار العلوم سے ہماری خدمات منقطع ہو رہی ہیں۔ حضرت نے بھی اپنے معتمد خصوصی قاری اصغر علی صاحب مرحوم لکھا کہ میری علاحدگی کا حکم آجانے کے بعد مدرسے کا مکان خالی کردیا جائے، سامان ٹانڈہ پہنچا دیا جائے، زیر تعلیم بچوں کو مدرسے قاسمیہ شاہی مسجد مرادآباد میں داخل کرادیا جائے، جیسے جیسے مجلس شوریٰ کے اجلاس کی تاریخیں قریب آتی گئیں ان تھانوی اور مسلم لیگی حضرات کی سرگرمیوں اور حوصلوں میں تیزی آتی گئی، اور اسی نسبت سے حضرت کے خدام کے استقلال، استغنیٰ اور صبر وشکر کے جذبات میں اضافہ ہوتا رہا۔ حضرت ان حضرات کو اعتماد علی النفس اور توکل علی اللہ کی تاکید لکھتے ہیں:

جو کچھ احوال ان مبارک مہینوں میں وہاں پیش آرہے ہیں، ان کے متعلق اطلاعات ملیں۔ آپ حضرات اپنے فرائض پر مستقل رہیں، افواہوں سے

متاثر نہ ہوں، بڑوں کا ادب و احترام بجالائیں، تقدیر کی نیرنگیاں اگر خلاف طبع ظاہر ہوں تو صبر وشکر کریں، رازق صرف اللہ ہے، وہ کہیں نہ کہیں سے سامان پیدا کردے گا۔

دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است، اخلاص اور للّٰہیت کو ہر موقع پر ملحوظ رکھیے اور جہاں تک ممکن ہو علوم دینیہ اور دار العلوم کی خدمت میں بہتری کی کوشش کیجیے۔ مظلوم ہونا ظالم ہونے سے بہتر ہے! جو حضرات کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا انتظام کیا ہے کہ مولانا حسین احمد اپنی قید کی مدت پوری کر کے بھی آزاد نہ ہوں گے تو آپ کو اس پر خوش ہونا چاہیے، حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ ایسا ہی ہوا تھا، میں تو انہی کا ناکارہ و نالایق غلام ہوں، اگر ایسے معاملات رونما ہو رہے ہیں تو شکر کی بات ہے اور کیا تعجب ہے کہ کہیں وہی انقلاب نہ پیش آجائے جو حضرت رحمہ اللہ (شیخ الہند مولانا محمود حسن) کی مخالفت اور ایذا رسانی کرنے والوں پر آیا تھا''۔

(مکتوبات: ج ۱، ص ۳۳۰)

مکتوب کی آخری دو سطریں غور کے قابل ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثیں ''من عاد الی ولیا فقد آذنته بالحرب'' اور ''اتقوا فراسة المومن فانهٗ ینظر بنور اللّٰه'' حضرت پر زندگی بھر صادق رہیں، چناں چہ اس مرتبہ بھی ایسا واقعہ پیش آیا کہ دیکھنے اور سننے والے حیران و مبہوت رہ گئے، اجلاس شروع ہونے تک ماحول میں گرمی، اضطراب اور بے چینی نظر آتی رہی، مگر مجلس شوریٰ ختم ہوئی اور اس کے فیصلے اور قرار دادیں سامنے آئیں تو حیرت و استعجاب کی انتہا نہ رہی۔ صدارت اہتمام کا عہدہ بالکل ختم کر دیا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی صدر مہتمم بھی برخاست کر دیے گئے تھے، مولانا شبیر احمد صاحب الگ ہوئے تو ان کی پارٹی کے بھی چھوٹے بڑے حضرات کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ عزت و آبرو کے ساتھ خود استعفیٰ دے دیں، اس طرح ایک مولانا محمد طیب صاحب مہتمم مدرسہ کو چھوڑ کر پوری تھانوی اور مسلم لیگی جماعت بیک وقت مدرسے سے الگ ہو گئی، یہ کہنا مشکل ہے کہ اس اچانک اور بالکل ہی غیر متوقع فیصلے کے اسباب کیا تھے مگر اس وقت جو قیاسات اور اندازے سامنے آئے وہ یہ تھے کہ مہتمم اور صدر مہتمم کے درمیان عرصے دراز

سے جو سرد جنگ جاری رہتی تھی اس میں حضرت دونوں حضرات کے درمیان مصالحت و موانست کی کوشش میں مصروف رہتے تھے، حضرت کی گرفتاری کے بعد درمیانی رابطے کی کوئی شکل باقی نہ رہی اور ریشہ دوانیاں تیز تر ہو گئیں، مجلس شوریٰ کے اجلاس میں بھی ایک باوقار ذات ایسی موجود رہتی تھی کہ کسی کو حدود و قیود سے تجاوز کا موقع نہ ملتا تھا، اس بار اجلاس سے پہلے سرگرمیاں اور کارروائیاں بڑھیں تو مولانا شبیر احمد صاحب اس اطمینان میں رہے کہ تیاریاں حضرت مدنی کی مخالفت میں ہو رہی ہیں، مگر نتیجہ سامنے آیا تو پتہ چلا کہ معاملہ کچھ اور تھا، کجامی نماید کجامی زند، حضرت نے اس واقعے کا تذکرہ مختصر طور پر فرمایا ہے:

> سب کو معلوم ہے کہ علامہ عثمانی دار العلوم دیوبند کے صدر اعلیٰ (مہتمم) تھے، مکالمۃ الصدرین کے مصنف جناب مولانا محمد طاہر صاحب کی سالہا سال کی آرزو کے مطابق دفتر اہتمام کی تحریک پر مولانا عہدۂ صدارت سے الگ کیے گئے، مجلس شوریٰ میں عہدۂ صدارت کی تخفیف کی تحریک اور تائید جن بزرگوں نے کی ان میں سے ایک آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے رکن تھے، دوسرے مسلم لیگ دیوبند کے صدر تھے، اخباروں میں نام مولانا مدنی اور کانگریس کا بدنام کیا گیا۔
>
> (حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ، رسالہ کشف حقیقت: ص ۴۸/ ۴۱_۴۰)

یہ حقیقت ذہن میں رہے کہ اس واقعے کے وقت حضرت جیل میں محبوس تھے اور اس کے علاوہ آپ کا کوئی دخل اس انقلاب میں نہیں تھا، مگر قدیم مخالفت اور معاصرت کو اب کھل کر سامنے آنے کا بہانہ ہاتھ آ گیا تھا، دار العلوم کا میدان تو ہاتھ سے نکل ہی چکا تھا، اب تلاش عداوت و معاندت کی تسکین کے لیے کسی نئے عنوان اور رزم گاہ کی تھی، اتفاق سے یہی وہ زمانہ تھا کہ جب مسلم لیگ کو اپنی الکشنی تدابیر کے لیے چند علمائے کرام کی تلاش تھی۔ چناں چہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی، مولانا ظفر احمد صاحب انصاری وغیرہ نے باہر سے اور مولانا محمد طاہر صاحب وغیرہ نے دیوبند سے اس قسم کی اسکیمیں بنانی شروع کیں کہ ایسے کچھ علما کو جمع کیا جائے جن سے مقصد پورا ہو، رفتہ رفتہ یہ اطلاعات شایع ہونے لگیں کہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب جمعیت علمائے ہند کی مخالفت کے لیے تیار کیے جا رہے ہیں۔

مکالمۃ الصدرین کا فتنہ:

اس درمیان میں حضرت رحمۃ اللہ رہا ہو کر تشریف لا چکے تھے، آج کا دل صاف تھا اور مدرسے کی کارروائی میں آپ کا کوئی حصہ بھی نہ تھا، جمعیت سے اختلاف کی خبریں سن کر حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب رحمہما اللہ نے علامہ عثمانی سے ملاقات مفاہمت کا پروگرام بنایا، حسن اتفاق ہے اس ملاقات میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب اور مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی بھی بغرض ملاقات وعیادت شریک ہو گئے، یہ ملاقات اور گفتگو بالکل نجی اور مخلصانہ ماحول میں ہوئی اور مجلس میں مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ کوئی دوسرا شخص موجود بھی نہ تھا، حضرت مولانا عثمانی نے فرمایا کہ میں نے ابھی تک (کسی نئی جماعت) کی صدارت کے قبول اور عدم قبول کی نسبت کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے:

> اس میں شک نہیں کہ اس گفتگو میں مختلف امور کا تذکرہ آیا، مگر نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ باتیں ہوتی رہیں جن میں نہ کوئی مناظرانہ طرز تھا نہ اثر ڈالنے اور دبانے کا کوئی پہلو تھا نہ کسی ادب واحترام میں کوئی کوتاہی تھی، تمام طریقہ احباب کی دوستانہ اور خصوصی گفتگو کا تھا، اور ہر امر میں پرائیویٹ ابحاث کی شان تھی اور یہی وجہ ہوئی کہ اس تمام گفتگو یا اس کے کسی حصے کو جمعیت کے کسی رکن نے نہ کسی اخبار، رسالہ یا اشتہار میں شایع کیا نہ دوسرے احباب سے تذکرہ کیا"۔ (حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ، کشف حقیقت: ص۲۲)

جمعیت علماے ہند کے حضرات نے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی سے صفائی اور مفاہمت کے اقدامات کیے تو مسلم لیگ نے فوراً ایک نئی مسلم لیگی جمعیت علماے اسلام کی بنیاد ڈالی اور مختلف قسم کے وعدے وعید اور عہد و پیمان کر کے مولانا شبیر احمد صاحب کو اس کا صدر بنا لیا، حضرت مولانا عثمانی فطری طور پر نازک طبع، کم زور مزاج اور گوشہ نشین شخص تھے، پہلے پہلے تو جمعیت علماے اسلام کے دو ایک جلسوں میں شریک ہوئے اس کے بعد دوسرے حضرات علما ان کے پیغامات اور خطبات صدارت لے کر جانے لگے، ان کے بھتیجے مولانا

مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کی ایک گفتگو ملاحظہ فرمائیے:

''مولانا عتیق الرحمٰن نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے مولانا عثمانی سے فرمایا کہ آپ گوگوشہ نشین تھے، کسی تحریک میں حصہ نہیں لیتے تھے، آپ کو کس چیز نے مجبور کیا کہ آج آپ تحریر شایع کرتے ہیں، شہروں میں تقریریں کرنے جاتے ہیں، مولانا عثمانی نے فرمایا کہ میں پاکستان کو مسلمانوں کے لیے مفید سمجھتا ہوں۔ مفتی صاحب نے کہا کہ ان ایام میں بہت سے ضروری اور مفید مسایل مسلمانوں کے متعلق پیش آتے رہے مگر شدید سے شدید ضرورت میں بھی آپ زاویہ سے باہر نہیں نکلے آج کون سی ضرورت ایسی پیش آگئی جو کہ آپ کو در بدر لیے پھرتی ہے؟ ابھی قریبی زمانے میں مجھ کو آپ سے گفتگو کرنے کی نوبت آئی تھی اور پاکستان کا مسئلہ بھی سامنے آیا تھا تو آپ نے مولانا آزاد سبحانی پر عدم اعتماد کا اظہار فرمایا تھا اور ذکر کیا تھا کہ جو تحریر آپ سے مانگی گئی تھی آپ اس کے دینے پر رضامند نہیں ہوئے تھے مولانا عثمانی نے اس پر سکوت فرمایا تھا۔ (کشف حقیقت)

اس سکوت کی وجہ بہت معقول تھی، آج سے پہلے حضرت علامہ پاکستان کے نہیں بلکہ جمعیت علما کے فارمولے ۴۵ مسلمان، ۴۵ ہندو اور ۱۰ دوسری قوموں پر مشتمل پارلیمنٹ کو ہندوستان کے مسئلے کا سب سے بہتر اور آخری حل یقین کرتے تھے، اخبار مدینہ کا ایک بیان ہے:

''حضرت عثمانی صاحب کو حیرت غالباً اس وجہ سے ہوئی ہوگی کہ خود موصوف نے جب کہ جمعیت کے فارمولے پر اطلاع پائی تھی تو اس کی تعریف میں نہایت زور دار کلمات تحریر فرماتے ہوئے لکھا تھا کہ ''مسلمانوں کے اطمینان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی عمدہ چیز نہیں ہے'' یہ تحریر جمعیت کے ریکارڈ میں آج بھی موجود ہے، غالباً جب علامہ صاحب اپنی غلط بیانی پر مفتی صاحب کو ساکت وصامت دیکھتے ہیں تو دل ہی دل میں شرما کر حیرت کا اظہار کرتے ہیں اور سمجھ جاتے ہیں کہ خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید اور خیال کرتے ہیں کہ حضرت مفتی (محمد کفایت اللہ)

صاحب سمجھ گئے ہیں کہ حضرت عثمانی کا جمعیت علماے اسلام اور لیگ کی حمایت میں قدم اٹھانا حق پرستی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس پردۂ زنگاری میں کوئی دوسری ہی ہاتھ کام کر رہا ہے''۔ (کشف حقیقت)

مذکورہ بالا اقتباس میں حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ کے سکوت اور خاموشی کا تذکرہ آیا ہے، بہتر ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی کی زبانی اس سکوت کی تفصیل بھی دیکھ لیں:

''مفتی (کفایت اللہ) نے اس گفتگو میں قطعاً حصہ نہیں لیا، جب انھوں نے دیکھا کہ گفتگو کا رخ ذاتی شکایات اور دوسرے معاملات سے متعلق غم وغصہ پر مبنی ہے اور بحث میں جگہ جگہ وہی جذبہ ابھرا ہوا نظر آتا ہے اور تحقیق حق کو غلط طریقے سے الجھایا جا رہا ہے تو یقیناً ان صورتوں میں جو کہ مکالمہ میں مذکور ہیں مفتی صاحب کو بولنا نہیں چاہیے تھا''۔ (کشف حقیقت)

اس ذاتی رنجش اور بنیاد کا خود حضرت علامہ نے بھی اپنی گفتگو میں اقرار کیا اور فرمایا کہ ''گفتگو کرنے والی جماعت نے عرصے سے مجھے نظر انداز کر رکھا ہے پس اگر میں نے کوئی دوسری راہ اختیار کر لی ہے تو آپ کیوں مجھے اپنا سمجھ کر تبادلۂ خیالات کرنے آئے ہیں، میں تو آپ کے لیے اچھوت ہو چکا تھا''۔ (کشف حقیقت) خوب دھیان رہے کہ مقصد اس تفصیل کا صرف یہ ہے کہ ان حضرات کے پیش نظر اصولی اور بامقصد اختلافات کم اور ذاتی گروہ بندی کے جذبات زیادہ موجزن تھے، دوسری طرف مسلم لیگ اور اس کے ذمے داروں کے سامنے تو صرف الکشنی داؤ پیچ ہی تھے ورنہ ان کے حلقے میں ان مولویوں اور مولاناؤں کی ایسی اہمیت کہاں تھی، جناح صاحب نے ان مقاصد میں کامیاب ہونے کے بعد اپنے ایک مخلص کو تحریر فرمایا:

''ہم بڑی حد تک اپنی قوم کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور رجعت پسند عناصر سے پاک کر چکے ہیں۔ ہم نے کسی حد تک اس خاص طبقے کے اثر کو زائل کر دیا ہے جو مولوی مولانا کہلاتے ہیں''۔ (منظور الحق صدیقی، مآثر الاجداد، مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ، لاہور: پاکستان، ص۴۰۴)

حضرت علامہ نے جمعیت علماے اسلام کے جلسے میں جو دیوبند میں ڈاک خانے کے سامنے میدان میں منعقد ہوا، خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا، راقم الحروف حسب عادت

پہلے والے ذوق وشوق سے حضرت کی تقریر سننے کے لیے حاضر ہوا، ایسا لگ رہا تھا کہ مسلم لیگ کی یا مسلم لیگی جمعیت علماے کی طرف داری کے لیے تاریخی، تہذیبی اور دینی کچھ بھی دلایل حضرت کے سامنے نہیں تھے، بعض خاص خاص جملے تو آج تک کانوں میں گونج رہے ہیں فرمایا کہ ''ہندوؤں کے ساتھ ہمارا اتحاد کیسے ہوسکتا ہے، ہمارا کھانا الگ ان کا کھانا الگ، ہمارا لوٹا الگ ان کا لوٹا الگ، اس کے سر پر چوٹی ہے ہمارا سر صاف، وہ دھوتی پہنتے ہیں ہم پاجامہ پہنتے ہیں، میں عرصہ دراز سے دوراہے پر کھڑا تھا، مسٹر جناح نے مجھے راستے پر لگادیا، میں اندھیرے میں تھا، مسٹر جناح نے مجھے روشنی دکھلادی۔

یہ تمام واقعات، حضرت کے ساتھ ان حضرات کا مغایرانہ رویہ، گرفتاری کے زمانے میں حضرت کے نکالنے کی سازشیں اور سرگرمیاں، مسلم لیگ کی اعانت ونصرت میں فتویٰ اور بیانات کی تیاریاں اور پھر جمعیت علماے اسلام کی جولانیاں سب راقم الحروف کی نظروں کے سامنے گزر رہی ہیں، اللہ تعالیٰ سے توبہ کرکے اور معافی مانگ کے ان واقعات کو اس لیے ذکر کیا کہ جمعیت علماے اسلام کے بزرگوں کا برصغیر کے مسلمانوں کی قسمت بنانے یا بگاڑنے میں سب سے بڑا حصہ ہے۔

(شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی: فرید الوحیدی، ص ۶۴۷-۶۴۶)

اسلام پر لیگ کی فوقیت:

۲۳؍نومبر ۱۹۴۵ء: زمزم، لاہور نے آج کی اشاعت میں ''اسلام پر لیگ کی فوقیت'' اور ''نہ مسلم زاج نہ ہند رواج'' کے عنوان سے دو مختصر مگر فکر انگیز اداریے شایع کیے ہیں، آپ بھی ان کا مطالعہ فرمالیجیے، پہلے عنوان کے تحت لکھا ہے:

''نواب محمد اسماعیل خاں نے مسٹر جی ایم سید صدر سندھ مسلم لیگ سے بہ ذریعہ تار دریافت کیا ہے کہ چوں کہ وہ مسلم لیگ کے سرکاری امیدوار کے مقابلے پر کھڑے ہوئے ہیں، اس لیے وجہ بتائیں کہ ان کے خلاف تادیبی کارروائی کیوں نہ عمل میں لائی جائے؟ یعنی ایک مسلم لیگی، لیگ کے دایرے میں رہ کر لیگ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا، اگر کرے گا تو وہ باغی ہے اور اس کے خلاف تادیبی کارروائی عمل میں لائی جائے گا!

سوال یہ ہے کہ کیا یہ غیرت صرف مسلم لیگ کے لیے ہے یا اس میں اسلام کا بھی

حصہ ہوسکتا ہے؟ مسٹر جناح، لیاقت علی خاں، نواب صاحب محمود آباد، فلاں راجہ صاحب، فلاں سر اور خان بہادر صاحب جو مسلمان ہو کر اسلام کے دایرے میں رہتے ہوئے رات دن احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں، روزِ روشن میں اوامر و نواہی کی گردن مروڑتے ہیں اور اپنی باغیانہ اور فاسقانہ زندگی پر نہیں شرماتے ان کے متعلق کبھی نہیں سنا گیا کہ ان کے خلاف تادیبی کارروائی عمل میں لائی گئی ہو! غیرت ہے تو لیگ کے لیے ہے، فکر ہے تو لیگ کا ہے، اسلام کے لیے نہ غیرت نہ شرم ساری، کیسی نماز، کیسا روزہ، کیسی اسلامی زندگی، کیسی اسلامی صورت اور سیرت! صرف مسلم لیگ ہے جس کے لیے غیرت جوش مارتی ہے، جس کی خلاف ورزی برداشت نہیں کی جاسکتی!

دوسرے عنوان کے تحت ان خیالات کا اظہار کیا گیا ہے:

''پنڈت جواہر لال نہرو نے لاہور کے ایک بہت بڑے اجتماع میں فرمایا کہ آزاد ہندوستان میں نہ تو ہندو راج قایم ہوگا نہ مسلم راج اور نہ سکھ راج بلکہ تمام قوموں کا مشترک راج قایم ہوگا اور اصل طاقت عوام کے ہاتھ میں ہوگی! یہی اعلان مسٹر جناح کا ہے کہ پاکستان میں جمہوری اصولوں پر حکومت قایم ہوگی اور اکثریت و اقلیت دونوں مل کر ملک کا دستور بنائیں گے ہمارا خیال ہے کہ پنڈت نہرو مغربی جمہوریت کے غلط تصور میں مبتلا ہیں، ہم پنڈت جی کو مشورہ دیں گے کہ اگر انھیں لفظ جمہوریت پر اصرار نہیں ہے بلکہ وہ عوام کی بھلائی اور دائمی خوش حالی اور امن کے خواہاں ہیں تو وہ خلفاے راشدین یا اسلامی سیاست کا تجربہ کر کے دیکھیں یا کم از کم مسلمانوں کو موقع دیں کہ وہ قوانین سازی میں صرف قرآن کو اپنا رہنما بنائیں اس کے بعد خود معلوم ہو جائے گا کہ نوع بشری کی حقیقی فلاح کے لیے کون سا نظام بہتر، مفید تر اور اوفق بالطبع ہوسکتا ہے''۔

دارالعلوم دیوبند

سنگِ اسود کی طرح اس کا بھی سنگ سرخ چوم
آیت اللّٰہی ہے، رنگِ مسجدِ دار العلوم
خدمت دیں میں یہاں یار محدہ قدسی نفوس
جن کے علم و فضل کی مشرق سے مغرب تک ہے دھوم

مصلحت ان کو ہنا سکتی نہیں حق سے کبھی
اور نہ ان کو روک سکتا ہے مصائب کا ہجوم
بوزنے کی ہوا ابوت پر مدار فکر و غور
تاقیامت مل نہیں سکتے یہاں ایسے علوم
حق کے جلوے بے محابا دیکھنے ہوں تجھ کو گر
درس گاہوں میں یہاں آکر تو تھوڑی دیر گھوم
(از طالوت، زمزم۔لاہور: ۲۷ر نومبر ۱۹۴۵ء)

علمائے حق پر افترا:

مولانا محمد کفیل و مولانا عبدالرؤف میں خط و کتابت۔

محترم المقام حضرت مولانا دام اللہ فضلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔مزاج شریف

باعث تصدیعہ یہ امر ہے کہ مجھے کل ایک صاحب نے جمعیت علمائے اسلام کلکتہ کی طرف سے ایک مطبوعہ دو ورقہ دکھایا جو کہ آنجناب کے اور مولانا محمد قریش صاحب ناظم جمعیت العلماء اسلام کلکتہ کے دستخطوں سے شایع کیا گیا ہے، اس قرطاس میں عبارت ذیل مرقوم ہے:

''افسوس ہے کہ دہلی کی نام نہاد جمعیت العلماء کچھ عرصہ سے امت سے منقطع ہوگئی ہے، اور نہ صرف جمہور امت بلکہ علمائے حق کے اصول مسلمہ کے خلاف حقیقی اسلامی نصب العین سے منحرف ہوکر ہندو کانگریس کی قومیت متحدہ واشتراکیت کی جاہلیت جدیدہ کی حمایت کر رہی ہے''۔

جمعیت علمائے کانگریس علانیہ روسی دہریت و زندقہ اور کانگریسی الحاد و ضلالت کی تبلیغ و تائید کر رہی ہے۔ایک کافر مشرک ہندو کو اپنا سیاسی لیڈر مان چکی ہے، جمعیت کا صدر کانگریسی مہاتما کی قیادت میں کانگریس کی مجلس عاملہ کا رکن بن چکا ہے، اور یہ جمعیت دین و ملت کو قربان کرکے ہندو کی سیاست کی پیروی کر رہی ہے۔

سطور مذکورۃ الصدر کو پڑھنے کے بعد ہر شخص یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ جمعیت علماے ہند جس کے صدر مولانا حسین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیو بند ہیں، وہ معاذ اللہ مرتد ہو چکی ہے، اس کے صدر اور تمام اراکین مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا محمد طیب صاحب وغیرہ وغیرہ دین اسلام سے خارج ہیں آنجناب میرے نزدیک محترم ہستی اور ذی علم شخصیت ہیں مجھے یقین نہیں آتا کہ آنجناب نے یہ فتویٰ دیا ہو، کیا میرا یہ خیال صحیح ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو پھر بلا خوف لومۃ لائم اپنی برأت کا اعلان فرمادیں، اور اگر فی الواقع یہ آپ کا فتویٰ ہے تو کیا یہ تمام بزرگان دین اور جملہ ارکین اور لاکھوں مسلمان جو جمعیت علماے ہند کی پالیسی سے اتفاق رکھتے ہیں، ملحد اور زندیق ہیں؟ آپ کی نظر میں امت مسلمہ کے اندر اپنا کوئی مقام نہیں رکھتے۔ (خادم العلماء محمد کفیل عفی عنہ)

جواب:

مولانا مدظلہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جناب کو معلوم ہے کہ چار پانچ مہینہ پر مکان سے آیا ہوں، نئی جمعیت کے کاموں کا ابھی مجھے بالکل علم نہیں، جناب مولانا حسین احمد صاحب مفتی کفایت اللہ صاحب، جناب مولوی محمد طیب صاحب وغیرہ کی شان میں ہرگز میں ایسے الفاظ استعمال نہیں کرسکتا، ان حضرات کی راے سے مجھے کچھ اختلاف ہے، مگر میں ان حضرات کو علم اور تقویٰ کے اعتبار سے بہت ہی بلند سمجھتا ہوں۔ میری کیا مجال ہے کہ نعوذ باللہ ان حضرات کے خلاف کفر کا فتویٰ دے سکوں جس مضمون کا آپ نے تذکرہ کیا ہے، اس کو دیکھ لوں، تو کچھ عرض کرسکوں گا۔ عبدالرؤف عفی عنہٗ

(زمزم۔لاہور: ۲۳؍نومبر ۱۹۴۵ء)

قاید اعظم سچے شیعہ ہیں، راجہ صاحب محمود آباد:

۲۵؍نومبر ۱۹۴۵ء کو بمقام امام باڑہ روڈ مسجد بمبئی راجہ صاحب محمود آباد نے شیعوں کے جلسہ میں جو قاید اعظم کے الیکشن کے سلسلے میں بلایا گیا تھا، فرمایا کہ ہمارے قاید اعظم ہم لوگوں کی خوش قسمتی سے سچے شیعہ ہیں، تاریخ اسلام بدل رہی ہے، اور ہندوستان کے تمام

سنی آج ایک جانشین امام علیہ السلام کے فہم وفراست کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں اور اس کے حکم پر سر کٹانے کو تیار ہیں، اگر پہلے لوگوں میں یہ سمجھ ہوتی تو یہ اختلاف کا دروازہ کھلتا، نہ اعلاء کلمۃ الحق کے لیے شیعہ وجود میں آتے، قاید اعظم کی مخالفت کرنا اپنی تاریخ کو جھٹلانے کے مرادف ہے۔

احمد اللہ کمال خال چال امام باڑہ روڈ بمبئی نمبر ۳ (زمزم۔لاہور: ۲۵ دسمبر ۱۹۴۵ء)

پاکستانی امام:

۳۰ر نومبر ۱۹۴۵ء: بمقام پورینی ضلع بھاگل پور میں بقرعید کے لیے چند لیگیوں نے اپنے لیڈر عبدالواسع صاحب کو جو انگریزی بال کے ساتھ داڑھی بھی منڈاتے تھے، امامت کے لیے آگے بڑھایا، باوجودیکہ متشرع علما وقت پر موجود تھے، آگے بڑھنا تھا کہ مقتدیوں میں ایک ہیجان طاری ہوگیا، اور منع کرنے پر ان لوگوں نے یہ کہا کہ یہ ہمارے سیاسی لیڈر ہیں، لہٰذا مذہبی لیڈر بھی ان ہی کو ہم تسلیم کرتے ہیں، اور یہی نماز پڑھادیں گے اس پر سب لوگ واپس چلے آئے، اور چند لیگیوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھی۔

(زمزم۔لاہور: ۳۰ر نومبر ۱۹۴۵ء)

حضرت حکیم الامت تھانوی پر بہتان:

۳۰ر نومبر ۱۹۴۵: اس الیکشن کے دور پرفتن میں طرح طرح کے بہتان حضرات علمائے کرام پر باندھے جارہے ہیں، منجملہ ان کے ایک بہتان حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ پر لگایا جارہا ہے، وہ بہتان یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، اور حضور پاک کے ساتھ محمد علی جناح کو بھی دیکھا، لیگی حضرات اس بہتان کو اپنی تحریروں میں بڑے فخر سے بیان کرتے پھرتے ہیں اور اخبار ''انقلاب'' (لاہور) میں بھی یہ بہتان شایع کیا گیا، چاہیے تو یہ تھا اس بہتان کی تردید تھانہ بھون سے شایع ہوتی، مگر ان تمام پر ایک سکوت کا عالم طاری ہے۔ اگر کانگریس کے خلاف کوئی مضمون شایع کرنا ہو تو درجنوں کے درجن فتویٰ شایع کیے جاتے ہیں۔

ا۔ اس فقیر نے اس خواب (بہتان) کے متعلق حضرت مولانا خیر محمد صاحب (مہتمم

مدرسہ عربی خیر المدارس جالندھر شہر) اور صوفی کامل حضرت مولانا عبد الجبار صاحب ابوہری (مبلغ دار العلوم دیوبند) سے دریافت کیا یہ دونوں حضرات حکیم الامت تھانویؒ بڑے خلفا میں سے ہیں، حضرت مولانا عبدالجبار صاحب نے فرمایا کہ میں نے اس خواب کے متعلق حضرت تھانویؒ سے ان کی حیات مبارک ہی میں سوال کیا تھا، حضرت مرحوم سنتے ہی لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھنے لگے، مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نے بھی اس خواب کی تردید کی۔

۲۔ دوسرا بہتان لیگی اخبار کرتے ہیں کہ مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی کے ساتھ خلیفہ حضرت حکیم الامت لکھتے ہیں، حال آں کہ حضرت تھانویؒ نے اپنی حیات ہی میں ان سے ان کی بعض حرکات کی بنا پر خلاف چھین لی تھی، تتمہ اشرف السوانح میں خلفا کے نام شایع کیے گئے ہیں، اور ان کے اوپر ایک نوٹ بھی تحریر کیا گیا ہے، ان شایع کردہ خلفا کے علاوہ جو کوئی بھی خلافت کا دعویٰ کرے غلط ہے۔ آپ حضرات تتمہ اشرف السوانح کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں حال ہی میں مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نے ایک بنگال کے آدمی کے نام خط تحریر کیا ہے جس میں تحریر فرماتے ہیں، کہ مولوی ظفر احمد صاحب سے حضرت حکیم الامت نے خلافت چھین لی تھی، جو لوگ علماے کرام پر بہتان باندھتے ہیں، خدا وند کریم ان کو ہدایت فرمائیں۔

(طفیل احمد جالندھری)

(زمزم۔ لاہور: ۳۰ر نومبر ۱۹۴۵ء)

حضرت تھانوی کے خواب کی حقیقت:

۳۰ر نومبر ۱۹۴۵ء: الیکشن کے دنوں میں مولانا ظفر احمد تھانوی نے اپنی تقریروں میں مولانا اشرف علی تھانوی سے منسوب ایک خواب کو بارہا بیان کیا، اس کا ذکر لیگی اخبارات میں بھی آ گیا، لیکن جھوٹ آخر جھوٹ ہوتا ہے، وہ ظاہر ہو گیا، زمزم، لاہور کے حوالے سے مرزا جاں باز نے کاروان احرار جلد ۶ ص ۳۸۰۔۸۱) لکھا ہے:

> ''حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے خواب میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور ان کے ساتھ قاید اعظم محمد علی جناح بھی

کھڑے تھے''

اس خواب کے چرچے لیگی حضرات ہر جگہ جلسوں میں کرنے لگے، یہاں تک کہ لیگی اخبارات نے بھی اسے شائع کر دیا، اس پر جالندھر کے ایک شخص محمد طفیل نامی نے حضرت تھانوی مدظلہ تعالیٰ کو تھانہ بھون خط لکھا کہ آیا اس خواب کی کوئی حقیقت ہے، اس خط کا جواب تو نہ آیا، البتہ مولانا عبدالجبار ابو ہری اور مولانا خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس جالندھر (یہ دونوں حضرت تھانوی مدظلہ العالیٰ کے بڑے خلفا سے ہیں، نے کہا کہ

''ہم نے حضرت تھانوی مدظلہ العالی سے جب اس خواب کی حقیقت دریافت کی تو حضرت نے سنتے ہی لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے لگے''۔

حضرت ابو ہری نے اس بات کی تردید کی کہ مولانا ظفر احمد تھانوی حضرت حکیم الامت کے خلیفہ ہیں، حضرت نے ان کی کسی حرکت پر ان سے یہ منصب چھین لیا تھا۔

(سہ روزہ زمزم۔ لاہور: ۳۰ر نومبر ۱۹۴۵ء)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ۱۵ر رجب ۱۳۶۲ھ (۱۸ر اگست ۱۹۴۳ء) گویا یہ خواب دیکھنے سے تقریباً سوا دو برس پہلے انتقال فرما چکے تھے، خانقاہ اشرفیہ کا سارا کارخانہ درہم برہم ہو چکا تھا، البتہ جب حضرت کے خلفا سے رجوع کیا گیا تو اس کا بطلان ظاہر ہو گیا۔

حضرت شیخ الاسلام کی تقریر، امروہہ میں مسلم پارلیمنٹری بورڈ کا جلسہ، مولانا حسین احمد کا شاندار جلوس:

امروہہ (ڈاک سے) حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی یہاں تشریف لائے، ہزارہا ہندو و مسلمان مولانا کے استقبال کے لیے اسٹیشن پر موجود تھے چناں چہ بعد نماز مغرب مسجد ریلوے اسٹیشن سے مولانا کا ایک نہایت شان دار جلوس نکالا گیا۔

بعد نماز عشا زیر صدارت چوہدری اظہار الحق صاحب مونسپل کمشنر ایک عظیم الشان جلسہ جس میں حاضرین کی تعداد دس ہزار تھی ٹاؤن ہال امروہہ میں منعقد ہوا جس میں تلاوت کلام پاک کے بعد حضرت مولانا نے ایک پر مغز اور جامع تقریر فرمائی اور بتایا کہ

''گورنمنٹ برطانیہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے سے لے کر اب تک کس کس بیدردی سے ہندوستان کو لوٹا اور تباہ کیا ہے، نیز بتایا کہ لیگ کے پاکستان ریزولیوشن سے کئی سال قبل ۱۹۲۱ء میں ہندوستان کو ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان'' میں تقسیم کرانے کی ضرورت کا اعلان حکومت برطانیہ اور اس کے عمال ہندوستان میں اپنی تجارت اور لوٹ کھسوٹ جاری رکھنے کے لیے کر چکے ہیں اور آج حکومت برطانیہ اپنی اسی ضرورت کے پیش نظر اپنے ازلی طرف داروں سروں خان/ بہادروں کی جماعت لیگ کی زبان سے پاکستان کا نعرہ لگوا کر اپنی بوٹ کھسوٹ اور امپیریل ازم کی جڑوں کو ہندوستان میں مضبوط کرا رہی ہے اور اس طرح مسلمانوں کو دھوکا دے کر گمراہ کیا جا رہا ہے۔ مسلمانوں سے مخاطب ہو کر مولانا نے فرمایا کہ مسلمانوں کو ہرگز پاکستان کے دھوکے میں نہیں آنا چاہیے''۔ (نامہ نگار)

(زمزم۔ لاہور: ۳۰/نومبر ۱۹۴۵ء)

الیکشن فنڈ کے امدادی ٹکٹ:

مسلم پارلیمنٹری بورڈ نوابوں، راجاؤں اور جاگیرداروں اور بڑے بڑے سرمایہ داروں نے نہیں بنایا ہے، بلکہ غریب مسلمانوں کی تمام جماعتوں نے مل کر اس لیے بنایا ہے، کہ اس ان دولت مندوں کو اپنے حقوق پر قبضہ نہ کرنے دیں، اور مسلمانوں کے فایدہ اور ان کے اسلامی وسیاسی حقوق کی حفاظت کے لیے اسمبلیوں میں بھروسے کے لوگوں کو منتخب کر کے بھیجیں لیکن دولت مندوں اور سرکاری خطاب یافتہ لوگوں کی جماعت مسلم لیگ کے مسلمانوں کے اس ارادہ کو شکست دینے اور ان کے حقوق پر بدستور قابض رہنے کے لیے لاکھوں نہیں کروڑوں روپے نامعلوم ذریعوں سے حاصل کر لیے ہیں، سب جانتے ہیں کہ ان نوابوں، راجاؤں اور سروں وسرمایہ داروں کو الیکشن میں شکست دینے کے لیے کافی سرمایہ ضروری ہے اس لیے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ کی اپیل کے مطابق مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ مسلم بورڈ کے جاری کیے ہوئے آٹھ آنے دیکر روپے، دو روپے، یا ناچ روپے دس روپے، سو روپے، پانچ سو روپے، ایک ہزار روپے کے امدادی ٹکٹوں میں سے حسب استطاعت زیادہ سے زیادہ ٹکٹ حاصل کر کے ''مسلم پارلیمنٹری بورڈ کو اس قابل بنا دیں کہ وہ نوابوں راجاؤں کے منصوبوں کو شکست دے کر حق تعالیٰ کے فضل

سے اپنی کوششوں کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھ سکے۔ (عبدالوحید جوائنٹ سیکرٹری)

(زمزم۔لاہور: ۳۰ر نومبر ۱۹۴۵ء)

مسٹر جناح کی تشریح پاکستان پر مختصر تبصرہ:

ازمولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیت علماے ہند

''منشور'' مورخہ ۱۱ر نومبر میں مسٹر جناح کے وہ ارشادات شایع ہوئے ہیں جو آپ نے ایسوسی ایٹیڈ پریس آف امریکہ کے نمایندے کے سوالات کے جواب میں صادر فرمائے کہ:

''پاکستان ایک جمہوری حکومت ہوگی''۔ (کالم ۲ صفحہ ۳ منشور) پھر ارشاد فرماتے ہیں: ''پاکستان کے متعلق میرا گمان نہیں کہ وہ ایک پارٹی کی حکومت ہوگی بلکہ میں ایک پارٹی کی حکومت کے قانون کی مخالفت کروں گا'' انھیں یہ محسوس کرادینا چاہیے کہ حکومت میں ان کا بھی ہاتھ ہے اور اس کے لیے انھیں حکومت میں مناسب نمایندگی دی جانی چاہیے'' اس تمام تشریح کے باوجود مسٹر جناح صاحب کا ارشاد ہے ''یہ حکومت مسلمانوں کی ہوگی''۔

کیا اسلامی حکومت زمانہ حاضر کی جمہوری حکومتوں کی تعریف میں آسکتی ہے، جب مذہبی نقطہ نگاہ سے حکومت قایم ہو اور ہندو مسلم ملک کی پارٹیاں تسلیم ہوں تو کیا اسلامی حکومت پارٹی کی حکومت نہ ہوگی۔

حضرات علما توجہ فرمائیں جمہوری حکومت کے متعلق تھانہ بھون کے علماے کرام کے جو بیانات شایع ہوئے ہیں ان پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔

(زمزم۔لاہور: ۳۰، نومبر ۱۹۴۵ء)

سیاسی فتنہ:

نومبر ۱۹۴۵ء: مولانا دین محمد وفاتی نے اپنے ماہنامہ توحید کراچی کے نومبر ۱۹۴۵ء کے شمارے میں ''سیاسی فتنہ'' کے عنوان سے ایک اداریہ شایع کیا ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں مسلم لیگ کی شکل میں جو سیاسی فتنہ پیدا ہوگیا ہے، اس سے صاف اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس خوف ناک فتنے کا اثر راست مسلمانوں کی مذہبی اور اخلاقی زندگی

تک پہنچنے لگا ہے، انگریزی تعلیم یافتہ جماعت کی اکثریت اور اکثر عافیت پسند اور انگریز پرست مسلمان امراء لیگ کے پیچھے ہیں اور علمائے کرام کا آزادی پسند طبقہ جو جمعیت علماے ہند کے جھنڈے تلے ملک وقوم کی خدمات انجام دے رہا ہے اور اسلام اور ملت اسلامیہ کی سربلندی کے لیے قربانیاں دے رہا ہے، لیگ کے لیڈر انھیں میدان سیاست سے ہٹانے کی پوری کوشش کررہے ہیں، مسلم لیگ کے قاید اعظم مسٹر محمد علی جناح نے ۱۹۴۳ء میں کلکتہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''میں نے علما کے وقار اور ان کے اثر کو ختم کر دیا ہے'' یہی سبب ہے کہ آج مولانا حسین احمد مدنی جیسی بڑی شان کے عالم، صوفی اور برگزیدہ شخصیت کی ریش مبارک میں لیگی دیوانے غنڈے شراب ڈالنے کی حرکت شنیعہ کرتے ہیں، ان کے مقدس سر سے ٹوپی اتار کر پیروں تلے مسلتے ہیں، اسی طرح علی گڑھ کے اسٹیشن پر مولانا ابو الکلام آزاد کے سامنے علی گڑھ کے طلبہ نے نہایت بے شرمی اور بے حیائی کا مظاہرہ کیا، کراچی میں علامہ عنایت اللہ مشرقی کے آگے ننگا ناچ ناچے، حتی کہ نماز پڑھنے اور اذان دینے میں رکاوٹیں ڈالی گئیں۔

یہ تمام واقعات وہی ظاہر ہو رہے ہیں جن کا انھیں سبق دیا گیا تھا یا جو ان رہ نماؤں کی زندگی کے واقعات ہیں۔ شراب خوری، زنا کاری اور غیر اسلامی اعمال ان کی زندگی کا حصہ ہیں، مسلمان نوجوانوں کو ان اعمال سے شہ ملتی ہے اور اسی قدر اسلام کے اصول و احکام اور اسلامی اخلاق و تعلیمات کو ٹھیس لگتی ہے۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ جہاں کوئی عالم حق وفات پاتا ہے، وہاں علم دین و حق بھی ختم ہو جاتا ہے، یعنی علم وحق اور اخلاق وشرافت اور سعادات الٰہیہ کی بقا و فروغ کا تعلق علماے دین وحق کی حیات اور عزت و وقار سے تعلق رکھتا ہے، مسٹر جناح اور ان کے لیگی پیرو کار علماے دین کو بے عزت اور ختم کرنے کا جو ارادہ کر چکے ہیں، تو اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ وہ خود ہندوستان سے اسلام کا خاتمہ کر دینا چاہتے ہیں، حقیقت میں یہ ایک بڑا اساسی فتنہ ہے، اسلام اور مسلمانوں پر پہلے بھی مصیبتیں اور ابتلائیں آئی ہیں لیکن اسلام کو فنا کرنے کی اس وقت جو مصیبت لیگی رہ نماؤں اور ان نام نہاد ذہنی خوابوں کے ہاتھوں اسلام اور مسلمانوں پر گزر رہی ہے، وہ بہت خوف ناک اور بھیانک ہے، اگر اس کا پوری قوت اور ہمت سے مقابلہ نہ کیا گیا تو اسلام کا نام باقی نہ رہے گا''۔

کھلی چٹھی بنام مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی:

۳ر دسمبر ۱۹۴۵ء: محترمی سلام مسنون! گذارش ہے کہ امور مندرجۂ ذیل کو حل فرما دیں، ورنہ عوام راز درون پردہ کو کہیں سے کہیں پہنچا دیں گے۔

۱۔ نوابوں، تعلقہ داروں، سروں، خانصاحبوں، ملحدوں، دہریوں کے ساتھ کاروں اور سیکنڈ کلاس ڈبوں میں سفر کرنا، اور سرمایہ داروں لا مذہبوں کی قیادت عظمیٰ میں تنظیم مسلم کے خوابہائے پریشان دیکھنا کہیں ضلوا واضلوا کا تو مصداق نہیں۔

۲۔ جو قاید نظام شرعی کو غیر مکمل، ناقص، ضروریات زمانہ کے لیے ناکافی سمجھتا ہو، جو جماعت شریعت بل کی مخالفت کرتی ہو، قانون برطانیہ قانون شریف پر مقدم سمجھتی ہو جس جماعت کے افراد اکثر ملحد، دہریے، فاسق معلن ہوں، وہ جماعت پاکستان میں نظام شرعی کیسے قایم کرے گی (حال آں کہ نظام نامہ ص ۳۷ میں پاکستان اور اسلامی حکومت کو مترادف بیان فرمایا ہے)۔

۳۔ آپ نظام نامہ ص ۳۲ میں کمیونزم کو اسلام کے منافی اور مخالف سمجھتے ہیں، لیکن مسلم لیگ جس میں کمیونسٹ داخل ہو چکے ہیں، اور ان کے دخول کو کلید کامیابی سمجھا رہا ہے، آپ اس کی حمایت کرتے ہیں کیا یہ کر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون کے مصداق نہیں۔

۴۔ آپ نظام نامہ ۳۷ میں منہاج سنت کو ضروری سمجھتے ہیں، لیکن ساتھ ساتھ ایسی مسلم لیگ کی تائید و حمایت کرتے ہیں جس میں منکر نبوت قادیانی شریک ہیں، صرف شریک ہی نہیں بلکہ روح رواں ہیں، کیا یہ تعریف دین کے مترادف نہیں۔

۵۔ آپ اعلاءِ کلمۃ الحق کو ضروری فرماتے ہیں، لیکن شیعوں کی تائید فرما کر (جو کہ تحریف قرآن کے قایل ہیں) اور ان کی اعانت فرما کر اہانت قرآن کے مرتکب نہیں ہوئے۔

۶۔ جب کہ آپ کا نام خلفا کی فہرست سے خارج کر دیا گیا تھا۔ (دیکھو اشرف السوانح) تو پھر خلیفہ حکیم الامت کہنا شرم ناک بد دیانتی نہیں تو اور کیا ہے؟

امید ہے کہ ان چیستانوں کو حل فرما کر عوام کو ان سیاسی گورکنوں سے نجات دیں گے۔

خادم ذوالنون سہارن پوری، محلّہ مفتی
(زمزم۔لاہور: ۳ر دسمبر ۱۹۴۵ء)

آزاد ہند فوج کی کپتانوں کی خودکشی:

۵ر دسمبر ۱۹۴۵ء: دہلی، ۲۹ر نومبر، آج یہ اہم خبر معلوم ہوئی ہے کہ لال قلعہ میں آزاد ہند فوج کے تین کپتانوں سردار اجمیر سنگھ، سردار جیون سنگ اور سردار مگر سنگھ نے انتظامیہ کی بدسلوکی سے تنگ آکر خودکشی کر لی ہے۔ چوتھے افسر احسان قادر کا جو سر عبدالقادر سابق جج لاہور ہائی کوٹ و ممبر انڈیا کونسل کے صاحبزادے ہیں، دماغ خراب ہوگیا ہے اور انھیں دماغی علاج کے لیے ہسپتال بھیجا گیا ہے۔ (مدینہ، بجنور: ۵ر دسمبر ۱۹۴۵ء)

۵ر دسمبر ۱۹۴۵ء و ۲۹ر ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ: جمعیت علماے اسلام (کلکتہ) کے قیام کے حوالے سے صوبے دار میجر سردار محمد خاں (ضلع گوڑگانوہ) نے حضرت مفتی صاحب سے چند استفسار فرمائے تھے جو حضرت کے جواب سے ظاہر ہیں، مفتی صاحب نے انھیں جواب میں تحریر فرمایا:

۱۔ جمعیت علماے ہند جس کے صدر حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی ہیں اصل جمعیت علما ہے اور وہ ہندوستان کی آزادی کے لیے مدت سے جدوجہد کر رہی ہے اس کے افعال تمام ہندوستان کے لوگوں کے پیش نظر ہیں۔ میں بھی اس کا ایک خادم ہوں۔ جمعیت علماے اسلام جو کلکتہ میں منعقد ہوئی ہے وہ غیر علما کی کوشش سے جمعیت علماے ہند کے خلاف اور مقابلے پر بنائی گئی ہے، اس کا مقصد لیگ کو تقویت پہنچانا اور جمعیت علماے ہند کی آواز کو کمزور کرنا ہے مسلمانوں کو دھوکا دے کر انگریزوں کی مدد کرانا ہے۔

۲۔ جمعیت علماے ہند (دہلی) کی متابعت اور اس کے کام کو مضبوط کرنا اور اس میں شریک ہونا چاہیے۔

۳۔ مسلمانوں کو اپنے مذہبی مفاد کی خاطر کام کرنا چاہیے، کسی کافر کی امداد کے لیے نہیں مگر ہندوستان کی سیاست اس قسم کی ہوگئی ہے کہ جب تک مسلم اور غیر مسلم مل کر کام نہ کریں اس کا حل مشکل ہے صرف مسلم جماعت انگریزوں کو نہیں ہٹا سکتی، اور صرف غیر مسلم جماعت بھی ان کو بے دخل نہیں کر سکتی، مسلم و غیر مسلم مل کر ہی ان کو مجبور کریں تو امید بندھتی

ہے کہ کامیاب ہوں اور انگریزوں کی قوت کم ہونے میں مسلم جماعتوں اور درمیانی مسلم حکومتوں کا بڑا فائدہ ہے، اس لیے مسلمانوں کو وہ راستہ اختیار کرنا چاہیے جو آزادی کی طرف لے جاتا ہو، اس میں ہندوؤں کا کوئی دباؤ اور ان کی کوئی خیر خواہی نہیں ہے۔ مسلم مفاد اور اس کا جلد حاصل ہونا پیش نظر ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ شَهِيْدٌ

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(کفایت المفتی (جلد نہم): کتاب السیاسیات)

مسلم لیگ کی رعونت پسندی:

۷/دسمبر ۱۹۴۵ء: مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری نواب زادہ لیاقت علی خان نے سید علی ظہیر صاحب پریذیڈنٹ آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل کانفرنس کے اس خط کا جواب نہ دے کر جو موصوف نے مسلم لیگ سے منجانب شیعاتی ہند شرائط تعاون وغیرہ طے کرنے کے سلسلے میں لکھا تھا یہ بات ثابت کردی ہے کہ مسلم لیگ شیعوں کے حقوق کو نظر انداز کر کے انہیں کچلنے پر کمر بستہ ہو چکی ہے مسلم لیگ نے ہمارے دست تعاون کو ٹھکرا کر ہمارے وقار کو سخت صدمہ پہنچایا ہے، اس کے اس مذموم رویے کے بعد اس کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا کہ مسلم لیگ جیسی جماعت سے کسی بھی آزادی پسند جماعت کا سمجھوتا ہو سکے، چناں چہ سید علی ظہیر صاحب اور سید کلب عباس صاحب نے بیانات جاری کیے ہیں کہ تمام شیعہ مسلم لیگ کے خلاف ووٹ دیں جو جماعت ہمارے حقوق کو اس طرح ٹھکرا دے اس کی موافقت میں ووٹ دینے کے یہ معنی ہوں گے، ہم اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں پر کلہاڑا مار رہے ہیں۔ چناں چہ اب ہر شیعہ کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ مسلم لیگ کے خلاف ووٹ دے کر اس کے اس مذموم اور ہتک آمیز رویہ کے خلاف عملی احتجاج کرے، میں شیعہ ووٹروں سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ سید علی ظہیر صاحب اور سید کلب عباس صاحب کے بیانات پر عمل کر کے یہ ظاہر کردیں کہ شیعہ اپنے حقوق کے لیے جان گنوا دیں گے، اور جو ان کے حقوق کو کچلنا چاہے گا کمر بستہ ہو کر اس کا مقابلہ کریں گے۔ اکبر علی نقوی سیکرٹری شیعہ پولیٹیکل کانفرنس

(زمزم۔ لاہور: ۷/دسمبر ۱۹۴۵ء)

مولانا ابوالکلام کے متعلق نظمیں اور مضامین:

مولانا ابوالکلام صاحب آزاد قبلہ کے متعلق مضامین نظم ونثر کو کتابی صورت میں مرتب کیا جا رہا ہے۔ بہت سی منظومات اور مضامین موصول ہو چکے ہیں، لہٰذا شعرا اور اہل قلم حضرات سے التماس ہے کہ وہ مولانائے موصوف کے متعلق اپنے جملہ مضامین نظم ونثر مطبوعہ اور غیر مطبوعہ جلد از جلد ذیل کے پتے پر ارسال فرما دیں، تا کہ شریک اشاعت ہو سکیں۔

پتہ، حکیم کلچیں صاحب کرنال، پنجاب

(زمزم۔ لاہور: ۷ر دسمبر ۱۹۴۵ء)

جمعیت علمائے اسلام کا قیام اور حکومت کی امداد:

۷ر دسمبر ۱۹۴۵ء: کاروان احرار کے مولف مرزا جان باز نے مولوی محمد طاہر قاسمی کی ''مکالمۃ الصدرین'' کی اشاعت پر ایک نوٹ لکھا ہے، ہم یہاں یہ نوٹ شامل کر رہے ہیں، مولانا جان باز لکھتے ہیں:

''۷ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو دیو بند میں مولانا شبیر احمد کے مکان پر مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مولانا حفظ الرحمٰن سہاروی، مولانا عبدالحنان، مولانا عبد الحلیم صدیقی تبادلۂ خیالات کے لیے جمع ہوئے، فریقین کے درمیان باہمی اختلاف پر تقریباً تین گھنٹے گفتگو رہی، اس روئداد کو مسلم لیگ کے خاص کارکن طاہر (قاسمی) نامی ایک شخص نے ''مکالمۃ الصدرین'' کے عنوان سے شائع کر دیا۔

حال آں کہ یہ گفتگو بند کمرے میں تھی اور متعلقہ شخص اس کمرے میں (گفتگو کے وقت موجود) نہیں تھا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اور مہمانوں کے سوا کسی کو اس بیٹھک میں آنے کی اجازت نہیں تھی اور نہ اس دور میں ٹیپ ریکارڈر موجود تھا، اس پر ''مکالمۃ الصدرین'' کے مرتب کا دعویٰ ہے:

> ''حضرت علامہ عثمانی اور وفد جمعیت علما کے درمیان گفت وشنید کو احقر نے قلم بند کیا اور جہاں وضاحت کی ضرورت سمجھی وہاں قوسین میں عبارت کا اضافہ کر دیا، تا کہ مکالمہ کی اصل عبارت میں امتیاز رہے، احقر نے مزید

احتیاط یہ کی کہ حضرت علامہ عثمانی کو یہ تمام مکالمہ قلم بند کر کے حرفاً حرفاً دکھا دیا اور حضرت ممدوح نے جہاں جہاں ترمیم یا اضافہ کی ضرورت سمجھی وہ کر دی''۔

گویا کہ ''مکالمۃ الصدرین'' درست ہے اور علامہ شبیر احمد عثمانی کا مصدقہ ہے۔ اب سنیے راقم کے سوال کا جواب۔

اگر مولانا مدنی بقول لیگی حضرات کے کانگریس کا پرچار کانگریس کے ایما اور ان کے خرچ پر کرتے ہیں، تو مولانا ظفر احمد تھانوی جو چار ماہ تک مسلم لیگ کے لیے ہندوستان بھر کا دورہ کرتے رہے ہیں، ان کے خرچ اور زادِ راہ کا ذمہ دار کون ہے؟ مکالمۃ الصدرین کے ص ۷ پر پمفلٹ ہذا کے مصنف طاہر صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے سامنے حسب ذیل تقریر فرمائی'' خلاصہ یہ تھا:

کلکتہ میں جمعیت علمائے اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایما سے قایم ہوئی ہے، مولانا آزاد سبحانی جمعیت علمائے اسلام کے سلسلے میں دہلی آئے اور حکیم دلبر حسن کے ہاں قیام کیا جن کی نسبت عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ سرکاری آدمی ہیں۔ مولانا آزاد سبحانی صاحب اسی قیام کے دوران پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک مسلمان اعلیٰ عہدے دار سے ملے، جن کا نام بھی قدرِ شبہ کے ساتھ بتایا گیا اور مولانا آزاد سبحانی نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ہم جمعیت علمائے ہند کے اقتدار کو توڑنے کے لیے ایک علما کی جمعیت قایم کرنا چاہتے ہیں۔ گفتگو کے بعد یہ طے ہوا کہ گورنمنٹ ان کو کافی امداد اس مقصد کے لیے دے گی، چناں چہ ایک بیش قدر رقم اس کے لیے منظور کر لی گئی اور اس کی ایک قسط مولانا آزاد سبحانی کے حوالے بھی کر دی گئی، اس روپے سے کلکتہ میں کام شروع کیا گیا''

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ یہ اس قدر یقینی روایت ہے کہ اگر آپ اطمینان فرمانا چاہیں تو ہم اطمینان کرا سکتے ہیں'' (مکالمۃ الصدرین: بانتظام احقر محمد ذکی دیوبندی دارالاشاعت دیوبند، ضلع سہارن پور/ص ۷)

مندرجہ بالا تحریر کے بعد سر محمد یامین کی ایک تحریر ملاحظہ ہو۔

''میرٹھ کمشنری میں دیوبند کے دو عالم لیگ کے ساتھ ہیں، ایک مولانا شبیر احمد عثمانی

اور دوسرے مولانا محمد طاہر جو مولانا محمد طیب کے بھائی ہیں، جو مولانا حسین احمد مدنی کے بعد دیو بند کے مدرسے میں درجہ رکھتے ہیں، ان کے علاوہ کانگریسی صوبوں کے مقابلے کے لیے مسلم لیگ نے بھی کئی مولوی ملازم رکھ لیے ہیں، جن کو تنخواہ، سفر خرچ اور قیام کے لیے روزینہ ملتا ہے۔ (نامہ اعمال: حصہ دوم ۱۰۴۶)

مولانا حسین احمد مدنی ایک خط میں لکھتے ہیں:

مولانا شبیر احمد عثانی اور ان کے ہم خیال مدرسین و ملازمین اب ڈھابیل ضلع سورت کو ۱۶۔ ۱۸ ربیع الاول کو چلے گئے ہیں، نواب چھتاری نے ان کو دو سو روپے ماہوار نہیں دیا، بلکہ کئی سال ہوئے حیدر آباد سے وہاں کے وزیر اعلیٰ، جن کے جانشین چھتاری صاحب ہوئے، انھوں نے دو سو روپے ماہوار پولیٹیکل ایجنٹ سے مقرر کرائے تھے، وہ ان کو برابر ملتے رہے"۔ ("مکتوبات شیخ الاسلام": جلد اول ص ۲۳۲)

مندرجہ بالا حوالوں کے بعد شبہ کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہ جاتی کہ جمعیت علمائے ہند کے مقابلے میں جمعیت علمائے اسلام کا قیام کیوں اور کس طرح ہوا اور ان کو زادراہ کن ذرایع سے میسر آتا رہا۔ (جانباز مرزا)

کانگریس ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ:

۷ر دسمبر ۱۹۴۵ء: کلکتہ ۷ دسمبر، کانگریس ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ آج دو بجے بعد دوپہر صدر کانگریس مولانا ابوالکلام آزاد کے مکان پر شروع ہوئی خلاف توقع گاندھی جی بھی میٹنگ میں شریک ہوئے۔

کانگریس پریذیڈنٹ نے ورکنگ کمیٹی کی گزشتہ میٹنگ سے لے کر اس وقت تک کے سیاسی حالات پر تبصرہ کیا اور اس کے بعد عام بحث شروع ہوئی، کمیٹی کا اجلاس ½۵ بجے ملتوی ہوا تاکہ مولانا ابوالکلام آزاد، سردار ولبھ بھائی پٹیل اور پنڈت نہرو گورنر بنگال سے ملنے کے لیے گورنمنٹ ہاؤس میں جاسکیں۔

۶ بجے یہ کانگریسی لیڈر گورنمنٹ ہاؤس میں پہنچے، گورنر کے پرائیویٹ سیکرٹری نے ان کا خیر مقدم کیا اور انھیں گورنر کے کمرے میں لے گئے اور لیڈروں اور گورنر کے درمیان

بات چیت شروع ہوگئی۔ لوگ بھاری تعداد میں گورنمنٹ ہاؤس کے شمالی دروازے پر جمع ہوگئے، جب انھوں نے کانگریسی جھنڈے والی موٹر کو دیکھا تو بندے ماترم کے نعرے بلند کیے۔
(زمزم۔لاہور: ۱۱ردسمبر ۱۹۴۵ء)

صدر مسلم لیگ کا بیان:

۸ردسمبر ۱۹۴۵ء: بمبئی، آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جینا نے آج ہندوستان پر پارلیمنٹ کے حالیہ اعلان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ''لیبر حکومت ہندوستان کے دستوری مسئلے کے اصل نکتہ سے ابھی تک لاعلم ہے، اور ایمپائر پارلیمنٹری ایسوسی ایشن کے زیراہتمام پارلیمانی وفد بھیج کر ایک پیچیدہ راہ سے روشنی تلاش کررہی ہے، قائداعظم کا مشورہ ہے کہ برطانوی حکومت قطعی طور پر تقسیم ہندوستان یعنی پاکستان اور ہندوستان کے قیام پر اپنا دماغ صرف کرے جس کا مطلب ہندو اور مسلمان دونوں کی آزادی ہو۔
(زمزم۔لاہور: ۱۱ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر:

۸ردسمبر ۱۹۴۵ء: ۸، ۹ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو لاہور میں پنجاب پراونشل احرار کانفرنس کا صوبائی انتخابی اجلاس شیخ حسام الدین صدر آل انڈیا احرار کی صدارت میں بیرون دہلی دروازہ منعقد ہوا، جس کے آخری اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے احرار رہنما مولانا سید عطا اللہ شاہ بخاری نے کہا:

مولانا سید عطا اللہ شاہ بخاری نے رات ۹ بجے سے صبح ۴½ بجے تک اجلاس سے خطاب اور ملک کے پولیٹکل مسایل کے متعلق مجلسِ احرار کے نقطۂ نگاہ کی وضاحت کی اور پاکستان کے متعلق احرار کی پوزیشن واضح کرتے ہوئے کہا کہ:

''نعرۂ پاکستان مسلم لیگ کا انتخابی اسٹنٹ ہے، جو محض انتخاب جیتنے کے لیے سرمایہ داروں، سروں، خان بہادروں وغیر ملکی حکومت کے پٹھوؤں نے، جن کو دراصل اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں، سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایجاد کیا ہے''۔

تقریر جاری رکھتے ہوئے سید عطاءاللہ شاہ بخاری نے کہا:

''کہ میں آج اس اسٹیج سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہندوستان میں نہ پاکستان بن سکتا ہے، نہ حکومت الٰہیہ کا قیام عمل میں لایا جاسکتا ہے، جو پاکستان کے نام پر یا حکومت الٰہیہ کا نعرہ لگا کر مسلمانوں سے ووٹ کی بھیک مانگتا ہے وہ انہیں گمراہ کرتا ہے۔

آپ نے تقریر کے اوایل میں ان الزامات کا ذکر کیا جو پاکستان کے مخالف ان مسلمانوں پر جو مسلم لیگ میں شامل نہیں ہیں، مسلم لیگی لیڈروں، اخبارات اور پروپیگنڈا مشینری کی طرف سے لگائے جارہے ہیں، آپ نے بتایا کہ پچھلے دنوں جب میں کشمیر میں تھا، مجھ پر کھلے بندوں تہمت لگائی کہ عطاءاللہ شاہ بخاری ہندو کے ہاتھ بک چکا ہے، اسے کانگریس نے خرید لیا ہے، میرے محترم دوست میاں افتخار الدین نے جو کل تک کانگریسی تھے، کانگریس سے کٹ جانے کے بعد امرتسر میں جا کر میرے متعلق کہا کہ عطاءاللہ شاہ بخاری کو کانگریس سے روپے ملتا ہے، میں اس اسٹیج سے میاں صاحب کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ تو پنجاب صوبہ، کانگریس کے صدر رہے تھے، وہ خود ہی بتائیں کہ انھوں نے کانگریس سے مجھے کب اور کتنے روپے دلوائے۔

مولانا نے فرمایا کہ مجھے اس بات کا گلہ نہیں ہے کہ مجھ پر تہمت لگائی جارہی ہے، لیکن اس بات کا گلہ ضرور ہے کہ انتخابات کی گرما گرمی میں مسلمان قوم کا اخلاق بگاڑا جارہا ہے، اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والے طلبا کو اپنے بزرگوں، پیشواؤں اور علما کے سامنے ننگے ناچنے، ان کے بے حرمتی کرنے، ان کو قتل کرنے اور ان کی نورانی اور متبرک ڈاڑھیوں میں شراب کی بوتلیں انڈیلنے کی ترغیب دی جارہی ہے کاش! قوم کے یہ رہ نما سمجھیں کہ وہ مسلمان نوجوان کو کس طرف لے جارہے ہیں۔

مولانا نے کہا کہ ان آنکھوں نے اخبارات میں جب سری نگر میں ابوالکلام آزاد کے دریائی جلوس میں مسلم لیگیوں کی طرف سے جوتوں کی بارش کا حال پڑھا تو دل مسوس کر رہ گیا، مسلمانوں سوچو کہ تمہارے لیڈر تمہیں کس طرف لے جارہے ہیں؟ ان لوگوں نے تار دے دے کر مولانا ابوالکلام آزاد کو رہا کرایا، ورکنگ کمیٹی کے ممبران کی رہائی کا مطالبہ کیا، لیکن شملہ کانفرنس میں جب ان کی کانگریس سے نہ بن سکی تو سرسید کی اولاد جو علی گڑھ میں پل رہی تھی اور کل کی بننے والی مسلمان قوم نے علی گڑھ ریلوے اسٹیشن پر مولانا ابوالکلام آزاد

کی بے حرمتی کی، ان نوجوانوں میں ایسے برخوردار بھی تھے، جنھوں نے مولانا کے ڈبے میں داخل ہو کر اپنی پتلونیں اتار دیں اور اپنی شرم گاہوں کا مظاہر کیا۔

میں مسلمانوں کو پوچھتا ہوں کہ آخر یہ کیا تماشہ ہے کہ تم مولانا آزاد کا کافر کہتے ہو، لیکن یہ تو بتاؤ کہ وہ کافر کب سے بنا ہے، مکے میں پیدا ہونے والا، یکتائے روزگار عالم، قرآن کی تفسیر کرنے والا عالم دین، محدث اور ایک بلند پایہ مسلمان، جس کی ٹکر کا دوسرا عالم ہندوستان تو کیا ساری دنیا میں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے نہیں ملتا، تم اسے کافر کہہ کر اپنے آپ کو جہنمی بنا رہے ہو اور پھر یہ بدسلوکی، مولانا ابوالکلام آزاد تک ہی محدود نہیں، اس کی اہلیہ محترمہ جس کو ساری عمر بانقاب یا بے نقاب نہ دیکھا، اس کی موت کے بعد بے حرمتی اسی مسلمان قوم نے کلکتہ میں کی، مولانا جیل مین پڑے تھے، ان کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا، مسلم لیگی رضا کار لٹھ لے کر کھڑے ہو گئے اور مسلمانوں کو روکتے رہے کہ بیگم آزاد کے جنازے کی نماز میں شرکت نہ کرو، وہ کافرہ تھی مر گئی ہے، اسے جہنم رسید ہونے دو، میں مسلمانوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارا اسلام تمہیں یہی تعلیم دیتا ہے کہ یگانہ روزگار عالم کی دین دار پردہ دار اور اسلامی تمدن کے گہوارے میں پلی ہوئی عورت کے ساتھ اس کی موت کے بعد یہ سلوک کرو۔

یہاں پر ہی بس نہیں، عہد حاضرے کے جدید ہندوستانی مسلمان نے اپنے اخلاق کو یو پی کے ریلوے اسٹیشنوں، بازاروں، گلی کوچوں، سڑکوں اور میدانوں میں اس حد تک رسوا کیا کہ مولانا حسین احمد مدنی جیسے عالم دین کی بے حرمتی کرنے میں سر سید احمد کی اولاد یہاں تک چلی گئی کہ اس کی ٹوپی جلا دی گئی، اس کی نورانی داڑھی میں شراب کی بوتل انڈیل کر اپنے اخلاق کی انتہائی پستی کا ثبوت مہیا کیا، جانتے ہو علی گڑھ کے نوجوانوں اور بہار کے مسلمانوں نے یہ سلوک کس شخص سے کیا، اس مقدس اور متبرک ہستی سے جو آل رسول ہے، جو چودہ برس مدینۃ المنورہ کے سامنے بیٹھ کر ہزاروں تشنگانِ دین کو درس دیتا رہا، جس کے دریائے علم میں انہائے ہوئے آج ہزاروں محدث مدینہ منورہ سے لے کر ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں، یہ سلوک اس حسین احمد سے کیا گیا جو مدنی کہلاتا ہے، یہ سلوک اس عالم دین اور بزرگ قوم سے کیا گیا جس نے مسلم لیگ کو مضبوط بنانے کے لیے ۱۹۳۷ء کے انتخاب میں دن رات ایک کر دیا تھا، اب سننے والے ہی بتائیں کہ مولانا ابو

الکلام اور مولانا حسین احمد مدنی سے اس قسم کی بدسلوکی کرنے والے عہد حاضرہ کے ہندوستانی مسلمانوں کی طرف سے اگر میرے جیسے شخص پر جوان علما کی خاک پا بھی نہیں ہے، یہ الزام لگایا جائے کہ یہ کانگریس کے ہاتھ بک چکا ہے تو میں گلہ کیوں کروں، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا حبیب الرحمٰن اور دیگر علما سے بدسلوکی کرنے والوں کی ذہنیت پر میں صرف اس لیے روتا ہوں کہ مسلمان قوم کا کیا بنے گا۔

مسلمانو! میں جانتا ہوں کہ آج جذبات کی آندھی چلی رہی ہے، پاکستان کے نعرۂ مستانہ نے تم پر ایسی مستی طاری کر رکھی ہے کہ تم وعظ تو میرا سنو گے لیکن ووٹ پھر بھی مسلم لیگ کو دو گے، میرے متعلق کہا گیا ہے کہ میں ہندو کے ہاتھ بک گیا ہوں، مجھے اس بات کا افسوس نہیں کہ میری ذات پر تہمت لگائی گئی ہے، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ تہمت لگانے والے وہ لوگ ہیں جو دین سے بے خبر، اپنی عاقبت سے بے خبر، دوسروں کی عاقبت خراب کرنے والے علم دین کے مقدمے کو دس ہزار کی فیس اور فرسٹ کلاس کا کرایہ وصول کرنے والے، قادیانی خدا کے ساتھ سجدہ کرنے والے، اسلام کے سب سے بڑے دشمن کارل مارکس کے خوشہ چین کمیونسٹ بے دین خدا سے منکر، مسلمانو! جانتے ہو کارل مارکس کون تھا، یہ وہ دشمن اسلام تھا، جو یہودی النسل تھا، جس نے پہلے اسلام کو تباہ کرنے کی کوشش کی اور پھر جب اس طرح اسلام تباہ نہ ہوا تو اقتصادیات کا چکر چلا کر مسلمانوں کو بے دین کرنے کا نیا راستے اختیار کیا، اسی کارل مارکس کو گورو ماننے والے، قرآن کو بوسیدہ کتاب، ناقابل عمل تعلیم، گزرے زمانہ کی یادگار کہنے والے آج ہم لوگوں پر جو مسلمانوں کے ٹکڑوں پر پلتے ہیں اور جن کی روزی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے وابستہ ہے، یہ الزام لگاتے ہیں کہ ابو الکلام ہندو کے ہاتھ بک گیا، حسین احمد کو کانگریس نے خرید لیا، عطاء اللہ شاہ بخاری کو برلا کے خزانے سے روپے ملتا ہے، مجھے اپنی شرم نہیں ہے بلکہ مسلمانوں اور اس قوم کی ہے جو ہمیں دیتی ہے اور ہم کھاتے ہیں۔

مجھے اس بات کا دکھ نہیں کہ حسین احمد کی داڑھی میں شراب کی بوتل انڈیلی گئی، نہ اس بات کا گلہ ہے کہ بیگم آزاد کے جنازے کی نماز میں شرکت کرنے سے مسلمانوں کو روکا گیا، بلکہ اس بات کا دکھ ہے کہ آج مسلمان قوم کا جو چشم و چراغ مولانا حسین احمد کی داڑھی نوچنے کے لیے ہاتھ بڑھتا ہے، کل اپنے ابا سے ناراض ہو کر اس کی داڑھی پر بھی ہاتھ اٹھائے گا،

مولانا آزاد کے سامنے اپنی شرم گاہوں کا مظاہرہ کرنے والا اپنے باپ اور ماں کے سامنے ننگا ہو کر ناچنے لگے گا، مسلمانوں سوچو! کہ مسلم لیگ قوم کو کس طرف لے جا رہی ہے اور جن کے ہاتھ میں کل قوم کی باگ ڈور آنے والی ہے وہ کیا کھیل کھیل رہے ہیں۔

میں نے پاکستان کے مسئلے پر بہت غور و خوض کیا ہے، کئی راتیں نیند کے بغیر بسر کر دی ہیں، ساری ساری رات کروٹیں لیتے گزر گئی ہے، مہینوں نہیں سویا، بڑا پیچیدہ مسئلہ تھا۔

اس نے مجھے اس قدر پریشان کیے رکھا کہ میری صحت خراب ہو گئی اور میں کشمیر چلا گیا، وہاں بھی سوچتا رہا، جب امرتسر واپس آیا تو مسٹر جناح کا ایک بیان پڑھ کر عقدہ کھلا کر معاملہ کیا ہے، قاید اعظم نے فرمایا کہ پاکستان پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد، بلوچستان، بنگال اور آسام پر مشتمل ہوگا، اس کا طرز حکومت جمہوری ہوگا، اقلیتوں کو خاص نیابت حاصل ہوگی، اس میں مذہبی حکومت نہیں ہوگی اگر ایک پارٹی کی حکومت قایم کرنے کی کوشش کی گئی تو میں اس کی مخالفت کروں گا، ہندو، مسلمان میں امتیاز نہ ہوگا، پاکستان کی آبادی دس کروڑ انسانوں پر مشتمل ہوگی، جن میں سے ۶ کروڑ مسلمان اور ۴ کروڑ غیر مسلمان ہیں، دوسری طرف ہندوستان کی آبادی ۳۰ کروڑ پر مشتمل ہوگی، جن میں ۴ کروڑ مسلمان اور ۲۶ کروڑ ہندوستان ہوں گے، اب ذرا قاید اعظم کے ارشادات کی روشنی میں جائزہ لیجیے کہ یہ کیسا پاکستان ہوگا؟ جن اصولوں کو ملا کر پاکستان بنانا مقصود ہے ان کی اقتصادی پوزیشن پر نظر رکھیے، چھ کروڑ مسلمانوں کے مقابلے میں غیر مسلموں کی تعداد چار کروڑ ہوگی، یہ غالب اکثریت کس قدر مضبوط ہوگی اس کا اندازہ لگائیے۔

کارخانے غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہوں گے، اراضی کا بیشتر حصہ غیر مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوگا، سرمایہ غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہوگا، کالجوں اور اسکولوں کے مسئلے پر غیر مسلمانوں کا قبضہ ہوگا، اب سوچیے کہ اس پاکستان میں مسلمانوں کی پوزیشن کیا ہوگی؟ کیا وہ پاکستان میں، جا کر خاکستان میں جانے کے مترادف نہ ہوں گے، جب تک میں زندہ رہوں گا اور جہاں تک میرا بس چلے گا، میں مسلمانوں کو اس قسم کے پاکستان میں نہ جانے دوں گا، انھیں خطرے سے آگاہ کروں گا، اس کے باوجود بھی تباہی میں جائیں تو ان کی مرضی اور خدا کی رضا۔

ابھی میں نے خالصہ جی کا ذکر ہی نہیں کیا جانتے ہو کہ پاکستان کے رقبہ میں سکھ کی

پوزیشن کس قدر نمایاں ہے، یہ خالصہ جی ہیں، جنھوں نے لاہور اسٹیشن میں پاکستان کا ریزولیوشن پاس ہونے کے بعد پنجاب بھر میں ''گھلو کھارا'' ڈے منا کر بتایا تھا کہ خالصہ کس قدر تباہی نازل کر سکتا ہے اور جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے، اس میں سکھ کا مذہبی مقام کس قدر بلند ہے، اس کو بھی نظر انداز نہ کیجیے، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر مکہ، مدینہ اور اپنے تمام مقدس مقامات بھی سکھوں کے حوالے کر دو تو بھی وہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں پاکستان کے متعلق مسٹر جناح نے بیان میں یہ بھی کہا کہ پاکستان کی دس کروڑ آبادی بطور ایک قوم ترقی کرے گی، مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا، اگر ہم یہی کہیں کہ مسلمان اور غیر مسلمان کو بھائی بھائی کی طرح رہنا چاہیے تو ہم گردن زدنی ہیں''۔

(کاروان احرار: جلد ۶، ص ۹۴۔ ۳۸۹)

پنڈت جواہر لال نہرو کی تقریر:

۱۱ر دسمبر ۱۹۴۵ء: کلکتہ، پنڈت نہرو نے کل ایک انٹرویو کے دوران میں اس بات پر اظہار حیرانی کیا کہ کانگریسی لیڈروں اور حکومت کے سرکردہ افسروں میں ملاقات کو کیوں اتنی اہمیت دی جا رہی ہے، پنڈت جی نے کہا کہ انتخابات کے فوراً بعد کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی بلائی جائے، ہندوستانی اس مسئلے کو حل کرنے میں مزید تاخیر برداشت نہ کریں گے، ہندوستان میں قومی حکومت کے قیام کے لیے کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی بنا تا خیر آئین تیار کرے۔

پنڈت جی نے آگے چل کر بتایا کہ ہندوستانیوں کا جذبہ آزادی کا تھرمامیٹر تیزی سے اوپر چڑھ رہا ہے، پارہ اس قدر اوپر آ چکا ہے کہ تھرمامیٹر کا ٹوٹنا ناگزیر ہو گیا ہے۔

پنڈت جی نے کہا کہ کلکتہ میں آنے پر مجھے نئے انکشافات ہوئے ہیں، اس سے بیشتر جلسوں میں میں نے اتنی بے پناہ بھیڑ کبھی نہ دیکھی تھی، جیسی اس روز دیش پریہ پارک میں آزاد ہند فوج ہفتہ شروع کرنے کے موقع پر اکٹھی ہوئی تھی، اکٹھے ہونے والے ہندوستانی پانچ سات لاکھ سے کم کیا ہوں گے، اسی قسم کے بھاری اجتماعوں کو روکنے کے لیے تجویز کی گئی ہے کہ شہر کے مختلف اور دو حصوں میں بیک وقت دو جلسے کیے جایا کریں، تا کہ ایک مقام پر اس قدر لوگ جمع ہو سکیں۔

سوال: امریکہ سے آپ کو کیا امید ہے؟

پنڈت نہرو: ہندوستان میں زبردست صنعتی ترقی ہونے والی ہے، اس وقت اسے امریکہ سے ٹیکنیکل اور مالی امداد مل سکتی ہے، مثال کے طور پر مسٹر لنگ قرضہ کو ''رہا'' کروانا ہندوستان کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے، امریکہ کو دنیا بھر کے معاملات سے دلچسپی ہے اور امداد کی خاطر امریکہ ہندوستان کا رخ کرے گا کیوں کہ دنیا کی سیاسیات میں ہندوستان ایک بڑی طاقت بننے والا ہے، امریکہ حقیقت کا سامنا کرنے والا ملک ہے اور وہ ہندوستان کے متعلق حقیقت پر مبنی رویہ اختیار کرے گا۔

پنڈت نہرو نے کہا کہ آزادی کے بعد ملک میں سیاسی مجلس اور اقتصادی تغیر و تبدل رونما ہونے کی امید ہے مگر مجھے امید ہے کہ یہ تمام تغیر و تبدل کا فیصلہ امن اور شانتی کے ساتھ ہو جائے گا، آزاد ہندوستان کی اقتصادی اور مجلسی زندگی کے متعلق میرے اپنے خیالات میں، جو مناسب وقت پر میں ملک کے سامنے رکھوں گا۔

کلکتہ میں پنڈت نہرو کی تقریر:

بڑا بازار کلکتہ میں دو لاکھ کے مجمع میں تقریر کرتے ہوئے پنڈت جواہر لال نے کہا کہ اگر انتخابات کے بعد ہندوستان کی آزادی کو تسلیم نہ کیا گیا تو کانگریس ایسا قدم اٹھائے گی جس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکے گا، اگر کوئی تشدد کا راستہ اختیار کرے تو میں اس کی مذمت نہیں کروں گا، لیکن گاندھی جی کے پیرو کار کی حیثیت سے میں عدم تشدد پر کار بند ہوں، اور میرے خیال میں پرمانو بم کے زمانے میں تشدد ٹھیک بھی نہیں۔ ۱۹۴۲ء کے واقعات اور پچھلے دنوں کلکتہ میں جو کچھ ہوا، اس سے ظاہر ہے کہ لوگوں میں بھاری طاقت پیدا ہو گئی ہے، ہم کسی کی دھمکی کو برداشت نہیں کر سکتے کیوں کہ ہمیں اپنی طاقت کا پورا احساس ہے اب آزادی کے راستے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی جا سکتی۔

چین کا ذکر کرتے ہوئے پنڈت جی نے کہا کہ جس مقصد کے لیے چین نے انقلابی تحریک شروع کی تھی وہ پورا نہیں ہو سکا، ہندوستان کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے، اور خونی تباہ کاری سے بچنا چاہیے، دل میں آگ اور دماغ میں برف ہونی چاہیے، ہندوستان جلد بہت بڑی طاقت بننے والا ہے لیکن ہمیں دوسرے ملکوں سے کوئی عناد نہیں۔

(زمزم۔ لاہور: ۱۵؍ دسمبر ۱۹۴۵ء)

کانگریس ورکنگ کمیٹی کا ریزولیوشن:

۱۱ر دسمبر ۱۹۴۵ء: کلکتہ، کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ۵ دنوں کے بعد آج شام کو پانچ بجے ختم ہوگیا، آخری اجلاس آج دو بجے بعد دوپہر کو سودے پور آشرم میں گاندھی جی کی جھونپڑی میں ہوا، اس میں مولانا آزاد کے الفاظ میں سب سے اہم ریزولیوشن پاس کیا گیا، جو عدم تشدد کے متعلق ہے اور جسے مہاتما گاندھی نے خود مرتب کیا ہے، پانچ دنوں میں ورکنگ کے کل ۱۱۹ اجلاس ہوئے، عدم تشدد کے متعلق ریزولیوشن حسب ذیل ہے۔

اگست ۱۹۴۵ء میں سرکردہ کانگریسوں کی گرفتاری کے بعد عوام نے باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی، اگر چہ انھوں نے بہادری اور قربانی کے کئی ایسے کارنامے کیے، جو قابل تحسین ہیں مگر ایسی کارروائیاں کی گئیں جو عدم تشدد پر مبنی نہیں، اس لیے ورکنگ کمیٹی کے لیے یہ ضروری ہے کہ تمام متعلقین کی رہ نمائی کے لیے عدم تشدد کی پالیسی کی تصدیق کا اعلان کرے، یہ پالیسی ۱۹۲۰ء میں اختیار کی گئی تھی، اور کسی قسم کی تبدیلی کے بغیر اب تک جاری ہے اس عدم تشدد میں پبلک جائیداد کا جلانا، ٹیلیگراف تاروں کا کاٹنا، گاڑیوں کو پٹری سے اتارنا اور انتقامی کارروائی کرنا شامل نہیں۔

ورکنگ کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ عدم تشدد کی پالیسی نے جو ۱۹۲۰ء کے ریزولیوشن میں واضح کی گئی ہے، اور جسے اس کے بعد زیادہ وسعت دی گئی ہے، ہندوستان کو ایسی بلندی تک پہنچایا ہے جس تک ہندوستان کبھی نہیں پہنچا۔ ورکنگ کمیٹی کی یہ مزید رائے ہے کہ کانگریس کی تعمیری سرگرمیاں جو چرخہ اور کھادی سے شروع ہوتی ہیں اور تمام تعمیری پروگرام کا مرکز ہیں، عدم تشدد کی پالیسی کا اہم اور ضروری حصہ ہیں، اور دوسری کانگریس سرگرمی جو پارلیمنٹری پروگرام کے نام سے مشہور ہے، وہ مہاتما گاندھی کی طرف سے وضاحت کردہ پروگرام کے ماتحت ہے۔

ورکنگ کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ حصول آزادی کے لیے سول نافرمانی خواہ اجتماعی ہو یا انفرادی اس کا اس وقت تک تصور نہیں ہوسکتا، جب تک ہندوستانی عوام وسیع پیمانے پر متحدہ اور منظم نہ ہوں۔ (زمزم۔ لاہور: ۱۵ر دسمبر ۱۹۴۵ء)

کانگریس کا انتخابی مینی فیسٹول:

۱۱ر دسمبر ۱۹۴۵ء: کلکتہ، آج کانگریس نے اپنا انتخابی اعلان الیکشن مینی فیسٹو شایع کر دیا ہے، اس میں لکھا ہے کہ موجودہ عام انتخابات میں صرف ایک چیز ہے، اور وطن کی آزادی اور خود مختاری وطن کی آزادی کے بعد لوگوں کی باقی تمام آزادیاں خود بخود آجائیں گی، وہ وقت آرہا ہے جب ہم اسے پورا کر کے دم لیں گے۔ انتخابات تو ان آنے والے واقعات کے لیے جن کا ہمیں مقابلے کرنا ہے ایک چھوٹی سی آزمایش ہیں۔

کانگریس کا مقصد ایک ایسی آزاد جمہوری حکومت قایم کرنا ہے، اس سے تمام شہریوں کو ہر قسم کی بنیادی آزادی اور حقوق حاصل ہوں گے، اس آزاد جمہوری حکومت کا آئین فیڈرل ہوگا اور اس کے مختلف حصوں کو خود مختاری حاصل ہوگی، اس کی لیجسلیٹو اسمبلیوں اور کونسلوں کا انتخاب بالغوں کے حق رائے دہی کی بنا پر ہوگا، ہندوستان کی فیڈریشن مختلف معاہدوں کی رضا کارانہ طور پر پابند ہوگی۔

مینی فیسٹو میں بنیادی حقوق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کانگریس لوگوں کے پسماندہ اور مظلوم طبقے کے حقوق کے تحفظ کا انتظام کرے گی، بین الاقوامی معاملات میں کانگریس آزاد قوموں کی فیڈریشن کے قیام کی حامی ہے، ہندوستان کو تمام ملکوں کے ساتھ بالعموم اور اپنے ہمسایہ ملکوں سے بالخصوص دوستانہ تعلقات قایم کرنے چاہئیں۔

ہندوستان اپنی آزادی کے لیے عدم تشدد کی لڑائی لڑتا رہے، سیاسی آزادی کا مقصد اقتصادی اور سماجی آزادی بھی ہے۔ ہندوستان کا سب سے بڑا اور اہم مسئلہ غریبی کو دور کرنے اور ہندوستانیوں کے معیار زندگی کو بلند کرتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے صنعت وحرفت کو ترقی دینا، زراعت کو بڑھانا اور مفاد عامہ کے کاموں کی حوصلہ افزائی کرنا، کانگریس کے مقصد میں شامل ہوگا۔ تمام کلیدی صنعتوں پر اسٹیٹ کا قبضہ ہونا ضروری ہے۔

(زمزم۔ لاہور: ۱۵ر دسمبر ۱۹۴۵ء)

داستان فتح وشکست، محمد احمد صاحب کاظمی:

یوپی میں مرکزی اسمبلی کے انتخابات ختم ہوجانے کے بعد ان انتخابات میں جن

مشکلات کا مقابلہ مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے کارکنوں کو کرنا پڑا ان کا مختصر حال پبلک کے سامنے پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مسلم بورڈ کے انتخابات میں حصہ لینے کا تہیہ بہت دیر میں کرنے کی وجہ سے انتخابات کا کام کرنے کے لیے بہ مشکل تین ہفتے کے قریب ملے۔ جب ہم نے کام شروع کیا تو ہمارے ہم خیال اصحاب اور ہمارے ہمدرد بھی مسلم لیگ کے پروپیگنڈے سے مرعوب اور ہم لوگوں کی کامیابی سے مایوس معلوم ہوتے تھے، ہمارے نجی جلسوں میں شرکت کرنے میں بھی ہمارے بہت سے ہم خیال دوستوں کو تامل ہوتا تھا۔

مسلم قوم پرور جماعتوں کے رہنماؤں کے عرصہ دراز تک جیلوں میں رہنے اور پبلک کی آنکھوں سے اوجھل رہنے کی وجہ سے مسلم لیگ کو پروپیگنڈا کرنے کا بہت کافی موقع مل چکا تھا، جب میں ۳ر نومبر کو اپنے حلقۂ انتخاب میں پہنچا تو میرے بہت سے دوستوں نے مجھے انتخاب سے دستبردار ہونے کا مشورہ دیا۔ اس لیے کہ ان کی رائے میں مجھے پانچ فیصدی ووٹ ملنے کی توقع کرنا بھی مشکل تھا، لیکن جب میں نے ان سے یہ کہا کہ اس انتخاب میں حصہ لینے کا اصل مقصود یہ ہے کہ اس موقع سے فایدہ اٹھا کر مسلم پبلک تک اپنے اصول پہنچائے جائیں، اگر انتخابات میں کامیابی ہو جائے تو فبہا، لیکن اگر کامیابی بھی نہ ہو تب بھی اصولوں کی تبلیغ میں کامیابی ہو جائے تو ہمارے لیے کافی ہوگی، انتخابات کے زمانے میں فضا کیسی ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہو۔ تاہم عوام ہر پارٹی کی بات سننے کے لیے کم و بیش تیار ہو جاتے ہیں۔ چوں کہ ان کو انتخاب میں خود بھی حصہ لینا ہوتا ہے، اس وجہ سے بمقابلہ دیگر اوقات کے ایسے وقت میں زیادہ توجہ سے سیاسیات پر غور کرتے ہیں۔ اس تین ہفتے کی کش مکش سے جو زبردست تبدیلی رائے عامہ میں ہوئی ہے وہ ہمارے اصولوں کے صحیح ہونے کی بڑی شہادت ہے۔ ہمارے پاس پبلک کے نبھانے کے لیے ''پاکستان'' جیسے جاذب توجہ نعرے نہ تھے، پاکستان جس سے ہر سادہ مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اس کا حصول ایک خاص اسلامی سلطنت کا قیام ہوگا اس کے متاثر کرنے اور اس کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے بڑا کامیاب نسخہ ہے اور اس لفظ سے جو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اس کو قایم رکھنے کی غرض سے لیڈرانِ لیگ اس لفظ کی تشریح سے گریز کرتے ہیں مسلمانوں کے سامنے صحیح سیاسی پوزیشن پیش کرنے کے لیے ہمیں اس کی حقیقت اور اصلیت پیش کرنا تھی جو بمصداق ''الحق مر''

ووٹ کے حصول کے لیے بہت موزوں نہ تھا۔

عوام کی تربیت:

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے اپنی زبردست معلومات اور مجاہدانہ طریقوں سے اور اپنی مختصر کارکن جماعت کی امداد سے جو تبدیلی اس تھوڑے عرصے میں عوام کے خیالات میں پیدا کردی ہے وہ توقع سے کہیں زیادہ ہے ان کی تقریریں پُرمغز اور پُراز معلومات ہوتی ہیں کہ سیاست صحیح معنوں میں عوام کی سمجھ میں آجاتی ہیں، انھوں نے مسلم عوام کے سامنے اپنا یہ نظریہ کہ نام نہاد پاکستان محض انگریزی سلطنت کے مستحکم کرنے کا ایک طریقہ ہے، اس کے بانی انگریز ہیں اور انگریزی حکومت اس وقت کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہے کہ جب اس کو اس کا موقع ملے کہ مسلمانوں کی طرف سے نام نہاد پاکستان کا زبردست مطالبہ ہونے کی بنا پر وہ ہندوستان کی تقسیم بہ سہولت کرسکے، پاکستان کیا ہوگا اس کی صورت محض یہ ہوگی کہ ہندوستان کے مغربی اور مشرقی صوبجات کو باقی ماندہ ہندوستان سے کاغذ پر علیحدہ دکھا کر ان کا معاملہ براہ راست برطانوی حکومت سے ہوجائے گا اور اس طرح پر دو کمزور ہندوستانی ریاستیں بنا کر ان کے تحفظ کے نام پر گورنمنٹ برطانیہ فوج اور بیرونی معاملات پر اپنا تصرف رکھے گی، اس نام نہاد پاکستان کی بھی وہی حالت ہوگی جو برما کی ہندوستان سے علیحدگی کے بعد ہوئی۔

حکومت پرستوں کی پریشانی:

ان انکشافات پر وہ صاحب ثروت حضرات جو ایک طرف گورنمنٹ کی خوشامد کر کے اس سے خطابات اور ہر قسم کے منافع حاصل کرتے ہیں اور اور دوسری طرف ہندو مسلم منافرت پیدا کر کے مسلم قوم کے لیڈر بننے کا دعویٰ کرتے ہیں، حد درجہ پریشان تھے اور اس قسم کی تقریروں اور ان اصول کی اشاعت کو روکنے اور سچائی کا گلا گھونٹنے کے جو جو ممکن طریقے تھے ان کے استعمال میں گریز نہ کیا، نوجوان اشخاص اور طالب علموں سے اس بارے میں ہر ممکن امداد حاصل کی، نوجوانوں کے مذہبی اور قومی جذبات کو اس درجے مشتعل کیا کہ ان کے دماغ سنجیدہ باتیں سمجھنے کے قابل نہ رہے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے

دروازے کھول دیے گئے اور طلبہ ان جذبات کے ساتھ انتخاب کے میدان میں چھوڑ دیے گئے، صوبے کی اسمبلیوں کے امیدوار لیگ کے لیڈروں سے لیگ کے ٹکٹ حاصل کرنے کی سعی میں لیگ سے وفاداری ثابت کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کررہے تھے، گورنمنٹ افسران ہماری پارٹی سے خوش نہ تھے، مسلم ملازمین سرکار لیگ کی زبردست حمایت کررہے تھے، اس لیے کہ ان کو یہ خیال ہے کہ پنجاب اور بنگال کے بقیہ ہندوستان سے علیحدہ ہوجانے اور اپنے صوبے کے ہم وطنوں سے برسرِ پیکار ہونے سے ان کو اس صوبے میں ملازمتوں میں خاص سہولتیں حاصل ہوجائیں گی، زمین دار اس وجہ سے مخالف تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اس تحریک سے ان کی زمین داریاں ختم ہوجائیں گی۔ نواب صاحب باغپت نے اپنی ایک تقریر میں عوام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانوں کے پاس جو کچھ تھوڑی بہت زمین داری رہ گئی ہے وہ اس تحریک سے ختم ہوجائے گی، غرضیکہ ہمارے مقابلے پر ہر قسم کی قوتیں جمع ہوگئیں تھیں، صاحبِ ثروت، مالدار گورنمنٹ کے بڑے بڑے ٹھیکے دار، خطاب یافتہ اصحاب، ملازمین سرکار زمین دار اور ان کے حاشیہ نشین و مددگار سب کے سب ہمارے خلاف تھے، ہمارے ساتھ محض ملک کے غریب لوگ تھے۔

لیگ کی رشوتیں:

بہت سے مقامات پر پولیس کے افسران کی لیگ کے لیے ووٹیں توڑنے کی شکایات پیش آئیں اور ان میں سے بعض نے تو پولنگ بوتھ پر بھی اس قسم کے بیجا دباؤ ووٹران پر ڈالنے میں تامل نہ کیا، ووٹ پڑنے کی تاریخ سے کچھ یوم قبل سے لین دین کی شکایتیں بھی آنا شروع ہوئیں جو روز افزوں ترقی کرتی گئیں اور ان کو بے بنیاد کہنا بھی مشکل ہے۔ اس لیے کہ بعض مقامات میں رات کی رات ووٹر ادھر سے ادھر ہوگئے، لیگ کے کارکنوں کو ہم لوگوں کی روز افزوں کامیابی نے اور زیادہ مشتعل کردیا، یہاں تک کہ پولنگ کے دن انھوں نے لوگوں کو ہر قسم کا ڈراوا، دھمکاوا، گالی گلوج اور طعن و تشنیع دینے اور دیگر ناشائستہ حرکات کی انتہا کردی، ان تمام مشکلات اور اس امر کے کہ ووٹر زیادہ تر بڑے طبقے کے لوگ تھے، ہمارے امیدواروں کو جو تعداد ووٹوں کی ملی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لیگ کا مسلمانوں کا نمائندہ ہونے اور اس حیثیت سے مسلم قوم کو برطانیہ کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غلام بنادینے کا

دعویٰ صحیح نہیں ہے، اب صوبہ کی اسمبلیوں کے انتخاب کا سوال ہے اور ہمارے پاس پہلے سے وقت بھی زیادہ ہے اور ووٹر بھی عوام میں سے بہت زیادہ ہیں، ہمارے صوبے کے ہر مقام میں کچھ کم وبیش ہماری ہم خیال جماعتیں بھی قایم ہوگئی ہیں اور کام کرنا نسبتاً آسان ہے۔

مسلم نیشنلسٹ ہی وہ جماعت ہے جس نے ۱۹۳۷ء میں الیکشن کی جدوجہد کر کے مسلم لیگ کو زندہ کیا تھا۔ اب اس مسلم لیگ پر وہ صاحب ثروت، مال دار، راجہ، نواب، سر خان بہادر وغیرہ پھر قابض ہو گئے ہیں جن کی پارٹی کو ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ نے شکست دی تھی، اگر آج وہی پرانی جماعت اپنے پرانے حریفوں کے مقابلے میں آکر قوم کی صحیح سیاسی رہ نمائی کرے تو یہ نہایت مبارک اقدام ہے جس میں کامیابی کی قوی امید ہے خدا ہم لوگوں کی مدد فرمائے۔ (زمزم۔ لاہور: ۱۵ و ۲۳ ر دسمبر ۱۹۴۵ء)

سندھ میں ''مدنی فوج'' کا قیام:

۱۵ ر دسمبر ۱۹۴۵ء: بمقام پنوں عاقل سکھر میں ۱۵ ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو آزاد خیال مسلمانوں کا ایک جلسہ زیر صدارت مولانا محمد صادق صاحب صدر جمعیت العلما صوبہ سندھ ہوا جس میں ''مدنی فوج'' میں داخل ہوکر جہاد حریت میں حصہ لینے کی تجویز پاس ہوئی، اور مدرسہ قاسم العلوم گھونکی وغیرہ کے جلسے میں جوق در جوق اپنے نام لکھائے، مسلمانوں میں جوش وخروش کا عجیب قابل دید منظر تھا۔ (زمزم۔ لاہور: ۲۷ ر دسمبر ۱۹۴۵ء)

چند سوالات الیکشن کے پس منظر میں اور حضرت مفتی اعظم کا جواب:

۱۶ ر دسمبر ۱۹۴۵ء (۱۱ ر محرم ۱۳۶۵ھ): محمد لئیق خاں (دہلی) نے ذیل کے سوالات کے جوابات دریافت کیے تھے:

۱۔ اہل ہنود مشرک ہیں یا نہیں؟

۲۔ کیا کسی مسلمان کا نام بگاڑ کر لینا جائز ہے یا نہیں؟

۳۔ مسلمانوں کو برا کہنے والا اور کفار کی تعریف کرنے والا خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کیسا ہے؟

۴۔ کیا ہندو یا انگریز میں سے کوئی مسلمانوں کے لیے مفید ہو سکتے ہیں؟

۵۔ شریعت کی رو سے مسلمان اکثریت کو مسلمان اقلیت کے ساتھ مل جانا چاہیے یا مسلم اقلیت کو مسلم اکثریت کے ساتھ؟

حضرت مفتی صاحب نے ان کے جواب میں فرمایا:

۱۔ ہاں جو لوگ غیر اللہ کی پرستش کریں یا متعدد خدا مانیں یا اولیاء میں خدائی طاقت کا یقین کریں وہ سب مشرک ہیں۔

۲۔ کسی مسلمان کا نام بگاڑ کر لینا یا لکھنا گناہ ہے۔

۳۔ مسلمانوں کے برے کاموں کی برائی بیان کرنا اور کفار کے اچھے کاموں کی تعریف کرنا تو جائز ہے لیکن مسلمان کو بحیثیت مسلمان کے برا کہنا اور کافر کو کافر ہونے کی حیثیت سے اچھا سمجھنا اسلام کے احکام کے خلاف ہے۔

۴۔ دونوں مسلمانوں سے علیحدہ ہیں اور اسلام کا ان میں سے کوئی دوست نہیں ہے اور ان میں سے جس کی طاقت زیادہ ہے وہ مسلمانوں کے لیے زیادہ مضر ہے۔

۵۔ اکثریت اور اقلیت کا اعتبار قوت دلیل پر ہے، اگر دنیا کی مخلوق میں مشرک زیادہ ہوں تو مسلمان موحدوں کو ان کے ساتھ مل جانا جائز نہ ہوگا، اور مسلمانوں کی اکثریت بھی اگر حق کے خلاف ہو تو اقلیت جو حق پر ہو اسے حق پر قایم رہنا فرض ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان لہٗ، دہلی۔ (کفایت المفتی (جلد نہم): کتاب السیاسیات)

گاندھی ویول گفتگو۔ مولانا آزاد کا انٹرویو:

۱۷ دسمبر ۱۹۴۵ء: کلکتہ ۱۷ دسمبر، مولانا ابوالکلام آزاد سے گاندھی ویول گفت وشنید کے متعلق ایک انٹرویو میں مولانا آزاد نے کہا کہ اس بات چیت میں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی ہے کہ کانگریس اور گورنمنٹ کے درمیان سمجھوتا کیا جا سکے، صدر کانگریس نے پبلک سے اپیل کی کہ وہ اخبارات کی قیاس آرائیوں سے متاثر نہ ہوں، تاوقتے کہ کانگریس کی جانب سے کوئی بیان شایع نہ کیا جائے، ایسی قیاس آرائیوں پر یقین نہ کریں، ڈاکٹر پرپھل گھوش ممبر کانگریس ورکنگ کمیٹی نے اسے شرانگیز قرار دیا کہ میں یقین نہیں کرتا کہ کانگریس کی جانب سے اس قسم کا یقین دلایا گیا ہو۔ اس کے بعد یہ دریافت کیا گیا کہ کیا کانگریس نے گورنمنٹ کو اپنی نیت کا یقین دلایا تھا اس کے بعد لیڈروں کی رہائی عمل میں آئی تھی، گھوش نے کہا کہ

میں کبھی خیال بھی نہیں کرسکتا کہ کوئی کانگریسی اس قسم کے سودے بازی کرسکتا ہو، کانگریس نے اس قسم کی کوئی پابندی اپنے اوپر اختیار نہیں کی، کانگریس نے عدم تشدد کا ریزولیوشن گورنمنٹ کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے پاس نہیں کیا، بلکہ اپنی آرگنائزیشن کے مفاد میں پاس کیا ہے، کیوں کانگریس عدم تشدد اور ہنسا کے ذریعے ہی کامیابی حاصل کرسکتی ہے۔

(زمزم۔لاہور:۲۳؍دسمبر ۱۹۴۵ء)

پاکستان کیا ہے؟

۲۱؍دسمبر ۱۹۴۵ء (۱۱؍محرم ۱۳۶۵ھ): حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی مولانا جمعیت علمائے ہند نے پاکستان کے مسئلے پر ایک مفصل کتابچہ تحریر فرمایا ہے۔ اس میں حضرت نے نہایت تفصیل کے ساتھ تحریک پاکستان کے پس منظر پر روشنی ڈالی ہے، یہ کتابچہ "پاکستان کیا ہے؟" کے عنوان سے شایع ہوا تھا، اب اسے حضرت کے مقالات سیاسیہ کا ایک۔جزبنادیا گیا ہے۔

آزاد ہند فوج کے کیپٹن ملک:

۲۲؍دسمبر ۱۹۴۵ء: لال قلعہ ۲۲؍دسمبر، ملتان کے مشہور ملک خاندان کے کیپٹن ملک کو بنگال سے لال قلعہ میں لایا گیا ہے، آپ ۱۵؍دسمبر کو ہندوستان آئے، اب آزاد ہند فوج ڈیفنس کمیٹی ان سے ربط پیدا کررہی ہے، اس سلسلے میں یہ یادرہے کہ کیپٹن ملک آزاد ہند فوج کے سب سے پہلے آدمی تھے، جو اپریل ۱۹۴۴ء میں امپھل میں داخل ہوئے، اور آپ کو اس سلسلے میں آزاد ہند فوج کا سب سے اعلیٰ تمغہ شمشیر ہند ملا تھا، جو وکٹوریہ کراس کے برابر ہے۔

(زمزم۔لاہور:۲۷؍دسمبر ۱۹۴۵ء)

صوبہ سرحد میں سیاسی قیدیوں کے لیے اصلاحات:

۲۲؍دسمبر ۱۹۴۵ء: پشاور، فرنٹیر گورنمنٹ غالباً ہندوستان بھر میں پہلی گورنمنٹ ہے جس نے سزایاب اور زیر سماعت قیدیوں کی جماعت بندی کے قواعد کے ماتحت سیاسی قیدیوں کو تمام ممکن سہولتیں مہیا کی ہیں، ان قواعد کے ماتحت تمام اشخاص جنھیں سیاسی تحریک

کے سلسلے میں جرائم کی پاداش میں سزادی گئی ہو یا نظر بند رکھا گیا ہے، سیاسی قیدی شمار کیے جائیں گے خواہ ان کے خلاف کارروائی کی نوعیت کچھ ہی اور خواہ قانون کی کسی دفعہ کے ماتحت انہیں نظر بند رکھا گیا ہو یا ان کے خلاف مقدمہ چلایا گیا ہو، یا انہیں سزا دی گئی ہو، مگر شرط یہ ہے کہ انھوں نے تشدد سے متعلقہ کسی جرم کا ارتکاب نہ کیا ہو، ایسے تمام قیدیوں کی صرف ایک کلاس ہوگی جہاں تک ممکن ہوگا سب سیاسی قیدیوں کو آپس میں اکٹھا اور دوسرے قیدیوں سے علیحدہ رکھا جائے گا، سیاسی قیدیوں کے لیے علیحدہ احاطہ ہوں گے، مگر انھیں عام طور پر رات کو بارکوں بند نہیں کیا جائے گا ہر بارک میں چار سیاسی قیدی ہوں گی۔ ایک یا ایک سے زیادہ بجلی کے پنکھے ہوں گے اگر کسی جگہ بجلی کے پنکھے مہیا نہ ہوسکیں تو ہاتھ سے کھینچنے والے پنکھوں کا انتظام کیا جائے گا، ہر سیاسی قیدی کو ایک چار پائی ایک کرسی، ایک سٹ کیس مہیا کیا جائے گا، اس کے علاوہ ہر سیاسی قیدی کو اپنے خرچ پر دیگر فرنیچر کی اجازت ہوگی، ہر سیاسی قیدی کے لیے آرام دہ بستر اور کپڑے مہیا کیے جائیں گے، جن میں سردی میں اونی کوٹ، اونی پاجامہ، فلالین کی دو قمیصیں، دوسوتی ازادیں اور دوسوتی جرابوں کے جوڑے شامل ہیں، ان سیاسی قیدیوں کو غسل کی مناسب سہولتیں دی جائیں گی، ان قیدیوں کو ٹوتھ برش اور ٹوتھ پوڈر مہیا کیا جائے گا انھیں اپنے بال اور داڑھی بنوانے کی اجازت ہوگی، ان سیاسی قیدیوں کو اپنے خرچ سے سیفٹی ریزر اور حجامت کا دیگر سامان یا ٹائلٹ کی اجازت ہوگی، ہر قیدی کو ہر ماہ میں نہانے کے لیے صابن کی دو ٹکیاں مفت مہیا کی جائیں گی، قیدیوں کو اپنی صحت قایم رکھنے کے لیے روزانہ ورزش وغیرہ جیسا کہ میڈیکل آفیسر مناسب سمجھے اجازت ہوگی، ان قیدیوں کو بیڈمنٹن، والی بال فٹ بال، کھیلنے کی اجازت ہوگی، اور ان دو جیلوں کے لیے سہولتیں مہیا کی جائے، ان سیاسی قیدیوں کی عام خوراک دال، گھی، آلو، نمک، کھانڈ، چائے، سبزی، گوشت، دودھ، میوے اور مکھن، گوشت نہ کھانے والوں کے لیے، مہیا کیا جائے گا، ان قیدیوں کو اپنے خرچ پر نسوار اور سگریٹ کی اجازت ہوگی، انہیں خوراک باہر سے منگوانے کی اجازت نہ ہوگی، مگر وہ اپنے ذاتی استعمال کے لیے سپرنٹنڈنٹ جیل کی معرفت ہر ماہ ۱۵ روپے تک خوردنی اشیاء سرکاری ٹھیکیدار سے خرید سکتے ہیں، سپرنٹنڈنٹ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کی اجازت سے ان قیدیوں کے دوست اور رشتہ دار انہیں میوے بھیج سکتے ہیں، سیاسی قیدیوں کو مشقت کے لیے مجبور نہیں کہا جائے گا، اور اگر ان سے کام کیا جائے گا،

تو اس کا معاوضہ دیا جائے گا، جیل لائبریری کی کتابوں کے علاوہ ہر سیاسی قیدی پرائیویٹ ذرائع سے کتابیں اور اخبارات سپرنٹنڈنٹ کی منظوری سے منگوا سکے گا، قیدی کو اپنے ریڈیو سیٹ رکھنے کی اجازت ہوگی، ۲ ہفتے کے بعد ملاقاتوں اور چھٹیاں لکھنے کی اجازت ہوگی، مگر اس عرصے میں انہیں باہر سے کئی چھٹیاں آسکتی ہیں، کتابیں لکھنے کے لیے سہولتیں بھی دی جائیں گی، کھانے پکانے کے برتن بھی مہیا کیے جائیں گے، انہیں سزا کے طور پر نہ ہتھکڑیاں لگائی جائیں گی، اور نہ بیڑیاں اور کسی حالت میں بھی انہیں کوڑے نہیں لگائے جائیں گے۔

(زمزم۔ لاہور: ۲۷ر دسمبر ۱۹۴۵)

واضح رہے کہ اس زمانے میں صوبے سرحد میں ڈاکٹر خان کی کانگریسی حکومت قایم تھی، جس کے خاتمے کے لیے مسلم لیگ اس کے قیام کے وقت سے تحریک چلا رہی تھی اور ۱۹۴۷ء تک مسلم لیگ کے صدر وایسرائے سے متعدد بار اسے توڑ کر مسلم لیگ کی حکومت قایم کروانے کے لیے گذارش کر چکے تھے اور یہ حکومت صرف اس وجہ سے بچی رہی تھی کہ صوبے کے گورنر اور چیف سیکرٹری نے واضح کر دیا تھا کہ حکومت توڑنے کے لیے کوئی جواز موجود نہیں، بالفرض توڑ بھی دی جائے تو حکومت انہی کی بنے گی۔ اس لیے کہ اسمبلی میں اکثریت انہی کی ہے۔

بنگال میں ۱۹۳۷ء کے بعد مسلم لیگ کے کولیشن وزارت قایم کی تھی، اس کا تحفہ بنگال کا قحط تھا جو اس نے عوام کو دیا تھا۔ جس میں ہزاروں انسان لقمۂ اجل بن گئے، قحط بنگال کی خبر میں تفصیلات اور اموات کے اعداد و شمار، قحط کی رپورٹیں اور اس کے ذمہ داروں کے بارے میں اس ڈایری میں بہت معلومات ہیں۔ سرحد و بنگال کی حکومتوں کے کارناموں کا موازانہ کیجیے، حکومت سرحد کا اپنے مخالفین کے لیے رعایتوں اور سہولتوں کا تحفہ اور بنگال کی لیگی حکومت کا اپنے بے گناہ عوام کے لیے ''ہوں ناک قحط'' کا تحفہ۔

غیر مسلموں سے معاملات اور شراکت:

۲۳ر دسمبر ۱۹۴۵ء (۱۷ر محرم ۱۳۶۵ھ): محمد امین حزیں صاحب (سمتی پور، بہار) کے جواب میں مفتی صاحب مدظلہٗ نے فرمایا:

سیاسی معاملات بدلتے رہتے ہیں ان کے موافق فتویٰ بھی بدل جاتا ہے، کوئی شخص

غیر مسلم کے ساتھ مذہبی شرکت کے جواز کا فتویٰ نہیں دیتا، دوسرے معاملات مثلاً تجارت زراعت، ملازمت میں مسلمان اور غیر مسلم بے شمار مقامات میں شریک ہیں، اگر مسلم لیگ ہندوستان کی آزادی کے لیے کام کرے تو سب مسلمان اس کے ساتھ شریک ہو کر کام کر سکتے ہیں، لیکن اگر وہ محض باتیں بنائے اور ہندوستان کی آزادی کے لیے کام نہ کرے تو مسلمانوں کو کانگریس میں شریک ہو کر ہندوستان کی آزادی کے لیے کام کرنا جائز بلکہ بہتر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(کفایت المفتی (جلد نہم): کتاب السیاسیات)

تھانوی عثمانی فتوے کا رد:

۲۵ر دسمبر ۱۹۴۵ء (۲۰ر محرم ۱۳۶۵ھ): مولانا ظفر احمد تھانوی مولانا شبیر احمد عثمانی وغیرہ کے فتاویٰ شایع ہوئے تھے کہ کانگریس کی شرکت حرام اور مسلم لیگ کی شرکت مسلمانوں پر واجب ہے۔ اس فتاوی کی تصویب و تکذیب کے بارے میں محشر حسینی صاحب (ضلع بلیا) نے استفسار کیا تھا، حضرت مفتی صاحب نے جواباً تحریر فرمایا:

یہ فتاوی ان حضرات کے رائے پر مبنی ہیں، ان کی رائے میں کانگریس کی شرکت مضر ہے، اس لیے وہ یہ فتویٰ دیتے ہیں، اور جن علما کی رائے میں کانگریس کی شرکت مفید ہے، وہ کانگریس کی شرکت ضروری سمجھتے ہیں، ان فتووں سے مسلمانوں کو دھوکا نہ کھانا چاہیے، کانگریس ایک مشترک جماعت ہے، جس میں تمام ہندوستانی شریک ہیں اور اس کی شرکت کو وطن کی آزادی کے لیے مفید سمجھتے ہیں اور یہ خیال اقرب الی الفہم ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(کفایت المفتی (جلد نہم): کتاب السیاسیات)

۲۵ر دسمبر ۱۹۴۵ء (۳۰ر محرم ۱۳۶۵ھ): محمد یاسین صاحب (لودھیانہ) نے دریافت کیا تھا:

۱۔ کیا جس جماعت میں خدا کے منکر کمیونسٹ، ختم نبوت کے منکر مرزائی، جنت دوزخ عذاب ثواب اور فرشتوں کے منکر نیچری بحیثیت مسلم شامل ہوں اس جماعت میں شامل ہونا

اور اسے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت قرار دینا اور اس جماعت کے نمائندہ کو مسلمانوں کا نمائندہ سمجھ کر انتخاب میں کامیاب بنانے کی کوشش کرنا یا ووٹ دینا شرعاً حلال ہے یا حرام اور یہ تینوں گروہ مسلمان ہیں یا کافر؟ نیز ان تینوں گروہوں کے عقاید باطلہ سے واقف ہونے کے باوجود ان کو مسلمان قرار دینے والوں کا کیا حکم ہے؟

۲۔ کیا جو شخص سول میرج ایکٹ کو اپنا ذاتی عقیدہ قرار دے جس میں ہر مسلمان مرد اور عورت کا نکاح غیر مسلم عورت مرد سے جائز قرار دیا گیا ہو اور نکاح کے وقت فریقین کو اپنے مذہبی عقاید سے انکار کرنا پڑتا ہے، اس شخص کا کیا حکم ہے؟ اور جو لوگ ایسے شخص کے اس قسم کے عقیدے سے واقف ہونے کے باوجود اسے مسلمان قرار دیں ان کا کیا حکم ہے؟

۳۔ کیا وہ شخص جو اسلام کا دعویٰ کرتا ہو، لیکن ایسے قرآنی احکام کو جو نص قرآنی سے ثابت ہیں جیسے عقد نکاح تقسیم وراثت وغیرہ کو موجودہ دور ترقی میں رکاوٹ سمجھتا ہو اور احکام قرآن کے خلاف جو قانون حکومت نے پاس کیے ہوں ان کی پیروی کی ترغیب دیتا ہو تاکہ مسلمان مقتضیات زمانہ اور موجودہ ضروریات کا ساتھ دے سکیں، مسلمان ہے یا کافر؟ اور ایسے شخص کے اس قسم کے عقائد سے واقف ہونے کے باوجود اسے مسلمان قرار دینے والے کے متعلق کیا حکم ہے؟

۴۔ کیا جو شخص قرآن کریم کے صریح احکام کی مخالفت کرنے والوں کو ترقی پذیر اور مبنی برانصاف قرار دے، جیسا کہ مسٹر محمد علی جناح صاحب نے سول میرج ایکٹ کی ترمیم پر تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے، ایسا شخص مسلمان ہے یا کافر؟ اور ایسے شخص کے اس قسم کے عقاید سے واقف ہونے کے باوجود اسے مسلمان قرار دینے والوں کے متعلق کیا حکم ہے؟

۵۔ کیا جو شخص کلمہ گو ہونے کے باوجود مندرجہ بالا عقاید رکھتا ہو مسلمان ہے یا کافر؟ اور ایسے شخص کو مسلمان قرار دینے والوں کا کیا حکم ہے؟

حضرت مفتی صاحب اس کا یہ جواب دیا:

۱۔ جو شخص خدا کے منکروں ختم نبوت کے منکروں عذاب وثواب کے منکروں کو مسلمان سمجھے وہ خود بھی اسلام سے خارج ہے۔

۲۔ جو شخص سول امیرج ایکٹ کے ماتحت نکاح کرے اور اپنے مذہب سے قطعی منکر

ہو جائے وہ اسلام سے خارج ہے اور جب تک توبہ کر کے دوبارہ اسلام نہ لائے مسلمان نہیں۔

۳۔ قرآنی احکام کو موجودہ دور ترقی کے خلاف اور مانع ترقی سمجھنا صریح گمراہی ہے، ایسا شخص اسلام کے خلاف ہے۔

۴۔ جو شخص قرآنی احکام کے خلاف کرنے والوں کو ترقی پذیر بتائے اور ان کے افعال کو مبنی برانصاف سمجھے وہ مسلمان نہیں۔

۵۔ ایسا شخص جو مذکورہ بالا عقائد رکھتا ہو صرف نام کا مسلمان ہے ورنہ وہ اسلامی عقاید واحکام کا مخالف اور حقیقی اسلام سے خارج ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(کفایت المفتی (جلد نہم): کتاب السیاسیات)

ہندوستان میں طوفان (سیاسی) کی پیشین گوئی:

۲۶ر دسمبر ۱۹۴۵ء: (نیویارک ۲۶، دسمبر) امریکہ کے مشہور رسالہ ''ٹائمز نیوز'' میں اس کے دو ناظرین کی چٹھی شایع ہوئی ہے جس میں یہ پیشن گوئی کی گئی ہے کہ ہندوستان میں جلد ہی طوفان آنے والا ہے، یہ طوفان یا تو جنرل انتخاب کے فوراً بعد غالباً مارچ ۱۹۴۶ء میں آجائے گا۔ یہ طوفان ہماری حکومت کے خلاف ہوگا یا اندرونی فرقہ وارانہ کشمکش کا انتہائی عروج ہوگا، لیکن ان سوالات کا صحیح جواب آنے والے واقعات سے ہی ملے گا۔ انھوں نے مزید لکھا ہے کہ ہم اس مرحلے پر کسی انقلاب یا بغاوت کی پیشن گوئی سے اجتناب کرتے ہیں لیکن واقعات کی رفتار اس امر کی شہادت دے رہی ہے کہ نتیجہ خوف ناک نکلے گا، قطع نظر اس بات کے کہ جاوا اور ہند چینی میں ہندوستانی فوجوں کے استعمال کے خلاف ہمہ گیر ناراضگی پائی جاتی ہے، لیبر پارٹی نے بھی ہندوستانیوں کو مایوس اور ناامید کر دیا ہے۔ بہ ہر حال ہمیں اس بات کا پکا یقین ہے کہ ہندوستان میں گڑبڑ ہونے والی ہے۔ برطانوی حکومت بھی آنے والے طوفان سے بے خبر نہیں۔ (سہ روزہ زمزم، لاہور: بابت ۳۰ر دسمبر ۱۹۴۵ء)

مسلم لیگ میں شمولیت کی تردید (مولوی شجاعت حسین):

۳۰؍دسمبر، ۱۹۴۵ء: مظفرنگر، بحیثیت صدر جمعیت الانصار (مومن جماعت) میں اس خبر کی جو کہ ۲۹؍نومبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۶ پر (مولوی شجاعت حسین صاحب کی مسلم لیگ میں شمولیت) کے عنوان سے شایع ہوئی ہے، پرزور الفاظ میں تردید کرتا ہوں اور ایڈیٹر صاحب منشور کو بتلا دینا چاہتا ہوں کہ اس قسم کی غلط خبروں کے شایع کرنے سے تمہاری مطلب پروری نہیں ہوسکتی اور نہ قوم اور ملک ہی کو دھوکے میں ڈالا جا سکتا ہے، میں ایڈیٹر صاحب کو یہ بھی بتلا دینا چاہتا ہوں کہ جب سے مجھ کو میری قوم نے منتخب کیا ہے، میں نے استعفا نہیں دیا ہے بلکہ قوم ہی کے کام کو فرض منصبی سمجھ کر انجام دے رہا ہوں، مجھ کو مسلم لیگ سے کوئی کسی طرح کا بھی واسطہ نہیں ہے نہ کوئی دل چسپی ہے اور نہ اس کا حامی ہوں، اس لیے یہ خبر سراپا غلط ہے کہ صدر مومن جماعت مظفرنگر نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی ہے اور نہ آیندہ ارادہ ہے۔ (زمزم۔ لاہور: ۳۰؍دسمبر ۱۹۴۵ء)

دسمبر ۱۹۴۵ء: محمد دین نامی ایک صاحب نے ایک ہزار روپے نقد کا ایک اشتہار شایع کیا تھا، اس کے جواب میں محمد سلیم، بیری والا باغ، دہلی نے دو ہزار روپے نقد انعام کا ایک اشتہار شایع کیا ہے۔ جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

دو ہزار روپے نقد انعام:

محمد دین صاحب بالٹی والے نے مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے ایک سوال گھڑ کر علماے اسلام کو اس کا جواب دینے کا چیلنج کیا ہے، ان کا سوال یہ ہے۔

''کانگریسی علما قرآن مجید کی ایک ہی آیت اس قسم کی پیش کردیں کہ جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ مسلمانوں کے سوادِ اعظم کو چھوڑ کر کفار اور مشرکین کی حمایت امداد و اعانت جائز ہے اور مسلم لیگ میں شرکت خلاف شرع اسلام اور کانگریس میں شرکت شریعتِ اسلامی کے موافق ہے''۔

اس شخص کو دوں گا جو قرآن و حدیث سے یہ ثابت کردے کہ جس قسم کا سوادِ اعظم لیگ میں جمع ہے اس کا اتباع مسلمانوں پر فرض ہے۔

اگر ہر سوادِ اعظم کا ساتھ دینا شرعاً ضروری ہے تو محمد دین صاحب بتلائیں کہ سیدنا

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران کی مٹھی بھر جماعت نے یزید کی خلافت سے انکار کر کے اپنے زمانے کے سوادِ اعظم کا ساتھ کیوں چھوڑا۔ مسلمانوں کا سوادِ اعظم جھوٹ بولتا ہے، ڈاڑھی منڈاتا ہے، روزہ نماز کا مذاق اڑاتا ہے، آپ کے فتوے کے مطابق اس سوادِ اعظم کی پیروی ہر مسلمان کو کرنی چاہیے، نعوذ باللہ من ذلک۔

محمد دین صاحب کا دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک آیت ایسی بتلا دو جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ کفار اور مشرکین کی اعانت جائز ہے۔ ہم ان کے اس چیلنج کو قبول کر کے قرآنِ عظیم کی ایک ایسی آیت ان کے سامنے رکھتے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مشترک مقاصد کے لیے مسلمانوں اور غیر مسلموں کا باہم تعاون اور ایک دوسرے کی حمایت اور امداد کرنا جائز ہے۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْ كُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْ كُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُ وَاعَلٰى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ۔

اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان لوگوں کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے جو تم سے دین پر نہیں لڑے اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا، تم کو تو اللہ ان سے دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جو تم سے دین پر لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں شریک ہوئے۔

اس وقت ہمارے سامنے کفار کی دو قومیں ہیں۔ انگریز اور برادرانِ وطن، انگریز نے ہماری آٹھ سو سال کی حکومت کو برباد کیا، حجاز، مصر، فلسطین، شام، عراق اور ایران سے ہم کو نکالا اور آج بھی ایران، فلسطین، انڈونیشیا اور جاوا میں ہم سے برسرِ پیکار ہے۔ دوسری قوم ہندو ہے جو انگریز کو ہندوستان سے نکالنے میں ہماری ساتھی ہے، اس لیے مذکوہٴ بالا آیت کے مطابق ان کے ساتھ تعاون کرنا اسلامی نقطۂ نظر سے عین حکمت ہے۔ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل اس بارے میں ہمارے لیے بہترین مشعلِ راہ ہے، آپ نے مشرکین مکہ کے خلاف مدینہ منورہ کے غیر مسلموں سے اتحادِ عمل کا معاہدہ کیا اور اس میں یہ

الفاظ لکھے کہ اس مقصد میں متحد ہو کر ہم دونوں اس طرح کام کریں گے کہ ایک نظر آئیں گے۔ محمد دین صاحب کا تیسرا سوال یہ ہے کہ لیگ میں شرکت کیوں ناجائز اور کانگریس میں شرکت کیوں جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شرعی فتوی تو محمد دین صاحب علماے کرام سے حاصل فرمائیں یا لیگی علما کرام کے جو فتاوی شایع ہو چکے ہیں انھیں ملاحظہ فرمائیں مگر جہاں تک ملکی و سیاسی نقطۂ نظر سے ہندوستان اور ممالک اسلامیہ کی آزادی کا سوال ہے؟ میں عرض کروں گا کہ لیگ کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہندوستان میں بسنے والی قوموں میں باہم منافرت پھیلا کر انگریز کی بنیادی پالیسی ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کو کامیاب کرے اور اس طریقے سے ہندوستان اور تمام ممالک اسلامیہ پر انگریز کے پنجہ کو مضبوط کرتی رہے اس لیے کسی مسلمان کو ایسی لیگ میں شرکت کرنا ایک لمحہ کے لیے بھی کسی طرح مناسب نہیں۔

رہا کانگریس میں شرکت کا سوال اس کا جواب یہ ہے کہ ہندوستان کے مجاہد مسلمان اور علماے اسلام ہندوستان اور ان مقاماتِ مقدسہ کی خاطر جن کو آزاد کرانا ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے، کانگریس میں غیر مسلموں کے ساتھ قرآنِ عظیم کی اس کھلی اجازت کی بنا پر شریک ہیں جو آیت مذکورۂ بالا ''ینھٰکم اللّٰہُ'' میں ہر مسلمان کو دی گئی ہے، نیز غیر مسلموں کے ساتھ ان کا یہ اشتراک بعینہٖ اس اتحاد کی نظیر ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ مکہ کے مقابلے مین مدینہ طیبہ کے غیر مسلموں کے ساتھ کیا تھا جس کا ذکر اوپر کے مضمون میں آچکا ہے۔

محمد دین صاحب جناب مولانا قمر صاحب بناری کے اس نوٹ کا جواب دیں:

مجھے معلوم ہوا ہے کہ بالٹی والے صاحب اہل حدیث ہیں اگر وہ صحیح ہے تو وہ جن معنوں میں مسلم لیگ کو سوادِ اعظم کہتے ہیں (حال آں کہ مسلم لیگ متضاد عقاید کا مجموعہ ہے) انھی معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے انھیں یہ بھی بتلاتا ہوگا کہ ہندوستان میں برادرانِ احناف کثیر تعداد میں ہیں پس ان سوادِ اعظم کو چھوڑ کر وہ اہل حدیث کیوں ہیں''۔

مولانا قمر بناری، (انصاری: ۱۸ر دسمبر ۱۹۴۵ء)

محمد سلیم۔ بیری والا باغ۔ دہلی (کاروان احرار: ج ۸، ص ۳۹۶)

مسلم لیگ کا الیکشنی جہاد:

دسمبر ۱۹۴۵ء: حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے اپنے ماہنامہ الفرقان، بریلی بابیت ماہ ذی قعدہ و ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ میں ''الیکشنی جہاد اور اس کے ہتھیار'' کے عنوان سے ایک نہایت عبرت انگریز مضمون لکھا ہے، اور مثالیں دے کر بتایا ہے کہ حالیہ الیکشن کے زمانے میں مسلم لیگ کی طرف سے کس طرح بے پناہ جھوٹ، بہتان طرازی، غنڈہ گردی اور فتنہ و فساد سے ملک کی فضا اور مسلمانوں کے ذہنوں کو مسموم و متاثر کیا جا رہا ہے۔ حضرت مولانا نعمانی صاحب نے اپنے علم و مشاہدہ اور تجربے میں آنے والے واقعات کی متعدد مثالیں دی ہیں، جھوٹ اور افترا پردازی کے سلسلے میں مولانا نے سب سے پہلے اپنے ہی بارے میں ایک افترا کا تذکرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''ہمارے اخبارات جن کے متعلق معلوم ہے بلکہ اکثروں کا تو ذاتی تجربہ بھی ہے کہ ان میں بے دریغ جھوٹی خبریں بھی لکھی جاتی ہیں، انہی کی ہر قسم کی اطلاعات پر اعتماد کر کے بلا کسی مزید تحقیق کے اپنے مخالفین کے متعلق سب کچھ بیان کرنا ایک ایسی عام عادت ہے۔ بہت کم اللہ کے بندے ہوں گے جو شرعی اصول کے ماتحت اس میں احتیاط برتنے کا لحاظ بھی رکھتے ہوں، بلکہ مجھے تو معلوم ہوا ہے کہ الیکشن میں کام کرنے والوں کے لیے جو تربیت گاہیں ہماری بعض سیاسی پارٹیوں نے بنائی ہیں ان میں ورکروں کو خاص طور سے یہ سکھایا جاتا ہے کہ وہ فضا کو اپنی پارٹی کے حق میں ہموار کرنے کے لیے کس کس طرح حسب موقع جھوٹ بولیں اور کس انداز سے ان جھوٹی باتوں کو بیان کریں کہ عوام مخاطبین کو ان کا یقین ہو جائے۔

اس الیکشنی کذب آفرینی کا نشانہ یہ عاجز راقم سطور خود بھی بن چکا ہے۔ ۲۲ر نومبر ۱۹۴۵ء کے انگریزی روزنامہ ''پانیر'' میں میرے متعلق یہ اطلاع درج ہے کہ ''میں مسلم لیگ سے مستعفی ہو کر جمعیت العلما میں شامل ہو گیا ہوں'' حال آں کہ یہ محض جھوٹ اور افترا ہے میں نہ کبھی مسلم لیگ کا ممبر تھا، نہ میں نے استعفیٰ دیا نہ میں جمعیت العلماء کا ممبر ہوں''۔

مولانا تھانوی سے منسوب ایک خواب:

دوسرا نہایت عبرت ناک واقعہ مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ سے منسوب ایک خواب کا ہے، حضرت تھانوی کا انتقال ۲۰ ؍ جولائی ۱۹۴۳ء کو ہوگیا تھا، ان کی زندگی میں اور انتقال کے بعد تقریباً ڈیڑھ برس کے حلقے میں کبھی ان کے کسی عزیز خلیفہ یا مرید نے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا، اچانک علی گڑھ کے طلبا نے یہ من گھڑت خواب بیان کر کے سنجیدہ اہل علم اور دینی حلقے میں سنسنی دوڑادی، مولانا نعمانی صاحب لکھتے ہیں:

پھر اس جھوٹ اور افترا پردازی کا انتہائی تکلیف دہ اور افسوس ناک نمونہ یہ ہے کہ بزرگان دین کے نام پر خواب تک گھڑے جاتے ہیں اور حد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تک کو اس شیطنت کا ہدف اور نشانہ بنایا جاتا ہے، اسی نومبر ہی میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے چند طلبا کا ایک وفد بریلی آیا، اس کے ایک مقرر نے اپنی تقریر میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے متعلق بڑی بے باکی سے بیان کیا کہ

مولانا اشرف علی صاحب کو آپ حضرات جانتے ہوں گے وہ ہندوستان کے کتنے بڑے عالم اور مسلمہ بزرگ تھے انھوں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار لگا ہوا ہے صحابۂ کرام اور دوسرے بہت سے بزرگ بھی موجود ہیں اور مسٹر جناح بھی ہیں جو حضور ﷺ کے بالکل قریب گویا پہلو میں بیٹھے ہوئے ہیں اور حضور ﷺ ان کے ساتھ بڑے لطف و محبت کا برتاؤ کر رہے ہیں مولانا اشرف علی صاحب کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا اور انھوں نے خواب ہی میں حضور سے دریافت کیا کہ حضور والا! یہ شخص تو بڑا بدعمل تھا روزہ نماز کا بھی پابند نہ تھا، پھر آج اس کا یہ درجہ کیوں ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہاں بے شک یہ تھا تو بدعمل ہی لیکن ایک وقت میری امت کی کشتی ڈوب رہی تھی تو اسی نے محنت کر کے اس کو ڈوبنے سے بچالیا۔ بس اس کے اسی عمل نے اس کو یہ درجہ دلوایا ہے''

میں خود اس جلسے میں موجود نہ تھا، مگر متعدد سننے والوں نے مجھ سے اس کا بیان کیا ہے، اور پھر میں نے سنا کہ یہ خواب کسی قدر اجمال کے ساتھ اخبارات میں بھی شایع ہو رہا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مسلم لیگ اس کی غنڈہ گردی کے سلسلے میں حضرت مولانا نعمانی صاحب اپنے

خیالات اور اپنے مشاہدے کا ذکر اور اس پر اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔
مولانا لکھتے ہیں:

''اس الکشنی جہاد میں سب سے زیادہ ناپاک اور خطرناک قسم کا جو ہتھیار استعمال ہونا شروع ہوا ہے وہ فتنہ وفساد اور غنڈہ گردی ہے، ابھی اس کا استعمال جھوٹ اور بہتان بندی وغیرہ کی طرح تو عام نہیں ہوا ہے، لیکن حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ صوبجاتی اسمبلیوں کے الیکشن تک (جس کے ابھی کافی دن ہیں) یہ بلا بھی مسلمانوں میں بہت زیادہ عام ہو جائے گی۔

دوسری کئی جگہوں کے فتنہ وفساد اور غنڈہ گردی کی اطلاعات تو اخبارات میں پڑھی تھیں لیکن ۲۰ رنومبر کو حضرت مولانا حسین احمد صاحب کی آمد پر یہاں بریلی میں جو کچھ ہوا وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ اگر میں نے بچشم خود اس منظر کو نہ دیکھا ہوتا اور کوئی دوسرا میرے مشاہدہ سے کچھ کم بھی بیان کرتا تو میں اس کو مبالغہ ہی سمجھتا، اور کسی طرح میرا دل یہ باور نہ کر سکتا کہ الیکشن لوگوں کو اتنا دیوانہ بھی کر سکتا ہے۔

''الفرقان'' کے اکثر ناظرین کو معلوم ہوگا کہ اس وقت مسلمانوں کی جن دو پارٹیوں کے درمیان یہ سیاسی جنگ برپا ہے، راقم سطور کا تعلق ان دونوں میں سے کسی ایک سے بھی نہیں ہے، بلکہ اس اصولی اور نظری اختلاف کے علاوہ جو مجھ کو یا مجھ جیسوں کو ان پارٹیوں کے سیاسی مسلکوں سے ہے، اب تو اس سلسلے کی غیر انسانی حرکتوں اور گندگیوں کی وجہ سے بھی طبیعت کو سخت بیزاری ہو گئی ہے۔ بایں ہمہ ۲۰ رنومبر ۱۹۴۵ء کو جب کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب بریلی تشریف لائے تو اگرچہ الیکشنی سلسلے کی کوئی تقریر سننے سے مجھے مطلق دلچسپی نہ تھی، مگر صرف اس چیز کا عینی اور مشاہداتی علم حاصل کرنے کے لیے کہ مسلمان اس سیاسی جنگ میں کس مقام پر آ گئے ہیں، میں جلسہ میں گیا اور خاص جلسہ گاہ میں بیٹھنے کے بجائے دور ایک ایسی جگہ پر کھڑا ہوا کہ سب کچھ سن سکوں اور دیکھ سکوں پھر بد نصیبی نے جو کچھ دکھایا، واقعہ یہ ہے کہ قلم یا زبان سے اس کو ادا نہیں کیا جا سکتا، مجنونانہ اور وحشیانہ حرکتوں، اوباشانہ یورشوں، مغلظ گندی گالیوں اور بدتمیزی بہیمیت کے عریاں مظاہروں کا ایک ایسا طوفان تھا کہ جس نے نہیں دیکھا اور اس کے دل میں اسلام کی کوئی حس اور خیر وشر کی کوئی تمیز باقی ہو تو وہ امت کے دینی واخلاقی زوال وانحطاط پر روئے بغیر نہیں رہ سکتا، شہر کے غنڈوں اور

اوباشوں کے علاوہ سیکڑوں کی تعداد میں اچھے خاصے مہذب صورت، کوٹ اور شیروانیاں پہننے والے، کالجوں کے تعلیم یافتہ، یا اسکولوں کالجوں میں تعلیم پانے والے جو یقیناً شریفوں ہی کی نسل سے ہوں گے ایسے پاگل اور اس قدر ذلیل درجہ کے شہدے بنے ہوئے تھے کہ خالص بازاری اور پیشہ ور غنڈوں سے بھی اس سے زیادہ کی توقع نہیں کی جا سکتی، بدتمیزی اور حیوانیت کا ایک عبرت ناک طوفان اور ہنگامہ تھا، کوئی دور سے جوتا دکھا رہا ہے، کوئی ہاکی اٹھا رہا ہے کوئی پیپا بجا رہا ہے کوئی کسی دوکان کے سائبان کا ٹین یا سین بورڈ پیٹ رہا ہے، کبھی سب مل کر تالیاں بجا رہے ہیں، کبھی جانوروں کو بولیاں بولی جا رہی ہیں، پھر اس ساری غزل کا مقطع یہ تھا کہ جلسہ گاہ کے اردگرد سڑک کوٹنے کے لیے پتھروں کے چند ڈھیر لگے ہوئے تھے، پہلے تو جلسہ پر اکا دکا پتھر پھینکے گئے اور گیس کے ہنڈے توڑ کر جلسے میں اندھیرا کیا گیا اور آخر میں چند ٹولیوں نے اس ڈھیروں پر کھڑے ہو کر اس قدر بے دردی کے ساتھ بے تحاشا پتھر برسائے کہ اگر یہ سب پتھر جلسے پر ہی جا کر گرتے تو حاضرین میں سے شاید کوئی ایک بھی صحیح سالم نہ رہتا، جنون و درندگی کا یہ سارا تماشا میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تہذیب اور تعلیم یافتہ فیشن ایبل صاحبزادوں کے لباس میں ''لایعقل حیوانوں'' کا ایک انبوہ ہے اور............آوارہ مستوں کا ایک مجمع ہے جو اپنی انسانی حیثیت کو بالکل فراموش کر کے حیوانیت و درندگی کا یہ مظاہرہ کر رہا ہے، اس انتخابی جنگ کے سلسلے میں اس طرح کا مظاہرہ دیکھنے کا میرے لیے یہ بالکل پہلا موقع تھا، میں اس مشاہدے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر آپس کی اس سیاسی خانہ جنگی نے چند روز اور طول کھینچا اور قوم کے ''بڑوں'' اور متقدر لیڈروں نے اخلاقی زوال و انحطاط کے اس مسئلے کو واجبی اہمیت دے کر ذہنی اصلاح اور اخلاقی اعتدال پیدا کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ کوششیں نہ کیں اور اس بارہ میں جنبہ داری اور ''بہر حال اپنوں کی حمایت کی عادت نہ چھوڑی تو یہ غنڈہ گردی پوری قوم کی طبیعت بن جائے گی اور پھر برسہا برس کی اسلامی کوششیں بھی اس کو نہ بدل سکیں گی۔

ٹھنڈے دل سے سوچنے کی بات ہے کہ جن ان پڑھ حقیقت ناشناسوں یا اسکولوں کالجوں میں تعلیم پانے والے جن نوخیز اور ناتجربہ کار جذباتی نوجوانوں کے ذہن کو غلط تربیت دے کر آپ آج مولانا حسین احمد جیسے بزرگوں کی بے عزتی کراتے ہیں (دین و

ملت کے لیے جن کی قربانیوں کی شاندار تاریخ بھی ہے) کل ایسا دن بھی آسکتا ہے کہ یہ بگڑی ہوئی ذہنیت کسی اختلاف کے موقع پر خود آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی یا اس سے بدتر برتاؤ کرے، یہ سیاست ہے جس میں ہوا کہ رخ اور عوام کے جذبات میں تبدیلی کچھ زیادہ بعید نہیں۔ ''تلک الایام ندا ولھا بین الناس''۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کا یہ مضمون اسی عنوان سے جمعیت علماے ہند (دہلی) نے دلی پرنٹنگ پریس، دہلی سے چھپوا کر کتابچے کی صورت میں شایع کر دیا تھا۔

آزاد ہند فوج کے لیے کورٹ مارشل کے اراکین:

آزاد ہند فوج کے افسران پر مقدمہ چلانے کے لیے حکومت ہند نے جو فوجی عدالت مقرر کی تھی، اس کے صدر میجر جنرل اے بی الگزینڈر تھے، باقی چھ اراکین کے نام جن میں تین انگریز اور تین ہندوستانی افسر ہیں ذیل میں درج ہیں۔

۱۔ بریگیڈیر اے جے ایچ بورک (انڈین آرمی)

۲۔ لیفٹیننٹ کرنل سی آر استوارٹ (انڈین ریگزلر ریزرو آفیسر)

۳۔ لیفٹیننٹ کرنل ٹی آئی اسٹونسن (رائل گڑھوال رائفلز)

۴۔ لیفٹیننٹ کرنل ناصر علی خاں (راجپوت رجمنٹ)

۵۔ میجر جی، پریتم سنگھ (آئی اے وی)

۶۔ میجر نیواری لال (پنجاب رجمنٹ)

تین اور افسر جن میں سے دو ہندوستانی اور ایک انگریز تھے مقرر کر دیے گئے تھے تاکہ عدالت کے کسی ممبر کی اتفاقیہ غیر حاضری میں اس کی جگہ پُر کی جاسکے، ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ لیفٹیننٹ کرنل ایچ آکسی

۲۔ میجر ایس ایس پنڈت فسٹ پنجاب رجمنٹ

۳۔ کپتان گوریال سنگھ وندھو۔ ۱۳۔ ڈی سی، اولانسرس

کرنل ایف سی اے، کیرن ڈپٹی جج ایڈوکیٹ جنرل (سنٹرل کمانڈر) اسے فوجی قانون کے متعلق عدالت کے ممبر استغاثہ اور صفائی کے وکیل بہ شرطِ ضرورت مشورہ کر سکیں گے۔

صفائی کے وکیل:

کانگریس کی ڈیفنس کمیٹی نے آزاد ہند فوج کے مقدموں میں صفائی کی پیروی کے لیے ملک کے ۹ مشہور قانون دان مقرر کیے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ پنڈت جواہر لال نہرو — ۲۔ سر تیج بہادر سپرو
۳۔ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی — ۴۔ ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو
۵۔ رائے بہادر بدری داس — ۶۔ مسٹر آصف علی
۷۔ کنور سر دلیپ سنگھ — ۸۔ بخشی سر ٹیک چند
۹۔ مسٹر پی کے این

ان کے علاوہ اور بھی جونیئر وکیل صفائی کی پیروی کر رہے تھے۔

استغاثہ کی پیروی سر نوشیرواں پی انجینئر ایڈوکیٹ جنرل آف انڈیا ملٹری اور پراسیکیوٹر لیفٹیننٹ کرنل پی واش کر رہے تھے۔

فردِ جرم:

۱۔ تاج برطانیہ کے خلاف جنگ میں شرکت۔

سنگاپور، ملایا، رنگون اور برما کے متعدد مقامات پر تینوں ملزموں نے ستمبر ۱۹۴۲ء سے ۲۶/اپریل ۱۹۴۵ء تک تاج برطانیہ کے خلاف جنگ میں شرکت کی۔

۲۔ جرم قتل: مجرم لیفٹیننٹ ڈھلون برما میں پوپا کی پہاڑی کے قریب ۶/مارچ ۱۹۴۵ء کے قریب ہری سنگھ کے قتل کا مرتکب ہوا۔

۳۔ امداد قتل: مجرم کپتان سہگل مندرجۂ بالا قتل میں امداد کا مرتکب ہوا۔

۴۔ جرم قتل: مجرم لیفٹیننٹ ڈھلوں برما میں پوپا پہاڑی کے قریب ۶/مارچ ۱۹۴۵ء کو دونی چند کے قتل کا مرتکب ہوا۔

۵۔ امدادِ قتل: مجرم کپتان سہگل مندرجۂ بالا قتل میں امداد کا مرتکب ہوا۔

۶۔ جرم قتل: مجرم لیفٹیننٹ ڈھلون برما میں پوپا پہاڑی کے نزدیک ۶/مارچ ۱۹۴۵ء کو دریاؤ سنگھ کے قتل کا مرتکب ہوا۔

۷۔امدادِ قتل: مجرم کپتان سہگل مندرجۂ بالا قتل میں امداد کا مرتکب ہوا۔

۸۔ جرمِ قتل: مجرم لیفٹیننٹ ڈھلون برما میں پوپا پہاڑی کے نزدیک ۶ر مارچ ۱۹۴۵ء کو دھرم سنگھ کے قتل کا مرکتب ہوا۔

۹۔امدادِ قتل: مجرم کپتان سہگل مندرجۂ بالا قتل میں امداد کا مرتکب ہوا۔

۱۰۔امدادِ قتل: مجرم کپتان شاہ نواز برما میں پوپا پہاڑی کے قریب توپچی محمد حسین کے قتل میں امداد کا مرتکب ہوا۔اس قتل کے خزین شاہ اور آیا سنگھ مرتکب ہوئے۔

(کاروان احرار: ج ۸،ص ۲۴۶۔۲۴۳)

آزاد ہند فوج کا مقدمہ اور وکیل صفائی کی تقریر:

ملزموں کی صفائی میں مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے جو تقریر کی تھی اس کی اہمیت اس لیے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ وہ دنیا کی تاریخ میں اپنی نوعیت کی پہلی تقریر تھی، جو کسی فوجی عدالت کے سامنے کی گئی ہے، اس میں موصوف نے فوجی عدالت کے سامنے پہلی مرتبہ یہ سوال رکھا کہ محکوم ممالک کے باشندوں کو اپنے ملک کی آزادی حاصل کرنے کے لیے غیر ملکی حکومت کے مقابلے میں ہتھیار اٹھانے کا حق پہنچتا ہے یا نہیں؟ مسٹر ڈیسائی نے تاریخی اور قانونی حقایق کی روشنی میں یہ ثابت کر دکھایا کہ محکوم باشندوں کو ملک کی آزادی کے لیے غیر ملکی حکومت سے جنگ کرنے کا ہر طرح حق حاصل ہے۔انہوں نے برطانوی مقبوضات سے متعلق پارلیمنٹ کے ایک اہم بیان کا اقتباس پڑھ کر سنایا جس میں یہ کہا گیا تھا کہ تمام انسان برابر کا درجہ رکھتے ہیں اور انہیں اس بات کا حق ہے کہ وہ مکمل آزادی حاصل کریں اور اپنے ملک میں آزاد حکومت قایم کریں، موصوف نے امریکہ کی جنگ آزادی کا بھی حوالہ دیا اور بتایا کہ امریکہ کے باشندے بادشاہ کے وفادار تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے بادشاہ سے وفاداری پر ملک کی محبت کو ترجیح دی اور یہ اس بہادری اور دوراندیشی کا نتیجہ ہے کہ آج نہ صرف امریکہ خود آزاد ہے بلکہ اسی امریکہ نے جس نے انگلستان کے بادشاہ سے بغاوت کی تھی، آج انگلستان اور سارے یورپ کو محوری طاقتوں کی غلامی سے بچایا ہے۔

مسٹر ڈیسائی نے آزاد ہند فوج کے قیام کی تاریخ اور آزاد ہند حکومت سے وفاداری کا حلف اٹھانے کی تفصیلات بیان کیں اور یہ کہا کہ امریکہ کے خوددار باشندوں نے بغاوت کا

جو جھنڈا لہرایا تھا اس میں اور آزاد ہند حکومت کے اعلان آزادی میں کیا فرق ہے؟ جب دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے تو پھر آزاد ہند فوج کے سپاہیوں پر ملک کی غداری کا الزام کیوں لگایا جارہا ہے۔

آزاد ہند فوج کے سپاہیوں کی غداری کے افسانے کو ثابت کرنے کے لیے یہ بات کہی جاتی ہے کہ وہ جاپانی حکومت کا آلۂ کار بنی ہوئی تھی اور اس کی اپنی کوئی مستقل حیثیت نہ تھی۔ مسٹر ڈیسائی نے اس سلسلے میں بتایا آزاد ہند فوج کو قایم کرنے اور اس کے کام کو چلانے والوں کی نہ نیت پر شبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ان کے طرز عمل پر کسی قسم کا کوئی اعتراض ہوسکتا ہے، آزاد ہند فوج کا یہ فیصلہ تھا کہ وہ جاپانیوں کے آگے کبھی سر نہ جھکائیں گے اور اگر کبھی جاپانی ہندوستان کی آزادی کے راستے میں رکاوٹ ثابت ہوئے تو وہ ان سے بھی لڑیں گے، وکیل صفائی نے مزید کہا کہ اس امر کا استغاثہ کے گواہوں نے بھی اعتراف کیا ہے، اس سلسلے میں موصوف نے لیفٹیننٹ کرنل شاہ نواز کی تقریر کا بھی حوالہ دیا، جس میں انھوں نے اپنے سپاہیوں سے کہا تھا۔

> ''اگر جاپانی تمہارے ایک تھپڑ مارے تو تم اس کے دو تھپڑ ماردو، اگر جاپانی ہندوستان کی سرزمین میں کسی عورت کی بے حرمتی کریں تو پہلے انھیں سمجھاؤ اور اگر وہ نہ سمجھیں تو انھیں گولی سے اڑادو''۔

مسٹر ڈیسائی نے دریافت کیا کہ مندرجہ بالا واضح اعلان کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ آزاد ہند فوج جاپانیوں کے ماتحت تھی، یا ان کی کٹھ پتلی تھی، آزاد ہند فوج سپاہیوں سے لے کر کمانڈنگ آفیسر تک مکمل طور پر ہندوستانیوں پر مشتمل تھی، یہ فوج ہندوستانیوں کے سرمایہ سے چلتی تھی، ان کا جھنڈا ہندوستان کا قومی جھنڈا تھا، انھوں نے بھوک پیاس، بیماری، موت غرض یہ کہ ہر مصیبت کا خوشی سے سامنا کیا۔ ہفتوں جنگلوں میں بغیر بستر کے رہے، نمک اور کھانڈ بھی ان کے لیے عیاشی کا درجہ رکھتے تھے، جن لوگوں نے اس قدر تکالیف اٹھا کر جنگ میں حصہ لیا، ان پر یہ جرم نہیں لگایا جاسکتا کہ وہ جاپانیوں کے آلۂ کار بن کر آزاد ہند فوج میں شامل ہوئے تھے، آزاد ہند فوج کے بہادروں نے اپنے ہندوستان میں رہنے والے رشتے داروں کی راحت، عزت اور راحت کی پروانہ کرکے دلیرانہ قدم اٹھایا، ایسے بہادروں پر کسی قسم کا الزام لگانا اپنی تنگ نظری کا ثبوت دینا ہے۔

آزاد ہند فوج کو جاپانیوں کا آلۂ کار ثابت کرنے کے لیے استغاثہ کے چند گواہوں نے یہ کہا تھا کہ آزاد ہند فوج کی بھرتی جنگی قیدیوں میں سے جبری طور پر کی جاتی تھی۔ اس امر پر زور دے کر آزاد ہند فوج کے سپاہیوں کی حب الوطنی کو بدنام کرنا مقصود ہے۔ مسٹر ڈیسائی نے اس سلسلے میں بتایا کہ استغاثہ کے بعض گواہوں نے اس امر کا اقبال کیا ہے کہ لیفٹیننٹ کرنل شاہ نواز، سہگل اور خود مسٹر سبھاش چندر بوس نے اپنی تقریروں میں یہ کہا تھا کہ جو آدمی اپنے آپ کو قربان کرنے کے قابل نہیں سمجھتا وہ آزاد ہند فوج سے باہر رہ سکتا ہے، آزاد ہند فوج کی بھرتی اتنی رضا کارانہ تھی کہ کئی ہزار وانٹیرز کے لیے ہتھیار بھی مہیا نہ کیے جا سکے، مسٹر ڈیسائی نے بتایا کہ جنگی قیدیوں کو اس لیے نہیں مارا پیٹا گیا کہ وہ آزاد ہند فوج میں بھرتی ہوں، بلکہ یہ سزا اس لیے دی گئی تھی کہ یا تو وہ مخبر تھے یا ان کے دوسرے کرتوت اس سزا کے مستحق تھے۔ اس معاملہ میں استغاثہ کی شہادت قطعاً ناقابل قبول ہے۔ جن لوگوں نے اس قسم کی شہادتیں دی ہیں انھیں مذکورہ بالا کرتوتوں کی وجہ سے سزا دی گئی تھی، مگر وہ انگریزی حکومت کے سامنے شہید کا درجہ حاصل کرنے کے لیے یہ جھوٹی کہانی گھڑ کر سناتے ہیں کہ انھیں آزاد ہند فوج میں شامل ہونے سے انکار کرنے پر سزائیں دی گئی تھیں، استغاثہ کی شہادتوں کے تضاد سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے، مسٹر ڈیسائی نے ان تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اس لیے میں عدالت سے کہوں گا کہ وہ ان شہادتوں کو نظر انداز کر دے۔

دوسرے الزامات آزاد ہند فوج کے ان تین افسروں پر یہ لگائے گئے تھے کہ وہ قتل کے مرتکب ہوئے ہیں، مسٹر ڈیسائی نے بتایا کہ اس سلسلے میں جو شہادتیں پیش کی گئی ہیں وہ قابل اعتبار نہیں ہیں۔

چار لوگوں کے قتل کے متعلق ایک رپورٹ ضرور پیش کی گئی ہے جس میں ان کے قتل کا حکم موجود ہے، لیکن جب تک اس بات کی قطعی شہادت موجود نہ ہو وہ چار آدمی جن کے قتل کا حکم رپورٹ میں موجود ہے شناخت کر لیے گئے ہوں، عدالت یہ فیصلہ نہیں کر سکتی کہ انھیں گولی کا نشانہ بنایا گیا ہے، اس کے علاوہ یہ کہا گیا ہے کہ ان آدمیوں کو ہلاک کرنے کا حکم لیفٹیننٹ ڈھلون نے دیا تھا، لیکن صاف شہادت موجود ہے کہ بیان کردہ تاریخوں میں لیفٹیننٹ ڈھلون بیان کردہ مقام پر نہیں تھے، استغاثہ کے دو گواہوں نے تو یہ کہا ہے کہ وہ

گولی مارنے کے وقت موجود تھے اور ایک کا بیان ہے کہ وہاں لیفٹیننٹ ڈھلون نہیں بلکہ ایک اور افسر موجود تھا۔

کپتان شاہ نواز پر امدادِ قتل کا جرم لگایا گیا تھا، مسٹر ڈیسائی نے کہا اس کے متعلق نہ کوئی رپورٹ موجود ہے اور نہ گولی مارنے کے بارے میں کوئی شہادت۔

اس طرح مسٹر ڈیسائی نے قوی دلایل سے یہ ثابت کردیا کہ قرار دادہ ملزموں پر جو جرم عاید کیے گئے ہیں وہ از سرتا پا غلط ہیں۔

ملزموں کی حب الوطنی کا اعتراف:

مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کی معرکۃ الآرا تقریر کے بعد استغاثہ کے وکیل سرنوشیرواں نے اپنی تقریر میں ملزموں کی حب الوطنی کا اعتراف کیا، لیکن اس کے ساتھ انھوں نے یہ کہا کہ ان کے خلاف جو الزامات لگائے گئے تھے وہ ثابت ہو گئے ہیں اور ان کا قانونی طور پر کوئی دفاع نہیں کیا جاسکتا، موصوف نے اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ آزاد ہند کی عارضی حکومت صرف کاغذوں پر تھی۔ اس کے پاس نہ ایک انچ زمین تھی اور نہ اس کا کوئی مالیاتی انتظام تھا۔ جاپان نے اسے محض اس لیے تسلیم کرلیا تھا تاکہ وہ عارضی حکومت کو اپنا آلۂ کار بنا سکے، ملزمین کے بیان کے مطابق آزاد ہند فوج اس غرض سے قایم کی گئی تھی کہ ہندوستان سے برطانوی حکومت کو بے دخل کردے، لیکن دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ وہ ہندوستان فتح کرنے میں جاپانیوں کی مدد کرنے کے لیے قایم کی گئی تھی، قتل و اعانت قتل کے متعلق سرنوشیرواں نے یہ کہا کہ ان کے ثبوت کے لیے استغاثہ کی شہادتیں کافی ہیں، قتل کا حکم دیے جانے کا ثبوت ہو چکا ہے، اس کے بعد یہ کہنا کہ ان کے احکامات کی تعمیل نہیں کی گئی قابل قبول نہیں ہے۔

ایڈوکیٹ جنرل نے اپنی تقریر کے آخر میں کہا کہ تمام الزامات ثابت ہو چکے ہیں، البتہ ایسی شہادتیں کافی نہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ملزموں نے یہ کام ذاتی اغراض کے لیے نہیں بلکہ اپنے خیال میں ملک وقوم کی فلاح و بہبود کا ذریعہ سمجھ کر کیے تھے۔ مگر اس سے وہ قانون کی نگاہ میں بے جرم ثابت نہیں ہوتے، اتنا ضرور ہے کہ ان کی سزا تجویز کرتے وقت ان کی نیک نیتی اور جذبۂ حب الوطنی پر غور کیا جاسکتا ہے، سزا کے معاملے میں عدالت کے

ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، عدالت انہیں کم سے کم جو سزا دے سکتی ہے وہ حبسِ دوام کی سزا ہے، اگر عدالت ملزموں کے خلاف فیصلہ ہونے کی صورت میں یہ سمجھتی ہے کہ انہیں سزا کم سے کم ملنا چاہیے تو وہ اس کی سفارش اس افسر سے کر سکتی ہے، جو اس سزا کی تصدیق کرے گا۔ (کاروان احرار: جلد ۶، ص ۳۴۹۵۴)

جناح صاحب کا مقام وحیثیت! مفتی اعظم کا بیان:

کسی صاحب نے مسٹر محمد علی جناح کے بارے میں چند سوالات کیے تھے، حضرت مفتی صاحب نے ان کا جواب لکھ دیا، کسی اور صاحب کی نظر سے حضرت مفتی صاحب کا جواب گزرا تو انھوں نے وہ جواب نقل کر کے مفتی صاحب سے پوچھا کہ یہ جواب آپ ہی نے دیا، مفتی صاحب اسے قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا۔ ذیل میں حضرت کے پہلے جواب ہی کے ضمن میں دوسرا جواب بھی ہے۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ مجھے مجملاً اس قدر معلوم ہے کہ مسٹر محمد علی جناح شیعہ ہیں اور شیعہ اسلامی فرقوں میں شامل ہیں۔

۲۔ کوئی غیر مسلم بمقابلہ مسلم کے اسلامی حقوق کا محافظ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۳۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمان پہلے مسلمان ہے بعد میں ہندوستانی۔

۴۔ ہاں وہ سیاست اور قانون کے ماہر ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مذکور بالا سوالات کے جوابات آپ نے دیے ہیں یا نہیں؟ اور مجھ کو اور کل مسلمانوں کو مسلم لیگ کا ساتھ دینا چاہیے یا نہیں؟ یا کانگریس کا ساتھ دینا چاہیے۔

جناب مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

مجھے یاد نہیں کہ یہ سوالات میرے سامنے کبھی آئے تھے اور میں نے ان کے جوابات لکھے تھے۔ اگر جواب لکھے ہوں گے تو غالباً جواب میں کسی قدر تفصیل ہوگی۔ مسٹر جناح کے حقیقی خیالات تو فی الحقیقت مجھے معلوم نہیں مگر ان کے ظاہری طرز عمل کا اسلامی طرز عمل کے موافق نہ ہونا آفتاب سے زیادہ ظاہر ہے۔ ان کا فرقہ شیعہ سے ہونا بھی یقینی ہے، وہ ایک تعلیم یافتہ شخص ہیں۔ ان کی تعلیم وتہذیب یوروپ کی تعلیم وتہذیب ہے۔ اسلامی تعلیم و

تہذیب نے اس کا علاحدہ ہونا کھلی ہوئی روشن بات ہے۔

غیر مسلم کو اسلامی حقوق کا محافظ نہیں قرار دیا جا سکتا یہ صحیح ہے مگر کس مسلمان نے یہ کہا ہے کہ غیر مسلم اسلامی حقوق کے محافظ ہیں، کانگریس میں مسلمان اپنے حقوق کی حفاظت خود کریں گے۔ وہ ہندوؤں سے تو اسلامی حقوق کی حفاظت کی خواہش نہیں کرتے۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمان پہلے مسلمان ہے بعد میں کانگریسی یا مسلم لیگی یا کوئی اور مسٹر جناح قانون کے ماہر ہیں مگر انگریزی قانون کے نہ کہ اسلامی قانون کے، اور انگریزی سیاست کے نہ کہ اسلامی سیاست کے، کیوں کہ انھوں نے اسلامی قانون اور اسلامی سیاست کی مہارت تو درکنار ابتدائی درجہ بھی حاصل نہیں کیا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

(کفایت المفتی (جلد نہم): کتاب السیاسیات)

آزاد ہندوستان کا دستور:

۱۹۴۵ء میں کانگریس نے اپنے انتخابی منشور میں ایک بار پھر اپنے مقاصد اور مستقبل میں ملک کے سیاسی نظام کے بارے میں اپنے نصب العین کا اعادہ کیا اور ملک کے عوام کو یقین دلایا:

''اب جب کہ گاندھی جی کی قیادت میں عدم تشدد کے ذریعے سیاسی آزادی حاصل کی جا چکی ہے نیشنل کانگریس کا فرض ہے کہ وہ سماجی اور معاشی آزادی کے لیے جدوجہد کرے، تاکہ ہندوستان کے تمام لوگوں کے لیے بلالحاظ نسل و مذہب یکساں مواقع فراہم ہوں، یہ مقصد ایک نئے اور مثبت طریق کار اور مادرِ وطن کی خدمت کے لیے تعمیری اسپرٹ کا متقاضی ہے۔

ہندوستان کے عوام نے آزادی حاصل کر لی ہے، لیکن اس کے ثمرات سے مستفیض ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے فرائض اور ذمے داریاں بھی ادا کریں، کانگریسیوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ عوام کی خدمت ان کا نصب العین رہا ہے اور اب بھی ہے اس کے لیے وہ بھی اپنے فرائض اور ذمے داریاں نبھائیں۔

ہندوستان کے لوگوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنا۔ طبقاتی فرق مٹا دینا، جو پیدائش، فرقے یا مذہب کی بنا پر ہے، سب سے بڑی خدمت ہے، ایسا کر کے غیر طبقاتی جمہوری

سوسائٹی قایم کی جاسکے گی اور سب سے بڑھ کر اخلاقی اقدار کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا ہر قیمت خاتمہ کرنا ہے''۔

Selected Works of Maulana abul Kalam Azad, Edited by Dr. Ravindra Kumar. Vol. 3. New Delhi (India) 1991. P.280)

اس کے باوجود کہ ملک کی تقسیم نے جمہوری غیر مذہبی دستور کی منظوری اور نفاذ میں بہت مشکلات پیدا کر دی تھیں، لیکن جمعیت علماے ہند کے رہ نماؤں، مولانا ابوالکلام آزاد اور دوسرے آزاد خیال اور نیشنلسٹ رہ نماؤں نے کانگریس کو اپنی اعلان کردہ پالیسی سے ادھر ادھر ہٹنے نہیں دیا اور انھیں رہ نماؤں کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ آزاد ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی نے اپنے ابتدائی ایام ہی میں دستور کی نوعیت کے بارے میں صاف صاف اعلان کر دیا کہ اس کی حیثیت سیکولر (غیر مذہبی) ہوگی۔ (برصغیر پاک و ہند کی شرعی حیثیت، مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری، کراچی، ۱۹۹۳ء، ص ۱۷۔۱٦)

انتخاب میں لیگ اور احرار کا مقابلہ:

مجلس آئین ساز کے عام انتخابات کا اعلان ہوتے ہی تمام سیاسی پارٹیاں اپنے بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ میدانِ انتخاب میں کود پڑیں۔ ملک بھر میں پروپیگنڈے کا بازار گرم ہوگیا، اس انتخابی مہم کے سلسلے میں بمبئی سے بیرسٹر نوری عابد علی صالح بھائی، حافظ علی بہادر خان، راقم الحروف اثر انصاری کے غریب خانہ پر تشریف لائے دھولیہ احرار کو موصوفین نے اپنے گراں مایہ مشوروں سے نوازا۔ مسلم لیگ کنڈیڈیٹ کا مقابلہ احرار نمایندہ نے کیا، لیکن کامیابی لیگ کے ہاتھ رہی۔ اگرچہ احرار نمایندہ کے لیے مولانا عبدالسلام، سہیل انصاری اور نیاز مند نے جملہ حلقۂ انتخاب میں دورے کیے، ہر جگہ لیگیوں نے سنگ وخشت اور طعن و تشنیع سے نوازا اور ہمیں مشرک و کافر، قوم فروش، ملت فروش جیسے خطابات سے نوازا۔

(مولانا آزاد۔ ایک سیاسی ڈائری)

فوج اور پولیس میں آزادی کے لیے جوش:

ہندوستان کے تمام صوبوں میں کانگریس کو اکثریت حاصل ہوئی، صرف بنگال اور پنجاب میں اس نے نصف سیٹیں حاصل کیں، پنجاب میں یونینسٹ پارٹی اور مسلم لیگ کی تعداد تقریباً برابر رہی، سندھ میں لیگ اکثریت سے محروم ہوگئی، تو وہاں کانگریسی وزارت بنی۔ اس طرح کسی بھی صوبہ میں مسلم لیگ کو واضح اکثریت حاصل نہ ہوسکی۔ اس ضمن میں مولانا آزاد جب لاہور گئے اور گورکھا رجمنٹ چھاؤنی کے ہزاروں سپاہیوں کو علم ہوا تو وہ بلا خوف و تردد صف بستہ مولانا کے دیدار کے لیے آگے بڑھے، ایک مرتبہ جب مولانا آزاد کلکتہ کے لال بازار سے گزر رہے تھے تو لاریوں کی بھیڑ میں ان کی کار رک گئی، کچھ پولیس والوں نے دیکھ لیا، اور فوراً اپنے قریب کے بارکوں میں خبر کردی۔ منٹوں میں ان کی کثیر تعداد نے اکٹھا ہوکر کار کو گھیر لیا اور تسلیم و آداب بجالا کر اپنی پر خلوص وطن دوستی و وفاداری کی یقین دہانی کی، ایک مرتبہ بنگال کے گورنر نے مولانا آزاد کو گورنر ہاؤس میں مدعو کیا تو پولیس اور افسران نے دیکھ لیا اور مولانا کی واپسی پر سبھوں نے جذبۂ وفاداری کے ساتھ تعمیل حکم کی یقین دہانی کی، سول فوجی محکموں کے ہر طبقے اور حفاظتی فوجی دستوں کے سپاہی اور افسران اس وقت کھل کر یہ کہتے تھے کہ جنگ ختم ہوگئی ہے اب ہمارے خون کا صلہ آزادی کی شکل میں ہمیں ملنا چاہیے، ان زندہ واقعات سے حکومت کافی متاثر ہوتی رہی۔

(مولانا آزاد۔ ایک سیاسی ڈائری)

سہارن پور میں مولانا احمد سعید دہلوی کی تقریر:

مولانا احمد سعید دہلوی نائب جمعیت علمائے ہند بیمار تھے، علاج کے سلسلے میں سہارن پور تشریف لے گئے، وہ وہاں حکیم سید محمد یامین کے زیر علاج تھے، سہارن پور کے لوگوں نے اور جمعیت کے مقامی رہنماؤں اور کارکنوں کے اصرار پر انھوں نے جمعے کے روز بعد نماز جمعہ ایک تقریر کی اور مسلم لیگ کی سیاست، پاکستان کے مطالبے اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کے ساتھ سید پور میں، مسلم لیگیوں کے ناروا سلوک پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا، اسی تقریر میں انھوں نے مسلم لیگ کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت

ہونے کے دعوے کے بارے میں فرمایا:

''آپ کی نمایندگی بھی خوب ہے! جمعیت علما (ہند) آپ کے ساتھ نہیں، احرار آپ کے ساتھ نہیں، خاکسار آپ کے ساتھ نہیں، یونینسٹ آپ کے ساتھ نہیں، خدائی خدمت گار آپ کے ساتھ نہیں، شیعہ من حیث الجماعت آپ کے ساتھ نہیں، انصاری آپ کے ساتھ نہیں، انڈیپنڈنٹ اور امارت شرعیہ بہار آپ کے ساتھ نہیں، کرشک پرجا پارٹی آپ کے ساتھ نہیں ہیں، الیکشن میں ہر سیٹ پر آپ کا مقابلہ کیا جا رہا ہے۔ مگر آپ، میں تمام مسلمانوں کے واحد نمایندے!

سبحان اللہ! کیا واحد نمایندگی ہے، قربان جایئے اس واحد نمایندگی پر!

(معرکۃ الآرا تقریر، شایع کردہ سنٹرل مسلم پارلیمنٹری بورڈ۔ دہلی، ص ۱۸)

ان جماعتوں کے علاوہ بہار، یوپی، سندھ، بلوچستان وغیرہ کی اور بھی مسلم جماعتیں تھیں جو مسلم لیگ کے سیاسی فلسفے اور اس کی رہنمائی سے شدید اختلاف رکھتی تھیں۔ اس وقت ذیل کی جماعتیں اور ان کے رہنما، جہاں کہیں بھی تھے، مسلم لیگ کی مخالفت میں سرگرم عمل تھے۔

انجمن وطن (بلوچستان)	صدر عبدالصمد خان اچکزئی
نیشنل کانفرنس (کشمیر)	شیخ عبداللہ
آل انڈیا مومن کانفرنس	شیخ ظہیر الدین
آل انڈیا مسلم مجلس	حافظ محمد ابراہیم
آل انڈیا شیعہ پولیٹکل کانفرنس	صدر سید علی ظہیر
کریشک پرجا پارٹی بنگال	صدر مولانا شمس الدین

کانگریس کے رہ نما اور جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کے رکن مولانا ابوالکلام آزاد

سید پور وغیرہ کے واقعات۔ مولانا مدنی کا بیان:

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہٗ نے حسب ذیل بیان شایع کیا ہے:

''جو بدعنوانیاں میرے ساتھ سید پور کہتیار، بھاگل پور میں اور حضرت مولانا ابو

الکلام، مولانا ابو الوفا، مولانا محمد قاسم شاہ جہان پوری اور مولانا عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی کے ساتھ، علی گڑھ، گیا اور کلکتہ میں مسلم لیگیوں نے جو خلاف انسانیت اور اسلامیت سوز بدعنوانیاں کی ہیں یا دہلی اور کان پور میں آزادی پسند مسلم جماعتوں کے ساتھ عمل میں لائی جا رہی ہیں وہ یقیناً ملت اسلامیہ کے لیے شرم ناک ہیں، مگر میں تمام مسلمانوں سے التجا کرتا ہوں کہ وہ صبر و استقلال کو ہاتھ سے نہ دیں اور ان بدنام کنندگان ملت اسلامیہ کے جواب میں کسی بدتہذیبی کو عمل میں نہ لائیں۔

حقیقی جواب اس کا یہ ہے کہ اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے امن وسکون کے ساتھ مہذب طور پر پوری جدوجہد کی جائے تاکہ مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے نامزد امیدوار کامیاب ہوں۔ اگر آپ ایسا کرنے میں فائز المرام ہو گئے تو لیگ اور اس کی مجرمانہ شوخیاں خود بخود مرجائیں گی اور ہندوستان آزادی کے کنارے پر پہنچ جائے گا''۔

پاکستان کی حقیقت۔ محمد ابرار احمد صدیقی:

''پاکستان کی حقیقت'' کے نام سے محمد ابرار احمد صدیقی سیوہاروی کا ایک کتابچہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی سے چھاپ کر مسلم پارلیمنٹری بورڈ نے شایع کیا ہے، مصنف نے بتایا ہے کہ ہندوستان میں ہندو مسلم فرقہ وارانہ مسئلہ بہت اہم مسئلہ ہے لیکن تقسیم ملک اس مسئلے کا صحیح حل نہیں۔ جمعیت علماے ہند کے منصوبے کے مطابق مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کی آزاد خود مختار حکومتیں ہوں گی اور مرکز میں ۴۵ مسلمان، ۴۵ ہندو اور ۱۰ دیگر اقلتوں کا تناسب ہوگا۔ اس طرح مسلم اکثریت کے صوبوں کی حیثیت پاکستان ہی کی ہوگی، دیگر صوبوں میں مسلمان ایک باوقار حیثیت کے مالک اور مرکز میں مساویانہ حیثیت کے مالک ہوں گے۔

صدیقی صاحب نے مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح اور جنرل سکرٹری نواب زادہ لیاقت علی خاں کے متعدد بیانات سے یہ غلط فہمی بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ پاکستان میں اسلامی یا مذہبی حکومت قایم ہوگی، تحریک پاکستان کے دونوں رہ نماؤں نے اپنے بیانات و تقاریر میں صاف اور واضح لفظوں سے یہ اعلان کر دیا تھا کہ پاکستان میں برطانوی طرز کی جمہوریت ہوگی، اس کا دستور ملک کے مسلم اور غیر مسلم عوام کی رائے سے

بنایا جائے گا، اس میں ہر مذہب کو آزادی حاصل ہوگی۔

لفظ ''قاید اعظم''، معنی اور اس کا استعمال۔ حضرت مفتی اعظم کا بیان:

۱۹۴۵ء اواخر یا آغاز ۱۹۴۶ء: سید محمد کاظم صاحب ترمذی (جھانسی) کے استفسارات کے جواب میں جن کا مفاد جواب سے ظاہر ہے، حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا:

۱۔ قاید اعظم کے معنی ہیں بڑا رہنما، یہ لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو حقیقی معانی میں استعمال ہوتا ہے، اور مجازاً کسی دوسرے حقیقی رہ نما کو قاید اعظم کہا جائے تو منع نہیں۔ لیکن غیر متبع شریعت فاسق فاجر کو یہ خطاب دینا ناجائز ہے۔

۲۔ ایسا شخص ہرگز مسلمانوں کا رہ نما نہیں ہو سکتا جو قرآنی احکام کو انصاف کے خلاف اور جنجال بتائے اور اسلام کے خلاف قوانین پاس کرائے۔

۳۔ جو امام متبع شریعت ہو، سیاست میں جمعیت علما کے ساتھ ہو وہ سچا امام ہے، اس کی امامت بے شبہ جائز ہے، بلکہ وہ دوسرے اماموں سے اولیٰ و افضل ہے۔

۴۔ مذہبی حدود میں رہ کر وقتی ضرورت سے غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک عمل سیاست میں جائز ہے، تمام مسلمان ایسا کر چکے ہیں اور علما نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور خود بھی شریک تحریک آزادی ہوئے، جو لوگ کسی ایسے امام کے خلاف شر پھیلائیں وہ مفسد ہیں۔

۵۔ سواد اعظم سے مراد وہ جماعت ہے جس کی دلیل صحیح اور قوی ہو۔ زیادہ بھیڑ مراد نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ، دہلی۔ (کفایت المفتی (جلد نہم): کتاب السیاسیات)

۱۹۴۵ء وبعدہ مسئلہ فلسطین!

یہودیوں کا ایک اجتماع عام بمقام نیویارک منعقد ہوا، جس میں برطانوی قرطاس ابیض کی شدید مذمت کی گئی تھی اور اس وقت سے فلسطین کا مسئلہ یہودیوں کی جدوجہد اور توقعات حمایت و اعانت کا محور برطانیہ کی بجائے امریکہ کی طرف جھکنے لگا اور انھوں نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ اپنے اثر سے کام لے

کر برطانوی حکومت کو ازسرِ نو یہودیوں کے مطالبہ کا حامی بنا دے، ان کی اس جدوجہد کی بدولت اس زمانے میں ریاست کے بعض قوانین میں ایسے جملوں کا بھی اضافہ کیا گیا جن سے یہودیوں کی حمایت مقصود تھی اور خود صدر روز ویلٹ نے اپنے ایک بیان میں تحریک صیہونیت کے ساتھ اتفاق رائے کا اظہار کیا، لیکن جہاں تک راہ راست اقدام کا تعلق تھا حکومت اپنے مصالح کے پیش نظر اس پر رضامند نہیں ہوئی بلکہ برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر ایٹلی کی تجویز کے مطابق وہ مشترکہ طور پر فلسطین کے معاملات کی تحقیقات کرنے کے لیے اینگلو امریکن کمیٹی کے نام سے ایک مجلس تحقیقات قایم کرنے پر آمادہ ہو گئی۔

اس مجلس تحقیقات نے اپریل ۱۹۴٦ء میں اپنی مرتبہ یادداشت شایع کی، اس یادداشت میں فلسطین کی تقسیم کی مخالفت کرنے کے بعد امن قایم ہونے تک برطانوی انتظام کو بدستور قایم رکھنے اور اس کے بعد یہاں ادارہ اقوام متحدہ کے ماتحت ایک حکومت قایم کرنے کی سفارش کی گئی تھی اور اس کام کو انجام دینے کے بنیادی نکات کے طور پر تجویز کیا تھا کہ

۱۔ فلسطین میں نہ تو عرب یہودیوں کو مغلوب کر سکیں گے اور نہ یہودی عربوں کو۔

۲۔ فلسطین میں نہ تو عرب ریاست قایم کی جائے گی اور نہ اسرائیلی اور

۳۔ وہاں جو حکومت ہوگی اسے بین الاقوامی تحفظ حاصل ہوگا، اور وہ اس ارض مقدس میں مسیحیت اسلام، اور موسائیت کے مفاد کی حفاظت کی ذمہ دار ہوگی۔

ان سفارشات کی روشنی میں "تجویز موریسن" کے نام سے فلسطین میں قایم کی جانے والی حکومت کا جو خاکہ مرتب کیا گیا تھا، اس کا مفہوم یہ تھا کہ مرکزی حکومت کے حدود میں رہتے ہوئے صوبائی حکومتوں کو خود مختاری دی جائے گی۔ اور نامزد اراکین پر مشتمل ایک مجلس انتظامیہ کمشنر کے ماتحت رہتے ہوئے مرکزی حکومت کے نظم و نسق کی ذمے دار ہوگی، اس تجویز کے مقابلے پر مسٹر بیون نے کنٹونائزیشن پلان کے نام سے ایک اور تجویز پیش کی جس میں پانچ سال کے لیے فلسطین میں برطانیہ کی تولیت قایم رکھنے اور چار سال کے بعد ایک دستور ساز مجلس بنانے کی سفارش کی گئی تھی۔

اس تجویز کے سلسلے میں ستمبر ۱۹۴٦ء میں یہودیوں عربوں اور برطانیہ کے نمایندوں کی ایک کانفرنس بمقام لندن منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور اس میں شرکت کے لیے عرب ریاستوں کے حکمرانوں فلسطین کی مجلس اعلیٰ اور عرب لیگ کے سکریٹری عزم پاشا کے نام

دعوت نامے بھی روانہ کردیے گئے، لیکن چوں کہ برطانوی حکومت اس اجتماع میں فلسطین کے مفتی اعظم امین الحسینی کو دعوت شرکت دینے پر رضا مند نہیں ہوئی اور فلسطین کی مجلس اعلیٰ کے ارکان نے اس میں شریک ہونے سے انکار کردیا۔ اور اس طرح مذکورہ بالا ہردو تجاویز بھی بے سود ثابت ہوئیں۔

فلسطین کے مسئلے کو حل کرنے میں کلی طور پر ناکامیاب ہوجانے کے بعد برطانوی حکومت نے ۱۹۴۷ء کے آغاز میں اسے ادارۂ اقوام متحدہ کے روبرو پیش کردیا۔ اور ادارہ کی مجلس عمومی نے ایک مخصوص اجلاس میں طویل بحث اور غور سے بعد دنیا کی چھوٹی اور متوسط درجہ کی گیارہ اقوام کے نمایندوں پر مشتمل ایک مجلس تحقیقات مقرر کرنے کے بعد اسے تمبر ۱۹۴۷ء میں اپنی مرتبہ یادداشت پیش کرنے کی ہدایت کردی۔ اس مجلس نے فلسطین جاکر وسط جون میں اپنا کام شروع کیا، لیکن عربوں نے اس کے ساتھ اشتراک عمل کرنے سے انکار کردیا۔

اس کمیٹی نے ادارہ اقوام متحدہ کے روبرو جو یادداشت پیش کی وہ دو حصوں پر منقسم تھی، یعنی اس کے ایک حصے سے تمام اراکین نے اتفاق رائے کیا تھا اور دوسرے حصے میں اکثریت اور اقلیت نے جداگانہ طور پر اپنی اپنی تجاویز پیش کی تھیں۔ پہلے حصہ کا مفہوم یہ تھا کہ فلسطین سے برطانوی انتداب دور کو جلد از جلد ختم کردیا جائے اور جلد از جلد اس ملک کی کامل آزادی کو تسلیم کرلیا جائے۔ متنازعہ فیہ معاملات میں اکثریت نے یہ تجاویز پیش کی تھیں کہ فلسطین میں عربوں اور یہودیوں کی دو جداگانہ آزاد ریاستیں قایم کردی جائیں لیکن وہ اقتصادی معاملات میں لازمی طور پر متحد اور مربوط رہیں اور یروشلم کو دونوں ریاستوں سے جدا کرکے بین الاقوامی انتظام کے ماتحت رکھا جائیں یکم تمبر ۱۹۴۷ء سے پورے دو سال کے بعد دونوں ریاستوں کو آزاد کردیا جائے، لیکن اس اقدام سے قبل ان سے بعض ضروری امور کی تکمیل اور پابندی نیز مستقبل میں اقتصادی طور پر مربوط رہنے کے معاہدہ پر دستخط حاصل کرالیے جائیں، عبوری دور میں ادارۂ اقوام متحدہ کی اجازت سے عنان انتظام برطانیہ کے ہاتھوں میں رہے اور مجوزہ اسرائیلی ریاست میں بتدریج ڈیڑھ لاکھ مزید یہودیوں کو داخلہ کی اجازت دی جائے، ان تجاویز کے علاوہ مجلس کی اکثریت نے ہردو ریاستوں کے دستور اساسی کے سلسلے میں کچھ وضاحتیں بھی کی تھیں۔

مجلس کی اقلیت نے جو ہندوستان، ایران اور یوگوسلادیہ کے نمایندوں پر مشتمل تھی فلسطین میں عربوں اور یہودیوں کی ایک وفاقی حکومت کے قیام اور یروشلم کو اس حکومت کا صدر مقام بنانے کی تجویز پیش کی تھی۔ لیکن عربوں نے متفقہ طور پر اس یادداشت خصوصاً اکثریت کی تجاویز کی شدید مخالفت کی، اس کے برعکس زیونسٹ جنرل کونسل نے اقلیت کی تجاویز کو مسترد کرتے ہوئے اکثریت کی تجاویز کو مشروط طور پر تسلیم کرنے پر اظہار رضامندی کیا، اس یادداشت کی روشنی میں ادارہ اقوام متحدہ نے امریکہ، سوویت، روس، کناڈا اور گوہاٹی مالا کے نمایندوں پر مشتمل ایک خصوصی مجلس مقرر کی اور اس نے بالاتفاق رائے تقسیم فلسطین کا فیصلہ کردیا، اور ۳۰ رنومبر کو ادارہ کی مجلس عمومی نے اس فیصلہ کی تصدیق کردی، لیکن اس موقع پر عرب ممالک کے نمایندے اجلاس سے اٹھ کر چلے گئے اور انھوں نے متفقہ طور پر اس بات کا اعلان کردیا کہ ہماری حکومتیں اس فیصلہ کی پابندی پر مجبور نہیں ہیں۔ ادارہ اقوام متحدہ کے مذکورہ بالا فیصلہ نے عرب ممالک اور خصوصاً فلسطین میں سخت ناراضگی کا جذبہ پیدا کردیا، اور ۳۰ رنومبر کو عرب مجلس اعلیٰ نے اس فیصلہ کو مسترد کرتے ہوئے عربوں کو ۲ ردسمبر سے ۴ ردسمبر تک عام ہڑتال کرنے اور یہودیوں کا مقاطعہ کردینے کا مشورہ اور تمام عرب ریاستوں نے تقسیم اور اسرائیلی ریاست کے قیام کو روکنے کے لیے فوجی کارروائی کرنے کا اعلان کردیا۔ ۲ ردسمبر کو ادارۂ اقوام متحدہ کی مجلس تولیت نے یروشلم کا انتظامی خاکہ، مرتب کرنے کے لیے پانچ افراد پر مشتمل ایک خصوصی مجلس مقرر کی، اور ۱۲ ردسمبر کو برطانوی حکومت نے ادارہ اقوام متحدہ کو اس امر کی اطلاع دی کہ فلسطین سے برطانوی مینڈیٹ کے خاتمہ کی آخری تاریخ ۱۵ رمئی ۱۹۴۸ء مقرر کی گئی ہے۔ ان واقعات نے فلسطین کے مسئلہ کو پیچیدہ بنا دیا تھا اس لیے ادارہ اقوام متحدہ نے برطانوی انتظام کا دور ختم ہونے سے پہلے فلسطین کے حالات کا مطالعہ کرنے کے لیے ایک اور مجلس مقرر کی اس مجلس نے فروری ۱۹۴۸ء میں اپنی جو یادداشت پیش کی اس میں اس بات کی سفارش کی گئی تھی کہ تقسیم کے فیصلہ کو نافذ کرنے کے لیے فلسطین میں مسلح افواج کی موجودگی ضروری ہے، اس یادداشت کی اشاعت کے بعد ریاست ہائے متحدہ کی جانب سے سوویت، روس، امریکہ، برطانیہ، فرانس اور چین کے نمایندوں پر مشتمل ایک ایسی مجلس مقرر کرنے کی تجویز پیش کی گئی جو ادارہ کی موجودہ مشکل کو حل کرنے کی کوئی صورت پیدا کرسکے، لیکن برطانیہ نے اس مجلس میں شریک

ہونے سے انکار کردیا اور مارچ کے اواخر میں برطانیہ کے علاوہ چار نمایندوں پر مشتمل اس مجلس کا جو اجلاس منعقد ہوا اس میں امریکہ نے تقسیم کی حمایت کے فیصلے سے منحرف ہوکر پورے فلسطین پر ادارہ اقوام متحدہ کی سرپرستی قایم کرنے کی تجویز پیش کی، چین اور فرانس نے اس تجویز کی حمایت کی لیکن سوویت، روس کا نمایندہ اس سے متفق الراے نہ ہوسکا۔

۱۴ر اور ۱۵ر مئی ۱۹۴۸ء کی درمیانی شب کے بارہ بجے سے کچھ دیر پہلے فلسطین کے یہودیوں نے ریاست اسرائیل کے قیام کا اعلان کردیا اور شب کے بارہ بجے جب برطانوی مینڈیت کے ختم ہونے کا اعلان کیا گیا تو عرب افواج نے مختلف اطراف سے یہودیوں کے خلاف یورش شروع کردی، اس خون ریزی کو روکنے کے لیے چند روز کے بعد ادارہ اقوام متحدہ نے فریقین کو عارضی طور پر صلح کرلینے کا مشورہ دیا جسے فریقین نے قبول بھی کرلیا لیکن اس کے باوجود عربوں اور یہودیوں کے درمیان آویزشوں کی اطلاعات موصول ہوتی رہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ نے کاؤنٹ برناڈوٹ کو عارضی صلح کی شرائط تعمیل و تکمیل کی نگرانی کرنے کے لیے فلسطین بھیجا تھا لیکن یہودی دہشت پسندوں نے انھیں ہلاک کردیا۔

(بین الاقوامی سیاسی معلومات: ص ۲۹-۶۲۴)

اسرائیل:

اسرائیل کی صیہونی مملکت بحرِ متوسط کے مشرقی کنارے پر فلسطین کی سرزمین پر قایم ہے، اس کی سرحدیں اردن، مصر، شام اور لبنان سے ملتی ہیں، رقبہ ۲۰،۷۰۰ مربع کلومیٹر اور آبادی (۱۹۷۲ء) ۳،۱۹۹،۲۰۰ ہے جس میں مقبوضہ عرب یروشلم کی ۶۸ ہزار عرب آبادی بھی شامل ہے، اسرائیل میں عرب اقلیت ڈھائی لاکھ سے زائد ہے، سرکاری زبان عبرانی ہے، اکثریت یہودی ہے، دار الحکومت یروشلم ہے، ملک میں پارلیمانی جمہوریت اور کثیر جماعتی نظام کام کرتا ہے۔

اسرائیل کی بنیادیں انیسویں صدی میں یورپ کے یہودیوں کی صیہونی تحریک اور اس کے حق میں برطانوی سامراج کی حمایت سے پڑیں، صیہونیت کا مقصد دنیا کے مختلف خطوں میں بکھرے یہودیوں کو ان کے دو ہزار سال پہلے کے وطن یعنی فلسطین میں واپس لانا تھا، جہاں سے وہ رومی تسلط کے بعد جلاوطن کردیے گئے تھے، سلطنت عثمانیہ نے یہودیوں کو

فلسطین میں بڑی تعداد میں آباد ہونے کی اجازت نہیں دی، لیکن پہلی عالمی جنگ میں صیہونیوں نے زر اور فوجی خدمات کے ذریعے برطانیہ اور دوسری استعماری طاقتوں کی پوری حمایت کی جس کا معاوضہ برطانیہ نے ١٩١٧ء میں اعلان بالفور کے ذریعے چکایا، اس اعلان کے ذریعے برطانیہ نے فلسطین میں یہودیوں کا ایک ''قومی وطن'' (National Home) قایم کرنے کا وعدہ کیا، سلطنت عثمانیہ کی شکست کے بعد فلسطین برطانیہ کے قبضہ میں آچکا تھا۔ یہودیوں کی آبادکاری کے مقصد سے برطانیہ نے فلسطین کو اپنے انتداب میں لے کر اسے براہِ راست ایک شاہی نوآبادی بنا دیا اور یہودیوں کی سیاسی تنظیم جیوش ایجنسی (Iewish Ayaney) کو غیر ملکوں سے یہودیوں کو لاکر فلسطین میں آباد کرانے اور یہاں کا شہری نظم ونسق چلانے کے لیے نیم سرکاری اختیارات دے دیے، رفتہ رفتہ بڑی تعداد میں یورپ سے یہودی آنے لگے اور جب نازی جرمنی اور مشرقی یورپ میں یہودیوں پر مظالم ڈھائے جانے لگے تو فلسطین میں یہودی پناہ گزینوں کا سیلاب آگیا۔ دریں اثناء فلسطین کے دستوری مستقبل کے سوال پر یہودی اور فلسطینی عربوں کے درمیان کش مکش جاری رہی، برطانیہ اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں نکال سکا۔ اس لیے ١٩٤٧ء میں فلسطین کے سوال کو اقوام متحدہ کے سپرد کر کے ١٥ رمئی ١٩٤٨ء کو انتداب کے خاتمہ اور فلسطین سے تخلیہ کا اعلان کر دیا، اقوام متحدہ نے اپنی تحقیقات کے بعد فلسطین کو عرب اور یہودی ریاستوں میں تقسیم کرنے کی سفارش کی، دریں اثنا برطانوی فوج اور انتظامیہ کی فلسطین سے واپسی کے ساتھ عربوں اور یہودیوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی اور عربوں کی حمایت میں ہمسایہ عرب ملکوں نے فوجی مداخلت کی، لیکن منظم اور تربیت یافتہ یورپی یہودیوں نے عرب ملکوں کی فوجوں کو شکست دے کر اسرائیل کا وجود مستحکم کیا جس کے قیام کا اعلان یہودی رہنماؤں نے ١٥ رمئی ١٩٤٨ء کو انتداب ختم ہوتے ہی کر دیا تھا۔ اس جنگ کے بعد اقوام متحدہ نے عارضی جنگ بندی کرا کے جنگ بندی کے معاہدے کرائے اور اسرائیل اور عرب ملکوں کے درمیان جنگ بندی لائنوں کی نشان بندی کی۔ تب سے ١٩٦٧ء تک یہی لائنیں سرحدوں کا کام دیتی رہیں، ١٩٦٧ء میں اسرائیل نے مصر، اردن اور شام پر حملہ کر کے جزیرہ نمائے سینا دریائے اردن کے مغربی کنارہ اور گولان پہاڑیوں پر قبضہ کرلیا، اس قبضہ کو ختم کرانے کی تمام پرامن کوششیں ناکام ہوگئیں تو مصر اور شام نے اکتوبر ١٩٧٣ء میں اسرائیل سے جنگ کی، اس

جنگ کے نتیجہ میں بڑی طاقتوں نے مداخلت کر کے شام اور مصر کے محاذوں پر دونوں فوجوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنے اور درمیان میں اقوام متحدہ کی فوج کے زیر نگرانی غیر فوجی منطقے قایم کرنے کے معاہدے کرائے اور مستقل امن کی بات چیت کے لیے جنیوا کانفرنس کا افتتاح کیا۔ جس کی ابتدائی نشست کے بعد کوئی نشست تا ہنوز نہیں ہوتی ہے۔

(فرہنگ سیاسیات: ص ۴۸، ۴۷)

جمعیت علمائے ہند کے نئے صدر۔

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی مقرر ہو گئے!

جمعیت العلما ہند کے دستور العمل کے بہ موجب آل انڈیا جمعیت العلما کے صدر کا انتخاب صوبائی جمعیتیں کیا کرتی ہیں، چناں چہ آیندہ صدر کے لیے صرف ایک صوبہ سی پی کے علاوہ آسام، بنگال، بہار، یو پی، سرحد، سندھ وغیرہ تمام صوبائی جمعیتوں نے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کو صدر منتخب کیا ہے۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی۔ ۱۹۴۰ء میں پہلی مرتبہ جمعیت علمائے ہند کے صدر منتخب کیے گئے، اس کے بعد ہر انتخاب کے موقع پر صوبائی جمعیتوں کی اکثریت حضرت مولانا کے حق میں رائے دیتی رہی اور آپ صدر منتخب ہوتے رہے۔

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی دنیائے اسلام کی بینظیر یونیورٹی دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور پرنسپل ہیں، دار العلوم کے ہزاروں طلبہ ان سے علمی فیض حاصل کرتے ہیں اور ہندوستان کے ہر ایک گوشہ اور بیرونی ہند تمام ممالک بالخصوص ممالک اسلامیہ میں پہنچ کر اسلامی خدمات انجام دیتے ہیں۔

آزادیٔ ہند کے سلسلے میں آپ کی قربانیاں کسی تعارف کی محتاج نہیں، دس سال آپ نے مدینہ طیبہ میں علمی اور سیاسی خدمات انجام دیں ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے دوران میں ریشمی رومال کی مشہور تحریک کے سلسلے میں آپ کو حضرت مولانا محمود حسن صاحب مرحوم کے ساتھ گرفتار کر کے چار سال متواتر نظر بند رکھا گیا۔

۱۹۲۰ء میں پولیس اور فوج کی ملازمتوں کی حرمت کا فتویٰ آپ نے صادر کیا، مولانا

محمد علی مرحوم، مولانا شوکت علی مرحوم وغیرہ نے اس کی تائید کی جس کے نتیجے میں کراچی کا مشہور مقدمہ آپ پر چلایا گیا، اور دو سال قید با مشقت کی سزا دی گئی۔

۱۹۳۰ء میں تحریک آزادی کے سلسلے میں جمعیت العلما ہند کے ڈکٹیٹر کی حیثیت سے آپ گرفتار ہوئے۔

۱۹۴۲ء میں آپ کو تحریک شروع ہونے سے پہلے ہی گرفتار کر لیا گیا اور تین سال تک مراد آباد اور نینی جیل میں نظر بند رکھا گیا۔

آپ نے ہمیشہ آزادی ہند کے مسئلے کو تمام فرقہ وارانہ مسایل پر مقدم رکھا، اور اسی وجہ سے سب سے زیادہ آپ کے برخلاف پروپیگنڈا کیا گیا، آپ کی پچاس سالہ علمی، اصلاحی، تبلیغی اور سیاسی خدمات امت اسلامیہ کے لیے گراں قدر متاع اور بیش بہا ذخیرہ ہیں اور علمی اور تبلیغی خدمات کی طرح سیاسی خدمات میں بھی آپ کا حصہ تمام مسلم لیڈروں میں سب سے زیادہ اور ممتاز ہے۔

محمد میاں ناظم جمعیت علماے ہند،
سید انیس احمد دفتر جمعیت علماے ہند
(زمزم۔لاہور)